دریں زمان فرحت اقتران کتاب لاجواب متضمن بہ حالات فرمانروایان جالور و پالن پور یعنی

تاریخ پالن پور

مؤلفہ فضیلت مآب سیادت انتساب جناب سید گلاب میاں صاحب میر منشی ریاست موصوف

۱۹۱۲ء

Gulab Mian A. Sayed

سیّد گلاب میاں مؤلف تاریخ ہذا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین مختصر

مولانا مولوی سید رحمت میاں صاحب مرحوم کے حالات زندگی
از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۶

فہرست مضامین تاریخ پالن پور جلد اول از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۵۱

باب ششم

ملک بڈھن خان پسر سالار خان

از صفحہ ۴۴ تا صفحہ ۴۵

باب ہفتم

مجاہد خان اول عرف موٹجھا ملک پسر کلاں ملک بڈھن خان از صفحہ ۴۶ تا صفحہ ۵۲

باب ہشتم

ملک علی شیر خان ولد بڈھن خان

از صفحہ ۵۳ تا صفحہ ۵۵

باب نہم

ملک سکندر خان ولد علی شیر خان از صفحہ ۵۶ تا صفحہ ۵۹

فہرست مضامین تاریخ پالن پور جلد دوم

دیوان بہادر خان ابن دیوان فیروز خان ثانی از صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۵۴

باب ششم

دیوان سلیم خان ابن بہادر خان

از صفحہ ۵۵ تا صفحہ ۶۴

باب ششم
دیوان شیر خان ابن سلیم خان
از صفحہ ۶۴ تا صفحہ ۱۱۰

باب ہفتم

دیوان شمشیر خان ثانی بن عثمان خان

از صفحہ ۱۱۱ تا صفحہ ۱۲۴

باب ہشتم

دیوان فیروز خان ثالث

از صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۵۱

باب نہم

دیوان فتح خان ثانی ابن فیروزخان

ثالث از صفحہ ۱۵۲ تا صفحہ ۱۷۶

باب [illegible]

دیوان زورآور خان ابن دیوان فتح خان ثانی

از صفحہ ۱۶۷ تا صفحہ ۱۹۹

فہرست مضامین جلد سوم تاریخ پالن پور

دیباچہ
از صفحہ ۳ تا صفحہ ۱۱

جلد سوم تاریخ پالن پور کا پہلا حصہ
از صفحہ ۱ تا صفحہ ۱۵۲

ابتدائی حالات
از صفحہ ۱ تا صفحہ ۶

گورنمنٹ کی طرف سے اعزاز
از صفحہ ۱۲ تا صفحہ ۱۲

گورنمنٹ کے ساتھ وفادارانہ سلوک
از صفحہ ۱۳ تا صفحہ ۱۵

فہرست مضامین ضمیمہ تاریخ پالن پور

از صفحہ ۱ تا صفحہ ۲۲

فہرست تقاریظ وقطعات تاریخ

از صفحہ ۱ تا صفحہ ۵۹

فہرست تصاویر[۱] مندرجہ تاریخ پالن پور

[۱] تاریخ پالن پور میں جو تصویریں چھپاں کی گئی ہیں، تین قسم کی ہیں۔ ایک تو زمانہ حال کے موافق فوٹوگراف سے متعلق ہیں۔ دوسری وہ تصویریں ہیں جو احمد آباد یا دہلی کے چابک دست مصوروں کی قلم کاری کا نمونہ ہیں۔ اور تیسری مگر معدودے چند وہ ہیں جن کو پالن پور کے دیسی نقاشوں نے اپنے مذاق کے موجب کبھی بنایا تھا۔ اگرچہ ہم ان تیسری قسم کی تصاویر کو بھی فن مصوری کے اصول کے مطابق درستی اور تناسب کے سانچے میں ڈھال سکتے تھے لیکن ہم نے دانستہ ایسا نہیں کیا بلکہ عقیدتمند دیسی نقاشوں (چھپواروں) کی دست کاری کو اپنے حال پر بحال رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ ۱۲

خاکسار۔ گلاب میاں۔

صحت نامہ تاریخ پالن پور سہ جلد

نمبر شمار	جلد	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	مقدمہ	۲۸	۱۶	پشتو زبان	پشتون
۲	"	۳۰	۱۶	تلسط	تسلط
۳	"	۳۵	۱۰	اپنے اپنے	اپنے
۴	"	۴۲	۳	سلطانت است	سلطنت
۵	جلد اول	۴۴	۵	جگل	جگمال
۶	"	۱۲۰	۱۴	بہادر پو	بہادر پورہ
۷	"	۱۳۲	۱۲	آموختہ	آموز
۸	"	۱۵۰	۱۰	وارثت	وراثت
۹	جلد دوم	۱۶۰	۹	ان کی	میجر پریکاٹ صاحب کی
۱۰	جلد سوم	۳	۱۵	چست بندش	چستی بندش
۱۱	"	۹	۱۸	چوہان	پرمار
۱۲	"	۲۰۴	۱	پھولیا	پچھوکھلیا
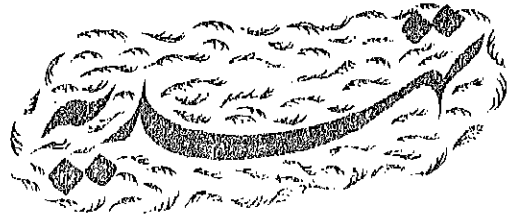
ہدیہ

میں اپنے نہالِ محنت کا نتیجہ یعنی ایک سدا بہار گلدستہ جسمیں باغِ ہستیائی کے
خوش رنگ پھول بہ رشتہ کئے گئے ہیں اپنی مبارک بارگاہ زبدۃ الملک ہز ہائینس
دیوان (نواب) سر شیر محمد خان بہادر جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای ۔ والی ریاست
پالن پور ادام اللہ تعالیٰ اقبالہم و حشمتہم کی خدمت میں نہایت ادب اور کمال مسرت
کے ساتھ پیشکش کر کے اسکے مبارک نام کو ان اوراق تاریخ پالن پور کا تاج سر
بناتا ہوں امید ہے کہ قبولیت خاص کا خلعت ہو کر میری پیشانی عزت کو چار
چاند لگائے جائیں گے

دعا گوے دولت

خاکسار گلاب میاں

میرے ولی نعمت ادام اللہ تعالے اقبالہم نے اس تالیف کو پسند فرمانیکے بعد ایک مہری پروانہ کے ذریعہ سے میری ناچیز خدمات کے متعلق داد دے کر خوشنودی کا بھی اظہار کیا ہے اس لئے پروانہ کی نقل افتخاراً درج ذیل کی جاتی ہے۔

ازپیشگاہ حضور فیض گنجور افتخارِ زمان عالیجناب دیوان (نواب) شیر محمد خان صاحب بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ والی ریاستِ پالن پور ادام اللہ تعالیٰ اقبالہم۔ المرقوم یکم اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء

مُہر سرکار

لیاقت و فطانت مآب سیادت و نجابت انتساب منشی سیّد گلاب میاں بعافیت باشند۔ تُم نے ہمارے خاندانی حالات، ریاست کے قدیم و جدید واقعات اور ہاید ولت کا تذکرہ کتاب کی صورت میں قلمبند کیا ہے، وہ گویا خاندان لوہانی کا روزنامچہ ہے۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ریاست پالن پور میں ایک ایسا شخص موجود ہے جس نے عمدہ پیرایہ میں تاریخی واقعات لکھ کر ملک پر قابلِ تقلید احسان کیا ہے۔ ہاید ولت تمہارے اس بیش بہا اور قابلِ وقعت تحفہ کو قبول فرما کر بیحد مسرت کے ساتھ تمہاری عمدہ خدمات کی داد دیتے ہیں اور بہت ہی خوش ہیں کہ مولوی سیّد رحمت میاں صاحب مرحوم نے جس عظیم الشان کام کی بنیاد قائم کی تھی اُس کو تم نے تکمیل کے درجہ تک پہنچایا فقط

[illegible]

[illegible]

ہز ہائنس نے پروانہ کی ذیل میں جو عبارت بخط گجراتی لکھی ہے اُسکا اُردو ترجمہ ہدیۂ ناظرین
کیا جاتا ہے تاکہ ”ادہ دلچسپی کے حضور ممدوح کی طرز انشا پردازی بھی معلوم ہوسکے۔

وَھُوَھٰذا

تاریخ پالن پور کی تینوں جلدیں آج منشی سید گلاب میاں نے حضور میں پیش کیں ان کو دیکھکر مابدولت
مع ہر دو صاحبزادگان بہت ہی مسرور و محظوظ ہوئے اور محض خوشنودی کے طور پر یہ پروانہ مرحمت کیا جاتا ہے۔
مولوی صاحب مرحوم نے اس تاریخ کی بنا ڈال کر خاندان لوہانی کے تاریخی حالات کا فوٹو پبلک کے سامنے
پیش کرنا چاہا تھا لیکن افسوس کہ اُن کی عمر عزیز کا پیمانہ قبل از وقت لبریز ہوگیا اور جو کام وہ کرنے والے تھے اُسکو
منشی سید گلاب میاں نے نہایت ہی قابلیت و جفاکشی کے ساتھ پورا کیا جس سے انکی خیرخواہی و خیرسگالی ریاست
کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے اور انکا یہ کام تحسین و آفرین کے لائق ہے۔

بفضل خدا

دیوان نواب سر شیر محمد خان،

فرمانروائے بست و ہشتم [28] ریاست پالن پور
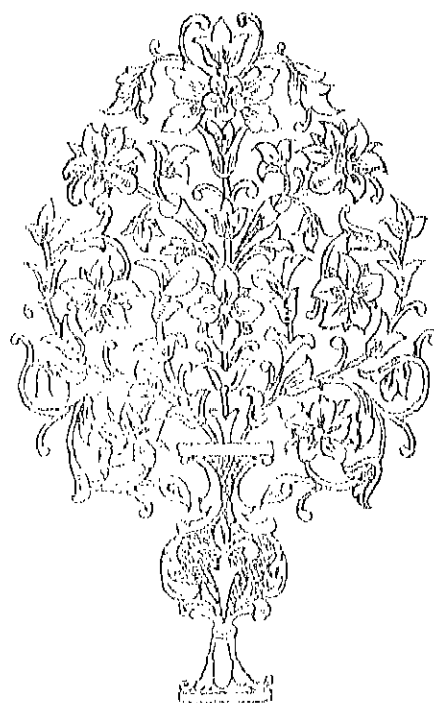
مولانا مولوی سیّد رحمت میاں صاحب مرحوم کے حالاتِ زندگی

ولادت اور نام مولانا کی ولادت با سعادت یکم ماہ ذیقعدہ ۱۲۵۹ھ ہجری کو بمقام پالن پور واقع ہوئی۔ آپ کا اصلی نام سیّد رحمت اللہ تھا اور اہلِ گجرات کے عرف میں رحمت میاں صاحب مشہور تھے تخلص گلشن اور خطاب مولوی عوام میں شہرت پذیر تھا۔ لیکن والی ریاست دام اقبالہم اور دیگر رؤسا کی تحریرات میں بجائے القاب معمولی کے آپ کے لئے شمس العلما کا لقب استعمال کیا گیا ہے۔ آپ کے تمام شاگرد اور اکثر معززین شہر آپ کو "مولانا" کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے تھے اور نیز آپ میرے اُستاد اور حقیقی خالو بھی ہوتے تھے۔ اس وجہ سے میں یہی مناسب سمجھتا ہوں کہ اس موقع پر آپ کے لئے تعظیماً مولانا کا لفظ استعمال کروں۔

پرورش مولانا کے والدِ ماجد سیّد خوب میاں صاحب مہاراجہ تخت سنگھ جی راٹھور (والی مارواڑ) کے ہمراہ بسلسلۂ ملازمت جودھ پور چلے گئے اور تقریباً دس برس تک وہیں رہے۔ ان ہی دنوں میں مولانا کی والدہ ماجدہ نے آپ کو عالمِ طفولیت میں

چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا اور اب کوئی ایسا مربی سر پر نہ رہا جو آپ کی تعلیم و تربیت کا انتظام کرتا صرف دادی صاحبہ پرورش کیلئے زندہ تھیں جن کی سرپرستی اور نگرانی میں آپ نے ہوش سنبھالا۔

سلسلۂ تعلیم رسم بسم اللہ خوانی کے بعد آپ کی دادی نے اولاً حسب دستور قرآن شریف پڑھنے کیلئے آپ کو قاضی حسن علی کے مکتب میں بھیجا۔ مگر وہاں کی تعلیم کا یہ حال تھا کہ عرصہ دراز تک حرف شناسی کی لیاقت بھی پیدا نہ ہوئی جب آپ کے والد ماجد جودھ پور سے واپس تشریف لائے تو اپنے اکلوتے لڑکے کی تعلیم کا بگڑا ہوا نقشہ دیکھکر بہت افسوس کیا۔ اور ایک ولایتی آخوند کے پاس جن کا نام محمد صدیق تھا آپ کو پڑھنے کے لئے بھیجدیا۔ آخوند صاحب سے آپ نے قرآن شریف پڑھا اور بعدہٗ اپنے والد ہی کی خدمت میں کتب درسیہ فارسی پڑھنی شروع کر دیں۔ پندنامہ عطار تک پڑھا تھا کہ پھر آپ بتوسط سید غیاث الدین مرحوم (جنکے پاس ترتیب الصلوٰۃ وغیرہ مسائل دینی کی کتابوں کا سبق لیا کرتے تھے) مولوی کرامت علی صاحب مدرس مدرسہ فارسی پالن پور کے حلقۂ درس میں داخل ہوئے۔

مدرسہ فارسی پالن پور یہ مدرسہ برٹش گورنمنٹ کے آغاز حکومت میں تمام مدارس سے پہلے پالن پور ہی میں قایم ہوا تھا لیکن معلموں کی بے پروائی سے درس و تدریس کی یہ کیفیت تھی کہ بجز معدودے چند شوقین طلبا کے دوسروں کو برسوں میں بھی معمولی عبارت پڑھنے کی استعداد پیدا نہ ہوتی تھی۔ عموماً کریما اور گلستاں تک تحصیل کی انتہا تھی جب مولوی کرامت علی صاحب اس مدرسہ کے مدرس مقرر ہوئے تو لوگوں کو معلوم ہوا کہ جسکو اب تک ہم علم کی معراج سمجھتے تھے وہ پہلی ہی سیڑھی تھی۔ لیکن مولوی صاحب ایک آزاد منش شخص تھے جنگل کی سیر اور تفریح طبع کے مقابلہ میں نوکری کو ہیچ اور اُس کے فرائض کو بہت ہی پوچ سمجھتے تھے جب ان مشاغل سے فرصت ہوتی تو جو طالب علم مدرسہ میں حاضر ہوتا اُسکو بھی سبق دے دیا کرتے تھے۔

تحصیل علوم کا شوق مولوی کرامت علی صاحب ایک چھوٹے سے مکان میں رہا کرتے تھے وہی ان کا مدرسہ تھا اور اسی میں درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا۔ مکان کی تنگی سے جب کبھی طبیعت گھبراتی تو جنگل اور باغات کی سیر کو نکل جایا کرتے ہمارے مولانا نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ جہاں کہیں اُستاد جاتے یہ بھی سایہ کی طرح ساتھ رہتے۔ رفتہ رفتہ مولانا کے علمی شوق نے مولوی صاحب کی زنگ خوردہ طبیعت کو اپنی طرف متوجہ کر ہی لیا لیکن افلاس و تنگدستی کی وجہ سے کتابیں میسر نہ ہو سکتی تھیں

ادہر اُدہر سے مانگ تانگ کر کام نکال لیا کرتے تھے یہانتک کہ بہار دانش کی نوبت آئی تمام شہر میں جستجو کی لیکن کتاب بہم پہنچ سکی۔ مجبور ہو کر مایوسی کے ساتھ مدرسہ چھوڑنا پڑا۔ اتفاقاً عیدگاہ میں مولوی صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے غیر حاضری کا سبب پوچھا۔ مولانا نے کتاب نہ ملنے کا عذر پیش کیا۔

عربی تعلیم کی ابتدا مولانا نے اپنے اُستاد کے سامنے کتاب نہ ملنے کے واقعہ کو ایسے مایوسانہ لہجہ میں بیان کیا کہ ان کو اپنے ذکی اور طبّاع شاگرد کی مجبوری پر بہت رحم آیا اور اُنھوں نے مولانا کو عربی پڑھنے کی صلاح دی۔ اور صرف و نحو کی چند کتابیں بھی اپنے پاس سے عنایت فرمائیں۔ صرف و نحو کی تحصیل تک خاکسار مؤلف کے والد ماجد سید عبداللہ عرف عید و میاں صاحب مدظلہم بھی آپکے ہم سبق رہے لیکن جب مولانا نے فلسفہ پڑھنا شروع کیا تو والد راقم نے مولانا کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مگر مولانا نے تنگ ٹوٹ جانے پر بھی ہمت نہ ہاری اور بافضال ایزدی اکثر علوم میں استعداد اور قابلیت تامہ حاصل کر لی۔

علوم جدیدہ میں مہارت مولانا کے اُستاد کرامت علی صاحب اگرچہ علوم قدیمہ مشرقیہ کے عالم کامل تھے لیکن علم انشا اور علوم جدیدہ مغربیہ سے مطلق ناآشنا تھے۔ بخلاف اسکے مولانا نے باوجودیکہ کرامت علی صاحب کے سوا اور کسی دوسرے اُستاد سے استفادہ حاصل نہیں کیا علوم جدیدہ مثل اقلیدس وجغرافیہ وغیرہ میں ایسی مہارت حاصل کی تھی کہ آپ یونیورسٹی کے پروفیسروں کے ہم رتبہ شمار کیے جاتے تھے

انشاپردازی اور کارگزاری عدالت سنہ ۱۸۶۱ عیسوی میں پالن پور کے صاحب پولیٹکل ایجنٹ بہادر کی کچہری میں منشی گری کے عہدہ پر ملازم ہو کر آپ کوہ آبو تشریف لے گئے اور باوصف عدالتی کاروبار میں ناتجربہ کار ہونے کے ایک سنگین مقدمہ کے متعلق ایسی پرزور اور مدلّل روبکار لکھی جس کو دیکھ کر رزیڈنسی راجپوتانہ کے میر منشی وغیرہ آپ کی ذکاوت طبع پر محو حیرت ہو گئے۔

گجراتی زباندانی اور لیاقت علمی عربی و فارسی علوم کے سوا مولانا کو گجراتی زبان میں بھی یہانتک دستگاہ حاصل تھی کہ اہل زبان نے آپکو صحیح اور بامحاورہ گجراتی لکھنے والوں کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ بالخصوص ترجمہ اور مضمون نگاری تو آپ کا قدرتی حصہ تھا۔ علم ادب اور اسکے متعلق اعجاز نما تحریر کے علاوہ آپ علوم معقول و منقول کے اصول و فروع کی درس و تدریس میں عدیم المثال اور بے نظیر اُستاد تھے جس طرح آپ علم عروض و قوافی کے فاضل کامل تھے اسی طرح اردو اور فارسی کی نظم پر بھی ایسے حاوی تھے کہ آپ کے کلام کو دیکھکر بڑے بڑے اہل زبان تعجب کرتے تھے۔

مولانا کی شاعری اکثر دیکھا گیا ہے کہ شعر و شاعری سے مولویوں کو بہت ہی کم دلچسپی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ مقدس گروہ علماء کو اس فن کے ساتھ کچھ جھجک سی ہے۔ برعکس اسکے ہمارے مولانا کی جدت پسند طبیعت کا وہ نرالا رنگ تھا جس کی نظیر بہت ہی کم علماء میں پائی جائے گی۔ آپ کے حصہ میں شوق ہمہ دانی کا ایسا چمکتا ہوا جوہر فیاض قدرت نے ودیعت کیا تھا کہ جس نے آپ کے سر پر فضل و کمال کا تاج رکھ دیا تھا۔ اس وقت ہم ناظرین کو مولانا کی موزونی طبع کا نمونہ بھی دکھانا چاہتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ گجراتی زبان اُردوئے معلّے کے باغ میں کس طرح زمزمہ سنجی کرتی ہے۔ مولانا کے تصنیف کردہ قصیدہ کی نقل درج ذیل ہے آپ نے یہ قصیدہ دعائیہ حضور زبدۃ الملک بہادر حال خلد اللہ ملکہم کی شان میں بطور مسدس سنہ ۱۲۹۹ ہجری میں تصنیف فرمایا تھا۔

وہو ہذا

فروغِ مہر جبتک فیض بخشِ بزمِ امکاں ہو
چراغِ ماہ سے جبتک درِ گیتی درخشاں ہو
زمیں پر اشرف المخلوق جبتک نوعِ انساں ہو
اور انسانوں کی ممتازی کا باعث علم و عرفاں ہو
تو اے شیر محمد خاں سدا با عزت و شاں ہو
گلِ اُمید سے ہر دم لبالب تیرا داماں ہو

شعاعِ مہر میں جبتک رہے تابِ درخشانی
ہو اُسکے فیض سے جبتک کہ پیدا لعلِ رمانی
گہر جبتک کہ ہو دریا میں اور گوہر میں ہو پانی
صفائے آبِ گوہر سے نگہ کی تا ہو غلطانی
ترا دستِ کرم عالم پہ دائم گوہر افشاں ہو
ترا دورِ سخا ماہِ ایار و ماہِ نیساں ہو

ضمیرِ کوہ میں جبتک کہ پیدا سیم اور زر ہو
زر و گوہر شہنشاہوں کے تاجِ سر کا زیور ہو
گلِ خوش رنگ جبتک صنعتِ خالق کا مظہر ہو
بہارِ باغِ عالم تیرے دم سے تازہ تر ہو
ریاضِ دہر میں تیرا گلِ اقبال خنداں ہو
شمیمِ خُلق سے تیری معطر باغِ امکاں ہو

اُمید و بیم پر جبتک قوامِ ابنِ آدم ہو — اور اُمید بھی تا فطرتِ انساں میں ہر دم ہو
سرِ تسلیم جبتک کعبۂ اُمید پر خم ہو — سخاوت کے سبب جبتک کہ حاتم فخرِ عالم ہو

کرم سے تیرے دنیا بے نیازِ درد و درماں ہو
تری بخشش سے ہر سائل کے گھر عشرت کا ساماں ہو

رہے بر آری مقصد کا تا انساں تمنّائی — تمنّا کے بر آنے سے کلی کھل جائے تا دل کی
رہے تا دِل کو لطفِ زندگی از صحتِ جسمی — رہے تا صحت جسمی کا باعث قوتِ طبعی

تری طبعِ معلیٰ دائما شاداں و فرحاں ہو
تجھے ہر لحظہ ہر دم ہر گھڑی عیشِ فراواں ہو

رہے دنیا میں جبتک یادگارِ جامِ جم باقی — رہے تا بزم نائے و نوش میں شغلِ مے و ساقی
وصالِ یار کی جبتک رہے عاشق کو مشتاقی — رہے تا فطرتِ معشوق میں میلان ناچاقی

تری بزمِ طرب میں عیش اور عشرت کا ساماں ہو
ترے جشنوں سے یادِ جشنِ جم برطاقِ نسیاں ہو

دمِ شمشیر جبتک باعثِ فخرِ سپاہی ہو — تری تیغِ دو دم کا رعب از مہ تا بماہی ہو
سریر و تاج سے جبتک نمودِ شان شاہی ہو — سرِ عالی پہ تیرے سایۂ ظلِ آلٰہی ہو

مظفر تر فتح کے جوہر سے تیری تیغِ برّاں ہو
بریق اسکی ترے اعدا کو برقِ خرمنِ جاں ہو

محمدؐ کا ہو جبتک انبیا میں برتریں پایہ — اور اُسکی آلِ اطہر کو ہو تا عصمت کا پیرایہ
ہو ان کے فیض سے تا اہلِ دیں کو نور کا مایہ — ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ علیؓ کا تجھ پہ ہو سایہ

رسولِ حق ترا حامی خدا تیرا نگہباں ہو
ترا نامِ گرامی شہرۂ آفاقِ دوراں ہو

رہے تا انتظامِ مملکت ارکانِ دولت سے ‌ ‌ رہے جبتک نظامِ سلطنت تدبیر و حکمت سے

رہے جبتک کہ فیضِ فطرتی فیاض قدرت سے ‌ ‌ ہو قدرت کا ظہور انساں میں تا انواعِ ندرت سے

مشیرِ خاص تیرا مورد انعام و احساں ہو

رفاہِ ملک جس کی فکر صائب سے نمایاں ہو

رہے جبتک جہاں میں شیوۂ شعر و سخندانی ‌ ‌ بہر طرزِ سخن تا طبع شاعر میں ہو جولانی

کریں اہلِ کرم تا شاعروں پر گوہر افشانی ‌ ‌ ہو تیرا آستانہ قبلۂ آمال و آمانی

یہ گلشن تیرا داعی اور مداح و ثناخواں ہو

نگاہِ لطف سے تیری سدا مشمولِ احساں ہو

مولانا کا مدرس عربی مقرر ہونا ۱۲۸۲ھ ۱۸۶۵ء میں مولوی کرامت علی[۵] صاحب کے انتقال فرمانے پر مولانا اُنکی جگہ مدرس مقرر ہوئے اگرچہ مولانا کو رزیڈنسی اور ریاستہائے راجپوتانہ وغیرہ میں اپنی شان کے لایق عہدہ ملنا ممکن تھا۔ کیونکہ علاوہ علوم عربی و فارسی کے آپ کو مبدا فیاض نے وہ کمال دے رکھا تھا کہ تمام علوم و فنون میں آپ گویا اُستاد مسلم الثبوت تھے۔ لیکن آپنے صرف اس خیال سے کہ اپنے ملک اور اپنی قوم کو دولتِ علم سے مستفید کرنا، دولت دنیوی کے حصول سے بدرجہا بہتر ہے اپنے وطن ہی کے مدرسہ کی نوکری اختیار کرلی۔ مولانا کے تقرر سے مدرسہ کی رونق اور طلبار کی تعداد میں روز بروز ترقی ہونے لگی

[۵] مولوی کرامت علی صاحب فرخ آباد کے رہنے والے ایک آزاد طبیعت بزرگ تھے۔ دنیاداری کے جھگڑوں سے بچے رہنے کے خیال سے انہوں نے شادی نہیں کی تھی اور اپنی خوش وضعی سے کسی پر یہ ثابت نہونے دیا کہ انہیں ہمیشہ کے لئے ترک وطن پر کس ضرورت نے مجبور کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے لکھنؤ میں رہکر علمار فرنگی محل سے عربی حاصل کی تھی۔ فارسی میں چنداں استعداد نہ تھی اور نہ اُردو ہی زیادہ فصیح لکھ سکتے تھے۔ میں نے انکی تصنیفات کا حال دریافت کرنے میں بہت کوشش کی لیکن صرف اسقدر پتہ چل سکا کہ اُنہوں نے منطق میں ایک رسالہ لکھا تھا جس نے تو کچھ زیادہ شہرت پائی اور نہ اب دستیاب ہو سکتا ہے۔ اس کے سوا عالیجناب سکندر خاں صاحب مرحوم کے کتب خانہ سے مولوی صاحب کا فارسی زبان میں تالیف کیا ہوا ایک قلمی رسالہ مہتمم کتب خانہ کی مہربانی سے ۲۶ جون ۱۹۰۶ء کو میرے ہاتھ لگا جس کا نام ذخیرۃ الخیر ہے۔ اس میں آیات قرآنی، احادیث نبوی اور بعض اقوال بزرگان دین جمع کرکے رسالہ کی صورت قائم کی گئی ہے۔ یہ رسالہ عالی جناب عثمان خاں صاحب ابن دیوان فتح خاں صاحب بہادر مرحوم کی خاطر سے ۱۲۸۰ھ میں لکھا گیا تھا۔ مولوی کرامت علی صاحب کا پالن پور ہی میں انتقال ہوا اور مقبرۂ نوشہیداں میں مدفون کئے گئے ۱۲ مولف

اور طریقہ تعلیم میں ایسی شائستگی ظاہر ہوئی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں بہت سے طلبا فارغ التحصیل ہو کر حسب لیاقت اپنے اپنے مقاصد میں کامیاب ہو گئے۔ چونکہ ۱۸۷۶ء میں یہ مدرسہ سررشتۂ تعلیم سے متعلق کر دیا گیا اس لئے صیغۂ تعلیم میں اور بھی زیادہ ترقی نظر آنے لگی۔

مولانا کا فیضِ عام پالن پور میں جس قدر اہل اسلام و ہنود فارسی یا عربی جانتے ہیں سب مولانا کے فیض یافتہ تلامیذ میں سے ہیں گویا آپ یہاں کے جگت استاد تھے۔ ہر چند آپ کی ذات بابرکات سے اس شہر کے تمام ادنیٰ و اعلےٰ کو وہ فائدہ پہنچا ہے جو اس سے پہلے کبھی نصیب نہ ہوا تھا۔ لیکن آپ کی توجہ اور فیض رسانی سے بالخصوص یہاں کی قوم سادات کی پژمردہ حالت نے از سر نو شگفتگی حاصل کی۔ میں بلا خوف تردید اس امر کے اظہار کی جسارت کرتا ہوں کہ جب سے پالن پور آباد ہوا ہے اس سرزمین کی آب و ہوا نے مولانا کے مثل دوسرا عالم پیدا ہی نہیں کیا۔ گویا پالن پور کے صفحہ پر آپ نقش اول ہیں۔

مولانا کا اثر تعلیم مولانا کی تعلیم کچھ ایسی بابرکت اور پُر تاثیر تھی کہ جس نے آپ سے کچھ بھی استفادہ حاصل کر لیا وہ آج کسی نہ کسی ممتاز درجہ پر پہنچا ہوا ضرور نظر آتا ہے۔ مولانا میں ایک اور وصف دنیا بھر سے نرالا یہ تھا کہ اگر آپ کا کوئی شاگرد آپ سے خلافِ اُمید بے وفایانہ برتاؤ کرتا، آپ بجائے اس کے کہ کبیدہ خاطر اور کشیدہ دل ہوتے پہلے کی نسبت اُسکے ساتھ اور بھی زیادہ اخلاق و عنایت سے پیش آتے۔ مولانا میں یہ خوبی ایسی بیش بہا تھی جو آجکل کے علماء میں النادر کالمعدوم کا مصداق ہے۔

اخلاق و عادات علاوہ علوم و فنون کے مولانا کے اخلاق و اوصاف کا صحیح اور واقعی حال یہ ہے کہ آپکی ذات خجستہ صفات فی الحقیقت مجمع مکارم اخلاق اور جامع محاسن اوصاف تھی۔ شرم و حیا اور مروت و وفا گویا آپ کی سرشت میں داخل تھی تحمل و بردباری کی یہ کیفیت کہ اگر کیسا ہی ادنےٰ درجہ کا شخص آپ سے گستاخانہ کلام کرتا تو بھی آپ خفگی یا ناراضی کا اظہار نفرماتے آپ کا دل کدورت سے بالکل پاک تھا اور غرور و تکبر جو فی زمانہ علماء کا تورۂ علمی ہے مولانا کے پاس نہیں پھٹکتا تھا جس طرح بڑے بڑے عالموں اور فاضلوں سے بحث کرتے ہوئے کبھی پیشانی پر بل تک نہ لاتے تھے اسی طرح مکتب اور محلے کے بچوں کے ساتھ بھی کسی وقت ترش روئی سے بات نہ کرتے تھے مجمع علماء میں آپ ایک متین اور صالح عالم جہلاء کے گروہ میں

ناصح مشفق اور بچوں کے انبوہ میں شفیق اُستاد تھے۔

مولانا زاہدِ خشک نہ تھے

مولانا ہمیشہ یہاں کے امراء و روسا کے ندیم وجلیس رہے اس وجہ سے خوش خوراکی اور خوش پوشاکی آپ کی عادت میں داخل ہوگئی تھی۔ آپ کو بخلاف مولویوں کے علم موسیقی میں بھی اچھی واقفیت تھی گو آپ خود صاحبِ عمل نہ تھے مگر اس فنِ لطیف کے نکات کو سمجھنے کا پورا مادہ رکھتے تھے۔ بلکہ آپ کے موزوں کئے ہوئے اکثر سوز اور نوحے اور برج بھاشا میں بہت سی ہولیاں اور ٹھمریاں وغیرہ اِس وقت تک یہاں کے اربابِ نشاط کی زبانوں پر چڑھی ہوئی ہیں اور محفلوں میں گائی جاتی ہیں۔ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا کو علم موسیقی میں کس قدر دخل تھا۔

مولانا کا تارک الدنیا ہونا

وفات سے دس برس پہلے مولانا نے اپنے آپ کو دینی خدمات کے لئے وقف کردیا تھا چنانچہ ۱۸۹۲ء میں ملازمت سے کنارہ کش ہوکر بمقام ہتیٹرہ علاقہ جے پور اپنے مرشد حضرت سید سید یحییٰ میاں صاحب کی خدمت میں گئے اور ۹ ماہ رمضان المبارک ۱۳۰۹ ہجری کی شب کو مرشد کے سامنے ترکِ دُنیا کا اقرار کیا۔ بعدازاں مرتے دم تک آپ گوشہ نشینِ عزلت رہے اور شب و روز یادِ الٰہی اور ریاضت کے ساتھ کتب تصوف اور دینیات کے مطالعے کے سوا دنیوی معاملات میں بہت ہی کم التفات فرمایا کرتے تھے۔ صوم وصلوٰۃ اور ذکر واذکار کے نہایت پابند ہوگئے تھے۔ مولانا کی زندگی تارک الدنیا ہونے سے پہلے فارغ البالی اور خوشحالی سے گزرتی تھی جس طرح عموماً امراء ورؤسا کے مصاحبین کی گزرا کرتی ہے لیکن ترکِ دنیا کے بعد جب افلاس اور تنگدستی کی مصیبتیں پیش آنے لگیں تو اُنکو مولانا نے نہایت ثابت قدمی اور استقلال کیساتھ برداشت کیا اور تاحیات کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لائے۔

گوشۂ عزلت میں بھی سلسلہ درس جاری تھا

گوشہ نشینی کے بعد بھی درس وتدریس کا مشغلہ صبح کے وقت گھر پر جاری تھا۔ آٹھ دس طلبا ر تحصیل علم کے لئے آیا کرتے تھے مگر اُن کے لئے اب یہ شرط رکھی گئی تھی کہ درسی کتابوں کے ساتھ قرآن شریف یا کسی اور مذہبی کتاب کا سبق ضرور ہونا چاہیئے۔

مولانا کی وفات

مولانا کو دس بارہ برس سے ضعفِ معدہ کی شکایت تھی مگر اس امر کا کسی کو خیال تک نہ تھا کہ یہی عارضہ ایک دن پیامِ اجل بن کر مولانا کا کام تمام کردے گا۔ گو جسم کے اندرونی حصص میں مرض نے اپنا اثر ضرور کرلیا ہوگا۔ لیکن بظاہر مولانا ایسے ضعیف الاعضا اور نحیف البدن نہ ہوگئے تھے کہ معمولی کاروبار کرنے سے بھی معذور ہوں۔ چنانچہ وفات سے صرف ایک روز پہلے

پاپیادہ شہر سے باہر حضرت سید اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر انوار پہ فاتحہ خوانی کے لئے گئے واپسی کے وقت میر غیاث بندر تشریف لائے اور میرے چھوٹے بھائی عزیزی شرف الدین کو کافیہ کا سبق پڑھایا۔ یہاں سے اپنے گھر پہنچنے کے بعد استفراغ کیا۔ نقاہت سے کسی قدر غشی پیدا ہوگئی اور مفاجع القلب کا عارضہ بھی لاحق ہوگیا۔ ڈاکٹر ریاست اور اطبائے شہر نے بہت سی تدبیریں کیں۔ جلد جلد دوائیں بدلیں اور اُن تمام احتیاطوں کا پورا پورا لحاظ رکھا جن کی ایسے موقعوں پر ضرورت ہوا کرتی ہے مگر افسوس اور صد ہزار افسوس کہ وہی دن ہیں دوا۔ دعا اور تمام احتیاطیں بیکار ثابت ہونے کے ساتھ ہی ۵ نومبر ۱۸۹۸ء مطابق ۹ جمادی الثانی ۱۳۱۶ھ یوم شنبہ کی شام کو ٹھیک ساڑھے پانچ بجے مرض اور مریض دونوں کا خاتمہ ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ آپکی عمر ۵۶ برس ۲ مہینے اور ۹ دن کی ہوئی۔ آپ کی وفات کی تاریخ جناب مولوی غلام محمد صاحب طپش دہلوی سابق اڈیٹر اودھ اخبار لکھنؤ نے لکھی تھی۔ جسکو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

چوں رحمت میاں عالم نامور	بپیوست با رحمت داوگر
بطور دعا و بصد آرزو	ملائک بگفتند "اَغْفِرْ لَہٗ"

۱۳۱۶ھ

تجہیز و تکفین انتقال کے دوسرے دن آپ کی میت کو بندگی میاں سید مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قبرستان میں دفن کرنیکے لئے لے گئے اور صبح کے گیارہ بجے اس آفتاب فضل و کمال کو سپرد خاک کیا۔ تدفین کے وقت عالی جناب معلی القاب ہز ہائنس زبدۃ الملک دیوان (نواب) سر شیر محمد خاں بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ والی ریاست پالن پور دام اقبالہم مع ممبران خاندان تشریف لائے تھے۔ اور قریب قریب شہر کے تمام مسلمان اور معزز اہل ہنود شریک جنازہ تھے۔

مولانا کی تالیفات و تصنیفات

نمبر شمار	نام کتاب	خلاصہ کیفیت
۱	رسالہ فلسفی حجبت (اُردو)	بخارات سے بارش ہونے کے ثبوت میں دلائل اور اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ سے ابر مراد ہونے کی توجیہ۔

نمبر شمار	نام کتاب	خلاصہ کیفیت
۲	انتخاب نوادر البیان فی علم قرأت القرآن (فارسی)	نام سے کیفیت ظاہر ہے
۳	تسلیۃ الاحزان ۔ (فارسی و اُردو)	مصیبت کے وقت صبر کی فضیلت کے بیان میں
۴	رسالہ علم بدیع (اُردو)	منشی حسام الدین صاحب اڈیٹر کشف الحقائق بمبئی کی فرمائش سے لکھا گیا۔
۵	براہین رحمت	علم قیاسی منطق کے مواد قیاسات یقینیہ کی تفصیل مع دیگر فوائد نادر کی متعلقہ فلسفہ قدیم و جدید
۶	رسالہ علم الارض	طبقات الارض اور علم سطح الارض اور اس کے متعلق علم فلکیات او جغرافیہ ہیئت الارض او جغرافیہ تحدید الارض وغیرہ کے بیان میں
۷	مصطلحات علم مناظرہ	اس رسالہ کو براہین رحمت کا ضمیمہ سمجھنا چاہئے۔
۸	رسالہ علم الابدان فی ماہیت جسم الانسان	فن طبابت کی جدید تحقیقات کے متعلق فلسفیان یورپ کے تجربات اور مشاہدات کی رو سے جسم انسان کے اجزائے اصلی اور اعضائے رئیسہ کی کیفیت عام فہم اور سلیس عبارت میں بیان کی گئی ہے اور ضمناً اقسام غذا اور آخر میں نتائج علم کیمیا اور اُسکے فوائد کا بیان ہے
۹	سیر ستان انگلینڈ (اُردو)	ایک گجراتی جنٹلمین کرشن داس مولجی کے سفر یورپ کا زبان گجراتی سے حسب الارشاد عالیجناب سکندر خانصاحب مرحوم

نمبر شمار	نام کتاب	خلاصہ کیفیت
		ترجمہ کیا گیا۔ یہ کتاب سنہ ۱۸۷۰ء میں دہلی کے مطبع حسنی میں طبع ہوئی تھی۔ مگر افسوس کہ نہایت غلط چھپی ہے۔

اِن کتابوں کے علاوہ مولانا کے پرزور قلم سے مختلف اوقات میں اور بھی بہت سے رسالے نکلے ہیں۔ مگر افسوس کہ بے ترتیب مسودے پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا نے ایک بہت ہی مہتم بالشان اور مفید کام شروع کیا تھا یعنی ریاست پالن پور کی بڑی اور جامع تاریخ لکھنی چاہی تھی اور نہایت ہی جانفشانی، کوشش اور محنت سے اسکے متعلق بہت کچھ مصالح بھی بہم پہنچا لیا تھا لیکن ابھی اسکو سلسلہ ترتیب میں منسلک کرنے اور مورخانہ رنگ میں رنگنے نہیں پائے تھے کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔

مولانا کے چند شاگرد ہمارا دل تو یہی چاہتا تھا کہ مولانا کے حالات میں آپ کے چند ذی استعداد اور صاحب رتبہ شاگردوں کے حالات کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھیں مگر بخوف طوالت اس ارادہ کو مجبوراً ترک کرنا پڑا۔ ہاں! اگر زندگی نے وفا کی اور خدا نے بھی چاہا تو کسی اور موقع پر اس ضرورت کو پورا کیا جائے گا۔ اس وقت آپ کے چند ارشد اور ذی مرتبہ تلامیذ کے نام اکتفا کرتے ہیں۔

نمبر شمار	نام	خلاصہ کیفیت
۱	جناب مولوی سید اشرف علی عرف چھا میاں صاحب	آپ صاحب تصانیف کثیرہ ہونیکے علاوہ فن طبابت میں کامل مہارت رکھتے ہیں اور اردو اور ہندی زبانوں کے شاعر بھی ہیں۔
۲	جناب قاضی مولوی محمد سراج الدین صاحب	آپنے علاوہ مولانا کے شمالی ہند کے بعض مقامات میں جاکر وہاں کے علماء سے بھی تحصیل علوم کی ہے۔
۳	جناب منشی لالہ ٹھاکر داس صاحب بہار گور (دہلوی)	آپ اس وقت ریاستِ پالن پور کی طرف سے محکمہ

نمبر شمار	نام	خلاصہ کیفیت
		صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر پالن پور میں وکالت کے عہدہ پر ممتاز ہیں۔
۴	جناب منشی سید یعقوب میاں صاحب	مترجم اُردو محکمہ صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر پالن پور منشی صاحب کے والد ماجد سید امیر میاں صاحب مرحوم خوشنویسی کے لحاظ سے یہاں یاقوت رقم مشہور تھے اور منشی صاحب خود بھی مولانا کے تمام شاگردوں میں اعلےٰ درجے کے خوشنویس ہیں۔
۵	جناب منشی سید قاسم میاں صاحب (مرحوم)	سابق مترجم اُردو محکمہ صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر پالن پور۔
۶	جناب سید داوجی میاں صاحب ابن سید عالم میاں صاحب	یہ حضرت حضور زبدۃ الملک بہادر اور آپ کے تمام خاندان کے پیر و مرشد ہیں اور علوم عربی و فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔
۷	جناب منشی حسام الدین صاحب	سابق مدرس اُردو فرسٹ جنرل اسمبلیز انسٹی ٹیوشن بمبئی حال اڈیٹر کشف الحقایق۔ منشی صاحب پالن پور کے اصلی باشندے اور خوند میری سید ہیں مگر چند سال سے بمبئی میں سکونت اختیار کر لی ہے۔ آپ کی تصانیف سے متعدد کتابیں موجود ہیں اور آپ بمبئی میں زبان اُردو کے مشہور انشا پرداز اور مضمون نگار شمار کئے جاتے ہیں۔
۸	سید لعل میاں صاحب	آپ نے علاوہ علوم رسمیہ کے علم طب میں بھی مولانا کے

خلاصہ کیفیت	نام	نمبر شمار
فیض تعلیم سے اچھی دستگاہ حاصل کی ہے اور آپ کی ذات پالن پور کے مریضوں کے لئے مغتنمات سے ہے۔		
آپ پالن پور کے شہر قاضی ہیں اور علوم عربی و فارسی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔	جناب قاضی محمد شریف الدین صاحب	۹
آپ ریاست میں بعہدۂ طبابت ملازم ہیں اور آپ نے علاوہ مولانا کے مدرسہ دیوبند میں بھی تعلیم پائی ہے۔	حکیم عبدالعزیز صاحب الملقب بغریب حکیم	۱۰
آپ عالیجناب زبردست خانصاحب داماد حضور معلی دام اقبالہم کے مشیر اور مصاحب خاص ہیں۔	منشی سید سیدن جی میاں صاحب	۱۱
آپ بھی عالی جناب زبردست خاں صاحب کی سرکار میں ملازم ہیں۔	سید نظام الدین عرف بچو میاں صاحب	۱۲
آپ حضور زبدۃ الملک بہادر کے خسر پورہ اور بہت بڑے علم دوست رئیس ہیں اور خوش خلقی و خوش مزاجی میں ضرب المثل ہیں۔	جناب دوست محمد خاں عرف ڈوسو میاں صاحب (لوہانی)	۱۳

خلاصۂ کیفیت	نام	نمبر شمار
میر عمارت ریاست پالن پور	جناب سیّد فجو میاں صاحب	۱۴
افیون انسپکٹر ریاست پالن پور	سید فرید الدین صاحب	۱۵
ملازم محکمہ صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر پالن پور۔ آپ علاوہ علوم فارسی و عربی کے انگریزی میں بھی اچھی لیاقت رکھتے ہیں۔	سید حسین میاں صاحب	۱۶
سررشتہ دار محکمہ جنگلات ریاست پالن پور	سید روشن میاں صاحب	۱۷
چیف کانسٹبل (پولیس) ریاست پالن پور	سید سیّد صاحب میاں صاحب	۱۸
راقم اوراق کے حقیقی چھوٹے بھائی ہیں انہوں نے مولانا کی وفات کے بعد دہلی جا کر جناب مولوی ابو محمد عبدالحق صاحب مصنف تفسیر حقانی وغیرہ سے بھی تحصیل علوم کی ہے۔	سید شرف الدین صاحب	۱۹
مدرس فارسی، ہائی اسکول ریاست پالن پور۔ آپ انگریزی بھی خوب جانتے ہیں اردو کی انشا پردازی میں	سید قطب الدین عرف خوب میاں صاحب	۲۰

نمبر شمار	نام	خلاصہ کیفیت
		بہت اچھی مہارت ہے اور صوم وصلواۃ کے نہایت پابند ہیں اخلاق واوصاف اور قومی ہمدردی کے لحاظ سے آپ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
۲۱	سید غیاث الدین عرف چاند میاں صاحب	آپ صاحب ارشاد سجادہ نشین اور خاندانی طبیب ہیں۔
۲۲	سید یسین میاں صاحب	آپ مولانا کے داماد اور اردو اسکول پالن پور کے ہیڈ مدرس ہیں
۲۳	حکیم جان محمد (مرحوم)	یہ فارسی میں اچھی لیاقت رکھتے تھے اور شاعر تھے جان تخلص تھا
۲۴	مہتہ فوج راج جگ سی	مختار عدالتہائے پالن پور۔
۲۵	پرتاب سنگھ ولد گمان جی (چارن)	ناظرین تاریخ کو واضح ہو کہ یہ ان ہی چارنوں کی اولاد میں ہیں جن کو دیوان فتح خان اول نے اپنے زمانۂ فرمانروائی میں موضع سانمرڑہ کا سانسن (وظیفہ) دیا تھا۔
۲۶	خاکسار راقم اوراق	کمترین بھی مولانا کے نعمت خانۂ فضل وکمال کا ایک ادنےٰ

نمبر شمار	نام	خلاصہ کیفیت
		زلزلہ رہا ہے۔

مولانا کی اولاد مولانا کی یادگار میں ایک صاحبزادہ اور دو صاحبزادیاں باقی ہیں۔ صاحبزادے کا نام سید اجمل میاں صاحب ہے اور اُن کے دو لڑکے ہیں اور صاحبزادیاں بھی صاحب اولاد ہیں۔

خاکسار

گلاب میاں عفی عنہ

(از طرف مولانا مولوی سید رحمت میاں صاحب مرحوم)

شعر

بنام آنکہ او نامے ندارد

بہر نامے کہ خوانی سر برآرد

بھلا دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو انسان کے حال پر خیال کرے کہ ابتدائے خلقت میں وہ کیا تھا اور کیونکر اسکی نسل دُنیا میں پھیلی۔ اور اُن واقعات نصیحت آمیز میں جو زمانۂ آدم سے تا ایندم متواتر اور مسلسل واقع ہوتے رہے ہیں تامل سے غور کرے اور ہر ایک خاندان یا قوم کے ادبار و اقبال۔ ترقی و تنزل۔ کمال و زوال کے احوال کو بصیرت کی نظر سے دیکھے اور اُن عظیم الشان سلطنتوں کے تزک و احتشام کو جو نہایت استحکام کے ساتھ قایم اور مستقل تھیں اور چشم زدن میں زائل ہو گئیں عبرت کی نگاہ سے تاریخوں میں مطالعہ کرے اور اس خالق لایزال کی عظمت و جلال کا قائل ہو کے کلمہ تُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ صدق دل سے زبان پر نہ لاوے۔ اور اس نمائش گاہ فطرت کے منتخب اور مختصر نمونہ یعنی اصناف بشر کی سرگزشتوں پر جو عجائبات ملک و ملکوت کا طرفہ مجموعہ ہے درمیان کرے اور اُس صنّاع لم یزل کی قدرت کامل پر شیفتہ اور فریفتہ ہو کے آیہ کریمہ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کی چاشنی سے اسکے دل کا مذاق شیریں کام نہ ہو جاوے۔ ہرگز نہیں۔ بلکہ باوجود اصل واحد و جنس واحد کے مختلف ملکوں کے مختلف باشندوں اور مختلف نسل کی متفاوت قوموں کی سیرت و صورت و طرز تمدن وغیرہ اطوار و اوصاف کا تباین و اختلاف

ایسے متفحص کے لئے اس معبود حقیقی کی الوہیت اور یکتائی اور اس خداوند جلیل کی شان کبریائی کی روشن دلیل ہوگی اور بمنطوق وتلک الایام نداولها بین الناس استقرار ومتاع الی حین کے مختلف قطعات زمین پر مختلف زمانوں میں مختلف طبقات بنی آدم اور مختلف اقوام معمورۂ عالم کے تسلّط اور اقتدار کی بنیاد قائم ہونے اور پھر طرفۃ العین میں اس کے برباد ہونے کی تاریخی تمہید اس فعال لما یرید کی حکمت تامہ اور رحمت عامہ کی مختصر تفصیل۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اور ذرا سوچنے سے اس کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس قادر مطلق نے ماہیت انسانی کو بدو فطرت سے جوہر قابل بنا کر اسکی تکمیل کے تمامی قدرتی سامان اور لوازم مثل عقل وادراک۔ فہم و ذکا وغیرہ اس کے لئے موجود ومہیا کر دئے ہیں کہ وہ اپنی ذاتی کوشش و اکتسابی عمل سے امور معاش ومعاد میں تہذیب وتمیز حاصل کر کے اپنے بیش قیمت وقت اور بے بدل زندگی کے سرمایہ کو عمدہ طور پر صرف کرے لیکن موجب قانون قدرت کے انسان ضعیف البنیان کا طرز خلقت اور اس کی ناتوان جبلت اس طور پر واقع ہوئی ہے کہ وہ اپنی عہد طفولیت اور غنچہ دہانی کی لاچار حالت کو بدل کے جسمانی قوتوں کے درست ہو جانے تک سرپرست مربیوں کی شفقت کے واسطے سے پرورش اور تربیت پاوے۔ اور اسکی عقل ہیولانی کا معصوم طفل کسی معلم کی تعلیم کے طفیل اپنی فطرتی جہالت اور نادانی کے تاریک کمرہ سے نکل کے لیاقت اور شائستگی کی نورانی فضا میں آہستہ آہستہ باہر آوے اور نظر باسباب ظاہر ہونا اس امر کا اسکے ابنائے جنس کی باہمی اجتماع اور تمدنی معاونت وشرکت پر موقوف ومنحصر ہے — اور شاہد دلربائے تمدن کے مطبوعہ چہرہ کی رونق وخوبی اور اسکی خوشنما صورت کے موزون خال وخط کی روزافزوں خوش اسلوبی کی جلوہ نمائی ناموس الٰہی کی آئینہ آرائی کے سوا سراسر متعذر بلکہ احاطۂ امکان سے باہر ہے اس لئے بفحوائے عزّاسمہ لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولًا من انفسہم کے اس کریم ورحیم نے محض کرم وفضل سے اپنے پیارے نبی اور دنیا کے سچے ہادی خاتم رسالت کے ودیعہ انا احمد بلا میم افتخار اولاد آدم واسطۂ ایجاد عالم مقبول ابد محبوب ازل سید انبیا و برگزیدۂ رسل احمد مجتبیٰ اور محمد مصطفیٰ کو مبعوث کیا جس کے پرتو الہام سے کافۂ انام نے ظلمت جہالت سے نکلنے اور اسکے دین قویم کے صراط المستقیم پر چل کے نجات ابدی حاصل کرنے کے لئے ایمان کا نور اور ایقان کی روشنی پائی۔ اور اسکی ہدایت اور ارشاد کی دلچسپ تاثیر نے جمہور عباد کو تمامی درونی وبیرونی شر وفساد سے مصئون ومامون رکھ کے

امور معاش اور معاد میں اصلاح اور عروج حاصل کرنے کی سیدھی راہ اور عمدہ تدبیر بتلائی جس سے معمورۂ عالم کے افراد بشر کی مجالست اور مشارکت کا سلسلہ اسکی آسمانی شریعت کے اصول و عماد سے منتظم اور مضبوط ہوا اور جملہ اولاد آدم کی معاونت و موانست کی بنیاد اور اُن کی باہمی الفت اور ارتباط کی زنجیر اسکے دین مبین کے ضوابط و آئین سے معمور و آباد و مستحکم و مرتبط ہو فقط

لا یمکن الثناء کما کان حقہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ الراشدین المہدیین والسلام علی متبعیہ ومصدقیہ الی یوم الدین آمین۔ اما بعد شائقین آثار خیر اور ناظرین تاریخ و سیر پر خواطر صافیہ پر مخفی و مستتر نہ رہے کہ دنیا میں جتنے جانور ہیں کیا پرند کیا چرند سب کے سب اسی ایک حالت پر قائم ہیں جو اصل فطرت میں مبدا فیاض نے انھیں بخشی ہے۔ نہ وہ کسی طرح اپنی اصلی حالت کو بدل سکتے ہیں اور نہ اسمیں کچھ اصلاح یا ترقی کر سکتے ہیں۔ دیکھو بیا جو گھونسلا پانچہزار[۱۵] برس پہلے بناتا تھا اسی وضع کا آشیانہ اب بھی بناتا ہے اور نحل یعنی شہد کی مکھی جس طرز کا مسدس گھر زمانہ قدیم میں بناتی تھی اسی وضع کا شہد گھر اب بھی بناتی ہے نہ ان کے اوصاف میں زمان و مکان کے تغیر و تفاوت سے کمی بیشی کا دخل اور اثر ہے اور نہ تلقین و تعلیم کی تخصیص سے ان کے افعال و خواص میں تبدیل و ایجاد ممکن و متصور ہے بخلاف نوع انسان کے کہ جب اسکی ہستی پر غور کیا جائے تو اس میں ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جسکے سبب وہ اور حیوانات سے ممتاز ہے اور ولقد کرمنا کے خطاب سے سرفراز۔ اِس صفت کو حکما نفس ناطقہ اور قوت ممیزہ کہتے ہیں اور بعض محققین تو لفظ انسان کو مصداق اسی کا قرار دیتے ہیں صفت ایجاد کا اسی قوت سے متعلق و منسوب ہے اور اسی کی بدولت جو جانور ہے وہ انسان کا مطیع و مغلوب۔ اسی کے ذریعے انسان اپنی حالت کو بدلتا ہے اور وحشت بے تہذیبی سے نکل کر اپنے آرام و آسائش کے مفید طریقے ایجاد کرتا ہے یہانتک کہ وہ اپنے اوضاع و اطوار کے سدھارنے اور اخلاق و عادات کے سنوارنے سے شائستگی کے اس اعلیٰ مرتبہ پر پہنچ سکتا ہے جسکے مافوق اور کسی طرح کا کمال متصور نہیں ہے اور یہ امر جب بداہتًا ثابت و مقرر ہے تو اب بموجب اس اصول مسلمہ کے کہ ہر قسم کا

---

[۱۵] اہل تحقیق کے نزدیک پانچہزار برس سے پہلے کی تاریخ دنیا سے مفقود ہے ۱۲۔

علم مقابلہ سے حاصل ہوتا ہے اور مقابلہ پر قائم رہتا ہے، ضرور ہے کہ قوت ممیزۂ انسانی کے متعلق حالات کا ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر کے مختلف زمانوں کے اندر اس میں جو جو تفاوات ظاہر ہوئے اور ہوتے ہیں اس کا علم حاصل کرنیکے لئے بھی اسکی ابتدائی اور موجودہ حالت پر نظر کی جاوے۔ پس جو لوگ کہ دنیا کی ہر چیز کو غور کی نگاہ سے دیکھتے ہیں وہ اگر انسان کی ابتدائی یعنی انفرادی حالت پر قیاس دوڑائینگے تو واضح ہو گا کہ وہ کسی زمانہ میں جانوروں کے شکار ہی گزران کرتا اور انہیں جانوروں کی کھال سے اپنے ستر کو ڈھانپتا اور گرمی سردی کے بچاؤ کے واسطے پہاڑ کے غار کا آسرا لیتا یا پھوس کے جھونپڑوں میں بسر کرتا تھا اب وہی انسان ہے جس نے اس قوت ممیزہ کی مدد سے اپنی خوراک کے لئے انواع و اقسام کے لذیذ طعام اور پوشاک کے واسطے رنگ برنگی قماش کے نہایت عمدہ اور لطیف لباس اور رہنے کی غرض سے نئے نئے طرز کی اور انوکھی وضع کی عمارتیں عالیشان اور آئینہ و بلور کے زرنگار محل اور خوشنما مکان طیار کر لئے اور کرتا ہے اور کرے گا۔ اسی طرح اگر اسکی اجتماعی صورت یعنی تمدنی حالت پر خیال فرمائینگے تو ایک زمانہ وہ تھا کہ خط و کتابت کی وساطت سے بکمال صعوبت ایک ملک سے دوسرے ملک میں خبر پہنچتی تھی۔ اب یہ حال ہے کہ تار برقی اور ٹیلیفون[۵] کی مدد سے ہزاروں کوس کے فاصلہ پر بیٹھے ہوئے آپس میں باتیں کرتے ہیں۔ کبھی تاڑ پتر وغیرہ درختوں کی چھال یا جانوروں کی کھال پر لکھتے اور برسوں کی محنت و مشقت سے بہزار وقت ایک مختصر کتاب طیار کرتے تھے۔ اب کاغذ کی ساخت اور چھاپہ کی ایجاد سے بہت آسانی کے ساتھ تھوڑی مدت میں کثیر الحجم کتابوں کی انطباع اور اشاعت ہوتی ہے اور جب ایسے ایسے واقعات اور احوال پر خیال کرنے سے انکو یہ نتیجہ معلوم ہو گا کہ تبدیل حالت نوع انسان کے لئے بمنزلہ ایسی عام صفت بلکہ لازم ذاتی خاصیت کے ہے جو ہر وقت اور ہر موقع پر مختلف طور سے ظاہر ہوا کرتی ہے اور اس کے باہمی تفاوت میں تمیز کرنے اور حسن و قبح کے جاننے کے لئے ایک حالت کا دوسری حالت کے ساتھ مقابلہ کرنا ضرور ہے تو پھر اس پانچہزار برس کی مدت میں گزرے ہوئے گروہ گروہ انسانوں کے اخلاق و عادات۔ راہ و رسم۔ طرز و روش۔ اوضاع و اطوار میں جو کچھ تغیر و تبدل واقع ہوا ہے اور قوت ایجادی اور تمیز عقلی سے ہر جگہ اور ہر زمانہ میں انہوں نے اپنے آرام و آسائش۔

[۵] انگریزی میں ایک آلہ کا نام ہے جس میں تار کے ذریعہ سے دور تک آواز پہنچ سکتی ہے۔ ۱۲

تہذیب واصلاح کے جو جو عمدہ وسائل بہم پہنچاے ہیں یا اُنکے قومی اتفاق واختلاف اور مذہب وملت کی قوت وضعف سے
جو نیک وبد نتائج وثمرات پیدا ہوے ہیں اور مقام ومسکن اور دولت وحکومت اور حرفت وصنعت اور علم وہنر اور
زراعت وتجارت کی تغیر وتبدیل یا ترقی اور تنزل سے ان کے طریقۂ معاشرت اور طرز تمدن کے درمیان جو جو انقلابات
ظہور میں آے ہیں اسکے دریافت کا شوق اور جاننے کی خواہش خود بخود ان کے دلوں میں پیدا ہوگی اور بیشک اسیطرح
کا شوق اور ایسی ہی خواہش اگلے لوگوں کے دلوں میں بھی پیدا ہوئی ہے اور آیندہ نسلوں کے لیے پیدا ہوتی رہے گی
سو اس خواہش کو پورا کرنے اور اس شوق میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے دانشمندوں نے علم تاریخ کی تالیف وتدوین
کی ہے کہ اسکے ذریعے سے انسان اپنے وقت کی موجودہ حالت کو اگلے زمانوں کے گزشتہ حالت سے مقابلہ کرکے اپنے
کاموں کی اصلاح اور معلومات میں ترقی اور تمیز حاصل کرے اور سینکڑوں برس پہ گزرے ہوئے عقلمند لوگوں کے تجربات اور
انکی عمدہ کوششوں کے کارآمد ثمرات سے جسکا ذخیرہ وہ سفید ورقوں اور سیاہ لکیروں میں چھوڑ گئے ہیں فائدہ اُٹھاویں کیونکہ
بدون اس علم کے کوئی انسان اپنی تھوڑی سی زندگی کے محدود زمانہ میں اُن تمام مفید باتوں کو معلوم نہیں کرسکتا ہے جو قدرت نے
اسکی بہتری کے لئے مختلف زمانوں میں غیر متعدد ملکوں کے انسانوں پر ظاہر کی ہیں اور نہ وہ مختلف واقعات جو ہزار ہا برسوں میں
تقاضاے وقت کے موافق اُس زمانہ کے لوگوں پر گزرے ہیں کسی شخص پر اسکی کوتاہ زندگی کے قلیل عرصہ میں گزر سکتے ہیں۔
پس معلوم ہوا کہ علم تاریخ ایک ایسا عمدہ اور کارآمد علم ہے کہ جس کی مدد سے ہم ان تمام مفید باتوں کو معلوم کرلیتے ہیں
جو ہماری حالت کی اصلاح کی ترقی اور اخلاق وعادات کی تہذیب کی ممد ومعاون ہوں اور اسکے ذریعہ سے ہم ان تمام نتائج و
ثمرات سے جو مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے مختلف ذریعوں اور مختلف امتحانوں سے نکالے ہیں واقف ہوسکتے ہیں۔
یہی وجہ ہے کہ اس علم کو ہر زمانہ میں ہر قسم کے لوگوں نے عزیز سمجھا ہے۔ یہانتک کہ ہند کے اہل حرفہ وغیرہ جو لوگ کہ
مطلق لکھنا پڑھنا نہیں جانتے ہیں انھوں نے اپنے بزرگوں کے حالات وواقعات کی تاریخ نساب یعنی وہی بنچو نکو دی ہے
اور جن اعلےٰ درجہ کی قوموں میں تعلیم علم کا رواج کم ہے انھوں نے یہ خدمت چارن[1] اور بھاٹوں کے سپرد کی ہے۔

---

[1] چارن بھاٹوں کا کام کبیشری ہے یعنی ہندی زبان میں راجپوتوں کی مدح اور تعریف ان کی شاعری ہے اور راجپوتوں کے بزرگوں کی تاریخی حالات کی

یہ لوگ عام جلسوں کے اندر اُس قوم کے نام آور اسلاف کے اوصاف و آثر سُناتے ہیں اور خاص تقریب اور موقع پر انعام و اکرام پاتے ہیں۔ ضلعوں کی حدبست۔ ملکوں کی حاصلات۔ زمین کا رقبہ اور اُس کے دیہات کی تاریخ نویسی کا منصب قانون گو یعنی ولیسا ئیوں سے منسوب ہے اور ریاستوں کے متعلق روزانہ کارروائی کے حالات لکھنے پر واقف کار وقائع نگار منصوب ہے خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اس بیان سے علم تاریخ کی ترتیب و تالیف کی وجہ اور اسکی تدوین کی غرض و غایت ناظرین باریک بین کے ذہن نشین ہوئی ہوگی اور اسکی تمہید کے ضمناً اس ہر دلعزیز علم کی ضرورت اور عموم منفعت کی تمثیل کیطرف بھی ایما اور اشارہ پایا جاوے گا مگر اس ایمای تفصیل سے اسکے بے انتہا فوائد کا قیاس ہیں آنا مثل تخیل وجود سمندر بمقابلہ قطرۂ مختصر یا تصور مہر انور بنسبت ذرۂ محقر کے مشکل اور متعذر ہے پس گزشتہ وقتوں کے واقعات کے سُننے یا وقوع واردات کے مقامات دیکھنے سے اہل علم یعنی مورخین کی شگفتہ طبیعت حقیقت طلب دل اور عبرت آمیز مزاج میں جو روحانی انبساط و ابتہاج پیدا ہوتی ہے اسکی سچی کیفیت کا تو ایک شمہ اثر بھی عوام کے دل پر ظاہر کرنا بالضرور متعذر بلکہ طاقت بشری سے باہر ہوگا تاہم بمجواے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ کے اس موقع پر چند مختصر تاریخی نظائر بیان کر کے اس بےنظیر علم کے فوائد کی تمثیل اور اسکے مطالعہ کی دلپذیر تاثیر کا نمونہ بتلایا جاتا ہے سو ذرا متوجہ ہو کر سُنئے۔ بادشاہ انگلستان کے ولیعہد کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ داستان بیان کرنا وغیرہ ان لوگوں کا پیشہ ہے۔ قوم راجپوت نسبت چارنوں کے نہایت تعظیم سے پیش آتی ہے۔ اسی طرح ہندوستان کے اصلی باشندے یعنی مینا۔ بھیل۔ کولی گونڈ وغیرہ پہاڑی لوگوں کے کبیشروں کو ڈہاڑی۔ ڈوم اور جانگا کہتے ہیں۔ جانگا پشت نامہ رکھتا ہے اور گانا بجانا شاعری بھی کرتا ہے۔ دیکھو تاریخ ٹاڈ جلد دوسری صفحہ ۴۳۴۔ اور طرفہ یہ ہے کہ ہند کے پہاڑی لوگوں میں ڈہاڑی لوگ منسوب ہیں ویسے ہی افغانستان کے کوہستانی لوگوں سے بھی متعلق ہیں۔ یہانتک کہ لڑکوں کا نسبت ناتہ ڈومنیوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ان رسومات سے افغانستان اور ہندوستان کا تعلق قدیم زمانہ سے ہونے کا قیاس ہو سکتا ہے۔ اس ریاست میں بھی راجپوت رئیسوں کی تقلید یا کسی مصلحت ملکی کی وجہ سے منجملہ کبیشروں کے چارن لوگ مورخ اور ندیم اور اول درجہ کے کبیشر یعنی مداحی کرنے اور عطیہ لینے کے مستحق خیال کئے جاتے ہیں اور تمام امیر و رئیس اس قوم کی نسبت عمدہ طور سے سلوک کرتے آئے ہیں اور اب بھی ہر طرح کی رعایت سے پیش آتے ہیں چنانچہ پالن پور کے اگلے رئیسوں کے انعام و بخشش سے ابتک پانچ گاؤں ان کے قبضہ میں موجود ہیں۔ یہ انعامی گاؤں جو سانسن کے نام سے مشہور ہیں ان کو سرکار نے اپنے دخل اور تصرف سے معاف اور مرفوع القلم رکھا ہے۔ مگر ڈہاڑیوں کو بھی ایک خاص تعلق ہے اور بعض حقوق بوجہ منسوب افغانوں کے ثابت ہیں۔

اپنے مصاحب کی حمایت کے واسطے محکمۂ عدالت میں جانا اور خلاف قانون سفارش منظور نہ کرنے کے سبب جھنجلا کر جج یعنی
منصف عدالت پر حملہ کرنا اور جج کا اس حملہ کو استقلال کے ساتھ برداشت کرکے اسکو حوالات میں لیجانے کا حکم سُنانا
اور قانون کی رعایت سے اس حکم کی تعمیل کے واسطے ولیعہد کا سر جھکانا اور بلا مزاحمت قید میں چلا جانا پھر تخت نشین ہوکر اسی جج کو
اعزاز واکرام سے سرفراز فرمانے کی روایت سُناکر ہم کو یہ ہدایت کرتی ہے کہ صیغۂ انصاف کے ملازم اور محکمۂ عدالت کے اہلکار
اس جج کے مانند بے تعصب و بانت وارین کر بے شائبہ خود غرضی اور بدون کسی طرفداری اور رعایت کے قانون کی تعمیل اور
انصاف کا برتاؤ کریں اور بشان اس ولیعہد انگلستان کے حکام زماں بھی تمدن کے دستور العمل یعنی قوانین ریاست کی
حفاظت و اطاعت میں کسی طرح کی نفسانیت کو دخل نہ دیں۔ بلکہ اسکی حرمت وعزت کی پاسداری کو اپنی اور اپنے عزیزوں کی
پاسداری کا تتمہ اور تکملہ سمجھیں۔ چنگیز، تیمور اور نادر وغیرہ کے جدال وقتال کا حال سُناکر اس خیال کی یاد دلاتی ہے کہ مغلوب الغضب
انسان جب دولت و حکومت پر مستقل اور متواصل فتوحات سے اپنے دل کی مرادوں پر کامیاب ہوتا ہے تو اس نمونۂ قہر الٰہی
کا غضب معمورۂ عالم کی خرابی کے باب میں آگ کے طوفان سے بڑھکر اثر دکھاتا ہے اور وحشی درندوں سے بھی زیادہ تر
اُسکا وجود اپنے بنی نوع کے حق میں مضر ہوجاتا ہے علیٰ ہٰذالقیاس اس قوت شہوانی کے مغلوب اور عیش ونشاط میں ہمہ تن مصروف
بادشاہ محمد شاہ چغتائی اور واجد علی شاہ لکھنوی کی تاریخی نظیر دلپذیر نصیحت سُناتی ہے کہ عیاشی اور سلطنت گویا ایسے دو
معاند شخص ہیں جن کے درمیان ہمیشہ خلاف و نفاق ہے۔ بلکہ مقولہ الضدان لایجتمعان کا خاص انہیں پر مصداق ہے
پس جو رئیس کہ اپنی دولت کی ترقی اور حکومت کا قیام چاہے اُسکو لازم ہے کہ مثل ان کے عیش وعشرت میں غرق نہو جاوے
محمود غزنوی کا مرتے وقت تمام خزانوں کے مال و دولت۔ زر و جواہر کو اپنے سامنے رکھوانا اور پر ارمان دل اور حسرت بھری ہوئی نظر سے
اُسکی طرف دیکھنا اور آنکھوں میں آنسو بھر لانے کی حقیقت جتا کے تاریخ اہل بصیرت کو حرص و طمع کے ورطہ میں ڈوبے ہوئے
انسانوں کی مصیبت کا نمونہ بتاتی ہے۔ اور دہلی کے بادشاہ اورنگ زیب کا مکر وفریب سے اپنے عزیز و اقربا کو قتل اور
قبلہ گاہ کو قید اور دہلی کی پشت پناہ دکن کی اسلامی سلطنتوں کو غارت کرنا اور یہی وبال سلطنت مغلیہ کے زوال کا باعث ہونیکی
مثال بتاکر قاطع الرحم۔ غدار۔ خود غرض۔ مردم آزار فرمانروا بادشاہوں اور رئیسوں کی سلطنت و ریاست کا آل حال سُناتی ہے

حاصل کلام یہ ہے کہ تمام دُنیا کے خاص وعام - عالم وجاہل تاریخ کی ضرورت اور شرافت کے قائل ہیں اور ہر ملک اور ہر زمانہ کے ذی لیاقت اور اہل دولت اس فن لطیف میں تالیف و تصنیف کرنے اور اُسکے پڑھانے اور پڑھنے میں بشوق تمام مصروف و مائل ہیں - نوع انسان کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس میں تھوڑا یا بہت رواج اس علم کا نہ پایا جاتا ہو اور افراد بشر سے کوئی باخبر شخص ایسا نہیں جو اسکے جاننے سے اپنے مذاق استعداد کے موافق کچھ نہ کچھ فائدہ نہ اُٹھاتا ہو - دیکھیے ایک جلیل القدر شاعر کیسے دل آویز اور پیارے لفظوں میں علم تاریخ کے فوائد ادا کرکے اپنے ایک دوست کو اسکے مطالعہ کی ترغیب دیتا ہے -

اے میرے پیارے! میرے پاس ایک ایسا مجمع سچے دوستوں کا ہے جو ہر زمانہ اور ہر ملک کے رہنے والے ہیں باوجود اسکے مجھے ان سے ملنا کچھ دشوار نہیں بلکہ ہر حالت اور ہر وقت پر وہ میری خدمت بجالانے میں مستعد و تیار رہیں - جب میں چاہتا ہوں اُن کو بُلا لیتا ہوں اور جب چاہتا ہوں رخصت کر دیتا ہوں - میرے کُل سوالوں کا جواب بڑا ادب اور تحمل سے دیتے ہیں مگر مجھ سے نہ اس صلاح کا کچھ صلہ مانگتے ہیں نہ اس مشورت پر کچھ اُجرت طلب کرتے ہیں - ان میں سے بعضے معرکۂ جنگ اور بعضے رموز سلطنت اور تدبیر ملک اور بعض بعض خواص علوم و فنوں میں مشہور ہیں - ان کی زبانیں ان کے دلوں سے موافق اور ان کے دل مشفقانہ نصیحت اور ہدایت سے لبریز اور معمور ہیں - وہ کبھی قدیم زمانہ کی حالات اور واقعات سُناتے ہیں اور کبھی موجودہ زمانہ کی واردات بیان کرکے میرے دل کو بہلاتے ہیں - کبھی فطرت و قدرت کے مخفی رازوں کے اسرار میرے آگے علانیہ بولتے ہیں اور کبھی ہر قسم کے ہنر و صناعتوں کی نمائش گاہ میری آنکھوں کے سامنے کھولتے ہیں - بعض اپنی فصاحت اور حسن بیانی سے دل کی عارضی کلفتوں کو مٹاتے اور حقیقی انبساط کو بڑھاتے ہیں - اور گاہے گزشتہ انقلابوں کا نمونہ بتا کر دُنیا کی بے ثباتی کا نقشہ میرے دل پر جماتے ہیں - وہ کبھی ایسی نیک صلاح دیتے ہیں جس سے کٹھن وقت میں انسان کو مصیبت کا سہنا آسان ہو جاوے - کبھی ایسی تدبیر بتلاتے ہیں جسکی تعمیل سے آدمی کا انجام بخیر ہو اور دُنیا میں نیکنامی پاوے - اور لطف یہ ہے کہ وہ ان خدمات کے عوض میں مجھ سے بجز میرے جھونپڑے کے گوشہ کے اور کچھ نہیں چاہتے جہاں وہ صلح اور سکون سے آرام کرتے ہیں - انتہیٰ -

واقعی یہ وہ علم ہے کہ جس کی تاثیرات اور فوائد لاانتہا ہیں ۔ اور اسی وجہ سے میں نے باتصمیم اور مستقل طور پر یہ ارادہ کیا ہے کہ اس ریاست اور پر شان و شوکت والیان ریاست کے حالات کو مع دیگر لوازمات ضروری کے حیطۂ بیان میں لا کر اس کتاب کا نام تاریخ پالن پور رکھوں لیکن اس سے پیشتر میرا دلی منشا یہ ہے کہ اس تاریخ کے متعلق بہت سی باریکیوں اور نکات کو ناظرین کی خدمت فیضدرجت میں پیش کر کے مطالب صوری و معنوی سمجھا دوں تاکہ غیر مانوس معاملات کے سمجھنے میں دقت اور مشکل واقع نہو۔ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ ۔

نوٹ ۔ دیباچہ کتاب عموماً ہر قسم کی تصنیف و تالیف کی کنجی اور خصوصاً تاریخ کی روحِ رواں ہے ۔ اِسکے ذریعے سے بہت سی تاریخی مشکلات حل کی جاتی ہیں اور اکثر مطالب بالاصول سمجھائے جاتے ہیں ۔ یہ دیباچہ جو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں، حضرت استاذنا و مولانا سید رحمت میاں صاحب گلشن مرحوم و مغفور کے پر زور قلم کا نتیجہ ہے ۔ مولانا جب اس تاریخ کے لئے ضروری مصالح جمع کر چکے تو آپ نے چاہا تھا کہ جس طرح جس طریقہ اور جس ترتیب کے ساتھ اس تاریخ کی تدوین کرنی ہے اسکو پہلے دیباچہ کی صورت میں قلمبند کر لوں تاکہ کتاب کی تالیف کے وقت کسی قسم کی وقت نہو۔ مولانا پرانے زمانہ کے تعلیم یافتہ تو ضرور تھے مگر آپ کی جدت پسند طبیعت اور ہر رنگ کو قبول کرنے والے مزاج نے زمانہ کی روش کو دیکھ کر نئی روشنی سے بھی بہت کچھ کسب نور کیا تھا۔ مولانا اس تاریخ کے لئے جو کچھ مصالح جمع کر گئے ہیں اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر آپ اس کو لکھتے تو ان تمام خوبیوں کا لحاظ رکھکر لکھتے جن پر اس زمانہ کے مورخین کو ناز ہے ۔ چنانچہ مولانا نے اس دیباچہ کو اپنے خیالات اور خصوصیات تاریخ کا ذریعہ مان کر ایک وسیع پیمانہ پر لکھنا شروع کیا تھا لیکن افسوس! ابھی اس دیباچہ کی تمہید ہی لکھنے کی نوبت آئی تھی اور آپ دل کی باتوں کو زبانِ قلم سے ادا کرنے بھی نہ پائے تھے کہ سفر آخرت پیش آیا ۔

چونکہ مولانا نہایت متبرک اور بزرگ شخص تھے اس لئے ہم نے اس نامکمل دیباچہ کو بھی تبرکاً و تیمناً آغاز کتاب میں درج کر دیا ہے ۔ اس دیباچہ سے یہ بھی مقصود ہے کہ ناظرین مولانا کے رنگ عبارت اور طرز انشا پردازی سے واقف ہو جائیں ۔

خاکسار

گلاب میاں

پاسکے مہذب تاریخ نویسوں نے

جس سے

انجام بخیر ہو اور دُنیا ہے

گوشہ کے اور کچھ نہیں چاہتے تھا۔

تاریخی ذخیرے سلاطین گجرات اور شاہانِ دہلی کی تاریخیں ریاست پالن پور کا پتہ اور نشان بتا رہی ہیں ۔ نیز بہت سے مقامات کی قدیم عمارتوں کے کتبے، چارنوں کے انعامی، اتیتوں کے خیراتی گاؤں اور برہمنوں کے وظیفے وغیرہ اس کے ثبوت کے لئے گواہِ صادق ابتک موجود ہیں ۔ پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ کسی وقایع نگار نے اس ریاست کے کچھ بھی حالات نہ لکھے ہوں ۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس ریاست میں اپنے ہمسایہ راجپوتوں کی تقلید یا کسی اور ملکی مصلحت کے سبب سے وقایع نویسی کی ذمہ داری ایسے لوگوں سے وابستہ رہی جو فنِ تاریخ نویسی سے ناآشنائے محض تھے ۔ تاہم خوش قسمتی سے ایسے چند ذریعے موجود ہیں جن سے تاریخ کے متعلق بہت سا مصالح بہم پہنچ گیا ہے ۔

پہلا ذخیرہ سلاطین گجرات اور شاہانِ دہلی کی تاریخیں، جن میں کہیں اختصار اور کہیں تفصیل کے ساتھ اس ریاست کے متعلق بہت سے حالات لکھے ہوئے ہیں، ہماری تاریخ کے لئے پہلا ذخیرہ ہے ۔

دوسرا ذخیرہ ہماری قوم (گروہ مہدویہ) کی مذہبی تصانیف جن میں اکثر موقعوں پر ضرورتاً ریاست کے متعلق حالات مندرج ہیں، دوسرا ذخیرہ ہے ۔

تیسرا ذخیرہ وہ مشہور روایتیں[۵] اور قصّے، جن کی سند اُن معتبر لوگوں سے لی گئی ہے جو اس ملک کی زندہ تاریخ خیال کئے جاتے ہیں، تیسرا ذخیرہ ہے ۔

۵ے روایت کو تاریخی ماخذ تسلیم کرنے میں اگر کسی کو شبہ ہو تو راس مالا وغیرہ مستند تاریخوں کا معائنہ کرنا چاہیے، جن میں یورپ کے مہذب تاریخ نویسوں نے روایتوں ہی پر اعتماد کر کے بہت سے واقعات لکھے ہیں ۔ ۱۲ مولفہ

چوتھا ذخیرہ ہندی اشعار، جن کے کبیشر بقول کرنل ٹاڈ صاحب مؤلف تاریخ ٹاڈ راجستان اور فاربس صاحب مولف تاریخ راس مالا زمرۂ مورخین ہند میں شمار کئے جاتے ہیں۔ ان میں صرف اتنی کمی ہے کہ یہ بجز رزم و بزم باوجود وسخا کے، اپنے ممدوح کے اوصاف حالات مثلاً انتظام ملکی و مالی۔ علوم و فنون اور صنعت و حرفت وغیرہ اپنی نظم میں بہت کم بیان کرتے ہیں۔ علاوہ بریں کبیشروں اور رئیسوں کے درمیان ایک نفسانی غرض ہوا کرتی ہے۔ یعنی کبیشر اپنی لسانی سے صرف زبانی تعریف کرکے جیب کو روپیے بھرنا چاہتے ہیں جس سے واقعات کی راست بیانی میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور پڑ جاتا ہے۔ لیکن یہ شعرا کل کے کل ایک ہی قماش کے نہیں ہوتے ہیں بلکہ بعض بعض ایسے بھی نظر آئیں گے جنہوں نے اظہار صداقت کے مقابلہ میں جان تک کی پروا نہیں کی، یہ چوتھا ذخیرہ ہے۔

پانچواں ذخیرہ پروانہ جات۔ جاگیروں کی سندیں اور تانبا پتر (وہ دستاویزیں جو تلف ہونے کے اندیشہ سے تانبے کے ٹکڑوں پر لکھی جایا کرتی ہیں) وغیرہ وغیرہ۔ جن کی صحت میں کسی طرح شک و شبہ نہیں ہوسکتا، یہ پانچواں ذخیرہ ہے۔

مرقومۂ بالا پانچ ذخیرے اس تاریخ کا ماخذ اور تاریخی حالات کی سند کے لئے معیار سمجھے گئے ہیں۔

ان ذخیروں کے علاوہ بہت سی مستند اور مفصلۂ ذیل مروج کتابوں سے بھی ہم نے اس تاریخ کی تدوین کے وقت مدد لی ہے۔ مراۃ سکندری[1] - مراۃ احمدی[2] - مراۃ عالم[3] - طبقات اکبری[4] - آئین اکبری[5] - اکبرنامہ[6] - منتخب التواریخ بدایونی[7] - تزک جہانگیری[8] سیر المتاخرین[9] - حیات افغانی[10] - صولت افغانی[11] - مخزن افغانی[12] - تاریخ ٹاڈ راجستان[13] - وقائع راجپوتانہ[14] - دربار اکبری[15] - انتخاب المولید[16] خاتم سلیمانی[17] - کتاب عہدنامہ جات[18] - راس مالا[19] - راج کہانیات[20] - راج دیپک[21] - راج درپن[22] - جغرافیہ راجپوتانہ[23] - بھارت راج منڈل[24] ویر منڈل[25] اور گزیٹیر[26] وغیرہ وغیرہ۔

لفظ پٹھان اور اسکی وجہ تسمیہ ملک افغانستان کے باشندے اپنے آپ کو پشتو زبان یا پختوں کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ پشتوں دراصل پشتہ بمعنی کوہ یا ٹیلہ کے ہے جسکے شین کو خائے معجمہ سے بدل کر پختون بنا دیا۔ یہ نام پہاڑی ملک میں رہنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لئے تجویز کیا ہے۔ لیکن اہل ہندان کو پٹھان یا افغان کہتے ہیں۔

تاریخ حیات افغانی میں لکھا ہے کہ جب پٹھان[1] ہندوستان میں آئے تو پہلے پہل صوبہ بہار کے دارالریاست میں

آباد ہوئے اور وہاں کے اصلی باشندوں کو بے دخل کر کے اپنا عمل کر لیا۔ اُس وقت سے ہندوستان کے لوگ ان کو پٹھان (پٹنہ کے رہنے والے) کے خطاب سے پکارنے لگے چنانچہ اُن کا یہی لقب مشہور ہو گیا۔

یہ امر تحقیق طلب ہے کہ یہ دلاور قوم کس زمانہ میں اور کیونکر ملک ہند میں آئی اور اس نے کس طرح سے اضلاع بہار و بنگال میں اقتدار بہم پہنچایا؟ - تاریخوں میں متعدد روایتیں اس قسم کی موجود ہیں جن پر غور کرنے سے قرین قیاس یہ معلوم ہوتا ہے کہ تجارت، ان کے ہندوستان میں آنے کا ذریعہ ہوئی ہے۔ مگر یہ بات تو بہت سی تاریخوں سے ثابت ہوتی ہے کہ کسی زمانہ میں بنگالہ اور بہار پر ان کا تسلط ضرور تھا۔

قوم میاں خیل لوہانی | صاحب تاریخ حیات افغانی کا بیان ہے کہ ملک افغانستان میں زیادہ تر قابل ذکر اُن اولوالعزم سوداگروں کا فرقہ ہے جن کو پوندہ کہتے ہیں۔ پوندہ کا لفظ ان لوگوں کے لئے موضوع ہوا ہے جن کی مستقل سکونت نہیں ہوتی۔ بلکہ ہمیشہ ایک مقام سے دوسرے مقام کو کوچ کیا کرتے ہیں۔ اس فرقہ میں پانچ قومیں مشہور ہیں۔ ناصر[۹۲] - خروٹی - دوتانی - نیازی اور میاں خیل لوہانی ان میں سے قوم میاں خیل لوہانی پرانے سوداگر ہیں اور سب سے پہلے اسی قوم نے گھوڑوں[۹۳] وغیرہ کی تجارت سے دولت حاصل کر کے باقیماندہ اقوام کو تجارت کی طرف راغب اور متوجہ کیا تھا۔

قوم لوہانی اور تجارت | ان لوگوں کا یہ قاعدہ تھا کہ جب موسم سرما آتا اور تجارت کے لئے ہندوستان جانے کا ارادہ کرتے تو

حاشیہ صفحہ ۲۸ - ۹۱ اگرچہ بظاہر اس وجہ تسمیہ کی نسبت قیاسی ہونے کا شبہ ہو سکتا ہے اور ممکن ہے کہ پٹھان کا لقب بیٹن یعنی بنیں عبدالرشید کے تیسرے بیٹے کے نام سے نکلا ہو جسکے معنی بیٹن کی اولاد ہیں۔ لیکن اسکی تردید اس طرح ہو سکتی ہے کہ اگر فی الواقع لفظ پٹھان کا اشتقاق بیٹن ہوتا تو ضرور تھا کہ اسکی اولاد اپنی روزانہ بول چال میں بھی اسی کا استعمال کرتی۔ حالانکہ یہ لوگ اس لفظ سے بالکل ناآشنا ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لفظ پٹھان اہل ہند کا بنایا ہوا ہے اور یہ مخلوط التلفظ اسکے ہندی الاصل ہونے کا کافی ثبوت ہے ۱۲۰ لمولفہ ۹۲ قوم ناصر اور خروٹی غلزئی خیل کی اور دوتانی اور نیازی لودھی کی شاخیں ہیں۔ لمولفہ ۹۳ آج تک جواس ریاست کا اصطبل اپنی ہمسایہ ریاستوں کی نسبت اصیل گھوڑوں کی نسل قائم رکھنے اور انکی پرورش کرنے میں مشہور ہے اسکی محض یہی وجہ ہے کہ یہاں کے والیان ریاست کو گھوڑوں کے ساتھ ایک قسم کا عشق ہے۔ عام طور سے تمام بہاری پٹھان اپنی پرانی عادت کے موافق گھوڑوں کی یہانتک قدر و منزلت کرتے ہیں کہ خود روکھی سوکھی ہی پر گزارا کر کے حتی الوسع اپنے گھوڑے کو گھی اور شکر کا راتب کھلاتے ہیں۔ ۱۲۰ لمولفہ

غزنی - قلات - غلزی - زرمٹ اور ہزارستان وغیرہ اضلاع افغانستان کے میدانوں میں سے اپنی راوٹیاں اُکھاڑ کر مع مویشیوں اور عیال واطفال کے درۂ گول اور کوہ سلیمان کی گھاٹیوں سے گزرتے ہوئے ڈیرہ اسمٰعیل خاں کی سرحد میں اُتر آتے اور جہاں اچھی چراگاہ دیکھتے راوٹیاں لگا لیتے تھے - ان راوٹیوں میں اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر قافلوں کی صورت میں ملتان کو نکل جاتے اور وہاں سے بہاول پور ہوتے ہوئے اضلاع راجپوتانہ میں پھیل جاتے تھے - ان میں سے بعض ملتان ہو کر ممالک شرقیہ یعنی ڈھاکہ اور برہما تک بھی دورہ لگا آتے تھے۔

لوہانی پٹھان ممتاز عہدوں پر

مرقومۂ بالا حالات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم نے سوداگری کے ذریعہ سے پہلے ملتان اور پھر بنگال وغیرہ اضلاع ہند میں آمد و رفت شروع کی - بعد کو کسی وجہ سے وہاں کی سکونت اختیار کر لی اور اکثر شاہانِ دہلی کے عہد حکومت میں اپنا نام شاہی فوج میں لکھوا کر اپنی طبعی جرأت و دلاوری کی وجہ سے بہت سی لڑائیوں میں فتحیابی اور ناموری حاصل کی اس کارنمایاں کے صلہ میں وہ بڑے بڑے ممتاز عہدوں پر سرافراز ہوئے اور اس طرح ملک بنگال وغیرہ میں ان کو اقتدار حاصل کرنے کا موقع ملا - بلکہ تواریخ ہند کی ورق گردانیوں سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جب بابر بادشاہ آگرہ میں آیا ہے تو اس وقت قنوج اور دریائے گنگ کے اُس طرف کا ملک ناصر خان لوہانی معروف بہ فرملی وغیرہ افغانوں کے قبضہ میں[۵۱] تھا - اور جس وقت سوریوں کی سلطنت تھی تو محمد شاہ سور کے دربار میں جسکو عدلی بھی کہتے ہیں دولت[۵۲] خان لوہانی وزارت اور وکالت کے عہدہ پر ممتاز تھا - علاوہ بریں لودھیوں کے زمانہ میں اس خاندان کو بہت بڑا عروج رہا ہے جس کی کیفیت تاریخ فرشتہ اور منتخب التواریخ بدایونی وغیرہ سے بخوبی معلوم ہو سکتی ہے -

بہاری اور جالوری کا لقب

اس قوم کے بعض لوگوں نے بہار سے مارواڑ میں آکر علاقہ جالور پر اپنا عمل دخل کر لیا اور اس طرح یہ لوہانی قوم اضلاع مارواڑ میں بہاری پٹھانوں کے لقب سے مشہور ہو گئی - پھر کچھ عرصہ بعد ملک خاں نے جالور پر تسلط یافتہ بلوچوں کو بے دخل کر کے اپنا قبضہ کر لیا - ملک خاں کے باپ کا نام ہیتم خاں تھا اور چونکہ ملک خاں کے زمانے سے آجتک ان ہی کی نسل میں

---

[۵۱] تاریخ ہندوستان جلد سوم سلطنت اسلامیہ کا بیان صفحہ ۹۵ مصنفہ پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ ۱۲ المولفہ -

[۵۲] تاریخ ہندوستان جلد سوم صفحہ ۱۳۶ مصنفہ پروفیسر مولوی محمد ذکاء اللہ ۱۲ المولفہ -

ریاست چلی آتی ہے اس لئے یہاں کے لوگوں میں والی ریاست کا خاندان یتیم خاں کی نسبت سے ہیتانی مشہور ہے۔ اور نیز چونکہ ہماری پٹھان اوّل اوّل جالور میں آکر آباد ہوئے اس مناسبت سے بعض لوگ ان کو جالوری بھی کہتے ہیں۔ مگر دراصل جالوری، خاص اُن ہندو راجپوتوں کا لقب ہے جو اسلام قبول کرکے ملازمت کے ذریعے لوہانی قوم کے ہیتانی رئیسوں کے ساتھ ہمیشہ کے لئے وابستہ اور متعلق ہو چکے ہیں۔

حسب و نسب | لکھا ہے کہ لودی قوم حضرت خالد ابن ولیدؓ کی نسل سے ہے جو قبیلۂ عبد الشمس میں ایک مشہور شجاع گذرے ہیں۔ لیکن خان جہاں[1] لودھی نے جو نورالدین محمد جہانگیر بادشاہ دہلی کے امرا میں سے تھا، اپنی کتاب مخزن افغانی میں اس قوم کو نسبی حیثیت سے ساؤل[2] یعنی طالوت کے پوتے آصف اور افغنہ کی نسل سے بیان کیا ہے۔

ساؤل کی وصیت | بنی اسرائیل کے بادشاہ ساؤل یعنی طالوت نے اپنی شہادت کے وقت حضرت داؤد کو یہ وصیت کی تھی کہ "میرے حرم سرا میں میری دو بیویاں حاملہ ہیں۔ تم ان کا بخوبی خیال رکھنا۔ کیونکہ ان کے بطن سے جو لڑکے پیدا ہونگے ان کی آیندہ نسلیں دنیا میں ایک نامور قوم شمار کی جائیں گی۔"

چنانچہ حضرت داؤد نے اس وصیت پر عمل کیا۔ ساؤل کی ان دونوں بیویوں سے جو دو لڑکے پیدا ہوئے، ان میں سے ایک کا نام ارخیا اور دوسرے کا ارمیا رکھا گیا۔ یہ دونوں لڑکے جب جوان ہوئے تو ارخیا وزیرالملک اور ارمیا سپہ سالار فوج مقرر کئے گئے۔

آصف اور افغنہ | ان دونوں بھائیوں کی شادی ہونے کے بعد ہر ایک کے گھر میں ایک ایک لڑکا پیدا ہوا۔ ارخیا نے اپنے لڑکے کا نام آصف اور ارمیا نے اپنے بیٹے کا نام افغنہ رکھا۔ حضرت سلیمان نے بھی اپنے زمانہ سلطنت میں آصف اور افغنہ کو

---

[1] اس کا اصلی نام پیر خاں تھا۔ پہلے صلابت خاں کا اور پھر خان جہاں کا خطاب عطا ہوا ۱۲ لمولفہ

[2] مسیح سے تخمیناً ایک ہزار برس پیشتر حضرت شموئیل نبی کے فرمانے سے ساؤل بنی اسرائیل کے بادشاہ مقرر کئے گئے تھے۔ جلبوعہ کے کوہستان میں فلسطیوں کی لڑائی میں اُنھوں نے شہادت پائی۔ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب کے بیٹے بنیامین کے خاندان میں سے تھے۔ ان کو ان کے باپ نے اپنے گم شدہ گدھوں کی تلاش میں بھیجا تھا۔ دوران تلاش میں شموئیل نبی نے ان کو مسح کیا یعنی سر پر تیل ڈال کر بنی اسرائیل کا بادشاہ بنایا دیکھو توریت کتاب شموئیل باب دہم۔ ۱۲ لمولفہ

ان کے آبائی عہدوں پر قائم رکھ کر بیت المقدس کی تعمیر کا اہتمام بھی ان ہی دونوں کے سپرد کیا۔ چونکہ بیت المقدس کی عمارت کے بنانے میں اجنّہ اور دیو بھی شریک تھے اس لئے افغنہ نے ان سے پشتو زبان سیکھی۔ افغنہ کے چالیس فرزند تھے جن سے ان کی نسل اطراف عالم میں پھیل گئی۔

عرب اور افغانستان میں نسل بنی اسرائیل جب بخت نصر[۱] نے بنی اسرائیل کو ملک شام سے جلاوطن کر دیا تو ان کی نسل کا کچھ حصہ عرب میں جا رہا اور کچھ حصہ کوہ غور اور کوہ فیروزہ میں آباد ہو گیا۔ رفتہ رفتہ اس دوسرے حصے نے جو کسی قدر زیادہ تھا، تمام کوہستانی ملک پر اپنا قبضہ کر لیا جس کا دارالامارت حال میں کابل ہے۔ اور جو لوگ عرب میں چلے گئے تھے ان میں سے ایک مدت کے بعد خالد بن ولید رضؓ پیدا ہوئے۔ ان کو پیغمبر خدا نے سیف اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ عوام میں مشہور ہے کہ خالد بن ولیدؓ ہی پٹھانوں کے جدِ امجد ہیں۔

حضرت قیس کو ملک کا خطاب پیغمبر خدا ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور خالد بن ولید نے اپنے افغان بھائیوں کو جن کے سردار قیس ابن عیص تھے، کوہ غور اور نواح خراسان سے پیغام بھیج کر مدینہ بلوایا تو قیس نے جن کا نسب چھتیس واسطے سے بنی اسرائیل کے بادشاہ ساول تک پہنچتا ہے، مدینہ میں آکر دین اسلام قبول کیا۔ آنحضرتؐ نے ان کا نام بدل کر عبدالرشید رکھا اور فرمایا کہ "تم طالوت یعنی ساول کی اولاد سے ہو، جن کو خدائے تعالےٰ نے قرآن مجید میں ملک کے خطاب سے یاد کیا ہے، بہتر ہے کہ تم کو بھی آئندہ ملک کے خطاب سے مخاطب کیا جائے"۔

افغان حضرت قیس کی اولاد ہیں اتفاقاً اُن ہی دنوں میں آنحضرتؐ فتح مکہ کی طرف متوجہ ہوئے، اور قیس عبدالرشید کو ہراول لشکر مقرر کیا۔ قیس نے اس معرکہ میں خوب خوب کارنمایاں دکھائے۔ آنحضرتؐ نے ان کے اور اُن کی اولاد کے حق میں دعائے خیر فرمائی۔ قیس عبدالرشید رخصت ہو کر کوہ غور اور نواح خراسان میں آگئے اور یہاں اسلام کی اشاعت کرنے لگے۔ تمام صحیح النسب افغان اُن ہی کی اولاد میں سے ہیں۔

---

[۱] بخت نصر کا نام توریت (کتاب دانیال) میں بنوکد نصر لکھا ہے۔ یہ بابل کا بادشاہ تھا۔ اس کا مفصل حال توریت اور عہد عتیق کی تفسیروں اور تاریخوں میں مذکور ہے۔ ۱۲ المولف

حضرت قیس کی شادی اور اولاد

تاریخ حیات افغانی میں لکھا ہے کہ قیس عبدالرشید نے خالد ابن ولیدؓ کی لڑکی سارہ کے ساتھ نکاح کیا تھا جن کے بطن سے سڑبن۔ غور غشت اور بیٹن تین فرزند پیدا ہوئے۔ یہ تینوں، تمام صحیح النسب افغانوں کے مورث اعلیٰ ہیں چونکہ یہ قیس عبدالرشید کے بیٹے اور خالد ابن ولیدؓ کے نواسے ہیں اس لئے تمام افغانوں کا نجیب الطرفین ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے۔

لوہانی کی وجہ تسمیہ

قیس عبدالرشید کے بڑے فرزند سڑبن لاولد تھے اس لئے اُنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی بیٹن کے لڑکے اسمٰعیل کو متبنّیٰ کیا۔ اسمٰعیل کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام نوحان[۵۱] رکھا گیا۔ نوحان کی نسل نوحانی کے لقب سے مشہور ہے۔ جس کو افغان لوگ اپنے تصرف لفظی سے لوہانی[۵۲] اور لوانی بھی کہتے ہیں۔

نوحان کی زوجۂ اول مسماۃ شہری سے مَرْوَت پیدا ہوا جس کی نسل مَرْوَت مشہور ہے۔ بعض اسکو بیٹن لوہانی بھی کہتے ہیں۔ اور زوجۂ دوم مسماۃ نوری سے پانچ بیٹے ہوئے، جن میں سے مماخیل۔ میاں خیل اور تُتّور وغیرہ مشہور شاخیں نکلی ہیں، جو تور لوہانی بھی کہلاتی ہیں۔ میاں خیل سے دوسری پشت پر سین خیل اور اس سے ابا خیل پیدا ہوئی۔

قوم لوہانی کی شاخیں بطور پوندہ بڑی متمول اور تجارت پیشہ تھیں۔ ان میں سے ہر ایک شاخ کا ایک رئیس ہوا کرتا تھا جس کو خان یا ملک[۵۳] کہتے تھے۔ اس ملک یا خان کے ماتحت ہر ایک خیل یا زئی کے معتبر لوگ ہوا کرتے تھے، ملک اور

---

۵۱ اس کا نام پہلے نوح تھا جسکی نسل کو بجائے نوحانی کے لوہانی کہتے ہیں۔ دیکھو تاریخ حیات افغانی صفحہ ۲۸۵ لمولفہ

۵۲ عوام میں مشہور ہے کہ لوگھر کی سکونت کی نسبت سے اس قوم نے لوہانی کا لقب پایا ہے۔ لیکن جہانتک تلاش کیا گیا کتب تواریخ سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی البتہ یہ قیاس ہوسکتا ہے کہ اس قوم نے اپنا اصلی لقب اپنے جد نوحان کی مناسبت سے نوحانی اختیار کیا ہوگا بعد میں نوحانی ہوگیا اور ممکن ہے کہ لوگھر کی سکونت کی وجہ سے جاہلے حظی کا ہاے ہوز سے بدل ہوکر بجائے نوحانی کے لوہانی ہوگیا ہو۔ ۱۲ لمولفہ

۵۳ اگرچہ مخزن افغانی کی روایت کے مطابق ملک کا خطاب خاص پیغمبر عربؐ کا عطا کیا ہوا ہے لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ لفظ ملک، مالک کا مخفف ہے اور افغانوں کے محاورہ میں سردار قوم کے لئے تعریف اسمی کے طور پر مستعمل ہوتا ہے۔ حیات افغانی میں لکھا ہے کہ اس خطاب کی ایجاد سلطان محمود غزنوی کے عہد میں ہوئی تھی اور مختلف تاریخوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین گجرات نے بلا خصوصیت افغانوں کے اپنے امراو مصاحبین کو عام طور پر ملک کا خطاب عطا کیا تھا

معتبران خیل کے اتفاقِ آرا سے اس قوم کے تمام امور کا تصفیہ ہوتا تھا۔ غالباً قوم لوہانی کی تمام شاخوں کا تعلق افسری خاندان مماخیل اور میاں خیل سے تھا۔

ان تمام روایتوں کو سلسلہ وار ترتیب دینے اور باہم مربوط کرنے سے یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ قوم میاں خیل لوہانی (جو کسی زمانے میں بطور پوندہ تاجروں کے صوبہ بہار میں آباد تھی) کی شاخ اباخیل کے ملک غزنی خاں ابن سلیم خاں یا بروایت دیگر علی شیر خاں ملک مارواڑ میں وارد ہوئے اور ان کی نسل نے سلاطین گجرات کی حمایت سے تمام علاقہ جالور پر اپنا قبضہ کر لیا۔

خطاب دیوان

چونکہ والیان ریاست پالن پور دیوان کے خطاب سے مشہور و معروف ہیں اس لئے یہ امر تحقیق طلب ہے کہ ان کو دیوان کا خطاب کب، کس وجہ سے اور کس کی طرف سے دیا گیا؟ بھاٹوں کا بیان ہے کہ جب بسیلد یو چوہان کو راؤ لاکھسی والی میواڑ نے جالور اور گوڈھواڑ کی حکومت سپرد کی اور راج میواڑ کی اطاعت پر قائم رہنے کے لئے اس سے اقرار لیا تو بسیلدیو نے قسمیہ وعدہ کیا کہ "اگر آپ کے حکم سے روگردانی کروں تو دیوری آن[1] ہے"۔ اسی وجہ سے بسیلدیو "دیوآن" کہلاتا تھا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شاہی خطاب ہونے کی وجہ سے یہ لفظ ایسا معزز سمجھا گیا کہ ہر قوم کے امرا نے اپنے نام کے ساتھ اسکو شامل کر لیا۔ چنانچہ اب بھی اضلاع گجرات کی اکثر قومیں صرف ملک کے نام سے تمیز کی جاتی ہیں۔ لیکن اس ریاست کے مورثان اعلےٰ مثلاً ملک خرم خاں اور ملک یوسف خاں وغیرہ کے ناموں کے ساتھ ملک کا جو لقب استعمال کیا جاتا ہے اسکی نسبت قیاس یہ ہے کہ روایت مندرجہ متن کے بموجب سرداری قوم کے سبب یہ لقب پیشتر ہی سے ان کے لئے مقرر ہو گیا تھا بعد ازاں سلاطین گجرات نے بھی اسی کو بحال رکھا چنانچہ اس قوم کی قدیم رسومات کے موافق شادی و غمی کی تقاریب میں جو گیت گائے جاتے ہیں ان میں اکثر جگہ بزرگان سلف کو خان ملک کے خطاب اور لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ نیز ہندی تحریروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ملک حسن خاں کو جالور کی سند کے ساتھ سلطان احمد شاہ بادشاہ گجرات نے ملک کا خطاب بھی عطا کیا تھا جو ملک حسن خاں ابن ملک ہیتم خاں تک قائم رہا۔ پھر جب غزنی خاں ثانی اور فیروز خاں پسران ملک خاں نے سلطنت گجرات کے زوال کے بعد شہنشاہ اکبر کی اطاعت قبول کی اور امرائے اکبری میں داخل ہوئے تو ان کو خان اور دیوان کا خطاب عطا ہوا جو اب تک چلا آتا ہے ۱۲ المولفہ

[1] یہ چند حرفی کلمہ مارواڑی زبان کا ہے جسکے معنی ہیں "مجھے خدا کی قسم"۔ ۱۲ المولفہ

بسیلدیو کے اس لقب کی نسبت کہتے ہیں کہ اس کا حکم ایسا زبردست تھا کہ کبیشر اپنے اشعار میں اسکو "دیوآنڑ" یعنی حکم قضا کی ساتھ تشبیہ دیتے تھے۔

بہرحال کچھ بھی کیوں نہ ہو لیکن بسیلدیو کے انتقال کے بعد جب جالور کی ریاست بہاری پٹھانوں کے خاندان میں آئی تو دیوان کا خطاب بھی منتقل ہو کر ان کے ناموں کے ساتھ شامل ہو گیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جس مصلحت سے شہنشاہ اکبر نے آیئن سلطنت اور طرز حکومت میں ہندوؤں کی پیروی کی تھی، اسی مصلحت نے انھیں بھی اکثر آیئن ریاست میں ہندو راجپوتوں کی عموماً اور رؤسا ے میواڑ کی خصوصاً تقلید کرنے پر مجبور کیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک خرم خاں نے بسیلدیو کے خطاب "دیوآنڑ" کو نہایت خوشی سے اختیار کر لیا۔ رفتہ رفتہ یہ تعظیمی خطاب جو دراصل بہ نون مخلوط التلفظ تھا، جالور کے مسند نشین بہاری پٹھانوں کیلئے مخصوص ہو کر تصرف لفظی سے مسلمانوں کے لہجہ پر دیوان ہو گیا۔

خطاب دیوان کی وجہ ہر دلعزیزی

ملک خرم خان نے اس تالیف قلوب کی پولیسی سے اپنی ہندو رعایا کے دلوں میں ایسا گھر کر لیا تھا کہ وہ لوگ ان کو بھی اپنے اپنے قدیم ہندو راجاؤں کی طرح عزیز سمجھ کر اپنی روزمرہ کی بول چال میں تعظیماً "دیوآنڑ" ہی کہا کرتے تھے اس خطاب نے یہانتک ہر دلعزیزی حاصل کی کہ رعایا اور برایا کے علاوہ کبیشروں نے بھی اپنی مدحیہ نظموں میں تشبیہاً اس کا استعمال شروع کر دیا۔

سلاطین گجرات کی طرف سے خطاب دیوان

جیٹھا جی کے ہندی نوشتہ میں مرقوم ہے کہ ملک عثمان خاں کو قلعۂ اسیر کی فتح کے صلہ میں سلطان گجرات کی طرف سے علاقہ جالور کی جو سند عطا ہوئی تھی اس میں "زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں" لکھا تھا چنانچہ اُس وقت سے ان کے جانشینوں میں یہ خطاب نسلاً بعد نسلٍ چلا آتا ہے۔ لیکن قریب القیاس اور واقعی امر یہ ہے کہ غزنی خاں کو جو ملک خرم خاں مورث اعلےٰ سے گیارہویں پشت پر فرمانروا ے جالور ہوے تھے، شہنشاہ اکبر نے مہم اٹک کی عمدہ خدمات کے صلہ میں جالور اور پالن پور کا علاقہ اور دیوان کا خطاب مع صوبہ داری لاہور عطا کیا تھا۔

اکبر اعظم اور خطاب دیوان

یہ اخیر روایت مشہور عام ہونے کے علاوہ قرین صحت بھی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن دیوان کا خطاب جو بظاہر متصدیان اہل قلم کے لئے مجوز ہوا کرتا ہے، غزنی خاں کو جن کا نام امراے اکبری کے زمرہ اہل سیف میں داخل تھا،

شجاعت کے صلہ میں عطا ہونا کسی قدر غور طلب امر ہے۔ صرف دیکھنا یہ ہے کہ کیا دربار اکبری میں خطاب دیوان محض متصدیان اہل قلم کے لئے مخصوص تھا اور فرقہ سپاہ کے ممتاز بہادروں کو نہ دیا جاتا تھا؟ لیکن۔ نہیں! ایسا نہیں ہوا، کیونکہ جب کیجڑہ کے زمیندار کالی داس کا بیٹا عیسیٰ خاں ہندو سے مسلمان ہو کر ملک بنگال کے تمام مشرقی حصص پر قابض و متسلط ہوگیا۔ اور شہر نارائن گنج کو اپنا دارالریاست مقرر کیا تو شہنشاہ اکبر کی طرف سے سمت ۱۶۵۱ مطابق ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵ء میں راجہ مان سنگہ کچھواہہ نے اسکی خودسری دبانیکے لئے بنگال پر چڑھائی کی اور قلعہ انگار سندھو پر جسکو عیسیٰ خاں نے دریا کے برہم پترا کے قریب بنایا تھا، فریقین میں مقابلہ ہوا۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے عیسیٰ خاں نے بذات خود لشکر سے نکل کر راجہ مان سنگہ کو اپنے مقابلہ کے لئے بلایا۔ وہ بہادر راجپوت بے تکلف عیسیٰ خاں کے سامنے آکھڑا ہوا اور تلوار چلنے لگی۔ اتفاقاً عین گرما گرمی میں راجہ مان سنگہ کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر زمین پر گر پڑی۔ عیسیٰ خاں نے اپنے بہادر حریف کو نہتا دیکھکر اپنی تلوار دینی چاہی۔ راجپوتی غیرت بھلا یہ عار کیونکر اُٹھا لیتی، راجہ مان فوراً اپنے گھوڑے پر سے کود پڑا اور اپنی گری ہوئی تلوار اُٹھا کر پھر مقابلہ پر مستعد ہوگیا۔

جس وقت راجہ مان پشت زیں سے زمین پر آگیا تھا، عیسےٰ خاں اگر چاہتا تو اسکے ساتھ بُرے سے بُرا سلوک کرسکتا تھا لیکن اس نے اس مجبوری کی حالت میں دشمن پر حملہ کرنا آئین شجاعت کے خلاف سمجھ کر اتنی مہلت دے دی کہ راجہ مان تلوار اُٹھا کر گھوڑے پر سوار ہوگیا، القصہ دیر تک کشمکش و کوشش کے بعد دونوں بہادر تھک کر اپنے اپنے لشکر میں چلے گئے اور آپس میں صلح ہوگئی۔

جب عیسیٰ خاں مان سنگہ کے ہمراہ دہلی آیا اور دربار شاہی میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے عیسیٰ خاں کو اپنے سپہ سالار کے ساتھ گستاخی اور بے ادبی سے پیش آنے کے جرم میں قید کر دیا لیکن جس وقت قلعہ انگار سندھو پر راجہ مان سنگہ کے مقابلہ میں اسکی اعلیٰ درجہ کی شجاعت اور بہادری کا حال معلوم ہوا تو بادشاہ نے اُسکا قصور معاف کر کے دیوان اور مسند عالی کا خطاب مرحمت فرمایا۔[۵۱]

۵۱؎ ویرسنڈل۔ تذکرہ شجاعانِ ہند مصنفہ شاستری نارائن سچیندر صفحہ ۱۶۶۔ مولف

مرقومۂ بالا واقعہ سے مقصد یہ ہے کہ جن دنوں میں اٹک کی مہم کا معاملہ پیش تھا، اسی اثنا میں شہنشاہ اکبر نے اس بہادر زمیندار علی خاں کو دیوان کا خطاب عطا کیا تھا اور چونکہ غزنی خاں بھی زمیندار جالور ہونیکے علاوہ بہادران شاہی کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے قیاس چاہتا ہے کہ شہنشاہ نے انکا موروثی خطاب "دیوان" جو اپنے تجویز کردہ جدید خطاب کے ساتھ اتفاق واتحاد رکھتا تھا مجدداً ان کو عنایت فرمایا ہو۔

خطاب دیوان اختیار کرنے کی بعض وجوہات

جو جو روایتیں ہم اوپر لکھ آئے ہیں، گو وہ تمام ایک دوسرے سے متفاوت معلوم ہوتی ہیں مگر کسی قدر غور کرنے سے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ باوجود اختلاف ظاہری کے ہر ایک روایت اپنی حیثیت سے صحیح اور درست ہے یعنی کچھ بعید نہیں کہ دیوان کا لفظ ہندی الاصل اور جالور کے راجہ بیسلدیو کا لقب ہو۔ پھر اسکے جانشین پٹھانوں کے لئے بطور استحقاق تعظیمی کے مستعمل کیا گیا ہو اور ان پٹھانوں نے بھی حکومت جالور کے ساتھ بیسلدیو کے کل حقوق اپنی طرف منتقل ہوتے دیکھکر دیوان کے مشہور خطاب کا اطلاق بھی اپنے لئے جائز رکھا ہو، جس نے استمرار واشتہار کے سبب والی ریاست کے نام کے ساتھ عرف عام میں جزو لاینفک کا درجہ حاصل کرلیا۔ بعد ازاں عثمان خاں نے اپنے نام کی سند شاہی میں زبدۃ الملک کے ساتھ لفظ دیوان کو بھی لکھوا لیا۔ عثمان خاں کی تقلید یا سلاطین گجرات کے عطیہ کا لحاظ کرکے غزنی خاں نے بھی عطیہ اکبری کی سند میں دیوان کے خطاب کا انضمام باعث اعزاز سمجھا ہو اور اپنے نام کے ساتھ اسکے لکھے جانے کی التجا کی ہو۔ اور حسن اتفاق سے ان ہی دنوں میں بادشاہ کے تجویز کردہ خطاب دیوان کے ساتھ اس درخواست کے توارد وانطباق ہوجانے کی وجہ سے ان کو دیوان کا خطاب عطا کرکے جالور کی جو سند ان کے نام لکھی گئی اس میں بھی اسی خطاب کے لکھنے کا حکم دیا ہو۔

خطاب نواب کے عطیہ سے انکار

مرقومۂ بالا وجوہات سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان، جو دراصل جالور کے راجپوت راجہ کا لقب یا اسکے دربار کے ایک معزز عہدہ دار کا خطاب تھا، جالور کے مسند نشین لوہانی رئیسوں کے خاندان میں موروثی اور قدیمی ہونے کے علاوہ سلاطین گجرات اور شاہان دہلی کا عطا فرمایا ہوا بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ خطاب اسقدر معزز سمجھا جاتا ہے کہ اسکے مقابلہ میں دوسرے اور خطاب کی نہ خواہش کی جاتی ہے اور نہ پروا۔ یہانتک کہ دیوان زورآور خاں مرحوم کو

سمت ۱۹۱۹ مطابق ۱۲۸۰ھ ۱۸۶۳ء میں برٹش گورنمنٹ کی طرف سے خیر خواہی غدر کے صلہ میں جو سند عطا ہوئی تھی اُسمیں بجائے دیوان کے نواب کا خطاب درج تھا مگر انھوں نے اُسکو ناپسند کر کے سند واپس کر دی ۔

جالور کے متعلق متفرق حالات

حدود اربعہ — جالور[۱]، مارواڑ کے دارالریاست جودھپور سے ۷۱ میل کے فاصلہ پر گوشۂ جنوب و مغرب میں سوکڑی ندی[۲] کے کنارہ راست پر آباد ہے ۔ جالور کے مشرق کی طرف علاقہ سروہی ۔ مغرب میں باڑمیر وغیرہ دیہات جاگیرداران ملانی ۔ شمال میں مارواڑ کی مشہور تجارتگاہ پالی اور جنوب میں بھینمال اور سانچور وغیرہ اضلاع واقع ہیں جن کی سرحدیں ریاست پالن پور اور ایجنسی پالن پور سے ملحق ہیں ۔

قلعہ جالور — قلعہ جالور[۳] جس کا اصلی نام سوناگڑ (سونے کا پہاڑ) اور جالندھر بھی ہے ۔ راجپوتانہ کے اُن مشہور

---

[۱] کھیات یعنی تواریخ مارواڑ میں لکھا ہے کہ تقریباً دسویں صدی بکرمی میں مسمی بارہ قوم پنوار راجپوت نے مارواڑ کے چودہ ہزار دیہات کو نو حصوں پر تقسیم کیا تھا ۔ اس ملک کو نوکوٹی مارواڑ بھی کہتے ہیں ۔ جالور کا پہاڑ بارہ کے چھوٹے بھائی بھوج کے حصے میں آیا تھا ۔ اس نے وہاں شہر آباد کر کے قلعہ بنوایا ۔ جو نو پشت تک اسکی اولاد کے قبضے میں رہا لیکن تیرہویں صدی بکرمی میں کیرتی پال چوہان راجپوت نے نادول سے آکر جالور پنواروں سے چھین لیا اور اپنا دارالریاست مقرر کیا ۔ بعد ازاں سمت ۱۳۰۳ مطابق ۶۴۴ھ ۱۲۴۶ء میں چاچک دیو چوہان نے بھینمال سے مصالح منگوا کر قلعہ کی درستی کرائی ۱۲ المولفہ

[۲] یہ ندی راجپوتانہ کے مغربی جانب علاقہ گوڈواڑ میں ایک سو تیس ۱۳۰ میل بہ کر لونی ندی میں شامل ہو جاتی ہے اور قصبہ جالور سے نصف میل کے فاصلہ پر واقع ہے ۱۲ المولفہ

[۳] نوشتۂ جالور والان کے بموجب جالور کا قلعہ ۱۲۴ جریب لمبا اور ۷۰ جریب چوڑا ہے ۔ اور بلندی میں قلعہ کی چڑھائی دو ہزار قدم کی ہے ۔ اس قلعہ کے تین دروازے اور باون برج ہیں جن کی مرمت دیوان فتح خان اول نے اپنے عہد فرمانروائی میں کی تھی ۔ اور دو حصار اور ایک محل نیا بھی بنوایا تھا ۔ جو اس وقت منہدم ہو گیا ہے مگر آثار باقی ہیں ۔ ۱۲ المولفہ

قلعوں[۵۱] میں سے ہے جو ایشیائی فوجوں کے مقابلہ میں غیر ممکن المحاصرہ خیال کئے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے وہاں سامانِ جنگ اور آذوقہ سپاہ ہر وقت موجود رہا کرتا ہے۔ اس قلعہ کی نسبت اہلِ مارواڑ کے دلوں میں کچھ ایسا وہم سما گیا ہے کہ اس امن کے زمانہ میں بھی بلا اعتمادِ کُلّی کسی کو اُسکے دیکھنے کی اجازت نہیں دیجاتی۔

وسعت اضلاع واقسام زمین

ٹاڈ صاحب لکھتے ہیں کہ اضلاع مغربی جالور و سانچور کی وسعت میں چھوٹے بڑے ملاکر ۱۰۵ دیہات آباد ہیں۔ اور یہاں کی زمین زرد، چکنی اور سفید تین قسم کی ہے جن میں سے زرد پیداوار کے لحاظ سے دوسرے دونوں اقسام سے بہتر ہے۔

آتش فشاں پہاڑ اور معدنیات

مارواڑ کی جنوبی حد پر جالور اور سوانہ کے قریب پہاڑوں کا جو سلسلہ واقع ہے اس میں بعض پہاڑ ایسے بھی ہیں جن کی ساخت آتش فشاں پہاڑوں سے زیادہ مشابہ ہے۔ اس لئے ماہرینِ علم معدنیات اِن کو آتش فشاں تصور کرتے ہیں۔ ان پہاڑوں میں اکثر زلزلے[۵۲] آیا کرتے ہیں جو عموماً دس سکنڈ سے بیس سکنڈ تک رہتے ہیں۔ ایک یورپین محقق بوائلو صاحب کی رائے ہے کہ "ان پہاڑوں میں سیسہ۔ لوہا اور تانبا وغیرہ فلزات بھی موجود ہیں"۔

جالور چوہانوں کا قدیم مسکن تھا

جالور، چوہان راجپوتوں کا قدیم مسکن تھا چنانچہ وہاں کی سکونت کے سبب چوہانوں کی ایک شاخ[۵۳] "سون گرا چوہان" کے نام مشہور ہے۔ ایک پرانے ہندی نوشتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سمت ۱۳۰۱ مطابق سنہ ۱۲۴۵ء / ۶۴۲ھ

---

[۵۱] یہ مشہور قلعے رن تھنبور۔ گاگرون۔ جالور۔ چتوڑ۔ سیوانہ۔ شیرگڑھ۔ بھرت پور۔ آمیر اور ۔۔ آباد شمار کئے جاتے ہیں ۱۲ المولفہ

[۵۲] غالباً ان زلزلوں کا اثر علاقہ پالن پور تک پہنچتا ہے اور از روئے تفحص یہ قیاس کیا گیا ہے کہ تقریباً پینتیس برس کے بعد ان پہاڑوں میں ایک سخت زلزلہ آیا کرتا ہے جس کی وجہ سے مہینوں تک رات دن میں دو تین دفعہ زمین کو جنبش ہوا کرتی ہے۔ چنانچہ سمت ۱۸۶۴ مطابق سنہ ۱۸۰۸ء / ۱۲۲۳ھ سمت ۱۹۰۴ مطابق سنہ ۱۸۴۸ء / ۱۲۶۵ھ اور سمت ۱۹۳۹ مطابق سنہ ۱۸۸۳ء / ۱۳۰۱ھ کے خوفناک زلزلے، جن کے صدموں سے صدہا مکانات مسمار ہو گئے اور مہینوں تک زمین ہلتی رہی، ان ہی آتش فشاں پہاڑوں کی یادگار ہیں ۱۲ المولفہ

[۵۳] راس مالا تاریخ گجرات۔ گزیٹیر اور کہیات سے ثابت ہے کہ نادول کے چوہانوں میں کیتو راؤ چوہان قلعۂ جالور کا بانی ہوا ہے جس کے پوتے دیوراج کی نسل سے دیوڑہ راجپوتوں کی شاخ نکلی جو بطور بھائی بیٹوں کے سونگرا چوہان راجاؤں کے ماتحت کوہ آبو کے گرد و نواح میں رہتے تھے ۱۲ المولفہ

کانڑ[۵۱] دیو ابن سالونت سنگھ چوہان راجپوت نے بھنمال سے عمارت کا مصالح منگا کر قلعہ جالور تعمیر کیا تھا۔

قلعہ جالور کا محاصرہ اور فتح سمت ۱۳۵۱ مطابق ۶۹۵ھ ۱۲۹۵ء سے لے کر سمت ۱۳۶۲ مطابق ۷۰۶ھ ۱۳۰۶ء تک یعنی گیارہ[۵۲] برس سلطان علاء الدین خلجی بادشاہ دہلی کے سپہ سالار الغ خاں[۵۳] اور نصرت خاں نے قلعۂ جالور کا محاصرہ کر کے اس پر اسلامی جھنڈا کھڑا کیا۔ بعد ازاں پھر چوہانوں کا قبضہ ہو گیا۔ مگر آخر میں سیلدیو چوہان کے واقعۂ قتل کے بعد سمت ۱۴۵۱ مطابق ۷۹۶ھ ۱۳۹۴ء میں ملک خرم خاں لوہانی نے سلطان[۵۴] گجرات کی حمایت سے اسلامی حکومت کی بنیاد ڈالی جو سمت ۱۷۵۳ مطابق ۱۱۰۹ھ ۱۶۹۷ء تک قائم رہی۔ جس ملک کو فتح کرنے میں سلطان علاؤالدین جیسے اولوالعزم بادشاہ کو برسوں مصروف رہنا پڑا، اسکے قدیم باشندوں کو بے دخل کرنیکے متعلق ملک خُرم خاں نے جس استقلال کا اظہار کیا اُس سے اُن کی اعلےٰ شجاعت و جواں مردی کا ثبوت بآسانی مل سکتا ہے۔

ملک سی پاٹلہ کا جالور میں قتل طبقات اکبری اور تاریخ فرشتہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ سلطان علاؤالدین کے لشکر میں جب وہ فتح گجرات کے بعد دہلی واپس جا رہا تھا، ایک ہولناک فساد برپا ہوا۔ بات یہ ہوئی کہ لشکر کے سپہ سالار نے

---

۵۱ اس تاریخ میں اسوقت تک بانی قلعہ جالور کی نسبت متن اور حاشیہ میں ملا کر تین روایتیں لکھی گئی ہیں۔ لیکن نہ ہم اور نہ کوئی دوسرا مورخ صحیح صحیح رائے قائم کر سکتا ہے کہ دراصل بانی قلعہ جالور کون تھا اور ان تینوں روایتوں میں زیادہ باوثوق اور معتبر کونسی روایت ہے۔ ۱۲ المولف

۵۲ کانڑ دیو کا ساکھا (علاؤالدین خلجی کے ساتھ جو لڑائی ہوئی اسکا تذکرہ) مشہور ہے۔ ہندی شاعروں کے مدحیہ گیت اور کبت جو اس ساکھے میں لکھے گئے ہیں ان میں سات برس کا محاصرہ مذکور ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوشتہ میں جو گیارہ برس لکھے ہیں اغلباً کانڑ دیو کے ایام بغاوت (چار برس) کو بھی شامل کر لیا ہے۔ ۱۲ المولف

۵۳ خاتم سلیمانی وغیرہ کتابوں میں قلعہ جالور کا الغ خاں کے ہاتھ سے فتح ہونا لکھا ہے اور منتخب التواریخ میں خزائن الفتوح مصنفہ حضرت امیر خسرو دہلوی کے حوالہ سے خود علاؤالدین کا سنہ ۷۰۶ھ میں شکار کے لئے سورت کیطرف جانا اور وہاں سے واپسی کے وقت کانڑ دیو کو مار کر قلعہ جالور کا فتح کرنا مرقوم ہے لیکن ان دونوں روایتوں میں اسطرح تطبیق ہو سکتی ہے کہ الغ خاں نے پٹن جاتے ہوئے قلعہ فتح تو کر لیا ہوگا مگر کانڑ دیو نے اطاعت قبول نہ کی ہوگی اسلئے علاؤالدین نے سورت سے واپسی کے وقت اس باغی کو مار کر مفسدہ کا خاتمہ کر دیا۔ ۱۲ المولف

۵۴ یہ زمانہ ظفر خاں کی حکومت کا تھا۔ چونکہ بعد میں ظفر خاں گجرات کا خود مختار بادشاہ بن کر سلطان کے لقب سے ملقب ہوا تھا۔ اس لئے چارنوں اور بھاٹوں نے اس موقع پر بھی اسکو سلطان کے خطاب سے مخاطب کر دیا ہے۔ ۱۲ المولف

خمس غنیمت لینے کے لئے سپاہیوں پر سختی کی۔ بعض امرائے (جن کو نومسلم بیان کیا ہے) اس تشدد سے تنگ آکر بلوہ کیا اور الغ خاں کے میر حاجب ملک اعزالدین کو قتل کر کے الغ خاں کے ڈیرہ میں گھس گئے۔ الغ خاں تو دوسری طرف نکل گیا لیکن سلطان علاؤالدین کا بھانجہ جو الغ خاں کے خیمے میں پڑا سوتا تھا اور ملک سی پاٹلہ کے نام سے جالور میں مشہور رہے اسکے دھوکے میں قتل کر دیا گیا جس کی قبر قلعۂ جالور میں موجود ہے۔ نصرت خاں اس ہنگامہ کی خبر سن کر نکل آیا اور مفسدوں کو مار کر بھگا دیا۔ جب علاؤالدین کو یہ کیفیت معلوم ہوئی تو اُس نے ان نومسلم باغیوں کو جو جالور سے بھاگ کر راجہ ہمیر دیو والی رن تھمبور کی پناہ میں چلے گئے تھے، گرفتار کر کے یہ ظالمانہ سزا دی کہ ان کی مستورات کو جبراً بھنگیوں کے حوالہ کر دیا اور ان کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ماؤں کے سروں پر دے مارا۔ ننھے ننھے بچوں کے مغز پاش پاش ہو گئے اور انھوں نے تڑپ تڑپ کر جانیں دیں۔ ان باغیوں کے گرفتار کرنے میں نصرت خاں سنگ فلاخن سے مارا گیا۔

والیان ریاست کا ہر دور میں ممتاز رہنا۔ اس ریاست کے قائم ہونے کے بعد آجتک سلطنت ہند نے تین بڑے بڑے پلٹے کھائے ہیں۔ مگر ہر دور انقلاب میں یہ ریاست اول درجہ کی ممتاز اور نامآور رہی ہے۔ پہلا دور سلاطین تغلقیہ اور خاندان لودھی کا تھا، جن کے معاصر سلاطین گجرات تھے اور یہی زمانہ اس ریاست کی بنیاد قائم ہونے کا تھا۔ دوسرا دور سلاطین چغتائیہ کا تھا، جس میں سلطنت گجرات کا زوال ہوا۔ مگر اس ریاست کے مسند نشین دیوان غزنی خان ثانی دربار اکبری میں اُسی قدر معزز رہے، جتنے ان کے اسلاف سلاطین گجرات کے دربار میں تھے۔ غزنی خاں نے شاہی خاندان میں رشتہ داری پیدا کی اور مہم اٹک میں راجہ بیربر کے انتقام کے لئے یوسف زئی پٹھانوں کے مقابلہ میں جو میدان داریاں ہوئیں ان میں داد شجاعت دے کر بڑی ناموری حاصل کی اور از سر نو ریاست جالور اور پالن پور کی سند اور صوبہ داری لاہور کے ساتھ دیوان کا خاندانی خطاب حاصل کیا۔

جب دیوان مجاہد خاں نے پالن پور کو دار الریاست قرار دیا، اسکے کچھ عرصے بعد سلطنت دہلی میں ضعف آگیا مگر مجاہد خاں کے جانشینوں نے مرہٹوں کے مقابلہ میں صرف اپنے بل پر اپنی آزادی قائم رکھی اور ان کے تاخت و تاراج کے زمانہ میں اپنی رعایا کے جان و مال اور عزت و آبرو کی پوری حفاظت کی۔ پھر سلطنت برطانیہ کا دور دورہ ہوا۔ اُسوقت بھی

اس معزز خاندان کے بانی دیوان فیروز خاں شہید اور اُن کے خلف الرشید دیوان فتح خان مرحوم نے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ بہت ہی عمدہ طور پر دوستانہ برتاؤ رکھے خصوصًا دیوان زور آور خان مغفور نے علیاحضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند آنجہانی کی ابتدائے سلطنت سے یعنی ۱۸۵۷ء کے مفسدہ میں حکام انگریزی کے ساتھ ایسا وفادارانہ سلوک کیا جس کی نسبت سر بارٹل فریئر گورنر بمبئی نے دربار عام میں نہایت شد و مد کے ساتھ تعریف کی۔ نیز دوسرے گورنروں اور برٹش حکاموں نے بھی وقتاً فوقتاً اس ریاست کے خیرخواہانہ سلوکوں کا اعتراف کیا ہے۔

نقشہ تغیر ریاست جالور

کیفیت	سنہ تغیر	کس کے قبضہ میں گئی	ریاست کس کے قبضہ سے نکلی	نمبر شمار
مجاہد خاں مورث اعلیٰ سے ۶ نمبر پر مسند نشین ہوا اور سمت ۱۵۶۹ مطابق سنہ ۹۱۹ھ ۱۵۱۳ء میں ان کے بھائی علی شیر خاں نے سلطان مظفر ثانی بادشاہ گجرات سے سند جالور حاصل کی	سمت ۱۵۶۶ مطابق سنہ ۹۱۶ھ ۱۵۱۰ء	علی شیر خاں کی مسند نشینی تک انتظام ریاست سلطنت گجرات کی زیر نگرانی رہا جس کا منتظم جیوا خاں ولد بلوچ خاں تھا۔	مجاہد خاں عرف مونچھا ملک ابن بڈہن خاں لوہانی۔	۱
مورث اعلیٰ سے ۸ نمبر پر	سمت ۱۵۹۱ مطابق سنہ ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء	امرائے گجرات میں سے فتح خاں بلوچ جاگیردار تیرواڑہ	سکندر خاں ابن علی شیر خاں لوہانی	۲
مورث اعلیٰ سے ۱۰ نمبر پر	بار اول سمت ۱۶۰۹ مطابق سنہ ۹۶۱ھ ۱۵۵۳ء بار دوم سمت ۱۶۱۵ مطابق سنہ ۹۶۶ھ ۱۵۵۹ء	بار اول راؤ مالدیو راٹھوڑ والی منڈور اور بار دوم محمد حسین میرزا اور شرف الدین میرزا بحمایت چندر سین پسر مالدیو مذکور	ملک خاں ابن سلیم خاں لوہانی	۳
مورث اعلیٰ سے ۱۱ نمبر پر	سمت ۱۶۳۷ مطابق سنہ ۹۸۹ھ ۱۵۸۱ء	سلطنت مغلیہ کی طرف سے میرزا عبدالرحیم خانخاناں	غزنی خاں ابن ملک خاں لوہانی	۴

نمبر شمار	ریاست کس کے قبضہ سے نکلی	کس کے قبضہ میں گئی	سنہ تغیر	کیفیت
۵	پہاڑ خاں ابن غزنی خاں لوہانی	سورسنگھ والی جودھپور کی طرف سے اسکا ولیعہد گج سنگھ بذریعہ سند جہانگیر بادشاہ دہلی	سمت ۱۶۷۴ مطابق ۱۶۱۸ء / ۱۰۲۸ھ	مورث اعلےٰ سے ۱۲ نمبر پر
۶	کمال خاں لوہانی عرف کرن کمال اخیر فرمانروائے جالور	درگداس راٹھور و اجیت سنگھ والی جودھ پور اورنگ زیب کی سند سے	سمت ۱۷۵۳ مطابق ۱۶۹۷ء / ۱۱۰۹ھ	مورث اعلےٰ سے ۱۵ نمبر پر

انتباہ - یہ کل چھ نمبر ہیں - مگر ملک خاں کے زمانہ انقلاب ثانی کو اسمیں شمار کرنے سے سات ہوتے ہیں - اسی لئے ریاست جالور کا خاندانِ لوہانی کے قبضہ سے سات بار نکل جانا عام طور پر مشہور ہے - مؤلف

نقشہ عطیات والیان ریاست جالور

نمبر شمار	نام والی ریاست	نام موضع جو دیا گیا	کس کو دیا گیا	کیفیت
۱	ملک عثمان خاں زبدۃ الملک	بیجاواڑی	قاضی محمد	یہ گاؤں وظیفہ میں دیا گیا - علاوہ اس کے فی ہل بیس سیر غلہ بھی مقرر کرا دیا تھا -
۲	ایضاً	کالیٹی	گوپاجی چارن	جالور سے بائیس کوس پر واقع ہے -
۳	ملک بڈہن خاں	کھندنی	چانپاجی چارن	جالور سے بارہ کوس پر واقع ہے -

کیفیت	کس کو دیا گیا	نام موضع جو دیا گیا	نام والی ریاست	نمبر شمار
واقع پرگنہ سانچور۔	بنسور بہاداجی چارن	دہرناواس	ملک بڈہن خاں	۴
ایضاً	راس جی چارن	جہرول	مجاہد خاں عرف موچھالملک	۵
جالور سے بارہ کوس پر واقع ہے	گوباجی چارن	پوناواس	ملک علی شیر خاں	۶
جالور سے چھ کوس پر واقع ہے۔	دیوک کوی (شاعر)	سنواڑہ	ایضاً	۷
واقعہ پرگنہ سانچور	کھڑباجو چارن	سیلوسن	ایضاً	۸
جالور سے سات کوس پر واقع ہے	ماوہاجی کلوٹ چارن	ہرمو	ملک خاں	۹
	دیواجی چارن	گوجرواڑہ	ایضاً	۱۰
	ماواجی چارن	بھاپڑی	ایضاً	۱۱
	بھاداجی چارن	نادیہ	ایضاً	۱۲
جالور سے ایک کوس پر واقع ہے	برہمن پانا	رتناوہ	غزنی خان ثانی	۱۳
	بنسور بہر چارن	پاڈاوی	ایضاً	۱۴
جالور سے نو کوس پر واقع ہے	سوراجی	نرپڑا	ایضاً	۱۵
	مہیش داس چارن	کرڑا	پہاڑ خاں ابن غزنی خاں	۱۶
سلطان علاؤالدین کے بھانجے ملک سی پاٹلہ کے مزار کے مصارف کے لئے دیا گیا۔ یہ گانوں پرگنہ سانچور میں واقع ہے		اٹباوہ	فتح خان اول	۱۷

عطیات مندرجہ نقشہ کے علاوہ فرمانروایان جالور نے جن سے صرف خاندانِ ہیتانی مراد ہے وقتاً فوقتاً وظائف اور سانسن وغیرہ میں اور بھی بہت سے دیہات دیئے ہیں جن کی مجمل یا مفصل کیفیت جہاں تک معلوم ہو سکی ہر رئیس کے حالات میں موقع بموقع لکھی جا چکی ہے۔ تاہم بہت سے دیہات وغیرہ کا صحیح پتہ نہیں لگ سکا۔ مثلاً اُن چوراسی دیہات کے نام باوجود بہت سی تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے جو دیوان کمال خاں عرف کرن کمال نے جالور چھوڑتے وقت بھاٹوں۔ چارنوں اور برہمنوں کو انعام۔ سانسن اور خیرات میں دیئے تھے اور جن میں سے موضع راپلی وغیرہ دیہات اس وقت تک ان ہی لوگوں کے قبضہ میں موجود ہیں۔

ان چوراسی دیہات کے متعلق یہ امر قابلِ اعتراض ہے کہ دیوان کمال خاں عرف کرن کمال کو وہ کونسا حق حاصل تھا جس کی وجہ سے انہوں نے جالور کا ایک حصہ اپنے اختیار سے بانٹ دیا۔ کیونکہ یہ وہ وقت تھا کہ شہنشاہ دہلی کے حکم سے اس علاقہ کی حکومت ان کے ہاتھوں سے نکل کر والی جودھپور کے قبضہ میں جا رہی تھی اور ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ان کی دریا دلی کو فریق ثانی نے کیوں قبول کر لیا؟ ہم اس بحث کو زیادہ طول دینا نہیں چاہتے۔

صرف موضع راپلی کے ایک زمیندار پروہت راؤ تاجی ولد انداجی کے پیش کردہ چند کاغذات میں سے اس قدر انتخاب ہدیہ ناظرین کرتے ہیں کہ جس وقت دیوان کمال خاں نے ان چوراسی دیہات کی تقسیم کرنی چاہی تو کارکنانِ جودھپور کی طرف سے بھی یہی اعتراض پیش ہوا تھا جو ہم آج کر رہے ہیں۔ لیکن کمال خاں اپنی بات پر اڑ گئے اور چھ مہینہ کی ناخوشگوار حجت کے بعد مصلحتاً فریقین کے اتفاق آرا سے ان چوراسی دیہات کی تقسیم بحال رہی۔

خاکسار

گلاب میاں

تاریخ پالن پور

جلد اوّل

جس میں

ملک خرم خاں بانی ریاست جالور

سے

دیوان فتح خاں اوّل والی جالور

و

پالن پور کے بالتفصیل واقعات اور حالات

مندرج ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

ملک خرّم خاں بانی ریاست جالور

ملک خرّم خاں کا جالور آنا اکثر ہندی اور فارسی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک خرّم خاں یا ان کے بیٹے ملک یوسف خاں نے بیسلدیو چوہان یا ساتول دیو کے قتل کے بعد جالور میں اسلامی ریاست کی بنیاد قائم کی لیکن ملک خرّم خاں کے جالور میں اقتدار پیدا کرنے کے متعلق مختلف روایتیں مشہور ہیں۔

قبضۂ جالور کی نسبت پہلی روایت جس زمانہ میں شاہانِ تغلق دہلی میں سلطنت کرتے تھے، صوبہ بہار کے لوہانی پٹھانوں میں سے ملک غزنی خاں ابن سلیم خاں اور بروایت دیگر علی شیر خاں جو صوبہ دار بہار کی نسل سے تھے کسی باعث

---

[۱۵] یہ بیسلدیو غالباً مالدیو چوہان رئیس جالور کی نسل سے تھا جس کو علاؤالدین خلجی میواڑ کا علاقہ سپرد کرکے چلا گیا تھا اور جو ۷۱۵ھ مطابق ۱۳۱۵ء میں علاؤالدین کی خبر وفات سنکر علاقۂ میواڑ رانا ہمیر کے حوالہ کرکے خود اپنے وطن جالور میں آکر رہنے لگا۔ بیسلدیو کے قتل ہونے کے بعد بقول فاربس صاحب کے اسکی نسل موضع جورا میر پور میں آباد ہوکر وہاں کے بھیلوں میں شامل ہوگئی۔ ۱۲ المولف

مع رشتہ داروں اور گروہ متعلقین کے صوبہ بہار سے تلاش معاش یا حج بیت اللہ کے لئے نکلے تھے مگر اتفاقات زمانہ سے مارواڑ میں آکر وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد ان کی اولاد میں سے ملک خرم خاں جالور میں چلے آئے۔ جالور اس وقت چوہان راجپوتوں کے قبضہ میں تھا اور بیسلدیو چوہان کی رانی پوپاں بائی[۱] وہاں حکومت کرتی تھی اور سات سو راجپوت سونے کے توڑے اور کڑے پہنے ہوئے اُسکے دسترخوان پر کھانا کھاتے تھے لیکن اُسکی غفلت و بدانتظامی کی وجہ سے راج کے کاروبار میں بے انتہا ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ ملک خرم خاں ایک تجربہ کار اور زمانہ دیکھے ہوئے سردار تھے اُنہوں نے اس غافلانہ حکومت اور ظالمانہ راج کو اپنی کامیابی کا عمدہ موقع خیال کر کے بزور شمشیر راجپوتوں سے جالور چھین لیا۔

دوسری روایت ایک بہت پرانے فارسی نوشتہ میں لکھا ہے کہ ملک خرم خاں کے بیٹے یوسف خاں نے بیسلدیو کے قتل کے بعد سمت ۱۴۴۸ مطابق ۷۹۵ھ ۱۳۹۲ع میں ظفر خاں ابن وجیہ الملک کی صوبہ داری گجرات اور محمد شاہ تغلق بادشاہ دہلی زمانہ سلطنت میں راجپوتوں کو نکال کر جالور پر اپنا قبضہ کر لیا۔

تیسری روایت قدیم زمانہ کی ایک ہندی نظم میں جو ہندو چی چارن کو جالور کے بوجک لوگوں کے ہاں سے دستیاب ہوئی تھی لکھا ہے کہ لوہانی پٹھانوں کے ملکوں میں سے شیر ملک یعنی ملک علی شیر خاں بہار کے صوبہ دار تھے۔ بادشاہِ وقت کا ناظر بیوپاری مع ایک کٹنی کے قابلِ نفرت پیام لے کر اُن کے پاس آیا۔ اثنائے گفتگو میں معاملہ کی صورت جنگ سے

---

[۱] پوپاں بائی کی بدانتظامی کی نسبت بہت سی کہانیاں مشہور ہیں منجملہ اُن کے ایک یہ ہے کہ پوپاں بائی کے سائیس اُس کے اصطبل میں سے عمدہ اور قیمتی گھوڑے چُرا کر بیچ دیتے۔ اور بجائے اُنکے کم قیمت گھوڑے خرید کر باندھ دیا کرتے تھے لیکن اس ریاست میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن کے اس ہتھکنڈے کو معلوم کر سکتا۔ ایک اور کہانی اس طرح بیان کیجاتی ہے کہ ایک مونگیا باگری (مارواڑ کی ایک جنگلی قوم) بیل پر لکڑیاں لاد کر شہر میں بیچنے کو لایا۔ راستہ میں جو سپاہی ملتا ایک لکڑی جبراً چھین لیتا۔ آخر یہانتک نوبت پہنچی کہ چنگی کے اہلکاروں نے نذرانہ ادا کرنے کے الزام میں اُس کا بیل بھی مع باقیماندہ لکڑیوں کے ضبط کر لیا۔ غریب باگری بہت کچھ رویا چلایا مگر کوئی پرسانِ حال نہ ہوا۔ ۱۲

مولفہ

بدل گئی اور ناظر کا بہت سا نقصان ہوا۔ جب یہ خبر بادشاہ کو پہنچی تو اُس نے ناظر کی کمک کے لئے فوج روانہ کی۔ شیر ملک نے اپنے رشتہ دار پٹھانوں کو جمع کرکے مشورہ کیا۔ صلاح یہ ٹھیری کہ شیر ملک مع اپنے قریبی رشتہ دار جلیش خاں اور ولی خاں کے دو سو پٹھانوں کی جمعیت کے ساتھ یہاں سے نکل جائیں اور جن کو لڑنا مرنا منظور ہو بہار میں قلعہ بند ہوکر رہے۔ چنانچہ اس قرارداد کے بموجب بہاری پٹھانوں کی جمعیت اپنے سردار قوم کو لے کر نکل گئی اور موضع بیرانہ علاقہ مارواڑ میں چتر سنگھ سوم قوم سانکھلا راجپوت کے ہاں کئی برس تک رہی۔ بعد ازاں سمت ۱۳۶۱ مطابق ۱۳۰۵ء سے بیس برس تک مختلف مقامات مارواڑ میں قیام کیا اور پھر جالور میں آباد ہوکر سمت ۱۴۴۲ مطابق ۱۳۸۶ء میں بسیلدیو بالیسا سے قلعہ جالور چھین لیا۔

چوتھی روایت

جیٹھا جی چارن نے جو ہندی پستک قانون گویان جالور کے دفتر سے نقل کیا ہوا پیش کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خرم خاں ابن عمر خاں مع اپنے رشتہ داروں۔ قبائل اور ملازمین کے ملتان سے نکل کر پانچوبہ پرگنہ سندہلاوتی علاقہ مارواڑ میں آئے اور کچھ مدت تک قیام کرنے کے بعد وہاں سے تنور۔ ونیس۔ چاوڑہ۔ سندہی۔ چوہان اور غوری وغیرہ اقوام سپاہی پیشہ کی جمعیت اور وید۔ وڈیرہ۔ لونیا اور گاندہی وغیرہ اقوام مہاجن کو ساتھ لے کر جالور چلے آئے۔ اُس وقت بسیلدیو بالیسا چوہان راجپوت جالور کا حاکم تھا۔ اس تمام جمعیت نے اُسکی ملازمت میں رہکر بڑا عروج حاصل کیا اور بسیلدیو کے مارے جانیکے کچھ عرصے بعد جالور پر قبضہ کرلیا۔ یہ واقعہ سمت ۱۴۵۰ مطابق ۱۳۹۴ء کا ہے اور یہی قابل اعتبار مانا جاتا ہے۔

بسیلدیو کا واقعہ قتل

جس زمانہ میں ملک خرم خاں کا نیر اقبال عروج پر تھا، راٹھوڑ راجپوتوں کو ترقی اور چوہانوں کو تنزل ہو رہا تھا چنانچہ بسیلدیو حاکم جالور کے مقابلہ پر جودہ پور کے قدیم دارالریاست منڈور میں راؤ چونڈا راٹھوڑ نے ایک مستقل ریاست قایم کی اور حکومت کو بڑہانے کی تدبیریں سوچنے لگا۔ اسی بنا پر اس نے اپنی لڑکی کی نسبت بسیلدیو کے ساتھ مقرر کرنیکے لئے حسب دستور راجپوتانہ ناریل بھیجا اور برات لے کر بیاہنے کے لئے اُسکو منڈور بلایا۔ بسیلدیو کی قضا آپہنچی تھی اس نے بلا تامل منڈور جانے کا ارادہ کرلیا۔ اور جالور کا ملک۔ خزانہ اور قلعہ بہاری جمعیت کے سرغنہ ملک خرم خان کو سپرد کرکے

اکثر راجپوت اور ہندو ملازمین سمیت منڈور روانہ ہوگیا۔

راٹھوڑوں نے بیسلدیو کے قتل کی تجویز پہلے ہی سے کر رکھی تھی۔ برات کا مقام ایک ایسے باغ میں مقرر کیا جس کے چاروں طرف حصار بنا ہوا تھا۔ اور آمد و رفت کیلئے بھی صرف ایک ہی دروازہ تھا۔ نیز ہر ایک رئیس کا قاتل بھی اول ہی سے مقرر کر لیا گیا تھا۔ جن میں چونڈا کا پانچواں فرزند پونجا "ہاتھ پنجان[۵۱]" بیسلدیو کا قاتل قرار پایا تھا۔ اس نے ملاقات کے وقت راجپوتانہ کی رسم کے موافق معانقہ کے بہانہ سے بیسلدیو کو زمین پر پچھاڑ کر مار ڈالا۔ اور دوسرے قاتلوں نے تمام براتیوں کو قتل کیا۔ اس ہنگامہ میں سب کے سب چوہان راجپوت مارے گئے۔

پوپاں بائی کی گدی نشینی اور بہاریوں کی شرافت

بیسلدیو کے دغا سے مارے جانے کی خبر جالور پہنچی تو ملک خُرم خاں نے اپنے بہاری رشتہ داروں اور اسلامی جمعیت کے ملازمین ریاست کی اعانت و اتفاق سے مقتول بیسلدیو کی رانی پوپاں بائی کو مسند نشین کر دیا اور اپنی نمک حلالی سے ملکداری کا ایسا عمدہ انتظام کیا کہ راٹھوڑوں کو اپنے اس ارادہ پر جس کے پورا کرنے کے لئے بیسلدیو کو فریب سے قتل کیا تھا، کسی طرح کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

پوپاں بائی کی احسان کُشی

بہاری پٹھانوں کی شرافت و نیک نیتی قابلِ تحسین ہے کہ اُنہوں نے ایک کمزور عورت کو مالکِ ریاست بنا کر دشمنوں سے ریاست کو کس طرح بچایا اور پوپاں بائی کی دغابازی اور اُس کا کمینہ پن دیکھنا چاہیے کہ اُس نے کس بزدلانہ سازش کے ساتھ اپنے محسنوں کے استیصال کی کوشش کی۔ صورتِ واقعہ یہ ہے کہ بعض مفسدہ پرداز ہندوؤں کے بہکانے سے پوپاں بائی نے بہاری پٹھانوں کی وفادارانہ خیر خواہی اور حُسنِ سلوک کی یہ قدر دانی کی کہ ان ہی کے قتل کا ارادہ کر لیا۔ لیکن چونکہ خود اُسی کی بربادی کا زمانہ آگیا تھا خوش نصیبی سے ایک شریکِ مشورہ کنیزک[۵۲] کے ذریعہ سے اس خفیہ سازش کی اطلاع ملک خُرم خاں کے کانوں تک پہنچ گئی۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے رشتہ داروں کی صلاح و مشورت سے بادلِ ناخواستہ

---

[۵۱] ہاتھ پنجان کے معنی قوت بازو اور زور پنجہ سے کچل کر مار ڈالنے والے کے ہیں۔ یہ لقب ہندی کبیشروں نے اپنے عرف میں پونجا کے لئے استعمال کیا ہے ۱۲ المولفہ

[۵۲] یہ کنیزک پوپاں بائی کی محرم راز تھی اور ایک بہاری پٹھان کے ساتھ اس کا تعلق تھا۔ ایک روز اس نے عالم بے تکلفی میں اس دغابازی اور خفیہ سازش کا کچا چٹھا اپنے آشنا کو کہہ سنایا۔ اس پٹھان نے یہ تمام حال اپنے سردار ملک خُرم خاں کے روبرو جا کر دُہرا دیا بعد ازاں جو کچھ نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے۔ ۱۲ المولفہ۔

حفظ ماتقدم کے طور پر پوپاں بائی کے محلات کو جا گھیرا خفیف سی لڑائی کے بعد پوپاں بائی نے امان طلب کی ملک خرم خاں نے جنکو دراصل اس لڑائی سے صرف دہمکانا ہی مقصود تھا، پوپاں بائی کی درخواست منظور کر لی اور چشم پوشی کرکے اُس کو اسقدر موقع دیا کہ مصالحت کرلے لیکن اُسکی تقدیر میں آوارہ گردی اور بہاری پٹھانوں کے نصیب میں حکومت جالور لکھی ہوئی تھی - پوپاں بائی موقع پاتے ہی مع اپنے دونوں بیٹوں کے نکل بھاگی اور سروہی کے پہاڑوں میں جا چھپی - پھر کچھ دنوں تک صحرا نوردی کرنیکے بعد علاقہ ایڈر میں سکونت پذیر ہوگئی اور راؤرن[۱۵] مل راٹھوڑ والی ایڈر نے موضع جوامپور اسکے لڑکوں کو گزارہ کے لئے جاگیر میں دیا -

جالوری چوہانوں کا برادری سے خارج ہونا

راس مالا میں لکھا ہے کہ جالور کے چوہانوں کے ساتھ راؤرن مل والی ایڈر کی رشتہ داری تھی - اِس وجہ سے بسلیدیو چوہان کی بیوہ رانی (پوپاں بائی) بہاری پٹھانوں کے جالور پر تسلط ہونیکے زمانہ میں اپنے لڑکوں سمیت آوارہ وطن ہوکر علاقہ ایڈر میں پناہ گزیں ہوئی - اور راؤرن مل نے قومی ہمدردی یا قدیمی تعلق رشتہ داری کے سبب اُسکو اپنی پناہ میں لے بھی لیا مگر چونکہ اس ناقص الخیال عورت کے کوتہ اندیش لڑکوں نے محض اپنے نفس کی سرکشی سے زمانہ صحرا نوردی میں بھیلوں کی عورتوں کے ساتھ شادیاں کرلی تھیں اس لئے اب اُنکی نسل راجپوتوں کی رشتہ داری سے خارج ہوگئی ہے -

صوبہ دار گجرات کے حضور میں عرضداشت

جب ملک خرم خاں کو سب طرح سے اطمینان حاصل ہوگیا اور انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اب ملک کے دعویداروں میں سے کوئی شخص اتنا دم نہیں رکھتا ہے کہ میدان میں نکل کر اپنے دعوی کا ثبوت تلوار کی زبان سے دے سکے تو اُنھوں نے ازراہ دور اندیشی صوبہ دار گجرات کی خدمت میں ایک عرضداشت لکھکر روانہ کی

---

[۱۵] راؤرن مل اسشیوجی راٹھوڑ بانی راج مارواڑ کے دوسرے بیٹے سونگ جی کی نسل سے بڑا بہادر راجپوت گزرا ہے - اس نے سمت ۱۴۵۴ مطابق ۱۳۹۸ء میں ظفر خاں اور سمت ۱۴۶۷ مطابق ۸۱۴ھ ۱۴۱۱ء میں سلطان احمد بانی شہر احمد آباد سے میدان داریاں کیں جس کی سرکوبی کے لئے سلطان نے نشاہ درہ واقع علاقہ ماہی کانٹھا میں چھاونی ڈال کر شہر احمد نگر آباد کیا - اور آخرکار راجہ کو ایڈر چھوڑ کر اُن پہاڑوں میں بھاگ جانا پڑا جنکو پول کہتے ہیں ۱۲ مؤلف

جس کا مضمون تھا کہ

"جناب عالی! سلطان علاؤالدین بادشاہ دہلی نے قلعہ سونگر راجپوتوں سے فتح کرکے سرزمین جالور کو حکومت اسلامی میں شامل کرلیا تھا لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد پھر راجپوت اس پر مسلط ہوگئے اور بیسلدیو چوہان اس کا حکمراں تھا۔ مگر اقبال شاہی سے وہ (بیسلدیو) پائمال ہوا۔ اسکی دولت وحکومت کو زوال آیا اور قلعہ سونگر پر از سرنو اسلامی پھریرا لہرانے لگا چونکہ اس دفعہ اسلامی حکومت میرے ضعیف ہاتھوں سے قائم ہوئی ہے اس لئے امید ہے کہ جناب والا کی اعانت ودستگیری کی بدولت ہمیشہ اس بلند حصار کی چوٹیوں پر اسلامی جھنڈا مستحکم رہے گا۔ التجا یہ ہے کہ آیندہ پیش آنے والی مشکلات میں جناب والا معاون رہیں گے زیادہ حد ادب۔"

حکومت جالور کے لئے شاہی سند

صوبہ دار گجرات اس عرضداشت کو پڑھکر جس میں کفار پر نمایاں فتح کی خوشخبری لکھی ہوئی تھی۔ بہت خوش ہوا۔ ملک خرّم خاں کی استدعا منظور کی اور حکومت جالور کے لئے بادشاہی سند مع خلعت عطا فرمائی۔ مگر قلعہ سونگر کو شاہی قبضہ میں رکھکر اس پر تھانہ مقرر کردیا۔ القصہ ملک خرّم خاں سمت ۱۴۵۰ مطابق ۷۹۶ھ/۱۳۹۴ء میں اس سند کے ذریعے سے مسند نشین جالور ہوئے اور کل علاقہ پر اپنا عمل ودخل کرکے خودمختار اسلامی ریاست کی بنیاد ڈالی۔ کہتے ہیں کہ عرضداشت کا جو جواب بادشاہ کی طرف سے لکھا گیا تھا اس میں ملک خرّم خاں کے نام کے ساتھ خان ملک کا موروثی خطاب بھی درج تھا۔

ملک خرّم خاں کا مارا جانا

راجپوتوں کا یہ قدیم دستور تھا کہ جب کوئی نیا رئیس مسند نشین ریاست ہوتا تو دشمنوں کے دلوں پر اپنا رعب جمانے اور اپنی ہمسایہ ریاستوں میں اپنی شجاعت اور شان وشوکت کا سکہ بٹھانے کی غرض سے فوجکشی کرکے سرکش اقوام کی سرکوبی کیا کرتا تھا۔ اس رسم کو وہ اپنی اصطلاح میں ٹیلا ڈہار یعنی راج تلک کی فوجکشی کہتے تھے جس کا ادا کرنا ہر ایک نئے رئیس کے لئے بمنزلہ لوازم منصبی سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ سمت ۱۴۵۱ مطابق ۷۹۸ھ/۱۳۹۵ء عیسوی میں اسی رواج کے بموجب ملک خرّم خاں نے بھی مقام لاس علاقہ سروہی کے ایک زمیندار ترہنا سولنکی راجپوت

لشکرکشی کی۔ یہ زمیندار تمام علاقہ میں لوٹ مار کیا کرتا تھا اور اپنی سرکشی کی وجہ سے اس وقت بھی بمقابلہ پیش آیا اور افسوس کہ اس بے حقیقت معرکہ میں ملک خرم مارے گئے۔

باب دوم

ملک یوسف خاں ابن ملک خرم خاں

ملک خرم خاں کے قاتل سے انتقام

ملک خرم خاں کے مارے جانے کے بعد اُن کے بیٹے ملک یوسف خاں نے عہد واثق کر لیا تھا کہ "وہ جب تک اپنے والد کے قاتل سے انتقام نہ لے لونگا مسندِ ریاست پر قدم نہ رکھونگا" چنانچہ اُنہوں نے اس عہد پر بڑی مضبوطی اور استقلال کے ساتھ قائم رہ کر سامانِ جنگ تیار کیا اور چندرائے بالوت زمیندار موضع ڈوڈیالی کو جسکی بہن ترہینا مذکور سے بیاہی گئی تھی اپنا طرفدار بنا لیا چندرائے بالوت اگرچہ ترہینا سوہنگی کا رشتہ دار ہی نہیں بلکہ ہمقوم اور ہم مشرب بھی تھا لیکن جیسا کہ قوم راجپوت کا خاصہ ہے وہ بھی ترہینا کی طرف سے دل میں نفاق اور طبیعت میں عناد رکھتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس نے ملک یوسف خاں کی طرفداری کو کینہ کوشی کا وسیلہ سمجھ کر منظور کر لیا۔

ترہینا کا قتل

ملک یوسف خاں نے جاسوسی اور سراغ رسانی کے لئے چندرائے بالوت کو ہمراہ لے کر موضع لاس پر

لشکر کشی کی مگر چونکہ ان کو پہلے ہی مقام پر چیندرائے کے ذریعے یہ خبر مل چکی تھی کہ مورچوں کی نگہبانی پر تر ہبنا کی طرف سے جو لوگ متعین ہیں وہ دوپہر کے وقت گاؤں میں کھانا کھانے کے لئے چلے جایا کرتے ہیں اس لئے ملک یوسف خاں نے اس موقع کو مفید مطلب سمجھ کر گاؤں پر فوراً یورش کا حکم دے دیا۔ لیکن ان کے وہاں پہنچنے سے تھوڑی ہی دیر پہلے ترہبنا گاؤں کو خالی کر کے فرار ہو چکا تھا۔ ملک یوسف خاں نے اس کا تعاقب کیا اور موضع میڑا کے میدان میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ ترہبنا ملک یوسف خاں کے برچھے سے مارا گیا اور اُسکی لاش جا لور لا کر کھیجڑہ[۱] کے سبز کانٹوں میں جلادی گئی۔

ملک یوسف خاں کی مسند نشینی ملک یوسف خاں نے اس نمایاں کامیابی سے اپنی شجاعت اور جوانمردی کا ڈنکہ بجا دیا اور آس پاس کی شورہ پشت اقوام کے دلوں پر اپنی بہادری کا سکہ بٹھا کر یہ ثابت کر دکھایا کہ بہادر جو کچھ زبان سے کہتے ہیں اس کو اس طرح پورا کیا کرتے ہیں۔ بعدازاں سمت ۱۴۵۱ مطابق ۱۳۹۵ء ۷۹۸ھ کے آخر میں مسند نشینی کا راج تلک کیا گیا۔

انتقال مسند نشین ہونے کے بعد ملک یوسف خاں نے چوبیس[۲۴] برس کامل حکمرانی کی لیکن افسوس چوبیس برس کے طولانی زمانہ کا کوئی ایسا مشہور واقعہ کسی ذریعہ سے بہم نہ پہنچ سکا جس سے اُن کی اُس اولوالعزمی اور شان و شوکت کا اندازہ لگایا جاتا جو عام طور سے مشہور ہے۔ یہی ملک یوسف خاں ہیں جو سلطان مظفر شاہ اول اور سلطان احمد بانی شہر احمد آباد کے زمانہ میں تھے اور بقول اس ریاست کے مورث اعلیٰ شمار کئے جاتے ہیں۔ انکا انتقال سمت ۱۴۷۵ مطابق ۱۴۱۹ء ۸۲۲ھ میں ہوا۔

---

[۱] کھیجڑہ ایک خاردار صحرائی درخت ہے جس کے کانٹے سخت ہوتے ہیں۔ ہندوؤں کے نزدیک اُس کے سبز کانٹوں میں لاش کا جلانا مردہ کے حق میں نہایت ہی منحوس خیال کیا جاتا ہے ۱۲

المولف

باب سوم

مُلک حسن خاں ابن مُلک یوسف خاں

مسند نشینی اور توسیع حدود مُلک یوسف خاں کے انتقال کے بعد اُن کے لڑکے مُلک حسن خاں سمت ۱۴۷۵ مطابق سنہ ۸۲۲ھ/۱۴۱۹ء میں مسند نشین ریاست ہوئے۔ اور حدود ریاست کو وسیع کرنے لگے۔ اُنہوں نے مواضعات ناڈولی۔ شیوبانہ۔ باڑمیر اور سوراچند وغیرہ اطراف و جوانب کے بھومیہ زمینداروں کو اپنا مطیع و فرمانبردار کر کے اُن سے تعلقہ بندی وصول کی اور چتوڑ کے رانا موکل سی کی بدانتظامی اور اُسکے جانشینوں کے بادشاہ دہلی سے بغاوت کے زمانہ میں موقع پا کر علاقہ میواڑ میں سے اضلاع متصلہ حدود گوڈواڑ کے اکثر دیہات حکومت جالور میں شامل کر لئے۔ علاقہ سروہی[۱] میں بھی پرگنہ منڈہار تک اپنا قبضہ کر لیا تھا۔

انتقال مُلک حسن خاں نے تقریباً بیس برس تک نہایت نیکنامی کے ساتھ حکومت کی اور سمت ۱۴۹۵ مطابق سنہ ۸۴۲ھ/۱۴۳۹ء میں وفات پائی اور تین لڑکے سالار خاں عثمان خاں اور مہتم خاں اپنی یادگار میں چھوڑے۔

---

[۱] بھاٹوں کا بیان ہے کہ راؤ بیجڑ فاتح کوہ آبو کا بیٹا اور لنبول وغیرہ سوہن مل بانی سروہی کا دادا لونہا بھی اسی منڈہار کی لڑائی میں بہاری پٹھانوں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ ۱۲ المولف

باب چہارم

ملک سالار خاں ابن حسن خاں

مسند نشینی کے بعد فراری

ملک حسن[۵] خاں کے بڑے بیٹے سالار خاں سمت ۱۴۹۵ مطابق ۱۴۳۹ء (۸۴۳ھ) میں مسند نشین ہوئے اور اپنے منجھلے بھائی عثمان خاں اور چھوٹے بھائی ہیتم خاں کو علاقہ جالور میں سے بارہ بارہ گاؤں بطور جاگیر کے دیے تقریباً دس برس تک دونوں بھائیوں میں اتفاق قائم رہا لیکن چونکہ اب اِن دونوں بھائیوں میں فساد پیدا ہو گیا تھا اس لیے ملک سالار خاں نے یہ موقع غنیمت سمجھکر عثمان خاں کی جاگیر پر اپنا قبضہ کر لیا مگر جب سمت ۱۵۱۸ مطابق ۱۴۶۱ء (۸۶۶ھ) میں عثمان خاں شاہی کمک لیکر جالور پر آئے تو ملک سالار خاں تاب مقاومت نہ لاکر جالور سے نکل بھاگے اور والی سروہی کی پشت پناہی سے سلسلۂ کوہ اراولی میں جا چھپے۔ اس کے بعد اُن کا جو کچھ حشر ہوا اُس کا کچھ حال معلوم نہیں ہوتا۔

---

۵ منڈہاڑ کی بہی بنجوں کی بہیوں میں لکھا ہے کہ حسن خاں کے لڑکوں کا نام سالار خاں اور عثمان خاں عرف زبدۃ الملک تھا اور ہیتم خاں کو پیر خاں ولد سالار خاں کا بیٹا بیان کیا ہے۔ گویا کہ ہیتم خاں ملک حسن خاں کے پوتے تھے۔ اسی طرح ایک فارسی نوشتہ میں بھی سلیم خاں ابن بہادر خاں کی روایت سے ہیتم خاں ولد پیر خاں لکھا گیا ہے۔ ہیتم خاں کا صحیح نام حاتم خاں یا حیات خاں ہے۔ لیکن مارواڑی لہجہ میں بگڑ کر ہیتان خاں اور زاں بعد ہیتم خاں ہو گیا۔ ۱۲ المولف

دیوان عثمان خاں (زبدۃ الملک) ابن ملک حسن خاں

ضبطی جاگیر اور سفر

ملک سالار خاں کے آٹھ بیٹے تھے، جنھوں نے اپنے بداندیش مشیروں کی صلاح سے اپنے چچا عثمان خان کی جاگیر میں لوٹ مار شروع کردی اور ملک سالار خاں نے موقع پاکر اُن کی جاگیر کے گاؤں ضبط کر لئے آخرکار عثمان خان مجبور ہو کر بادشاہ گجرات کے حضور میں نالش کرنیکے لئے گئے لیکن وہاں ایک عرصہ تک اُنکی شنوائی نہ ہوئی۔ جاگیر کے ضبط ہو جانے اور معاش کا کوئی ذریعہ نہ رہنے سے اُن کی حالت ایسی خراب و خستہ ہوگئی تھی کہ بجز ایک گاڑی اور ایک نوکر کے ان کے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا۔ مگر وہ نوکر ایسا وفا کا بندہ تھا کہ گاڑی کو ہر روز شہر میں لیجاتا کرایہ پر چلاتا اور جو کچھ ہاتھ لگتا اپنے مالک کی خدمت میں پیش کردیتا تھا۔ اسی طرح کچھ مدت تک یہ دونوں آقا اور نوکر بسر اوقات کرتے رہے۔

ایام مصیبت

ایک روز مصیبت زدہ آقا کا فلک ستایا ملازم حسب معمول گاڑی کو لے کر شہر میں گیا صبح سے شام تک پھرا لیکن گردش قسمت سے کرایہ نصیب نہ ہوا۔ مایوس ہو کر ایک ہیزم فروش کی دکان یعنی لکڑیوں کی ٹال پر گیا، جہاں وہ کبھی کبھی جایا آتا تھا۔ لکڑی والے نے اُسکو افسردہ اور پریشان دیکھکر سبب پوچھا۔ اُس نے آبدیدہ ہو کر تمام ماجرا کہہ سنایا۔ ٹال والے کے دل میں رحم آیا۔ تسلی اور دلاسا دیکر کہنے لگا کہ "تم کچھ رنج نہ کرو جنگل میں جاؤ اور گاڑی کو

لکڑیوں سے بھر لاؤ۔ میں تم کو اسکی قیمت دیدونگا اور اس طرح تمہارا آج کا دن بسر ہو جائے گا۔

غیبی امداد عثمان خاں کا وفادار نوکر ہیزم فروش کے تشفی آمیز کلمات سن کر کسی قدر بشاش ہو گیا۔ اور اپنے دل کو ڈھارس دے کر فوراً جنگل کو نکل گیا حسن اتفاق سے سامنے ہی ایک بہت بڑا درخت زمین پر گرا ہوا نظر آیا معلوم ہوتا تھا کہ اسکی اوپر کی شاخیں وغیرہ کسی نے کاٹ لی ہیں اور جڑیں زمین پر پھیلی پڑی ہوئی ہیں۔ اسنے زمین کو کھودنا شروع کیا تاکہ جڑوں کو جو زمین میں دور تک پیوست تھیں نکال کر لکڑیاں جمع کرے۔ ابھی تھوڑا ہی سا کھودا تھا کہ خدا کی قدرت سے اس کا آہنی اوزار کسی ایسی شے پر جا کر لگا جو نہایت سخت تھی اور جس میں سے جھناکے کی آواز پیدا ہوئی۔ غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اوزار کسی مسی ظرف سے ٹکرایا تھا جس میں سونے چاندی کے سکے بھرے ہوئے تھے۔ اخفائے راز کے طور پر اس نے اس ظرف پر مٹی ڈال کر اسی طرح نامعلوم کر دیا جس طرح پہلے تھا اور نشانی کے لئے اسکے قریب ایک خاص علامت قایم کر کے ادھر ادھر ٹہلنے لگا تاکہ پردہ پوش رات آجائے تو اس خزانے کو منگوا کر اپنے گھر لیجائے۔

ادھر تو یہ نمک حلال نوکر اندھیرا ہونے کا منتظر تھا اور ادھر عثمان خاں جب اس کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے فکرمند اور پریشان ہو کر گھر سے نکلے اور ہیزم فروش کی نشاندہی سے جنگل میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے ملازم مذکور کے پاس جا پہنچے۔ خزانہ کا حال معلوم کر کے خدا کا شکر ادا کیا۔ مل جل کر ہوشیاری سے اپنے گھر لائے اور اس روپیہ کے ذریعہ سے اپنی حالت درست کی۔ یہانتک کہ کسی امیر کی وساطت سے دربار شاہی تک رسائی پیدا کر لی۔

حسن عقیدت کہتے ہیں کہ عثمان خاں نہایت فقیر دوست تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے تنگدستی سے عاجز آ کر کسی خدارسیدہ بزرگ سے امداد چاہی۔ اس مرد کامل نے ان کے حسن اعتقاد سے خوش ہو کر ایک وظیفہ بتا دیا تھا جس کا ورد خان موصوف ہمیشہ کیا کرتے تھے۔

جن دنوں میں ان کو اپنے معمولی ورد و وظائف کا شغل تھا۔ ایک روز انہوں نے خواب میں دیکھا کہ ایک

نورانی صورت بزرگ خزانۂ غیبی پانے کی بشارت دے کر فرماتے ہیں کہ "اس خزانہ و دولت کے ساتھ تجھ کو ریاست بھی ایسی نصیب ہوگی جو ہمیشہ کے لئے تیرے خاندان میں قائم رہے گی"[91]۔ چنانچہ جب اس بشارت کے بموجب خزانہ پالیا تو عثمان خاں کو ریاست ملنے کی بھی قوی اُمید ہوگئی اور اُس کے حاصل کرنے میں پہلے کی نسبت زیادہ کوشش اور جانفشانی کرنے لگے۔

عثمان خاں کی جسارت جن اَیّام میں عثمان خاں کو یہ خزانۂ غیبی ہاتھ لگا تھا، بادشاہ گجرات نے قلعہ اسیر (مُلک دکن) کا محاصرہ کر رکھا تھا۔ محاصرین کی کمک کے لئے بادشاہ نے جو لشکر بھیجا تھا اُسکے ایک حصہ کی کمان عثمان خاں کے بھی سُپرد تھی۔ محاصرہ نے غیر معمولی طول کھینچا اور قلعہ فتح نہ ہوسکا تو اہل پرتگال نے جو لشکر شاہی میں میر آتش تھے اور علم جرثقیل سے اچھی واقفیت رکھتے تھے۔ علاوہ دیگر آلات قلعہ گیری کے ایک اس قسم کا آلہ بھی ایجاد کیا تھا کہ جس میں بیٹھکر سپاہی قلعہ کی دیوار پھاند سکتا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ حصار کو پھاند کر قلعہ میں کرنا اور کرتے ہی دفعۃً سنبھلکر دشمن کا مقابلہ کرنا نہایت ہی خطرناک اور مشکل کام تھا، افواج شاہی کا کوئی افسر اس نو ایجاد آلہ میں بیٹھکر قلعہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ کرسکتا تھا مگر چونکہ عثمان خاں بشارت یافتہ تھے اور صاحب بشارت بزرگ کے قول کو یقینی سمجھ چکے تھے اسلئے اُنہوں نے تائید غیبی پر بھروسہ کرکے اپنے ملازمین خاص میں سے چند منتخب اور چیدہ سپاہیوں کو ساتھ لیا اور استقلال سے اس خوفناک آلہ میں بیٹھنے کی مبادرت کی۔ القصہ خان جسارت شعار نے کمال دلیری سے قلعہ میں گھس کر حصار کا دروازہ کھول دیا اور قلعہ فتح ہوگیا۔

خطاب زبدۃ الملک کا عطا ہونا بادشاہِ گجرات نے عثمان خاں کی اس جرأت اور بہادری سے خوش ہوکر اُنکے موروثی خطاب مُلک میں لفظ زبدہ شامل کرکے زبدۃ الملک[92] کا خطاب عطا فرمایا۔ مزید برآں علاقہ جالور مع تین سو ترانوے[93] دیہات اور

---

[91] قاضی فتح محمد جالوری کے ہاں سے ایک پرانا نوشتہ دستیاب ہوا ہے اور یہ واقعہ اُسی سے ماخوذ ہے۔ اس نوشتہ میں اس واقعہ کے ضمن میں چند دُعائیں بھی مرقوم ہیں۔ گو زمانہ موجودہ کے نئی روشنی والوں کو اس قسم کی روایتوں کے تسلیم کرنے میں تامل ضرور ہوگا لیکن یہ ایسی باتیں ہیں جن سے غالباً کوئی ایشیائی تاریخ خالی نہ ہوگی ۱۲ لوہانی

[92] زبدۃ الملک کا خطاب مارواڑی لہجہ میں "جبدل" ہوگیا ہے اور ایسا ہر لعزیز سمجھا جاتا ہے کہ چارن۔ بھاٹ۔ ڈھاڑی اور ڈوم وغیرہ مدح اور تعریف کے

قلعہ سونگڑھ کے عنایت کیا۔ نیز بہادری کے صلہ میں موروثی جاگیر کے علاوہ پرگنہ جات سانچور اور بھینمال مرحمت کر کے حسن خان لودھی کو حمایت کے لیے ساتھ بھیجا۔

زبدۃ الملک کی مسند نشینی

عثمان خان (زبدۃ الملک) نے فوج شاہی کی مدد سے تمام علاقہ پر اپنا عمل و دخل کر لیا۔ انکے بڑے بھائی ملک سالار خاں جالور چھوڑ کر والی سروہی کی پشت پناہی سے کوہ اراولی کی گھاٹیوں میں چلے گئے۔ زبدۃ الملک نے سمت ۱۵۱۷ مطابق ۸۶۶ھ/۱۴۶۱ء میں مسند نشین جالور ہونے کے بعد حسن خان لودھی کے بیٹے اللہ داد خاں کو منصبِ وزارت پر مقرر کیا۔

تصدیق مہدیت

زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں مذہب مہدویہ کی تصدیق کی اور اس وقت تک بھی انکے جانشین اور ریاست کے اکثر مسلمان اسی مقدس مذہب کے پیرو ہیں اور حضرت میراں سید محمد جونپوری کو جو اس مذہب کے بانی ہیں، امام موعودؑ اور مہدی آخر الزماں مانتے ہیں۔

حضرت مہدی موعود کے حالات

اگرچہ اس صداقت شعار مذہب کے حالات اور واقعات تاریخ فرشتہ۔ مراۃ عالم۔ مراۃ سکندری اور دربار اکبری وغیرہ اکثر کتب سیر میں مندرج ہیں لیکن باوجود اسکے بہت سے لوگ اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اس پاک مذہب کے متعلق طرح بطرح کی غلط خیالیاں پیدا کر کے بیجا تعصب سے کام لیا کرتے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر آنحضرتؑ کی مختصر لائف اور مذہب مہدویہ کے اصول بالاجمال لکھے جائیں۔

ولادت اور نسب

شہر جونپور (شرقیہ ہند) میں حضرت امام موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی بارہویں پشت میں ایک بزرگ سید عبداللہ صحیح النسب اور نجیب الطرفین رہتے تھے۔ آپ کی زوجہ معصومہ کا نام حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا تھا۔ آپ کے آبا و اجداد

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ موقع پر اس کا استعمال کیا کرتے ہیں اور دعا و سلام کے وقت بہنبانی خاندان کے سرداروں کو "دوجا جبدل" (زبدۃ الملک ثانی) کہہ کر پکارتے ہیں۔ جابٹھاجی چپارن والے نوشتہ میں یہ بھی مرقوم ہے کہ سند شاہی میں "زبدۃ الملک دیوان عثمان خان" لکھا ہوا تھا خطاب زبدۃ الملک جس میں لفظ ملک در اصل بہ لام متحرک بالکسر ہے فی الحال عام طور پر بہ لام بضم زبدۃ الملک مشہور ہو گیا ہے ۱۲

مولف

طریقِ چشتیہ کے ساتھ نسبت رکھتے تھے اور سلوک الی اللہ کے مقتدائے کامل مشہور تھے ۸۴۷ھ مطابق ۱۴۴۳ء میں سیّد عبداللہ کے صلب اور جناب آمنہؓ کے بطن شریف سے الٰہیات کا گوہر اور شانِ الوہیت کا روشن ماہتاب یعنی ایک مقدس فرزند پیدا ہوا۔ سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس صاحبِ تقدیس مولود کا نام سیّد محمد رکھا۔

ظاہری علوم کی تحصیل | یہ آسمانِ ولایت کا ہلال جس کو بدر بن کر چمکنا تھا، کچھ ایسا پاک سرشت۔ نیک طینت۔ نورِ مجسّم اور صاحبِ کشف و کرامات پیدا ہوا جس کے ہر حال سے خرقِ عادات کا ظہور ہونے لگا۔ عالمِ طفلی سے انکا ہر فعل کرشمۂ ملکوتیہ سے معمور نظر آیا۔ جب پانچ برس کی عمر ہوئی تو شیخ دانیال، ایک فاضلِ جلیل القدر سے ظاہری علوم کی تحصیل شروع کی۔ حافظہ کا یہ حال تھا کہ آپ سات برس کی عمر میں حفظ قرآن مجید سے اور بارہ برس کی عمر سے پہلے پہلے کتب متداولہ اور علوم درسیہ سے فارغ التحصیل ہو گئے۔ علمِ سینہ کا جوش علوم سفینہ کو کاغذ کی ناؤ کی طرح بہا کر لے گیا۔ حقانیت کی لہروں نے ہر ایک مسئلہ کی چھان بین شروع کی بحث و تقریر میں اعجاز کے دریا بہا دیئے، یہانتک کہ شیخ دانیال جونپوری اور دوسرے علمائے وقت نے اس بحرِ ذخّار علوم باطنی کو "اسد العلما" کا خطاب دیا۔ جس کو دوسرے لفظوں میں خدا کے بخشے ہوئے موروثی خطاب کا ایک جزو کہنا چاہیئے۔

تفویضِ امانت | جب آپ کی عمر کامل بارہ برس کی ہوئی تو حضرت خواجہ خضرؑ نے حضرتِ سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی اجازت سے بطور اداے امانت ذکرِ خفی (پاسِ انفاس) کی ترکیب کھوکھری مسجد میں آپ کو بتائی۔ پھر استفادۃً حضرت خضرؑ نے اُسکی تلقین آپ سے حاصل کی اور اُسی وقت شیخ دانیال بھی خواجہ خضرؑ کے اشارے سے اس رمز کے متعلق آگاہ ہو کر آپ کی مہدیت کے مصدق اور ختمِ ولایت کے قائل ہو گئے۔

دلپت سے لڑائی | سلطان[۱۵] حسین شرقی بادشاہِ جونپور بھی ولایت مآب کا معتقد خاص ہو گیا اور اُس نے آپ کی کرامات ظاہرہ کو

[۱۵] سلطان حسین جونپور کا اخیر بادشاہ اور خواجہ جہاں المخاطب بہ ملک الشرق کی نسل سے تھا جسکو خاندان تغلق کے آخری فرمانروا ناصر الدین محمود نے ملک الشرق یعنی بادشاہ ممالک شرقیہ (اس لئے کہ جونپور دہلی سے مشرق کی طرف ہے) کا خطاب دے کر جونپور اور بہار وغیرہ کی حکومت و سلطنت عطا کی تھی۔ سلطان حسین اپنے بڑے بھائی سلطان محمود کے بعد تخت نشین ہوا تھا۔ چونکہ اس نے خاندانِ سادات میں سلطان سیّد محمد علاؤ الدین شاہ کی

دیکھ کر اپنے رشتۂ اعتقاد کو یہانتک مستحکم اور مضبوط کیا کہ ہر وقت آپ کے فیض صحبت سے متمتع ہوا کرتا تھا۔ حضرت ولایت مآب کے ایما و ترغیب سے اسی زمانہ میں سلطان حسین نے دلپت[۵] راؤ والی گوڑ پر عدم ادائے خراج کی نسبت فوجکشی کی۔ اس لشکر کشی میں حضرت ولایت مآب بھی سلطان حسین کی پشت پر آیۂ رحمت کی طرح سایہ فگن تھے۔ ع

چہ غم دیوار امت را کہ باشد چوں تو پشتیباں

دلپت کا قتل ہونا | جب اس فوجکشی کی خبر دلپت راؤ کو پہنچی تو وہ قلعہ سے نکل کر تین میل کے فاصلہ پر صف آرا ہوا۔ اثنائے کارزار میں ایک دفعہ ہی شاہی فوج پر آثار ہزیمت نمایاں ہو گئے۔ حضرت ولایت مآب نے لڑائی کا یہ رنگ دیکھکر میدان جنگ میں قدم بڑھایا اور اپنے ڈیڑھ ہزار ہمراہیوں سمیت ایسا بہادرانہ حملہ کیا کہ طرفۃ العین میں لشکر گوڑ کے قدم اکھڑ گئے اسی ہنگامہ دار و گیر میں یکایک حضرت ولایت مآب اور دلپت راؤ کا آمنا سامنا ہو گیا۔ اس نبرد آزما میں حضرت مؤید باللہ یادگار ید اللہ کی شمشیر ذوالفقار تنویر کا ایسا کاری وار دلپت کے شانہ پر لگا کہ اسکے پہلو کے ساتھ ہی اسکا مضغۂ دل بھی دو ٹکڑے ہو کر اپنی جگہ سے باہر نکل آیا۔

جسد نمبر حق | کہتے ہیں کہ دلپت راؤ کو کسی دیوی سے حقیقی اشٹ (اعتقاد) تھا جس کا وہ ہمیشہ تپ (تصور) کیا کرتا تھا اور اس کے خیال میں اسکو ایسی محویت تھی کہ جب اس کا دل کٹ کر جسم سے علیحدہ ہوا تو اسپر اسکے پرتما (بُت) کا نقش موجود تھا حضرت ولایت مآب کی نظر جونہی اس نقش پر پڑی تو یہ خیال کر کے کہ جب کسی تصور باطل کے جم جانے سے بتوں تک کی تصویر آئینۂ دل پر قائم ہو جاتی ہے تو اشتغال اور استغراق محبت الٰہی سے طالبان حق کے دلوں پر کیا کیا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ دختر المعروف بہ ملکۂ جہاں بیگم سے نکاح کر لیا تھا اور نیز خاندان سادات اور سلطان بہلول بادشاہ دہلی کے درمیان بغض و عناد پھیلا ہوا تھا اس لئے سلطان حسین نے اپنی بیوی کی تحریک سے سلطان بہلول پر چار حملے کئے مگر ہر دفعہ شکست کھائی۔ آخر الامر وہ عاجز آکر اپنے خسر علاؤ الدین شاہ بادشاہ بنگال کے ہاں پناہ گزیں ہوا۔ اور سلطان سکندر لودہی کے عہد میں جونپور کی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا ۱۲ المؤلفہ

[۵] دلپت راؤ اضلاع ترہٹ کا زمیندار تھا۔ جو اوڑیسہ پر فوج کشی کے وقت سلطان حسین کا مزاحم ہوا تھا۔ تاریخ فرشتہ اور طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ سلطان نے تین لاکھ سواروں کی جمعیت اور چودہ سو ہاتھیوں کے طوفان سے اوڑیسہ پر حملہ کیا تھا جس کے صدمہ سے اضلاع ترہٹ پامال اور برباد ہو گئے تھے ۱۲ المؤلفہ

جوہر آرائیاں ہوتی ہونگی!" فوراً ہی آپ پر حالتِ جذب طاری ہوگئی۔

حالتِ ذوق وشوق حضرتِ ولایتِ مآبؑ پر غلبۂ حال نے ایسا اثر کیا کہ آپ سات برس تک برابر حالتِ جذب میں رہے لیکن چونکہ آپ دریائے فنا و بقا کے آشنائے کامل تھے اور اختتام ولایت کا تاج آپ کے سرِ مقدس پر رکھا جانا تھا اس لئے آپ عام مجذوبوں کی طرح حواس ظاہری سے معطل نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ جس طرح آپ کا باطن انوارِ الٰہی کا اقتباس کر رہا تھا اور آپ کے قوٰی روحانی اشتغالِ معنوی کا احساس کر رہے تھے، اُسی طرح آپکا ظاہر بھی اعمالِ شرعی سے غافل نہ تھا اور آپ کے اعضائے جسمانی افعالِ صوری سے بےخبر نہ تھے۔ آپ اوائے فرائض یعنی صوم وصلواۃ کے وقت ہمیشہ صحو[۵۱] کی حالت میں آجاتے تھے اور پھر کیفیت سکر[۵۲] میں مبتلا ہوکر چشم باطن سے اللہ جلّ شانہٗ کی طرف دھیان لگا لیتے تھے۔ غرضکہ سات برس کے بعد کسی قدر ہوش آیا لیکن پھر پانچ برس تک گاہے صحو گاہے سکر رہا۔ آپ کی زوجۂ مطہرہ سے روایت ہے کہ آپ محبت الٰہی میں اس قدر مستغرق رہتے تھے کہ اس تمام بارہ برس کے عرصے میں آپ نے صرف ستره سیر غلہ اور گوشت وغیرہ نوش جان فرمایا تھا۔

ہجرت اور بادشاہ مالوہ کی تصدیق جب حالتِ سکر رفع ہوگئی اور آپ امتحان گاہِ ذوق وشوق کو نہایت کامیابی کے ساتھ طے کر چکے تو آپ نے اپنے آبائی شہر جونپور سے ہجرت فرمائی۔ اور قلبِ حقیقت نما کی رہبری سے دانا پور کے جنگلوں کا راستہ لیا۔ آپ کی مقدس بیوی۔ آپ کے فرزند اکبر میراں سید محمودؓ اور شیخ بھیک وغیرہ طالبانِ حق آپ کے ہمراہ تھے دانا پور کا جنگل آپ کے لئے کوہ مناتھا۔ یہاں آپ کو مہدیت کا الہام ہوا اور مہاجرین تصدیق سے مشرف ہوئے۔

---

۵۱ اصطلاحِ صوفیہ کرام میں صحو قوتِ ممیزہ کی مراجعت و معاودت کی حالت کا نام ہے ۱۲

۵۲ سکر اس حالت کا نام ہے جس میں احکام ظاہری (تفرقہ) اور احکام باطنی (جمع) کی تمیز سالک کے اختیار میں نہیں رہتی۔ جس طرح برق خاطف کی روشنی سے آنکھوں کی بصارت میں خیرگی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح انوار ذات مقدس الٰہی کے لمعات سے نور عقل کی بصیرت کے ماند ہو جانے کے سبب احکام کی تمیز دور ہو جاتی ہے۔ اس حالت کو قوۃ اور تواتر کے اعتبار سے غلبۂ حال کہتے ہیں اور بلحاظ رفع تمیز کے سکر۔ کتب گروہ مہدویہ میں صحو و سکر دونوں حالتوں کا ذکر بالتفصیل مرقوم ہے ۱۲ المولفہ

عہدۂ مہدیت سے ممتاز ہونیکے بعد آپ شہر چندیری ملک مالوہ میں تشریف لائے۔ شہر چندیری میں آپ کے بیانِ قرآنی کی تاثیر نے دھوم مچادی۔ خلایق کا ہجوم ہونے لگا۔ کچھ دن بعد آپ چندیری سے روانہ ہوکر ملک مالوہ کے دارالسلطنت مانڈوگڈھ میں رونق افروز ہوئے۔ یہاں بھی آپ کی معجز کلامی اور سحر بیانی کا جو آپ کا خاص معجزہ تھا ایسا چرچا ہوا کہ خود سلطان غیاث الدین[۵] خلجی بادشاہِ مالوہ بھی آپ کا معتقد اور آپ کی مہدیت کا مصدق ہوگیا۔

---

[۵] غیاث الدین خاندان خلجی کے اُن بادشاہوں میں سے دوسرا بادشاہ ہے جنہوں نے ملک مالوہ میں سلطنت کی تھی۔ یہ اپنی جامع اضداد طبیعت کی وجہ سے ایک عجیب الخصلت اور نادر المزاج بادشاہ تھا۔ اس نے تخت نشین ہوکر بقول مصنف طبقات اکبری سولہ ہزار صاحبِ جمال عورتیں جنکی افسر بادشاہ بیگم رانی خورشید تھی۔ اپنے حرم سرا میں جمع کی تھیں اور جو علم و ہنر، صنعت و حرفت وغیرہ فنون اور پیشے اس زمانہ میں رائج تھے ان کی تعلیم تمام و کمال ان عورتوں کو دی تھی۔ خدمتگاری سے لے کر وزارت تک کا کام۔ ادنیٰ و اعلیٰ عہدے اور چھوٹے بڑے کل منصب ان ہی عورتوں کو دیئے تھے۔ حبشی اور ترکی کنیزوں کو تیر اندازی اور نیزہ بازی وغیرہ فنون سپہ گری سکھاکر زنانہ لشکر تیار کیا تھا۔ اور ان سب کو قلعۂ مانڈو میں آباد کرکے اس کا نام شادی آباد رکھا تھا۔ اسکی محفلِ عشرت و انبساط میں اربابِ نشاط کا اکھاڑا جمارہتا تھا۔ مگر کنیزانِ عیش خانہ کو تاکیدی حکم تھا کہ عین وقت پر نماز تہجد کے لئے خوابِ نوشیں سے جگادیا کریں۔ اگر نہ جاگے تو ہاتھ پکڑ کر کھڑا کردیں اور نیز خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کا یہ طریقہ بھی مقرر کیا تھا کہ جب عیش و عشرت میں حد سے زیادہ استغراق پیدا ہوجائے تو وہ کپڑا جو اس نے اپنے کفن کے لئے مخصوص کرلیا تھا اسکو دکھادیا جاتا تھا جس سے عبرت پذیر ہوکر وہ توبہ و استغفار میں مشغول ہوجایا کرتا تھا۔ اسی طرح اسکی فراخدلی اور فیاضی کے بارہ میں منقول ہے کہ کسی ملبہ فریب جعلساز نے گدھے کا سم لاکر اسکے حضور میں پیش کیا اور ظاہر کیا کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گدھے کا سُم ہے۔ سلطان فیض بخش نے اسکو معقول انعام دے کر رخصت کیا پھر دوسرا شخص آیا اور سُم نذر کرکے انعام لے گیا۔ الغرض جب چار شخص اسی طرح مکاری اور فریب سے بادشاہ کو دھوکہ دے کر انعام لے گئے تو ایک پانچواں شخص حاضرِ دربار ہوا اور ایک گدھے کا سُم ہدیۃً پیش کیا۔ یہ دیکھکر اسکی ایک شوخ مزاج معشوقہ نے مذاقاً کہا کہ "کیا حضرت عیسیٰ کے گدھے کے پانچ سُم تھے؟"۔ بادشاہ نے ہنسکر جواب دیا کہ "نہیں۔ لیکن ان پانچوں میں سے شاید کوئی جعلی ہو" غیاث الدین نے تخت نشین ہوکر اپنے بڑے بیٹے عبدالقادر ناصر الدین کو اپنا ولیعہد اور وزیر مختار کردیا تھا مگر رانی خورشید نے جو بادشاہ کے مزاج میں بہت زیادہ دخیل تھی ناصر الدین کے برخلاف اسکے چھوٹے بھائی شجاعت خان عرف علاء الدین کی طرفداری کرکے باپ بیٹے میں نفاق ڈالدیا تھا۔ اس باہمی نزاع کی وجہ سے ناصر الدین نے تنگ آکر قلعہ شادی آباد کا محاصرہ کرلیا اور فتحیاب ہوکر رانی خورشید اور علاء الدین کو قتل کرڈالا

سخاوت و استغنا۔ جس طرح حضرت ولایت مآبؑ کے اجداد رضی اللہ عنہم اجمعین کا وطیرہ تھا کہ دنیوی شان و شوکت اور ظاہری سلطنت پر الفقر فخری کو ترجیح دیا کرتے تھے اسی طرح آپ بھی کسی بادشاہ یا امیر کے دربار میں کبھی نہیں جاتے تھے۔ چونکہ اس زمانہ میں سلطان غیاث الدین کو اسکے فرزند ناصر الدین نے نظر بند کر رکھا تھا اور اس حیثیت سے وہ بذات خود آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوسی حاصل نہ کر سکتا تھا، اس لیے اس نے کسی دوسرے شخص کے توسط سے آپ کی جناب میں تلقین ذکر اللہ کی استدعا کی۔ آپ نے اپنے صحابہ میں سے میاں ابوبکرؓ اور میاں سید سلامؓ اللہ کو اسکے پاس بھیجا۔ غیاث الدین ان سے نہایت ہی اعتقاد کے ساتھ پیش آیا اور طریقہ سلوک کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ساٹھ قنطار طلا اور ایک تسبیح مروارید ان کے ہمراہ آپ کی خدمت میں بطور نذر بھیجی۔ آپ نے ایک قنطار طلا اپنے مہاجرین میں تقسیم کر کے باقیماندہ تمام قنطار خیرات کر دئے۔ تقسیم خیرات کے بعد ایک ڈفالی حاضر ہوا۔ چونکہ اسکی صورت خود سوال تھی اور مال خیرات میں سے کچھ باقی نہ رہا تھا اسلئے آپ نے تسبیح مروارید اسکے حوالہ کر دی اور اسکو محروم و مایوس نہ جانے دیا۔

حضرت الہ داد حمیدؓ سلطان کے مصاحبوں میں سے ایک فاضل متبحر اور شاعر جلیل القدر امیر میاں الہ داد حمید ترک دنیا کر کے فقرائے مہاجرین کے زمرہ میں داخل ہو گئے اور حضرت ختمی پناہ کے صحابہ و خلفا میں شمار کیے جانے لگے حضرت الہ داد حمیدؓ کی تصنیفات سے دیوان غیر منقوط۔ رسالہ بار امانت۔ رسالہ ثبوت مہدیت اور ترکیب بند وغیرہ مشہور عام ہیں۔ میاں ملک جی مہری ابن خواجہ طہٰ مصنف دیوان مہری (یہ دیوان حضرت ولایت مآبؑ کے خلیفۂ دوم میاں سید خوندمیرؓ کے مآثر و مناقب میں لکھا گیا ہے) حضرت الہ داد حمیدؓ ہی کے شاگردوں میں سے تھے۔

حضرت ولایت مآبؑ کی کیمیا ساز نظر نے خذف پاروں کو کندن بنانے کے علاوہ دو موقعوں پر نہایت ہی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور اپنے باپ غیاث الدین کو قید میں ڈال دیا۔ جس زمانہ میں غیاث الدین بیٹے کی قید میں تھا حضرت محمد مہدی موعود علیہ السلام مانڈو میں تشریف لے گئے تھے۔ ۱۲ مولفہ۔

عجیب تاثیر دکھائی ہے۔ سب سے پہلے دلپت راؤ کے مارے جانے کے بعد آپ کے پر تو نظر نے جس کو اپنا چیلا بنایا وہ دلپت راؤ کے بھانجے شاہ دلاور تھے جنھوں نے آپ کے فیض صحبت سے مسلک فقر و فنا پر چل کر آپ کے خلفا میں شرکت حاصل کر لی۔ دوسرے حضرت الہ داد حمید جو آپ کی نظر پڑتے ہی اپنی حالت کو چھوڑ کر آپ کے مرید ہو گئے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے کچھ ایسے باکیف ہوئے کہ اپنی تمام زندگی آپ ہی کے نقش قدم پر فدا کر دی۔

چانپانیر میں نزول اجلال

حضرت ولایت مآب ؑ مانڈو سے کوچ کر کے شہر چانپانیر دار السلطنت گجرات میں تشریف لائے اور مسجد جامع میں قیام فرمایا۔ چانپانیر میں بھی آپ کی تاثیر بیانی اور ترک و تجرد کا تذکرہ یہاں تک پھیلا کہ سلطان محمود بیگڑہ[۵۱]

---

[۵۱] طبقات اکبری اور مراۃ عالم وغیرہ کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ سلطان محمد ابن فیروز شاہ تغلق نے تخت نشین ہو کر اپنے رفقا میں سے چار شخصوں کو جنھوں نے اسکی آوارگی کے زمانہ میں اسکے ساتھ وفاداری کا اظہار کیا تھا اعلےٰ درجہ پر پہنچا دیا تھا چنانچہ ظفر خاں ابن وجیہ الملک المخاطب بہ اعظم ہمایوں کو ملک گجرات۔ سید خضر خاں کو ملتان۔ خواجہ سرور کو جونپور اور دلاور خاں غوری کو ملک مالوہ عطا کیا۔ منجملہ ان چاروں کے اول الذکر ظفر خاں سلاطین گجرات کا مورث اعلےٰ ہے۔ اسکا باپ ہندو سے مسلمان ہو کر سلطان فیروز تغلق کے آبدار خانہ کی خدمت سے امیر کبیر بنا اور اسکے بعد اس کا بیٹا بادشاہت کے درجے کو پہنچ گیا۔ سلطان احمد بانی شہر احمد آباد اسی ظفر خاں کا پوتا تھا جسکی نسل میں پانچویں پشت پر سلطان محمود بیگڑہ سلاطین گجرات میں بڑا اولو العزم اور مشہور بادشاہ گزرا ہے۔ سلطان محمود بیگڑہ کے ایام سلطنت میں حضرت مہدی موعودؑ گجرات میں تشریف لائے۔ مراۃ سکندری میں حضرت ولایت پناہ اور محمود بیگڑہ کی نسبت جو عبارت مرقوم ہے اسکو ہم بعینہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ وھو ہذا

مخفی نماند کہ در اواخر ایام عمر سلطان محمود سید محمد جونپوری کہ دعوی مہدیت میکرد از جونپور بشہر احمد آباد آمدہ و در مسجد تاج خاں سالار کہ قریب دروازہ جمالپور واقع است منزل نمود و اکثر اوقات تذکرہ میگفت و موعظت مینمود و مردم جوق جوق بملاقات اوی آمدند چوں بدر العارفین حضرت سید جیو ابن سید محمد ابن قطب عالم سید برہان الدین بملاقات سید رسیدند بعد از مصافحہ در مسجد مذکور نشستند در آنوقت سید آیۂ از آیات قرآنی مناسب حال خواندند ایشان نیز مطابق آں جواب آیۂ فرمودند باز سید آیۂ دیگر خواندند ایشان نیز بقرأت آیۂ دیگر جواب فرمودند سہ مرتبہ سوال و جواب بقرأت آیۂ واقع شد بعد از آں حضرت از ایشاں وداع شدند در راہ یکے از معتقدان از احوال سید استفسار نمود فرمودند کہ مردیست صاحب حال سخنان خاص را بعام میگوید و ملاحظہ تکلموا الناس علی قدر عقولہم نمی کنند و آنچہ فہم میشود ایں است کہ بعد از وفات سید از اصحاب ایشاں فتنہ سر خواہد زد میگویند کہ دعائے سید بسیار مؤثر بود

نے بھی غائبانہ معتقد ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کا قصد کیا۔ لیکن ارکانِ سلطنت اور علمائے دربار نے اسکو ہر حیلہ سے آپ کے حضور میں حاضر ہونے سے معذور رکھا۔ اس مقام پر میاں شاہ نظام رضی اللہ عنہ جو دراصل شہر جائس واقع اضلاع شرقیہ ہند کے شہزادوں میں سے تھے اور اسلام خاں کی مسجد میں تعلیم پاتے تھے، ترک دُنیا کر کے آپ کے اصحاب و خلفاء کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ حضرت ولایت مآبؑ قریب ڈیڑھ برس کے چاپانیر میں اقامت پزیر رہے۔ آپکی زوجۂ اول کا بھی یہیں انتقال ہوا اور قلعۂ پاوا گڈھ کے قریب دامنِ کوہ میں مدفون کی گئیں۔

کشف باطنی چاپانیر سے روانہ ہو کر حضرت ولایت مآبؑ صوبۂ خاندیس (جنوبی ہند) کی طرف تشریف لے گئے اور یہاں سے برہان پور ہوتے ہوئے دولت آباد میں شرفِ نزول فرمایا۔ دولت آباد میں مزارات اولیاء اللہ کی زیارت کی اور شہر احمد نگر پایۂ تخت سلاطین نظام شاہیہ میں رونق افروز ہوئے۔ احمد نگر کے بادشاہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ کہ ہر کہ می شنید خرقۂ تجرید می پوشید و کلاہ تفرید بر سر می نہاد سُلطان نیز قصد ملاقات سیّد نمودہ بود وزرا مانع آمدند گفتند مبادا استخان سیّد سُلطان را از جا ببرد و مہمات مملکت تعطیل پیدا کند نقل است کہ شبے شخصے از اوباشان بقصد زنا در خانۂ محبوبۂ خود درآمدہ اتفاقاً صحبت خوب بر نیامد رنجیدہ آخر شب از انجا مست شمشیر در دست روبسوئے خانۂ خود نہاد چوں صبح صادق دمید دید کہ سید با اصحاب خود بر کنار جوئبار ساغر ایستادہ اند پرسید کہ شما بچہ کار آمدہ اید و انجا چہ میکنید سیّد گفت ہر کہ از دوست خود رنجیدہ برآید از ولالت مالصلاح می درآید از استماع این مقولہ آں مرد را حالتے رو داد کہ نعرہ زد و تا مدتے بیہوش افتاد و بعد از افاقت بتوفیق توجہ سید خرقۂ تجرید و کلاہ تفرید پوشید نقل است کہ روزے سید گفت کہ ما در دنیا خدا را بہمیں چشم سر می نمائیم از استماع این سخن علمائے احمد آباد بر قتل سید استفتا نمودند و ہمہ فتوی نوشتند الّا مولانا محمد تاج کہ اعلم علمائے عصر بود و استاد استادان شہر بعلما گفت کہ شما علم را برائے ہمیں آموختہ اید کہ بر قتل سید فتویٰ دہید بعد از وقوع این واقعہ سید از احمد آباد انتقال نمودہ بطرف پٹن روانہ شدند ولیہ کردہ پٹن موضع است بڑلی نام آنجا اقامت نمود و دعوی مہدیت کرد۔ چوں علمائے پٹن بریں مقال اطلاع یافتند بقتل سید شتافتند سید از انجا بطرف ہندوستان انتقال کرد و از ہندوستان بطرف خراسان رخت کشید چوں بقندہار رسید مردم جمعیت کردہ سید را کشتند الّا اصحاب سید میگویند کہ باجل خود مُردہ کسے او را نکشت۔ واللہ اعلم بالصواب وکان ذلک فی سنۃ عشر تسعمائۃ ۱۲

احمد نظام الملک[۹۱] نے جسکے کوئی لڑکا نہ تھا حاضر خدمت ہوکر دعائے خیر کی امید پر قدمبوسی حاصل کی حضرت ولایت مآبؑ نے پیشتر اس کے کہ وہ بزبان ظاہر اپنی آرزوئے دلی کا اظہار کرے کشف باطنی سے اُسکے مافی الضمیر کو دریافت کرلیا اور دست مبارک سے پان کا ایک بیڑا اسکو عنایت کرکے تولید فرزند کی بشارت دی۔ چنانچہ ختمی پناہ کی بشارت کے بموجب احمد نظام الملک کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام برہان[۹۲] نظام الملک رکھا گیا۔ یہ لڑکا آیندہ حضرت ولایت مآبؑ کا مصدق خاص اور یہانتک معتقد ہوگیا تھا کہ اس نے اپنی بیٹی[۹۳] آپ کے پوتے سید میرانجیؒ کے عقد نکاح میں دی تھی۔ اور حضرت شاہ نظام۔ شاہ دلاور۔ شاہ نعمت اللہ اور دیگر صحابہ و خلفائے مہدیؑ کو گجرات سے بلاکر بکمال تعظیم و ادب اپنے ملک میں رکھا یہی وجہ ہے کہ مذہب مہدویہ اور حضرت مہدی علیہ السلام کے خلفاء و مریدین کی نسل اضلاع دکن میں دور تک آباد ہے اور اُسکا سلسلہ راس کماری تک چلا گیا ہے۔

| واقعات شہر بیدر | حضرت ولایت مآبؑ احمد نگر سے کوچ کرکے شہر بیدر پایۂ تخت سلاطین بریدیہ میں تشریف فرما ہوئے

---

[۹۱] کتب سیر میں احمد نظام الملک کا باپ جو بانی سلطنت نظام شاہیہ تھا وہ نظام الملک بحری کے لقب سے مشہور ہے۔ نظام الملک بحری دراصل بیجاپور دکن کے ایک برہمن بھیرو کا لڑکا تھا جو بمقام گلبرگہ احمد شاہ بہمنی کے سپاہیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوکر بادشاہی غلاموں کے زمرہ میں داخل ہوا اور بعد ازاں اسکے بیٹے محمد شاہ بہمنی کے عہد سلطنت میں خاص بادشاہی بحری یعنی بازداری کی خدمت اسکے متعلق ہوئی اور رفتہ رفتہ میر شکار کا منصب تفویض ہوکر نظام الملک بحری کا خطاب ملا۔ یہ احمد نظام الملک اسی نظام الملک بحری کا بیٹا تھا۔ اس نے علاقہ خیبر اور ملک کوکن پر قبضہ کیا اور سلطان محمود شاہ بہمنی کی فوج کے مقابلہ میں فتحیاب ہوکر مستقل بادشاہ بن بیٹھا جس مقام پر اس نے محمود شاہ بہمنی پر فتح پائی تھی اس جگہ ایک باغ کی بنیاد ڈالی اور "باغ نظام" نام رکھا۔ ۱۲

[۹۲] کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ برہان نظام الملک نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں شاہ طاہر ایک فاضل اثنا عشری کے دام فریب میں آکر مذہب شیعہ اختیار کرلیا تھا اور تمام ملک میں اسی مذہب کو رواج دینے میں کوشش کی تھی۔ شاہ طاہر سادات علویہ یعنی سلاطین اسمٰعیلیہ مصر و افریقیہ کی نسل سے تھا اور شاہ اسمٰعیل صفوی والی ایران کے خوف سے بھاگ کر دکن میں چلا آیا تھا اور یہاں ملا پیر محمد شروانی کی وساطت سے برہان نظام الملک کے مقرب مصاحبین میں داخل ہوگیا تھا۔ نقلیات (وہ کتب مذہبی جن میں بزرگان دین کے حالات مرقوم ہیں۔) میں لکھا ہے کہ حضرت ولایت مآبؑ نے شاہ طاہر کے آنے سے پہلے ہی یہ فرما دیا تھا کہ "وہ اس بادشاہ کے عقیدے میں رفض کی بو آتی ہے"۔ ۱۲

[۹۳] اس واقعہ کی نسبت صاحب تاریخ فرشتہ لکھتا ہے کہ "مذہب مہدویہ دراں زماں رواج تمام پیدا کردہ بود و برہان شاہ دختر خود را بیکے از مشائخ ایشاں دادہ بود"۔ ۱۲

بیدر کا بادشاہ قاسم برید[۵] آپ کا معتقد و مرید ہوگیا اور شیخ مومن ۔ مُلّا ضیاء ۔ قاضی علاء الدین اور قاضی منتجب وغیرہم بہت سے علما و فضلا نے ملک سے ترک دنیا کرکے آپ کے ساتھ ہجرت اختیار کی ۔ ان علماء میں سے فی الحال صرف قاضی منتجب کی تصانیف سے رسالہ ثبوت مہدیت یادگار باقی ہے ۔

حج بیت اللہ اور دعوی مہدیت

بیدر سے نہضت فرما ہوکر حضرت ولایت مآبؑ شہر گلبرگہ پایۂ تخت سلاطین بہمنیہ میں تشریف لائے اور خواجہ بندہ نواز سید محمد گیسو دراز کے مزار پُرانوار پر فاتحہ پڑھ کر آگے روانہ ہوئے ۔ شہر بیجاپور اور قصبہ رائے باغ ہوتے ہوئے بندر ڈابھول میں رونق افروز ہوئے ۔ ڈابھول سے حضرت ولایت مآبؑ حج بیت اللہ کے لئے جہاز میں سوار ہوئے ۔ مکہ معظمہ پہنچکر حرم محترم میں الہام ربانی سے رکن و مقام کے درمیان دعوی مہدیت کا اظہار کیا ۔ اور بآواز بلند فرمایا کہ "من اتبعنی فھو مومن" حضرت شاہ نظام اور قاضی علاء الدین نے جو اُس وقت حاضر تھے "آمنّا و صدقنا" کہہ کر بیعت کی ۔ یہ پہلا دعوی مہدیت کا تھا جو ۱۴۹۵ء مطابق سمت ۱۵۵۱ بکرمی میں کیا گیا ۔
۹۰۱ھ

واپسی اور دوسرا دعوی مہدیت

حرم محترم سے مراجعت فرماکر حضرت ولایت مآبؑ باجازت روح مقدس رسول مقبولؐ بندر جدہ میں تشریف لائے اور جہاز پر سوار ہوکر بندر کھمبایت یا دیو (علی اختلاف الروایت) پر نزول اجلال فرمایا اور وہاں سے شہر احمدآباد دارالسلطنت گجرات میں رونق افروز ہوئے اور مسجد تاج خاں سالار متصل دروازۂ جمال پور میں قیام کیا ۔ اور کامل ڈیڑھ سال تک وہاں مقیم رہکر علانیہ دعوی مہدیت کا اظہار فرمایا ۔ حضور موعودؑ کا یہ دوسرا

---

[۵] قاسم برید دراصل ایک ترکی غلام تھا جسکو سلطان محمود شاہ بہمنی نے شہاب الدین علی یزدی ایک سوداگر سے خرید کر اپنے امیروں میں داخل کیا تھا اور اُسکو علاقہ جالنا کے سرکش مرہٹوں کی تنبیہہ اور سرکوبی کے لئے بھیجا تھا ۔ اس نے سابا جی راؤ مرہٹہ سردار کو جو باغیوں کا سرغنہ تھا قتل کرکے اسکی لڑکی کو اپنے حرم سرا میں داخل کیا اور اُسکے رشتہ داروں کو بڑے بڑے منصب اور عہدے دیکر اپنا طرفدار بنالیا جن کی مدد سے تمام مہاراشٹر دیس پر اپنا قبضہ کرکے محمود شاہ بہمنی کے زمانۂ جلوس اور سلطنت بہمنیہ کے ایام ضعف میں سلاطین اسلام کی اعانت سے مستقل بادشاہ بن بیٹھا اور محمود شاہ بہمنی سے جبراً فرمان آزادی سلطنت حاصل کرکے شہر بیدر کو اپنا دارالسلطنت مقرر کیا ۔ جن دنوں میں یہ اپنے لئے خطاب شاہی تجویز کرنے کی طرف متوجہ تھا حضرت ولایت مآبؑ بھی وہاں تشریف لے گئے اور یہ آپکے قدوم تقدس لزوم کی برکت سے اپنی دلی مراد کو پہنچا اور اسی لئے وہ آپ کی کرامات کا شیدا ہوکر آپ کے زمرۂ معتقدین و مریدین میں شامل ہوگیا ۔ ۱۲

دعوی تھا جس کا اعلان ۹۰۴؁ھ مطابق سمت ۱۵۵۴ بکرمی میں کیا گیا۔ ملک شرہان الدین اور ملک گوہر بھی ان ہی دنوں میں مصدق اور تارک الدنیا ہو کر زمرۂ مہاجرین اور خلفا میں داخل ہوئے۔

حاجی مالی کا عجیب واقعہ

روایت ہے کہ کسی باغبان کا ایک یتیم لڑکا مجذوب مادر زاد تھا۔ والدین کے انتقال کے بعد اپنے چچا کی پرورش سے بڑا ہوا اور جب سنِ تمیز کو پہنچا تو اُسکے چچا نے اسکو اپنے آبائی پیشہ پر لگایا مگر اس کا یہ حال تھا کہ جب کبھی باغبانی کے کام میں مصروف ہوتا تو مصنوعات آلٰہی کو دیکھکر عجایبات ملک و ملکوت کے تفکر میں ایسا محو و مستغرق ہو جاتا کہ نہر کا پانی ایک کیاری سے دوسری کیاری میں چلا جاتا تھا اور اسکو خبر تک نہ ہوتی تھی۔ آخرش اسکے چچا نے تنگ آکر اسکو گھر سے نکال دیا۔

یہ چمن آرائے حقیقی کے مظاہر رنگا رنگ کو دیکھنے والا مسالکِ فنا کی روش پر چل نکلا۔ کبھی سُنا تھا کہ "مکہ میں جو کعبہ ہے وہ خدا کا گھر ہے" چنانچہ اسی خیال سے کہ "وہ مکان میں مکین ضرور ملیگا" حج بیت اللہ کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں مخبر صادق نے رہبری کی حضرت خواجہ خضرؑ برہمن زنار بند کے بھیس میں ملے تاج خاں سالار کی مسجد کے دروازہ تک رہنمائی کی اور نظروں سے غائب ہو گئے۔ گویا رہِ تلاش سے نکال کر منزلِ مقصود پر پہنچا دیا۔

اُدھر اسکے سچے ہادی حضرتِ مہدی موعودؑ نے اثنائے بیان میں اسکے آنے کی خبر دے کر استقبال کی تیاری کی۔ اور اُدھر طلبِ صادق اس مجذوب کامل کو کھینچے لاتی تھی۔ جوں ہی آپ کے چہرۂ پُر انوار کی تجلیات اس صفا کیش کے آئینہ دل پر منعکس ہوئیں یکایک چشمِ ظاہر نے بند ہو کر چشمِ باطن کو کھول دیا۔ حالتِ بیخودی میں حضرت کے قدموں پر گر پڑا اور اسی عالم میں جاں بحق تسلیم ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ آتے ہوئے پھولوں کا ہار لیتا آیا تھا۔ حضرت ختمی پناہ نے وہی ہار اپنے دستِ مبارک سے اسکے گلے میں ڈال کر فرمایا کہ

"بھائی حاجی مالی تیل بتی تیار کر کے لائے صرف روشن کرنے کی دیر تھی۔ الحمد للہ کہ مقصود حاصل ہوا اور طالب بہ مطلوب واصل"

پھر وہیں مسجد کے صحن میں دفن کیا جس کی قدرت کہ قبر کی جگہ پھولوں کا ڈھیر ہو گیا۔ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

حضرت شاہ نعمت

احمد آباد سے کوچ کر کے موضع سولہ سانتیج میں مقام کیا۔ یہاں میاں شاہ نعمت جو بڑے خونخوار قزاق تھے، حضرت ولایت مآبؑ کے بیان قرآن کو سنکر تائب ہوئے اور جن جن لوگوں کو لوٹا مارا تھا حضرت کے ارشاد کے بموجب اُن سے معافی مانگ کر تمام حقوق عباد سے بری الذمہ ہونیکے بعد حضور موعودؑ کی ہمرکابی میں شریک ہجرت ہو گئے اور اپنے حال کی ایسی اصلاح کی کہ خلفائے کبار میں محسوب ہوئے اور "مقراض بدعت" کا خطاب پایا۔

حضرت صدیق ولایتؓ خلیفۂ ثانی

سولہ سانتیج سے شہر نہر والہ (انہل پور پٹن) قدیم دار السلطنت گجرات کا ارادہ کیا اور جس طرح پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے " انی لاجد نفس الرحمٰن من جانب الیمن" فرمایا تھا اسی طرح ولایت مآبؑ بھی راستہ میں آتے ہوئے پٹن کی طرف اشارہ کر کے فرماتے تھے کہ

"اس سرزمین سے کشش عشق کی کچھ ایسی خوشبو آتی ہے کہ جس کے رائحہ سے روح شگفتہ ہوئی جاتی ہے"

چنانچہ جب پٹن پہنچکر " خان سرور" (تالاب) پر مقیم ہوئے تو آپ کی بشارت کے بموجب صدیق ولایت میاں سید خوندمیرؓ جن کی فطرتِ آب و گل میں عشق الٰہی کا خمیر تھا، حاضر ہو کر عین شباب (اٹھارہ برس کی عمر) میں فیض یاب صحبت ہوئے اور آپ کی تربیت باطنی سے وہ کمال حاصل کیا کہ فہرست خلفا میں آپ خلیفۂ دوم شمار کئے جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ طالب و مطلوب یعنی حضرت ولایت مآبؑ اور صدیق ولایتؓ میں جن راز و نیاز کا اظہار ہوا ان میں سے ایک یہ تھا کہ جب صدیق ولایتؓ تا بحیرِ ذوق اور جذبۂ شوق سے حضور میں آئے تو لمعۂ شمع جمال کو دیکھتے ہی ایسے مست و سرشار ہو گئے کہ بے اختیار ہو کر حضرت ولایت مآبؑ کے قدموں پر گر پڑے۔ جب آخر خدا سے عشاق

یہی حالت طاری رہی تو آپ نے فرمایا کہ "بہیا! اب تو سر اُٹھاؤ۔ درگاہِ بے نیاز میں تمہاری ہدیہ سر کی نذر قبول ہوگئی"
اسکے جواب میں صدیق ولایتؓ نے عرض کیا کہ "ایک سر کیا، سو سر سے تصدق ہو جاؤں تو جانوں کہ میرے دل کی
تمنا بر آئی" فرمان ہوا کہ "ہر صد قبول و مقبول"

قیام پٹن کے زمانہ میں شہرت بیان کی وجہ سے لوگوں کا بہت بڑا اژدہام ہوا کرتا تھا۔ ملک برخوردار۔
ملک حماد اور ملک الہ داد وغیرہ حضرت صدیق ولایتؓ کے اقربا اور شہر کے بہت سے عمائد و اُمرا حضرت ولایت مآبؑ
کے مُرید ہوگئے۔ ان میں سے بہت سے حضرات نے آپ کے ساتھ ہجرت بھی اختیار کر لی۔

مقام بڑلی میں دعوی موکدہ

پٹن سے روانہ ہو کر حضرت ولایت مآبؑ موضع بڑلی[۹۷] میں قیام فرما ہوئے۔ ڈیڑھ سال تک
اقامت کی۔ قرب وجوار کے لوگ بیان قرآنی سُننے کے لئے آنے لگے۔ اس مقام پر بھی حضرت ختمی پناہ نے
بصحت عقل اور بہ ثبات حواس مہدیت کا دعوی کیا اور فرمایا کہ "مجھ پر بے واسطہ فرمانِ الٰہی نازل ہوتا ہے کہ اے
سید محمدؑ تو ہمارا بندہ خاص اور ہمارے رسول برحق کا تابع تام ہے۔ ہم نے تجھکو علم اولین و آخرین اور بیان معانی و
حقایق قرآن اور کلید خزانۂ ایمان عطا کی ہے۔ جو تجھ پر ایمان لائے گا وہی مومن برحق ہے۔"

کہتے ہیں کہ جب حضرت ختمی پناہ نے مرقومۂ بالا الفاظ میں دعوی مہدیت کیا تو اُس وقت تین سو ساٹھ افاضل عُلما
اور اماجد صلحا کا مجمع تھا، جنہوں نے متفق اللفظ آمنّا وصدّقنا کہا۔

چونکہ یہ تیسرا دعوی جو ۹۰۵ھ ۱۴۹۹ء مطابق سمت ۱۵۵۵ بکرمی میں ایک عالیشان مجمع کے اندر کیا گیا تھا اور جس پر
حضرت ولایت مآبؑ آخر دم تک قائم رہے، "دعوی موکدہ" کہلاتا ہے۔ خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ اس پانچ برس
کی مدت میں گجرات کے مسلمانوں میں سے اقوام بیانی۔ اولاچی۔ پولادی۔ زندران۔ قبچاقی۔ ملتانی۔ بھٹی۔ بنیانی۔
کرانی۔ موئل۔ بہلیم اور ان کے علاوہ قصبات کی سپاہ پیشہ اقوام اور دار السلطنت احمد آباد کے اکثر اہل حرفہ اور پیشہ ور لوگ

---

[۹۷] پٹن میں ایک برس اور بڑلی میں چھ مہینے یعنی ان دونوں مقامات میں حضور موعودؑ کو کل ڈیڑھ برس رہنے کا اتفاق ہوا۔ مگر چونکہ یہ گاؤں شہر سے قریب تھا
اس لئے دونوں مقاموں کا قیام ایک ہی شمار کیا گیا ہے۔ ۱۲

اس مذہب کے پیرو ہوگئے تھے۔

رونق افروزی جالور

موضع بڑلی سے روانہ ہوکر حضرت ولایت مآبؑ نے قصبہ تھراد میں بھی مقام کیا تھا، جہاں کے ملتانی لوگوں نے آپ کی تصدیق کی۔ آخرالامر شہر جالور میں نزول اجلال فرمایا۔ جالور کے فرمانروا اور لوہانی پٹھانوں کے افسر اعلےٰ زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں نے آپ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور تعلقات باطنی کے سبب سے بے اختیار بول اٹھے کہ "اہا! یہ تو وہی تقدس مآب بزرگ ہیں جنھوں نے عالم رویا میں مجکو اپنے جمال پاک سے مشرف فرمایا تھا اور جن کی بشارت سے میں نے یہ جاہ و جلال اور ریاست لازوال پائی ہے" اور مشہور ہے کہ انھوں نے مع تمام اعیان دولت اور ارکان ریاست کے حضرت ولایت مآبؑ کی تصدیق[۱] کی اور حضور موعودؑ نے بھی ان کے حسن اعتقاد سے خوش ہوکر ان کے خاندان کو امر بیل (درخت حیات) کے لقب سے مخاطب کیا۔

---

[۱] کتب مہدویہ کی رو سے حضرت مہدی علیہ السلام کا جالور تشریف لیجانا ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) یا ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) میں بیان کیا جاتا ہے اور اس واقعہ کو زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں کے زمانۂ حکومت سے منسوب کرتے ہیں۔ لیکن واقعات پر مورخانہ نگاہ ڈالنے سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان عثمان خاں نے تیئس ۲۳ برس حکومت کرکے ۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء) میں وفات پائی۔ عثمان خاں کے بعد اُن کے بھتیجے اور فرزند متبنیٰ ملک بڈہن خاں مسند نشین جالور ہوئے اور انھوں نے بھی بائیس ۲۲ برس فرمانروائی کرکے ۹۱۲ھ (۱۵۰۶ء) میں انتقال کیا۔

مرقومۂ بالا واقعات کو پیش نظر رکھنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ زبدۃ الملک دیوان عثمان کا انتقال ۸۸۹ھ (۱۴۸۴ء) میں ہوا اور ۹۰۶ھ (۱۵۰۰ء) اور ۹۰۷ھ (۱۵۰۱ء) کے زمانہ میں ملک بڈہن خاں مسند آرائے ریاست تھے اور یہی سال حضرت امام آخرالزماں کے جالور تشریف لیجانے کا لکھا گیا ہے۔ اس صورت میں زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں کا مذہب مہدوی اختیار کرنا کیونکر تسلیم ہوسکتا ہے۔

ہمارے بزرگانِ قوم اور مذہبی کتابوں کے مصنفین نے اکثر اوقات واقعہ نگاری میں سنہ اور تاریخ کے لکھنے میں کچھ ایسی لاپروائی برتی ہے کہ واقعات مذہبی کو اور تاریخوں کے ساتھ تطبیق دینا عجیب عجیب قسم کی مشکلات پیدا کرتا ہے اور نتیجہ پر پہنچکر ازحد افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مذہبی مورخوں نے فن تاریخ نویسی کے اصول کو پیش نظر رکھنے میں بالکل توجہ نہیں کی۔ مگر اس موقع پر ہمارا یہ افسوس صرف مذہبی کتابوں ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ دوسرے قابلِ قدر مورخین نے بھی سخت غلطیاں کی ہیں۔ چنانچہ تاریخ مرآۃ احمدی میں حضور موعودؑ کی تشریف بری احمدآباد کے واقعہ کو ۹۱۴ ہجری کے واقعات میں درج کیا ہے

خاص اسی خاندان میں ہمیشہ کے لیے قیام ریاست کی دعا کی اور اہل خاندان اور متعلقین کی نسبت بہت سی بشارتیں ارشاد فرمائیں۔ بعد ازاں تقریباً ساڑھے چار مہینے جالور میں رونق افروز رہے۔

جالور سے روانگی اور نماز لیلۃ القدر

جالور سے حضرت ولایت مآبؑ شہر ناگور (ملک مارواڑ) میں تشریف لے گئے۔ بڑے بڑے مشائخ اور اکابر علما نے بیعت و تصدیق کی۔ ان علما میں سے علامہ ابو الفضل ابن شیخ مبارک کے بزرگ بھی تھے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اور صاحب تاریخ مراۃ سکندری بھی اس واقعہ کو اواخر ایام حکومت سلطان محمود بیگڑہ سے منسوب کرتا ہے حالانکہ حضور موعودؑ کی وفات ۹۱۰ھ ۱۵۰۵ء میں بمقام فرح واقع ہوئی۔ عربہ میں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔ دوسرے مؤرخین کو تو ضرورت ہی کیا پڑی تھی کہ وہ مذہب مہدویہ کے واقعات کو پوری تلاش و تفحص کے ساتھ لکھتے لیکن ہمکو اپنے علمائے گروہ کی کم توجہی پر افسوس آتا ہے، جنہوں نے اس عظیم الشان واقعہ کو خلط مبحث بنا دیا۔

جب کتب مذہبی صاف طور سے بتا رہی ہیں کہ زبدۃ الملک دیوان عثمان خان نے تصدیق مہدیت کی اور حضور موعودؑ کو دیکھتے ہی کہدیا کہ "آہا! یہ تو وہی تقدس مآب بزرگ ہیں، جنہوں نے خواب میں تشریف لاکر مجھے بشارت دی تھی"۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ زبدۃ الملک نے حضرت ولایت مآبؑ کی تصدیق نہ کی ہو۔

اسمیں شک نہیں کہ حضور موعودؑ نے زبدۃ الملک کو خواب میں حصول ریاست کی بشارت ضرور دی اور زبدۃ الملک نے بھی حضور موعودؑ کو دیکھتے ہی پہچان لیا۔ مگر اصل میں یہ واقعہ ۸۸۶ھ ۱۴۸۲ء یا ۸۸۸ھ ۱۴۸۳ء کا ہونا چاہیے۔ کیونکہ کتب مذہبی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور موعودؑ نے ۸۸۶ھ ۱۴۸۲ء میں جونپور سے ہجرت فرمائی اور چاپانیر تشریف لے گئے۔ قیاس چاہتا ہے کہ زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں جو اُس زمانہ میں فرمانروائے جالور تھے اور آپ سے خاص تعلق باطنی رکھتے تھے، آپ کے چاپانیر رونق افروز ہونے کی خبر سُن کر وہاں گئے ہوں اور دوسرے مریدین و مصدقین کی طرح اُنھوں نے بھی حضور موعودؑ کی ولایت کا اقرار باللسان کیا ہو اور حضور موعودؑ نے بھی ان کے حسن اعتقاد سے خوش ہو کر ان کے اور ان کی اولاد کے حق میں دعائے خیر کی ہو یا ممکن ہے کہ زبدۃ الملک دیوان عثمان خاں حضرت ولایت مآبؑ کے چاپانیر تشریف لانے یا وہاں موجود ہونے کی خبر سنکر احمد آباد سے جالور جاتے جاتے اپنی سعادت نصیب قسمت کی رہبری سے چاپانیر چلے گئے ہوں یا پہلے ہی سے وہاں موجود ہوں (کار و بار ریاست کے سبب اور گاہے خدمات سلطانی انجام دینے کے لیے ان کو حضور شاہی میں جانے کا اکثر اتفاق ہوا کرتا تھا) اور آپ سے قدمبوس ہو کر دونوں جہان کی برکتیں حاصل کی ہوں۔ غرضکہ اسی طرح بہت سی وجوہات سے

چنانچہ ان کی تصنیف کردہ کتابوں سے اسکا ثبوت ملتا ہے۔ ناگور سے کوچ کرکے حضرت ولایت پناہ جیسلمیر ہوتے ہوئے شہر نصیر پور کاہہ (ملک سندھ) میں تشریف فرما ہوئے اور الہام الٰہی سے رمضان کی ستائیسویں شب کو دوگانہ لیلۃ القدر با جماعت ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ فرقۂ مہدویہ میں یہ رات نہایت متبرک سمجھی جاتی ہے

سفر افغانستان

جب حضور موعودؑ نصیر پور کاہہ سے روانہ ہوئے، راستہ میں ملک سندھ کا بادشاہ۔ شہر نگر ٹھٹھہ کا قاضی، مفتی شیخ صدر الدین۔ جام نندا[1] کا وزیر اعظم دریا خاں (جو بعد میں خود مختار بادشاہ بن بیٹھا تھا) اور نیز بہت سے امراء اور عمائد آپ کے مرید و معتقد ہوتے گئے۔

نگر ٹھٹھہ سے حضرت ولایت مآبؑ نے میاں سید خوندمیرؓ اور شاہ نعمتؓ کو جماعت مہاجرین کے ایک گروہ کے ساتھ گجرات کی طرف رخصت کیا اور خود مع نوسو ۹۰۰ اصحاب مہاجرین کے ملک خراسان کی جانب روانہ ہوگئے اور شہر قندھار (ملک افغانستان) میں نزول اجلال فرمایا۔ آپ کا بیانِ قرآن سُنکر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ زبدۃ الملک نے حضرت ولایت مآبؑ سے چاپانیر یا اسکے قرب وجوار میں قدمبوسی حاصل کی اور جب یہ (زبدۃ الملک دیوان عثمان خان) سلسلۂ مریدین میں داخل ہوگئے اور ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء یا ۹۰۷ھ ۱۵۰۱ء میں حضور ولایت مآبؑ نے خاص جالور میں نزول اجلال فرمایا تو زبدۃ الملک کے بھتیجے اور فرزند متبنیٰ ملک بڈھن خان نے جن کو حضور موعودؑ کے ساتھ خاص نسبت تھی مع اعیان وارکان ریاست کے مذہب مہدوی اختیار کیا ہوا اور چونکہ بزرگان دین کو مشاغل دینی کے سوا اور امورات کی طرف بہت کم التفات رہا کرتا تھا اس لئے اُنھوں نے سہل انگاری سے اس واقعہ کو بجائے ملک بڈھن خاں کے زبدۃ الملک دیوان عثمان خان کے زمانہ حکومت سے وابستہ کردیا۔

واقعی امر یہ ہے کہ زبدۃ الملک نے ۸۸۸ھ ۱۴۸۳ء میں جو ان کی فرمانروائی کا اخیر زمانہ تھا کسی نہ کسی مقام پر حضور موعودؑ سے شرف قدمبوسی حاصل کیا اور ۹۰۶ھ ۱۵۰۰ء خواہ اسکے دوسرے سال حضور ولایت مآبؑ کے جالور تشریف لیجانے کا مشہور عام واقعہ احمد آباد سے واپسی کے وقت کا ہے جو ملک بڈھن خاں کے دوران حکومت سے متعلق ہے واللہ اعلم بالصواب۔ ۱۲۔ مولفہ

[1] ۔ جام نندا کا اصلی نام نظام الدین تھا۔ یہ قوم سما کے اُن بادشاہوں میں سے گیارہواں بادشاہ تھا جو اپنے آپ کو ایران کے بادشاہ جمشید کی نسل سے بیان کرتے ہیں جنہوں نے محمد تغلق بادشاہ دہلی کی مدد سے سومرا قوم کے راجاؤں کو حکومت سے خارج کرکے ملک سندھ میں سلطنت حاصل کی تھی۔

یہاں کا حاکم شاہ بیگ[۵۱] ارغون اور خراسان کے بادشاہ سلطان[۵۲] حسین کا سپہ سالار دل و جان سے آپ کا گرویدہ اور معتقد ہو گیا۔

مقام فرح میں علمائے ہرات کا مصدق ہونا

قندہار سے کوچ کر کے حضرت ولایت مآبؑ نے شہر فرح (ملک خراسان) میں مقام کیا۔ فرح کے حاکم امیر ذوالنون نے اول اول تصدیق مہدیت سے انکار کیا۔ لیکن جب آپ کے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس سلطنت کا خاتمہ جام نندا کے بیٹے جام فیروز پر ہوا۔ نقلیات یعنی مذہبی کتب میں لکھا ہے کہ جام نندا چونکہ حضور موعودؑ کی نسبت بے ادبی سے پیش آیا اور آپ اس سے ناراض ہو گئے تھے اس لئے اسکی سلطنت کا استیصال ہوا اور دریا خاں جو ارادت و عقیدت سے پیش آیا تھا بادشاہت کے بلند مرتبہ کو پہنچا۔ ۱۲

۵۱ شاہ بیگ ارغون کے آباؤ اجداد چنگیز خاں کے امرائے ذی اقتدار میں سے تھے اور وہ خود سلطان حسین کا سپہ سالار۔ اسکے ولیعہد بدیع الزماں کا اتالیق اور صوبہ قندہار کا گورنر تھا۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ وہ فضائل اور کمالات علمی کی دولت سے ایسا مالامال تھا کہ اس نے عقائد نسفی اور مطالع منطق جیسی دقیق کتابوں پر نہایت مفید حواشی لکھے ہیں۔ مرآۃ عالم اور دیگر کتب تواریخ میں درج ہے کہ یہ ملک سندھ کے بادشاہ جام نندا کے بیٹے جام فیروز اور جام صلاح الدین کی خانہ جنگی کے زمانہ میں سندھ کی حکومت چھین کر مستقل بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ کسی نے اس واقعہ کی "خرابی سندھ" خوب تاریخ کہی تھی۔ شاہ بیگ کا باپ امیر ذوالنون بیگ جو سلطان حسین کے ہاں امیر الامرا تھا، سلطان حسین کے شاہزادوں اور شیبک خاں اوزبک کے فسادوں میں کام آیا تھا۔ شاہ بیگ کی جوانمردی کی نسبت مشہور ہے کہ وہ ہمیشہ صف جنگ میں سب سے آگے بڑھ کر کھڑا ہوتا تھا اور تمام سپاہیوں سے پہلے دشمن پر حملہ کیا کرتا تھا۔ اسکے خیر خواہوں نے جب کبھی کہا کہ "اس قسم کا تہور سرداروں کے لئے خوفناک ہے" تو اس نے جواب دیا کہ "میں بھی یہ خوب جانتا ہوں لیکن کیا کروں۔ میدان کارزار میں آکر مجھے اپنے دل پر اختیار نہیں رہتا"۔ ۱۲

۵۲ سلطان حسین میرزا امیر تیمور گورگان کے بیٹے میرزا عمر شیخ کی اولاد میں بڑا علم دوست بادشاہ گزرا ہے۔ مرآۃ عالم میں لکھا ہے کہ بارہ ہزار علماء اسکے دربار میں ہر وقت حاضر رہا کرتے تھے۔ امیر علی شیر اس کا وزیر اور یہ دونوں بڑے جلیل القدر عالم اور عالموں کے قدردان تھے۔ مولانا جامی اور دوسرے بڑے بڑے علماء و مشاہیر نے ان کے ناموں سے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ ۱۲

لمولفہ

کشف و کرامات کا بچشم ظاہر معائنہ کرلیا تو بصدق دل معتقد ہوکر فرمانبرداری اختیار کی اور تمام کیفیت بے کم و کاست میرزا سلطان حسین فرمانروائے خراسان کے حضور میں لکھ بھیجی۔

سلطان نے علمائے ہرات (جو اس زمانہ میں خراسان کا دار السلطنت تھا) میں سے مُلّا علی فیاض اور مُلّا گُل وغیرہ چار شخصوں کو منتخب کیا اور حضرت ولایت مآبؑ کی خدمت میں آپ کے جواہر علوم کے پرکھنے کے لئے بھیجا۔ مباحثہ کے بعد خود علمائے ہرات مصدق مہدیت ہوگئے اور سلطان موصوف بھی مع اور بہت سی خراسانی اقوام کے آپ کا پیرو اور فرمانبردار ہوگیا۔

صدیق ولایتؓ اور ثانی مہدیؓ کا فرح میں آنا

شہر فرح میں حضرت مہدی علیہ السلام کو ابھی تین مہینے گزرے تھے کہ میاں سید خوندمیرؓ وغیرہ جو آپ کے حکم کے بموجب نصرپور کا ہے سے گجرات کی طرف چلے گئے تھے، آپ کے فرزند ارجمند میراں سید محمود ثانی مہدیؓ کو ہمراہ لے کر آپ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ آپ نے خوش ہوکر ان کے حق میں بہت سی بشارتیں ارشاد فرمائیں۔ میراں سید محمود ثانی مہدیؓ کو حضور موعودؑ نے گجرات سے روانگی کے وقت سلطان محمود بیگڑہ کے امرائے دربار کے بیحد اصرار کے سبب مجبوراً وہیں چھوڑا تھا جس کے بعد اب انکو حضور ولایت میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔

حضور موعودؑ کی وفات

میاں سید خوندمیرؓ اور میراں سید محمود ثانی مہدیؓ کے فرح میں آنے کے بعد حضور ختمی پناہ چھ مہینے تک دنیا میں اور مہمان رہے۔ اس عرصہ میں آپ نے بہت سی بشارتیں صراحتاً و اشارتاً صحابہ اور مہاجرین کے حق میں بیان فرمائیں۔

جب حضور موعودؑ کو فرح میں نو مہینے گزرے اور ختم ولایت کا زمانہ پورا ہوگیا تو آپ نے وصل باری تعالےٰ کی تیاری شروع کی۔ یکایک مرض الموت میں مبتلا ہوگئے۔ تپ لازمی عارض ہوئی اور ۱۹ ذیقعدہ سنہ ۹۱۰ ہجری مطابق ۲۳ اپریل سنہ ۱۵۰۵ء موافق سمت ۱۵۶۱ بکرمی دوشنبہ کو تریسٹھ برس کی عمر میں وفات پائی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ میراں سید محمود ثانی مہدیؓ نے فرح کی پرانی عیدگاہ میں نماز جنازہ پڑھائی اور حضرت ولایت مآبؑ کی

روح پرفتوح کی بشارت کے بموجب موضع رچ اور فرح کے درمیان نماز ظہر کے بعد آپ کے جسدِ مبارک کو ایک کھیت میں سپردِ خاک کیا۔ اس موقع پر میاں الہ داد حمیدؓ نے جلسۂ عام میں ایک ترکیب بند بطور مرثیہ کے پڑھا جس کا اخیر شعر ہے

چوں شد بدورِ او جہاں عشقِ حق اتم ہو ہو ہو
تاریخِ سال و روزِ وفاتش شد۔ عشقِ تم ہو ہو
۹۱۰ھ

تھا۔ اس شعر کے مصرعۂ ثانی کا رکن آخر یعنی "عشقِ تم" مادۂ تاریخ ہے۔ بعد ازاں سنہ ۹۷۰ھ/۱۵۶۲ء مطابق سمت ۱۶۲۸ بکرمی میں شاہ قاسم عراقی حاکم فرح نے آپ کے مزارِ پرانوار پر گنبد کی بنیاد ڈالی اور یگان سلطان دوسرے حاکم فرح نے اسکی تکمیل کی۔

صدیق ولایتؓ کا گجرات واپس آنا آپ کے خلیفۂ ثانی میاں سیّد خوندمیرؓ رسومات دہم کے بعد گجرات میں آئے اور علاقۂ اہل پورپٹن کے مختلف مقامات میں قیام کرکے آخرکار کھانبھیل میں جو پٹن سے آٹھ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، دائرہ گزیں ہوئے۔ چونکہ حضرت ختمی پناہ کی تربیت خاص سے آپ کے جوہرِ ذاتی نے جلا اور قابلیت پائی تھی اور منصبِ ہدایت و مقامِ ارشاد کی صلاحیتِ تام درگاہِ خداوندی سے آپ کو خاص طور پر عطا ہوئی تھی اس لئے خاص و عام بلکہ تمام اہلِ اسلامِ گجرات آپ ہی کی طرف متوجہ ہوگئے اور اس مذہب کو روز افزوں ترقی ہونے لگی۔

مذہبی دنیا بھی عجیب تماشہ گاہ ہے۔ جہاں ایک فرقے نے ترقی کے میدان میں قدم آگے بڑھایا، دوسرے فرقوں نے کانٹے بچھانے شروع کئے۔ اسی طرح جب اس غیر متعصب اور ہر دلعزیز مرنجاں مرنج فرقہ کی ترقی کا حال بعض خود سر اور ناحق شناس کٹھ ملّایانِ گجرات کو معلوم ہوا اور اُنہوں نے دیکھا کہ اس چشمۂ فیض کے گرد روز بروز زیادہ اجتماع ہوتا جاتا ہے تو حسد و رشک کی آگ بھڑک اُٹھی اور اپنے زوال و سرد بازاری کے اندیشہ سے اس روحانیہ فرقہ کے استیصال کی تدبیریں سوچنے لگے۔

صدیق ولایتؓ کا شہید ہونا عام قاعدہ ہے کہ مذہبی پردہ میں حیلہ سازی کا عمل بہت جلد چل جایا کرتا ہے۔ چنانچہ اسی کلیہ کے

بموجب اِن مُلّانوں نے سلطان مظفر ثانی بادشاہ گجرات کو بہکا کر میاں سیّد خوندمیرؓ کے شہید کرنے پر آمادہ کیا۔ اس سادہ لوح مگر ظالم بادشاہ نے اِن گندم نما جو فروش علما کے دام فریب میں آ کر عین الملک صوبہ دار پٹن کے ماتحت لشکر کثیر روانہ کیا، جس میں ان کینہ ور، کور دل اور برائے نام علما کے اغوا کی بدولت بہت سے مفسدہ پرداز جُہلا بھی شریک تھے۔

میاں سیّد خوندمیر صدیق ولایتؓ تو حضرت موعودؑ کی بشارت کے بموجب پہلے ہی سے اس روز سعید کے متمنّی اور منتظر تھے، جب آپ نے آمدِ لشکر کی خبر سُنی تو اس قدر خوش ہوئے کہ مژدہ رساں یعنی اپنے شہادت نصیب فرزند میاں سیّد جلالؓ کے مونھ کو نبات سے بھر دیا اور پھر اپنے رفقائے ابرار میں سے چالیس پیدل اور ساٹھ سوار ہمراہ لے کر میدان کارزار میں صف آرا ہوئے اور ایسا بہادرانہ حملہ کیا کہ لشکرِ مخالف کے مونھ پھیر دئے۔ اِس لڑائی میں آپ کے چالیس رفقا شہید ہوئے جو گنج شہیداں کے نام سے مشہور ہیں۔

اس لڑائی کے بعد ملک شرف الدین کی استدعا سے آپ مع باقیماندہ رفقا کے موضع سدراسن پرگنہ کاکریج میں تشریف لے گئے جہاں تیسرے روز پھر لڑائی ہوئی۔ اس میدان داری میں سلطان النصیر میاں سیّد خوندمیرؓ ایسی شجاعت و دلیری سے لڑے کہ کشتوں کے پشتے لگا دئے اور آخر کار ۱۴ ارشوال المکرم سنہ ۹۳۰ ہجری مطابق ۱۵ اگست سنہ ۱۵۲۴ء موافق سمت ۱۵۸۰ بکرمی یوم جمعہ کو شربت شہادت نوش فرما کر مقام مقعد صدق عند ملیک مقتدر میں آرام کیا۔ غرضکہ ان دونوں لڑائیوں میں ایک سو آدمی درجۂ شہادت کو پہنچے۔

مقامات مدفن

میاں سیّد خوندمیرؓ کی شہادت کے بعد لشکرِ اعدا نے آپ کے سر کے ساتھ آپ کے لواحقین میں سے سات یا نو شہیدوں کے سر کاٹ کر بطور ہدیہ فتح چانپانیر بھیج دئے۔ ان کے اجسامِ پاک کو ملک الہ دادؒ نے اسی میدان میں مدفون کیا۔ جب اہلِ لشکر ان سروں کو لے کر پٹن پہنچے اور ان سروں سے خرق عادات کرشمے نظر آئے تو کاسۂ سر اور اُن کی ہڈیوں کو وہیں دفن کر دیا اور پوست سر میں بُھس بھر کر چانپانیر کی طرف روانہ ہوئے۔

ان فقرائے ناکردہ گناہ اور شاہانِ گوشہ انزوا کے سروں کو اس عبرت خیز حالت میں دیکھکر بادشاہ کو ندامت اور حسرت کے ساتھ خدا کا خوف بھی آیا اور اس ناحق ظلم وستم کا انجام سوچکر نہایت پشیمان ہوا مگر جب کار از دست رفتہ کا کوئی چارہ نظر نہ آیا تو ناچار ان بھس بھرے ہوئے سروں کو بحرمت تمام اسی مقام پر دفن کرا دیا۔ اسی لئے سدراسن میں تنِ بے سر کا مرقد۔ پٹن میں کاسہ ہائے سر اور ان کے استخوانوں کا مزار اور چاپانیر میں پوست سر کا مدفن ہے۔ اور ان پاک تربتوں کی برکت سے ان تینوں مقامات پر زائروں کی نظروں میں فیضانِ نورِ الٰہی جلوہ گر ہوتا ہے۔

اس واقعہ شہادت کی نسبت قاضی شہ تاج نے جو لشکر مخالف کے صدر قاضی تھے، اشعار ذیل لکھکر مادۂ تاریخ نکالا ہے۔ **اشعار**

اشرف القوم فخرِ آلِ رسول	آن جگر گوشۂ علی و بتول
مرشدِ پاک سید خوندمیر رضؓ	تابع حضرتش بنور ضمیر
روز جمعہ چہاردہ شوال	رفت در ظلِ حق باحسن حال
سالِ تاریخ او ظہور از "ودو ظل" ۹۳۰	زانکہ او بودہ است صاحب دل

حضرت خاتم المرشد رضؓ

میاں سید خوندمیر رضؓ کی زوجہ معصومہ کے بطن سے جو حضرت ولایت مآبؑ کی صاحبزادی تھیں، حضرت خاتم المرشد سید محمود رضؓ پیدا ہوئے۔ آپ بڑے بزرگ راسخ الحال مستجاب الدعوات اور صاحب کمال ولی اللہ گزرے ہیں۔ آپ کی تقریر میں تاثیر قبولیت اور آپ کے کلام میں تسخیر قلوب کی عجیب خاصیت تھی۔ آپ کے ارشاد کی بدولت بہت سے اہلِ ہنود حلقۂ اسلام میں داخل ہوئے اور بے شمار اہلِ اسلام راہِ راست پر آئے۔

حضرت خاتم المرشد جب اپنے بڑے بھائی میاں سید شہاب الحق رضؓ کی وفات کے بعد سجادۂ ارشاد پر متمکن ہوئے تو اکثر اوقات آپ شہر جالور میں دائرہ گزیں رہے ہیں۔ اس زمانہ میں ریاست اور اہالیانِ ریاست

(خاندان بہاری اور اسکے متعلقین) کے حق میں بہت سی بشارتیں اور دعائیں آپ کی زبان مبارک سے نکلی تھیں جنکی تاثیر قبولیت بارہا مشاہدہ و تجربہ میں آچکی ہے اور آتی رہتی ہے۔ اس لئے آپ کی اولاد (پیرزادگان پالن پور) کو اس ریاست کے ساتھ اس وقت تک ایک خاص رابطۂ اتحاد و اخلاص حاصل ہے۔

حضور موعودؑ کی اولاد دکن میں

حضرت ولایت مآب کے داماد میاں سید خوندمیرؓ کی اولاد اس ریاست سے متعلق اور شہر پالن پور میں آباد ہوئی لیکن حضور موعودؑ کی خاص اولاد اضلاع دکن میں سکونت پذیر ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حضور موعودؑ کی وفات کے بعد آپ کے فرزند صلبی اور خلیفۂ اول میراں سید محمود المخاطب بہ ثانی مہدیؓ ایک برس تک فرح میں اقامت گزیں رہے۔ پھر انہوں نے گجرات میں آکر قصبہ رادہن پور کے قریب موضع بھیلوٹ میں دائرہ نشینی اختیار کی اُس وقت ان کے ترک تجرد اور کشف و کرامات کی شہرت یہانتک عالمگیر ہوئی کہ شاہان دکن بھی تیمناً اپنے ملک میں آپ کے قدوم برکت لزوم کی استدعا کرنے لگے لیکن آپ نے اپنے حین حیات میں سرزمین گجرات کے سوا اور کسی جگہ کو گوشۂ عزلت کے لئے پسند نہ فرمایا۔ جب ۴ رمضان المبارک ۹۱۹ھ مطابق ۱۵۱۳ء سمت ۱۵۶۹ بکرمی کو آپ نے بمقام بھیلوٹ وفات پائی تو کچھ عرصہ کے بعد آپ کی اولاد و احفاد نے جو بنی اسرائیل کی طرح کثیر التعداد تھی، اہل دکن کی التجا سے گجرات چھوڑ کر دکن میں نقل مکان کیا۔

اہالیان دکن نے ان بزرگوں کی ایسی قدر و منزلت کی جو انکی شان بزرگی کے شایاں تھی۔ ان کے فیض صحبت نے وہاں کے بادشاہ اور امراء کے دلوں میں مذہب مہدویہ کی راستی و صداقت کا ایسا اثر پیدا کیا کہ انہوں نے علاوہ اور ہر قسم کے بلحاظ بزرگی و دلجوئی کے سلسلۂ وصلت و پیوند کو بھی عین سعادت سمجھ کر اپنی لڑکیاں ان کے عقد نکاح میں دے دیں۔ چونکہ یہ بزرگان دین اپنے احوال و اعمال میں صالح اور برگزیدہ تھے اور انکے اقتدائے آثار سے لاکھوں نے ہدایت پائی تھی اور پاتے جاتے تھے اس لئے اشاعت مذہب کی غرض سے انہوں نے بالاستقلال وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔

دکن میں اشاعت مذہب

اس زمانہ کے نامور مصدقین میں سے نواب شرزہ خاں اور جمال خان وغیرہ ایسے امرائے ذیجاہ

گزرے ہیں جن کے واقعات اور کارناموں سے تواریخ دکن کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ چونکہ اسی زمانہ کے قریب قریب خاندان لودھی کی سلطنت زوال پذیر ہوئی تھی اس لیے اسکے متعلقین افغانی امرا نے جو سلاطین لودھی اور سوری کے عہد سے اطراف دہلی میں جاگیردار تھے، اپنے بھائی بند پٹھان بادشاہوں کی ہمقومی اور طرفداری کے سبب سلاطین چغتائیہ دہلی کی اطاعت قبول نہ کی اور بادشاہان دکن کے دربار میں ملازم ہو کر اقتدار بہم پہنچایا۔ یہ پنی پٹھان جو عبداللہ نیازی کے مرشد سید عبدالفتاح گجراتی۔ شیخ علائی اور دیگر پیشوایان طریق کے توسط سے پہلے ہی مصدق مہدیت ہو چکے تھے، بجمعیت کثیر جنوبی ہند میں جابجا پھیل گئے اور اسی وجہ سے مذہب مہدویہ کو ممالک دکن میں اور بھی زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ اس جمعیت کے شمار کا اندازہ یوں ہو سکتا ہے کہ اب تک بھی یہ پنی پٹھان اپنے قومی جتھے کو تمن[۵۱] کہتے ہیں جس کی تعداد صاحب تاریخ فرشتہ کے نزدیک دو لاکھ آدمی کی ہے۔

اورنگ زیب بادشاہ دہلی کے عہد سلطنت میں اگرچہ سلاطین دکن کی دولت کو زوال ہو گیا تھا لیکن پنّی پٹھانوں کا اقبال اسی طرح عروج پر رہا۔ چنانچہ اس وقت اور اسکے بعد سلطنت چغتائیہ کے آخر عہد میں نواب آصف جاہ۔ ٹیپو سلطان اور راجے راؤ پیشوا وغیرہ رؤسائے دکن کی سرکاروں میں یہ لوگ (مثلاً امیرالامرا داؤد خاں پنّی۔ نواب نصیر یار جنگ اور سردار خاں غرّے زئی وغیرہ) عہدہائے جلیلہ پر مامور و ممتاز رہے ہیں اور اب بھی اس بہادر قوم میں سے قریب ساٹھ ہزار آدمیوں کے جن میں نواب کمال خاں اور دولت خاں وغیرہ بڑے متمول اور ذی وقار ہیں، علاقۂ حیدرآباد دکن وغیرہ میں موجود ہیں۔

طرز زندگی اور اصول مذہب بانی مذہب مہدویہ اور پیشوایان مذہب کے تاریخی حالات و واقعات لکھنے کے بعد ان کے مقدس طرز زندگی۔ طریق عمل اور اصول مذہب پر ایک اجمالی نظر ڈال کر یہ بتانا ضروریات سے ہے کہ پیرویان مذہب مہدویہ نے کس طرح اور کن اعمال سے ہر جوہر قابل کو اپنی طرف کشش کیا اور کیونکر انکی جمعیت نے

[۵۱] تمن دستۂ فوج اور چیدہ سپاہیوں کے لشکر کو کہتے ہیں ۱۲

صدہا مشکلات کا سامنا کر کے روز افزوں ترقی حاصل کی۔

گزشتہ صفحات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور موعودؑ یعنی بانی مذہب مہدویہ اور اُن کے صحابہؓ محبت الٰہی کے ذوق و شوق میں ایسے محو و مستغرق رہتے تھے کہ گویا دنیا اور اہل دنیا کے رد و قبول سے انھیں کچھ سروکار ہی نہ تھا۔ ذکر و فکر، ترک و تجرید، زہد و ورع اور توکل و تفرید انکا مقررہ شیوہ اور عبادت و ریاضت، ایثار و قناعت اور رضا و تسلیم انکا خاص طریقہ تھا۔ ان کے ہر ایک قول و فعل کا مقصود اصلی یہ تھا کہ جہانتک ممکن ہو آئینہ دل کو غبار ہوا اور زنگار ہوس سے پاک رکھا جائے اور جوہر قلب کو خواہشات دنیوی کے میل کچیل سے صاف کیا جائے تاکہ نور بخش حقیقی کی تجلیات کا پرتو اسمیں دکھائی دے۔ چنانچہ ان محاسن اعمال کا ظاہری ثمرہ اور مکارم اخلاق کا بدیہی نتیجہ یہ تھا کہ ہر مخالف آنکھ ملاتے ہی جان و دل سے انکا مطیع و منقاد ہو جاتا تھا۔ حضرت ولایت مآبؑ کے وعظ و بیان میں یہ خاص تاثیر تھی کہ اسکے سنتے ہی سامعین خواہشات دنیوی سے دست بردار ہو کر محبت الٰہی کے گہرے دریا میں مستغرق ہو جاتے تھے۔ یہ تمام باتیں گویا باطنی کششیں تھیں جو ہر نیک طبیعت اور اثر پذیر دل کو رشتۂ تسخیر میں اپنی طرف کھینچے لاتی تھیں۔

حضور موعودؑ اظہار رموز و اسرار معانی قرآن اور حقایق تنزیل آسمانی کے بیان میں درجۂ اولیت رکھتے تھے اور اسی لئے آپ نے مبین مراد اللہ اور بیّنۂ فرقان کا خطاب پایا تھا۔ آپ کے علم لدنی کی بدولت آپ کے صحابہؓ اور تابعین کا بھی مذاق روح اس درجہ کو پہنچ گیا تھا کہ دوسرے منتہیان خواص کا وصف حال انکا پہلا مقام تھا۔ آپ کے فیض صحبت اور اتباع آثار کی برکت سے یہ نعمت سرمدی اور دولت ابدی جنکے ورثہ میں آئی ان کے حال و مقال کی تاثیر اور ہدایت سے بھی ہزاروں سلوک الی اللہ کے راستہ پر لگ گئے۔

اس مذہب مقدس کا بڑا اصول ترک و توبہ کی صدق نیت اور بے ریا دل کے ساتھ حسن عمل ہے اور عمل بھی وہ عمل صالح جو بالخاصہ تقرب الٰہی کا اصل اصول ہے۔ احکام طریقت میں سب سے زیادہ ذکر دوام کی تاکید کی گئی ہے اور معاملات شریعت میں ائمۂ اہل سنت کی تقلید پر دار و مدار رکھا گیا ہے طرز معاش کے اکثر امورات میں

اصحاب صفہ کی مشابہت مدِّ نظر ہے اور گروہ فقرا کے ہر ادنیٰ و اعلےٰ کے لئے زینت دنیا حرام مطلق بتائی گئی ہے۔ منجملہ اور اعمال کے چند احکام مخصوص کئے گئے ہیں جنکا بجا لانا طالب صادق پر فرضیات سے ہے۔ یعنی ترک دنیا و علائق دنیا۔ عزلتِ خلق۔ ہجرتِ وطن۔ صحبتِ صادقان اور ذکر دوام۔ مخصوص منصوصات مذہبی ہیں۔ ذکر دوام یعنی یادِ الٰہی گویا احکام سابقہ کی علتِ غائی ہے اور بقیہ احکام سے صفائی قلب مراد سمجھی گئی ہے۔ علاوہ بریں اور بھی بہت سے احکام و قوانین ایسے ہیں جنکی تعمیل اور پابندی تارکِ دنیا کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے مثلاً عبادتِ الٰہی کے سوا اپنے ارادہ و اختیار سے کسی چیز کی خواہش اور کسی مخلوق سے اپنی حاجت روائی کا سوال نہ کرنا خدا کے نام پر جو فتوح یعنی ضروریات معاش کہ غیر معین طور پر میسر ہو فقرا پر تقسیم کر دینا۔ آیندہ کل کے لئے کسی شے کو ذخیرہ کر کے نہ رکھنا۔ دنیوی ضروریات سے دائرہ یعنی گوشۂ عزلت کو چھوڑ کر کہیں باہر نہ جانا وغیرہ وغیرہ۔ غرضکہ اس حقیقت نما مذہب کی رو سے طالبِ حقیقی کا اطلاق اسی شخص کی نسبت ہو سکتا ہے جو ان احکام کی تعمیل کرے۔

زبدۃ الملک اور سلطان بہلول لودھی حرفوں بالا چند صفحے ہمنے ضرورتاً حضرت مہدی موعودؑ اور مذہب مہدویہ کے حالات میں لکھکر زبدۃ الملک دیوان عثمان خان کے تبدیل مذہب کی باطنی وجہ ظاہر کر دی ہے اور اب ہم پھر زبدۃ الملک کے تاریخی حالات کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہندی نوشتوں میں لکھا ہے کہ چونکہ جالور دہلی سے دکن جاتے ہوئے راستہ میں پڑتا تھا اس لئے جو شاہی امیر ادھر سے اُدھر یا اُدھر سے ادھر آتا یا جاتا تھا وہ جالور میں ضرور قیام کرتا تھا اور اس طرح روسائے جالور سے اسکی ملاقات اور شناسائی ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ زبدۃ الملک کے عہد حکومت میں سلطان بہلول لودھی بادشاہ دہلی کے امرا میں سے دو بڑے امیر جو سفر حجاز یا سیاحت دکن کی غرض سے دہلی سے نکلے تھے، جالور میں فروکش ہوئے زبدۃ الملک نے حسب دستور ان سے ملاقات کی اور اپنے حوصلہ سے زیادہ خاطر و مدارات پیش آئے۔ یہ دونوں امیر ان کی فراخ حوصلگی۔ خوش انتظامی اور شان و شوکت کو دیکھکر بہت خوش ہوئے اور جب لوٹ کر دہلی پہنچے تو حضور شاہی میں زبدۃ الملک کی ایسی تعریف بیان کی کہ بادشاہ ان کی ملاقات کا یہانتک غائبانہ مشتاق ہو گیا کہ اپنے چند

معززملازمین کو جالور بھیجکر زبدۃ الملک کو دہلی میں طلب کیا۔

زبدۃ الملک نہایت تزک واحتشام کے ساتھ جالور سے روانہ ہوے اور دہلی پہنچکر محلات شاہی کے قریب ٹھیرائے گئے۔ دربار عام اور خلوتِ خاص میں بادشاہ اور زبدۃ الملک کی بارہا ملاقاتیں ہوتی رہیں اور بادشاہ آنجہانی ملکراس قدر خوش ہوا کہ مدت تک ان کے حسن اوصاف کا تذکرہ کرتا رہا اور رخصت کے وقت خلعتِ فاخرہ مع چند بیش بہا چیزوں کے عنایت فرمایا۔

تحائف اور سلطان گجرات | زبدۃ الملک نے جالور واپس آکر عطیات سلطانی میں سے بہت سی نادرہ روزگار اشیا انتخاب کیں اور بادشاہ گجرات کے حضور میں لطور ہدیہ کے نذر گزرانیں۔ سلطانِ گجرات بھی ان کے حُسنِ اخلاق سے خوش ہوکر پہلے کی نسبت انکی تعظیم وتکریم زیادہ کرنے لگا۔

تہنیت اور جشن شادی | چونکہ زبدۃ الملک صاحب اولاد نرینہ نہ تھے اس لئے جب وہ ضعیف ہوئے تو اُنھوں نے اس خیال سے کہ خدا معلوم میرے بعد حق حقدار کو پہنچے یا نہ پہنچے اپنے بڑے بھائی سالار خاں کے خاندان سے صلح کرلی اور مدت کی شکر رنجی کو رفع کرنے کے لئے ان کے چھوٹے بیٹے بڈھن خاں کے ساتھ اپنی لڑکی کی شادی کرکے ان کو اپنا فرزند متبنیٰ اور وارث ریاست ٹھیرایا۔ کہتے ہیں کہ اس شادی کی تقریب پر زبدۃ الملک نے ایک عظیم الشان جشن ترتیب دیا تھا ہندی شاعروں نے اس جشن کی تعریف میں بہت سے گیت اور کبت بنائے تھے ان شاعروں میں سے گوپاجی چارن نے جس شدومد کے ساتھ قصائد لکھے اسکے صلہ میں بھی زبدۃ الملک نے لاکھ پسا جیسا عظیم الشان انعام دے کر موضع کلوٹ کا سانسن عطا فرمایا اور اپنے ملک کا پول بارٹ (ملک الشعرا) خطاب دیا۔ اُس وقت سے کلوٹ شاخ کے چارنوں کا تعلق اس ریاست کے ساتھ برابر چلا آتا ہے اور زبدۃ الملک کے جانشین رؤسا بھی ان کو وقتاً فوقتاً عطیات سے عزت بخشتے رہے ہیں۔ ورثائے زبدۃ الملک کے انعامات سے اضلاع جالور کے علاوہ علاقہ پالن پور میں بھی ان کو سات گاؤں[۹۱] سانسن میں ملے ہوئے ہیں۔

---

[۹۱] یہ سات گاؤں۔ سامرڑہ۔ پٹیڈاگرا۔ موٹیٹا۔ مانگا۔ ویرپور۔ ناتوڑا اور گنگوڑا ہیں۔ ۱۲ المولفہ

بڈہن خان کو سندِ حکومت اور زبدۃ الملک کا تارک الدنیا ہونا

ایک روز ملک بڈہن خاں جو بڑے بہادر تھے، سیر و شکار کے لیے کہیں گئے۔ اتفاقاً علاقہ سندھ کے رہنے والے جو بیہ قوم کے قزاق ملک گجرات سے غارتگری کا مال لے کر اپنے وطن کو جاتے ہوئے علاقہ جالور میں ہو کر گزرے۔ بڈہن خاں نے خبر پاتے ہی اُنکا تعاقب کیا اور لوٹ کا مال چھین لیا۔ زبدۃ الملک نے یہ مال و اسباب جس میں اکثر چیزیں نہایت بیش قیمت تھیں، بادشاہ گجرات کے حضور میں پیش کر کے اپنے فرزند متبنیٰ ملک بڈہن خاں کے نام سندِ جالور کی درخواست کی۔ بادشاہ گجرات نے اس بہادرانہ کارگزاری اور حسن خدمت کے صلہ میں بڈہن خاں کے لیے بیش بہا خلعت عنایت کیا اور ریاست جالور کی سند بھی عطا فرمائی۔ اس سند کے ملنے کے بعد زبدۃ الملک تمام کاروبار ریاست ملک بڈہن خاں کو سپرد کر کے گوشہ نشین عزلت ہو گئے اور مذہب مہدویہ کے طریقہ پر اپنی اوقات عزیز مرضیات الٰہی میں صرف کرنے لگے۔

زبدۃ الملک فخر خاندان تھے

جس طرح اکثر مورخین ملک خرم خاں کو اس وجہ سے کہ ان کے عہد میں ریاست کی بنیاد قائم ہوئی، اس خاندان کا مورثِ اعلیٰ خیال کرتے ہیں اسی طرح زبدۃ الملک کو ان کے اخلاق پسندیدہ اور اوصافِ حمیدہ کے لحاظ سے فخر خاندان ہونے کا مستحق سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ان کے ہر دلعزیز ہونے کا بیّن ثبوت یہ ہے کہ آج تک اس ریاست کے مسند نشینوں کو ان کے مدّاح چارن اور بھاٹ اپنے محاورات اور مدحیہ نظموں میں دوسرا جبدل (زبدۃ الملک ثانی) کے خطاب سے مخاطب کیا کرتے ہیں۔

اوصاف

زبدۃ الملک بہادر، بہادروں کے قدردان، فیّاض، رعیت پرور، انصاف دوست اور غریب نواز حاکم تھے۔ ان کی طبیعت میں اس قدر تحمل تھا کہ ہر سختی کو نہایت صبر و شکر کے ساتھ جھیلتے تھے۔ زبدۃ الملک کا میلان دینداری و پرہیزگاری کی طرف بہت زیادہ تھا۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ امورِ ریاست پر ہمیشہ امورِ دینی کو ترجیح دیتے رہے اور آخرکار حکومت جیسی عزیز شے کو بھی چھوڑ چھاڑ کر یادِ الٰہی اختیار کر لی۔ مگر باوجود اسقدر دینداری کے ان کے دل میں وہ مذہبی حرارت نہ تھی جو بیجا تعصب کے لیے ضروری سمجھی جاتی ہے۔ وہ ایک سچے مسلمان اور

مسلکِ مہدویہ کے سیدھے سادے چلنے والے تھے۔ اُنھوں نے اپنے عمدہ مشاغل اور نیک برتاؤ سے اپنے نام کو ایسا روشن کیا کہ زمانہ نے سونے کے حرفوں سے لکھا اور صفحات تاریخ کے سپرد کر کے بقائے دوام کی مہر لگادی زبدۃ الملک جس طرح اپنی سخاوت سے شعرا کے حلقہ میں ہر دلعزیز تھے اُسی طرح اپنی نیک نیتی اور حسن ارادت کے سبب اہلِ دل کی نظروں میں بھی مقبول رہے ہیں۔

انتقال دنیائے بے ثبات بھی عجیب عبرت کی جگہ ہے۔ عالم ہو کہ جاہل۔ بادشاہ ہو کہ فقیر۔ ولی ہو کہ غوث۔ فنا اور آخر فنا۔ اگر بقا ہے تو صرف اُن اوصاف کو ہے جو مرنیکے بعد بھی اہلِ دنیا کی نگاہوں میں یادگار رہجاتے ہیں ورنہ کوئی پوچھتا تو کیا جانتا بھی نہیں کہ کون تھا اور کہاں گیا۔ شعر

زندہ است نامِ فرخِ نوشیرواں بعدل
گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

چنانچہ زبدۃ الملک بھی نہایت ہی نیکنامی کے ساتھ تیئس برس حکومت کر کے سمت ۱۵۴۰ بکرمی مطابق ۸۸۹ھ ۱۴۸۴ء میں اِس دارِ ناپائدار سے منزل گزین عالم بقا ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مسند نشینی اور فتح سروہی

بڈہن خاں سمت ۱۵۴۴ مطابق ۱۴۸۴ (۱۴۸۹) ء میں بجائے زبدۃ الملک کے مسند نشین ریاست ہوئے۔ ان کے عہد حکومت میں حدود ریاست کی وسعت اور جاہ وجلال میں بہت ترقی ہوئی۔ فارسی نوشتوں میں لکھا ہے کہ بادشاہ گجرات کی اجازت وحمایت سے انھوں نے سروہی کو فتح کر کے وہاں کے حاکم راؤ جگمل دیوڑہ کو بزور شمشیر اپنا باجگذار بنالیا تھا۔ ہندی شاعر کہتے ہیں کہ ایک ہزار رکاب کے سوار ہر وقت ان کے حکم کے منتظر رہا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی انکی شجاعت وجسمانی طاقت کی بھی حد سے زیادہ تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے۔

قوت خداداد

کہتے ہیں کہ بڈہن خان سوامن گجراتی وزن[۵۱] کا نیزہ اپنے پاس رکھتے تھے اور اونٹ کے چرس[۵۲] کی

---

[۵۱] انگریزی ۴۰ سیر کا گجراتی ایک من ہوتا ہے اور چالیس تولہ کا ایک گجراتی سیر۔ ۱۲

[۵۲] بعض مقامات راجپوتانہ میں چرس زیادہ بڑا ہونے کی وجہ سے بجائے بیلوں کے اونٹ کے ذریعہ سے کھینچا جاتا ہے۔ ۱۲

رسّی کو ایک ہاتھ سے پکڑ کر دوسرے ہاتھ سے اُسکی کیلی (بندھن) کو علیحدہ کر دیتے تھے اور چرس کو جس میں تقریباً ایک ہزار پونڈ پانی سماتا تھا، کنوئے کے اندر لٹکتا ہوا اپنی طاقت سے روکے رہتے تھے۔

اوصاف اور انتقال بڈھن خان جس طرح شہ زور تھے اُسی طرح بلند ہمت۔ فراخ حوصلہ اور فیاض بھی تھے خصوصاً ہندی شاعروں کی زیادہ قدردانی کرتے تھے چنانچہ اُنھوں نے اپنے ایّام حکومت میں بہت سے لاکھ پسا کئے اور کئی گاؤں چارنوں کو انعام میں دے دئے۔ زبدۃ الملک کی طرح انھیں بھی بزرگان مہدویہ سے دلی ارادت تھی۔ بڈھن خان نے بائیس ۲۲ برس مسند نشین ریاست رہکر سمت ۱۵۶۲ مطابق سنہ ۱۵۰۶ء ۹۱۲ھ میں انتقال کیا۔

مجاہد خان اول عرف مونجھا ملک پسر کلاں ملک بڈہن خاں

مسند نشینی ملک بڈہن خاں کے دو لڑکے تھے۔ بڑے کا نام مجاہد خاں تھا اور چھوٹے کا علی شیر خاں۔ مجاہد خاں جن کو مونجھا ملک بھی کہتے ہیں، بڈہن خاں کے انتقال کے بعد سمت ۱۵۶۲ مطابق ۱۵۰۶ء ۹۱۲ھ میں مسند نشین جالور ہوئے

آرام طلبی کی ایک نظیر مونجھا ملک میں بہادری اور دلاوری کے جوہر تو ضرور تھے مگر ان کی آرام طلبی اور عیش پسندی نے ان پر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ بزم عیش کے سوا ان کے دربار میں کچھ نظر نہیں آتا۔ تاہم جب کبھی ان کی جرأت و جوانمردی کے لعل بے بہا چمک اٹھتے ہیں تو شب چراغ ہی بن کر رہے ہیں۔

خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ ایک روز مونجھا ملک اپنے خاص ندیموں کے ساتھ علاقہ سروہی کے جنگل میں سیر و شکار کے لئے گئے اور مجلس عشرت جما کر بے غل و غش موجیں اڑانے لگے۔ راؤجی اکھے راج پہلے ہی سے ان پر خار کھائے ہوئے تھا اور اپنے باپ راؤ جگمل دیوڑہ کے ملک بڈہن خاں کے ہاتھ سے زک اٹھانے کا اسکے دل میں گہرا گھاؤ پڑا ہوا تھا مگر موقع اور وقت کی تاک میں خود بھی لگا ہوا تھا اور اپنے لشکر کو بھی

جہاں تہاں لگا رکھا تھا۔ اس وقت اتفاقاً اسکے لشکر کے لوگ اس طرف آنکلے اور موںجھا ملک کی فنائی العیش پارٹی کو غافل پاکر بلائے ناگہانی کی طرح دفعتہً آگرے اور موںجھا ملک کو مع ان کے بیخبر ہمراہیوں کے گرفتار کرکے سروہی لے گئے۔

سروہی کے راؤ اکھاجی عرف اکھے راج نے ان کے مرتبہ کے لحاظ سے انہیں ایک محفوظ مکان میں نظر بند کر دیا اور تفریح طبع اور دل بہلاؤ کے لئے ارباب نشاط کے طائفے ان کی خدمت میں بھیجدیئے اور اس عیش کے بندہ کو قیدخانہ میں بھی ہوش وحواس درست کرنے کا موقع نہ دیا تاکہ اپنی غفلت کا انجام دیکھکر ہوشیار ہوتا اور اپنی رہائی کی تدابیر سوچنے کے لئے اپنے معطل شدہ دماغ کو کام میں لاتا۔

موںجھا ملک کے ہاں لودھی قوم کے دو بہادر پٹھان ملک مینا اور ملک پیارا سپہ سالار لشکر تھے اور اتفاقاً شکار میں موںجھا ملک کے ہمراہ نہ تھے۔ جب ان لودھی پٹھانوں کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے مالک کی رہائی کی تدبیریں کرنے لگے اور کاروبار ریاست کا انتظام ملک ہیتم خاں ابن حسن خاں کو (جن کے سبب یہ خاندان ہیتانی کے لقب سے مشہور ہے) سپرد کرکے راؤجی اکھے راج سے انتقام لینے کے لئے تمام علاقہ سروہی میں لوٹ مار مچادی اور راسچی چارن کے ذریعہ سے اس مکان کا پتہ لگا کر جس میں موںجھا ملک نظربند تھے ایک خفیہ راستہ سے وہاں جا پہنچے۔

جس وقت یہ دونوں جان نثار وہاں پہنچے ہیں تو موںجھا ملک اپنے حال میں ایسے مست و سرشار تھے کہ ان دونوں پٹھانوں کو اپنے آنے کی خبر پہنچانی دشوار ہوگئی۔ آخرالامر اسی چارن نے ایک دریچہ کے نیچے کھڑے ہوکر باآواز بلند یہ دوہرہ پڑھا۔

گڈھ پت گما گما کہاں کہاں آکھے کھلک

صاحب اندر سماں موجوں دسے موںجھا ملک

یعنی رعایا آپ کی عدم موجودگی سے تنگ آکر آپ کے خیر مقدم کا انتظار کررہی ہے اور اے موںجھا ملک!

آپ یہاں اندر کی طرح رنگ رلیاں منا رہے ہیں۔

جب موبجھا ملک نے یہ آواز سُنی تو کھڑکی سے سر نکالا۔ ان بہادر سپہ سالاروں نے اس واقعۂ ناشدنی کے وقت اپنی غیر حاضری کی نسبت افسوس ظاہر کرکے پوچھا کہ "حضور! اس انجام کا آغاز کیونکر ہوا" جس کے جواب میں موبجھا ملک نے صرف اتنا کہا کہ "جو کچھ مشیت ایزدی میں تھا وہ ہوا" جب ان ملازمین خیر اندیش نے اپنے مالک کی زبان سے یہ جملہ سُنا تو متفق اللفظ ہو کر گزارش کی کہ "گزشتہ را صلواۃ آئندہ را احتیاط۔ اب آپ یہاں سے تشریف لے چلئے اور دیکھئے کہ کس طرح اسکا انتقام لیا جاتا ہے"۔

موبجھا ملک اس وقت ارباب نشاط کی گرمیٔ صحبت اور لطف جلسہ سے بالکل خود رفتہ ہو رہے تھے۔ نشۂ جوانی نے رنگ جما رکھا تھا۔ سُریلی آوازیں اور میٹھے سُر لوریاں بنے ہوئے انہیں غفلت کی نیند سُلائے ہوئے تھے۔ ان خیر اندیش پٹھانوں کی بے وقت کی راگنی کون سُنتا اور سُنتا بھی تو عمل کون کرتا اور کس دل سے کرتا چنانچہ ان جوانمردوں نے جو کچھ کہا وہ موبجھا ملک نے بادلِ ناخواستہ سن تو لیا اور ان کی جرأت و وفاداری کے صلہ میں تحسین و آفرین کا خلعت بھی عنایت کیا مگر بات کا جواب کچھ نہ دیا اور جب یہ جانباز زیادہ مصر ہوئے تو آپ نے منغص ہو کر فرمایا کہ "اس طرح چھپ کر بھاگ جانا جوانمردی سے بعید اور اہلِ وقار کے نزدیک باعثِ ننگ و عار ہے اس لئے میں تمہاری اس تجویز سے متفق نہیں۔ تم لوگ چلے جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں بھی میرے ساتھ قید خانہ کی ہوا کھانی پڑے"۔ یہ جانباز جو اپنی جان پر کھیل کر یہاں تک پہنچے تھے، مایوس ہو کر چار و ناچار جالور میں واپس آگئے اور ان کی رہائی کے لئے کسی ظاہری موقع کا انتظار کرنے لگے۔

ولیعہد سروہی کی گرفتاری حسنِ اتفاق سے ان ہی ایام میں راؤ اکھاجی کا کنور ولیعہد رانا ڈن سنگھ و دولھا بنا ہوا براتیوں کے ساتھ[1]

---

[1] اس روایت میں کسیقدر اختلاف ہے۔ بعض کا بیان ہے کہ وہ شکار کی غرض سے ایک پہاڑ کی گھاٹی میں گھات لگائے ہوئے بیٹھا تھا اور وہیں سے گرفتار کر لیا گیا۔ ۱۲

جاتے ہوئے ان پہاڑوں کے سلسلہ میں فروکش ہوا جو سرحد جالور کے قریب واقع ہے۔ چونکہ ملک مینا اور ملک پیارے دونوں جاں نثار افسروں نے اپنے ولی نعمت موجھا ملک کی رہائی کے لئے اطراف و جوانب میں جاسوس چھوڑ رکھے تھے اس لئے جب انہوں نے جاسوسوں کی زبانی یہ کیفیت سنی تو فوراً اپنے بہادر سپاہیوں اور جرّار سواروں سے ولیعہد سروہی کو مع اسکے ہمراہیوں کے جن میں ہر قوم کے راجپوت شامل تھے، جا گھیرا اور گرفتار کر کے جالور میں نظربند کر دیا۔ بعد ازاں سروہی کے راؤ اکھاجی کو تہدیداً کہلا بھیجا کہ "ہم نے صرف اپنے آقا موجھا ملک کی رہائی کے لئے یہ کارروائی کی ہے۔ مناسب ہے کہ آپ ان کو رہا کر کے علاقہ سروہی میں سے کچھ گاؤں اپنی قابلِ نفریں جسارت کے معاوضہ میں بطور تاوان دیجئے ورنہ ہم آپ کے کنور صاحب کو زبردستی مسلمان بنالیں گے۔"

راجپوتوں کو مسلمان کرنا

سروہی کے راؤجی نے اس دھمکی کی ذرا بھی پروانہ کی اور جواب میں کہلا بھیجا کہ "مجھ کو اس شرط پر نظربندوں کا چھوڑنا ہرگز گوارا نہیں ہے۔ تمکو اختیار ہے جو چاہو کرو۔" ملک مینا نے جب راؤجی کا یہ جوابِ صاف سُنا تو کنور کے رفقا میں سے روزانہ دو چار کو اپنے پیرو مرشد میاں سیّد محمودؒ کے حضور میں لے جانے لگے۔ میاں سیّد محمودؒ کلمہ توحید کی تلقین فرما دیتے تھے اور گویا اس طرح ان راجپوتوں کو جبراً مسلمان کرنا شروع کر دیا۔

ملک مینا نے صرف ان نظربند راجپوتوں ہی کو مسلمان بنانے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ جب موقع پاتے علاقہ سروہی سے ہندو راجپوتوں کو پکڑ لاتے اور نومسلموں کی جماعت میں شامل کر دیتے۔ جب تقریباً سات سو آٹھ سو راجپوتوں کے مسلمان ہونے کی نوبت پہنچ گئی تو راؤجی بہت گھبرائے اور ناچار موجھا ملک کو باعزاز و احترام تمام جالور کی طرف روانہ کیا اور نیز کنور مانڈن اور اس کے ہمراہیوں کی رہائی کے عوض میں بڑہ گاؤں دے دیا۔

نومسلم راجپوت اور ان کی برادری کا برتاؤ

ان نومسلم راجپوتوں کی جماعت میں سے بعض لوگ جو اپنے گھر گئے تو عموماً انکی قوم

اور خصوصاً ان کے گھر والوں نے ان کو اپنے ہمراہ کھلانے پلانے اور یہانتک کہ اپنے ساتھ رکھنے سے بھی قطعاً انکار کیا۔ مجبوراً یہ لوگ جالور واپس آئے اور میاں سیّد محمودؒ کی خدمت میں اظہار حال کرنے کے بعد ملتمس ہوئے کہ

"اب ہم بدنصیب کیا کریں۔ نہ ہمکو ہمارے عزیز و رشتہ دار برادری میں لیتے ہیں اور نہ جالور کے مسلمان اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔"

میاں سیّد محمودؒ اپنے ہاں کے لوگوں کی یہ کیفیت سن کر دل میں رنجیدہ ہوئے۔ ان نومسلموں کی تسلّی کی اور فرمایا کہ

"تم کچھ پرواہ نہ کرو۔ جالور میں رہو۔ خدا چاہے گا تو یہیں تمہاری بہتری کی صورت ہو جائیگی۔"

چنانچہ اُنہوں نے مطمئن ہو کر جالور ہی میں سکونت اختیار کر لی۔

جالور میں نومسلموں کا سلسلۂ قرابت حضرت خاتم المرشدؒ نے بادوجی ایک معزز سندھی مسلمان کو جو اپنی قوم کا سرغنہ تھا اور جالور کے اہل اسلام میں بھی اس کی بہت کچھ عزت اور آبرو تھی، اپنے پاس بلا کر فرمایا کہ

"ان نومسلم راجپوتوں کو اپنی برادری میں شریک کرلو۔"

بادوجی نے آپ کا ارشاد بصدق دل قبول کیا۔ اور ان لوگوں کے ساتھ اپنی قوم میں بیاہ شادی کی رسم جاری کر دی۔

نومسلموں کا ریاست کے ساتھ تعلق بادوجی سندھی کی فرمانبرداری اور حسن عقیدت سے خوش ہو کر حضرت خاتم المرشدؒ نے اسکے اور اسکی قوم کے حق میں دعائے خیر کی اور زبان فیض اثر سے فرمایا کہ

"اس پیوند سے جو نسل پیدا ہوگی وہ شجاعت و دلاوری کی صفات میں دنیا کی نامور قوموں میں شمار کی جائیگی اور ہمیشہ اس میں خیر و برکت کے آثار نمایاں رہیں گے۔"

الغرض اُس وقت سے سندھی۔ چاوڑہ۔ گہسورہ۔ سولنکی۔ منڈوری۔ واہما۔ دیپال۔ پرمار۔ راٹھوڑ۔ پڑیار اور چوہان وغیرہ ہر ایک قوم کے نومسلم راجپوتوں کا تعلق اس ریاست کے ساتھ چلا آتا ہے اور یہ تمام لوگ "جالوری"

کے لقب سے مشہور ہیں۔ ان نومسلم راجپوتوں میں سے بعض "وجہ وار" کہلاتے ہیں بعض کو "پٹاوت" کہتے ہیں اور ان میں سے بہت سے لوگ ملازمت پیشہ ہیں اور یہ تمام اقوام بہیئت مجموعی "سپاہ بند ہوا ساتھ" کی جمعیت کے نام سے معروف ہیں۔

علاقہ پالن پور میں جالوریوں کی آبادی

جس زمانہ سے پالن پور بجائے جالور کے دارالریاست مقرر ہوا ہے، یہ نومسلم لوگ علاقہ پالن پور کے متفرق دیہات میں آباد ہوئے ہیں اور ان میں سے اکثر زمیندار ہیں۔ باوجود اس کے خدانخواستہ اگر کوئی دشمن ریاست پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے تو یہ لوگ اپنی صلبی شجاعت کے سبب ہتیار باندھ کر حفظ ریاست کے لئے جان فدا کرنے کو تیار ہو جاتے ہیں گویا یہ لوگ اس ریاست کے لئے والنٹیر ہیں۔ آیندہ صفحات پر ان کا تفصیلی حال بیان کیا جائے گا۔

جرأت وہمت

ملک بینا اور پیارے کی سعی اور کوشش سے مجاہد خاں قید سے رہائی پاکر جالور میں آگئے اور تھوڑے زمانہ تک ریاست کے کاروبار میں مصروف رہکر سلطان محمود بیگڑہ بادشاہ گجرات کے حضور میں احمد آباد گئے۔ شہر احمد آباد دریائے سابر کے کنارہ پر آباد ہے اور عین محلات شاہی کے نیچے اس دریا کا پانی بہتا چلا گیا ہے۔ ان دنوں میں جب موبنجھا ملک احمد آباد پہنچے ہیں، برسات کا موسم تھا اور دریائے سابر کی طغیانی سماں دکھا رہی تھی بادشاہ ایک روز اتفاقاً لب دریا محل کے برآمدہ میں بیٹھے ہوئے تھے اور جھک جھک کر پانی کے چڑھاؤ اُتار کا تماشہ دیکھ رہے تھے کہ یکایک مرصع پیش قبض دریا میں گر پڑا۔ بادشاہ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ

"کوئی ایسا شخص ہے جو پیش قبض کو نکال لائے اور پیشگاہ مابدولت سے الطاف وعنایات کے علاوہ خطاب بہادری وانعام کا مستحق ہو۔"

حاضرین میں سے کسی کی جرأت نہ ہوئی کہ چڑھے ہوئے دریا میں سے خنجر کو تلاش کر کے نکالتا لیکن موبنجھا ملک، جن کے دامن جرأت پر قید سروہی کا دھبہ لگا ہوا تھا اور اس وقت حاضر دربار تھے، فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور "ارشاد سلطانی بجالانے کے لئے یہ جان نثار حاضر ہے" کہتے ہوئے دریا میں کود پڑے اور پہلے ہی

غوطہ میں پیش قبض نکال لائے۔

انتقال

موبجھا ملک کی یہ جرأت و دلاوری دیکھ کر بادشاہ نہایت خوش ہوا اور بآواز بلند "مرحبا" کہہ کر حکم دیا کہ "ان کو کمند کے ذریعہ سے اوپر کھینچ لو"

چنانچہ حسب الحکم سلطانی کمند دریا میں لٹکائی گئی اور ملک موبجھا نے اسپر چڑھنا شروع کیا۔ مگر چونکہ انکا رشتۂ حیات قطع ہوچکا تھا، لب بام پہنچنے سے پہلے کمند ٹوٹ گئی اور دائہ مرگ نے ہمیشہ کے لئے انکو اپنے آغوش میں لے لیا ہندی نوشتوں کے بموجب یہ واقعہ سمت ۱۵۶۶ مطابق ۹۱۶ھ/۱۵۱۰ء کا ہے۔

مجاہد خاں کے کوئی اولاد نہ تھی اور سلطان محمود بیگڑہ کا بھی اسی سال میں انتقال ہوگیا تھا۔ مگر چونکہ سلطنت گجرات کو موبجھا ملک کے اس ناگھانی واقعہ سے نہایت درجہ ہمدردی تھی اور ان کے آبا و اجداد کی خدمات کا بھی بڑا خیال تھا۔ اس لئے تاوقتیکہ کوئی لایق شخص ان کے خاندان میں سے مسند نشینی کے قابل انتخاب کیا جاتا، تین سال تک اہلکاران شاہی نے ریاست کو اپنے زیر انتظام رکھا اور اسکی نگرانی جیوا خاں ولد بلو خان ایک سردار کے سپرد رہی۔ بعد ازاں سمت ۱۵۶۹ مطابق ۹۱۹ھ/۱۵۱۳ء میں سلطان مظفر ثانی نے اپنے چند معزز ارکان سلطنت کو جالور بھیجکر موبجھا ملک کے چھوٹے بھائی ملک علی شیر خاں کو مسند نشین ریاست کیا اور جالور اور سانچور کی سند عطا فرمائی۔

مسند نشینی اور راٹھوروں کی چڑھائی

ملک علی شیر خاں نے سمت ۱۵۶۹ مطابق ۱۵۱۳ء ۹۱۹ھ میں مسند نشین ہو کر زبدۃ الملک کے مدار المہام اللہ داد خان لودھی کے فرزند طوغا خان لودھی کو اپنا وزیر اعظم مقرر کیا۔ مسند نشینی کے تین یا چار سال بعد افواج مارواڑ نے جالور کا محاصرہ کیا۔ چار روز تک برابر میدان جنگ گرم رہا۔ طرفین سے متواتر حملے ہوتے رہے مگر آخر کار ملک علی شیر خاں نے فتح پائی اور راٹھور شکست کھا کر پسپا ہوئے۔

بہاریوں اور جالوریوں کی نااتفاقی

اس فتح کی خوشی میں ملک علی شیر خاں نے اپنے سپاہیوں کو جو انعام دیا اس میں کمی و بیشی کی بابت منڈوری شاخ کی جالوری قوم اور بہاری پٹھانوں میں خانہ جنگی ہو پڑی۔ بہت سے آدمی زخمی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔ پہلے بندھی ہوئی جمعیت تھی، اب بہاریوں اور جالوریوں کے الگ الگ دو فریق ہو گئے۔ نفاق کی آگ نے دلوں میں گھر کر کے اندر ہی اندر سلگنا شروع کیا اور انجام کار اس آپس کی نااتفاقی نے ریاست کے حق میں جیسا کچھ مضرت بخش نتیجہ پیدا کیا وہ آیندہ کھل جائیگا۔

شعرائے ملک کی قدردانی

ملک علی شیر خاں کو اپنے ہمچشموں میں ناموری پیدا کرنے کا بھی کمال شوق تھا چنانچہ حصول شہرت کے لئے وہ چارن اور بھاٹ وغیرہ ہندی شاعروں کی بہانتک قدر کرتے تھے کہ ایک دن میں نو لاکھ لٹا دئے جس کی وجہ سے اس قوم کے لوگ ان کو "علی شیر خاں نولکھا" کے تعظیمی لقب سے یاد کرتے ہیں

نئے مشعلچیوں اور سائیسوں کی بھرتی

اس داد و دہش کے ساتھ ہی ساتھ علی شیر خاں انتظامات ریاست کے مصارف میں حکمت عملی سے کفایت شعاری کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ مثلاً انھوں نے بھیل قوم کے لوگوں کو اس غرض سے مشعلچیوں کی ذیل میں رکھا تھا کہ اگر لڑائی کے وقت کبھی اپنے سپاہی کا کام لیا جائے تو انجام دے سکیں۔ اسیطرح مختلف فرقوں کے مزدوری پیشہ اور بیکار سپاہیوں کی تعداد کثیر کو بھی سائیسوں کی جگہ بھرتی کر لیا تھا کہ خرچ میں تو کفایت ہو اور لڑائی کے وقت سپاہیوں کی تعداد میدان جنگ میں زیادہ نظر آئے جس انتظام کے سوا اس میں یہ مصلحت بھی مدنظر تھی کہ اگر لشکر کی بیدلی سے کوئی ہنگامہ برپا ہوجائے تو یہ لوگ اسکے فرو کرنے میں مدد دے سکیں۔

قوت انتظامیہ اور استقلال

درحقیقت ملک علی شیر خاں نے اپنے زمانہ حکومت کو جس میں قدم قدم پر مشکلات اور دشواریوں کے پہاڑ آگئے، نہایت ہی ہوشیاری اور دانشمندی سے پورا کیا۔ ایک طرف تو ان کے ملحق الحدود راٹھوڑ راجہ اور دیگر راجپوت ان کے صریح دشمن تھے اور دوسری طرف خود ان ہی کے لشکر میں مخالفت کی زہریلی وبا پھیلی ہوئی تھی مگر اس باہمت رئیس نے جس استقلال اور حسن تدبیر سے ان تمام مرحلوں کو طے کیا وہ کچھ اسی کا دل و گردہ تھا۔ غرضکہ انھوں نے اپنے زمانہ حیات تک انتظام ملکداری کو جس خوبی و ہوشیاری سے انجام دیا، قابل تحسین و آفرین ہے۔ لکھا ہے کہ علی شیر خاں بڑے فقیر دوست تھے خصوصاً فقرائے گروہ مہدویہ کے ساتھ بہت زیادہ حسن عقیدت اور خلوص ارادت رکھتے تھے۔

علی شیر خاں کا انتقال اور مسند حکومت

سمت ۱۵۸۱ مطابق سنہ ۱۵۲۵ء (۹۳۲ھ) میں ملک علی شیر خاں کا انتقال ہوا۔ ان کے صلب سے صرف ایک لڑکا سکندر خاں تھا۔ لیکن چونکہ یہ سکندر خاں نہایت ضعیف القویٰ اور نشہ باز شخص تھا اس لئے غزنی خاں ابن ہیبت خاں نے اس زور پر کہ طوغا خاں مدار المہام میرا خسر ہے اور میں بذات خود کسی قدر حقدار ریاست ہونیکے

علاوہ ہر طرح کی قابلیت بھی رکھتا ہوں۔ نیز ملک علی شیر خاں کی موت میرے لئے فال نیک ہے۔ سامانِ غیبی مہیا ہیں اور میدان تقریباً خالی ہے، مسند نشینی کی تیاریاں شروع کر دیں۔

طوغا خان اس معاملہ میں حقدار اصلی کا طرف دار تھا۔ اور پاسِ نمک اسکو غزنی خاں کے ساتھ متفق نہ ہونے دیتا تھا۔ اگرچہ غزنی خاں نے ہر ایک پہلو سے سمجھایا اور آخر میں دھمکانے کے طور پر یہ بھی کہا کہ

"ہماری رفاقت میں تمکو ہر طرح سے فائدہ ہی فائدہ ہے اور ہمارے رفیق بنکر تم دنیوی فلاح و بہبود کی بہت کچھ امید رکھ سکتے ہو۔ برخلاف اسکے اگر تم ہمارا ساتھ نہ دوگے تو علاوہ دیگر امور کے ہم تم سے تعلق رشتہ داری بھی قطع کر دینگے اور اس طرح تمکو بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا۔"

مگر وہ نمک حلال ان گیدڑ بھبکیوں کو کب خیال میں لاتا تھا۔ اس نے ان تمام بھبکیوں کی پروا تک نہ کی اور ہر ایک امر کو نظر انداز کر کے غزنی خاں کے منشا کے خلاف سکندر خاں کو مسند نشین جالور کر دیا۔

سکندر خان کی مسند نشینی اور غزنی خان کی بغاوت

سمت ۱۵۸۲ مطابق ۱۵۲۶ء؁ ۹۳۲ھ؁ کی ابتدا میں بہت سی جدّ و جہد کے بعد جب ملک سکندر خان مسند نشین ریاست ہوئے تو غزنی خان مارے رنج و غصہ کے جالور چھوڑ کر باہر نکل گئے۔ کچھ عرصے تک تو سونداہ وغیرہ علاقہ جالور کے سرحدی پہاڑوں میں رہکر لوٹ مار کرتے رہے اور پھر مہاراجہ جودھپور کو کسی طریقہ سے اپنا طرفدار بنالیا۔ چنانچہ جودھپور کا یہ امدادی لشکر آپہنچا اور آتے ہی جالور کا محاصرہ کرلیا۔ مگر طوغا خان لودھی بھی نہایت استقلال کے ساتھ اپنی فوج کو درست کرکے حریف سے مقابلہ کے لیے آنکلا۔

لڑائی نے جب خلاف امید زیادہ طول کھینچا اور فتح جالور کی کوئی شکل نظر نہ آئی تو جودھپور کا لشکر ناکام و نامراد واپس چلا گیا[۵۱]۔ غزنی خان اپنے منصوبے بگڑتے ہوئے دیکھکر بے سر و سامانی اور پریشانی کی حالت میں اضلاع میواڑ کی طرف نکل گئے اور ایک سال کے بعد کچھ جمعیت بہم پہنچا کر رانائے میواڑ اور دوسرے

[۵۱] بعض راویوں کا بیان ہے کہ طوغا خان نے بطور رشوت پیشکش دیکر لشکر کو ٹال دیا تھا۔ ۱۲

آس پاس کے بھومیہ زمینداروں وغیرہ کی امداد سے جالور پر چڑھ آئے۔ اس دفعہ بھی اُنکی تمام محنت بیکار گئی اور طوغاخان کے حسنِ انتظام کی وجہ سے انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔

طوغاخان کا مارا جانا

دوبارہ زک اُٹھا کر یہ بات غزنی خاں کے ذہن نشین ہوگئی کہ جب تک طوغاخاں زندہ ہے، مجھے ہرگز کامیابی نصیب نہیں ہوسکتی۔ چنانچہ غزنی خاں نے کسی خفیہ سازش سے طوغاخاں کو زہر دے کر عدم آباد کا راستہ بتا دیا۔ یا فریب سے قتل کرا دیا۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح سے غزنی خان نے اِس سنگ راہ کو الگ ہٹا کر اپنی کامیابی کی صورت پیدا کر ہی لی اور اب بے کھٹکے ریاست پر قبضہ کرنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

غزنی خان کا جالور پر قبضہ

چونکہ طوغاخان مارا جا چکا تھا اور لشکر میں ملک علی شیر خاں کے ہی زمانہ سے پھوٹ پڑی ہوئی تھی، اس لئے اِدھر تو بہت سے فوجی افسر سکندر خان سے منحرف ہو کر غزنی خان سے آملے اور اُدھر اُن افسروں کی امداد و اعانت سے مہارانا سے میواڑ بھی غزنی خاں کے حامی و طرفدار ہوگئے۔ غزنی خاں نے جب اپنے گرد اپنے حامیوں کا کافی مجمع دیکھ لیا تو وہ کوہستانِ اراولی سے نکل کر جالور میں آئے اور ملک سکندر خان کو جنہوں نے صرف پانچ برس لطفِ حکومت اُٹھایا تھا سمت ۱۵۸۸ مطابق ۹۳۸ھ ۱۵۳۱ء میں مسندِ ریاست سے جبراً معزول کر کے ریاست جالور پر قابض ہو گئے۔

باب دہم

ملک غزنی خان اول ابن ہیبت خان

غزنی خان کی مسند نشینی اور طوغاخاں کے بیٹوں کی سازش

ادہر تو سمت ۵۸۷ امطابق سنہ ۵۳۱ ھ ؁ ۱۱۲۸ ء میں غزنی خان نے مسند نشین ہوتے ہی اپنے مخالفوں پر تشدد شروع کیا اور اُدہر طوغاخان کے لڑکوں، ملک احمد خان اور محمود خاں نے جو بڑے اولوالعزم اور صاحب جرأت پٹھان تھے، غزنی خاں سے اپنے باپ کے خون کا انتقام لینے پر کمر ہمت مضبوط باندھی لیکن جب غزنی خان کی ہوشیاری کے سبب بظاہر ان کی کوئی تجویز پیش نہ گئی تو یہ مخفی طور پر غزنی خاں کا کام تمام کرنے کی فکر میں سرگرم ہوئے۔ کم بختی کی مار، انکا یہ سربستہ راز کھل گیا۔ غزنی خاں نے طیش میں آکر مصلحت ملکی اور رواداری ریاست کے لحاظ سے اس سنگین جرم کی پاداش میں احمد خان اور محمود خان کے ساتھ لودھی پٹھانوں کے تمام خاندان کو جلاوطنی کی سزا دے دی اور انکا گھربار لوٹ لینے کا حکم نافذ کیا۔

لودھی پٹھانوں پر تشدد

خاتم سیاحانی میں لکھا ہے کہ غزنی خان نے لودھی پٹھانوں کے جلاوطن کرنے کا کام

مَلِکْ غزني خان اوّل

اپنے چھوٹے بھائی ملک خاں کے سپرد کیا تھا اور تاکید کہدیا تھا کہ وہ حتی الامکان ان لوگوں پر سختی کرنے میں کمی نہ کیجائے"۔ چنانچہ ملک خان نے اپنے بھائی کے حکم کی تعمیل کی۔ ان کے گھر بار لوٹے اور ان کو ہر طرح ذلیل وخوار کر کے بال بچوں سمیت گھروں سے نکالدیا۔ کسی نا اہل سپاہی نے یہ اور ظلم کیا کہ خالی مکانوں میں آگ لگا دی جس سے رہا سہا اثاث البیت بھی جل جلا کر خاک سیاہ ہوگیا۔ لودھی پٹھان اپنی خانہ ویرانی کے دردانگیز سین کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک عجیب بیکسی کی حالت میں وطن سے نکلے اور مظلوم سکندر خاں کو ہمراہ لے کر لٹے ہوئے قافلہ کی طرح سلطان بہادر شاہ بادشاہ گجرات کے حضور میں نالش کے ارادہ سے پہنچے۔

بادشاہ گجرات کے حضور میں فریاد دربار شاہی میں پہنچکر اس آوارہ وطن اور خانہ برباد گروہ نے کچھ ایسے درد بھرے لفظوں میں غزنی خاں کے ظلم وستم کی فریاد کی کہ بادشاہ نے متاثر ہو کر اپنے ایک امیر فتح خان بلوچ جاگیردار تیرواڑہ کو ملک سکندر خان اور لودھی پٹھانوں کی امداد کے لئے مامور کیا۔ اور یہ اُمید دلائی کہ اگر وہ غزنی خاں کو حکومت جالور سے برطرف کر کے بجائے اسکے سکندر خان کو قائم کردے گا تو اس محنت وکوشش کے صلہ میں جالور کی آمدنی کا چہارم حصہ اسکو دلوایا جائے گا۔ چنانچہ جب جانبین کی رضامندی سے اس معاہدہ کی پختگی وپزیر ہوگئی تو فتح خان بلوچ نے شیر خاں اور انور خاں اپنے بھتیجوں کو امدادی لشکر کا افسر بنا کر ملک سکندر خاں اور لودھی پٹھانوں کی کمک کے لئے مہم جالور پر متعین کیا۔

جالوری سپاہیوں کی حب الوطنی خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ بلوچوں کی فوج نے رادھن پور کے میدان میں مولی۔ گاجر۔ اور سنگین وغیرہ سبز ترکاریوں کا ایک فرضی قلعہ بنایا تھا۔ اور شگون لینے کے لئے اسکے اڑانے کے ارادہ ہی میں تھے کہ ناگاہ تنور اور رینس قوم کے دو جالوری سپاہی جو اضلاع جھالاواڑ سے اپنے وطن کو جا رہے تھے ادھر آنکلے اور جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ جالور کے نام سے یہ مصنوعی قلعہ اڑایا جاتا ہے تو حب الوطنی کے جوش میں آکر بلوچوں کی فوج کے ساتھ لڑنے کو تیار ہوگئے۔ بلوچوں نے ہر چند ان کو اس ارادہ سے روکا مگر وہ حب الوطنی

کی ترنگ میں کچھ ایسے محو تھے کہ انھوں نے ایک نہ سُنی اور لڑ بھڑ کر جالور کے پاس ناموس پر اپنی قیمتی جانیں قربان کردیں۔ اس واقعہ حیرت افزا نے بہادری اور شجاعت کے نام پر تو چار چاند لگا ہی دیے مگر ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر دیا کہ جالوری سپاہی خاندانِ بہتیانی کے کس قدر جان نثار ہیں۔

رانائے میواڑ کی شرائط

جب غزنی خان نے بلوچوں کے لشکر کے آنے کی خبر سُنی تو اپنے بھائی حزم خان کو سانچور کی حفاظت کے لئے روانہ کیا اور اپنے ملازموں میں سے چند معزز اہلکاروں کو مہارانائے اودیپور کی خدمت میں بھیجکر امداد و اعانت کی درخواست کی۔ مہارانا نے ذیل کی تین شرطوں پر مدد دینی منظور کر لی۔

(۱) پرگنہ گوڈھواڑ اور دیگر اضلاع مقبوضۂ راج میواڑ متصلہ حدود جالور کے جو حقوق ملک حسن خان اور انکے جانشینوں نے رانا موکل سی والی میواڑ کے عہد حکومت اور متوسلان راج میواڑ کی بغاوت کے زمانہ میں غصب کر کے بہت سے دیہات علاقۂ جالور میں شامل کر لئے ہیں وہ دیہات مع حقوق واپس دے جائیں۔

(۲) ضرورت کے وقت غزنی خاں مع اپنے لشکر کے مہارانا کی امداد کے لئے مثل دیگر منتسبان راج میواڑ کے قلعہ چتوڑ میں حاضر ہوں۔

(۳) غزنی خاں کی اعانت کے لئے جو لشکر روانہ کیا جائے گا اُسکی آمد و رفت اور دیگر مصارف متعلقہ کا جس قدر تخمینہ کیا جائے وہ رقم پیشگی خزانۂ ریاست میں داخل کر دیں۔

چنانچہ غزنی خاں کے اہلکاروں نے شرائط مذکورہ منظور کرلیں اور مہارانائے میواڑ نے سوجا بالیسا اور رتن سنگھ سونگرہ دو راجپوت سرداروں کو ڈیڑھ ہزار سواروں کی جمعیت سے غزنی خاں کی مدد کے لئے جالور بھیجا۔

غزنی خاں کا قلعہ بند ہونا

فتح خان بلوچ کے بھتیجوں نے یہ تمام کیفیت اپنے چچا کو لکھ بھیجی۔ فتح خان یہ خبر پہنچتے ہی بذاتِ خود لشکر شاہی لیکر اپنے بھتیجوں سے آملا اور بھینمال پر قبضہ کر کے محاصرہ جالور کی تیاریاں کرنے لگا جب فتح خان کے آنے کی اطلاع میواڑ کی فوج میں پہنچی تو وہ ایسی خوف زدہ ہوئی کہ فوراً بھاگ نکلی۔ اب غزنی خان کو اسکے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ انہوں نے اپنے

دونوں بھائیوں خرّم خاں اور ملک خان کو سانچور سے جالور بلوالیا۔ اور تینوں بھائی قلعہ بند ہو کر بلوچوں کے حملہ کی مدافعت پر تیار ہو گئے

محاصرہ جالور اور خرم خاں کا مارا جانا

کہتے ہیں کہ اس وقت تک جالور کی شہر پناہ تعمیر نہیں ہوئی تھی اس لئے غزنی خان نے شہر کے بچاؤ اور اپنے جان نثار سپاہیوں کی محافظت کے خیال سے مٹی اور کانٹوں کا ایک حصار تیار کرایا تھا، جس کو مارواڑ کے لوگ اپنی اصطلاح میں "بھون کوٹ" کہتے ہیں۔ مگر ابھی حصار پورا بننے بھی نہ پایا تھا کہ بلوچوں نے آکر جالور کا محاصرہ کرلیا۔ ملک خان اور خرّم خان نے باہر نکل کر غنیم کا مقابلہ کیا اور غزنی خان شہر کے اندر ہی سے جنگ اندفاعی کرتے رہے۔ پانچ روز تک برابر لڑائی ہوتی رہی یہانتک کہ رات کے وقت بھی ایک دم کی مہلت نہ ملتی تھی۔ اس معرکہ میں خرّم خان اور ملک خان نے بہادری کے خوب جوہر دکھائے۔ آخر کار خُرّم خان مارے گئے۔ چونکہ سامان رسد پہنچنے کے تمام وسائل مسدود ہو گئے تھے اور اہل قلعہ پر فاقہ کشی کی نوبت آگئی تھی اس لئے تنگ اور عاجز آکر غزنی خان کو قلعہ خالی کردینا پڑا۔

کیفر کردار

جس طرح غزنی خان نے اپنی ناخدا ترس خصلت کو کام میں لاکر لودھی پٹھانوں کے ساتھ بہت ہی بیجا اور ظالمانہ برتاؤ کئے تھے اور جس طرح ان کو اور اُن کے ننھے ننھے بچوں کو آوارہ وطن کیا تھا اسی طرح اس وقت ان کو بھی نامبارک ساعت دیکھنی پڑی یعنی قلعہ خالی کردینے کے بعد غزنی خاں بحال خراب مقتول خُرّم خان کی لڑکی اور سپتانی خاندان کے قبائل کو ساتھ لے کر اپنے قدیم مامن کوہستان اراولی کی طرف چلے گئے۔

مسند نشینی سکندر خان بار دوم

جب لودھی پٹھان غزنی خان کی جلاوطنی سے اپنے کہنہ زخموں پر مرہم تسلّی کے پھاہے چڑھا چکے تو اُنھوں نے دلی شوق اور نہایت خوشی کے ساتھ اپنے ولی نعمت ملک سکندر خان کو سمت ۱۵۹۰ مطابق ۱۵۳۴ء ۹۴۱ھ یا اسکے دوسرے سال کے آغاز میں بار دگر مسند نشین[۹۱] ریاست کیا۔

---

۹۱ بعض لوگوں نے سمت ۱۵۸۱ یا سمت ۱۵۸۲ سے سمت ۱۶۰۱ تک سکندر خان کی حکومت کا زمانہ شمار کیا ہے لیکن فارسی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ پانچ برس غزنی خان سے پہلے اور ایک برس غزنی خان کے بعد کُل چھ برس سکندر خان نے حکومت کی ہے اور غزنی خان تقریباً دو برس مسند نشین ریاست رہے۔

بلوچوں کی مخالفت ایک سال تک تو سکندر خان کی بلوچوں کے ساتھ صلح رہی اور دونوں فریق آپس کے صلاح و مشورہ سے انتظام ریاست کرتے رہے۔ لیکن اس کے بعد ہی مخالفت کا زمانہ شروع ہو گیا۔ بلوچوں نے دیکھا کہ سکندر خان چنداں عالی حوصلہ رئیس نہیں ہے۔ مگر اس کے معاون اور پشت پناہ لودھی پٹھان، جن پر اسکی دولت و ریاست کا دارومدار ہے اور جن کی موجودگی میں ہم کامیاب ہوتے معلوم نہیں ہوتے، اگر وہ دور ہو جائیں اور ان کا خدشہ درمیان سے نکل جائے تو پھر سکندر خان پر قابو پا لینا اور خود مختار رئیس بن بیٹھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔

جالور سے سکندر خان کا نکل جانا جب یہ مسئلہ حسب دلخواہ طے ہو گیا تو بلوچ نہایت ہوشیاری کے ساتھ اپنی کارروائی یعنی لودھی پٹھانوں کے قتل کی خفیہ تدابیر میں مشغول ہوئے۔ بلوچوں کی شامتِ اعمال اور لودھی پٹھانوں کی خوش قسمتی کہ یہ راز کھل گیا اور لودھی پٹھان ہتھیار اٹھا اٹھا کر مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن جب انھوں نے بلوچوں سے مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے فریق میں نہ دیکھی تو مصلحتاً خاموشی کے ساتھ سکندر خان کو لے کر سمت ۱۵۹۱ مطابق ۹۴۲ھ ۱۵۳۵ء میں جالور سے نکل گئے اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو کر عرصہ دراز تک علاقہ جالور میں لوٹ مار کرتے رہے۔

مہاراجہ مارواڑ کی دغا عرصہ تک یہ خانماں برباد گروہ جنگلوں اور پہاڑوں میں لوٹ مار پر گزر کرتا رہا۔ بعد ازاں راؤ مالدیو والی منڈور (جودھپور) کے پاس جا کر اپنی امداد کے لئے درخواست کی۔ راؤ مالدیو راٹھور نے اگرچہ ان کو بظاہر بہت کچھ دلاسا دیا اور امداد و اعانت کا امیدوار کر کے دھوکہ دینے کی غرض سے موضع دھوناڑہ کا پٹہ بھی ان کے اخراجات ضروری کے لئے لکھ دیا لیکن چونکہ یہ کینہ کوش راجہ اُس کانٹے کو دل میں چھپائے ہوئے تھا، جو گزشتہ لڑائیوں میں پٹھانوں کے ہاتھ سے اسکے اعزا و اقربا کے قتل ہونے کے سبب لگا تھا اور جس کا

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ پھر پندرہ برس تک بلوچوں کا قبضہ رہا۔ اس لحاظ سے قیاس کیا جاتا ہے کہ جو لوگ سکندر خان کی مدت مسند نشینی ۲۳ برس بیان کرتے ہیں وہ ابتدائے مسند نشینی سکندر خان سے بلوچوں کے اخیر عہد تک کی مدت لیتے ہیں نہ کہ سکندر خان کے ایام حکومت کی۔ ۱۲۔ مولفہ

خیالی سین ہمیشہ اس کو تڑپاتا رہتا تھا اسلئے بجائے اسکے کہ وہ بلوچوں کے نکالنے میں ان کی مدد کرتا، خود ان ہی کے قتل کا سامان کرنے لگا۔ مگر لودھی پٹھانوں کی قسمت اچھی تھی کہ مالدیو کی بھی اِن خفیہ سازشوں کا حال انہیں معلوم ہوگیا اور وہ جوں توں کرکے کسی نہ کسی بہانہ سے گجرات کی طرف نکل بھاگنے کے لئے تیار ہوگئے۔

لودھی پٹھانوں کی چتوڑ میں سکونت اور سکندر خان کا انتقال

سکندر خان اور لودھی پٹھانوں کے بھاگنے کے ارادہ سے مطلع ہوتے ہی راٹھور بھی ان کے پیچھے پیچھے چاروں طرف پھیل گئے اور تلاش کرتے کرتے آخرکار سکندر خان کو تو موضع دھوناڑہ میں جا گھیرا اور پکڑ کر مقید کرلیا۔ لودھی[١٥] پٹھان، جو راٹھوروں کے پنجے سے نکل گئے تھے، مارواڑ سے بھاگ کر گجرات میں آئے۔ برسوں تک آوارہ پھرتے رہے اور جب کوئی بہتری کی صورت نظر نہ آئی تو مہارانا ادا کی ملازمت اختیار کرکے قلعہ چتوڑ میں رہنے لگے اور سکندر خان نے کچھ دنوں تک طائر بے پر کی طرح قفس قید میں تڑپ تڑپ کر انتقال کیا۔

غزنی خاں کا مآل کار

غزنی خان کا حشر یہ ہوا کہ جن دنوں میں وہ مسند جالور سے معزول ہوکر کوہستان اراولی میں جاگزیں تھے، لوٹ مار ان کی ایام بسری کا ذریعہ تھا اور بلوچوں نے سکندر خان کو نکال کر بالاستقلال جالور پر اپنا قبضہ کرلیا تھا۔ اسی زمانہ میں بادشاہ گجرات نے اپنے ایک امیر شہاب الدین غوری حاکم جوناگڈھ کو موضع اونجھا علاقہ انہل پور پٹن جاگیر میں عطا کیا۔ چونکہ یہ گاؤں پہلے سے ایک بادشاہی امیر ملک الشرق کی جاگیر میں چلا آتا تھا۔ اس لئے جب ملک الشرق نے اپنی جاگیر کے گاؤں کو دوسرے کے قبضہ میں جاتے دیکھا تو حسد و رشک کی آگ اس کے دل میں بھڑک اُٹھی۔ اور بجائے اسکے کہ اپنے حق پر بادشاہ سے لڑتا، بے قصور شہاب الدین غوری کے ساتھ مقابلہ کے لئے مستعد ہوگیا۔ اور اپنے بیٹے کو غزنی خاں کے پاس بھیجکر اُنھیں اپنی مدد کے لئے کوہستان اراولی سے موضع اونجھا میں طلب کیا۔

---

[١٥] کہتے ہیں کہ یہ اپنی آوارگی کے زمانہ میں کچھ عرصہ تک موضع مالن علاقہ پالن پور میں رہے۔ اور پھر گھوڑوں کی تجارت کے ذریعہ سے ملک میواڑ میں چلے گئے۔ اور اسی تقریب سے مہارانا کے دربار میں رسائی پیدا کرلی ۱۲۰

غزنی خان کا مع دو بھائیوں کے مارا جانا

غزنی خاں نے فتحیابی کی صورت میں موضع اونجھا کی آمدنی کا نصف حصہ لینے کی شرط پر ملک الشرق کی امداد منظور کرلی اور میر خاں۔ بہار خاں اور ملک خاں اپنے تینوں بھائیوں کو ساتھ لیکر کوہستان اراولی سے موضع اونجھا میں آئے اور ملک الشرق کے ساتھ شہاب الدین غوری سے سرگرم جنگ ہوئے غزنی خان مع میر خان اور بہار خان کے مارے گئے اور ملک خان سخت مجروح ہوئے۔ مگر رفتہ رفتہ ملک خان کو جب صحت حاصل ہوگئی تو وہ اپنے بال بچوں اور قبائل کو لیکر احمد آباد کی طرف چلے گئے۔ اور وہاں مدت دراز تک بمعاش قلیل سپاہیانہ وضع میں گزر اوقات کرتے رہے۔ بالآخران ہی لودھی پٹھانوں کی مدد سے مسند جالور پر متمکن ہوئے۔

مَلِک علک خان

ملک خان برادر خرد غزنی خان ابن ہیبت خان

تنزل کے بعد ترقی

ملک خان کی لائف بابرشاہ چغتائی بادشاہ دہلی کے حالاتِ زندگی سے بہت کچھ مشابہ ہے وہ کئی مرتبہ اس طرح مصیبتوں میں گرفتار ہوئے کہ ان کی حالت ایک معمولی خدمتگار سے بھی بدتر ہو گئی اور چند بار افسر العساکر اور فرمانروائی کے بلند پایہ پر بھی پہنچ گئے۔ مگر انھوں نے اپنی زندگی کے اتار چڑھاؤ جس خوبی کے ساتھ طے کئے اور اپنی اوقات کو جس ہمت اور قائم مزاجی سے بسر کیا وہ کچھ ان ہی کا حصہ تھا۔

ملک خان ایڈر میں۔

ملک خان کی شادی ارجن سنگھ بھیماوت جاگیردار باڑمیر علاقہ ملانی کی لڑکی امراں بائی سے ہوئی تھی۔ اور وہ اس وقت اپنے قبائل کے ساتھ احمد آباد میں فروکش تھے۔ اس زمانہ میں راؤ نارائن داس ایڈر کا حکمراں تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ویرم دیو۔ رائے سنگھ اور کلیان مل۔ سب میں بڑا لڑکا جو ولیعہد ریاست تھا

کسی خانگی معاملہ میں اپنی سوتیلی ماں کے سبب باپ سے باغی ہوکر تمام علاقہ میں لوٹ مار کرتا پھرتا تھا۔ نارائن داس نے اسکی سرکشی اور فتنہ پردازی کے فرو کرنے کی غرض سے ملک خان کو اپنے علاقہ میں سے جاگیر دینے کی شرط پر ایڈر بلوایا۔ ملک خان اپنی چہیتی بیوی امراں بائی اور جالوری سپاہیوں کی جمعیت کو ساتھ لیکر ایڈر گئے اور خدمات مفوضہ کی انجام دہی میں مصروف ہوگئے لیکن ویرم دیو کی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور کچھ اسباب ایسے پیدا ہوچلے تھے کہ ملک خان نے اپنا ایڈر میں زیادہ رہنا مناسب نہ سمجھا۔

حضرت ملک الہ داد رضؓ کی بشارت | مذہبی کتابوں میں لکھا ہے کہ جس زمانہ میں ملک خان سرکار ایڈر کی ملازمت کرتے تھے ملک الہ داد رضؓ خلیفہ میاں سید خوندمیر رضؓ نے بھی وہاں کی پہاڑیوں میں دائرہ نشینی اختیار کر رکھی تھی۔ ملک خان نے جوان بزرگوں سے کمال عقیدت رکھتے تھے ویرم دیو کی اذیت سے تنگ آکر آپ سے شکایت کی اور دعائے خیر کے خواستگار ہوئے۔ ملک الہ داد رضؓ نے اس وقت تو کچھ نفرمایا مگر نماز تہجد کے بعد عالم مراقبہ میں ان کے معروضہ پر مکاشفہ کیا اور اپنے ایک خادم کی معرفت ملک خان کے پاس دو عدد نارجیل ارسال فرماکر دو فرزند پیدا ہونے کی بشارت دی اور کہلا بھیجا کہ "ان لڑکوں کا پیدا ہونا تمہارے حق میں ایسا مسعود و مبارک ہوگا کہ تم پھر اول کی طرح فرمانروائے جالور بن جاوگے۔

غزنی خان اور فیروز خان کا پیدا ہونا | اس بشارت کے بموجب ملک خان کے ہاں ایڈر میں ارجن سنگھ بھیاوت کی بیٹی امراں بائی سے غزنی خاں اور فیروز خان پیدا ہوئے۔ ملک خان ایک عمر رسیدہ شخص تھے اور بظاہر اولاد کی طرف سے انھیں مایوسی بھی ہوچکی تھی لیکن چونکہ حضرت ملک الہ داد رضؓ کی بشارت اور دعا کی برکت سے اولاد پیدا ہونے کے علاوہ آثار خیر و برکت بھی ظاہر ہونے لگے تھے اس لئے انھیں حصول ریاست کا بھی یقین واثق ہوگیا اور ایڈر سے واپس احمد آباد چلے گئے۔

قدرتی اسباب | ملک خاں کی کامیابیوں کا حال لکھنے سے پہلے ہم لودہی پٹھانوں کی سرگزشت بیان کرتے ہیں

ملک طوغا خان کے بیٹے احمد خان اور محمود خان نے جو مہارانائے میواڑ کے دربار میں ملازم ہو گئے تھے، اپنے حسن خدمت اور ذاتی شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے اور وہ اعزاز و اعتبار پیدا کیا کہ رفتہ رفتہ ان کا شمار معتمدین ریاست کے زمرہ میں ہونے لگا۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں رانائے میواڑ کو سفید ہاتھی کے شوق نے ایک ایسے شخص کا متلاشی کیا جو مہارانا کی مرضی کے موافق ہاتھی لا سکتا۔ لودھی پٹھانوں کے لیے یہ بہت اچھا موقع تھا۔ چنانچہ ان میں سے لودھی احمد خان اور محمود خان نے مہارانا سے عرض کی کہ

"اگر یہ خدمت ہمیں سپرد کی جائے تو ہم اس کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں"

سامان جنگ | چونکہ یہ لوگ ملک میواڑ اور دیگر اضلاع راجپوتانہ میں پوندہ (سوداگر) کے نام سے مشہور تھے اور اسی تجارت کے ذریعہ سے مہارانا کے حضور میں تقرب بھی حاصل کیا تھا، مہارانا نے ان کی درخواست فوراً قبول کر لی اور انکی وجاہت ظاہری پر نظر کر کے مصارف راہ اور ہاتھی کی قیمت کے متعلق بلا تامل ایک معقول رقم ان کے حوالہ کر دی جب اس طریقہ سے لودھیوں کے ہاتھ زر خطیر لگا تو انھوں نے سامان جنگ مہیا کر کے اس خیال سے کہ "جب تک ہم اپنے ولی نعمت کے خاندان میں سے کسی کو ریاست جالور پر قائم نہ کرینگے، ہماری اور ہماری اولاد کی پیشانیوں پر سے وہ بدنما داغ نہیں مٹ سکتا جو ان کے خاندان میں سے ریاست نکل جانیکے سبب لگا ہوا ہے" بلوچوں پر چڑھائی کرنے کا مضبوطی کے ساتھ ارادہ کر لیا۔

تلافی مافات | خدا کی شان ہے کہ جس طرح پٹھانوں کے دل میں خاندان ہیتانی کا خیال پیدا ہوا اور وہ اس فکر میں مصروف ہوئے کہ اس خاندان میں سے کسی کو تلاش کر کے فرمانروائے ریاست بنانا چاہیئے اسی طرح خوبی تقدیر سے ملک خاں بھی اپنی جابرانہ کارروائی سے دل میں سخت نادم اور پشیمان تھے۔ انکا ارادہ تھا کہ اگر لودھی پٹھانوں کا کہیں پتہ لگ جائے تو اپنے بیجا تشدد کی نسبت ان سے کم از کم معافی تو مانگ لوں۔

لودھی پٹھانوں کے نام خط | خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ ملک خاں نے اسی پشیمانی کی حالت میں ایک روز لودھی پٹھانوں کے نام ایک معذرت نامہ لکھا، جس میں کمال ندامت کے ساتھ ملائم الفاظ میں اپنی گذشتہ تقصیرات کا اقرار اور

اپنی ناعاقبت اندیشی کے باعث جو رنج و تکلیف ان کو پہنچی تھی اسکا اظہار کرکے نہایت عجز و انکسار کے پیرایہ میں معافی چاہی۔ اور آیندہ کے لئے اکرام والطاف کی توقع اور مکروہات سے چشم پوشی کی اُمید دلائی۔ اور اپنے خدمتگار نورجی کے ہاتھ مع دیگر تحائف اور شیرینی کے لودھی پٹھانوں کے پاس بھیجا۔

لودھی پٹھانوں کی صاف دلی حسن اتفاق سے لودھی پٹھانوں کے پاس نورجی ملک گجرات میں کسی جگہ اُس وقت پہنچا جب وہ مہارانا کے روپیہ سے جنگی ساز و سامان درست کر چکے تھے اور ہیتانی خاندان کے باقیماندہ حقدار ریاست ملک خان کو جابجا تلاش کرتے پھرتے تھے۔ نورجی نے پٹھانوں کو خط دیا اور ملک خان کی تباہی و بربادی کی مفصل داستان بھی کہہ سنائی۔ حامل خط کی زبانی ملک خان کی داستان غم سُنتے ہی پٹھانوں کا دل بھر آیا اور اُنھوں نے بلا کسی شرط و اقرار کے ملک خان کو اپنا رئیس مختار بنا لینے کا مستقل ارادہ کر لیا اور شرعی قسموں کے ذریعہ سے ملک خان کے ملازم نورجی کی تشفی کرکے اپنی صداقت و صاف دلی کا اظہار کرنے اور گزشتہ رنج و عداوت کے دور ہونے کے ثبوت میں ملک خان کی بھیجی ہوئی مٹھائی بے تکلف کھالی۔

قوم ہیتانی کی ایک خاص صفت اور جواب خط کہتے ہیں کہ جب پٹھانوں نے مٹھائی کے آنے کو فال مبارک سمجھکر اسکے کھانے کا ارادہ کیا تو ان میں سے ایک شخص نے اس دوراندیشانہ خیال سے کہ "مبادا اس میں کوئی سمی چیز ملی ہوئی ہو" اسکے کھانے سے منع کیا۔ پٹھانوں کو اس وقت اس کا ٹوکنا بہت ناگوار معلوم ہوا اور یہ کہکر کہ "ہیتانی خاندان میں جہاں اور صفات پسندیدہ موجود ہیں، وہاں ایک یہ صفت خاص بھی ہے کہ ان میں سے کوئی شخص مکر و فریب یا دغابازی سے کسی کی ایذا رسانی اور نقصان جان کا روادار نہیں ہوتا" بلاتکلف مٹھائی کھالی۔ بعد ازاں اسی پٹھان سے ملک خان کے خط کا جواب لکھوایا۔ جس میں اپنی تمام سرگزشت بیان کرکے آخر میں یہ بھی جتا دیا کہ

"ہم شہر انہل پورپٹن کے قریب موضع کھانبھیل میں میاں سید محمودؒ کے دائرہ میں مقیم ہیں اور آپ کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ اس عریضہ کے پہنچتے ہی یہاں تشریف لے آئے۔ میاں صاحب کے حضور میں
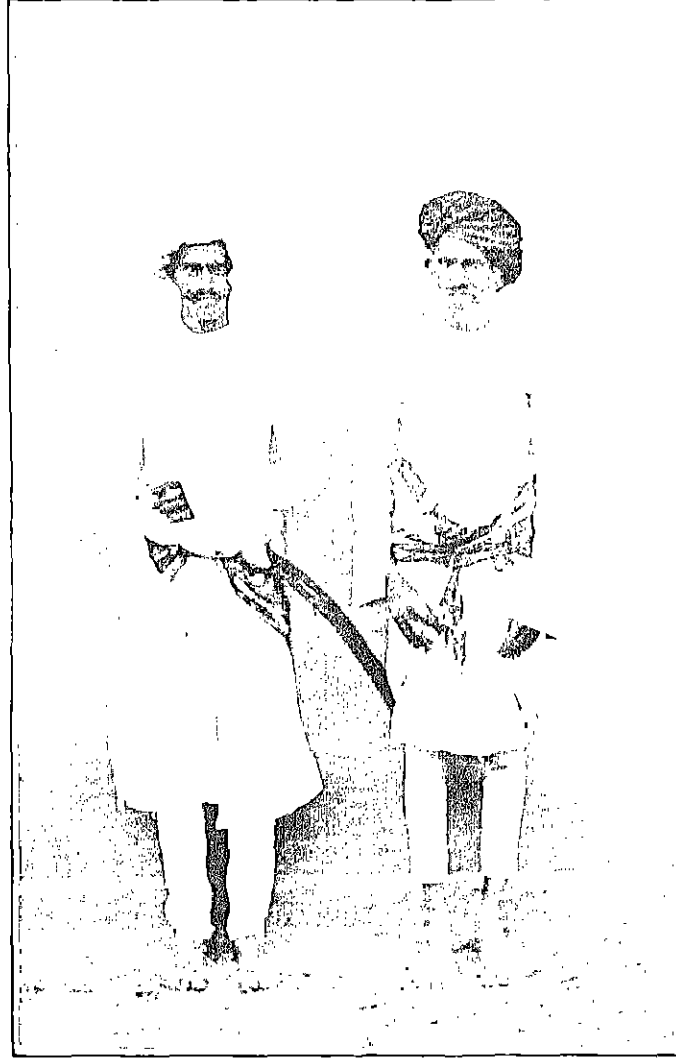
چہیل خان ـ رعیت خان ابن چہیل خان

لودھی پٹھانوں کی اولاد میں اب صرف یہہ دو شخص
باقی رہ گئے ہیں

یکدلی و یکجہتی کے ساتھ ہر ایک امر کا کافی انتظام کرلیا جائے گا۔"

صلح اور عہد و پیمان

ملک خان جوابِ خط سے مطلع ہوتے ہی فوراً کھانبیل روانہ ہوگئے اور وہاں پہنچکر ملک احمد خان اور محمود خان سے ملاقات کی اور میاں سید محمودؒ[۱] کے روبرو عہد و پیمان ہو جانیکے بعد گزشتہ رنج و عناد کی کدورت دل میں نہ رکھنے کی نسبت قسم کھا کر آپس میں صلح کرلی اور پھر سب نے یکدل و یک جان ہوکر جالور پر چڑھائی کرنیکی تیاری شروع کردی۔

میاں سید محمودؒ کے ہاتھ سے تلوار بندی

خاتم سلیمانی میں لکھا ہے کہ جس وقت جالور پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے ملک خان کے لشکر میں کمر بندی ہو رہی تھی حضرت خاتم المرشد میاں سید محمودؒ نے اپنے مبارک اور مقدس ہاتھ سے ملک خان کی کمر میں تلوار باندھی اور فرمایا کہ

"یہ تلوار حصارِ جالور کے قفل کے لئے کلیدِ فتح ہے۔ اسکی بدولت تمہارا گیا ہوا جالور کا راج پھر ہاتھ آئے گا۔ میری آج کی دعا کا اثر صرف اسی وقت کے لئے منحصر نہیں ہے بلکہ تمہارے جانشینوں کی مسند نشینی کے وقت بھی اگر میری اولاد میں سے کوئی اہل ارشاد تلوار بند ہوا کرے گا تو یہ سمجھ لینا کہ اسکی ریاست کا پایہ مجدداً مستحکم اور مضبوط ہوگیا۔ یاد رکھو کہ فقیر کی دعا تمہارے اور تمہارے خاندان کے سر پر رحمت کی طرح سایہ افگن رہے گی۔"

چنانچہ اب تک اس ریاست میں یہ دستور چلا آتا ہے کہ مسند نشینی کے وقت تبرکاً میاں سید محمودؒ کی اولاد میں سے کوئی صاحبِ ارشاد تلوار بند ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ خربانی شاخ کے بہاری پٹھانوں میں سے ایک شخص نے ملک خان کو راج تلک کیا تھا اس لحاظ سے آجتک اسی نسل کے ایک بہاری پٹھان کے ہاتھ سے راج تلک کرایا جاتا ہے

میاں سید محمودؒ کا پُراسرار عطیہ

کہتے ہیں کہ جب میاں سید محمودؒ نے ملک خان کے لئے فتحمندی کی دعا فرمائی اور فتح جالور کی

[۱] یہ زمانہ میاں سید محمودؒ خاتم المرشد کے بڑے بھائی میاں سید شہاب الحقؒ کی خلافت کا تھا اور یہ دونوں بھائی بطور نائب و مناب اتفاق و محبت کے ساتھ ایک ہی جگہ رہتے تھے لیکن چونکہ یہاں کے لوگوں میں میاں سید محمودؒ کی زیادہ شہرت ہے اسلئے اس مقام پر بھی ان ہی کا مبارک نام لکھا گیا۔ ۱۲

خوشخبری دی تو لودھی پٹھان بھی آپ سے عطائے تبرک کے آرزومند ہوئے۔ آپ نے ازراہ لطف اپنی چادر مبارک اُتار کر اسکے دو ٹکڑے کئے اور ان میں سے ایک ٹکڑا ملک احمد خاں اور دوسرا ملک محمود خان کو عنایت فرمایا۔ احمد خان جو بڑے تیز فہم اور نکتہ رس تھے اس اشارہ کو سمجھ گئے اور عرض کیا کہ

"حضرت! جو شادی ہے آبرو سے تو ہوگی"؟

جواب ملا کہ

"انشاءاللہ تعالےٰ۔ اس جہان میں بھی اور اُس جہان میں بھی"

یہ گفتگو سُنکر ملک محمود خاں بڑی دیر تک دم بخود رہے اور پھر اپنے بھائی سے متعجب ہو کر پوچھنے لگے کہ

"للہ کچھ تو مجھ سے بھی کہو۔ یہ کیا معمہ ہے"؟

احمد خاں نے جواب دیا کہ

"معمہ تو نہیں ہے۔ مگر ہاں! حضرت کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔ یعنی جس طرح ملک خان کو تلوار بند ہو کر فتحمندی کی مبارکباد دی ہے اسی طرح ہمکو یہ چادر عنایت فرمائی ہے جو بجائے کفن کے شہادت کی بشارت ہے۔ بعد ازاں میں نے دنیا کی نیکنامی کے ساتھ سلامتی ایمان اور خاتمہ بالخیر کی استدعا کی اور حضرت نے اسکی بشارت دے دی۔ انشاءاللہ تعالیٰ ہم اس لڑائی میں سُرخروئی حاصل کر کے شہادت نصیب ہونگے اور ملک خان کے سر پر فتحمندی کا پھریرا لہرائے گا"

جالور پر حملہ کی تیاری اور رن جیت نقارہ ملک خان نے بشارت پا کر جالور پر چڑھائی کی تیاری شروع کر دی اور ان جالوری سپاہیوں کو جو بلوچوں کے زمانہ تسلط سے منتشر ہو کر جابجا مخفی اور روپوش ہو گئے تھے، ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا۔ لیکن چونکہ نقارہ و نشان جو رُعب و داب قائم کرنیوالا اسامان ہے ان کے پاس موجود نہ تھا اس لئے اُنھوں نے بادشاہ گجرات کے منصب دار امیر موسیٰ خان پولادی جاگیردار پٹن وسیدھ پور سے ایک نقارہ

عاریتًا مانگ لیا۔ اس نقارہ کو "رن جیت" کہتے تھے۔ اور یہ کچھ ایسا مبارک اور فتح نصیب سمجھا جاتا تھا کہ ریاست نے اسکو تبرکًا اپنے ساتھ وابستہ کرلیا۔ چنانچہ اس وقت تک ریاست میں وہ نقارہ اور نقارہ کے ساتھ آنیوالے نقارچی موجود ہیں۔ یہ نقارچی "مرسل" کہلاتے ہیں۔ اس ریاست کے کہنہ روش اور کہنہ خیال لوگ اس نقارہ کو نہایت ہی متبرک سمجھتے ہیں۔ انکا قول ہے کہ

"جب سے یہ نقارہ ہیتانیوں کے ہاتھ لگا ہے، پولادیوں کو تنزل اور ہیتانیوں میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہوتی چلی آئی ہے۔"

باشندگان جالور کی وفاداری ملک خان کی فوجی تیاریوں کا حال جب جالور کے لوگوں کو معلوم ہوا تو ان میں سے وید۔ وڈیرا۔ لونیا۔ اور گاندھی وغیرہ مہتہ کامداروں نے، جو کئی کئی پشت سے اس خاندان کے خیر طلب اور باوفا نمکخوار تھے، ملک خان کو پوشیدہ طور پر فوجی اخراجات کے لئے روپیہ پیسہ سے مدد دی اور کہلا بھیجا کہ

"فوجکشی کے متعلق صرف بیجا و بجا کا آپ کچھ خیال نہ فرمائیں۔ ہمارا گھربار۔ مال و دولت اور جو کچھ ہمارے پاس ہے، آپ پر سے قربان ہے۔ اگر اس موقع پر مال تو مال ہماری جانیں بھی آپ کے کام آئیں تو ہم سمجھیں کہ ہم نے سب کچھ بھر پایا۔"

ایسے اہم اور مشکل موقع پر اس طرح کی مدد ملک خان کے حق میں تائید غیبی تھی۔ انکی ہمت و جرأت ایک سے دس حصّے زیادہ ہوگئی اور انھوں نے نہایت عجلت کے ساتھ سامانِ جنگ مہیّا کر کے بلوچوں پر فوجکشی کردی۔ سانچور کے قریب جب ان کا پڑاؤ ہوا تو ان کے خیر اندیش جالوری مہتہ کامداروں نے خفیہ طور پر ایک خط بھیجا۔ جو رات کے وقت ان کو ملا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ

"آپ کے مقابلہ کے لئے تقریبًا بارہ ہزار میلاوہ کی جمعیت فراہم ہوچکی ہے اور بادشاہ گجرات سے بھی درخواستِ مدد کی گئی ہے۔ قریب ہے کہ میلاوہ کی تمام جمعیت اور بادشاہ گجرات کا بھیجا ہوا لشکر بلوچوں کے پاس جمع ہوجائے، اس صورت میں ان کی طاقت بہت زیادہ بڑھ جائے گی۔ بہتر ہے کہ آپ راتوں رات ان

لشکروں کے جمع ہونے سے پہلے پہلے جالور پر دھاوا کر دیں ورنہ جس وقت بلوچوں کے پاس پورا جماؤ ہو گیا،
جالور کا فتح کرنا آپ کے لئے صرف دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ جہانتک
ہو سکے آپ نہایت تیزی کے ساتھ اپنے آپ کو جالور پہنچا لیں۔ ہم بہرحال حتی المقدور آپکی امداد کے لئے
حاضر ہیں"۔

لاسٹرہ کے میدان میں مقابلہ

ملک خان نے اپنے ہاں کے افسروں کو جمع کر کے مضمون خط سے آگاہ کیا اور
مشورۃً پوچھا کہ

"اب کیا کرنا چاہیے"؟

ان سب نے کامداروں کی رائے کو پسند کیا۔ اور بالاتفاق فوراً حملہ کر دینے کی صلاح دی۔ اسی اثنا میں سروہی
کے راؤ اودے بھان کا بھیجا ہوا راجپوت سردار رتن سنگھ دیوڑہ، جسکو لودھی پٹھانوں نے جالوری کامداروں کی
معرفت بلوایا تھا مع ڈیڑھ ہزار پیدل اور سواروں کے ملک خاں کے لشکر سے آملا۔ اور ستان کا بابھی
جالور کے دوسرے جاگیرداروں کو ہمراہ لے کر ملک خان کی فوج میں شامل ہو گیا۔ چارن مادھوجی کاوٹ کی
وساطت سے بھاکرسی اسٹ زمیندار گوندا ؤ بھی بارہ ہزار فیروزی بطور نذر پیش کر کے ملک خان کے امدادی لشکر
میں شامل ہو گیا اسی طرح علاقہ جالور کے اور بہو میہ زمیندار بھی مقام بمقام آ آ کر شریک ہوتے گئے۔ بلوچوں کو جب
ملک خان کے حملہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو وہ سبقت کر کے دس بارہ ہزار کی جمعیت سے سانچور کے
قریب آپہنچے۔ سامنے موضع لاسٹرہ کا میدان تھا اس میں فریقین کا مقابلہ ہوا۔ بلوچوں کا لشکر زمانۂ قدیم کے موافق
آراستہ کیا گیا تھا۔ ایک مست ہاتھی فوج کے سرے پر تھا۔ شیر خان اور انور خان جو اُن کی فوج کے افسرِ اعلےٰ تھے،
پالکیوں اور دوسرے بلوچ سردار رتھوں میں سوار تھے۔

ملک خان کی فتح

جس جگہ فریقین کا سامنا ہوا وہ ایک تنگ راستہ تھا جس کے دونوں طرف تھور کی باڑھ اور
ناہموار گڑھے اور ٹیلے اس طرح دور تک چلے گئے تھے کہ راستہ چھوڑ کر دائیں بائیں مڑنا بہت دشوار تھا۔ جب

بلوچی فوج کے سوار نمودار ہوئے تو ملک خان نے اپنے فوجی افسروں سے پوچھا کہ

"اگر تم فوج کے مقابلہ کی ہمت کر سکو تو میں مست ہاتھی کو پیچھے ہٹا دوں۔ اور اگر تم مست ہاتھی کے روکنے میں جسارت کرو تو میں دشمنوں کے مقابلہ پر گھوڑا اٹھاؤں"

چنانچہ افسرانِ فوج بلوچوں کے مقابلہ پر تل گئے اور ملک خان ہاتھی کے سامنے آئے اور برابر میں پہنچکر میاں سید محمودؒ کی بخشی ہوئی تلوار سے ایک ہاتھ اسکی سونڈ پر لگایا۔ ہاتھی زخم کھاکر بگڑا اور جھنجلاکر ان کے گھوڑے پر جھپٹ کرنے کو دوڑا۔ ملک خان نے نہایت عجلت کے ساتھ گھوڑے کو کاوا دیا اور اُسکے حملہ کی زد سے بچکر سانگ کا ایک ایسا کاری زخم اسکے مستک پر لگایا کہ ہاتھی چنگھاڑتا ہوا اپنی ہی فوج کی طرف پلٹا اور بدحواسی کی حالت میں گھوڑا۔ گاڑی۔ پالکی اور میانہ جو اسکے سامنے آیا اسے روندڈالا۔ اس تازہ مصیبت سے بلوچوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

ادہر تو مست ہاتھی نے بلوچوں کی فوج میں ہل چل مچاکر بددلی پیدا کردی تھی کہ اُدھر ملک احمد خان اور محمود خان کے پےدرپے حملوں نے میلادہ کی جمعیت کو تتر بتر کر دیا۔ اگرچہ یہ دونوں بھائی اس لڑائی میں کام آئے لیکن جالوری سپاہیوں نے جان توڑ توڑ کر ایسے ایسے سخت حملے کیے کہ دشمنوں کو سانس تک نہ لینے دیا۔ شیر خان اور انور خان مع کل بلوچ سرداروں کے مارے گئے اور میدان ملک خان کے ہاتھ رہا۔ لکھا ہے کہ بلوچوں کے لشکر اور میلادہ کی تعداد بارہ ہزار کے قریب تھی اور بہت سے افسر و سردار بھی ستھے، مگر اس واقعہ میں افسروں میں سے بلوچوں کے کامدار مہتہ گنگاداس کے سوا اور کوئی نہ بچا۔ جب فضل خدا اور حضرت خاتم المرشدؓ کی برکتِ دُعا سے ملک خان فتحمندی کے ساتھ اپنے کیمپ میں داخل ہوئے اور جالوری سپاہی مقتول بلوچوں کا ڈیرہ ڈنڈہ لوٹنے لگے تو گنگاداس بھی گھوڑے پر سوار میدان جنگ سے ایک طرف کھڑا ہوا اپنی بربادی کا تماشہ دیکھ رہا تھا۔ جونہی ایک جالوری سپاہی کی نظر اس پر پڑی، وہ جان بچاکر ایسا بھاگا کہ جالور کے قلعہ ہی میں پہنچکر دم لیا۔

گنگا داس کا مدار کی چالبازی

جب ملک خان سانچور پر قبضہ کرکے مظفر و منصور جالور پہنچے اور پہاڑ کی تلیٹی میں خیام لشکر نصب کیے گئے تو گنگا داس کے قلعہ بند ہونے کا حال معلوم ہوا۔ ملک خان نے اسکو قلعہ خالی کردینے کی نسبت کہلا بھیجا۔ اس گرگ باراں دیدہ نے نہایت چاپلوسی کے ساتھ کچھ حیلہ کرکے قلعہ کی کنجیاں دینے میں ایک ہفتہ کی مہلت چاہی۔ ملک خان نے، جن کے خیالات اس فتح کی خوشی کے سبب مآل اندیشی سے دور تھے، بے تامل اسکی درخواست کو قبول کرلیا۔ گنگا داس نے اس عرصہ میں جالور کے قلعہ دار سینندھل قوم کے راجپوتوں میں سے چند ذی اعتبار اشخاص کو راؤ مالدیو راٹھور والی منڈور کے پاس بھیجکر کمک کی درخواست کی اور یہ بھی کہلا بھیجا کہ

"اگر آپ مجھکو امن و امان کے ساتھ صحیح و سالم پٹن (علاقہ گجرات) تک پہنچا دیں گے تو میں قلعہ جالور کی کنجیاں آپ کے حوالہ کردوں گا۔ اور خزانہ کی حفاظت کے عوض میں ایک لاکھ فیروزی مد خرچ کے طور پر پیش کرونگا۔"

راٹھوروں کا قلعہ میں داخل ہونا

راؤ مالدیو نے جو ایک مدت سے تسخیر جالور کی فکر میں تھا، اس موقع کو غنیمت جانا۔ مدد دینے پر رضامندی ظاہر کی اور راگھا پناوت۔ لونا گنگاوت اور تلوک سی وغیرہ بہت سے نامی گرامی راٹھور سرداروں کو اسکی حفاظت و امداد کے لئے بھیجدیا۔ جب ان لوگوں نے جالور سے چھ کوس کے فاصلہ پر موضع ہرانی میں مقام کیا تو مہتہ گنگا داس ان کے پاس جا پہنچا۔ انہوں نے اسکو حفاظت کے ساتھ پٹن پہنچا دیا اور جس خفیہ راستہ کا پتہ سینندھل راجپوتوں نے انہیں بتایا تھا اسی راہ سے یہ لوگ قلعہ سونگر میں داخل ہوگئے۔

خاندان بہتانی کا جالور پر از سر نو قبضہ

قلعہ سونگر میں پہنچکر ابھی ان راجپوت سرداروں نے دم بھی نہ لیا تھا کہ ملک خان بجلی کی طرح کڑکتے ہوئے ان کے سر پر آگرے اور آتے ہی تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ راٹھور بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور سر سے کفن باندھ کر آب تیغ کے طوفان میں کود پڑے۔ کچھ عرصہ تک تو تلواروں کے گھاٹ کا پانی پیتے رہے مگر چونکہ قلعہ میں انکا قدم ابھی جمنے نہ پایا تھا، مجبوراً انہوں نے گھبرا کر قلعہ خالی کردیا اور ملک خاں نے

بفتح و فیروزی مسند ریاست پر سمت ۱۶۰۹ مطابق ۱۵۵۳ء میں متمکن ہو کر مہیتانی راج کی بنیاد از سر نو قائم کی۔

ملک خان کی جالور سے علیحدگی

راؤ مالدیو کو اس واقعہ سے جو ندامت حاصل ہوئی تھی اسکے مٹانے کے لیئے وہ اپنا تمام عیش و آرام چھوڑ کر شب و روز اسی فکر میں لگا رہتا تھا کہ کسی طرح جالور اسکے قبضہ میں آئے۔ چنانچہ اسی غرض سے اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں تمام راٹھوروں کو جمع کر کے بڑے اہتمام و سرگرمی کے ساتھ اس مہم کے سر کرنے کا ارادہ کیا اور بلائے ناگہانی کی طرح جالور کے قریب آپہنچا جب یہ حال ملک خان کو معلوم ہوا تو وہ بھی مقابلہ کے لیئے آمادہ ہو گئے لیکن نہ تو مشیروں نے ان کو لڑنے کی رائے دی اور نہ فوجی افسروں نے ان سے اتفاق کیا اس لیئے وہ بحالت مجبوری کچھ مدت کے بعد جالور چھوڑ کر پھر سانچور واپس چلے گئے اور جالور پر راٹھوروں کا تقریبًا دو برس قبضہ رہا۔

جالور پر دوبارہ قبضہ

ملک خان جالور سے علیحدہ ہو کر اپنے سسرال موضع شالی میں چلے گئے اور جالور پر قابض ہونے کے خیال سے پھر لشکر کی تیاری کی۔ قرب و جوار کے بہت سے بھومیہ زمیندار بھی اس فوج میں شریک ہو گئے اور اس عظیم الشان لشکر کو اپنی خوش نصیبی کی دلیل سمجھکر فورًا جالور پر فوجکشی کر دی اور ملک کنو کے (قریب جالور) کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔ راٹھوروں کے لشکر نے سات دن تک برابر مقابلہ کیا۔ آٹھویں روز صبح کے وقت ملک خان بھون کوٹ کا دروازہ توڑ کر شہر میں داخل ہوئے۔ راٹھور قلعہ میں چھپ کر کئی دن تک محصور رہے اور ملک خان شہر اور علاقہ میں حکومت کرتے رہے۔ آخر کار جب بارود وغیرہ سامانِ جنگ نہ رہا اور رسد کا بھی خاتمہ ہو گیا تو راٹھوروں نے تنگ آکر قلعہ خالی کر دیا اور ملک خان کو قلعہ پر پورا پورا تسلط و قبضہ حاصل ہو گیا۔

فتح جالور کی ایک اور وجہ

قلعہ جالور پر آسانی کے ساتھ قابض ہو جانے کی ایک اور یہ بھی وجہ بیان کی جاتی ہے کہ اتفاقًا محصورین قلعہ میں سے دیسی سپاہیوں اور راٹھوروں میں خانہ جنگی ہو گئی۔ طرفین کے اکثر آدمی مقتول اور مجروح ہوئے اور انجام یہ ہوا کہ وہیں لوگوں نے جو راٹھوروں سے ناراض تھے، چاپنیا اور ماٹا راجپوت

قلعہ داروں سے سازش کرکے میراں شاہ اور گوہر شاہ ویلیں کے ذریعے ملک خان کو کہلا بھیجا کہ "آپ بیدھڑک قلعہ پر تشریف لائیے۔ ہم سب آپ کی اطاعت کے لئے حاضر اور آپ کے دشمنوں سے لڑنے بھڑنے کو مستعد ہیں"

اس پیغام کے سنتے ہی ملک خان نے بڑی تیزی کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا اور طرفۃ العین میں راٹھوروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح قلعے سے باہر نکال دیا اور جب انھوں نے دہرم دوار (پناہ) مانگ کر جان بخشی کی التجا کی تو ظفر نصیب بہاری پٹھانوں نے انکا تمام مال واسباب ضبط کرکے ان کے قتل سے ہاتھ اٹھا لیا۔ بعدازاں ملک خان نے مبارک ساعت دیکھکر مسند ریاست کو از سر نو زینت بخشی۔

جالور پر میرزاؤں کا تسلط

جیٹھا جی چارن کے ہندی نوشتہ میں لکھا ہے کہ راؤ مالدیو کے بیٹے چندر سین[۵] راٹھور کی ترغیب سے ریاست جالور محمد حسین میرزا اور شرف الدین میرزا پسران سلطان میرزا نے جو بابر کی نسل کے

[۵] راؤ مالدیو کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام چندر سین اور دوسرے کا اودے سنگھ عرف موٹا راجہ تھا۔ چندر سین ولیعہد ریاست اور اودے سنگھ سے بڑا تھا۔ جب شہنشاہ اکبر نے انکی بہن جودہاں بائی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے اپنا منشا ظاہر کیا تو چندر سین اس نسبت سے ناراضامند ہوا۔ لیکن موٹا راجہ نے اس شرط پر اپنی بہن کا ڈولہ دینا قبول کر لیا کہ یہ تعلق قائم ہونے سے وہ مسند نشین کیا جائے۔ چنانچہ موٹا راجہ سے بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اور چندر سین کو منڈور یعنی حدود جودہپور سے خارج کر دیا۔ چندر سین نے اپنی آوارگی کے زمانہ میں اکبر کے مخالف میرزاؤں کی رفاقت اختیار کر لی کیونکہ اسکو خیال تھا کہ شاید ان کی امداد سے ریاست مارواڑ پھر حاصل ہو جائے۔ لیکن چونکہ اکبر موٹا راجہ کا طرفدار تھا اور چندر سین کی تمام کارروائیوں کو اچھی طرح سمجھتا تھا اسلئے انجام کار چندر سین کو اپنے ارادوں میں ناکام ہی رہنا پڑا۔ چندر سین اپنی آوارگی کے زمانہ میں ماولیا بھیل جاگیردار بہنائی کی حمایت میں بہنائی کے جنگلوں میں پناہ پذیر رہا کرتا تھا اور اسی طرح کبھی میڑتہ اور کبھی جالور وغیرہ حدود مارواڑ کے مختلف مقامات میں اوقات بسری کرکے سوانو کے جنگل میں مرگیا۔ اسکے مرنے کے بعد اسکی اولاد بہنائی میں آباد ہوئی اور اسکے پوتے کرم سین نے اپنے دادا کے حامی بھیل ماولیا کو قتل کرکے بہنائی پر قبضہ کر لیا۔ اس وقت سے چندر سین کی اولاد بہنائی علاقہ اجمیر میں آباد ہے۔ دفاتر سرکاری میں انکا لقب استمرار دار لکھا جاتا ہے اور ان کا اصلی خاندانی راجہ کا خطاب صرف عوام کی زبانوں پر ہی رہ گیا ہے۔ ۱۲ المولف

تیموری مغل اور اکبر کے بھائیوں میں سے تھے، چھین لی تھی۔ اس لیے ملک خان جالور چھوڑ کر سانچور میں آ گئے اور پھر موضع شاملی میں سکونت اختیار کر لی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ میرزایانِ مذکور بسبب ادعائے سلطنت، بادشاہ دہلی سے باغی ہو کر شہر ناگور پر قابض ہو گئے تھے۔ جب اُنہوں نے راو مالدیو کے مرنے کی خبر سنی تو ملک گیری کا عمدہ موقع سمجھ کر اضلاع مارواڑ میں سے قصبہ میڑتہ پر حملہ کیا۔ راؤ چندر سین نے جو بادشاہ دہلی کی ناراضی اور اپنے بھائی موٹا راجہ کی عداوت کے سبب ہر طرف سے دشمنوں میں گھرا ہوا تھا میڑتہ کے تحفظ سے عاجز ہو کر میرزاؤں سے صلح کر لی جس سے میڑتہ پر چندر سین کا قبضہ بحال رہا مگر اس نے میرزایانِ مذکور کو جالور چھین لینے کی ترغیب دی۔ اور نیز مصارف فوجکشی کے عوض سوا لاکھ فیروزیاں بھی پیش کیں۔

ملک خان سے قلعہ جالور کا پھر نکل جانا

میرزاؤں نے جنھیں اس حالت میں پناہ کے لیے ایک مستحکم قلعہ کی ضرورت تھی، چندر سین کی رائے بہت پسند کی اور میڑتہ سے کوچ کر کے جالور پر جو اسوقت ملک خان کے قبضہ میں تھا حملہ کیا۔ ملک خان نے اس خیال سے کہ وہ خاندان شاہی سے تھے، ان کے مقابلہ میں ہتیار اُٹھانا مناسب نہ سمجھا اور سمت ۱۶۱۵ مطابق ۹۶۷ھ ۱۵۵۹ء میں جالور چھوڑ کر موضع شاملی میں چلے آئے۔ اور اُنکا وزیر اودے خان ابن محمود خان لودہی پرگنہ سانچور کے محاصل کا نصف شاملی ہی میں ان کو پہنچا دیا کرتا تھا۔

میرزاؤں نے قلعہ جالور پر مسلط ہو کر اضلاع دہلی کو تاخت و تاراج کرنا شروع کیا۔ چونکہ اکثر اوقات شرف الدین میرزا اپنی حرموں سمیت قلعہ جالور میں رہتا تھا اور محمد حسین میرزا دہلی کے قرب و جوار میں لوٹ مار کیا کرتا تھا اس لیے شہنشاہ اکبر نے ان کی سرکوبی کے لیے نواب صادق محمد خان[۵۱] بھڑبھونجے کو ایک جرّار لشکر کا سردار بنا کر روانہ کیا۔

میرزاؤں کا تخلیہ جالور

محمد حسین[۵۲] میرزا افواجِ شاہی کے تعاقب سے گھبرا کر اضلاع دکن کی طرف بھاگ جانے کے

[۵۱] چونکہ نواب صادق محمد خان کے پاس بہت بھاری توپخانہ تھا اور وہ میدان جنگ میں فوج مخالف کو اناج کی طرح بھون ڈالا کرتا تھا اسلیے عوام میں اسکا لقب بھڑبھونجہ مشہور ہو گیا۔

[۵۲] یہ وہی محمد حسین میرزا ہے جس نے جالور چھوڑنے کے بعد اختیار الملک گجراتی کے ساتھ شریک ہو کر میرزا عزیز صوبہ دار گجرات کو احمد آباد میں قلعہ بند کیا تھا جسکی کمک پر

ارادہ سے علاقۂ مارواڑ میں ہوتا ہوا صوبۂ مالوہ میں کسی مقام پر ٹھہرا اور اپنے بھائی شرف الدین میرزا کو جالور سے اپنے پاس بلالیا۔ اتفاقاً اثنائے راہ میں سلاطین گجرات کے ایک معتمد امیر چنگیز خان ولد عماد الملک سے، جو ملک گجرات میں بڑودہ۔ چانپانیر اور سورت کا صوبہ دار تھا ان کی ملاقات ہوگئی اور اسکے ذریعے سے یہ دونوں بھائی سلطان نتھو مظفر[۱۵] کی حمایت میں چلے گئے۔

ملک خان کا جالور پر سہ بارہ قبضہ اور توسیع ریاست

میرزاؤں کے جالور سے چلے جانیکے بعد ملک خان نے جب میدان خالی پایا تو سمت ۱۶۲۳ مطابق ۹۷۵ھ ۱۵۶۷ء میں اپنی کمینگاہ موضع شاملی سے آکر جالور میں پھر اپنا عمل و دخل کرلیا اور اپنے حسن انتظام سے حدود جالور کو بہت کچھ وسعت و ترقی دی یعنی اضلاع مارواڑ میں سے ناگور وغیرہ جو جو پرگنات راٹھوروں سے میرزاؤں نے چھین لئے تھے اُن پر میرزاؤں کے چلے جانے کے بعد بھی ملک خان نے اپنا ہی قبضہ رکھا اور ناگور کا قلعہ بھی ان ہی کے زمانۂ حکومت میں ازسرنو تعمیر کیا گیا۔

علاوہ ازیں راؤ سرتان والی سروہی کو اپنی اعانت سے دوبارہ ریاست سروہی پر مسند نشین کرکے پرگنات ڈوڈیالی سوانہ۔ لوہیانہ اور بڑگاؤں اپنی حکومت میں شامل کرلئے۔

سرتان سنگھ والی سروہی

پرگنات مذکورہ بالا اپنی حکومت میں شامل کرلینے کا ملک خان کو اُس وقت موقع ملا تھا جب ریاست سروہی میں مسند نشینی کے متعلق باہم جھگڑے اور خانہ جنگیاں ہو رہی تھیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ جب راؤمان سنگھ والی سروہی کو اسکے ایک خدمتگار کلا نے کٹاری سے سخت زخمی کیا اور وہ قریب المرگ ہوگیا تو ارکانِ دولت نے اس سے دریافت کیا کہ

"آپ کی نسل میں کوئی شخص وارث اور مستحق ریاست نہیں ہے آپ کس کو اپنا جانشین قرار دیتے ہیں؟"

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سنہ ۹۸۱ ہجری میں شہنشاہ اکبر شتر سواروں کا لشکر لیکر یلغار کرتا ہوا نو دن کے عرصہ میں احمد آباد پہنچا تھا۔ اس یلغار کو ملک خاں سے جس قدر تعلق ہے وہ متن میں اپنے موقع پر لکھا جائے گا۔۱۲

[۱۵] سلاطین گجرات میں یہ آخری بادشاہ گزرا ہے۔۱۲

مان سنگھ نے جواب دیا کہ

"میں چاہتا ہوں کہ بھان سنگھ دیوڑہ کا بیٹا سرتان سنگھ جو موضع پامیرہ میں رہتا ہے، میرے بعد میرا وارث اور ریاست کا والی سمجھا جائے۔"

راؤ مان سنگھ کی وصیت کے بموجب اسکے مدار المہام وجاجی دیوڑہ نے سرتان سنگھ کو موضع پامیرہ سے لاکر برائے نام مسند نشین ریاست کر دیا اور راج کے کل کاروبار کا انتظام اپنے قبضہ میں رکھا۔ چونکہ دیوڑہ وجاجی اس ریاست میں پہلے ہی سے قوت یافتہ تھا اور نیز راؤ سرتان کو اسی نے مسند ریاست پر قائم کیا تھا اس لیے راؤ سرتان کی اسکے سامنے کوئی حقیقت اور وقعت نہ تھی۔ دوسرے راؤ سرتان بھی مسند نشینی کے غرور میں اپنے آپکو بہت کچھ سمجھنے لگا تھا۔ انجام اس خود بینی و نخوت کا یہ ہوا کہ آپس میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی۔ یہانتک کہ وجاجی دیوڑہ نے سوجاجی دیوڑہ کو جو سرتان کے جان و مال کا محافظ تھا قتل کر کے سرتان کو مسند ریاست سے اُتار دیا اور راناپرتاب سنگھ والی میواڑ کی حمایت سے اپنی مسند نشینی کی کوشش کرنے لگا۔

راؤ لاکھا جی کی نسل سے ایک شخص کلاجی تھا۔ اس نے جب یہ معاملہ دیکھا کہ ہر ایک مسند نشینی کے سودے میں مبتلا ہے تو خیال خام کی ہوائیں بھر کر خود بھی مسند نشینی کا دعویٰ کر بیٹھا اور اپنے اس ارادہ کو پختہ کر کے شہنشاہ اکبر کے حضور میں اپنا یہ دعویٰ درجہ استحقاق کو پہنچا دیا اور مسند نشین ہونے کی سند بھی حاصل کر لی وجاجی دیوڑہ نے اپنے پانسہ کو پلٹا ہوا دیکھکر اور کلاجی کی خبر آمد سنکر سروہی کے خزانہ اور مہادیو کے شوالہ سے جس قدر مال لیجا سکا لے کر ایڈر چلا گیا۔ کلاجی بادشاہی سند کے ذریعے سے سروہی میں آکر مسند نشین ریاست ہوا اور چیبا قوم کے راجپوتوں کو وزارت کا عہدہ دیا۔ مگر چونکہ قوم چیبا اور آن ڈونگراوت راجپوتوں میں جو سروہی کے رہنے والے تھے، قدیم سے دشمنی چلی آتی تھی اسلئے یہ ڈونگراوت راجپوت قوم چیبا کے دیوان ہونے سے راؤ کلاجی سے بھی ناراض ہوگئے اور دوداوت وغیرہ راجپوتان سروہی کے ساتھ متفق ہو کر موضع رامسن میں چلے آئے اور وجاجی کو ایڈر سے بلا کر اُسکی وساطت سے راؤ سرتان مسند نشین سابق کو از سر نو مسند نشین کرنے کے متعلق مشورہ کیا۔

جب راوسرتان کے مسند نشین کرنے کی رائے قرار پا چکی تو سب نے ملکر اسکو امن میں بلایا اور ر دجاجی نے ملک خان سے امداد کی درخواست کرکے مصارف فوجکشی کے علاوہ مذکورہ بالا چار پرگنات لکھ دیے۔ راؤ کلاجی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو سروہی چھوڑ کر موضع کالندری میں جا ٹھیرا۔ وہاں بہت بڑی لڑائی ہوئی جس میں بیشمار چیپا راجپوت مارے گئے۔ اور کلاجی شکستِ فاش کھا کر میواڑ کی طرف بھاگ گیا۔ ملک خان کے لشکر نے سروہی آکر راوسرتان کو بارِ دگر مسند نشین کیا اور اس امداد کے معاوضہ میں راوسرتان اور اس کے وزیر دجاجی نے علاقہ سروہی میں سے جو حصہ لکھ دیا تھا، ملک خان نے اُسپر قبضہ کرلیا۔

ملک خان کی پالیسی

ملک خرّم خان بانیِ ریاست جالور کے عہد حکومت سے ملک خان کے زمانہ تک یعنی سمت ۱۵۵۱ مطابق ۷۹۶ھ / ۱۳۹۴ء اور سمت ۱۶۳۲ مطابق ۹۸۴ھ / ۱۵۷۶ء کے درمیان تقریباً پونے دوسو برس ریاست جالور کا تعلق سلاطین گجرات کے ساتھ رہا لیکن جب ملک خان کے زمانۂ حکومت میں شاہانِ گجرات کی سلطنت میں ضعف آگیا اور ہندوستان میں سلاطین چغتائیہ کا نیّرِ اقبال چمکا تو ملک خان نے بھی زمانہ کی ہوا کا رخ دیکھکر پولیٹیکل مصلحت سے ان کے ساتھ ربط وضبط پیدا کیا اور ان کے متعلقوں کے ساتھ شیر وشکر ہوکر ہر صورت انکی خوشنودیِ مزاج حاصل کی یہی وجہ ہے کہ سلطنتِ گجرات کے آخری زمانہ میں جب امرائے گجرات امید وبیم کی لہروں کے تھپیڑے کھا رہے تھے اور اکثر نامی وگرامی رؤسا کا بیڑا معزولی اور برطرفی کے سمندر میں غوطے لگا رہا تھا، یہ ریاست فضل خدا کی ناخدائی سے صحیح وسلامت اور جیسی تھی ویسی ہی رہی۔

چونکہ شہر جالور دہلی اور گجرات کے وسط میں واقع تھا اور امرائے شاہانِ مغلیہ کی آمد ورفت کا بھی راستہ بھی تھا اس لئے ملک خان کو ہر وقت شاہانِ دہلی اور ان کے امرا و وزرا سے راہ ورسم پیدا کرنے کا نہایت عمدہ موقع حاصل تھا چنانچہ ۴۲ ربیع الاول ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء مطابق سمت ۱۶۲۹ بکرمی کو جب شہنشاہ اکبر نے میرزاؤں کا فساد مٹانے کے لئے فتح پور سیکری سے یلغار کی اور گجرات جاتے ہوئے جالور میں مقام کیا تو ملک خان نے لشکر شاہی کی کچھ ایسی خلوص نیت سے آؤ بھگت کی کہ شہنشاہ کے دل میں ان کی جگہ ہوگئی اور شہنشاہ ان کو

نہایت وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے، یہاں تک کہ اکبر نے ملک خان کو اپنے لشکر کے ہراول میں بطور رہبر کے مقرر کیا اور فتح گجرات تک ملک خان لشکر شاہی میں رہے۔ بقول صاحب مرآۃ احمدی مرزا حسین کے مقابلہ میں ہاپاجی چارن نے اکبر کی فوج کا دل جو اسکے خاندان کے جانباز بہادروں کی تعریف سے بڑھا کر جان توڑ توڑ کر لڑنے پر آمادہ کیا تھا، چارنوں کا بیان ہے کہ ہاپاجی کو یہ خیال ملک خان ہی کے اشارہ سے پیدا ہوا تھا۔

انتقال — ملک خان نے اپنی باقیماندہ زندگی نہایت فراغبالی اور اطمینان کے ساتھ گزار کر سمت ۱۶۳۲ مطابق ۱۵۷۶ء ۹۸۴ھ میں اس دار فانی سے سفر آخرت اختیار کیا۔

اوصاف وعادات — ملک خان مصیبت کو جھیلنے والی طبیعت اور میدان جنگ میں مستقل دل رکھتے تھے۔ اُنکے اوضاع واطوار میں سادگی اور سنجیدگی تھی۔ وہ تکالیف اور عسرت میں خوش باش۔ راحت ودولت مندی میں فیاض وہر دلعزیز تھے۔ ساتھ ہی فقیر دوست اور منکسر المزاج بھی تھے خصوصًا فقرائے گروہ مہدویہ سے انکو زیادہ محبت اور سچی عقیدت تھی چنانچہ خود ان کے مرشدزادہ میاں سید اشرف قدس اللہ سرہٗ نے اپنے ایک مکتوب میں جو غزنی خان کو ان کے فرزند بہار خان کی تعلیم کے بارہ میں تحریر کیا تھا، ملک خان کی ارادتمندی و حسن عقیدت کا بہت کچھ اعتراف کیا ہے۔

غزنی خان ثانی ابن ملک خان

مسند نشینی ملک خان کی وفات کے بعد ان کے خلف الرشید غزنی خان سمت ۱۶۳۲ مطابق ۹۸۴ھ ۱۵۷۶ء میں کہ عین شباب کا عالم تھا، مسند نشین ریاست ہوئے۔ داؤد خان ولد احمد خان لودھی کو جوان کے والد کا مشیر رہ چکا تھا، انھوں نے اپنے عہد حکومت میں وزارت کے عہدہ پر مقرر کیا اور مسند نشینی کی خوشی میں ماوہاجی کلوٹ قوم چارن کو لاکھ پسا اور موضع ہرموا انعام میں بخشا۔

غزنی خان در مجدد ریاست" جس طرح ابتدا یعنی دور اول میں ملک خرم خان یا یوسف خان بادشاہ گجرات سے مسند ریاست کی مستقل سند حاصل کر کے مجدد ریاست ہوئے ہیں اسی طرح غزنی خان کو بھی دوسرے دور میں گویا اس ریاست کا مجدد کہنا چاہیے۔ انھوں نے سلطنت گجرات کے خاتمہ پر جو در اصل اس ریاست کے

ديوان غزني خان ثاني

دورِ ثانی کی ابتدا سے بادشاہ دہلی کے دل میں گھر پیدا کر کے از سر نو اپنی موروثی ریاست جالور کی سند باضافہ پالن پور و ڈیسہ وغیرہ مع لقب "دیوان" خطاب "خان" اور صوبہ داری لاہور کے حاصل کی اور جس طرح ان کے بزرگ سلاطین گجرات کے دربار میں معزز و ممتاز تھے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ امتیاز کے ساتھ امرائے اکبری میں انکا شمار ہونے لگا۔

سلطنت گجرات اور غزنی خان کا اقتدار سلطنت مغلیہ سے تعلقات پیدا کرنے سے پہلے غزنی خان کو شاہانِ گجرات کے آخری عہد میں جو شان و شوکت حاصل تھی اسکا صحیح اندازہ نقشۂ ذیل سے بخوبی ہو سکتا ہے جو تاریخ مرآۃ احمدی جلد اول صفحہ ۲۴ و ۲۵ سے مرتب کیا گیا ہے۔

فہرست محاصل جاگیر و جمعیت سواران متعلقہ غزنی خان لوہانی

نمبر شمار	نام پرگنہ	رقم محاصل	تعداد سواران راجپوت زمیندار جو غزنی خان کے زیر حکومت تھے	کیفیت
۱	جالور مع توابع یعنی ساچور وغیرہ	۳۰۰۰۷۰ تین لاکھ ستر روپیہ	٠	جالور کے متعلق دار الضرب اور چنگی کی آمدنی محاصلات گیارہ پرگنات اور چھ سو دیہات تھے
۲	علاقہ جودھ پور کا کچھ حصہ	۲۰۰۰۷۵ دو لاکھ پچھتر روپیہ	تین ہزار سوار	
۳	علاقہ ناگور نصف اراضی	۲۵۵۰۰۰ دو لاکھ پچپن ہزار روپیہ	دو ہزار سوار	
۴	پرگنہ میڑتہ نصف اراضی	۲۴۴۸۵۰ دو لاکھ چوالیس ہزار آٹھ سو پچاس روپیہ	دو ہزار سوار	

گویا اس دس لاکھ روپیہ کی آمدنی کے علاقہ پر ان کی حکومت تھی۔ اور سات ہزار سواروں کی جمعیت سے سلاطین گجرات کے امرا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ لیکن سواروں کی یہ تعداد جو اوپر لکھی گئی ہے غزنی خان کی کُل فوجی طاقت کی تعداد نہیں ہے بلکہ یہ غیر معمولی امدادی جمعیت کی تعداد ہے جسکو یہاں کی اصطلاح میں "میلاوہ" کہتے ہیں۔ کیونکہ مسلمان بادشاہوں کا اکثر یہ معمول تھا کہ جب کوئی ہندو زمیندار مطیع ہوتا تو اُس سے یہ شرط کی جاتی تھی کہ ضرورت کے وقت ناظم صوبہ یا کسی اور حاکم شاہی کے ساتھ جمعیت مقررہ سے خدمت شاہی میں حاضر رہے اور یہ دستور ایسا عام ہو گیا تھا کہ علاوہ بڑے بڑے راجاؤں کے ادنی ادنی زمینداروں کو بھی اسی شرط پر باجگذار بنایا جاتا تھا۔ چنانچہ یہ سات ہزار سواروں کی جمعیت ان ہی زمینداروں کی امدادی فوج تھی جو غزنی خان کے زیر حکومت شاہی خدمات کے لئے ہر وقت کمربستہ رہا کرتی تھی۔

غزنی خان اور خان خاناں ہندی نوشتوں سے ثابت ہے کہ غزنی خان کے زمانۂ حکومت میں امرائے گجرات نے سلطان ننھو مظفر کو تخت نشین کر کے تمام ملک میں فساد کی آگ لگادی تھی جب دہلی کے بادشاہ اکبر اعظم نے اس ہنگامہ کی خبر سُنی تو نواب بیرم خاں کے بیٹے مرزا عبدالرحیم خانخاناں کو ایک جرار لشکر دیکر اس مہم پر نامزد کیا۔ خانخاناں دہلی سے روانہ ہو کر منزلیں طے کرتا ہوا بھینمال (علاقہ جالور) پہنچا۔ غزنی خان ملنے گئے۔ خانخاناں نے نہایت تپاک کے ساتھ ان سے ملاقات کی۔ ان کو اور ان کے ہمراہیوں کو خلعت فاخرہ عنایت کئے اور اثنائے گفتگو میں کہا کہ

"جس طرح تمہارے والد ملک خان نے خدمات شاہی بجا لا کر بندگان حضور کی خوشنودی حاصل کی تھی، اُسی طرح اگر تم بھی اس یورش میں ہمارا ساتھ دوگے تو میں تمہاری خیر خواہی اور حسن خدمت کے صلہ میں تمہاری ترقی اعزاز اور جالور کے برابر اضافۂ جاگیر کے لئے حضور سلطانی میں سفارش کرونگا۔"

غزنی خان ایک نوجوان مگر مآل اندیش رئیس تھے۔ خانخاناں کی باتیں سنکر کسی قدر فکر مند ہوئے لیکن چونکہ فوراً جواب دیدینا اور اعیانِ ریاست کی صلاح ومشورت کے بغیر کچھ کر بیٹھنا خلاف مصلحت تھا اس لئے اس تذکرہ کو باتوں میں ٹالکر رخصت کے وقت صرف یہ کہدیا کہ

"آپنے جو کچھ ارشاد فرمایا میں اسپر غور کرکے کل جواب دونگا"

خانخاناں سے رخصت ہوکر جب غزنی خان اپنے مقام پر آئے تو ارکان ریاست اور دوسرے صلاح کار وں کو بلاکر جلسہ مشورت آراستہ کیا۔ محمد خان بھتیانی اور داؤد خان لودھی وغیرہ اہالیان ریاست نے بالاتفاق کہا کہ "ہمنے کبھی بادشاہ دہلی کی اطاعت نہیں کی۔ ہم ابتک سلاطین گجرات کے ظل حمایت میں رہکر مستقل طور پر زمیندارانہ ریاست کرتے چلے آئے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ بیٹھے بٹھائے بادشاہ دہلی کی متابعت کا بوجھ اپنی گردن پر لیں"

غزنی خان نے ہرچند سمجھایا اور زمانہ کے نشیب وفراز دکھاکر کہا کہ

"اب بغیر مغلوں کی اطاعت کے زمیندارانہ ریاست کرنا دشوار بلکہ غیر ممکن ہے کیونکہ قرب وجوار کی اکثر ریاستیں مطیع ہوتی جاتی ہیں"

لیکن عمائدین ریاست اپنی ہی ضد پر اڑے رہے اور اپنی ہی رائے کی تائید کئے چلے گئے۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ بالفعل کچھ بہانہ کرکے خانخاناں کو ٹالدینا چاہئے۔ آیندہ جیسا مناسب ہوگا کیا جائیگا۔ چنانچہ اس مشورہ کے موجب دوسرے روز غزنی خان نے خانخاناں کے دربار میں جاکر بادلِ ناخواستہ یہ عذر پیش کیا کہ

"فی الحال میرے ساتھ جنگی سامان نہیں ہے۔ اگر اجازت ہو تو جالور جاکر اسکا انتظام کروں اور میدان جنگ کے لئے ہر طرح سے تیار ہوکر دومنزلہ کرتا ہوا اثنائے راہ میں آپسے آملوں"

خانخاناں ایک نہایت بیدار مغز اور بات کو تاڑجانے والا شخص تھا۔ سمجھ گیا کہ غزنی خان کا یہ حیلہ محض عذر لنگ ہے۔ مگر چونکہ اسکو بعجلت گجرات پہنچنا تھا اس معاملہ میں زیادہ ردوقدح خلاف مصلحت سمجھکر خاموش

ہو رہا اور کہا تو صرف یہ کہا کہ

"اچھا انکو اپنے معاملہ میں اختیار ہے"

غزنی خان نے خانخاناں کے اس پیچیدہ اور نتیجہ خیز فقرہ کو اپنی سادہ دلی سے اجازت مقبول پر محمول کیا اور رخصت ہو کر جالور چلے آئے۔

خانخاناں کا دوسرا سفر اور چالبازی

خانخاناں بنگال سے چلکر گجرات آیا اور فتنہ و فساد کو مٹاتا ہوا مالوہ کی راہ سے لاہور میں شہنشاہ اکبر سے جا ملا۔ کچھ مدت کے بعد سمت ۱۶۳۳ مطابق ۹۸۹ھ / ۱۵۸۱ء میں پیشگاہ شہنشاہی سے خانخاناں کے نام گجرات جانے کے لیے پھر حکم صادر ہوا۔ یہ غزنی خان کی بے اعتنائی سے جلا ہوا تو تھا ہی، اس موقع کو غنیمت سمجھا اور بادشاہ سے غزنی خان کی شکایت کر کے کسی بہانہ سے اُنکے گرفتار کر لینے کی اجازت حاصل کر لی۔ اور ملتان پہنچکر تالیف قلوب کے لیے غزنی خان کو ایک خط بھی لکھا جس میں اُن کی بہادری کی تعریف کر کے معاملہ مرجوعہ کی طرف ترغیب دلائی گئی تھی۔ اور لکھا تھا کہ

"جہاں پناہ تم سے بہت خوش ہیں۔ واجب ہے کہ تم فوراً میڑتہ میرے پاس آؤ اور آیندہ نوازشات سلطانی کے اُمیدوار بنو"

اس خط کے ساتھ محمد خان بیتانی اور داؤد خان لودھی وغیرہ امرائے ریاست کے لیے خلعتہائے فاخرہ بھی بھیجے گئے تھے۔

غزنی خان اس چال کو کیا جانتے تھے، خانخاناں کی ظاہرداری اور تملق کو نہ سمجھے اور بلا امتیاز نیک و بد تحائف مرسولہ قبول کر کے اپنے چند معزز رشتہ داروں اور ممتاز ملازموں کو خانخاناں کی مہمانداری کے لیے بے کھٹکے میڑتہ روانہ کر دیا اور بعد میں خود بھی بڑے تزک و احتشام کے ساتھ میڑتہ کے قریب موضع دہوناڑہ میں پہنچکر اقامت گزیں ہوئے۔ خانخاناں بظاہر ان سے کمال محبت اور اخلاق کے ساتھ پیش آیا۔ مگر خلعت وغیرہ دے اور دھوکہ میں ڈالنے کے لیے ان کو یہانتک اپنے مزاج اور دربار میں دخیل بنایا کہ مارواڑ اور

حدود گجرات کے زمینداروں کی ملاقات ان ہی کے توسل سے ہونے لگی۔ چنانچہ راؤ سرتان کا باپ نے بھی ان ہی کے ذریعے سے دربار خانخاناں میں باریابی حاصل کی اور ان ہی کی سفارش سے خانخاناں نے اسکو خلعت اور گھوڑا مرحمت کیا۔

خانخاناں کے منصوبوں سے آگاہی اور آپس کا مشورہ

خانخاناں کی یہ غیر متوقع اور غیر معمولی مہربانی اور مخصوص عنایتیں دیکھکر غزنی خان کے دوراندیش مشیر تاڑ گئے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے اور مشتبہ ہو کر آپس میں اشارتاً اور کنایتاً کہنے لگے کہ

"اس دفعہ خانخاناں کی نیت خراب معلوم ہوتی ہے خدا خیر کرے"

شدہ شدہ ان لوگوں کے خیال و گمان کا حال غزنی خان کے کان تک بھی پہنچا اور اب ان کو بھی اس معاملہ میں کچھ شک سا پیدا ہو گیا۔ دل کے مشورہ سے اپنے معتمد اور خیر اندیش مصاحبوں کو بلایا اور مجلس مشورت میں بیٹھکر خانخاناں کے سبز باغ دکھانے کا اصلی منشا ظاہر کیا اور کہا کہ

"مجھے اب خانخاناں کی کل کارروائیاں دھوکہ کی ٹٹی نظر آتی ہیں۔ مناسب ہے کہ ہم یہاں سے مخفی طور پر جالور چلے جائیں اور سامان جنگ تیار کر کے شاہی فوج کا راستہ روک لیں۔ شاید یہ تدبیر خانخاناں کو صلح پر مجبور کر دے۔ یا اگر صلاح ہو تو ملاقات کے وقت خانخاناں کا کام تمام کر کے مغلوں کی ہمت توڑ دوں"

تاج خاں ہیتانی۔ محمد خان ہیتانی اور داؤد خان لودھی وغیرہ یہ سنکر کانپ اُٹھے اور کہنے لگے کہ

"للہ پھر ایسی بات منہ سے نہ نکالئے گا۔ دیوار ہم گوش دارد۔ مبادا۔ اسکی بھنک خانخاناں تک جا پہنچے اور مفت میں لینے کے دینے پڑ جائیں"

خانخاناں کے جاسوس

اگرچہ غزنی خان کی زبان سے یہ ناعاقبت اندیشانہ الفاظ نکلتے ہی اُنکے خیر خواہوں نے اُنھیں آیندہ اس قسم کی باتوں سے روک دیا تھا اور وہ بھی کچھ سمجھکر خاموش ہو گئے تھے لیکن قیامت

یہ ہوئی کہ خانخاناں کے جاسوس جو وہم و وسواس کی طرح ہمیشہ لگے ہی رہتے تھے، اس مشورہ سے واقف ہوگئے اور اُنہوں نے جاکر فوراً یہ تمام کیفیت خانخاناں کے کان میں ڈالدی۔ خانخاناں کچھ تو پہلے ہی سے برافروختہ خاطر تھا، یہ سنکر اور بھی آگ ہوگیا اور غزنی خان کے گرفتار کرلینے کے ارادہ کو پختہ کرکے موقع کا منتظر رہا۔ چنانچہ اسی منصوبہ کو پورا کرنیکے لئے اس نے موضع راےپور علاقہ سروہی میں چار دن قیام کیا۔

غزنی خان کی گرفتاری

راےپور[۹۵] میں قیام کئے ہوئے چوتھا روز تھا کہ غزنی خان حسب معمول خانخاناں سے ملنے کو گئے۔ دربار کے آداب و دستور کے مواقف اپنے ہمراہیوں کو ڈیوڑھی پر چھوڑ کر آپ مع محمد خان ہیبتانی کے اندر داخل ہوئے۔ خانخاناں نے کھڑے ہوکر تعظیم دی ہاتھ پکڑ کر اپنی داہنی طرف مسند پر بٹھایا اور نہایت ہی خندہ پیشانی کے ساتھ مزاج پرسی کرکے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کردیں۔ باتیں کرتے کرتے جھلاوہ دیکر کسی بہانہ سے خانخاناں اُس چوبی بنگلہ میں چلا گیا جو بارگاہ کے سامنے بنا ہوا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اُن مغلوں کو جو اس کام کے لئے پہلے ہی سے مخصوص کردئے گئے تھے، غزنی خاں کی گرفتاری کا حکم دیدیا۔

غزنی خان اس دغابازی سے بالکل بےخبر، خدا معلوم کس خیال میں بیٹھے ہوئے تھے کہ یکایک چند مسلح مغل جوانوں نے ان کو چاروں طرف سے آگھیرا لیکن ذاتی جوانمردی اور حواس بھی عجیب چیز ہیں۔ غزنی خان اس حالت میں بھی فوراً ہتیار اُٹھاکر کھڑے ہوگئے۔ تلوار چلنے لگی۔ خانخاناں کا ایک رشتہ دار غزنی خان کے ہاتھ سے مارا گیا۔ جب اس شور و غل کی آواز باہر پہنچی تو غزنی خان کے ہمراہیوں میں سے عمر شاہ۔ چاند شاہ وٹیں اور گوپال داس سیندہل راجپوت وغیرہ بھی اندر گھس آئے اور اپنے ولی نعمت کی رہائی کے لئے لڑبھڑ کر سب کے سب وہیں ڈھیر ہوگئے۔ آخرکار غزنی خان گرفتار ہوئے اور انکا لشکر جالور کی طرف بھاگ گیا۔ افسوس!

---

۹۵ انتخاب المو الیہ میں بجائے موضع راےپور کے غزنی خان کی گرفتاری کا مقام بڑگاؤں لکھا ہے۔ فی الحال یہ بڑگاؤں علاقہ مارواڑ میں ہے اور اُس زمانہ میں جالور کے متعلق غزنی خاں کے زیر حکومت تھا۔ ۱۲ المولف

یہ وہی لشکر تھا جس پر غزنی خان کو بہت کچھ بھروسہ تھا۔ دوسرے روز خانخاناں نے شاہی قیدیوں کی طرح غزنی خان کے پیروں میں چاندی کی بیڑیاں پہنائیں اور خواجہ بروی خان، ایک مغل سردار کو حکومت جالور پر مامور کر کے خود گجرات کی طرف روانہ ہو گیا۔

صاحب منتخب التواریخ کا بیان

منتخب التواریخ بدایونی میں غزنی خان کے قید ہونے کے واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ

"خانخاناں بدہ کروہے سروہی رسیدہ قصد گرفتن سروہی وجالور نمود و نظام الدین احمد و سید قاسم بارہہ آنجا باستقبال شتافتہ با جمعیت تمام رسیدند و راجہ سروہی پیشکش بسیار آوردہ ملازمت نمود غزنی خان جالوری اگرچہ دریں مرتبہ آمدہ دید اما چوں وقت رفتن خانخاناں بدربار حرکت ناملائم ازو بظہور رسیدہ آثار بغی ظاہر شدہ بود مقید ساختہ او را با حمد آباد بردو جالور را ازو انتزاع نمودہ فوج خود را در آنجا گذاشت و بعد از چندگاہے غزنی خان و سید جمال الدین نبیرہ سید محمود بارہہ را کہ از مدت چندسال باز بتقریب عشقبازی با یکے از اہل طرب خانہ سیاہ ہمیں نامی کہ حالا او را اہرمنی تواں گفت از درگاہ گریختہ در دامن کوہ رفتہ و جمعیت بہم رسانیدہ پرگنات نواحی را میتاخت و راہہا میزد عاقبت از دامن کوہ در پٹن گجرات پناہ بہ عموئے خویش سید قاسم بردحسب فرمان از پٹن کہ جاگیر سید قاسم است طلبیدہ مقید بلاہور فرستاد۔"

تدبیر رہائی

غزنی خان کے بھائی فیروز خان اس وقوعہ کے وقت جالور میں تھے۔ جب انھوں نے اپنے بھائی کی گرفتاری کا حال سنا تو اس خوف سے کہ کہیں ہم بھی اس جھپیٹ میں نہ آجائیں، اپنے تمام خویش واقارب کو ہمراہ لے کر موضع راڑدہرہ علاقہ ملانی کو چلے گئے۔ مگر غزنی خان کے ایک باوفا ملازم ڈرنگ جی ولد ابوجی کی ہمت کو آفریں اور صد آفریں کہ اس نے غزنی خان کی خبرگیری کے لئے دہلی جانیکا ارادہ کیا اور غزنی خان کی والدہ امراں بائی سے رخصت چاہی۔ امراں بائی نے کہا کہ

"اول تو دہلی جیسے غدار شہر میں غزنی خاں کی خبر ملنا مشکل ہے اور اگر خوش قسمتی سے کہیں

پتہ بھی چل گیا تو دربار شاہی میں تمہاری رسائی ایک امر محال ہے۔ میری رائے مانو تو راجہ[۵] رائے سنگھ والی بیکانیر کے پاس چلے جاؤ۔ وہ شہنشاہِ اکبر کا حضوری اور میرا ہمقوم ہے۔ میں ایک خط میں اپنی بپتا کی تمام سرگزشت لکھے دیتی ہوں۔ تم جا کر انکو دے دینا پھر جیسی انکی صلاح ہو اسپر عمل کرنا۔"

ورنگ جی کنور امراں بائی کا خط اور کچھ تحفہ و تحائف لیکر روانہ ہوا۔ دہلی پہنچکر راجہ رائے سنگھ کی خدمت میں خط وغیرہ پیش کیا اور غزنی خان کی رہائی کے متعلق گفتگو چھیڑی۔ رائے سنگھ نے براہ دوراندیشی جودھپور کے راؤ مالدیو کی بیٹی جودہاں بائی کے ذریعے سے جو اکبر کی نہایت چہیتی بیگم تھی، غزنی خان کی رہائی کے لئے کوشش شروع کی۔ چنانچہ جودہاں بائی کی سفارش انکے حق میں بہت مفید ثابت ہوئی اور غزنی خان نے تقریباً پانچ برس تک شاہی قیدخانہ میں رہکر رہائی پائی۔

غزنی خان کی رہائی

چارنوں کی روایت ہے کہ رائے سنگھ کے کہنے سے جب جودہاں بائی نے موقع دیکھکر غزنی خان کی رہائی کی نسبت بادشاہ کے حضور میں عرض کی تو بادشاہ نے فرمایا کہ

"تمکو اور رائے سنگھ کو غزنی خان سے کیا خصوصیت اور نسبت ہے، جو انکی رہائی کے لئے درخواست کرتی ہو۔"

جودہاں بائی نے کہا کہ

"حضور! غزنی خان میرا ہمشیرزادہ ہے۔"

بادشاہ نے متعجب ہو کر پوچھا کہ

"پٹھان زادہ اور راجپوت کا بھانجہ۔ اسکے کیا معنی"؟

---

[۵] راجہ رائے سنگھ، راجہ کلیان سنگھ راٹھور والی بیکانیر کا بیٹا تھا اور چونکہ اس نے اور اکبر نے جیسلمیر کے راجہ کی لڑکیوں سے شادی کی تھی اس لئے یہ دونوں ہمزلف بھی تھے۔ علاوہ ازیں یہ اکبر کے مزاج میں دخیل اور ہر وقت کا مقرب بھی تھا۔ صاحب منتخب التواریخ نے اسکو رائے سنگھ درباری لکھا ہے۔ ۱۲۔ المولف۔

جو وہاں بائی نے جواب دیا کہ

"بات یہ ہے کہ غزنی خاں کی والدہ امراں بائی راول بھیم دیو راٹھور زمیندار ضلع باڑمیر کی لڑکی ہے اور میرے بھائی پرتھی راج راٹھور سے جو جالور میں سکونت پذیر ہے، ہمقومی کے سبب کمال محبت رکھتی ہے اس لیے میں اور رائے سنگھ راٹھور غزنی خان کو مُنہ بولا بھانجہ کہتے ہیں"۔

اکبر کو قوم راجپوت سے ایک طبعی اُنس تو تھا ہی، ان لوگوں کی قرابت سونے پر سہاگہ ہو گئی اور بغیر کسی خاص کوشش کے غزنی خان کی رہائی کا حکم دیدیا۔ بلکہ غزنی خان کے ساتھ جو شاہی مجرم ہمصفیرِ قفس قید تھا وہ بھی ان کے صدقے میں رہا کیا گیا۔

شرافت کی ایک نظیر | بیان کرتے ہیں کہ پہلے صرف غزنی خان کی رہائی کا حکم صادر ہوا تھا مگر غزنی خان کی شرافت انسانیت اور حمیت نے یہ گوارا نہ کیا کہ جو اسیری کی حالت میں شریک رنج و مصیبت ہو، رہائی کے وقت اسکو بھی بچایا جائے چنانچہ جب غزنی خان نے داروغۂ محبس کی زبانی اپنی رہائی کا حکم سُنا تو صاف کہدیا کہ

"جس وقت تک میرا ہمدم و ہم نوا جسنے میرے ساتھ قید کی تکلیفیں جھیلیں ہیں رہا نہ کیا جائیگا، مجھے اپنی رہائی ہرگز منظور نہیں ہے"۔

غزنی خان کے یہ پاکیزہ اور شریفانہ خیالات جب شہنشاہ اکبر کو معلوم ہوئے تو اس نے سرِ دربار غزنی خان کے جوہرِ شرافت کا مشتری بن کر ان کی ہمتِ مردانہ اور شانِ مروت کی بیحد تعریف کی اور غزنی خان کے لحاظ سے اُس شاہی مجرم[۵۱] کو بھی کچھ دنوں تک دنیا کی ہوا کھانے کے لئے آزاد کر دیا۔ مگر چونکہ اس بدنصیب کے افعال قبیحہ نے

---

[۵۱] یہ مجرم وہی سید جمال الدین ہے جس کو خانخاناں نے پٹن سے طلب کر کے غزنی خان کے ساتھ دربار شاہی میں بھیجدیا تھا، جہاں یہ دونوں ساتھ قید رہے اور اُس کا جو کچھ انجام ہوا، ظاہر ہے۔ منتخب التواریخ میں سے جو عبارت نقل کی ہے اُس سے سید جمال الدین کے جرم کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ ۱۲۔ مولف

شہنشاہ کو نہایت ہی بدظن کر رکھا تھا اس لئے بادشاہ نے کچھ ہی عرصے کے بعد کسی بہانہ سے اسکو سولی دیکر ہلاک کرا دیا۔

مہم اٹک اور منصب چہار صدی

غزنی خان کے اس فعل کا شہنشاہ کے دل پر ایسا اثر ہوا کہ اس نے غزنی خان کو حاضری دربار کی اجازت دیدی اور وہ رائے سنگھ کے ہمراہ دربار میں جانے لگے۔ اسی اثنا میں سمت ۱۶۴۱ مطابق ۹۹۴ھ ۱۵۸۵ء میں جب مہم اٹک پر راجہ بیربر مارا گیا اور شہنشاہ نے راجہ ٹوڈرمل اور مان سنگھ کچھواہہ کو ایک عظیم الشان لشکر دے کر بیربر کے انتقام کے لئے روانہ کیا تو غزنی خان بھی راجہ رائے سنگھ راٹھور کے ہمراہ بطور ایک معزز افسر کے اس فوج کشی میں شامل تھے۔ مہم اٹک کے بعد جب لشکر شاہی کے ساتھ غزنی خان واپس آکر حاضر دربار ہوئے تو شہنشاہ نے ان کے لئے عمدہ خدمات کے صلہ میں خلعت گرانبہا عطا کر کے اپنے دربار میں اعلیٰ درجہ کی نشست مقرر کی اور اُمرائے[۹۱] چہار صدی میں داخل کیا۔

نوازشات سلطانی اور جالور واپس آنا

شہنشاہ اکبر کو جو اندنوں میں غزنی خان کے اوضاع و اطوار پر نظر ڈالنے کا موقع ملا تو اُسے انکا چال چلن کچھ ایسا اچھا معلوم ہوا کہ اس نے اپنی رضاعی بہن بانو بیگم کے ساتھ انکا عقد کر دیا۔ جسکی بابت صاحب منتخب التواریخ کا بیان ہے کہ

"آخر غزنی خان را بصبیہ میاں محمد و فاخر ایچی مرحوم کدخدا ساختہ"

بعد ازاں غزنی خان کو جنگی خدمات کے صلہ میں انکی موروثی ریاست جالور کی سند از سرِ نو عطا فرما کر بھینمال اور سانچور وغیرہ علاقہ جات منضبطہ پر سے بھی ضبطی اٹھالی اور پالن پور۔ ڈیسہ۔ دانتی واڑہ وغیرہ چار پرگنات بانو بیگم کے جہیز میں یا عطیہ خاص کے طور پر دیکر سند شاہی میں خطاب ملک کے علاوہ جو سلاطین گجرات کا عطیہ تھا، ان کے فقط بھی "خان" اور "دیوان" کے لقب کے ساتھ لاہور کی صوبہ داری[۹۲] بھی نامزد کی اور

---

[۹۱] آئین اکبری مطبوعہ مطبع نولکشور جلد اول دفتر دوم جدول بزرگان جاوید دولت نمبر ۲۱۱۔ ۱۲ مولفہ

[۹۲] امپیریل گزیٹیر آف انڈیا جلد ۱۹ صفحہ ۳۵۳۔ ۱۲۔ مولفہ

شمشیر اصفہانی عطاکردۂ شہنشاہ اکبر

جب غزنی خان مدتِ دراز کے بعد سمت ۱۶۴۵ مطابق ۱۵۸۹ء/۹۹۷ھ میں اپنی معزز بیوی کو لے کر جالور آنے لگے تو رخصت کے وقت شہنشاہ نے ان کو ایک بیش بہا خلعت مع جیغہ مرصع و شمشیر[۵۱] اصفہانی و دیگر اسلحہ گرانبہا و اسپ عراقی بازین و لجام زریں وغیرہ عطا فرمایا۔ انکی والدہ امراں بائی نے اپنے فرزند سعادتمند کو اس شان و شوکت کے ساتھ دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا اور بانو بیگم کو جنکی تقدیر سے غزنی خان کو یہ عزت و ثروت حاصل ہوئی تھی "راج رانی" کا ممتاز خطاب دیا۔ یہ مبارک خطاب ایسا مشہور ہوا اور اس قدر متبرک سمجھا گیا کہ ان کے اصلی نام کو کوئی جانتا بھی نہیں ہے اور اس وقت اکثر امرائے ریاست اپنی لڑکیوں کا یہی نام رکھتے ہیں۔

غزنی خان شاہزادہ خرم کے مشیر فوجی

شہنشاہ اکبر کے انتقال کے بعد جب جہانگیر تخت سلطنت پر بیٹھا اور ۱۶۱۳ء/۱۰۲۲ھ مطابق سمت ۱۶۶۹ بکرمی میں کہ سنہ جلوس کا آٹھواں سال تھا، اس نے اپنے ولیعہد شاہزادہ خُرّم کو جو بعد میں شاہجہاں کے لقب سے مشہور ہوا بجائے خان اعظم کے سپہ سالار مقرر کرکے رانا امر سنگھ والی میواڑ کے مقابلہ میں بھیجا تو عبید اللہ خاں صوبہ دار اور غزنی خان[۵۲] بادشاہ کی طرف سے بطور مشیران فوجی شہزادہ کے ہمراہ تھے۔ شاہزادہ بھی ان دونوں کو جہاندیدہ اور کہنہ عمل سپاہی سمجھکر مہمات فوجی میں ان ہی کی مشورت سے کام کیا کرتا تھا۔ آخر شاہزادہ نے ملک میواڑ فتح کرکے رانا امر سنگھ کے ولیعہد کرن سنگھ کو جہانگیر کے حضور میں اجمیر لا حاضر کیا اور تمام علاقہ میواڑ میں جابجا تھانے قائم کر دئے تاکہ انتظام میں استحکام پیدا ہو جائے۔ کہتے ہیں کہ اس فتح اور تھانے قائم کرنے کی رائے میں غزنی خان اور عبید اللہ خان شریک غالب تھے۔

بیجاپور میں انتقال

اس مہم کے بعد کچھ مدت تک غزنی خان بیجاپور (گجرات) کی تھانہ داری پر رہے اور وہیں مرض الموت میں مبتلا ہو کر سمت ۱۶۷۲ مطابق ۱۶۱۶ء/۱۰۲۶ھ میں انتقال کیا۔ ان کی میت جالور میں لاکر زبدۃ الملک عثمان خان کے

---

[۵۱] یہ تلوار سلاح خانۂ ریاست میں اب تک موجود ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

[۵۲] اس وقت غزنی خان بیجاپور کے تھانہ دار یعنی منتظم اعلیٰ تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ۔

مقبرہ میں دفن کی گئی۔

صورت وسیرت

غزنی خان نہایت حسین اور وجیہ رئیس گزرے ہیں۔ سیرت بھی بے نظیر پائی تھی۔ اقبالمندی ہمت۔ استقلال اور شرافت میں اپنی مثل آپ ہی تھے۔ انمیں سب سے بڑی خوبی کنبہ پروری کی تھی جو اُس زمانہ کے خودمختار رئیسوں میں مشکل سے ملیگی۔ اُنھوں نے صرف فیروز خان، اپنے بھائی اور تاج خان، اپنے بھتیجے ہی کے ساتھ سلوک کر کے انکو بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز نہیں کیا بلکہ جہانتک ممکن ہوا اپنے تمام لواحقین اور متعلقین کو حسب مراتب بہت کچھ سمجھا۔

ذکر عمارات

غزنی خان نے مسند نشین ہوکر رفاہ عام کے خیال سے تالاب۔ چاہات پختہ۔ سرائیں اور خانقاہیں وغیرہ بہت سی چھوٹی بڑی عمارتیں اور باغات جالور کے اندر اور باہر تعمیر کرائے۔ جن میں سے بعض کی تفصیل ہندی نوشتوں کے بموجب درج ذیل کیجاتی ہے۔

(۱) قلعہ سونگر پر دربار کے لئے ایک عالیشان محل اور اُسکے برابر ہی محلسرائے بنوایا تھا۔ اس محلسرائے پر سے کوہستان اور سبزہ زار کا نظارہ، جہاں رفاہ عام کے لئے باغ لگایا گیا اور کنوا تعمیر کرایا گیا، نہایت دلچسپ تھا۔ اس باغ میں ایک عمدہ خوش قطع حوض اور حوض میں قسم قسم کے فوارے اور ہزارے نصب تھے۔ اور کنوے کا نام غزنی کنوا تھا۔

(۲) اس باغ کے متصل ہی ایک تالاب کھدوا کر اسکے چارونطرف پتھر لگوائے تھے۔ اس تالاب میں پہاڑی چشمہ سے نہایت صاف اور شفاف پانی آیا کرتا تھا۔

(۳) شہر سے باہر اپنی معزز بیوی کے نام سے ایک باغ اور کنواں بنایا تھا جس کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے وقف کردیا تھا۔

(۴) اپنی والدہ امراں بائی کے نام سے ایک باغ اور ایک وسیع باوَلی تعمیر کرائی تھی جس میں ڈھور ڈانگروں کو پانی پینے کے لئے ہودے (رچہ بچہ) بنوائے تھے، جو اُس زمانہ میں کہ پانی اشرفیوں کے

تول یکتا تھا[۱۵] ہمیشہ پانی سے لبریز رہا کرتے تھے۔ اور گوشۂ باغ میں پردیسی مسافروں کی آسائش کے لئے ایک دھرم سالہ (مسافرخانہ) بنوایا تھا۔

(۵) عمارات مذکورہ کے علاوہ غزنی خان نے اپنے داماد نظام خاں اور اپنے بھانجے قاسم خاں کی قبروں پر گنبد تعمیر کرائے تھے، جو اس وقت کے فن معماری اور سنگتراشی کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

ان تمام عمارتوں پر غزنی خان نے جس فراخ حوصلگی اور فیاضی سے کام لیا تھا اس سے ان کی نیک نیتی اور دریا دلی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

---

[۱۵] اکثر حصص راجپوتانہ میں عموماً اور مارواڑ میں خصوصاً اس زمانہ میں بھی پانی کا قحط ہی رہا کرتا ہے۔ ۱۲ المولف

۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باب سیزدہم

پہاڑ خان ابن غزنی خان

فیروز خان اور راج رانی میں تنازعہ

غزنی خان نے اپنی زندگی ہی میں اپنے چھوٹے بھائی فیروز خان کو نائب ریاست مقرر کر دیا تھا اور چونکہ غزنی خان اکثر اوقات خدمات شاہی میں رہا کرتے تھے اس لئے انھوں نے ریاست کا جزوی اور کلی انتظام فیروز خاں ہی کے سپرد کر رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب غزنی کا انتقال ہوا تو ان کی بیوہ راج رانی اور فیروز خاں میں ریاست کی بابت باہم نزاع پیدا ہوئی۔ فیروز خاں نے جو اس وقت تک نائب ریاست تھے، رئیس خود مختار بننا چاہا اور اپنے اس منصوبہ کو پورا کرنے کے لئے اپنے برادر زادے پہاڑ خان کو جو درحقیقت مستحق ریاست تھے محروم کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ راج رانی کو جب ان ہتکنڈوں کی اطلاع ہوئی اور انکی ذاتی کوشش مطلب برآری کے لئے ناکافی سمجھی گئی تو وہ پہاڑ خان کو لے کر شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں

دیوان پہاڑ خان اول

گئیں اور ریاست پر اپنا استحقاق ظاہر کرکے دعویٰ پیش کیا۔ شہنشاہ جہانگیر نے اس مقدمہ کی روئداد پر کامل غور فرماکر سند ریاست مع خزانہ و دیگر مال و اسباب پہاڑ خان کو لکھدی اور فیروز خان کے گزارہ کے لئے مضافات جالور سے بھینمال اور سانچور عطا فرماکر ان کو بھی رضامند کر دیا۔

عطیہ شاہنشاہی اور مسند نشینی

چونکہ اس زمانہ میں پہاڑ خان کے پاس کوئی ہاتھی ایسا خوبصورت اور شاندار نہ تھا جو ایک خودمختار رئیس کی سواری کے قابل ہوتا اس لئے شہنشاہ نے راج رانی کی خاطر سے اپنے خاصہ کے ہاتھیوں میں سے ایک نہایت بانکا ہاتھی مع خوشنما عماری کے عنایت کیا اور جالور جانے کی اجازت دی چنانچہ سمت ۱۶۷۲ مطابق ۱۶۱۶ء میں پہاڑ خان جالور میں پہنچکر مسند نشین ریاست ہوئے۔

مہم دکن

پہاڑ خاں کے مسند نشین ہوتے ہی شہنشاہ جہانگیر نے ان کو اور فیروز خان کو خان جہاں لودھی کے ساتھ مہم دکن پر مامور کیا۔ اس مہم کے سر ہونیکے بعد خان جہاں نے بہادری کے صلہ میں فیروز خاں کو بالاپور (دکن) اور پہاڑ خان کو برہانپور کی تھانہ داری پر بھیجدیا۔ فیروز خان کی جاگیر اگرچہ مقابلۃً پہاڑ خاں کی ریاست سے بہت ہی کم تھی مگر فیروز خان نے اپنی ذاتی لیاقت اور حسن انتظام سے پہاڑ خان کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کرنے میں کامیابی حاصل کرلی تھی۔

عیش پرستی

پہاڑ خان ایک تو کم عمر تھے۔ دوسرے ان کے مزاج کی افتاد کچھ ایسی واقع ہوئی تھی کہ ان کو آزادی کا موقع دینا گویا جان بوجھ کر تباہی میں ڈالنا تھا۔ بلکہ مصلحت اور ضرورت وقت یہ تھی کہ ہر وقت انکے ساتھ ایک دانشمند۔ تجربہ کار اور خیر اندیش مشیر سایہ کی طرح لگا رہتا کیونکہ اول تو وہ رئیس زادہ۔ پروردۂ ناز و نعم۔ دوم مال و دولت کی افراط۔ سوم اٹھتی جوانی۔ بدن میں شباب کا کس بل اور اسپر ستم یہ کہ اپنے مربی و شفیق چچا فیروز خاں کے ساتھ پہلے ہی سے دشمنی۔ اس حالت میں اگر پہاڑ خان کے ولولوں اور خواہشات کو روکتا تو کون؟ کسی کو کیا غرض تھی کہ ان کی اور انکے ناقص خیالات کی اصلاح کرتا۔ ان کا ایسا دلسوز کہاں تھا جو انکو موقع بموقع زمانہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کرکے "خذ ما صفا و دع ما کدر" کا سبق پڑھاتا۔

خوشامدی پارٹی قاعدہ ہے کہ جہاں کسی رئیس زادہ کو بھولا بھالا اور خود مختار دیکھا ہزاروں جھوٹے خوشامدی اور خود غرض دوست پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ بہادر خان کے پاس بھی اسی قسم کے نانی اور زبانی احباب کا مجمع رہنے لگا۔ ربط و ضبط کے پینگ بڑھنے شروع ہوئے یہاں تک کہ خلوت و جلوت میں بھی ایسے ہی لوگ رہنے لگے۔ تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ صحبت بد نے طبیعت میں عیاشی کا مادہ پیدا کر دیا۔ ہر وقت ارباب نشاط سے محفل گرم رہنے لگی۔ عزت باختہ اور عصمت فروش عورتوں کی علانیہ آمد و رفت کے ساتھ ساغر و مینا کے دور بھی چلنے لگے۔ یہ کیفیت دیکھ دیکھ کر خیر خواہان دولت دلسوزی سے دم بخود تھے اور لہو کے سے گھونٹ پی پی کر رہ جاتے تھے۔

راج رانی کا برہان پور جانا رفتہ رفتہ یہ شرمناک حالات اڑ اڑ کر ہوا کے ساتھ ان کی والدہ کے کانوں تک پہنچنے لگے آخر کار ان کی محبت نے جوش مارا اور وہ آندھی اور مینہ کی طرح برہان پور پہنچیں تاکہ نصیحت کے چھینٹوں سے بد چلنی کے شعلوں کو ٹھنڈا کریں۔ لیکن بگڑی ہوئی طبیعت اور بدلا ہوا مزاج کہیں درست ہو سکتا ہے؟ راج رانی نے حتی المقدور بہادر خان کے سنبھالنے میں بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ دھمکایا۔ ڈرایا اور نصیحت بھی کی مگر ایک بھی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ مجبوراً یہ صلاح ٹھہرائی کہ ان کے بدچلن مصاحبوں اور ہم جلیسوں کو تنبیہ اور تہدید کرنی چاہیے لیکن جب یہ نسخہ بھی راس نہ آیا تو ناچار ان سب کو معزول کرنے کی تدبیر کی۔

راج رانی کا قتل ظاہر ہے کہ بدمعاشوں کے کان چاروں طرف لگے رہتے ہیں۔ یہ بات راج رانی کے منہ سے نکلتے ہی ان تک بھی جا پہنچی۔ اوسان خطا ہو گئے اور انجام کار سوچ کر بغلیں جھانکنے لگے مگر پھر بھی چھٹے ہوئے گرگے تھے، یہ چال چلے کہ بیٹے کو ماں کی طرف سے لگانا بجھانا شروع کیا اور بہادر خان کو راج رانی سے یہاں تک بدظن کر دیا کہ بہادر خاں کے سفلہ مزاج میں سخت اشتعال پیدا ہو گیا اور انھوں نے اپنی دوراندیشی اور عقل پر پردے ڈال کر بے سوچے سمجھے اپنی شفیق ماں کے قتل کا ارادہ کر لیا۔

اس کمینہ خدمت پر شیطان صفت السنا لوں کے پھندے میں پھنسے ہوئے بہادر خان نے راے سنگھ دیو

کھوجی داتما۔ گنگ جی و سپال اور ماوخاں چپار نمکحرام اور خودغرض ظالموں کو مقرر کر کے رات کے اندھیرے میں بے گناہ راج رانی کو قتل کرادیا۔ لاش وہیں گڑھا کھود کر دبا دی گئی اور اس جگہ ایک خیمہ استادہ کرا کے پہرہ بٹھا دیا تاکہ اس خون کا کسی کو گمان تک نہ ہو۔ مگر خون اور پھر بے گناہ کا خون رنگ لائے اور پھر لائے رات بھر تو ظالموں کے پناہ دہندہ اندھیرے نے اس واقعہ کو چھپائے رکھا صبح ہوئی تو شگوفہ بن کر خان جہاں لودھی تک پہنچا اور اس نے فوراً شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں رپورٹ کردی۔ وہاں سے حکم آیا کہ

"حسب ضابطہ مجرم کو پابجولاں، مابدولت کے پاس بھیجدو"

چنانچہ خان جہاں لودھی پہاڑ خاں کے قیامگاہ پر آیا اور دم دلاسا دے کر کسی ترکیب سے ان کو اپنے مستقر پر لے گیا اور باضابطہ مقید کر کے اپنے چند معتبر سپاہیوں کی زیر حراست دربار شاہی میں روانہ کر دیا۔

پہاڑ خاں کی گرفتاری اور تحقیقات جرم

پہاڑ خاں جب مجرم بنے ہوئے پابجولاں شہنشاہ جہانگیر کے حضور میں حاضر ہوئے تو رحم دل شہنشاہ نے انکی اٹھتی جوانی پر ترس کھا کر ارشاد فرمایا کہ

"جس کورنمک نے تمہاری والدہ کو قتل کیا ہے اسکا نام ونشان بتا کر گرفتار کرا دو تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور تم رہا کر دیے جاؤ"

شہنشاہ کا یہ تعلیمی سوال محض اس غرض سے تھا کہ پہاڑ خان حیلۂ رہائی سے واقف ہو کر اقرار جرم سے گریز کریں۔ لیکن انکے سر پر تو خون بول رہا تھا، منہ بند ہو گیا اور زبان سے نکلا تو صرف یہ نکلا کہ۔

"اپنی والدہ کا قاتل میں ہی ہوں۔ میرے سوا ان کو قتل کرنیوالا اور کون ہو سکتا ہے؟"

چونکہ انکا پیمانہ عمر لبریز ہو چکا تھا اور مجرم اقبالی کے چھوڑ دینے کی قانون بھی اجازت نہیں دیتا اس لئے مجبوراً شہنشاہ نے انکے قتل کا حکم صادر فرمایا۔

سزائے قتل

جب اس مقدمہ کے حکم اخیر کی کیفیت نورجہاں بیگم کو معلوم ہوئی تو اس نے سفارشاً بادشاہ سے عرض کیا کہ

"جہاں پناہ! یہ مجرم ایک مسلوب الحواس اور دائم الخمر شخص ہے۔ بھنگ نوشی اور مےکشی کے سوا اسکو دنیا و مافیہا کی خبر نہیں۔ کیا عجب ہے کہ نشہ کے جن نے اسکے ہاتھوں سے اسکی والدہ کا قتل کرایا ہو اور اسوقت کا اعترافِ جرم بھی اسکے بطلانِ حواس کی دلیل ہے ورنہ کہیں مجرم بھی جرم کا مقر ہوا ہے؟ میرے نزدیک شرعاً اسپر قصاص واجب نہیں ہے۔ اس لیے اگر حضور جان بخشی فرمائیں تو عین صواب ہے"

شہنشاہ کو اگرچہ نورجہاں بیگم کی خاطر ازحد عزیز تھی اور کوئی کام بھی اسکی مرضی کے خلاف کرنا قریب قریب گناہ کے سمجھتا تھا مگر چونکہ پہاڑخان کی قضا آن پہنچی تھی، نورجہاں بیگم تک کی سفارش کام نہ آئی۔ بلکہ طرّہ یہ ہوا کہ شہنشاہ نے بددماغ ہو کر فرمایا کہ

"ایسے ناشدنی خدائی خوار بدمست کی حیات و ممات یکساں ہے"

اور ان کو ہاتھی کے پاؤں سے بندھوا کر سمت ۱۶۷۴ مطابق ۱۰۲۸ھ ۱۶۱۸ء میں مروا ڈالا۔

ملازمین وفاشعار کہتے ہیں کہ پہاڑخان کے قید ہو کر بارگاہ شاہی کی طرف روانہ ہونے کے چار روز بعد جب اسکے بعض قدیم خیراندیش اور نمک حلال ملازمین کو جو حاسدانہ مصاحبوں کا قابو دیکھکر گھروں کے کونوں میں بیٹھے ہوئے انقلابات عالم کے تماشے دیکھ رہے تھے، اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو گوشۂ عزلت سے نکل نکلکر انکی رہائی کی کوشش کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن افسوس کہ ان لوگوں کے وہاں پہنچنے سے پیشتر جو کچھ ہونا تھا ہو چکا تھا۔

پہاڑخان کے فرزند نظام خان اس واقعہ کے بعد شہنشاہ جہانگیر کی رحمدلی کو پھر جوش آیا اور راج رانی کے اُن قدیم تعلقات پر نظر کرکے جو شاہی خاندان کے ساتھ مرلود تھے، پہاڑخان کے صغیرسن لڑکے کو جس کا نام نظام خان تھا، نورجہاں بیگم کی سرپرستی میں پرورش اور تربیت پانے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن زمانہ کی پیچیدگیوں نے شہنشاہ اور شہنشاہ بیگم کے لطف و عنایات کا بھی کچھ پاس نہ کیا اور یہ بیچارے اپنی آبائی ریاست سے محروم ہی رہے۔ ہاں شاہجہاں کے عہد سلطنت میں پرگنہ کھیرالو[۵۹] بطور جاگیر کے ان کو مل گیا تھا اور انھوں نے بھی اس ایک ہی

ط۵۹ یہ پرگنہ فی الحال سرکار گائیکواڑ کی حکومت میں شامل ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

پرگنہ پر قناعت کرکے مذہب مہدویہ کے پیشوا اور عالم میاں سید راجُوؒ کو وہاں لیجا کر نہایت صدق عقیدت سے انکا دائرہ بندھوایا تھا۔ میاں سید راجُوؒ احمد آباد میں شہادت نصیب ہوئے ہیں مگر نظام خاں کی نسل باقی ہے یا نہیں اسکا کچھ پتہ نہیں چلتا۔

شاہزادہ خرم کی جاگیر میں جالور کا شامل ہونا

اس انقلاب کے بعد ریاست جالور شاہزادہ خرم کی جاگیر میں شامل ہوکر ان کی طرف سے اسکی سند حکومت فتح اللہ بیگ مغل کے نام لکھدی گئی چنانچہ فتح اللہ بیگ نے جالور کے قریب پہنچکر اس سند کے ذریعے اہالیان ریاست کو کہلا بھیجا کہ

"حکومت کا چارج میرے سپرد کردو"

یہ پیغام سُنکر پہاڑ خان کے متوسلین و متعلقین جنکے دلوں میں پہاڑ خان کی سچّی محبت تھی تڑپ اُٹھے اور فتح اللہ بیگ کے خون کے پیاسے ہوکر سب کو جمع کیا اور جوش میں آکر کہنے لگے کہ

"ابھی پہاڑ خاں کا خون ٹھنڈا نہیں ہوا۔ پہاڑ خان اگرچہ قتل ہوچکے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ انکی گدّی باقی ہے۔ کیا ہم پہاڑ خان اور انکی گدّی کے نمکخوار نہیں ہیں؟ ہیں اور ضرور ہیں۔ پھر کیا ہماری شرافت اور حمیت گوارا کرسکتی ہے کہ ہمارے ہوتے انکی گدّی پر دوسرا شخص بیٹھکر ہمپر حکومت کرے؟ تف ہے ہماری زندگی پر، اگر ہم بغیر جان دئے جالور کو اپنے ہاتھوں سے دیدیں۔ مرجانے کی بات ہے کہ اوّل تو ہم انکی گرفتاری کے وقت کونے کُھدروں میں چھپے رہے دشمن اپنا کام کر گئے اور ہم سے کچھ نہ ہوسکا۔ دوسرا موقع یہ ہے۔ بھائیو ہمت کا یہی وقت ہے یاد رکھو۔ اگر ہمنے بزدلی کے ساتھ کام لیا تو ہم صرف آوارہ وطن ہی نہ ہونگے بلکہ اپنی ہمسایہ اقوام میں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ اُٹھو۔ تلواریں پکڑو۔ اور مار دیا مرجاؤ"

غرضکہ یہ لوگ لشکر شاہی سے مقابلہ کرنیکا تہیہ کرکے مقام کھرنی واو پر جمع ہوگئے۔

فتح اللہ بیگ اور جالوری

فتح اللہ بیگ کو جب جالوریوں کے اس جوش و خروش کا حال معلوم ہوا تو اس نے

انسانی ہمدردی کے طور پر اپنے لشکر میں سے چند معزز اشخاص کے ہاتھ جالوریوں کو کہلا بھیجا کہ "تمہاری سرکشی تمہارے حق میں مضر اور تمہاری کارروائی تمہارے لئے نہایت ہی غیر مفید ثابت ہوگی۔ ہم جو کچھ کر رہے ہیں، شہنشاہی حکم کی تعمیل اور شاہی سند کے ذریعہ سے کر رہے ہیں۔ قلعہ خالی کر دینے کی بابت ہمارا پیام اپنا ذاتی پیام نہیں ہے، جو تمنے اپنی کوتاہ اندیشی سے ہمارے ساتھ مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ ہاں! اگر تمکو ہمارے قول کا اعتبار نہ ہو تو مناسب ہے کہ طرفین سے چند ذی اعتبار اشخاص دربار شہنشاہی میں چلے جائیں۔ وہاں اس قضیہ کا تصفیہ اچھی طرح سے ہو جائے گا۔ پھر جس کو شہنشاہ حکم فرمائیں، وہی جالور کا حاکم"۔

فتح اللہ بیگ کی شکست

یہ صلح آمیز پیام سنکر جوشیلی طبیعتوں میں اور اشتعال پیدا ہو گیا اور جالوریوں نے آنکھیں بند کر کے گھوڑے اٹھا دئے۔ فتح اللہ بیگ کو اگرچہ مصالحت منظور تھی اور وہ میدان جنگ کو انسانی خون سے ناحق رنگنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب جالوریوں کو سر پر چڑھے چلے آتے ہوئے دیکھا تو ناچار اپنے لشکر کو بھی سینہ سپر ہو جانے کا حکم دیدیا۔ نیزے اور تلواریں چلنے لگیں۔ دیر تک ہنگامہ جدال و قتال گرم رہا۔ سلیم خان منڈوری بہار خان خرمانی اور امین خان غوری نے جالور کے نام پر اپنی جانوں کی قربانیاں چڑھا کر لشکر شاہی کے پاؤں اکھاڑ دئے۔ فتح اللہ بیگ نے مع اپنی شکست خوردہ جمعیت کے شہنشاہ کے حضور میں پہنچکر تمام سرگزشت کہہ سنائی۔

مہاراجہ سورسنگھ کو جالور کی سند کا عطا ہونا

شہنشاہ جہانگیر نے تھوڑے ہی دن بعد اسی سال راجہ سورسنگھ والی جودھ پور کو حکومت جالور کی سند عطا کی کیونکہ فتح اللہ بیگ کی طرف سے یہ امید جاتی رہی تھی کہ آیندہ بھی یہ جالوریوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کر سکے گا۔

کنور گج سنگھ اور فتح جالور

راجہ سورسنگھ نے اپنے ولیعہد کنور گج سنگھ کے نام جالور پر فوجکشی کرنے کے لئے حکم بھیجا اور

ایک عظیم الشان لشکر بھنڈاری لونا کے زیر کمان اسکی کمک کے لئے روانہ کیا چنانچہ کنور گج سنگھ دھاوا کر کے ٹڈی دل کی طرح قلعہ جالور پر چھا گیا - دیوان پہاڑ خان قتل ہو چکے تھے۔ اُنکا جانشین نظام خان محلات شاہی کی ہوا کھا رہا تھا - فیروز خان (برادر غزنی خان) بالاپور کی تھانہ داری پر براج رہے تھے۔ فیروز خان کے دونوں لڑکے، مجاہد خان اور سلیم خان اپنی موروثی جاگیر سانچور وغیرہ میں گوشہ نشین عافیت تھے۔ جالور کی مسند خالی۔ اور جالور کی فوج بے سر - رہے پہاڑ خاں کے وہ اہلکار یا ملازم جنہوں نے فتح اللہ بیگ کے مقابلہ میں کامیابی حاصل کر کے گویا ستم کی گور پر لات ماردی تھی لیکن انھوں نے اب تمام علاقہ میں لوٹ مار مچا کر اپنے جور و تعدی سے رعایا کو بالکل بدظن کر دیا تھا۔ ایسی حالت میں گج سنگھ کا قلعہ کو فتح کر لینا کیا دشوار تھا - چنانچہ نراین داس کابا راجپوت نے جو قلعہ میں محصور تھا گج سنگھ سے خفیہ طور پر ملکر اسکو وہ پوشیدہ راستہ بتا دیا جہاں سے ہو کر غنیم کی فوج قلعہ پر چڑھ گئی اور کھانڈا برج کی طرف سے قلعہ میں جا اُتری - جالوری نہایت بہادری کے ساتھ لڑے لیکن آخر کار قلعہ دشمنوں کے قبضہ میں چلا گیا[۱۵]۔

مقتولین جنگ

قلعہ فتح کرنے کے دوسرے دن راٹھوروں کی فوج نے شہر پناہ کے دروازہ پر یورش کی اور شہر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ یکایک وطن اور آقا کے نام پر مر مٹنے والے بہادر جالوری، راجپوتانہ کی

۱۵ پہاڑ خان کی زندگی کے مختصر ایام کچھ ایسی بدمزگیوں اور الجھاؤمیں گزرے ہیں کہ ان کو نہ حکومت کا لطف اُٹھانا نصیب ہوا اور نہ اپنی بہار زندگی سے اپنی اولاد کو پھلتا اور پھولتا ہوا دیکھنا۔ اوّل اوّل تو ان کو ریاست کے جھگڑوں میں پھنسکر اپنی شفیق ماں کے ساتھ شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں جانا پڑا جہاں سے سند حکومت حاصل کر کے مسند نشین ریاست ہوئے اور پھر فوراً ہی مہم دکن پر روانہ ہوگئے۔ آخر کار مہم دکن کے کچھ ہی دن بعد شومی بخت نے منہ دکھایا اور ان کے ہاتھوں سے وہ کچھ ہوا جسکی وجہ سے ان کی زندگی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ وہ کل دو ہی برس مسند حکومت پر رہے - ان کے بعد ریاست جالور پر سے خاندان بیہتانی کا قبضہ جاتا رہا یہانتک کہ سمت ۱۷۳۶ میں فتح خان اول نے شہنشاہ اورنگ زیب سے سند حکومت حاصل کی۔ اس درمیانی عرصہ میں جو جو حکام جالور پر حکومت کرتے رہے ہیں اُس کا صحیح حال اُس نقشہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے جو فیروز خان کے حالات میں درج کیا گیا ہے۔ ۱۲۔ ملولف۔

مشہور رسم کے موافق کیسری باناپہنے ہوئے جوانمردی کے نشہ میں چور دروازہ کھول کر باہر نکلے۔ اگرچہ فوج مخالف کے مقابلہ میں ان کی جمعیت بہت کم تھی لیکن تلوار کے میدان میں ایک ایک نے دس دس کو سنگوالیا۔ ایسے جم کر لڑے کہ راٹھوروں کے دانت کھٹے کر کر دیے اور آخرکار اکثر وہیں ڈھیر ہو گئے۔ ان کیسری بانا پہنے ہوئے مقتولین کی فہرست ایک ہندی نوشتہ سے کھول گئی ہے مگر بخوف طوالت ہم صرف چند مشہور اور معزز بہادروں کے ناموں ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ عبدل خاں اور سالار خاں خرمانی۔ تاج خاں اور کیسر خاں ابوانی۔ جمال خاں اور محمد خاں مغلانی۔ تاجو جی چوہان۔ ابوجی ٹنور۔ بھیتوجی سندھی۔ بہار وخاں منڈوری۔ کھاجی بالاوت۔ رائے سنگھ سیندہل اور شنکرجی کلوٹ وغیرہ وغیرہ۔

راٹھوروں کا جالور پر قبضہ

جودھ پور کا بارٹ جادوداں اپنے نوشتہ میں لکھتا ہے کہ شہر پناہ پر چڑھی ہوئی توپ کی گولہ باری اور جالوری پٹھانوں کی جانبازی سے قریب تھا کہ راٹھوروں کی فوج کے پاؤں اکھڑ جائیں مگر چونکہ پونجاجی ٹھاکر ڈوڈیالی اور کیرت سنگھ ویوڑہ وغیرہ راجپوت ٹھاکر گج سنگھ کے ساتھ خفیہ طور پر ملے ہوئے تھے اور بظاہر بہاری پٹھانوں کے طرفدار تھے، اس سازباز کا انجام یہ ہوا کہ انکی دغابازی کی وجہ سے میدان جنگ میں جالوریوں کے لیے شکست کے اسباب پیدا ہو گئے اور جالور راٹھوروں کے قبضہ میں چلا گیا۔

صاحب تاریخ ٹاڈراجستان کا بیان

اس فتح کی کیفیت تاریخ ٹاڈ راجستان میں جس طرح بیان کی گئی ہے ہم بلفظہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔

"بعد وفات اکبر بادشاہ و تخت نشینی جہانگیر شاہ کے سور سنگھ مع اپنے فرزند اور وارث گج سنگھ کے حاضر دربار شاہی ہوا۔ بادشاہ نے گج سنگھ کو بجلدوے فتح کرنے جھالور کے جسکو شاہ گجرات نے فتح کر کے اپنے ملک میں شامل کر لیا تھا اپنے ہاتھ سے ایک قبضہ شمشیر عطا کی۔ اس کا حال بھاٹ اس طرح بیان کرتے ہیں یعنی گج سنگھ بمعنی فیل کو حکم ہوا کہ بمقابلہ بہاری پٹھانوں کے جاوے۔ اسکا نقارہ جنگ بلند آوازہ ہوا۔ ارانڈہ نے سنا اور لرزہ باندام ہوا۔ جو علی الدین نے چند سال

میں کیا تھا وہ گج نے عرصۂ تین مہینہ میں ختم کیا۔ وہ زینہ لگا کر جہالندرہ پر جو اصلی نام جہالور کا ہے
شمشیر بدست چڑھ گیا۔ اکثر راٹھور کے نامی لوگ کام آئے مگر اس نے سات[۵] ہزار پٹھان قتل
کئے اور انکی لوٹ کا اسباب بادشاہ کی خدمت میں روانہ کیا۔"

بھینمال میں مقابلہ

اس کشش و کوشش کے بعد گو علاقۂ جالور بہاری پٹھانوں کے ہاتھ سے نکل گیا مگر ان کے کامدار مہتہ موکل سی نے اپنی نمکحلالی اور اعلیٰ حوصلہ مندی سے بھینمال کو راٹھوروں کے قبضہ سے محفوظ ہی رکھا۔ بات یہ ہوئی کہ جب بعض دغابازوں کی سازش سے علاقۂ جالور پر راٹھوروں کا تسلط اور قبضہ ہو گیا تو بہار خان کا معتمد دیوان مہتہ راج سی بقیۃ السیف جالوریوں کی جمعیت کو اپنے ہمراہ لے کر بھینمال کو روانہ ہوا۔ وہاں پہنچکر یہ لوگ ہنوز دم بھی نہ لینے پائے تھے کہ راٹھوروں کے لشکر نے جو ان کے تعاقب میں تیز قدمی کے ساتھ چلا آ رہا تھا ان کو آ گھیرا۔ بہاری پٹھان جو اپنے بھائی بندوں کے غم میں خون کے آنسو بہا رہے تھے۔ آوارہ وطنی نے جنکی کمریں توڑ دی تھیں، مگر نیم بسمل دل بہادری کی موت مرنے کے لئے پہلوؤں میں تڑپ رہے تھے اور جن کی تلواریں انتقام کے جوش میں میانوں سے نکلی پڑتی تھیں، راٹھوروں کو دوبارہ اپنے سر پر دیکھکر زخمی شیر کی طرح بپھر گئے اور سینے تان تان کر لشکر غنیم کی صفوں کو چیرنے لگے۔ آمادۂ مرگ تو تھے ہی، بے جگر ہو کر خوب لڑے

[۵] "ٹاڈ صاحب مصنف تاریخ ٹاڈ راجستان نے یہ روایت بھاٹوں سے لی ہے کیونکہ اُنھوں نے اپنی تاریخ کا بڑا ماخذ چارنوں اور بھاٹوں کے بیانات کو قرار دیا ہے۔ ایک حد تک یہ صحیح ہے کہ اس ملک میں تاریخ کا بڑا ماخذ چارنوں وغیرہ کی پوتھیاں ہی ہیں مگر مورخ کا یہ فرض ہے کہ جو روایت ان کے بیانات سے اخذ کرے اسکو دوسری روایتوں سے تطبیق دینے کے علاوہ روایات کی صحت کی کسوٹی پر اچھی طرح کس لے چنانچہ اس موقع پر بعض روایتوں میں سات سو پٹھانوں کا قتل صحیح مانا گیا ہے اور بعض مشہور عام روایتیں صرف ساٹھ ستر مقتولین کی تعداد بتاتی ہیں۔ جہانتک ہمنے ان روایتوں کے متعلق تحقیق کر کے انہیں سے صحیح روایت نکالنے کے ذرایع بہم پہنچائے ہیں ان کے لحاظ سے قرین قیاس یہ ہے کہ ان روایتوں میں درمیانی روایات صحیح ہیں کیونکہ اس تمام لڑائی میں سات سو آدمی تو ضرور مارے گئے ہونگے۔ باقی روایتیں بھاٹوں کی وہ روایتیں ہیں جن میں مبالغہ سے کام لیا گیا ہے جو اس فرقہ کی فطرت میں داخل ہے۔ ۱۲۔ لمولفہٖ

اور خون کے دریا بہاتے ہوئے قلبِ فوج میں جا پہنچے۔

جالوریوں کا موضع گرجھا میں چلے آنا۔ اگرچہ اس دفعہ جالوری پٹھان سروں کو ہتیلیوں پر رکھ رکھ کر لڑے اور مہتہ[۵] راج سی اور موکل سی مع دیگر ٹھاکر پٹاوتوں کے کام بھی آ گئے مگر گنتی کے آدمی تھے، کچھ لڑ بھڑ کر مر گئے۔ جو باقی رہے وہ بھاگ کھڑے ہوئے اور سمت ۱۶۷۵ مطابق ۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء میں موضع گرجھا علاقہ پالن پور میں مقیم ہو کر سوندہا وغیرہ سلسلۂ اراولی کی گھاٹیوں کو اپنا کمینگاہ بنایا اور علاقہ جالور میں ایسی لوٹ مار کی کہ برسوں تک تمام پرگنات ویران و بے چراغ رہے۔ ایک مدت کے بعد بہادر خان کے چچا فیروز خان جو لڑائی کے زمانہ میں بالا پور کے تھانہ دار تھے اور اب گجرات میں چلے آئے تھے، موضع گرجھا میں آ کر اس جمعیت کے ساتھ شامل ہو گئے اور سمت ۱۶۹۱ مطابق ۱۰۴۴ھ / ۱۶۳۵ء میں گرجھا سے پالن پور آ کر یہیں سکونت اختیار کر لی۔

---

[۵] بعض کہتے ہیں کہ مہتہ راج سی اور موکل سی دونوں بھائی تھے اور بعض کا بیان ہے کہ موکل سی وید مہتہ اور راج سی لونیا مہتہ تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ

دیوان فیروز خان اوّل

فیروز خان عرف کمال خان ابن ملک خان

مسند نشینی اور ناگوریوں کا مطیع ہونا

جب فیروز خان نے موضع کرجھا سے پالن پور آکر سمت ۱۶۹۱ مطابق ۱۶۳۵ء ۱۰۴۵ھ میں

---

۱۵ فیروز خان کے عرفی نام کمال خان سے دربار شاہی میں رواج پاکر اضلاع مارواڑ میں بہت زیادہ ہردلعزیزی پیدا کرلی تھی۔ چنانچہ قصبہ سانچور میں ان کی بنوائی ہوئی ایک کچہری ہے جسکو وہاں کے لوگ کمال خان کا چوراکہتے ہیں۔ اس چورے کے متعلق انھوں نے چند کبیت بطریق معافی بھاٹوں کو عطا کیے تھے جنپر اس وقت تک بھاٹ قابض ہیں۔ ان بھاٹوں کا بیان ہے کہ یہ اراضی ہمکو اس شرط پر بخشی گئی ہے کہ ہم اسکے محاصل کو ایسے کام میں صرف کریں جس سے کمال خان کا نام ہمیشہ زندہ رہے۔ چنانچہ اُنھوں نے اس شرط کو پورا کرنے کے لئے یہ دستور مقرر کر رکھا ہے کہ ان کے نام پر سالانہ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ اسی معینہ تاریخ پر دیہات کے لوگوں کا اچھا خاصہ مجمع ہوجاتا ہے اور یہ بھاٹ اس مجمع کے سامنے کبت اور گیت جن میں کمال خان کے اوصاف منظوم ہیں پڑھتے اور گاتے ہیں۔ چونکہ ان کمال خان کے پوتے کا نام بھی کمال خان تھا اس لئے التباس اسمی سے اکثر جگہ مغالطے پیدا کیے ہیں۔

مسند ریاست کو زینت بخشی تو معلوم ہوا کہ پالن پور کا بہت سا علاقہ زمیندارانہ طور پر ناگوریوں کے قبضہ میں ہے۔ مگر چونکہ علاقۂ پالن پور مع سندِ جالور شہنشاہ اکبر نے غزنی خان کو عطا فرما دیا تھا اس لئے عدم استحقاق سے ناگوریوں کا اقتدار تھوڑے ہی عرصہ میں گھٹا دیا۔ رفتہ رفتہ تمام علاقہ مستقل طور پر فیروز خان کے قبضہ میں آگیا اور ناگوری وغیرہ زمیندار اُن کے مطیع ہو گئے۔

کہانجی کولی پر فوج کشی

خاتم سلیمانی وغیرہ تاریخوں میں تو صرف اسی قدر مرقوم ہے کہ

"فیروز خان کے عہد حکومت میں موضع مہاوڑ کے مہواسی لوگوں کے ساتھ سخت لڑائی ہوئی تھی"۔

لیکن یہاں کے لوگوں میں اس معرکہ آرائی کی کیفیت اس طرح مشہور ہے[۹۱] کہ سمت ۱۶۹۲ مطابق ۱۶۳۶ء ۱۰۴۶ھ میں اعظم خان نے جو شاہجہاں کی طرف سے گجرات کا صوبہ دار تھا، اپنے زمانہ حکومت میں جب پرگنہ چوبال کے مہواسی کہانجی[۹۲] کولی

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سمت ۱۶۹۱ کے آغاز میں جب شاہجہاں کا عہد سلطنت تھا، یہی کمال خان پالن پور میں آباد ہوئے ہیں اور اورنگ زیب کے زمانۂ سلطنت میں راٹھوروں کی بغاوت کے وقت سمت ۱۷۴۴ سے سمت ۱۷۵۳ تک ان کے پوتے کمال خان جالور میں دس برس حکومت کرنے کے بعد جب جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ نے جالور پر قبضہ پایا ہے، پالن پور چلے آئے تھے۔ ان دونوں ملتے جلتے واقعات کو اکثر لوگوں نے ایک ہی خیال کیا ہے اور پالن پور کو دارالریاست قرار دینے والا فیروز خان عرف کمال خان کے پوتے کو سمجھا ہے۔ حالانکہ فیروز خان عرف کمال خان نے پالن پور کو ابتداءً دارالریاست مقرر کیا تھا۔ ۱۲ المولفہ

۹۱ بعض لوگ روایت بیان کرتے ہیں کہ شاہزادہ مراد بخش نے اپنی صوبہ داری کے زمانہ میں خاندان بابی کے مورث اعلیٰ بہادر خان کے فرزند شیر خان کو پرگنہ چوبال کی تھانہ داری پر مامور کیا تھا۔ شیر خان نے چوبال کے سرکش مہواسیوں کی قوت گھٹانے اور انکا اقتدار کم کرنے کے لیے اس قوم کے سرغنہ کہانجی کولی کو گرفتار کرنے کا بڑے شد و مد کے ساتھ ارادہ کیا مگر وہ چالاک کولی اپنی فطرت سے صاف بچکر نکل گیا اور چوبال کو چھوڑ کر پالن پور کے علاقہ میں اپنے رشتہ دار مہواسیوں کے ہاں چھپکر رہنے لگا۔ جب جعفر خان پسر شیر خان بابی اس سرکش کولی کی گرفتاری کے لئے حضور شاہی سے حکم حاصل کر کے اسکی تلاش میں نکلا تو فرمان شاہی کے لحاظ سے فیروز خان کو بھی اسکی اعانت لازم ہوئی۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے ولیعہد مجاہد خان کو جعفر خان کی امداد کے لئے بھیجا تھا اور مہاوڑ میں معرکہ آرائی ہوئی تھی۔ ۱۲۰ المولفہ

۹۲ راس مالا میں کہانجی کو کہانجی رات لکھا ہے (رات دراصل راوت کا مخفف ہے) یہ پٹن کے سولنکی راجاؤں کی نسل سے تھا۔ اسکی جاگیر کے

پر فوج کشی کی تو وہ چوبال سے فرار ہوگیا اور اپنے بال بچوں کو اپنے معاون مہواسیوں کی پناہ میں چھوڑ کر خود کسی پہاڑ کے درہ میں جا چھپا۔ اعظم خاں نے ملک گجرات کے فوجداروں اور حاکموں کے نام اس کی گرفتاری کے لیے فرامین اور احکام جاری کیے اور یہ بھی اعلان کیا کہ

"جو کوئی اس بدمعاش کو گرفتار کرا دے گا، انعام و اعزاز کا مستحق سمجھا جائے گا۔"

یہ سنکر امراے گجرات اسکی تلاش و تجسس میں تھے کہ اس اثنا میں فیروز خان کو یہ خبر ملی کہ کانجی کولی موضع کرجھا علاقہ پالن پور کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا ہے اور اسکے بال بچے موضع مہاوڑ کے مہواسی کولی ٹھاکروں کے ساتھ رہتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اسکی گرفتاری کے لیے اپنے ولیعہد مجاہد خان[۱] کو روانہ کیا مگر وہ ان کی جمعیت کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنا مقام خالی کرکے گڈھ واڑوں کی طرف بھاگ گیا۔ مجاہد خان نے جو اسکے تعاقب میں تھے، موضع مہاوڑ کی حدود کو چاروں طرف سے جا گھیرا۔

ایک جوگی کا اگھور منتر — کہتے ہیں کہ ان دنوں میں ایک اگھور پنتھی جوگی مہاوڑ میں تپسیا کیا کرتا تھا۔ وہاں کے مہواسی زمیندار مجاہد خان کے خوف سے گھبرا کر اس جوگی کے پاس گئے اور اس سے دستگیری کی درخواست کی۔ جوگی نے اگھور منتر سادھ کر کچے سوت کے دھاگے سے گاؤں کے گرد حصار کیا اور پھاٹک کے اندر ایک مینڈھا بند ہوا کر اسکے قریب پانی کا ایک مٹکا بھی رکھوا دیا اور کولیوں کو خفیہ طور پر اسکی حفاظت کی ہدایت کرکے کہا کہ

"جب تک مجاہد خاں کی فوج کے سپاہی مینڈھے کو ذبح کرکے مٹکے کو نہ پھوڑیں اور حصار کو نہ توڑ ڈالیں، تم لوگ اپنی جانیں بچائے ہوئے کہیں چھپے رہو اور جب یہ معلوم ہو جائے کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ چوالیس گاؤں چوبال کہلاتے تھے۔ یہ لشکر شاہی کے حملہ سے بچکر مع جیتا جی بسومیہ ٹھاکر موضع جھنجوواڑہ اور کونباجی ٹھاکر تھراد وغیرہ اپنے مددگار ٹھاکروں کے موضع کرجھا علاقہ پالن پور کی پہاڑی گھاٹیوں میں جا چھپا تھا۔ ۱۲۔ مولف۔

[۱] فیروز خان کرجھا چھوڑ کر جب پالن پور آ گئے تو کبرسنی کی وجہ سے پالن پور ہی میں رہا کرتے تھے۔ ناظم صوبہ گجرات کے ہاں سے گو اجراے احکام ان ہی کے نام ہوتا تھا مگر دراصل تمام احکام کی تعمیل ان کے ولیعہد مجاہد خان کیا کرتے تھے اس لیے ان کے زمانہ کے واقعات کو کسی راوی نے فیروز خان سے اور کسی نے مجاہد خان سے منسوب کیا ہے۔ ۱۲

"انھوں نے میرے حصار کو توڑ کر جھنڈے کو ذبح اور مٹکے کو پھوڑ ڈالا تو تم سب کو بحالت مجموعی دفعتہً حملہ کر دینا چاہئے۔ اس صورت میں تمہاری فتح ہوگی"۔

مہواسیوں کے ساتھ لڑائی مہواسی لوگ اس جوگی کی فہمائش کے بموجب تمام کارروائی ٹھیک طور پر کر کے پہاڑ کے دروں میں جا چھپے۔ اور شمشیر بکف موقع کے منتظر رہے۔ جب مجاہد خان کی فوج نے حملہ کر کے حصار کو تار تار کر ڈالا اور مٹکا توڑ کر جھنڈے کے کباب لگانے شروع کئے تو مہواسیوں کے جاسوسوں نے جو وہیں کہیں ادھر اُدھر لگے ہوئے تھے، دوڑ کر فوراً مہواسیوں کو اطلاع دی۔ مہواسی یہ خوشخبری پاتے ہی دوڑے اور جوگی کے قول پر بھروسہ کئے ہوئے فتح کی اُمید میں خوش خوش مجاہد خان کی فوج پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے۔ بہاری پٹھان اس موقع پر جس ہمت و استقلال سے لڑے ہیں وہ قابل تعریف ہے۔ اس معرکہ میں لوہانی قوم کے اکثر سردار اور جالوری قوم کے چند معزز پٹاوت بہت کچھ خونریزی کے بعد مارے گئے لیکن فریقین میں سے کسی کو نمایاں فتح نہ حاصل ہوئی۔

مقتولین کی تدفین جو اہل اسلام اس لڑائی میں کام آئے تھے، مجاہد خان نے انکی لاشوں کو باحتیاط چھکڑوں پر لادکر اپنے پیر و مرشد میاں سید اشرفؒ کی خدمت میں پالن پور بھیجدیا اور کہلا بھیجا کہ

"آپ انکی تجہیز و تکفین کرادیں"

چنانچہ میاں سید اشرفؒ نے پالن پور سے مشرق کی طرف سورج پول دروازہ کے باہر ان لاشوں کو دفن کرادیا[۹]۔

کمابجی کا مطیع ہونا جب مجاہد خان مقتولین کی لاشوں کو پالن پور روانہ کر کے انکی تکفین و تدفین کے بوجھ سے سبکدوش ہوگئے تو انھوں نے باقیماندہ فوج کی دلدہی کر کے نہایت جرأت و استقلال کے ساتھ مہواسیوں پر

---

[۹] یہ جگہ پہلے ناگوریوں کے مویشیوں کی چراگاہ تھی۔ میاں سید اشرف نے ناگوریوں سے مبلغ آٹھ روپیہ میں خرید کر اسکا بیعنامہ لکھوالیا اور مقتولین کو وہاں دفن کیا۔ اسوقت سے یہ جگہ قبرستان کے لئے مخصوص ہوگئی ہے۔ اسی قبرستان کے اندر والیان ریاست کے شاندار مقابر بھی ہیں۔ ۱۴۰۔ لمؤلفہ

متواتر حملے شروع کئے اور پے در پے شکستیں دیکر بہت سے سرکش مہواسیوں کو مع ان کے بال بچوں کے گرفتار کرلیا۔ ان مقیدین میں چونکہ کھانجی کولی کے عیال واطفال بھی تھے اس لئے اب وہ دب کر اپنی سرکشی سے باز آیا اور سید شیخن، فوجدار تھرا اور موضع سانند کے گراسیہ کولی جگبال کی وساطت سے ناظم صوبہ کے حضور میں حاضر ہوگیا اور دس ہزار روپیہ سالانہ بطور پیشکش ادا کرنے کی باضابطہ ضمانت دیکر اپنے بال بچوں کی گلو خلاصی کرالی۔

مراعات شاہی

چونکہ فیروز خان کی خوش تدبیری اور ان کے ولیعہد مجاہد خان کی جانبازی سے اس سرکش کولی نے سر جھکالیا تھا اس لحاظ سے ناظم صوبہ نے نہایت خوشی کے ساتھ فیروز خان اور اُنکے ولیعہد مجاہد خان کی قابل قدر کارگزاری کا حال حضور شاہی میں لکھ کر سفارش کی کہ

"ان سرفروشانِ علو حوصلہ کی اس عمدہ خدمت کا معقول صلہ عطا ہونا چاہیے تاکہ آئندہ یہ خدماتِ سلطانی کی بجاآوری میں زیادہ تندہی اور جانفشانی کا اظہار کریں"

چنانچہ حضور شاہی سے فیروز خان کے لئے پروانۂ خوشنودی مزاج مع خلعت گرانبہا آیا اور مجاہد خاں کو علاقہ پالن پور اور اُسکے مضافات کی سند مرحمت ہوئی۔

فیروز خان کا انتقال

جب مجاہد خان کی اس عزت وثروت کا اظہار عام طور پر ہوا تو علاقۂ پالن پور اور قرب وجوار کے مہواسی زمینداروں کے دلوں پر انکا رعب ایسا چھایا کہ بہت سے بھومیہ مہواسیوں نے خود بخود حاضر ہوکر دل وجان سے اطاعت قبول کرلی۔ بعدازاں فیروز خان نے عمر طبعی کو پہنچکر سمت ۱۶۹۴ مطابق سنہ ۱۰۴۸ھ / ۱۶۳۸ء میں بمقام پالن پور انتقال کیا۔

تغیر فرمانروایانِ جالور کا نقشہ

ابتدائے سمت ۱۶۷۴ مطابق سنہ ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۸ء سے لیکر سمت ۱۷۳۶ مطابق سنہ ۱۰۹۱ھ / ۱۶۸۰ء تک یعنی پہاڑ خان کے واقعۂ قتل کے بعد سے ریاست جالور کے پہتانی خاندان میں دوبارہ آنے تک جو جو حکام فرمانروائی کرتے رہے ہیں انکی اسم وار فہرست درج ذیل کیجاتی ہے۔

نمبر	نام حاکم	زمانہ حکومت
۱	مہاراجہ سور سنگھ والیٔ جودھ پور	سمت ۱۶۷۴ / ۱۶۱۸ء سے سمت ۱۶۷۶ / ۱۶۲۰ء تک ایک برس تو مہینے
۲	بھیم سنگھ رانا دت سیسودیہ راجپوت	سمت ۱۶۷۶ / ۱۶۲۰ء سے سمت ۱۶۷۷ / ۱۶۲۱ء تک ایک برس۔
۳	مہاراجہ گج سنگھ والی جودھپور بعد مسند نشینی	سمت ۱۶۷۷ / ۱۶۲۱ء سے سمت ۱۶۹۴ / ۱۶۳۹ء تک تقریباً سترہ برس
۴	نواب میر خان	سمت ۱۶۹۵ / ۱۶۳۹ء سے سمت ۱۶۹۹ / ۱۶۴۳ء تک تخمیناً چار برس
۵	نواب فیض علیخان	سمت ۱۶۹۹ / ۱۶۴۳ء سے سمت ۱۶۹۹ / ۱۶۴۳ء تک تخمیناً گیارہ مہینے
۶	مہیس داس ولد دلپت سنگھ راٹھور	سمت ۱۶۹۹ / ۱۶۴۳ء سے سمت ۱۷۱۱ / ۱۶۵۵ء تک تخمیناً بارہ برس
۷	مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور والی جودھپور	سمت ۱۷۱۱ / ۱۶۵۵ء سے سمت ۱۷۳۵ / ۱۶۷۹ء تک تقریباً چوبیس برس
۸	مہاراجہ سبحان سنگھ	سمت ۱۷۳۵ / ۱۶۷۹ء سے سمت ۱۷۳۶ / ۱۶۸۰ء تک ایک برس

مرقومۂ بالا نقشہ چتر ول بھوجک کے ایک ہندی نوشتے سے انتخاب کر کے درج کیا گیا ہے لیکن اسمیں یہ نہیں لکھا ہے کہ مہاراجگان جودھ پور نے اپنی طرف سے کس کس کو حکومت جالور پر متعین کیا تھا۔ تاہم یہ ظاہر ہے کہ عہد سلطنت عالمگیر اور ہنگامۂ بغاوت مہاراجہ اجیت سنگھ راٹھور تک فرمانروایان جالور کی تبدیلیاں جلد جلد ہوتی رہی ہیں۔ یہ سلسلہ اُس زمانہ تک رہا ہے کہ جبتک دیوان فتح خان نے حاکم جالور ہو کر راٹھوروں کی لوٹ مار کا انسداد و انتظام نہ کر لیا۔

دیوان مجاهد خان ثانی

دیوان مجاہد خان ثانی ابن فیروز خان

مسند نشینی اور پالن پور کا دار الریاست مقرر ہونا

مجاہد خان نے اپنے والد فیروز خان کے انتقال کے بعد سمت ۱۶۹۴ مطابق سنہ ۱۶۳۸ء (۱۰۴۸ھ) کے آغاز میں مسند نشین ریاست ہو کر بجائے جالور، پالن پور کو اپنا دار الریاست مقرر کیا اور اسکی آبادی و وسعت میں ترقی دی چنانچہ اُسوقت سے ریاست جالور کے متعلقین و متوسلین میں سے اکثر قومیں مثلاً وید۔ وڈیرا وغیرہ مہتہ کامداروں کی پانچ شاخوں کے مہاجن لوگ اور ان کے علاوہ جاگری۔ سنگتراش، مالی۔ بھیل۔ سنار اور حلوائی وغیرہ پالن پور میں آکر آباد ہو گئے ہیں اور ابتک بھی ان کی رشتہ داری کا سلسلہ وہاں کے لوگوں کے ساتھ جاری ہے۔ انکی وضع و قطع اور رسم و رواج بھی مارواڑیوں سے کسی قدر مشابہ ہے بلکہ ان میں سے بعض قوموں کا برتاؤ اور لباس تو بالکل مارواڑیوں کا سا ہے اور باوجودیکہ ان لوگوں کو گجرات میں رہتے ہوئے

ایک زمانہ گزر چکا ہے لیکن اسوقت تک بھی وہ اپنی پرانی ٹوٹی پھوٹی مارواڑی زبان بولنے کے عادی ہیں اور انکی طرز تحریر بھی مارواڑی ہے۔

شادی بقول چارنوں کے مجاہد خان کی شادی سمت ۱۶۸۴ مطابق ۱۶۲۸ء ۱۰۳۸ھ میں مان بائی جاڑیچی سے ہوئی تھی اس شادی کی تقریب میں نہایت فراخ حوصلگی سے شاہانہ جشن کرکے جس کشادہ دلی کے ساتھ داد و دہش کی گئی تھی اُسکے افسانے آجتک مشہور ہیں۔ ادنٰی سی بات یہ ہے کہ چارن گیپاجی کاوٹ کو لاکھ پسا اور موضع موٹیپٹا کا سانسن انعام میں ملا تھا۔

مان سرور اور نگینہ باڑی مان بائی دوسری بیویوں کی نسبت مجاہد خان کو زیادہ عزیز تھیں۔ انھوں نے اپنے شوہر عالیشان کے زمانۂ حکومت میں بقائے نام اور آسائش عوام کے لئے ایک تالاب اور تالاب کے پاس ہی ایک باغ بنوایا تھا۔ تالاب کا نام "مان سرور" ہے اور باغ کو نگینہ باڑی کہتے تھے جنمیں سے مان سرور تالاب ابتک موجود ہے۔

ناگنی جی ماتا مان بائی موضع جالوڑا کی رہنے والی تھیں اور بعض کے نزدیک موضع سونتھا یا سونسر انکا وطن آبائی تھا۔ ان کے والد جاڑیچہ قوم کے راجپوت تھے اور انکا نام ٹھاکر رٹ سی ولد پونجاجی تھا۔ بعد ادائے رسوم شادی جب یہ اپنی سسرال میں آئیں تو انکے جہیز میں دیگر مال و اسباب کے ساتھ اتفاقیہ ناگنی ماتا، ایک دیوی بھی چلی آئی تھی۔ بات یہ ہوئی کہ جسوقت جہیز کا اسباب صندوقوں اور پٹاروں وغیرہ میں بھر بھر کر گاڑیوں میں لدنا شروع ہوا تو انکے میکے کی کسی کنیز نے بھولے سے وہ صندوقچہ بھی رکھ دیا جس میں جاڑیچہ راجپوتوں کی ناگنی جی ماتا کے مختلف سروپ کی تصویریں تھیں۔ پالن پور پہنچکر اسباب کی پڑتال کرنے کے لئے جو صندوقوں وغیرہ کو کھولا تو ایک بکس میں سے یہ تصویریں بھی برآمد ہوئیں۔ مان بائی کی خوشدامن یعنی مجاہد خاں کی والدہ دہیراں بائی جو سانچور اچوہان راجپوت سورج مل کی لڑکی تھیں، ان تصاویر کو دیکھ کر نہایت خوش ہوئیں اور بولیں کہ

"دہن بھاگ ہمارے کہ تاتاجی خوشی سے ہمارے گھر آئیں۔ اب ان کو واپس بھیجنا مناسب نہیں ہے۔ آج سے انکا استھان بنا کر انھیں یہیں رکھیں گے۔"

اور ایک علیحدہ حجرہ میں اس صندوقچہ کو رکھوا دیا۔ بعد ازاں سیدھ پور سے ایک برہمن کو بلوا کر تاتاجی کا پجاری مقرر کیا۔ چنانچہ اُس وقت سے اس ریاست میں دستور ہے کہ نوراتری کے زمانہ میں اس تاتا کا ہَوَن ہوتا ہے اور دسہرہ کے روز پجاری برہمن ان تصاویر کو دربار میں دکھایا کرتا ہے۔ یہ تصویریں تعداداً تین سو ستتر (۳۷۷) ہیں۔

مجاہد خان کی عزت و وقعت مجاہد خان نے اپنی قابلیت ذاتی کے سبب سے شاہزادگانِ مغلیہ اور صوبہ گجرات کے حکام کی نظروں میں ایسی وقعت اور ایسا اعتبار پیدا کیا تھا کہ اکثر پیچیدہ اور مشکل خدمات ملکی انھیں سپرد ہوا کرتی تھیں۔ اور یہ بھی اپنی بیدار مغزی اور تندہی سے اُن خدمات کو نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ پورا کر کے ہمیشہ مورد الطاف خسروانہ ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ سمت ۱۶۹۹ مطابق ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء میں ان کو بیجاپور وغیرہ اضلاع مہی[1] وسابر کی حکومت عطا کی گئی اور بقول صاحب مصنف مراۃ احمدی ۱۰۶۴ھ مطابق سمت ۱۷۰۹ / ۱۶۵۳ء میں شاہزادہ محمد مراد بخش نے اپنی صوبہ داری کے زمانہ میں میر شمس ولد سید دلیر خان کو پٹن سے تبدیل کر کے گودھرہ کی فوجداری پر بھیجا اور بجائے انکے مجاہد خان کو حکومت پٹن[2] پر مقرر کیا۔

امور خیر چونکہ مجاہد خان کی طبیعت امور خیر کی طرف زیادہ مائل تھی اس لئے اُنھوں نے اپنے دوران حکومت میں بہت سے مواضعات اور وظائف سادات پٹن وغیرہ کو عطا کئے تھے۔ نیز قصبہ بیجاپور کی عیدگاہ کو جو اگلے زمانہ کی عمارت تھی اور اُسوقت بالکل منہدم اور مسمار پڑی ہوئی تھی، از سر نو تعمیر کرایا۔ یہ عیدگاہ اسوقت تک اُنکے زمانہ حکومت کی یاد دلاتی ہے۔ چند ابیات تاریخی، جو بطور کتبے کے اس عیدگاہ کا سال تعمیر وغیرہ بتاتی ہیں،

---

[1] مہی اور سابر دو ندیوں کے نام ہیں اسلئے ان کے قرب وجوار میں جو اضلاع واقع ہیں ان کو مہی کانٹھا کہتے ہیں۔ یہ ندیاں صوبہ مالوہ کے متصل ملک میواڑ کے پہاڑوں سے نکل کر گجرات میں ہوتی ہوئی خلیج کنبایت میں جا ملی ہیں۔ ۱۲۔ لمولفہ

[2] مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۲۴۴۔ ۱۲۔ لمولفہ

درج ذیل ہیں۔

قطعۂ تاریخ عیدگاہ بیجاپور

پیش ازیں بنیاد اینجا ظفر خاں بر نہاد   کہنہ و آوارہ شد بگذشت چوں بسیار سال

بعد ازانش نو بنا کردہ بتوفیق اله   خان عالیشان مجاہد فرخ نیکو خصال

چوں مرتب گشت تاریخ بنائے شد ازو

گفت ہاتف شد مہیا عیدگاہ بے مثال
۱۰۵۲ھ

عیدگاہ پالن پور بھی ان ہی نے تعمیر کرائی تھی جسکی مفصل کیفیت حضور والی حال خلد اللہ ملکہم کے حالات میں بیان کی جائے گی۔

پنی پٹھان اور علمائے عالمگیری مجاہد خان کے زمانہ حکومت کے واقعات مشہورہ میں سے سب سے زیادہ مشہور واقعہ میاں سید راجوؒ کی شہادت کا ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۰۵۶؁ ہجری میں جو شاہجہاں کا دور سلطنت اور اورنگ زیب کی صوبہ داری گجرات کا زمانہ تھا چند مہدوی المذہب پنی پٹھان گھوڑوں کی سوداگری کے لئے برہان پور کی طرف سے وارد احمد آباد ہوئے۔ چونکہ اورنگ زیب کا خمیر تعصب کے پانی سے گندھا ہوا تھا اور اسکی فطرت میں مذہبی پیچ تکلیف دہ درجہ تک پہنچ گئی تھی اس لئے علمائے دربار اور رات دن کے بیٹھنے اٹھنے والے ندیم جنکی تمام فقہ اس متعصب بادشاہ کی طبیعت پر حاوی ہونے کی تدابیر میں صرف ہوتی تھی اور جنکا بڑا اصول اسکے مزاج میں دخل پانا تھا، بلا ضرورت ہر مشرب و ملت کے لوگوں کے ساتھ مذہبی چھیڑ چھاڑ کرنے میں نہایت بیباک تھے۔ جب حاکم وقت ہی کو یہ برباد و تباہ کن عالم مذاق پسند ہو تو پھر مفسدہ پرداز در زمانہ ساز علما اپنی کند چھریوں سے صلحا اور صفائی منشوں کو کیوں نہ ذبح کریں۔ اتفاقاً ان پنی پٹھانوں کو بھی ان ہی حضرات کے ساتھ کہیں مذہبی گفتگو کا موقع آگیا۔ پٹھانوں کو جس قدر واقفیت تھی، جواب دیا اور اخیر میں یہ کہدیا کہ

"اگر آپ کو اس مقدس مذہب کے متعلق تفصیلی حالات دریافت کرتے ہیں تو ہمارے علما پالن پور میں موجود ہیں۔ وہ آپکی اچھی طرح تشفی کردینگے۔"

عالمگیر کا علمائے مہدویہ کو طلب کرنا

مفتی عبدالقوی اور قاضی عبدالوہاب دو شخص پٹن کے رہنے والے، اورنگ زیب کے خاص مقرب اور اسکی آتش تعصب کو بھڑکانے والے تھے۔ انکی طینت میں داخل تھا کہ مذہبی تحقیقات کے بہانہ سے اورنگ زیب کو ہمیشہ اکسایا کرتے تھے اور جہاں کہیں کسی غیر مذہب کے پیشوا کو سننے، حکومت کے ذریعہ سے تکلیف دہی اور اذیت رسانی اپنا پہلا فرض سمجھتے۔ چنانچہ ان ہی پٹھانوں کا آخری جواب سنکر انھوں نے اپنی عادت کے موافق فوراً ہی اورنگ زیب کے حضور میں پہنچکر اپنی چالاکیوں سے پالن پور کے پیرزادوں کو طلب کرنے پر اسکو آمادہ کرلیا۔

عالمگیر نے اسی دن پیرزادگان پالن پور کی طلبی کے بارہ میں ایک فرمان مجاہد خان کے نام لکھکر حیدر بیگ احدی کے ہاتھ عسکری بیگ حاکم سدھ پور کے پاس روانہ کیا۔ نیز عسکری بیگ کے نام بھی ایک پروانہ اس مضمون کا تحریر فرمایا کہ "تم اس احدی کے ساتھ جاکر باید دولت واقبال کا یہ فرمان مجاہد خان رئیس پالن پور کو دست بدست پہنچادو۔"

چنانچہ عسکری بیگ حسب الحکم سلطانی مع سات اور احدیوں کے پالن پور آیا اور فرمان شاہی مجاہد خان کے ہاتھ میں دے دیا۔

میاں سید راجوؒ کا احمد آباد جانا

مجاہد خان مضمون فرمان سے واقف ہوکر بذات خود میاں سید داودؒ ابن میاں سید اشرفؒ کے دائرہ میں آئے اور اپنے مرشد ونکی خدمت میں تمام کیفیت عرض کی۔ بالاتفاق سب کی یہی رائے قرار پائی کہ میاں سید راجوؒ ابن میاں سید غیاث الدینؒ کا احمد آباد جانا مناسب ہے کیونکہ ان کی استعداد علمی اور تحقیقات مذہبی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ چنانچہ میاں سید راجوؒ تنہا سفر کرکے ششم ربیع الآخر سنہ ۱۰۵۶ ہجری یوم سہ شنبہ کو پالن پور سے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ میں موضع نلاسر کے قریب قیام فرمایا۔ نماز کا وقت تھا، حسب معمول مبل کی

مسواک کی اور بعد فراغت اس مسواک کو بطریق اظہار کرامت زمین میں گاڑ دیا۔ چونکہ یہ مسواک لعاب دہن خوردہ تھی، خدا کی قدرت سے اسمیں قوت بالیدگی پیدا ہوگئی اور اسوقت تک اس مسواک کا درخت آپ کی کرامت کا نمونہ موجود ہے۔

موضع نلاسر سے روانہ ہوکر ربیع الآخر کی دسویں تاریخ آپ احمد آباد پہنچے اور مجاہد خان کی حویلی (محلہ ناجپور) میں قیام فرمایا۔ اکیسویں[۲۱] ماہ مذکور کو علمائے اورنگ زیبی سے مباحثہ ہوا اور اثبات مدعا کے لئے اپنے مذہب کی چند مستند کتابیں یعنی عقیدۃ الصالحین اور توضیح عقائد وغیرہ ان ہی مد مقابل علما کے ہاتھ شاہزادہ اورنگ زیب کو بھجوائیں۔ بعد ازاں چوبیس[۲۴] تاریخ کو مباحثہ کی کل کیفیت قلمبند فرما کر پالن پور روانہ کی۔

تعصب اور اخراج البلد کا فتویٰ

اول تو ان علما کا مذہبی ٹٹی کی آڑ میں فساد کا شکار کھیلنا وتیرہ ہی تھا، دوسرے ملّایان مہتی مفز کا عموماً یہ خاصہ بھی ہوا کرتا ہے کہ جب یہ مباحثہ میں فریق مقابل سے دبتے ہیں تو شرعی فتووں کے تیروں سے نشانے اڑانے لگتے ہیں اور اپنی تمام علمی طاقت سبقت بردہ فریق کی ایذا رسانی بلکہ اُسکے برباد کرنے کی تدبیروں میں صرف کیا کرتے ہیں۔ اسی طبعی خصوصیت نے یہاں بھی رنگ دکھایا اور جب یہ علما بحث میں بند ہوئے تو قلموں کے موہنہ کھول کھول کر دل کے بخار نکالنے شروع کئے۔ انھوں نے تاریخ ۲۵ ربیع الآخر کو متفق الرائے ہوکر میاں سید راجو کے اخراج البلد کرنے کا فتویٰ لکھا اور اپنی حمایتی حکومت سے ان کے شہر بدر کرنے کی اجازت حاصل کرلی۔

جسوقت حضرت سید راجوؒ کو اخراج شہر کا حکم پہنچا ہے، آپ بتقریب دعوت ان ہی ہیتی پٹھانوں کے ہاں مہمان تھے۔ تخلیۂ شہر کا حکم سنکر آپ نے فرمایا کہ

"بہتر ہے۔ کھانا کھا کر چلا جاؤنگا"

لیکن شاہ بیگ کوتوال نے جو یہ حکم لے کر آیا تھا آپ کو نہایت بے التفاتی کے ساتھ شہر سے فوراً نکل جانے پر مجبور کیا۔ چنانچہ آپ شہر سے باہر رستم باغ میں تشریف لے آئے اور اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بیٹھکر کھانا نوش فرمانے لگے۔

میاں سید راجوؒ کی شہادت

کوتوال، جسکو شہر بدر کرنے کے حکم کی آڑ میں کچھ اور بھی سمجھایا گیا تھا، میاں سید راجوؒ کے پیچھے پیچھے مع چند ماتحت سپاہیوں کے باغ میں آیا اور آپ کے ہمراہیوں میں سے دو چار کو کھانا کھانے کی حالت میں زخمی کیا۔ یہ کیفیت دیکھکر میاں سید راجوؒ نے بھی حفاظتِ خود اختیاری کے طور پر اپنے رفقا کو مقابلہ کرنیکے لئے ارشاد فرمایا۔ تھوڑی دیر کے بعد بہادر خان اور اسمٰعیل بیگ چیلہ بھی کوتوال کی کمک پر آگئے اور بعد ازاں جام رتمل، زمیندار نوانگر بھی اس لڑائی میں آکر شریک ہو گیا۔ کوتوال پر توان بیگناہوں کا یہ صبر پڑا کہ اُسکا جوان لڑکا مارا گیا۔ اسمٰعیل بیگ بھی اس لڑائی میں کام آیا اور بہادر خاں زخمی ہو کر پسپا ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ظہر سے مغرب تک میدان گرم رہا۔ آخر کار زخموں سے چور ہو کر میاں سید راجوؒ زمین پر بیٹھ گئے اور ادائے فریضۂ مغرب میں سر بسجود تھے کہ بہادر خان افغان کے ایک داوزئی ملازم دلیر خان[۱۵] نے پشت پر سے ایک زخم آپ کے شانۂ مبارک پر اور قیام میں

[۱۵] دلیر خان روہیلہ داوزئی، ایک غریب آدمی تھا۔ جب اورنگ زیب گجرات میں صوبہ دار ہو کر آیا تو یہ کوتوالی کے معمولی سپاہیوں میں ملازم تھا۔ مگر چونکہ بہادر خان جو عالمگیر کا کوکہ تھا، اسکو اکثر اپنی اردلی میں رکھا کرتا تھا اس لئے اورنگ زیب بھی دلیر خان کا صورت آشنا تھا۔ جب میاں سید راجوؒ اسکے ہاتھ سے شہید ہوئے تو اورنگ زیب نے بزعم خود اس کارروائی سے خوش ہو کر اور نیز بہادر خان کے پاس خاطر سے اسکا مرتبہ بڑھا دیا۔ اور اکثر سیر و شکار میں اسکو ہمراہ رکاب رکھنے لگا۔ بعد ازاں جب اورنگ زیب تخت نشین ہوا اور شاہزادہ معظم کو مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کے ساتھ مہم دکن پر روانہ کیا تو بہادر خان کوکہ کی سفارش سے دلیر خان کو بھی شاہزادہ کے باڈی گارڈ کے سپاہیوں میں مقرر کر دیا۔ اتفاقاً اس سے کوئی امر ایسا سرزد ہوا جس سے شاہزادہ بدظن ہو گیا۔ یہ بھی بات کو سمجھکر جان کے خوف سے اُجین (مالوہ) چلا گیا اور وہیں روپوش ہو گیا۔ مگر جب بہادر خان، خان جہاں کا خطاب پاکر صوبۂ گجرات کا ناظم ہوا تو دلیر خان بھی اُجین سے اسکے پاس چلا آیا۔ بہادر خان نے مناسب موقع دیکھکر شہنشاہ اورنگ زیب سے اسکی ملازمت کے بارہ میں سفارش کی چنانچہ شہنشاہ نے سردار خان کو فوجداری سورٹھ سے علیحدہ کر کے بجائے اسکے دلیر خان کو مقرر کر دیا۔ چند روز بعد خان جہان بہادر خان گجرات کی صوبہ داری سے معزول کیا گیا اور مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور پھر مقرر ہوا۔ اسنے اپنی صوبہ داری کے زمانہ میں علاقۂ سورٹھ راؤ رتمل جام نوانگر کو رعایت قومی کے سبب عطا کر دیا اور دلیر خان کو احمد آباد میں بلا کر اسکی سکونت و معاش کے لئے بیجاپور (گجرات) میں کچھ زمین دیدی چنانچہ بیجاپور ہی کی سکونت کے زمانہ میں دلیر خان کی نسل میں رحمت خان ایک شخص پیدا ہوا جس نے اپنی ذاتی قابلیت سے ریاست پالن پور کے ساتھ تعلقات پیدا کر کے موضع کمال پور کا پٹہ بھی اپنے لئے لکھوا لیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ رحمت خان نے بیجاپور کی بود و باش ترک کر کے علاقۂ پالن پور میں سکونت اختیار کر لی۔ رحمت خان کے اس دو لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں

کھڑے ہوتے ہوتے دوسرا زخم سینۂ اطہر پر ایسا لگا کہ آپ شہادت کے دریا میں تیرتے ہوئے ریاض خلد میں داخل ہوگئے۔ اس لڑائی میں آپ کے علاوہ آپ کے بائیس ۲۲ ہمراہی بھی شہادت نصیب ہوئے۔ شہادت کے تیسرے روز سید یعقوب بخاری نے آپ کو مع دوسرے شہداء کے اسی مقام پر دفن کر دیا اور اب آپ کا مزار احمد آباد میں مشہور و معروف ہے۔

داراشکوہ اور کھانجی کولی

مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ شاہزادہ داراشکوہ جب ۱۰۶۹ہجری مطابق سمت ۱۷۱۴ ۱۶۵۸ء میں اپنے چھوٹے بھائی اورنگ زیب سے اجمیر کے میدان میں شکست کھا کر اپنے مددگاروں کی تلاش میں گجرات کی طرف آیا تو یہ دیکھکر کہ سردار خان ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ اورنگ زیب کی جانب سے احمد آباد کی حفاظت کے لئے ڈیرے ڈالے ہوئے ہے، مایوس ہوگیا۔ اور اس بیکسی و لاچاری کی حالت میں اسکے سوا کچھ نہ سوجھا کہ کھانجی کولی بھومیہ زمیندار پرگنہ چوبال کی پناہ میں چلا جائے۔ آفریں ہے اس بہادر کولی کو کہ اسنے ایسے پرآشوب زمانہ میں کہ پسینہ کی جگہ خون گرانے والے دوستوں نے آنکھیں بدل لی تھیں، شاہزادہ کو سر پر بٹھایا۔ آنکھوں کے پردوں میں چھپایا اور اسکی محافظت کے لئے قرب و جوار کے ہمقوم کولیوں کا میلاوہ جمع کر کے اسکو ملک کچھ کے جاڑیجہ راجپوتوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ لڑکوں میں سے ایک کا نام نہار خان اور دوسرے کا ثابت خان تھا۔ لڑکیوں میں سے ایک لڑکی باجی بائی کی شادی دیوان فیروز خان سے ہوئی ان کے بطن سے سمت ۱۸۵۴ ۱۷۹۸ء میں دیوان فتح خان ثانی پیدا ہوئے۔ جب سمت ۱۸۶۴ میں دیوان فتح خان ثانی بارہ گر مسند نشین ریاست ہوئے تو انہوں نے اپنی والدہ کی خاطر سے ننہال کے رشتہ دار داویزئی پٹھانوں کو مواضعات مجاہد پور، وہینا۔ تھلواڑہ اور بہادر پور کا پٹہ لکھ دیا۔ مگر دیوان زور آور خان کے عہد حکومت میں مجاہد پور کے عوض موضع بھروڑ دیا گیا۔ رحمت خان کی دوسری لڑکی صاحبجی بائی خرمانی شاخ کے پٹھان نہار خان سے منسوب تھیں۔ انکے ان تین لڑکے معظم خان۔ عمر خان عرف ٹھاکر میاں اور چاند خاں پیدا ہوئے۔ اسی رشتہ داری کی وجہ سے نہار خان خرمانی کو دیوان فیروز خان ثالث نے موضع بہادر پور کا پٹہ دیا تھا۔ دیوان فتح خان نے معظم خان اور ٹھاکر میاں کو شیر پورہ کا اور بعد ازاں دیوان زور آور خان نے معظم خان کے بیٹے اعظم خان کو موضع گیدا سن کا پٹہ لکھدیا اور عمر خان کے پوتے بہادر خان ابن صلابت خان کو حضور زبدۃ الملک فرمانروائے حال خلد اللہ ملکہم نے موضع نگانہ کا پٹہ عطا کیا ہے۔ غرضکہ اسی قرابت کے سبب داویزئی پٹھانوں کا خاندان یہاں کے بہاری پٹھانوں کے ساتھ مخلوط ہے اور اس ریاست سے ان کے تعلقات وابستہ ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ۔

کی حدود میں امن وامان کے ساتھ پہنچا دیا۔[۱۵]

جعلی داراشکوہ داراشکوہ کے حدود کچھ میں پہنچنے کے چند روز ہی بعد موضع تیرواڑہ کے ایک بلوچ نے اپنے آپکو داراشکوہ مشہور کیا۔ اور حدود گجرات میں غدر مچادیا۔ کھانجی اور دوواجی زمینداران چوال اور گرد و نواح کا کریج وغیرہ کے کولی اور بہو میہ مہواسی بھی اسکے شریک ہوگئے چونکہ اس شورش کی اطلاع شہنشاہ اورنگ زیب کو متواتر پہنچ رہی تھی اس لئے اسنے صوبہ گجرات کے تمام مہواسی مواتر کولیوں سے بدظن ہو کر ان سب کی جاگیریں ضبط کر لینے کی بابت مہابت خان صوبہ دار گجرات کے نام فرمان نافذ کیا تھا چنانچہ اسی بنا پر مجاہد خان نے بھی دانتی واڑہ کا پرگنہ جو اسکے دوران حکومت میں مواتر کولیوں کی جاگیر میں تھا ضبط کرکے شامل خالصہ کرلیا۔

دانتی واڑہ پر سرکاری حصہ دانتی واڑہ کے مواتر کولی قدیم الایام سے خراجگزار پالن پور تو ضرور تھے مگر پیشکش کی معینہ رقم اس وقت ادا کرتے تھے کہ جب ریاست کو کہیں فوجکشی کرنے کا اتفاق ہوتا تھا۔ دیہات کی پیداوار سے کوئی خاص حصہ مقرر نہ تھا۔ مجاہد خان نے کچھ مدت کے بعد پرگنۂ دانتی واڑہ واگزاشت کرکے کل آمدنی میں سے سرکاری حصہ لینے کا قانون جاری کیا۔ ممکن ہے کہ اس قانون میں وقتاً فوقتاً تغیر و تبدل ہوتا رہا ہو لیکن یہ آئین ان ہی کا نافذ کردہ ہے۔

انتقال مجاہد خان کے کوئی اولاد نہ تھی اور انھیں ہمیشہ اولاد کی آرزو ہی رہی۔ آخر کار اسی تمنا میں جو خصوصیت کے ساتھ ایک والیِ ریاست کے لئے نہایت ہی سوہان روح ہوا کرتی ہے سمت ۱۷۱۹ مطابق سنہ ۱۰۷۴ھ / ۱۶۶۳ء میں اس جہان فانی کو چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔

اوصاف یہ نہایت نیک چلن اور صاحب مروت رئیس تھے پولٹیکل چالیں انکو خوب یاد تھیں حکام بالادست کو اپنا بنا لینا انکے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ انکی عمدہ تدابیر نے جسطرح عیش دوست مگر صاف دل شاہزادہ مراد بخش کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا اسی طرح اپنی دانائی و ہوشیاری سے اورنگ زیب جیسے چالباز اور ظاہر دار بادشاہ کے دل میں بھی انکا گھر تھا۔

---

[۱۵] مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۲۵۸۔ المولف

باب شانزدہم

دیوان کمال خاں عرف کرن کمال

مسند نشینی۔ مجاہد خان نے اولاد سے مایوس ہوکر اپنی زندگی ہی میں اپنے بھائی سلیم خان کے چھوٹے لڑکے کمال خان کو متبنیٰ کر کے ولیعہد بنالیا تھا، جو انکے انتقال کے بعد سمت ۱۷۱۹ مطابق سنہ ۱۶۶۳ع / ۱۰۷۴ھ میں مسند نشین ریاست ہوئے۔ اگرچہ مجاہد خان اپنی حکومت و فرمانروائی کے زور سے جسکو چاہتے متبنیٰ بنا کر اپنا راج پاٹ سونپ سکتے تھے لیکن چونکہ وہ مسلمان تھے اور شاہانِ اسلام کے مطیع اس لئے تعجب ہے کہ انھوں نے اپنے بڑے بھتیجے فتح خان کو اپنی مسند کا وارث کیوں نہ بنایا۔ کیونکہ تمام معقولی اور منقولی وجوہات کے علاوہ بھی مجاہد خان کے بعد (بحیثیت لاولدی) ریاست سلیم خان کا اور سلیم خان کے بعد فتح خان کا حق تھا۔

دیوان کمال خاں عرف کرن کمال

فتح خان برادر کمال خان

مسند نشین ہونے کے بعد کمال خان اپنے بڑے بھائی فتح خان کی صلاح و مشورت سے کاروبار ریاست انجام دینے لگے کیونکہ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے۔ علاوہ ازیں کمال خان کو اپنے بھائی کے حقوق کا بھی خیال تھا اس لئے گو وہ مسند آرائے ریاست تھے لیکن انھوں نے دیدہ و دانستہ اپنے بھائی فتح خان کو ریاست میں سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا تھا۔

جالور اور پالن پور کا الحاق

کچھ مدت یہ دونوں بھائی ایک دوسرے کے ہمدرد بنے ہوئے محبت و یکجہتی کے ساتھ ریاست پر حکومت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ دیوان فتح خان کو ناظم صوبہ گجرات کی تحریک سے پیشکش شاہی وصول کرنے کے لئے جانا پڑا جسکے صلہ میں ناظم صوبہ کی سفارش سے جالور۔ سانچور اور بھینمال تین پرگنات کی سند انھوں نے اپنے نام حاصل کر لی اور کسی اندرونی معاملہ کی تہ کو پہنچکر آپس کے مشورہ سے پالن پور اور جالور کا الحاق کر دیا جسکی مفصل کیفیت دیوان فتح خان کے حالات میں لکھی جائیگی۔ اس کارروائی کے بعد دیوان فتح خان تو جالور جاکر اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کوشش کرنے لگے اور کمال خان پالن پور میں مستقل طور پر مہمات ملکی کی انجام دہی میں مصروف ہو گئے۔

کمال خان کا عزل و نصب

مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ

"کمال خان لوہانی چہار صدی ذات اور سہ صد و پنجاہ سوار کے شاہی منصبداروں میں شمار کئے جاتے تھے"

سنہ ۱۰۸۲ ہجری مطابق سمت ۱۷۲۷ میں مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور نے ناظم صوبہ گجرات مقرر ہونیکے بعد کمال خان کو حکومت پالن پور سے معزول کر دیا تھا مگر جسونت سنگھ راٹھور کے بدلتے ہی کمال خان پھر بحال کر دئے گئے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ کمال خان کم و بیش ڈیڑھ برس تک ریاست پالن پور سے معزول رہے اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہے کہ انکی علیحدگی کی حالت میں انکے بھائی فتح خان ریاست کے فرمانروا رہے ہیں۔ اس واقعہ کا مفصل بیان دیوان فتح خان کے حالات میں درج کیا جائے گا۔

مارواڑمیں کارنمایاں

سمت ۱۷۴۶ مطابق سنہ ۱۶۹۰ء ۱۱۰۲ھ میں نواب شجاعت خان صوبہ دار گجرات و مارواڑ نے جب یہ خبر سُنی کہ بہادر فتح خان کے مرتے ہی سرشور لوگوں نے پھر[۵۱] ہنگامہ برپا کیا ہے اور اجیت سنگھ کے نائب درگداس اور دوسرے حامی راٹھوروں نے تمام اضلاع مارواڑ میں لوٹ مار مچا رکھی ہے تو وہ عجلت کے ساتھ یلغار کرتا ہوا احمد آباد سے جودھ پور پہنچا اور اس فتنہ و فساد کے فرو کرنے میں مصروف ہو گیا۔ لیکن چونکہ وہ اچھی طرح سمجھتا تھا کہ جب تک ملک مارواڑ کے تمام سرحدی اضلاع کا قرار واقعی بندوبست نہ کیا جائیگا، یہ آگ ٹھنڈی نہیں ہو سکتی اس لئے براہ دوراندیشی اس نے کمال خان کو لکھ بھیجا کہ

"تم اپنے آپ کو فوراً جالور پہنچاؤ اور وہاں جاکر کوہ اراولی کے دروں اور گھاٹیوں کی ناکہ بندی کر دو تاکہ راٹھور علاقہ ماواڑ کو اپنی لوٹ مار سے تباہ و برباد نہ کر سکیں[۵۲]"

یہ حکم پاتے ہی کمال خان نے پالن پور کا انتظام[۵۳] اپنے ولیعہد فیروز خان کے سپرد کیا اور خود جالور پہنچکر راٹھوروں کی آمد و رفت کے تمام راستے روک لئے اور سوندھا پہاڑ کی گھاٹیوں کا محاصرہ کرکے ایسا بندوبست کیا کہ ایک متنفس کو

---

۵۱ فتح خان اور کمال خان کے حالات اکثر ایک ہی زمانہ کے ہیں اسلئے ناظرین کو باب شانزدہم اور ہفتدہم ملا کر پڑھنا چاہئے کیونکہ ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ سے تطبیق دینے یا مسلسل کرنے کے لئے ان دونوں بابوں پر ساتھ ہی نظر ڈالنا زیادہ ضروری ہے۔ اس موقع پر ہم نے راٹھوروں کی شورش کا حال لکھتے وقت "پھر" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قریب ہی زمانہ میں ایک دفعہ پہلے بھی راٹھور فتنہ و فساد کا جھنڈا بلند کر چکے ہیں لیکن چونکہ کمال خان کے حالات میں راٹھوروں کی بغاوت کا اس سے پہلے کہیں ذکر نہیں آیا ہے اس لئے واقعات کا سلسلہ منقطع سا ہو جاتا ہے مگر باب ہفتدہم میں فتح خان کا حال پڑھ لینے کے بعد یہ تمام شکوک بڑی آسانی سے رفع ہو سکتے ہیں۔ ۱۲۔ المولفہ

۵۲ تاریخ مرآۃ احمدی جلد اول صفحہ ۳۴۳۔ المولفہ۔

۵۳ جس زمانہ میں کمال خان کو جالور جانیکے لئے تاکیدی حکم پہنچا تھا اُسوقت علاوہ پالن پور اور جالور کے اضلاع مغربی ملک مارواڑ یعنی باڑمیر وغیرہ بھی اسکے زیر حکومت تھے۔ مگر وہ دارالریاست پالن پور ہی میں زیادہ تر رہا کرتے تھے۔ ۱۲۔ المولفہ

بھی باہر نکلنے کا موقع نہ ملا۔

وصولی جزیہ

سمت ۱۷۴۶ مطابق ۱۱۰۲ھ ۱۶۹۰ء میں پالن پور وغیرہ کی ہندو رعایا سے جزیہ وصول کرنے کے لئے شہنشاہ اورنگ زیب نے نواب شجاعت خان ناظم گجرات و مارواڑ کے نام حکم نافذ کیا۔ نواب ناظم نے اس بارہ میں کمال خان کو لکھا۔ مگر چونکہ کمال خان ایک غیر متعصب اور مسلک صلح کل کے پیرو تھے اور ہر ایک مشرب کے لوگوں پر جبر کرنے کو گناہ کبیرہ سمجھتے تھے۔ اس لئے مجبوراً انھوں نے اپنے ولیعہد فیروز خان کو جو اسوقت جالور میں نائب تھے، فرمان شاہی کی تعمیل کے لئے ارقام کیا۔ چنانچہ فیروز خان نے شیخ اکرام الدین کو جو فراہمی جزیہ کے لئے مقرر ہوا تھا، بہت مدد دے کر جزیہ وصول کرا دیا[۹۱]۔

شکاری چیتے بارگاہ شاہی میں بھیجنے کا دستور

پالن پور سے ہر برس شکاری چیتے حضور شاہی میں جایا کرتے تھے مگر کمال خان کی طرف سے ایک سال چیتوں کے بھیجنے میں کسیقدر تساہل ہو گیا۔ یعنی زمانہ معینہ پر چیتے بارگاہ شاہی میں نہ پہنچ سکے۔ اورنگ زیب نے جو انتظام ملکی میں ضرب المثل تھا، کمال خان کی اس غفلت یا فروگزاشت کو محسوس کر کے سنہ ۱۱۰۲ ہجری میں نواب شجاعت خان ناظم گجرات و مارواڑ کو ایک فرمان میں ضمناً لکھ بھیجا کہ

"ورکیں پالن پور سے چیتوں کے نہ بھیجنے کا سبب دریافت کر کے پیشگاہ علیا میں عرض کیا جائے"

ناظم صوبہ نے کمال خان کو فرمان شاہی سے اطلاع دیکر تاکیداً لکھ بھیجا کہ

"حسب آئین قدیم چیتے فوراً روانہ کر دینے چاہئیں"

چنانچہ کمال خان نے چیتوں کے کئی عمدہ جوڑے مہیا کر کے حضور شاہی میں ارسال کئے اور تاخیر کی نسبت کوئی معقول عذر بھی پیش کر دیا۔

حسن اتفاق سے یہ چیتے ایسے موقع پر پہنچے کہ اورنگ زیب شکار کے لئے پابرکاب تھا۔ ان چیتوں کو ملاحظہ فرما کر میر شکار کو ارشاد ہوا کہ

---

[۹۱] تاریخ مراۃ احمدی جلد اول صفحہ ۳۴۲۔ مولف

"یہ نئے چیتے بھی شکار میں ہمراہ رہیں"

شکار کے وقت ان چیتوں نے ایسی چالاکی اور خوبصورتی سے کام دیا کہ شہنشاہ نہایت محظوظ و مسرور ہوا اور ناظم صوبہ کے نام اب جو فرمان صادر ہوا اس میں کمال خان کے مرسلہ چیتوں کی تعریف کرتے ہوئے یہ فقرہ بھی لکھا تھا کہ

"از تحفۂ کمال مسرت کمال دست داد - چنانکہ مضمون ویرآید درست آید برآں صادق آمد"

کمال خان کی عمدہ خدمات

سیواجی راؤ کے امرا اور مقتدر ملازمین میں سے دہناجی جادو، ایک مرہٹہ سردار نے جب گجرات پر چڑھائی کی اور ملازمین شاہی میں سے عبدالحمید خان نائب صوبہ گجرات کو صفدر خان اور اس کے دونوں بیٹوں، صلابت خان اور شیر دل خان بابی سمیت گرفتار کر لیا۔ علاوہ ازیں امرائے گجرات بھی جو بادشاہ کی طرف سے اسکے مقابل ہوئے تھے، مرہٹوں کے ہاتھوں میں پھنس گئے تو سپہ سالار لشکر، شاہزادہ محمد اعظم نے جو صوبہ گجرات کا ناظم تھا، مجبور ہو کر شہنشاہ اورنگ زیب کے حضور میں کمک کی درخواست کی۔ مگر اورنگ زیب نے فوج بھیجنے سے قطعی انکار کر کے لکھدیا کہ

"یہاں سے فوج بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ گجرات میں سپاہی پیشہ لوگ بکثرت آباد ہیں، وہیں سے فوج بھرتی کر کے اس مہم کا بندوبست کرنا مناسب ہے"

جب اورنگ زیب کی طرف سے خلاف امید یہ جواب ملا تو شاہزادہ نے چار و ناچار بطور خود فوج بھرتی کرنی شروع کی۔ چونکہ اسوقت مرہٹوں کی شوریدہ سری نے تمام گجرات میں ایک ہل چل ڈالدی تھی اور اسپر شہنشاہ کا اپنے لخت جگر کو یہ روکھا جواب دینا اور طرہ ہوا، کمال خان اس وقت کو غنیمت سمجھکر ملک کی حراست و پاسداری کی اعلیٰ خدمات سے شہنشاہ کی خوشنودی مزاج حاصل کرنے کے لئے کوشش کرنے لگے "شیخ نور الحق صدر الصدور گجرات کے ذریعہ سے سمت ۱۷۶۲ مطابق ۱۱۱۸ھ / ۱۷۰۶ء میں عرض کی کہ

"باستماع ارادہ باطلۂ دکنیان سمت احمد آباد محمد فیروز خانہ زاد را با جمعیت در مکان متعلقہ گزاشتہ

خود سوار و پیادہ از نوکران و زمینداران ہمراہ گرفتہ باحمدآباد میرسد۔ امیدوار است کہ جمعیت کوکی ہمراہی فدوی درگاہ را تا مدت تقدیم کار پادشاہی بدستور گجرات بقدر خوراک از سرکار معلی رعایت شود کہ ہمراہ بندہ جانفشانی نمایند۔"[۵۱]

چنانچہ کمال خان نے اپنی جنگی اور بھومیہ زمینداروں کی جمعیت سمیت احمدآباد کی طرف کوچ کیا اور کچھ مدت کے لئے نہایت قابلیت کے ساتھ تمام صوبہ گجرات خصوصاً شہر احمدآباد کی پورے طور پر حفاظت کی۔

کمال خان کی اس قابل قدر خدمت اور انکے حسن انتظام سے شہنشاہ بے انتہا خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اس عرقریزی اور خدمت کے عوض کمال خان کے جاہ و منصب میں اضافہ کیا جائے مگر تقدیر کی بات کہ بادشاہ کو مہم دکن پیش آگئی اور اس مہم کے سر کرنے میں وہ اسقدر مصروف ہوا کہ دوسرے کاموں کا خیال تک نہ آیا اور ابھی بادشاہ دکن ہی میں تھا کہ اسی سال یعنی سمت ۱۷۶۲ بکرمی میں کمال خان کا انتقال[۵۲] ہو گیا۔

اورنگ زیب اور بغاوتِ مارواڑ کمال خان کے حالات میں ریاست جالور کا انکے قبضہ سے نکل جانا سب سے زیادہ مشہور اور قابلِ ذکر واقعہ ہے جسکی کیفیت یہ ہے کہ جب اورنگ زیب راٹھوروں کی سرکوبی کرنے میں اپنی تمام طاقت صرف کر چکا اور پھر بھی انکی فتنہ انگیزی اور غارتگری کا کامل انتظام و انسداد نہ ہوا تو وقائع نگاروں اور خفیہ نویسوں کی تحریرات پر شہنشاہ نے افواج متعینہ مارواڑ کے افسروں سے بدگمان ہو کر دفعۃً بہت سے عہدہ داروں کی معزولی کا حکم صادر فرمایا اور باقیماندہ میں سے بعض کو اپنے حضور میں طلب کر لیا اور جو رہ گئے انکے عہدہ و اختیار وغیرہ میں تبدل کر دیا۔

شاہزادہ اکبر اور باغی راٹھور کچھ تو شہنشاہ اورنگ زیب کی فطرت ہی میں بدگمانی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی اور کچھ راٹھوروں کی بغاوت کا انتظام نہ ہونے کے سبب اکثر امرا اور اہلکاروں پر اعتبار نہیں رہا تھا اس لئے بالآخر

---

[۵۱] تاریخ مرآۃ احمدی جلد اول صفحہ ۳۹۳۔ لمولفہ

[۵۲] بعض لوگ جو بیان کرتے ہیں کہ کمال خان کا انتقال سمت ۱۷۵۴ خواہ سمت ۱۷۵۵ میں ہوا یہ محض غلط ہے۔ کیونکہ واقعات کے علاوہ تاریخ مرآۃ احمدی کی عبارت مندرجہ متن سے بھی اسکی تردید ہوتی ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

اُس نے شاہزادہ محمد اکبر کو جسے وہ بہت عزیز رکھتا تھا اور جسکے قول و فعل پر اسے پورا اطمینان تھا، فوج شاہی کا سرلشکر مقرر کرکے راٹھورونکی بغاوت کے انسداد کے لئے روانۂ مارواڑ کیا۔

راٹھورونکی چالبازی

جب راٹھوروں کو معلوم ہوا کہ شاہزادہ اکبر کہنہ عمل سپاہیوں کا ایک چیدہ لشکر لئے ہوئے اسطرف چلا آتا ہے تو نہایت پریشان ہو کر آپس میں چپکے چپکے شاہزادہ کے ہاتھوں سے بچنے کی تدبیریں کرنے لگے۔ چنانچہ طے شدہ مشورہ کے ہر پہلو پر اچھی طرح غور کر لینے کے بعد انھوں نے درخواست صلح کے بہانہ سے اپنے ایک معتمد مگر مکار و ہوشیار چارن کو اپنے مطلب کا سبق پڑھا کر شاہزادہ کے حضور میں بھیجا۔

چالاک اور لسان چارن نے شاہزادہ کی خدمت میں پہنچکر پیام صلح ادا کرنے کے بعد کچھ ایسی پچھے دار باتیں کہیں کہ وہ اُسکی طرز گفتار کا دلدادہ ہو گیا اور اِدھر اُدھر کے قصے کہانیوں کے ضمن میں جو سبق راٹھوروں سے پڑھکر آیا تھا اسے اپنی خوش بیانی سے اسطرح دوہرایا کہ سادہ لوح شاہزادہ پر چارن کی تقریر نے پورا پورا اثر کر لیا۔ اور اُسکے دل میں دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک اور مراعات کا خیال یہانتک پیدا ہو گیا کہ اپنے مافی الضمیر کو بھی، جسکے لئے دہلی سے نکلا تھا، بالکل بھول گیا۔

برہمن چارن کی تقریر

جب چارن نے دیکھ لیا کہ میرا جادو اچھی طرح چل گیا اور شاہزادہ میرے دام فریب میں گرفتار ہو گیا تو اسنے اپنی تقریر کا رنگ بدل کر اس ناعاقبت اندیش شاہزادہ کو اورنگ زیب سے منحرف کرنا شروع کیا اور دو چار خوشامدانہ فقروں کے بعد بولا کہ

"ابھی تو خدا کے فضل سے ہمارے اقبال یعنی حضرت ظل سبحانی کا سایہ آپ کے سر پر ہے۔ دشمن بھی دوست بنے ہوئے ہیں۔ کسی کو اتنی جرأت نہیں ہوسکتی کہ آپ کی طرف ترچھی نظر سے بھی دیکھے۔ مگر ؛ حضور ! ؛ خطا معاف !!! آپ کے بھائی حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے بھی دس حصے بڑھکر ہیں جب اسوقت کہ محبت شہنشاہی آپ کی محافظ و طرفدار ہے، آپ کو اپنے بھائیوں کے مقابلہ میں ناکامی رہا کرتی ہے تو دشمنوں کے کان بھرے۔ جب وہ مطلق العنان

ہو گئے، فرمائیے! آپ کا کیا اور کہاں ٹھکانہ ہوگا؟ آپ کے بھائیوں کے جو خیالات اور جوارادے ہیں وہ کچھ مجھ ہی تک یا آپ ہی تک محدود نہیں ہیں بلکہ ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے کہ وہ کیا کر چکے ہیں حضور کو حضور مااتقدم کے لئے کچھ کہنا گویا لقمان کو حکمت سکھلانا ہے۔ لیکن گستاخانہ اتنا عرض کرتا ہوں کہ حضور کو اپنے آباؤ اجداد کے خیالات اور حالات سے ضرور سبق لینا چاہئے۔ دیکھئے! شہنشاہ اکبر نے تالیف قلوب اور ہر دلعزیزی کا کیا طریقہ اختیار کیا تھا اور بہادر، وفادار قوم راجپوت کے ساتھ موافقت رکھنے کی وجہ سے کس آسانی کے ساتھ ملک ہندوستان کو مسخر کر لیا تھا اعلیٰ حضرت شاہجہاں نے بھی ان ہی جان نثار راجپوتوں کی بدولت تخت سلطنت حاصل کیا تھا جس وقت تخت نشینی کی بابت جھگڑے چلے ہیں تو زمانہ بھر انکا مخالف تھا اور قابو یافتہ اہل دربار تو انکے دشمن جانی ہی تھے مگر راجپوتوں کی تلوار اور حکمت عملی نے سب مخالفوں کو ایسا نیچا دکھایا کہ پھر ابھرنے ہی نہ دیا۔ اسی طرح اگر حضور بھی براہ دور اندیشی اس وفاشعار قوم کے ساتھ رشتہ محبت و اخلاص قائم کر کے تسخیر کا افسوں پھونک دینگے تو کیا عجب ہے کہ اورنگ زیب کے جیتے جی آپ ولیعہد سلطنت بلکہ مستقل بادشاہ بن جائیں"!

بادشاہ سے باغی ہونا۔ خلاصہ یہ کہ اس پیغام رساں چارن نے دو چار وقت کی حاضر باشی میں اپنی لسانی اور چرب زبانی سے ناتجربہ کار شاہزادہ کو اپنی طرف متوجہ کر کے اسکا دل مٹھی میں لے لیا اور قوم راجپوت کی طرف سے اب شاہزادہ کے دل میں اسقدر محبت پیدا ہو گئی کہ راٹھوروں کے ساتھ معرکہ آرائی کا خیال بھی ایسا محو ہوا کہ گویا کبھی تھا ہی نہیں بلکہ راجپوتوں کے رات دن کے لگانے بجھانے سے اپنے شفیق باپ شہنشاہ عالمگیر سے بدظن ہو کر علانیہ مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا اور چالاک راجپوتوں کا لگایا ہوا سبز باغ دیکھ کر اپنے حق میں کانٹے بونے شروع کر دئے۔

بادشاہ اور شاہزادہ کی مراسلت شہنشاہ کو شاہزادہ کی نادانی اور کوتہ اندیشی پر افسوس بھی ہوا اور غصہ بھی آیا۔ مگر ساتھ ہی اسکے مقابلہ میں فوجکشی کرنا یا معرکہ آرائی کا حکم دینا بھی شان کے خلاف تھا اس لئے حکمت عملی سے کام لیا اور

ایسی تدبیر نکالی کہ راجپوتوں کی فتنہ پردازیوں اور شاہزادہ کے ابلہانہ غرور و نخوت کا دفعتہً خاتمہ ہوگیا۔ چونکہ اس موقع پر
شہنشاہ کے منشیانہ قلم نے پولیٹکل تلوار سے زیادہ کام کیا تھا اور صرف ایک پرچہ کاغذ نے راجپوتوں اور شاہزادہ
محمد اکبر کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شہنشاہ اور شاہزادہ کی اُس دلچسپ مراسلت
کو اس موقع پر بلفظہٖ درج کر دیا جائے جو انکے درمیان ہوئی تھی وھو ھذا۔

نقل تحریر دست و قلم خاص عالمگیر کہ بشاہزادہ محمد اکبر لقلم آمد

"فرزند دلبند نور البصر لخت جگر بجان برابر بلکہ از جان عزیز عزیز تر بتوجہات خاص الخاص مستظہر بودہ بداند
خدا گواہ است کہ ما بدولت و اقبال آنفرزند را زیادہ از ہمہ فرزندان عزیز تر می داشتیم و رفاہیت و
آسودگی حال و مآل او ہمہ وقت پیش نہاد خاطر فیض مآثر بود۔ آما او از بے سعادتی خود بحیلہ بازی
راجپوتان ابلیس کردار آدم صفت از بہشت آغوش و کنار مادر و پدر در کنار و پدر رشدہ آوارہ کوہ و دشت
ادبار گردید تا چہ تدبیر کنم و چہ چارہ سازم از استماع احوال کثیر الاختلال پریشانی و سرگردانی و فلاکت و ہلاکت
او نہایت غم و غصہ سراپائے خاطر میگردد بلکہ لذات جسمانی ہم تلخ شد و اسفاہ قطع نظر از عزت و
شان و شوکت سلطانی و شاہزادگی ہزار افسوس کہ آنفرزند سادہ لوح را بر جوانی خود ہم رحم نیامد و بر اہل و
اطفال خود مہر نکردہ خود را بہ بدترین حالت در قید و حبس راجپوتان بد نہاد و بہائم صورت سباع سیرت
در انداختہ ہمچو گوئے بچوگان اختیار گواران افتاں و خیزاں و گریزاں ہر طرف چرخ میزند از آنجا کہ
عاطفت پدری نسبت بحال فرزندان ازلی است ہرچند از آں فرزند تقصیرات عظیم سرزدہ میخواہم
کہ در خور کردار بسزا رسد؎

گرچہ پسر تودہ خاکستر است | سُرمہ چشم پدر و مادر است

گزشتہ انچہ گزشت الحال ہم اگر بہ ہنوئی بخت از کردار ناہموار خود پشیماں گردیدہ کلاہ رست مشرف شود تا بر صفحہ زلاو

تقصیرات او قلم عفو کشیده آید و عنایات و نوازشات که در خیال نگزرانیده باشد دربارهٔ او جلوهٔ ظهور
گیرد - هرچند ظهور عنایت را شرط حضوری لازم نیست اما چون طشت رسوائی آن فرزند از بام افتاده
صدایش بگوش خاص و عام رسیده الانسب آنست که یکمرتبه خود را بحضور رسانیده ننگ این بدنامی از سر خود
ساقط سازد و جسونت که سرگروه آنجماعت بود رفاقت و همراهی که با داراشکوه نموده از غایت اشتهار
محتاج بیان نیست آنفرزند باعتقاد و گفتار آنها هرسوداے خام که بپخته باشد جز پشیمانی نتیجه دیگر نخواهد دید
یقین داند زیاده توفیق رفیق و راه راست نصیب باد -

نقل عرضداشت که شاهزاده محمد اکبر در جواب همین فرمان بپادشاه اورنگ زیب عالمگیر نوشته

عرضه حضرت قبله کونین و کعبه دارین

اصغر ترین فرزندان محمد اکبر لوازم عبودیت بتقدیم رسانیده بموقف عرض میرساند
فرمان والاشان که بنام این اصغر ترین فرزندان گردیده بود در خوشترین زمان و نیکوترین آوان پرتو ورود
فرمود آداب فرمانبرداری بجا آورده سوادش را چون سرمه در بصر بصیرت کشیده و از مضمون عنایت
مشحونش مطلع گردیده دیدهٔ دل را نورانی ساخته آنچه بقلم نصایح رقم رحمت شیم نبیسے چند ترادش
یافته بود در جواب هر باب شرحی مختصر معروض ضمیر دارد - چون نفس الامر است اگر بانصاف نزدیک شود
دور نخواهد بود - مرقوم شده بود که ما بدولت و اقبال او را از همه فرزندان عزیز میداشتیم و او از راه بی‌سعادتی
خود از این نعمت عظمی بے نصیب بوده خود را در طوفان بے تمیزی افگنده خدیو صورت و معنوی سلامت
چنانچه رضاجوئی و خدمت پژوهی پدر بر ذمهٔ پسر لازم است پرورش و تربیت و خیرخواهی حال و مآل
و حقوق چند بر ذمه پدر هم از پسر است المنة لله که تا این زمان از لوازم عبودیت و اطاعت مقصر
نگشته و عنایات آنحضرت را تا کجا شرح دهد از هزار یکے و از بسیار اندکے گزارش میدهد که رعایت و

حکایت فرزند کوچک پیش نہاد پدر بزرگوار ہمیشہ وہمہ جا مقدم است وحضرت کہ برخلاف آں بجانب
ہمہ فرزندان سبب التفاتی فرمودہ پسر کلاں را بخطاب شاہی نامزد فرمودہ ولیعہد خود گردانیدند اینمعنی
از کدام عدالت وانصاف تواں شمرد درمال پدر حق فرزندان مساوی است یکے را برافراختن و
دیگرے را برانداختن کدام شرط دین وآئین است آن بادشاہ حقیقی حکیم مطلق وگر است کہ در کارخانہ
قدرتش وحکمتش چون وچرا را راہ نیست نواختن وبرانداختن وابستۂ حکم اوست کہ لا تخلوا عن الحکمۃ
لیکن سبحان اللہ شریعت منشی وحقیقت گزینی ومعرفت بینی حضرت برعالم وعالمیان ظاہر است ع
تا دوست کرا خواہد ومیلش بہ کہ باشد
درحقیقت مرشد وہادی ایں راہ حضرت اندراستے کہ حضرت خود بدولت بودہ باشند چگونہ بے سعادتی
تواں گفت ؎

پدرم روضۂ رضواں بدو گندم بفروخت ناخلف باشم اگر من بجوے نفروشم

فرزند خلف آنست کہ قدم بقدم برطریقہ پدر باشد وانا علی آثارھم لمھتدون ۔ ع
میراث پدر خواہی علم پدر آموخت
حضرت سلامت مردان رنج ومحنت برخود پسندیدہ اند وبادشاہان پیشیں مثل حضرت صاحبقران
عرش آشیانی محنت ہا کشیدہ بمقاصد ما فی الضمیر کامیاب گردیدہ اند ع
براحتے نرسد آں کہ محنتے نہ کشد
از جرائد تواریخ مبرہن است تا کہ رنج ظلمات نکشد لذت آبحیات نچشد آنکہ محنت نبرد ثمرہ راحت نخورد کہ
گل بخار و گنج بے مار نباشد ؎

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست کہ بوسہ برلب شمشیر آبدار زند

ازانجا کہ درپے ہر رنج راحت است بعین عنایت کارساز بندہ نواز امیدوار واثق وارد کہ قریب الایام

صورت مراد بوجه احسن جلوهٔ ظهور گیرد و پریشانی و سرگردانی بکامرانی و شادمانی مبدل گردد. رقم پذیر شده بود که جسونت که سرکردهٔ آنجماعت بود رفاقت و همراهی که با داراشکوه نمود بر عالم ظاهر است قول این جماعت اعتبار را نشاید الخ. حضرت بجا میفرمایند امامغز سخن نمیرسند که خود مغز ندارند در اصل داراشکوه باین جماعت عناد داشت از نتایج آن دید آنچه دید اگر از اول باینها میساخت هرگز کارش باین غایت نمی کشید حضرت عرش آشیانی باین جماعت رابطهٔ خویشی موکد کرده بتقویت اینها ملک هندوستان بضبط و ربط در آورده اند و این جماعت آنست که مهابت خان باعانت اینها حضرت جنت مکانی را در حیطهٔ اختیار خود در آورده و از شجاعت اینها ظاهر است که حضرت خود بدولت در دار الخلافت زینت بخش تاج و تخت بودند و راجپوتان سیصد کس که کار رستمانه و بهادرانه از دست اینها بوقوع آمده بر همگنان ظاهر و هویدا است و همان جسونت بود که در عین معرکه نسبت بجناب سلطنت مآب مصدر بے ادبیها شده و حضرت دیده و دانسته چون تاب متفاوت ندیدند اغماض فرمودند و همین جسونت بود که حضرت بچندین فسون و فسانه دلداری نموده از رفاقت داراشکوه باز داشتند که فتح و نصرت نصیب اولیای دولت شد. رحمت بر نمکخواری اینها که از برای صاحبزادهٔ خود سر خود را فدا میکنند و در جانسپاریهای بجان دریغ نمیکنند پادشاه هندوستان و شاهزاده هائے عالیقدر و امرائے والا اعتبار مدت سه سالست که در تلاش سیوای مقهور اند هنوز روز اول است و چرا چنین نباشد که در عهد حضرت وزرا بے اختیار و امرا بے اعتبار و سپاهی خوار و نویسنده بیکار و سوداگر بے مال و رعیت پامال همچو ملک دکن که ولایتیست بهشت آئین سرسبز زمین چون کوه و بیابان خراب و ویران و دار السرور برهانپور که خال رخسارهٔ عالم است تلف و تاراج و اورنگ آباد که بسبب همنامی حضرت ممتاز از همه شهرهاست از آسیب و صدمات لشکر غنیم چون سیماب در اضطراب عامل در خانهٔ غنیم بر سر رعیت جائیکه چنین ستم باشد در دعاگوئی و ثناخوانی خلیفه خود چگونه مقصر نخواهند بود مردم اصیل و نجیب از خاندان قدیم گمنام و سررشتهٔ کارخانهٔ سلطنت و مصلحت

آموز دولت در کف اختیار مردم ارازل واسافل انام جولاہہ وبافندہ وصابون فروش وجاروب کش
خیرہ گرد وپیراہن فراخ وخرقہ وغل دربغل ودام شیطان بنام تسبیح دردست گرفتہ مسائل چند برزبان
می رانند وحضرت آنہارا مصاحبان ومقربان ودمسازان وہمرازان چوں جبرئیل ومیکائیل واسرافیل
اعتبار نمودہ اختیار خود را باعتبار آنہا میگذارند وآں گندم نمایان جوفروش بایں وسیلہ قابو جستہ کبوتر راپرسرخاب
وکاہ را کوہ مینمایند

بہ دور شاہ عالمگیر غازی شدہ صابون فروشان صدر وقاضی
بود جولاہہ ہم بافندہ راناز کہ در بزم ملک ہستند ہمراز
ارازل راشدہ آں دستگاہے کہ فاضل بر ورش جوید پناہے
بدست جاہلاں آں دستپایہ کہ ہرگز عالماں رانیست پایہ
معاذ اللہ ازیں دور پر آشوب کہ تازی از خراں باشد لگدکوب

حکم والا پادر ہوا انصاف وتمیز خود عنقا متصدیان سرکار تجارت وسوداگری اختیار نمودہ کہ خدمات بزر
میخرند وبغرض فاحش میفروشند وہر کہ نمک میخورد نمکدان می شکنند نزدیک است کہ در بنیان سلطنت
رخنہ راہ یابد چوں صورت حال بریں منوال بنظر درآمد واصلاح مزاج مقدس را علاج پذیر ندید لاجرم عزم سلطانی
بریں آورد کہ ملک ہندوستان را از خار وخس ارباب تمرد وفساد مصفا ساختہ اہل علم وفضل ا پیش
آوردہ بنیان ظلم را منہدم سازد تا خلق اللہ آسودہ حال وفارغ البال بودہ بجمعیت خاطر در کسب کار خود
باشند ونیکنامی کہ عمر ثانی وحیات جاودانی عبارت ازانست بر صفحہ روزگار یادگار ماند چہ خوش باشد
کہ توفیق رفیق شود وحضرت اختیار ایں کار بعہدہ اصغرترین فرزندان گزاشتہ خود بدولت متوجہ
طواف سعادت مآب حرمین شریفین معظم ومکرم شوند وخلق عالم را ثناخواں ودعاگوے خود سازند
اینہمہ عمر را کہ حضرت در تحصیل دنیا کہ از خواب بے اعتبار تر واز سایہ ناپایدار تر است صرف نمودہ اند

اکنون وقت آنست که توشهٔ عاقبت بهم رسانند تا کفارهٔ کردار سابقه که لطبع این دنیاے ناپایدار با پدر بزرگوار و برادران کامگار در عالم جوانی واقع شده واقع شود ؎

اے کہ ہشتاد رفت و در خوابی   مگر این چند روز دریابی

وانچه از مواعظ و نصائح خامهٔ مبارک را تکلیف شده است نازم بر این جرأت اتأمرون النّاس بالبرّ و تنسون انفسکم ؎

تو بجاے پدر چه کردی خیر   تا همان چشم داری از پسرت

رباعی

اے کہ دانش بهر دم آموزی   آنچه گوئی بخلق خود بنیوش
خویشتن را علاج مے نکنی   بارے از پند دیگران خاموش

وآنکه در باب آمدن مرقوم بود هر چند در آمدن سراسر سعادت خود است لیکن بمقتضاے خردسالی و تصورات اولوالعزمی هاے حضرت که با پدر و برادران چه معامله بالفعل آمده اند البته توهمات این معتوب بے سبب بیجاے خود توانند بود اگر خود حضرت اقدس و اعلیٰ مع الخیر قدم رنجه فرمایند آنهمه توهمات باطمینان بدل و اطمینان بدل خواهد شد ؎

ما بدان عتبهٔ عالی نتوانیم رسید   هان مگر لطف شهان پیش نهد گامی چند

بعد تشریف آوری که اطمینان دلی حاصل خواهد شد بامتثال اوامر شاهنشاهی بجان منت خواهد بود تا در آن حال ؎

گر کشی ور جرم بخشی روے بر آستانم
بنده را فرمان چه باشد هرچه فرمائی بر آنم

زیاده حد ادب آفتاب سلطنت تابان باد فقط

نقل تحریر دستخطی بمهر وستی و دستخط عالمگیر بنام شاهزاده محمد اکبر

فرزند دلبند بخت جگر بجان برابر بایفاے مواعید مخفیه مستظهر بوده بداند
آنچه عذرات معروضات جعلی در عریضهٔ خفی بخط قلم سپرده بودند چون مصلحت و اجازت ما بود
معاف و براے آینده اجازت الامر فوق الادب افعل ما تؤمر و آنچه تبرغیب منهم بود بحکم
مصلحت بود و را آنهم معذور داشتیم که براے غافل کردن آں وحوش سیرتاں عین مناسب و مصلحت
بود و بارے الحمد لله که آں مضمون تفهیم سینه بسینه که در تسبیح خانه بدرکه سپرده بودم بخوبی ادا کردند آنچه
در باب ولیعهدی بجلدوے آں وعده بود انشاء الله تعالیٰ بعد رسیدن کار بجد عا بوفا خواهد رسید مگر
از کم عمری و ناتجربه کاری آں بخت جگر هر دم در خوف و رجا و دست بدعا هستم نشود که صید بدام افتاده
رم خورد و تا رسیدن افواج اطراف و دیگر برادران خود در همیں مغالطه غافل باید داشت تا وحشیان
صحرائی رم نخورند که اینجا هم عزیمت خود مع برادران و والده شما و اهل و عیال شما بتمناے دیدار آں بخت جگر
مشهور کرده شد و معتا رسیدن آنجا با تمام فوج همراهی برادران شما همان مصلحت است که آں نور چشم
نوشته بودند و آنچه دیگر افسران معهود ذهنی را که شریک ایں مشوره بوده اند بوعده هاے ما ایشان مستظهر
نموده اند آنهمه وعده هاے آں نور چشم عین از زبان ماست و استعفاے سوء ادبی قلمی و زبانی و
استجازت آینده که نموده اند چون محض مصلحت است بخوبی اجازت و معاف است و عذرے که
در باب وصلت ناجنس نوشته اند اگرچه نادرست است الا بشرط رضاے والده و حلیله منکوحه شما
مبتلا فی ایں امر ستم کرده پذیر امیدوار اند شد مگر ایں نقص قطعی هم پیش نظر باشد و انکا لعد لوافواحد ۵

وا ینہم در خاطر باشد کہ؎

آب چوں در روغن افتد نالہ خیزد از چراغ
صحبت ناجنس باشد شمرۂ آزارہا

مگر اینکہ بالفعل اگر بنظر غفلت وہی آں زہرہ قدر و منزلتش مصلحت کار افزودہ اندر وا داستہ شد بروقت فہمیدہ خواہد شد۔[۹۱]

شاہزادہ اکبر کا انجام — کہتے ہیں کہ یہ اخیر جواب اورنگ زیب نے اس طریقہ سے روانہ کیا کہ براہ راست راٹھوروں کے ہاتھ میں پہنچا۔ وہ سب کے سب مضمون مندرجہ سے واقف ہوتے ہی گھبرا گئے اور ان کے دلوں میں شاہزادہ کی طرف سے ایسے شکوک اور بدگمانیاں پیدا ہو گئیں کہ اسکو اپنے ساتھ رکھنا یا خود اسکا ساتھ دینا خلاف مصلحت سمجھکر کسی حیلہ سے سنبھاجی راؤ والی ستارہ کے پاس بھیجدیا۔ شاہزادہ چند روز وہاں رہا لیکن آخر کار مرہٹوں کی طرف سے مایوس ہو کر شاہ ایران کی حمایت کے بھروسہ پر سیستان چلا گیا اور وہیں فوت ہوا۔ مفتاح التواریخ میں لکھا ہے کہ شاہزادہ اکبر کی لوح مزار پر یہ حسرتناک شعر کندہ ہے؎

ازجفائے چرخ واز مہری اورنگ زیب
برد اکبر آرزوے تخت ہندوستاں بگور

شاہزادہ اکبر کی اولاد — شاہزادہ محمد اکبر کے ہاں زمانۂ بغاوت میں راٹھور رانی کے بطن سے ایک لڑکا بلند اختر اور ایک لڑکی صفیۃ النسا پیدا ہوئی تھی۔ اکبر کے آوارہ وطن ہونیکے بعد ان دونوں بچوں کو درگداس راٹھور نے اپنے پاس رکھا اور اپنے مقدور سے زیادہ ان دونوں کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں کوشش کی۔

درگداس اور عالمگیر — مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ سنہ ۱۱۰۵ ہجری مطابق سمبت ۱۷۵۱ / ۱۶۹۴ع میں درگداس نے ہمیشہ کے مصائب آوارگی سے تنگ آکر نواب شجاعت خان کے کامدار ایشور داس کے ذریعہ سے بادشاہ کے حضور میں عرض کیا کہ[۹۲]

۹۱؎ ظاہر الانشا از صفحہ ۵۴ تا صفحہ ۶۰ - مولفہ

۹۲؎ بھیم سین چپارن کی زبانی درگداس نے یہ پیغام بھیجا تھا اتفاقاً وہ پہلے کمال خان سے آکر ملا اور اُن ہی نے اُسکو ایشور داس سے بھی ملایا۔ پھر اُن ہی کی

"اگر پیشگاہ سلطانی سے میرا قصور معاف ہو کر براہ پرورش جاگیرات منضبطہ واگزاشت فرمائی جائیں تو فدوی شاہزادہ اکبر کے فرزندوں کو حضور میں بھیجدے۔"

اورنگ زیب کو تو مدت سے یہ آرزو ہی تھی، اپنی مراد کے موافق غیب سے سامان بنتے ہوئے دیکھکر درگداس کی درخواست منظور کر لی۔ اور فوراً نواب شجاعت خان کے نام اس مضمون کا فرمان جاری کیا کہ

"جو فوج شاہی راٹھوروں کے تعاقب میں متعین ہے، واپس بلالی جائے اور اجیت سنگھ اور اسکے نائب درگداس کو ہر طرح سے مطمئن کر کے شاہزادہ اور شاہزادی کو حضور شاہی میں بھجوا دیا جائے۔"

چنانچہ نواب شجاعت خان نے حسب الحکم شاہی اپنے معتمدین کو بھیجکر ہر صورت سے اجیت سنگھ اور درگداس کی طمانیت کر دی اور شاہزادہ اکبر کے دونوں نونہالوں کو ان سے لیکر شہنشاہ کی خدمت میں بذات خود روانہ کیا اور جو لشکر راٹھوروں کے تعاقب میں تھا اسکو بھی واپس بلالیا۔

شاہزادہ اکبر کی اولاد دربار شاہی میں جب یہ دونوں بچے اورنگ زیب کے پاس پہنچے تو جوش محبت نے اسکو بیچین کر دیا اور بے ساختہ انھیں چھاتی سے لگالیا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال کر کے کہ

"یہ صدف شاہی کے انمول موتی، جو شاہزادہ اکبر کی کج فہمی اور نادانی سے وحشی راجپوتوں کے ساتھ ساتھ جنگلوں اور پہاڑوں میں آوارہ پھرتے رہے ہیں، تعلیم و تربیت سے بالکل بے نصیب ہونگے۔"

بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور اسی وقت حکم دیا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نشان دہی سے اس چارن نے شجاعت خان کے معتمدوں کو باغی راٹھوروں کے مامن کا راستہ بتایا۔ اس حسن خدمت کے صلہ میں کمال خان کو حضور شاہی سے بہت کچھ امید تھی لیکن بدقسمتی سے نتیجہ بالکل برعکس ہوا۔ کمال خان کو کیا معلوم تھا کہ اعزاز مزید کی امید اور درگداس کے ساتھ نیکی کرنیکے صلہ میں اُلٹا علاقہ جالور بھی ہاتھ سے نکل جائیگا۔ ۱۲۔ لمولفہ

"انکے لئے کوئی لائق معلم تجویز کیا جائے"

یہ سنکر شاہزادی نے دست بستہ عرض کیا کہ

"جہاں پناہ! ہماری تعلیم و تربیت کی نسبت کچھ تردد نہ فرمائیں۔ درگداس نے ہماری تعلیم و پرورش شاہزادوں کی طرح کی ہے۔ اسنے باوجود بے سروسامانی اور آوارہ وطنی کے میرے لئے ایک آتون بھی اجمیر سے بلائی تھی اور اب میں اس آتون کے فیض تعلیم سے حافظ قرآن ہوگئی ہوں۔"

درگداس کا حضور شاہی میں حاضر ہونا۔ اورنگ زیب شاہزادی کا طرزِ کلام اور اندازِ گفتگو دیکھکر دنگ ہوگیا اور کچھ دیر ساکت رہنے کے بعد امتحاناً قرآن مجید کی مختلف سورتیں سنیں اور درگداس کی اس نیک نیتی اور حسن تربیت سے اسقدر خوش اور رضامند ہوا کہ اسی وقت شجاعت خان کے نام فرمان لکھا کہ

"درگداس کو مبلغ ایک لاکھ روپیہ خزانہ احمد آباد سے بطریق مدد خرچ اور اضلاع مارواڑ میں سے پرگنہ میڑتہ جاگیر دیکر اعزاز کے ساتھ حضور شاہی میں بھیجدو"

چنانچہ شجاعت خان نے فرمان شاہی کی تعمیل کی اور درگداس کو نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ بارگاہِ سلطانی میں روانہ کیا۔

علاقہ جالور کا اجیت سنگھ راٹھور کے نام منتقل ہونا۔ جب درگداس عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور وہاں رہکر اس نے نوازشات شہنشاہی اپنے حال پر بے حد دیکھیں تو اپنے ولی نعمت مہاراجہ جسونت سنگھ کی خدمات سابقہ یاد دلاکر اسکے بیٹے اجیت سنگھ کے بارہ میں سفارشاً عرض کیا کہ

"اگر حضور اسکا آبائی ملک واگذاشت فرمانیکے علاوہ شاہزادہ اور شاہزادی کی خدمتگزاری کے صلہ میں علاقہ جالور جو کسی زمانہ میں راٹھوروں کے قبضہ میں تھا ہماری پٹھانوں سے دلوادیں تو بعید از الطاف شاہانہ نہوگا"

چونکہ اورنگ زیب ورگداس سے نہایت خوش تھا اسکی درخواست بلا تامل منظور کر لی اور اجیت سنگھ کو اسکی آبائی ریاست جودھپور مع علاقہ جالور عنایت فرمادی۔ کمال خان کی جاگیر میں صرف پالن پور اور ڈیسہ وغیرہ بحال رکھ کر آئندہ کے لئے ان سے ترقی مناصب وجاگیر اور اس نقصان کی تلافی کا وعدہ کیا

کمال خان کی فیاضی

جب علاقہ جالور بادشاہ نے اجیت سنگھ کو دینا منظور فرمالیا تو کمال خان نے چوراسی گاؤں بھاٹوں وغیرہ کو انعام میں دیکر کبیشروں کو لاکھ پسا کیا اور اپنے نام نیک کو بقائے دوام کے لئے وہاں چھوڑ کر خود دارالریاست پالن پور میں چلے آئے۔

صاحب تاریخ ٹاڈ راجستان کا بیان

تاریخ ٹاڈ راجستان میں مرقومہ بالا واقعہ کو اس طرح لکھا ہے کہ سمت ۱۷۵۳ مطابق ۱۶۹۷ء ۱۱۰۹ھ میں جب ورگداس کی وساطت سے اجیت سنگھ کو دوبارہ پیام صلح دیا گیا تو ضمناً بادشاہ نے اسکو منصب پنجہزاری پر سرفراز فرمانے کا وعدہ بھی کیا مگر اس نے تجویز سلطانی کا شکریہ ادا کرکے عرض کیا کہ

"اگر بجائے اس منصب کے جالور۔ سورنجی اور ساچور میرے ملک میں شامل فرمادیئے جائیں تو عین عزت افزائی ہے" چونکہ اورنگ زیب کے شاہزادہ کی اولاد کے ساتھ جو سلوک کیا گیا تھا وہ درحقیقت قابل قدر تھا اس لیے اُسکی یہ درخواست منظور فرمالی گئی۔

انتقال اور ذکر تعمیرات

کمال خان نے تخمیناً بیالیس ۴۲ برس نہایت نیکنامی اور حزم و استقلال کے ساتھ حکمرانی کرکے سمت ۱۷۶۳ مطابق ۱۷۰۶ء ۱۱۱۸ھ میں انتقال کیا۔ انھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں دارالریاست پالن پور کو نہایت رونق دی۔ کمال پورہ کا محلہ آباد کیا۔ باغ دلکشا کی بنیاد ڈالی۔ رانی باغ بیگمات کی ہواخوری کے لئے بنوایا اور راج گڑھی کا دروازہ تعمیر کرایا جسکا کتبہ یہ ہے ؎

سمت سترہ سو پچاس — دین دوار یہ کینو راس
خان کمال من پورو آس — دشمن دوکھی پایئں ناس

اوصاف وعادات

کمال خان ایک نیک مزاج۔ حلیم الطبع۔ رعیت پرور۔ انصاف پسند۔ ذی مروت۔ درویش منش

اور فقیر دوست رئیس تھے ۔ انکے مزاج میں اسقدر بے تعصبی تھی کہ ہر مذہب وملت کے لوگ ان کو اپنا پیشوا سمجھتے ہیں ۔ عام طور سے یہ ایک خدا رسیدہ بزرگ اور صاحب کرامات ولی خیال کئے جاتے ہیں ۔ اور عوام الناس اسوقت تک اپنی خوش اعتقادی کی وجہ سے انکی قبر پر نذر ونیاز چڑھایا کرتے ہیں ۔ خصوصاً جب کبھی کسی قسم کا وبائی عارضہ پھیلتا ہے تو شہر کے جہلا اپنے اپنے محلہ کی طرف سے چڑھاوہ کے لئے شیرنی لے لے کر ڈھول بجاتے ہوئے اور انکی تعریف کے گیت گاتے ہوئے انکی قبر پر جاتے ہیں ۔ ساتھ والی عورتیں عالم وجد میں دیر تک قبر کے سامنے جھوم کھیلتی ہیں اور اس طرح گویا وہ کرن کمال کی روح سے وبا کے دفعیہ کے لئے منتیں مانگتی ہیں ۔ اکثر جاہلوں کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی کرن کمال کی نذر ونیاز میں شریک ہوگا وہ وبائی امراض کے حملہ سے محفوظ رہیگا ۔

باب ہفتم

دیوان فتح خان اول

تمہید نظامِ تاریخی پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دیوان فتح خان کے حالات زندگی کسی قدر بے ترتیبی اور بے ربطی سے واقع ہوئے ہیں اور ریاست پالن پور کے حکمرانوں کے سلسلہ میں انکا زمانۂ حکومت بادی النظر میں خلطِ مبحث دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر ذرا بھی مورخانہ نگاہ سے دیکھا جاوے تو ایسا صاف نظر آوے گا جیسے آئینہ میں شکل۔

یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ دیوان مجاہد خان کے بعد حکومت پالن پور کی باگیں کس کے ہاتھ میں رہیں اور یہ آگے چلکر کھل جاوے گا کہ کس کے ہاتھ میں رہنی چاہیئے تھیں۔ اب ہمکو صرف یہ بتا دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دیوان کمال خان کا زمانۂ حکومت مسلسل نہیں گزرا۔ بلکہ ایکدفعہ وہ معزول بھی ہو گئے تھے اسلئے

دیوان فتح خان اول

ہمنے مناسب نہ سمجھا کہ دیوان کمال خان کے زمانہ حکومت کے دو حصے کئے جائیں اور نہ حکومت جالور کی نسبت دیوان فتح خان کے لئے کوئی علیحدہ باب قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ بلکہ جس طرح دیوان کمال خان کے دونوں زمانوں کو ایک ہی باب میں داخل کردیا ہے اسی طرح دیوان فتح خان کی حکومت پالن پور اور حکومتِ جالور کا حال ایک ہی باب میں لکھ دیا گیا ہے۔ حکومت پالن پور دیوان فتح خان کو وراثتاً پہنچی تھی اور حکومت جالور کی تجدیدی سند انکی خدمات کے صلہ میں دربار عالمگیری سے عطا ہوئی تھی۔

دیوان مجاہد خان کے انتقال کے بعد دیوان فتح خان کو وراثتاً مسند نشین ہونا چاہیئے تھا کیونکہ لاولدی کی حیثیت میں وہی انکے وارث تھے۔ لیکن خدا معلوم کیا اسباب درپیش ہوئے کہ بجائے دیوان فتح خان کے دیوان کمال خان عرف کرن کمال خان گدی کے حقدار سمجھے گئے۔ حالانکہ شرعاً۔ عرفاً اور قانوناً دیوان مجاہد خان کے بعد ہر حالت اور ہر صورت میں دیوان فتح خان ہی مسند کے مستحق اور حکومت کے قابل تھے۔ گو بعض اوقات خاص خاص صورتوں میں ملکی مصلحتوں کی وجہ سے چھوٹے بھائی کو بڑے بھائی پر ترجیح دیدیجاتی ہے مگر یہاں جسقدر تاریخی واقعات پر نظر دوڑائی جاتی ہے، کوئی وجہ ایسی نہیں معلوم ہوتی جس سے دیوان فتح خان کے مقابلہ میں دیوان کمال خان کو کسی حالت میں بھی افضلیت حاصل ہو۔ قابلیت ملکداری۔ قوی عقلی۔ جوش بہادری اور حسن تدبیر و وجاہت جسمی وغیرہ وغیرہ جس جس کسوٹی پر کسا جاتا ہے، دیوان فتح خان ہی زیادہ کھرے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر خیر! وہ دیوان مجاہد خان کا ذاتی خیال یا ایک واقع شدہ غلط فہمی تھی، جس نے دیوان کمال خان کے مسندِ حکومت پر بیٹھنے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنا اصلی رنگ دکھایا اور دیوان فتح خان کی فتحمند قسمت نے بغیر فتنہ و فساد کے اپنی قابلیتِ ذاتی سے اپنا حق حاصل کرلیا۔

یہ ضرور ہے کہ ان تمام بدیہی باتوں کے سوا دیوان کمال خان کے وہ اتحادانہ برتاؤ جو حکومت کی حالت میں دیوان فتح خان کے ساتھ رہے ہیں، اس امر کا بین ثبوت ہیں کہ نیکدل کمال خان کو اپنے اور فتح خان کے

حقوق میں وہ کھلا ہوا فرق نظر آرہا تھا جو حقدار اور غیر حقدار میں ہوا کرتا ہے اور انکا کانشنس (وجدان قلب) انکے دل کو اس غلطی کی تصویر دکھا رہا تھا جو مجاہد خان کی کوتاہ اندیش رائے سے سرزد ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے حکومت میں فتح خان کو اسقدر دخل دے رکھا تھا ورنہ حکومت کا با کیف لطف کہیں اس طرح بانٹ دیا جاتا ہے جس طرح کمال خان نے بانٹ رکھا تھا۔ نیز اگر دیوان کمال خان مسند ریاست کے حقیقی وارث ہوتے اور حکومت ہر طرح سے ان ہی کو پہنچتی تو کیا ممکن تھا کہ جسوقت دیوان فتح خان اورنگ زیب جیسے پابند شرع اور دوسروں کے لئے حقوق کی پاسداری کرنے والے اسلامی شہنشاہ سے از دست رفتہ پرگنات کی سند اپنے نام لائے تھے، کمال خان مسند حکومت کو خون سے رنگے بغیر بیٹھے رہتے اور دیوان فتح خان کی ہر خود مختارانہ کارروائی پر خاموشی کیساتھ شہد کے سے گھونٹ پئے جاتے کیونکہ اگر مسند حکومت فی الواقع کمال خان کو وراثتاً پہنچی ہوتی تو یہ پرگنات بھی ان ہی کے نام سے واگذاشت ہونے چاہئیں تھے۔ یا اگر آپس میں اتحادانہ برتاؤ تھا اور حقوق کی کچھ اصلیت نہ تھی تو کم از کم سند حکومت دونوں کے نام ہوتی مگر ایسا نہیں ہوا۔

ہم نے مانا کہ یہ دونوں حقیقی بھائی تھے اور ان دونوں نے ایک ہی ماں کے پیٹ میں پاؤں پھیلائے تھے لیکن زر زن اور زمین یہ تین وہ چیزیں ہیں جنہوں نے بھائی بھائی تو کیا، باپ بیٹوں اور اچھے اچھے تقدس مآب بزرگوں تک کے خونی تعلقات اور پاکی پر بھی خاک ڈال دی ہے۔ چہ جائیکہ تخت و حکومت۔ جب عالمگیر جیسے متشرع بادشاہ نے اپنے شفیق باپ کو قید کرنے اور بھائیوں کے خون میں ہاتھ رنگنے میں دریغ نہ کیا تو یہ کیا حقیقت رکھتے تھے۔ مگر ہم پھر بھی کمال خان کی نیک دلی۔ شرافت اور حق پسندی پر ایکدفعہ نہیں ہزار دفعہ آفرین کہیں گے کہ انھوں نے گو منہ سے کچھ نہ کہا لیکن حقدار کو پہنچتے دیکھکر کسی طرح کی روک بھی نہ پیدا کی۔

اب ہم کو یہ دکھانا چاہئے کہ دیوان فتح خان نے کیونکر اور کس طرح بغیر کسی خانہ جنگی کے اپنے حقوق حاصل کئے۔ کیونکہ جس وقت کا ہم ذکر کر رہے ہیں، دیوان کمال خان کی حکومت تھی۔

فتح خان کی جوگ راج سے معرکہ آرائی

دیوان کمال خان کے حالات میں یہ تو ہم لکھ چکے ہیں کہ اُنھوں نے مسند نشین ہونیکے بعد کاروبار ریاست میں فتح خان کو بہت ہی کچھ دخل دے رکھا تھا۔ بلکہ ریاست کی جنگی خدمات جو اُس زمانہ میں ایک خود مختار ریاست کے لئے بڑا کام تھا، ان ہی کے سپرد تھیں۔ چنانچہ جسوقت راناجوگ راج چوہان راجپوت، جاگیردار واوے نے پرگنات سانچور وغیرہ میں لوٹ مار مچائی اور اُسکی خودسری و سرکشی یہانتک بڑھی کہ معمولی پیشکش شاہی ادا کرنے سے بھی دست کش ہو گیا۔ اور ناظم صوبہ زمینداران گجرات سے پیشکش وصول کرنے کے لئے ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ نکل کر علاقہ کانکریج کے سرکش کولیوں اور دوسری قزاق پیشہ اقوام کے انتظام و سرکوبی کے لئے چھ مہینے تک بے نیل و مرام پڑا رہا تو اس موقع پر حسب ایماے ناظم گجرات، دیوان فتح خاں بقدر ضرورت سپاہ لے کر وصولیابی پیشکش کے لئے روانہ ہوئے۔

جوگ راج کا مطیع ہونا

جوگ راج نے جب فتح خان کے آنے کی خبر سنی تو اپنی جمعیت لیکر نکلا اور بمقابلہ پیش آیا۔ اکثر جانیں تلف ہوئیں مگر آخر کار فتح خان نے اس سرکش پر فتح نمایاں حاصل کر لی۔ اور جو پیشکش شاہی اُس کے ذمہ واجب الادا تھا وصول کر کے آیندہ کے لئے رقم معیّنہ ادا کرنے اور تابع فرمان رہنے کی بابت باضابطہ ضمانت لے لی۔

دربار شاہی میں رسائی

دیوان فتح خان کی اس عمدہ اور پسندیدہ کارروائی سے ناظم صوبہ اسقدر خوش ہوا کہ اسنے بلا کسی تحریک کے خود بخود ان کی جان نثاری اور دلاوری کی کیفیت حرف بحرف لکھکر شہنشاہ اورنگ زیب کے حضور میں نہایت ہی موثر طریقہ سے ان کی قدر افزائی کی نسبت سفارش کی۔ چنانچہ سمت ۱۷۳۶ مطابق ۱۶۸۰ء (۱۰۹۱ھ) میں جب شہنشاہ اورنگ زیب اجمیر میں مقیم تھا فتح خان محض ناظم صوبہ گجرات کی سفارش کے بھروسہ پر ہی نہیں بلکہ اپنے حسن خدمات پر نازاں ہو کر شہنشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ مگر چونکہ اُس زمانہ میں شہنشاہ ایک تو قلعہ چتوڑ پر حملہ کرنے کے تردد میں تھا۔ دوسرے راجہ اجیت سنگھ والی جودھپور اور اُسکے نائب درگداس راٹھور کے فتنہ و فساد کی وجہ سے راٹھوروں کی جاگیریں ضبط کر لینے کی فکر میں بھی لگا ہوا تھا۔ اس سلئے ادھر تو فتح خان کو دربار شاہی میں

شرفِ حضوری حاصل ہوا اور اُدھر بادشاہ کو ناظم صوبہ گجرات کی سفارش کے ساتھ ہی انکی ذاتی جنگی خدمات اور بہادری کا خیال آگیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ عالمگیر فتح خان کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا اور اکثر اوقات بارگاہِ شاہی میں باریابی و حاضری کا موقع دینے لگا۔

جالور ملنے کی درخواست

جن دنوں میں فتح خان دربارِ شاہی میں آیا جایا کرتے تھے، ایک روز موقع دیکھکر اُنھوں نے نہایت ہی مودبانہ طور پر بادشاہ سے عرض کیا کہ

"جہاں پناہ! تقریباً تین سو برس سے پرگنات جالور، سانچور اور بھینمال بطور جاگیر موروثی ہمارے آباواجداد کے زیرِ حکومت چلے آتے تھے اور پشتہا پشت سے وہی ہمارا وطن تھا۔ لیکن کچھ زمانہ گزرا کہ پرگنات مذکورہ ہمارے ہاتھ سے نکل گئے اور صرف پالن پور اور ڈیسہ باقی رہگئے ہیں جنکی آمدنی اسقدر قلیل ہے کہ ریاست کے ضروری مصارف کے لئے بھی کافی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے گزارش ہے کہ قدامت اور خیرخواہی پر لحاظ فرماکر فدوی کا آبائی ملک اگر راٹھوروں کے قبضہ سے نکال کر عقیدت کیش کو واپس مرحمت فرمایا جاوے تو علاوہ بخشش خسروانہ کے اُمید ہے کہ باقبالِ شاہی راٹھوروں کی لوٹ مار کا انسداد بھی اچھی طرح ہوسکتا ہے۔"

سندِ جالور وغیرہ کا عطا ہونا

چونکہ فتح خان کی قسمت کا ستارہ اوج پر چمک رہا تھا اور ان کی بہادری اور عمدہ خدمات بزبانِ حال سفارش کررہی تھیں، بادشاہ نے کسی قدر غور کے بعد ان کی درخواست کو منظور فرمالیا۔ اور سمت ۱۷۳۶ مطابق سنہ ۱۰۹۱ھ/۱۶۸۰ء میں بماہ پھاگن سدی ۴ حکومت جالور، سانچور اور بھینمال کی سندِ تجدیدی حضورِ شاہی سے فتح خان کے نام عنایت فرمائی گئی۔

جالور کا پالن پور کے ساتھ الحاق

دیوان فتح خان سند حاصل کرنیکے بعد نہایت اعزاز واکرام کے ساتھ پالن پور آئے اور آپس کی صلاح مشورت سے کچھ سوچ کر پالن پور اور جالور کا الحاق کردیا اور نیز اسکی آمدنی کو آپس میں نج کے طور پر تقسیم کرلینے کا انتظام اور عہد و پیمان ہوگیا۔ جب انتظامِ ریاست سے فراغ اور اس پولیٹکل کارروائی سے اطمینان حاصل ہوگیا تو دیوان فتح خان جالور چلے گئے

اور پھر وہاں سے ملک مارواڑ میں جانے کی تیاری شروع کی تاکہ راٹھوروں کی بغاوت کا انسداد کریں۔

راٹھوروں کی بغاوت اور شاہزادہ اکبر

تاریخ ٹاڈ راجستان میں لکھا ہے کہ جب اورنگ زیب قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کئے ہوئے پڑا تھا۔ اور قلعہ فتح ہونے کے قریب تھا کہ اس نے اجیت سنگھ کے نائب درگداس راٹھور کے سلسلۂ اراولی کے پہاڑوں سے اتر کر جالور پر حملہ کرنے کا حال سنا تو محاصرہ چتوڑ کو چھوڑ کر بعجلت تمام اجمیر جا پہنچا اور کرم خان کو ایک ہزار لشکر دے کر بہاری پٹھانوں یعنی فتح خان کی امداد کے لئے روانہ کیا[51]۔ مگر اس مدد کے پہنچنے سے پہلے درگداس علاقہ جالور میں لوٹ مار کرتا ہوا جودھ پور کی طرف نکل گیا تھا۔ بادشاہ نے یہ کیفیت معلوم کرکے بخیال دور اندیشی اپنے سب سے چھوٹے بیٹے شاہزادہ محمد اکبر کو فوج کا سپہ سالار کرکے درگداس کے تعاقب میں راٹھوروں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔

راٹھوروں کی لوٹ مار

سمت ۱۷۳۷ مطابق ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۲ھ میں درگداس کے ہمراہی راٹھوروں کی ایک بڑی جمعیت سلسلہ اراولی کے غاروں میں سے ٹڈی دل کی طرح باہر نکلی اور دو گروہوں پر تقسیم ہو کر ایک نے جالور پر حملہ کیا اور دوسری نے سیانچور اور سوالو میں لوٹ مار مچا دی۔ اسلئے بادشاہ نے پہلے اسی طرف توجہ کرنا مناسب سمجھا اور چتوڑ سے رہا سہا محاصرہ بھی اٹھا کر اپنی تمام فوجی طاقت کو مارواڑ میں جمع کیا اور راٹھوروں کی شرارت و مفسدہ پردازی کے دور کرنے اور ان کو قرار واقعی گوشمالی دینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔

شاہی فوج سے مقابلہ

ادھر اورنگ زیب اس خیال میں تھا کہ ان شریر راٹھوروں کی پوری پوری سرکوبی کر دی جائے اور ادھر رانا راج سنگھ والی میواڑ نے اپنی فوج بھیم دیو سیسودیہ ایک راجپوت سردار کے زیر کمان راٹھوروں کی مدد پر روانہ کی۔ چنانچہ بھیم دیو بہت تیزی کے ساتھ منزلیں طے کرتا ہوا اضلاع گوڈھواڑ میں راٹھوروں کی جمعیت سے آملا اور ان کی طاقت کو ایک سے دہ چند کر دیا۔ حسن اتفاق سے فوج شاہی کا ایک معزز افسر جسکا نام تہور خان تھا، بہادر سپاہیوں کا لشکر لئے ہوئے شاہزادہ اکبر کی کمک پر آپہنچا اور سمت ۱۷۳۷ مطابق ۱۶۸۱ء / ۱۰۹۲ھ اسج سدی ۱۱ کے روز

[51] تاریخ ٹاڈ راجستان انگلش جلد دوم باب ہفتم صفحہ ۴۰۵ - مولفہ

دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ میواڑ کا ولیعہد کنور اوراندربھان وغیرہ بہت نامی گرامی راٹھور سردار کام آئے۔ کیبتیشروں نے لکھا ہے کہ اس خونخوار لڑائی میں دیوان فتح خان نے جس بہادری اور جوانمردی سے کام کیا ہے وہ خاندان ہیتانی کے لیے سرمایہ فخر ونازہے۔

شاہزادہ کا باغیوں میں شامل ہوجانا اس لڑائی کے بعد جب راٹھوروں نے دیکھا کہ ہم فوج شاہی کے مقابلہ سے عاجز ہیں تو اپنی چالبازی اور حکمت عملی سے شاہزادہ اکبر کو اپنا طرفدار بنالیا۔ اور ملک ومال کے خوف سے مطمئن ہوکر اتحاد ویگانگت کے پیرایہ میں بادشاہ کی طرف سے اُسکو بھڑکا بھڑکا کر ایسی آگ لگائی کہ اطاعت شعار شاہزادہ بھی اس باغی گروہ میں شامل ہوگیا جسکا مفصل حال دیوان کرن کمال کے واقعات میں بیان ہوچکا ہے۔

فتح خان کی عزت افزائی راٹھوروں کے اس دغا وفریب کی کیفیت جب اورنگ زیب کو معلوم ہوئی تو وہ خود بنفس نفیس حدود مارواڑ میں داخل ہوا اور ساچور کے قریب نزول اجلال فرمایا اور اسی اثنا میں فتح خان بھی ادائے مراسم عبودیت کے لئے حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے انکی خیرخواہی اور بےمثل بہادری کی سردربار تعریف فرماکر عزت افزائی کی اور تخلیہ میں لیجاکر راٹھوروں کی نسبت بہت دیر تک گفتگو کی۔

سونگرا چوہانوں کا انجام مارواڑ میں پہنچکر اورنگ زیب کو یہ خبر ملی کہ درگداس شاہزادہ اکبر کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے دریائے نربدا سے اُترکر ملک دکن میں چلا گیا ہے۔ اجیت سنگھ راٹھور کوہستان آبو کے غاروں میں روپوش ہے اور اسکے مددگار رفقا بھی جابجا منتشر اور متفرق ہوگئے ہیں مگر اس باغی گروہ میں سے ایک شخص کنند کچھی، راٹھوروں کی کثیر التعداد جمعیت کے ساتھ سوندھا پہاڑ کی دشوار گذار گھاٹیوں میں مخفی ہے۔ اس نے سونگرا چوہان راجپوتوں کو اپنا محرم راز بناکر اپنی جائے قیام سے اطلاع دے دی ہے۔ اور وہی لوگ اس مفسد کو سامان رسد اور اسلحہ جنگ وغیرہ سے کافی مدد دیتے رہتے ہیں، یہ سنکر اورنگ زیب سونگرا چوہانوں سے بالکل بدگمان ہوگیا اور فتح خان کو ان کی سرکوبی وسرزنش کے لئے مامور کیا۔ چنانچہ فتح خان نے چوہانوں پر فوجکشی کرکے جن لوگوں پر اجیت سنگھ اور راٹھوروں کے ساتھ سازش کا اشتباہ بھی تھا انھیں ایسی سخت سزائیں دیں کہ پھر تمام راجپوت

اور دیگر بغاوت پسندوں کی ہمتیں پست ہوگئیں۔ اس لڑائی کے متعلق فتح خان کی جنگی کارروائیاں جن کو ان کے مداح کلوٹ کلیان جی نے نہایت خوش اسلوبی سے اپنی ہندی زبان میں نظم کیا ہے، اس وقت تک دشمنوں کے دلوں میں تیر و نشتر کی طرح چبھا کرتی ہیں۔

موضع دہوناڑہ میں مقابلہ فتح خان کی اولوالعزمی اور راٹھوروں وغیرہ کی پے در پے شکست نے تمام راٹھور راجپوتوں میں ایک جوش پیدا کر دیا اور وہ ان ہزیمتوں کا بدلہ لینے کی غرض سے موضع دہوناڑہ میں جمع ہوئے۔ اس آوارہ فوج کے سپہ سالار سنگرام راٹھور نے جو سبجان سنگھ راٹھور کے قتل کے بعد افواج راٹھور کا سردار مقرر ہوا تھا، جالور کا محاصرہ کر لیا۔ اس خوفناک وقت پر اگرچہ فتح خان کو عجیب عجیب دقتیں پیش آئیں کیونکہ نہ تو فوج شاہی سے اعانت کی امید تھی اور نہ درخواست امداد کی مہلت۔ لیکن انھوں نے اپنی جبلی مستقل مزاجی سے اس فوج کثیر کی ذرا بھی پروانہ کی اور اپنی موجودہ جمعیت قلیل سے ان کا مقابلہ کیا اور اس شجاعت و حکمت عملی سے لڑے کہ مخالفوں کی زبانوں پر بھی انکی تعریف کے گیت تھے۔ خلاصہ یہ کہ فتح خان نے فتح حاصل کی۔ اور اس طرح حاصل کی کہ اس قیامت خیز واقعہ کو مارواڑ کی تاریخ میں ایک عظیم الشان معرکہ بنا دیا۔

حکومت پالن پور اور اسکا غصب کیا جانا کم و بیش ڈیڑھ برس یعنی سمت ۱۷۲۶ مطابق سنہ ۱۶۷۰ع / ۱۰۸۱ھ سے اوائل سمت ۱۷۲۸ مطابق سنہ ۱۶۷۲ع / ۱۰۸۳ھ تک دیوان فتح خان بلاشرکت غیرے پالن پور کی مسند پر قائم رہے مگر پھر نہیں معلوم کیا اتفاق ہوا اور کس قسم کی پیچیدگیاں واقع ہوگئیں کہ مہاراجہ جسونت سنگھ راٹھور کے نظامت گجرات سے بدلتے ہی دیوان فتح خان سے حکومت پالن پور دیوان کمال خان کو دلوادی گئی۔ گویا یہ حق تلفی فتح خان کے ساتھ دوبارہ کی گئی۔ چنانچہ اسی دست برد نے فتح خان کے جوش بہادری کو اور زیادہ اشتعال دیا اور انھوں نے اپنی ہمت و جرأت سے ایسے ایسے کارنمایاں کئے کہ اورنگ زیب نے ان کی آبائی جاگیر انھیں پھر سے دی۔ جس کا ذکر اوپر لکھا جا چکا ہے۔

تمام تاریخیں الٹ ڈالیں مگر افسوس! یہ پتہ نہ چلا کہ فتح خان کو آبائی حقوق یعنی حکومت پالن پور ملنے کے بعد

پھر کس وجہ سے کمال خان کو حاکم بنا دیا گیا۔ صرف تاریخ مراۃ احمدی کا مصنف اسقدر لکھتا ہے کہ

دو فوجداری پالن پور از تغیر کمال جالوری (کمال خان) کہ چہارصدی ذات سہ صد و پنجاہ سوار منصب داشت بہ محمد فتح جالوری (فتح خان) مقرر شدہ بود بہ کمال جالوری از تغیر او بدستور سابق الحال گشت[۵۱]؎

اس عبارت اور دیگر واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت پالن پور واقعی فتح خان کا حق تھا لیکن قرائن سے ظاہر ہے کہ ناظم صوبہ گجرات کو جسکا دین وایمان روپیہ تھا آب زر کا بہاؤ دکھا کر حسب منشا احکام جاری کرا لیے گئے اس قسم کے ہزارہا واقعات کتب تواریخ کی اوراق گردانی سے نظر آسکتے ہیں۔ زمانہ حال کی طرح اُسوقت ہر عملہ و دخلہ کی جانچ پڑتال نہیں ہوا کرتی تھی اور ناظم صوبہ اپنے علاقہ کا حاکم با اختیار ہوتا تھا اس صورت میں کیا بعید ہے کہ حقداروں کے حق چھن جائیں۔

داشت کا ایک اور ثبوت علاوہ ان تمام باتوں کے دیوان فتح خان نے اپنی حکومت پالن پور کے زمانہ میں موضع سامرڑہ کا سالسن جو کلوسٹ چارن کو عطا کیا تھا اسوقت تک اُسکی نسل میں چلا آتا ہے۔ اگر دیوان فتح خان حکومت پالن پور وراثتاً حاصل نہ کرتے تو یہ کب ممکن تھا کہ ان کے بعد بھی مرقومہ بالا گاؤں معافی ہی میں رہتا اور فتح خان کے اس عطیہ کو غیر استحقاق ثابت کرکے موضع مذکور واپس نہ لے لیا جاتا۔ لیکن نہیں! انھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں جو کچھ کیا وہ اسی طرح تسلیم کیا گیا جیسا کہ انکا حق تھا۔

حق تلفی ان ہی دنوں میں شہنشاہ اورنگ زیب کے دل میں فتح خان کی طرف سے کچھ ایسے اچھے خیالات پیدا ہوئے اور ان کی شجاعت اور قابلیت جنگی اسے ایسی پسند آئی کہ انھیں اپنے دربار میں بلا لیا اور یہ بھی بغیر کسی دوراندیشی کے فوراً ہی چلے گئے اور وہاں جاکر خدمات شاہی کی انجام وہی میں ایسے مشغول ہوئے کہ اپنی آیندہ کی صورت بہبود سے غافل ہوکر نہ آبائی حکومت قبضہ میں رکھنے کا خیال رہا اور نہ ذاتی لیاقت سے پیدا کی ہوئی

---

[۵۱] تاریخ مراۃ احمدی حصہ جلد اول صفحہ ۳۰۷ مطبوعہ مطبع فتح الکریم بمبئی ۱۳۰۰ - مولفہ

مادہاجي کلوٹ چارن کی اولاد

ریاست پر تصرف کا ہوش۔ اور ہوش آیا تو کب کہ کرنے والے اپنا کام کر چکے تھے یعنی انکی غیر موجودگی میں کمال خان نے اپنے لڑکے کو اپنا آیندہ جانشین اور ولیعہد مقرر کر دیا[۵۱]

انتقال — فتح خان کو جب اس امر کی اطلاع دی گئی تو شہنشاہ اورنگ زیب سے اجازت حاصل کر کے پالن پور کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر افسوس فرشتۂ اجل نے راستہ ہی میں دامن پکڑ لیا اور سانچور سے آگے قدم نہ بڑھانے دیا یعنی سمت ۱۷۴۴ مطابق ۱۶۸۸ء ۱۱۰۰ھ میں انکا انتقال ہوگیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

[۵۱] جن دنوں میں دیوان فتح خان شہنشاہ اورنگ زیب کے دربار میں رہے ہوئے تھے، دیوان کمال خان نے انکی عدم موجودگی میں اپنے بیٹے فیروز خان کو مسند حکومت کا وارث اور اپنا ولیعہد بنادیا۔ گو پیر خان ولد دیوان فتح خان نے بہت کچھ ہاتھ پاؤں مارے۔ باپ کو بھی اطلاع دی مگر وقت نکل گیا تھا۔ بعد ازاں جب فیروز خان مسند نشین ہوئے تو پیر خان نے وراثت کا دعویٰ کیا اور شہنشاہ کے دربار میں نالش بھی کی۔ لیکن قسمت کی گردش سے زمانے کا رنگ بدل گیا تھا حقدار بے حق اور بے حق حقدار قرار دئے گئے۔ اگرچہ یہ فیصلہ پیر خان کے خلاف میں ہوا اور اسکے بعد جس جس قسم کی مصیبتیں ان پر پڑیں وہ ظاہر ہیں تاہم یہ ضرور ثابت ہوگیا کہ ان کے ساتھ جو کچھ سلوک کیا گیا وہ غیر واجب اور طرفدارانہ تھا۔ پیر خان کا دعویٰ وراثت دائر کرنا اور اس دعویٰ کا غیر معمولی طول پکڑنا (جس کا ذکر فیروز خان کے حالات میں بالتفصیل لکھا جائیگا) صاف طور پر شہادت دے رہا ہے کہ دیوان فتح خان ہی حقیقی وارث تھے ورنہ غیر حقداری کی صورت میں پیر خان کو ایسی کیا ضرورت تھی کہ بیٹھے بٹھائے مفت کا جھگڑا مول لے کر استغاثہ کے لئے دہلی جاتے اور نقصان مایہ و شماتتِ ہمسایہ کے مصداق بنتے۔ لیکن بات یہ ہے کہ محض فتح خان کی غفلت نے اپنے بیٹے کو مصیبت میں ڈال کر سرگرداں پھرایا؛ کیونکہ اگر وہ اپنی زندگی ہی میں پیر خان کو وارث ریاست قرار دیتے تو ان کو ہمیشہ کے لئے ریاست سے کس لئے محروم رہنا پڑتا۔ ۱۲۔ لمولفہ

تمام شد

(راقم نازک رقم اکبر آبادی)

شمال
نقشہ ریاست پالن پور
سنہ ۱۹۱۱ء

سنہ ۱۹۱۱ء
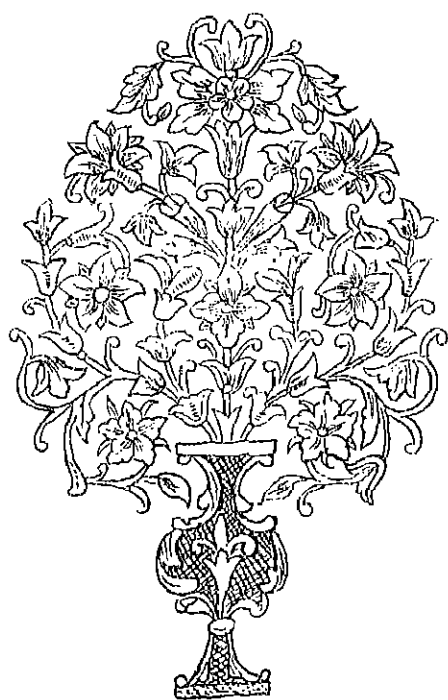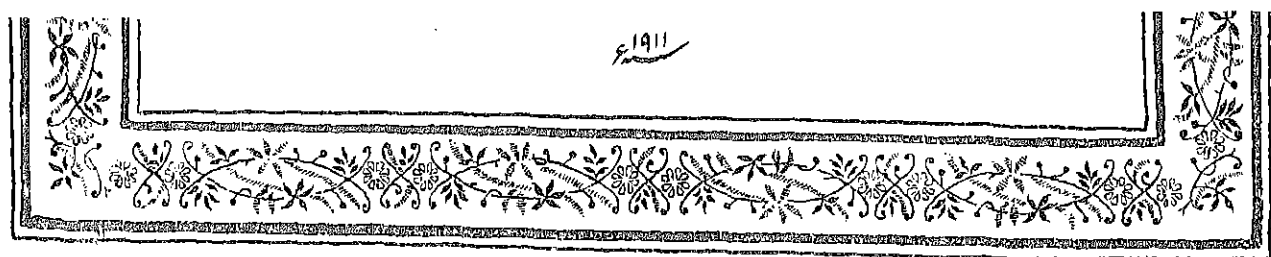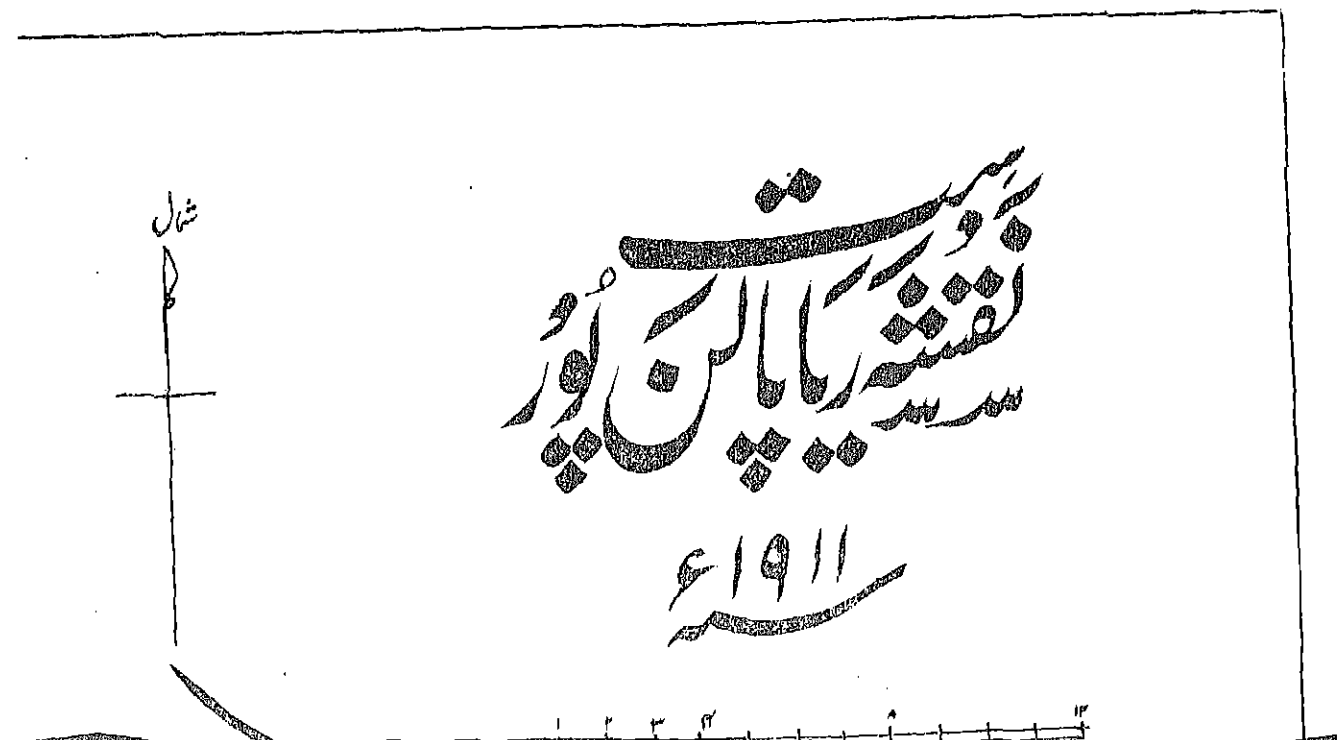
یا فتاح

تاریخ پالن پور

جلد دوم

جس میں

دیوان غزنی خان عرف فیروز خان ابن کرن کمال

سے

دیوان زور آور خان تک کے بالتفصیل واقعات و حالات

مندرج ہیں

سنہ ۱۹۱۱ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ پالن پور کی پہلی جلد ختم ہو چکی جس کی نسبت ہم کو خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے اور یہ دوسری جلد ہے جسکا ہم دیباچہ لکھ رہے ہیں۔ یہ جلد چند فرمانروایانِ پالن پور کے حالات زندگی اور ریاست کی مختلف کیفیتیں ہی پیش نظر نہیں کرتی بلکہ عام طور سے ایشائی طرق پر چلنے والی سلطنتوں اور ریاستوں کے اندرونی واقعات کا خاکہ بھی کھینچتی ہے۔ کسی قدر غور کرنے سے صاف نظر آجائے گا کہ ایشیائی سلطنتوں اور ریاستوں میں ذرا ذرا سے انقلاب کے وقت بھی خودغرضی کی کیسی کیسی سیاہ آندھیاں چلنے لگتی تھیں۔

آغاز جلد میں کرن کمال اور دیوان فتح خان کی اولاد میں جو جو تنازعات ہوئے ہیں ان کی کیفیت اسلطنتِ مغلیہ کی بدانتظامی اور بازار رشوت ستانی کا ایک آئینہ ہے جس میں ارکانِ سلطنت کی

طرف مدارانہ کارروائیاں اور عاملوں کی فریب آمیز کارستانیاں خط وخال کی طرح روشن اور ہویدا ہیں۔ آگے چل کر اسی جلد میں لوند کے مہینہ کی طرح ایک شخص بابی مبارز خان مسند ریاست پر دکھائی دے گا جو حقداران ریاست کو الگ بٹھا کر نمک حرام اہلکارانِ ریاست کی اعانت سے ریاست دبا بیٹھا ہے۔ اگرچہ اسکا زمانہ حکومت انگلیوں ہی پر گن کر پورا ہو جاتا ہے لیکن ہمارا مقصود صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ ریاست کے لئے ایشیائی طریقۂ حکومت کسقدر نقصان دہ ہو سکتا ہے۔

بابی مبارز خان نہ تو خاندان ریاست کا ہم کفو تھا اور نہ کسی لحاظ سے حقدار ریاست۔ علاوہ ازیں اس کے برائے نام مسند نشین کرنے سے واقعہ طلب لوگوں کا مقصود ہی کچھ اور تھا۔ نیز اسکی مسند نشینی کوئی باقاعدہ مسند نشینی بھی نہ تھی اس لئے ہمنے بھی اسکو فرمانروایانِ پالن پور کی فہرست سے خارج کر کے اسکے لئے برائے نام بھی کوئی باب علٰحدہ قائم نہیں کیا۔

اخیر میں ایک عجیب خدا کی قدرت معلوم ہوگی یعنی چند شخصوں کی خود غرضیوں اور ان کے ذاتی مفاد کی کارروائیوں نے کس طرح کایا پلٹ کر حکومت کو ایک خاندان سے خارج کر کے دوسرے خاندان یعنی ورثائے اصلی میں منتقل کر دیا ہے۔

اس جلد میں چونکہ واقعات مسلسل واقع ہوئے ہیں اور روایت و درایت میں شاذ و نادر ہی اختلاف پایا گیا ہے اس لئے ہمنے بھی اسکو دلچسپ بنانے میں زیادہ کوشش کی ہے۔ خدا کرے کہ ناظرین کو لطف و حظ حاصل ہو اور ہماری ناچیز محنت کی داد ملے۔

خاکسار

گلاب میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

دیوان غزنی خان عرف فیروز خان[1] ثانی ابن دیوان کمال

فیروز خان اور پیر خان میں تنازعہ

دیوان کمال خان نے جیتے جی تو اپنی حکمت عملیوں سے دیوان فتح خان کے بیٹے پیر خان کو اپنے حقوق کی نسبت ہاتھ پاؤں ہلانے کا موقع نہ دیا لیکن ادھر تو انکی آنکھ بند ہوئی اور ادھر ان کے لڑکے فیروز خان نے پیر خان کی حق تلفی کے متعلق علانیہ کوشش شروع کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں میں مسند نشینی پر تنازعہ چھڑ گیا اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ پیر خان بذات خود اور فیروز خان کی طرف سے ان کے معتمد اہلکار اپنا اپنا استغاثہ پیش کرنے کیلئے دہلی[2] گئے۔ روداد مقدمہ سے امید تھی کہ پیر خان کے حق میں فیصلہ صادر ہوگا۔ لیکن خدا کی قدرت کہ اس مقدمہ کے

[1] فیروز خان کا اصلی نام غزنی خان تھا لیکن چونکہ یہاں کے لوگوں اور کمیشروں میں وہ اپنے عرفی نام کے ساتھ مشہور ہیں اس لئے ہم نے بھی اکثر مواقع پر انکو اسی نام سے یاد کیا ہے۔ ۱۲ المؤلف

[2] پیر خان نے نالش کرنیکے لئے لشکر شاہی کے ایک مہاجن سے روپیہ قرض لیا تھا اور جو تمسک اس مہاجن کو لکھ دیا تھا اس کی نقل بجنسہ ذیل میں درج

دیوان فیروز خان ثانی

بیرخان ابن دیوان فتح خان اول
اور سفر دہلی

انفصال سے پہلے ہی اورنگ زیب کی عمر کا فیصلہ ہو گیا اور خود اسی کے شاہزادوں میں تخت نشینی کے متعلق جھگڑے ہونے لگے۔

مسند نشینی جب شاہ عالم تخت نشین ہوا تو فیروز خان کے اہلکاروں نے اسکے متصدیوں کو اپنا طرفدار بنا لیا۔ انقلاب کا زمانہ تھا سلطنت کے ہر محکمہ میں الٹ پلٹ ہو رہی تھی۔ پرانے نمکخوار اور قدیم ارکانِ سلطنت گوشہ گیر ہوتے جاتے تھے اور نئے نئے اہلکاروں کے ہاتھوں سے معاملاتِ سلطنت میں سفیدی کی جگہ سیاہی اور سیاہی کی جگہ سفیدی آ رہی تھی۔ فیروز خان کے وکیلوں نے یہ وقت ہاتھ سے نہ جانے دیا اور سلطنت کے ناواقف اور جدید کارپردازوں کو مغالطہ دے کر کسی صورت سے سندِ ریاست فیروز خان کے نام لکھوالی۔ بہرحال فیروز خان اس سند کے ذریعہ ۲۹ برس کی عمر یعنی سمت ۱۷۶۳ مطابق ۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء میں مسند نشینِ ریاست ہوئے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ کی جاتی ہے

مہر پیر خان

دو منکہ پیر خان ولد فتح خان جالوری ام اقرار کردم و اعتراف شرعی آوردم بریں معنی کہ مبلغ دہ ہزار ہفتصد و پنجاہ روپیہ سودی سری صد روپیہ پنج روپیہ سود و نہ روپیہ منڈاون مطابق سنہ ۔۔۔ بوپاریان از روے معلی از نزد گردہر گوکٹی ولد رہیا گوکٹی گرفتہ برائے تفریق دیہات پالن پور موضع مینگال وغیرہ دیہات بطریق آئی والا واداہ ام تا مبلغان مذکور ساہوکار مشارٌ الیہ را مع سود وصول نمودہ در دیہات مرقوم دخل نکنم۔ اگر پیش از ادا دخل کنم گنہگار شرع شریف و بادشاہ باشم۔ ایں چند کلمہ بطریق قبض خط نوشتہ دادہ شد کہ در ثانی الحال حجت باشد۔ تحریر فی التاریخ ۵۔ محرم سنہ ۲۹ جلوس والا"

اس تمسک سے بڑا ثبوت تو یہ ملتا ہے کہ پیر خان دہلی گئے اور وہاں جا کر اپنا دعوی پیش کیا۔ دوسرے یہ کہ ان کو پیشتر سے چند دیہات علاقہ پالن پور سے بطور جاگیر کے مل چکے تھے مگر انھوں نے اپنے حقوق حاصل کرنے میں کوشش کر کے مسند نشینی کے لئے جوان کا حق تھا، حتی المقدور قسمت آزمائی کی مگر کم مائگی اور تقدیری امور کے سبب کامیاب نہ ہوئے۔۱۲

لمولفہ

اور کچھ تو اپنی فطرتی عادت اور کچھ اس تنازعہ کی وجہ سے صرف موضع پیپلی کے سوا ناکام پیر خان کی تمام جاگیر بھی ضبط کرلی۔

تھراد پر فوجکشی اور قبضہ

دیوان فیروزخان نے تھراد پر فوجکشی کرکے اُس پر اپنا قبضہ کرلیا[۹۵]۔ قاعدہ کی بات ہے کہ جب کسی ملک یا پرگنہ پر کسی رئیس کو فتح نمایاں حاصل ہوتی ہے تو اُسکے لشکر کے سپاہیوں کے دلوں میں ملک گیری کا جوش اور بھی بڑھجایا کرتا ہے اسی طرح بہادر فیروزخان بھی جب تھراد پر قابض و متصرف ہوگئے تو ان کے فوجی سپاہی اپنے گھوڑے دوڑانے کے لئے کسی اور میدان کی تلاش کرنے لگے۔ چنانچہ حدود تھراد سے نکل نکلکر انھوں نے پرگنہ واؤ میں وقتاً فوقتاً لوٹ مار شروع کردی اور اس علاقہ کی رعایا ان کی اذیّت سے بالکل تنگ آگئی۔ یہ حال دیکھکر رانائے واؤ پچان جی کے ولیعہد کنور وجے راج نے دیوان فیروزخان کے ساتھ معرکہ آرائی کا ارادہ کرلیا۔ جب راناکو اس امر کی خبر ہوئی تو چونکہ وہ ایک سنجیدہ اور دوراندیش رئیس تھا، اپنی تباہی کے سامان دیکھکر بہت سے قرائن سے اپنے نوجوان مگر ناتجربہ کار کنور کو سمجھایا اور اس لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن ناتجربہ کاری نے اُس شفیق باپ کے پند ونصائح کا کچھ بھی اثر نہونے دیا اور بالآخر اپنے دو فوجی افسروں سانگا اور وجا کو ساتھ لے کر تھراد پر لشکر کشی کردی۔ اسکی اطلاع دیوان فیروزخان کو ملتے ہی انھوں نے بھی اپنے لشکر کو حملہ کا حکم دے دیا جس کے مقابلہ میں واؤ کی فوج کوئی وقعت نہیں رکھتی تھی۔ فیروزخان کے سپاہیوں نے ایک ہی دو حملوں میں ولیعہد واؤ کو پسپا کردیا۔ اُسکے بہت سے کار آمد لوگ مارے گئے۔ اور وہ ایسا بھاگا کہ اپنی سرحد میں پہنچکر دم لیا۔ پچان جی جاگیردار واؤ کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اُسنے یہ سوچکر کہ

"فیروزخان کا لشکر حملہ آور ہو کر کہیں واؤ پر بھی قابض و متسلط نہو جائے"

فیروزخان سے اپنے کم عقل لڑکے کی مبادرت و پیش قدمی کی نسبت معافی چاہی اور زر نذرانہ ادا کرکے گلو خلاصی کرائی۔ تھراد پر قبضہ کرنے کے لیے جو فوجکشی کی گئی تھی اُس میں دیوان فیروزخان کے دونوں بڑے لڑکے

[۹۵] کسی ذریعہ سے یہ نہیں کھلتا کہ تھراد پر فیروزخان کا قبضہ کتنی مدت تک رہا ۱۲۔ مولفہ

کریمداد خان اور فتح خان بھی ہمراہ اور شریک تھے۔

فیروز خان اور صوبہ داری گجرات سمت ۱۷۶۹ مطابق ۱۷۱۳ء / ۱۱۲۴ھ میں فرخ سیر نے عنان سلطنت ہاتھ میں لی اور سنہ ۲ جلوسی میں اُسنے داؤد خان پنّی (مہدوی) کو ہفت ہزاری کا منصب دیکر صوبہ گجرات کا ناظم مقرر کیا مگر کچھ مدت بعد داؤد خان واپس بلا لیا گیا اور بجاے اسکے تا وقتیکہ کسی اور ناظم صوبہ کا تقرر ہو سمت ۱۷۷۱ مطابق ۱۷۱۵ء / ۱۱۲۶ھ میں فرمانِ شاہی سے صوبہ داری احمد آباد کا چارج دیوان غزنی خان (فیروز خان) کے سپرد کیا گیا[۵۱] جنہوں نے خدمات مفوضہ اور اپنے عہدہ جلیلہ کا کام نہایت ہی قابلیت اور ہوشیاری سے انجام دیا۔ ان کے بعد مہاراجہ اجیت سنگھ والیِ جودھ پور احمد آباد کی صوبہ داری پر مامور ہوئے۔

فیروز خان کی فتوحات دیوان فیروز خان نے اپنی ذاتی قابلیت اور حکامانِ شاہی کے میل جول کی وجہ سے اپنے ہم چشموں میں بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی تھی۔ موضع کاکوسی کے شوریدہ سر مواسیوں کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنایا۔ پرگنہ کانکریج میں فتح کا جھنڈا بلند کرکے وہاں کے جاگیرداروں سے نذرانہ اور پیشکش کی رقمیں خزانہ ریاست میں داخل کیں۔ اور سینبھر پادر کے شیرانی پٹھانوں پر فوجکشی کی جس میں انکا سرغنہ اعظم خان مارا گیا اور شیرانی پٹھانوں کے پاؤں ٹوٹ گئے۔ اسلئے مجبوراً انھوں نے فیروز خان کو بہت سا نذرانہ دے کر اپنے ملک کو فیروز خانی لشکر کی دست برد سے بچایا۔ نیز کیٹروتر۔ روہو۔ ڈابھیلہ۔ دہانیرہ۔ تلانہ اور سور بھکری کے جاگیرداروں کو بھی بزورِ شمشیر اپنے دائرہ اطاعت میں لاے اور حدودِ ریاست کو وسعت دی[۵۲]۔

مال جی مہتہ دیوان فیروز خان کا مدار المہام مال جی مہتہ نہایت زکی الطبع۔ معاملہ فہم اور جزرس اہلکار تھا۔

---

۵۱ تاریخ گجرات مصنفہ کرنل واٹسن صفحہ [۵۵]۔ مولفہ

۵۲ کیٹروتر۔ روہو۔ ڈابھیلہ۔ دہانیرہ۔ تلانہ۔ سور بھکری اور سینبھر پادر کے پرگنات میں سے بعض دیوان فتح خان اول نے اور بعض دیوان فیروز خان ثانی نے فتح کرکے وہاں کے جاگیرداروں سے نذرانہ وصول کیا۔ ازاں بعد ان ہی پرگنات پر دیوان بہادر خان نے از سرِ نو قبضہ کرکے ان کو ہمیشہ کے لئے شاملِ ریاست کرلیا۔ ۱۲۔ مولفہ

ریاست کے کاروبار اور اپنے فرائض منصبی کو خوب سمجھتا تھا۔ اسنے براہِ دوراندیشی مہاراجہ اجیت سنگھ اور دیوان فیروزخان کے درمیان گہرے اتحاد اور یکجہتی کی بنیاد قائم کرکے اپنی اعلیٰ خیرخواہی اور بیدارمغزی کا ثبوت پیش کیا تھا۔ آگے چلکر یہ کھل جائے گا کہ ان دونوں رئیسوں کے دوستانہ برتاؤ نے شیخ رحیم یار خان کی چڑہائی کے موقع پر اپنا کیسا مفید اثر ظاہر کیا ہے۔

موضع گٹھامن کے مومن کاشتکاروں کی فریاد کا واقعہ | موضع گٹھامن کے مومن کاشتکاروں نے ریاست کے کسی دستور العمل سے ناراض ہوکر دیوان فیروزخان پر بادشاہ دہلی کے حضور میں نالش دائر کی تھی۔ چونکہ اسوقت اندھیر کا زمانہ تھا، بلا تحقیقات بادشاہ نے خفا ہوکر ریاست پالن پور کی سند ایک شخص رحیم یار خان کو لکھدی اور حکم دیا کہ وہ احمد آباد سے لشکر لیکر پالن پور چلا جائے اور قبضہ کرلے۔ چنانچہ رحیم یار خان کے آنے کی خبر مشہور ہونے پر خود فیروزخان تو اپنی کبرسنی کیوجہ سے میدانِ کارزار میں نہ جاسکے لیکن کریمداد خان کو اس مہم کی انجام دہی کے لئے مامور کیا اور انہوں نے پالن پور سے روانہ ہوکر موضع پیپاول کی سرحد میں جس شجاعت و مردانگی سے حریف مقابل کے ساتھ میدان داری کیں اس کا تذکرہ آجتک عوام الناس کی زبانوں پر ہے۔ چونکہ اس واقعہ کا تعلق زیادہ تر کریمداد خان کے ساتھ وابستہ ہے اسلئے ہم بھی اسکو انہی کے زمانۂ فرمانروائی کے حالات میں بالتفصیل درج کریں گے۔

انتقال | دیوان فیروزخان نے ۱۲ برس کی حکومت کے بعد سمت ۱۷۷۵ مطابق ۱۷۱۹ء / ۱۱۳۲ھ میں انتقال کیا۔ ان کے والد نے انہیں علوم فارسی اور ہندی کی تعلیم دلائی تھی باوجود اسکے یہ کسی قدر کوتہ نظر اور کینہ کوش ہی رہے۔ ان کے برتاؤ خصوصیت کے ساتھ اپنے عزیزوں سے اچھے نہ تھے۔ دیوان فتح خان کے لڑکے پیرخان کے ساتھ انھوں نے جس قدر بدسلوکیاں کی ہیں ان پر نگاہ ڈالنے کے بعد ایک مورخ ان کو ظالم یا کم از کم ظلم پسند تو ضرور ہی کہہ سکتا ہے۔ افسوس کہ انھوں نے اپنی بیدارمغزی اور استعداد علمی کو اپنے چچازاد بھائی پیرخان کی حق تلفی کی تدابیر میں صرف کردیا۔ اگر توسیع ریاست اور اضافۂ جاہ و مناصب کے لئے وہ اپنی خداداد قوتوں سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ ایک بڑے ملک کے فرمانروا اور مالک بن سکتے تھے۔

دیوان کریمداد خان

باب دوم

دیوان کریداد خان ابن فیروز خان ثانی

فیروز خان ثانی کی ولاد

فیروز خان کے پانچ لڑکے تھے۔ سب سے بڑے کریداد خان، اگرگھان بائی ایک پاتر کے بطن سے تھے۔ اور باقی چار فتح خان۔ عثمان خان۔ ہمت خان اور بہادر خان منکوحہ بیگم سے تھے۔ ان چاروں میں فتح خان بڑے لیکن یک چشم تھے۔

فتح خان کا زخمی ہونا

جس وقت فیروز خان کا انتقال ہوا ہے، یہ پانچوں بھائی ان کے پلنگ کے پاس تھے فتح خان سرہانے کی طرف ایک ستون سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے اور کریداد خان پائنتی کی جانب تھے۔ باقی تینوں بھائی اِدھر اُدھر کسیقدر فاصلے سے بیٹھے ہوئے غم کے آنسو بہا رہے تھے کہ خزانچی کنجیاں لے کر آیا لیکن دونوں بڑے بھائیوں کو ایک جگہ دیکھ کر سوچنے لگا کہ اب کیا کروں۔ یہ دونوں فیروز خان کے بیٹے۔

راج کے مالک اور گدّی کے وارث خزانہ کی کنجیاں کسے دوں اور کسے نہ دوں۔ آخرکار اپنے دل سے فیصلہ کرکے کنجیوں کا گچھا فتح خان اور کریداد خان کے بیچ میں رکھ دیا۔ فتح خان نے جو اپنے آپ کو وارث ریاست سمجھتے تھے، ہاتھ بڑھا کر اُسے اٹھالیا۔ کریداد خان یہ خیال کرکے کہ

"اس وقت خزانہ کی کنجیاں ہاتھوں سے نہیں جاتی ہیں بلکہ ریاست جارہی ہے"

اُٹھے اور بے خبری میں فتح خان سے دست و گریبان ہوگئے۔ چونکہ فتح خان ایک آنکھ سے معذور تھے اور کریداد خان کو تمنائے ریاست نے آپے سے باہر کر رکھا تھا، انھوں نے فتح خان کے سینہ میں اس زور سے کٹاری بھونک دی کہ اُسکی نوک پشت سے گزر کر ستون[ا] سے جا ٹکرائی۔

فتح خان کی موت

فتح خان کو زخمی کرکے کنجیاں کریداد خان نے چھین لیں اور بھاگے۔ ہنوز حویلی کے بالاخانہ پر چڑھ ہی رہے تھے کہ فتح خان اپنے آپ کو سنبھال کر اُٹھے اور باوجود ایسے کاری زخم کے نہایت چالاکی سے کریداد خان کی طرف جھپٹے اور قریب پہنچکر چاہتے ہی تھے کہ اُنکے جامہ کا دامن پکڑ کر گھسیٹ لیں مگر خوش نصیبی سے کریداد خان جست کرکے بالاخانہ پر پہنچ گئے اور اُنکے ایک بابانی قوم کے وفادار ملازم نے زینہ کو فوراً کھینچ لیا۔ فتح خان لڑکھڑاتے ہوئے زمین پر گرے اور وہیں جان بحق تسلیم ہوگئے۔

فتح خان کے بھائیوں کا حال

کہتے ہیں کہ فیروز خان نے اپنی زندگی میں اپنے بڑے لڑکوں کریداد خان یا فتح خان میں سے کسی کو ولیعہد ریاست نہیں ٹھیرایا تھا لیکن دوسرے لڑکوں کی معاش کے لیے جاگیریں تجویز کر رکھی تھیں مگر ہنوز اسپر باضابطہ عملدرآمد بھی نہ ہونے پایا تھا کہ یہ واقعہ ناگزیر پیش آگیا۔ جب فیروز خان کا انتقال ہوا۔ فتح خان خانہ جنگی میں کام آئے اور کریداد خان سمت ۱۷۷۵ مطابق ۱۷۱۹ء / ۱۱۳۲ھ میں مسند آرائے ریاست ہوئے تو دوسرے بھائیوں نے بھی جس طرح بن پڑا فیروز خان کے تجویز کردہ دیہات پر اپنا قبضہ کرلیا۔ چنانچہ عثمان خان موضع گولہ پر مع دیگر بائیس مواضعات کے قابض ہوگئے۔ ہمت خان تعلقہ جینتی پر جس میں بارہ گاؤں تھے متصرف ہوئے۔

[ا] اس واقعہ کو یاد دلانے والا کٹاری کا نشان اُسی ستون پر ابتک موجود ہے۔ ۱۲۔ مولفہ

اور بہادر خاں[۵۱] جو سب سے چھوٹے اور کم سن تھے، پہلے تو اپنی ننھال کے گاؤں متعلقہ تھراد میں چلے گئے پھر موضع بڑگاؤں میں آکر رہے۔ بعد ازاں بڑگاؤں کی سکونت ترک کرکے ڈیسہ پر قبضہ کرلیا۔

کریمداد خان کے زمانۂ صاحبزادگی کا ایک واقعہ

عام قاعدہ کی بات ہے کہ ہر سلطنت، ہر ملک اور ہر چھوٹی بڑی ریاست ضرورتِ وقت کے لحاظ سے اپنے اپنے قوانین مروجہ میں وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ کیا ہی کرتی ہے چنانچہ دیوان فیروز خان نے بھی اپنے دورانِ حکومت میں کوئی نیا قانون نافذ کیا جس کا تعلق ریاست کے کاشتکاروں سے تھا۔ دوسری زراعت پیشہ اقوام نے تو اس قانون پر باضابطہ عملدرآمد کرلیا لیکن موضع گٹھامن کے مومن[۵۲] لوگوں نے خلاف ورزی کی اور جب قانون مجریہ کی تعمیل کے لئے ریاست کی طرف سے زور ڈالا گیا تو وہ

[۵۱] مشہور ہے کہ ہمت خان نابینا تھے۔ ڈیسہ کے سپاہیوں نے ان کو موضع جیتھی سے بلا کر اپنا حاکم بنایا تھا لیکن بالآخر وہ اپنی حرکات عجیب سے ناقابلِ ریاست ثابت ہوئے اسلئے وہی سپاہی ان کو پالن پور کی مسندِ حکومت پر بٹھانے کے بہانہ سے ڈیسہ سے بڑگاؤں لے گئے اور بہادر خان کو جنکی ان سپاہیوں کے ساتھ پہلے ہی سے سازش تھی، بڑگاؤں سے ڈیسہ بلا لائے۔ کریمداد خان نے جو بہادر خان کو اولوالعزم اور مدعی ریاست سمجھتے تھے اپنے دارالریاست سے انکا دور ہونا غنیمت سمجھا اور انکے عوض ہمت خان کا موضع بڑگاؤں میں رہنا منظور کرلیا۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد بڑگاؤں کے بدلے موضع چھاپی انکی جاگیر میں دیا۔ پھر بہادر خان نے اپنی مسند نشینی کے زمانہ میں موضع چھاپی ضبط کرکے موضع واسنہ ان کی معاش کے لئے مقرر کیا، جہاں ان کی اولاد ابتک آباد ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ۔

[۵۲] مومن قوم کے لوگ شہر اور علاقۂ پالن پور میں بکثرت آباد ہیں اور گجرات میں بھی جابجا ان کی آبادی پھیلی ہوئی ہے۔ ان میں مذہبی دو فریق ہیں۔ قدیم اور جدید۔ قدیم فریق والوں کے عقائد نہایت افسوسناک اور قابلِ شرم ہیں اور چونکہ بہت سے علما ان عقائد کی تشریح اپنی تصانیف میں بیان فرما چکے ہیں اسلئے اب اسکے دہرانے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ نیا فریق وہ ہے جسکو زمانۂ موجودہ کی تہذیب اور علما و واعظین اسلام سے فیضیاب ہونے کا موقع مل چکا ہے یعنی کچھ مدت سے ان لوگوں نے اپنے آبائی پیشہ سے کنارہ کش ہوکر احمدآباد اور بمبئی وغیرہ شہروں میں سیکے اور بگھیاں کرایہ پر چلانے کو اپنی معاش کا ذریعہ قرار دیا ہے اور اس کام میں یہانتک ترقی کی ہے کہ اب بہت سے مومنوں نے گھوڑوں بگھیوں کے کارخانے بھی جاری کردئے ہیں۔ اس تقریب کی وجہ سے ان کو مہذب شہروں میں رہنے اور علما وغیرہ سے ملنے ملانے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے جن کے فیض صحبت سے بہت سے مومن لوگوں کو

دیوان فیروز خان سے ناراض ہو کر دہلی گئے اور بادشاہ فرخ سیر کے حضور میں استغاثہ پیش کیا۔ اس وقت شہنشاہ اکبر کی سلطنت کا زمانہ تو تھا ہی نہیں کہ ہر معاملہ میں تحقیقات و پڑتال ہو لینے کے بعد ایک سنگین مقدمہ کی نسبت حکم اخیر صادر فرمایا جاتا۔ فرخ سیر کے زمانہ میں جو اندھیر چھایا ہوا تھا اسکا حال تواریخ ہند کی اوراق گردانی سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ غرضکہ بادشاہ نے بغیر پوچھے گچھے دیوان فیروز خان کو ریاست سے معزول کر کے سند حکومت شیخ رحیم یار خان کے نام لکھدی۔

رحیم یار خان کا احمد آباد آنا اور چپڑاس

رحیم یار خان یہ سند لے کر مومنوں سمیت احمد آباد آیا۔ اسوقت مہاراجہ اجیت سنگھ کی صوبہ داری گجرات کا زمانہ تھا جنکے ساتھ فیروز خان کو پہلے ہی سے دوستانہ تعلقات حاصل تھے۔ مہاراجہ نے فیروز خان کی ہمدردی کے خیال سے رحیم یار خان کو دھمکانے کے طور پر کہا کہ

"ابھی تمہارا تجربہ اس حد تک نہیں پہنچا کہ تم ہر ملک اور ہر شہر و دیار کی ملکی اور پولیٹیکل حالت کا صحیح اندازہ کر سکو۔ ہماری پٹھانوں سے مقابلہ کرنا اور انکی ریاست آبائی پر دفعتہً قابض ہو جانا تمہارے لئے صرف مشکل ہی نہیں بلکہ غیر ممکنات سے ہے۔ جو ملک شہنشاہ اکبر نے فیروز خان کے بزرگوں کو انکی جانبازی کے صلہ میں عنایت کیا تھا اسکو چھین لینے کا ارادہ بچوں کے کھیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ ہماری پٹھانوں کی تلوار اور ان کی شجاعت و دلیری کی کیفیت سے تم ابتک بے خبر ہو۔ میری رائے یہ ہے کہ اس لڑائی اور معرکہ آرائی سے باز آؤ۔ ورنہ یاد رکھنا کہ اپنی جان کے لالے پڑ جائینگے اور کار از دست رفتہ کا کوئی علاج نہ ہو سکیگا۔ آیندہ تمکو اپنے معاملہ میں اختیار ہے"

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اپنے اصلی اور قدیمی عقائد سے بدظن کر دیا ہے اور اسی لئے پُرانا طریق روز بروز کمزور ہوتا جاتا ہے۔ مومن کپڑا بُننے کا پیشہ بھی کرتے ہیں۔ موضع کالوذر علاقہ پالن پور میں یہ کپڑا بڑی کثرت سے تیار ہوتا ہے اور ہزاروں روپیہ کا مال ممالک عرب۔ فارس اور افریقہ وغیرہ کی طرف ہر سال جایا کرتا ہے اس قوم کے لوگ عموماً جاہل۔ ضدی۔ کینہ ور۔ نفاق پسند اور خود رائے ہوتے ہیں اور انکی طبیعتوں میں سرکشی و بغاوت کا مادہ بھی پایا جاتا ہے۔ ۱۲۔ مولفہ

مہاراجہ اجیت سنگھ نے بہت سے پہلوؤں سے رحیم یار خان کو سمجھا کر پالن پور پر چڑھائی کرنے کے ارادہ سے باز رکھنا چاہا لیکن اس کے سر پر خود سری کا وہ بھوت چڑھا ہوا تھا کہ اس نے ایک نہ سنی اور کہا تو یہ کہا کہ

"میں بادشاہی سند لے کر آیا ہوں اس لیے پالن پور پر قبضہ حاصل کئے بغیر کبھی واپس نہ جاؤں گا"

جب مہاراجہ نے یہ جواب سنا تو اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیا لیکن اسکی اس لشکر کشی کے ارادہ کا پورا حال پوشیدہ طور پر فوراً دیوان فیروز خان کو لکھ بھیجا کہ وہ اس مقابلہ کے لیے ہر طرح سے مستعد اور تیار رہیں۔

فیروز خان کے وکلاے دہلی کی صلاح

حسن اتفاق یہ کہ فیروز خان کے وکلاے دہلی کو جو ہر وقت دربار شاہی کا رنگ دیکھا کرتے تھے اجب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے مصلحت وقت کو مد نظر رکھ کر فوراً ان کو مشورتاً لکھ بھیجا کہ

"اگر آپ اسوقت رحیم یار خان کو جو حکومت پالن پور کی سند لے کر آتا ہے، ریاست پر قابض نہ ہونے دینگے اور ہمت کر کے اسکو الٹے پاؤں بھگا دینگے تو یہاں نہ کوئی اسکا پرسان حال ہوگا اور نہ کوئی اسکی مدد پر آنے والا۔"

مہاراجہ اجیت سنگھ کے دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ سے تو فیروز خان کو اطمینان ہو ہی چکا تھا۔ اسپر اپنے وکلاے دہلی کا یہ مشورت آمیز پیغام اور بھی سونے پر سہاگہ ہو گیا، فیروز خان نے رحیم یار خان کے مقابلہ کے لئے بلا درنگ لشکر آرائی کا حکم دے دیا۔ مگر چونکہ وہ ضعیف العمر ہو چکے تھے نیز کریمداد خان ان کی مرضی اور منشا کے موافق اکثر امور ریاست کی انجام دہی بھی کیا کرتے تھے اسلئے ان کی اعلیٰ حوصلہ مندی اور شجاعت و بہادری پر بھروسہ کر کے بجائے اپنے اس مہم پر کریمداد خان کو نامزد کیا۔ زاں بعد ادھر تو رحیم یار خان نے کچھ لشکر احمد آباد سے ساتھ لیا اور اثناے راہ میں کھیرالو سے بہت سے بندوق دار سپاہی ملازم رکھ کر اپنی فوجی طاقت میں

وسعت دی اور پالن پور پر حملہ کرنے کے ارادہ سے سیدھ پور میں آکر ڈیرے ڈال دیئے اور ادھر کریداد خان نے بھی لشکری تیاری شروع کر دی۔ پالن پور کے جاگیرداروں۔ ٹھاکروں مہواسیوں وغیرہ کو جمع کرکے بہت بڑی فوج بہم پہنچائی اور موضع پسواول کی سرحد پر جا کر مقیم ہو گئے۔

کریداد خان کی ایک جوشیلی تقریر

چونکہ کریداد خان ایک پاتر کے بطن سے تھے اور بالغ ہونے تک اسی کے مکان پر پرورش بھی پائی تھی اس لئے زبان کے پھوڑ اور پیٹ کے ہلکے لوگ انکی نسبت طرح طرح کی باتیں بناتے تھے اور فیروز خان کے فرزند صلبی ہونے کی بابت شبہ کرتے تھے لیکن کریداد خان ایک سنجیدہ رئیس تھے، یہ تمام چرچے کانوں سے سنکر دل میں اتار لیتے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ رحیم یار خان کا لشکر سیدھ پور سے کوچ کرکے پسواول کی طرف بڑھا چلا آرہا ہے تو اپنے جانباز سپاہیوں کو بھی فوراً تلوار بندی کا حکم دے دیا اور تمام اعیان ریاست اور سرداران فوج کو مخاطب کرکے باآواز بلند نہایت ہی جوش کے لہجہ میں کہنے لگے کہ

"اے میرے شریف و نجیب سردارو! اور اے اپنے اپنے ماں باپ پر فخر کرنے والے بہادرو!! سنو! اور دل کے کان لگا کر سنو!! اگرچہ اس وقت کی میری باتیں جاہلانہ ڈینگوں سے کچھ زیادہ قابل وقعت نہیں ہیں مگر چونکہ چھچھورے اور کم ظرف لوگوں نے عوام الناس میں میری نسبت دیوان فیروز خان کے فرزند صلبی ہونے میں شک پیدا کر رکھا ہے اسلئے میں آج تلوار دکھا کر اسی تلوار کی دھار کی قسم کھا کر جو اصالت کا جوہر ہے اور اپنے سچے خدا اور رسول کو اپنی صداقت پر گواہ کرکے کہتا ہوں کہ گو میں ایک پاتر کے پیٹ سے ہوں لیکن اگر میں نے فوج مقابل کے سرلشکر کو اسی تلوار سے مار لیا تو تم سمجھ لینا کہ میں دیوان فیروز خان کے نطفہ سے ہوں ورنہ جو کچھ تمہارے دل میں آئے، کہنا اور سمجھنا۔"

رحیم یار خان سے مقابلہ اور فتح

کریداد خان اسوقت ایک عجیب حالت میں تھے۔ حمیت کا جوش اور غیرت کا نشہ، جسے وہ آج تک بڑے استقلال سے خون کے گھونٹوں کی طرح پیتے رہے تھے، الفاظ کا جامہ پہن پہن کر

زبان سے نکل رہا تھا۔ بار بار اپنے کلام کا اعادہ کرتے تھے اور خصوصیت کے ساتھ ہمقوم لوگوں میں سے، جن کی زبانوں نے انکے دل پر نشتروں سے زیادہ کام کیا تھا، ایک ایک کا نام بنام مخاطب کر کے اپنے قول پر گواہ کرتے جاتے تھے۔ آخر کار اسی جوش و خروش کی حالت میں دہلی کے ایک شخص تغلق[۵۱] بیگ کو رحیم یار خان کی شناخت کے لئے ساتھ لیا اور گھوڑا اٹھا کر لشکر مخالف میں گھس گئے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہونے لگی بالآخر کریمداد خان کے متواتر حملوں کی تاب نہ لا کر لشکر مخالف بھاگ کھڑا ہوا اور کریمداد خان نے تعاقب کر کے اپنی شمشیر آبدار سے رحیم یار خان کو قتل کر ڈالا۔

عدی خان بہاری کی لڑکی کے ساتھ نسبت کا قرار پانا

رحیم یار خان کا مارا جانا تھا کہ بے سر لشکر بکھر گیا جسکا جدھر منہ اٹھا بھاگ گیا اور کریمداد خان کی اس مردانگی و شجاعت نے ہر شخص کے دل پر ایسا سکہ بٹھایا کہ حیرت بھی منہ تکتی کی تکتی رہ گئی بدگو دشمنوں کے منہ بند ہو گئے اور اس کرشمہ سے قوم کے لوگوں پر اسقدر اثر ہوا کہ مہران عدی خان بہاری نے اسی وقت اپنی لڑکی کی نسبت انکے ساتھ کر دی چنانچہ اسی قرابت کیوجہ سے بعد میں مہرالوں کا خاندان عزت کے معراج پر پہنچ گیا۔

کریم آباد کا آباد کرنا

تاریخ مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ کریمداد خان کے زمانہ حکومت میں مرہٹوں کی لوٹ مار کے صدموں سے گجرات کی رعایا بالکل خراب حال اور پائمال ہو گئی تھی لیکن چونکہ پالن پور میں ہر طرح سے امن و امان تھا اس لئے اطراف و جوانب یعنی بڑنگر۔ بیسانگر اور بیجاپور وغیرہ کے ناگر برہمنوں۔ دولتمند ساہوکاروں اور مہاجنوں نے مرہٹوں کی دست درازیوں سے بچنے کے لئے اپنی جان و مال اور ننگ و ناموس سمیت کریمداد خان کی پناہ میں آکر آرام لیا تھا۔ کریمداد خان نے اس بے گھر اور مظلوم رعایا کی سکونت کے لئے پالن پور سے دس میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف پہاڑوں میں ایک شہر بسایا اور اسکا نام کریم آباد رکھا کچھ عرصہ کے بعد یہ شہر تو ویران[۵۲] ہو گیا لیکن

---

[۵۱] بعض روایتوں میں اسکا نام امام خان بتایا گیا ہے ۱۲۔ المولف

[۵۲] اس پہاڑ کی آب و ہوا ان نو آباد لوگوں کو موافق نہ آئی اس لئے انھوں نے کریم آباد کی سکونت رفتہ رفتہ ترک کر دی اور اسطرح ایک پر فضا مقام پر بسا ہوا شہر ویران ہو گیا ۱۲۔ المولف

اسکے کھنڈر ابتک موجود ہیں۔

سربلند خان کی بغاوت اور کریم داد خان جب نواب سربلند خان ناظم صوبہ گجرات نے راجہ ساہو کے پردھان (نائب) چمناجی راؤ پیشوا کو جو باجے راؤ پیشوا کا بھائی تھا، بادشاہ کی اجازت کے بغیر صوبہ گجرات کا چہارم حصہ لکھ دیا اور مرہٹوں کی لوٹ کھسوٹ سے ملک گجرات کو بچانے کی شرط پر اسکے ساتھ صلح[۵۱] کر لی تو بادشاہ نے اس خودمختارانہ کارروائی سے ناراض ہو کر صلح نامنظور کرنیکے ساتھ ہی نواب سربلند خان کو بھی صوبہ داری سے علیحدہ کر دیا اور بجائے اسکے ابھے سنگھ راٹھور والی جودھ پور کو مقرر کیا چنانچہ سمت ۱۷۸۷ مطابق ۱۷۳۱ء / ۱۱۴۴ھ میں راٹھوروں کی جمعیت گجرات میں آئی۔ سربلند خان اپنی بات بگڑتی ہوئی دیکھکر خود بھی بگڑ بیٹھا۔ اور تو کچھ بس نہ چلا۔ راٹھوروں کی اس جمعیت سے بھڑ گیا۔ معرکہ آرائی ہوئی۔ دیوان کریمداد خان بھی شاہی حکم سے اپنی جنگجو فوج کے ساتھ اس میدان داری میں شریک تھے[۵۲] خوب خوب بہادری دکھائی اور بڑے بڑے سورماؤں کے دلوں پر سکہ بٹھا دیا۔ خود مہاراجہ ابھے سنگھ کے پول بارٹ (ملک الشعرا) کرنی دان نے اس لڑائی کے وقت کریمداد خان کی معرکہ آرائی کی مفصل کیفیت جس خوبی سے لکھی ہے، دیکھنے کے قابل ہے۔

بھریا گھوڑا دیوان کریمداد خان کی خاص سواری کا ایک نہایت خوبصورت اور شاندار گھوڑا تھا، جسکو بھریا[۵۳] کہتے تھے

---

۵۱ اس وقت پیلاجی راؤ گائکواڑ۔ کنٹھاجی کدم۔ سیاجی بھانڈے۔ انند راؤ پنوار اور ترمبک راؤ دابھاڑے وغیرہ مختلف مرہٹہ سرداروں کی افواج نے ملک گجرات کو پامال کر رکھا تھا اور ایک کے پیچھے ایک آ آ کر کھنڈنی (خراج) وصول کرکے لیجایا کرتے تھے جب ان مرہٹہ سرداروں نے صلح کی خبر سنی تو ترمبک راؤ دابھاڑے کے پاس سب لوگوں نے جمع ہو کر پینتیس ہزار آدمیوں کی جمعیت سے چمناجی راؤ پیشوا پر چڑھائی کر دی۔ اسکی مدافعت کے لئے باجے راؤ پیشوا بھی اکیلا بھاری لشکر لے کر گجرات میں آ پہنچا ڈبھوئی کے قریب مقابلہ ہوا۔ دابھاڑے بڑی بہادری سے لڑکر مارا گیا اور باجے راؤ کی فتح ہوئی۔ کہتے ہیں کہ میدان جنگ میں ترمبک راؤ ہاتھی پر سوار تھا۔ اسنے اپنی فوج کو بھاگتے ہوئے دیکھکر ہاتھی کے پاؤں میں زنجیر ڈلوا دی تھی کہ مبادا ہاتھی مقابلہ سے منہ موڑے اور اس بے اختیاری کے عالم میں اسکی پشت حریف کے سامنے ہو۔ ۱۲۔ لمولفہ

۵۲ تاریخ گجرات مصنفہ کرنل واٹسن صفحہ ۸۹۔ لمولفہ

۵۳ اس گھوڑے کی نسل اس وقت تک یہاں کے بعض بعض مقامات پر پائی جاتی ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ
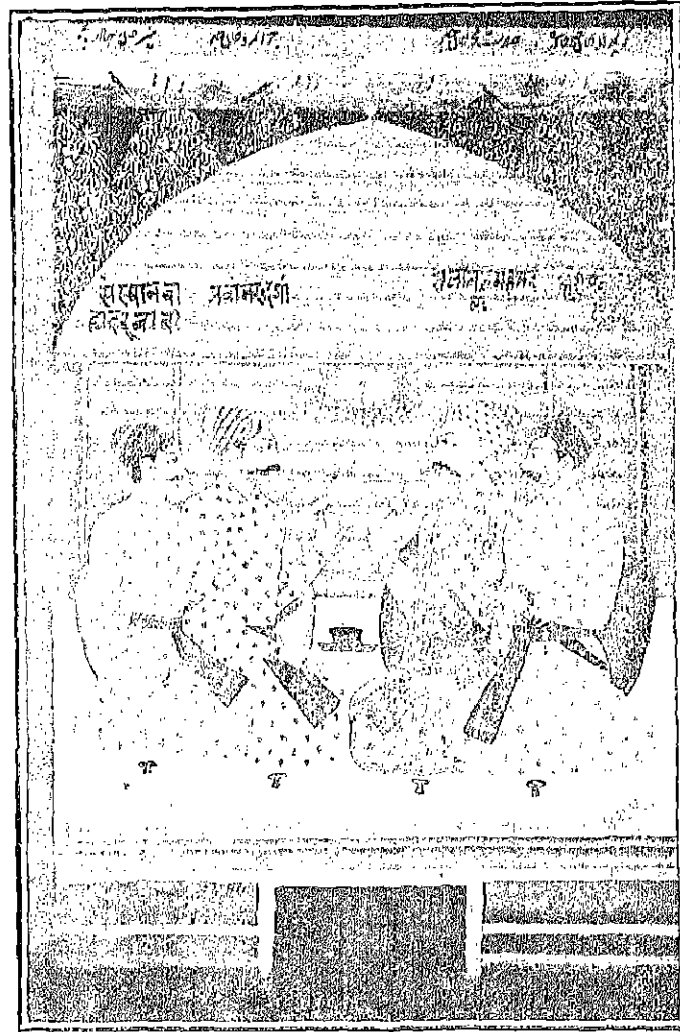
احمد آباد کی لڑائی کے موقع پر دیوان کریم داد خان کی
مشورت طلبی

عربوں کی طرح پٹھان بھی چونکہ اپنے گھوڑوں سے بدرجۂ غایت اُنس رکھتے ہیں اسی بناپر کریمداد خان کو اس گھوڑے سے بیحد محبت تھی۔ مشہور ہے کہ سربلند خان پر چڑھائی کے موقع پر احمد آباد میں اتفاقاً ایک روز مہاراجہ ابھے سنگھ کے بھائی وکھت سنگھ کی نظر اس گھوڑے پر پڑ گئی۔ دیکھتے ہی لٹو ہوگئے اور یہانتک بیتابی ہوئی کہ اُسی وقت کریمداد خان کو اپنے کسی آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ

"میں یہ گھوڑا خریدا کرنا چاہتا ہوں۔ بہتر ہے کہ مناسب قیمت لگا کر آپ ہمارے آدمی کے ہاتھ گھوڑا بھجوا دیجئے گا۔ گھوڑا آجانے پر زرِ قیمت بھیج دیا جائیگا۔"

کریمداد خان نے وکھت سنگھ کو جواب میں اُسی پیغام رساں کی زبانی کہلوایا کہ

"میں خود آپ کا ہوں۔ اس صورت میں میرا گھوڑا بھی ہدیۃً قبول فرما لیا جائے۔ ایک ذی حقیقت جانور کا قیمت سے طلب کرنا گویا آپکے اور ہمارے دوستانہ تعلقات پر بدنما دھبہ لگانا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ طرفین کی دوستی و یکجہتی پر نظر کرکے میری دلی آرزو برلائی جائے۔"

وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ جن محبتانہ الفاظ میں بہر یا گھوڑا تحفۃً قبول کرلینے کی نسبت کریمداد خان نے وکھت سنگھ کو کہلوایا تھا، اگر اسکی جگہ کسی اور رئیس کو کہلواتے تو وہ کبھی انکی درخواست مسترد نہ کرتا۔ مگر افسوس کہ وکھت سنگھ اپنے راجپوتی غرور خواہ کسی اور مصلحت کے خیال سے کریمداد خان کے اس بے ریا خلوص اور شریفانہ برتاؤ کی قدر نہ کرسکا۔ اسنے بار دگر کریمداد خان کی محبت آمیز درخواست کا جواب نہایت سخت اور متکبرانہ لہجہ میں بھجوایا اور خواہش ظاہر کی کہ

"تمھاری خوشی اور عدم خوشی کی حالت میں بھی یہ گھوڑا لونگا اور قیمت ہی سے لونگا۔"

اس چبھتے ہوئے فقرہ سے کریمداد خان بہت ناراض ہوئے اور دل میں کچھ سوچ کر انھوں نے یہ کارروائی کی کہ مہاراجہ ابھے سنگھ کے مداح چارن کرنی دان کو اُسی وقت بلایا اور طلائی ساز و سامان سے آراستہ کرکے

یہ بہریا گھوڑا مع لاکھ پساکے دے دیا۔ کرنی دان بہت خوش ہوکر بآواز بلند انکی فیاضی کے کبت کہتا ہوا مہاراجہ ابھے سنگھ کے کیمپ کی طرف روانہ ہوگیا۔ اس نے ایک وہ فی البدیہ منظوم کیا تھا جو درج ذیل ہے

راجے ویدھو لاکھ سوالاکھ روپیہ دیو   کرسونیری ساج موجے دیو موجا ہرے

لیعنی "مجاہد خان کے جانشینوں میں سے دیوان کریداد خان نے خوش ہوکر طلائی ساز سے سجا ہوا بہریا گھوڑا قیمتی سوالاکھ روپیہ مع لاکھ پساکے مجھے عطا کیا"

کریداد خان کے اس برتاؤ سے وکھت سنگھ نے بہت پیچ و تاب کھایا اور یہ پورا واقعہ مہاراجہ ابھے سنگھ کے پاس جاکر بیان کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ احمدآباد کی معرکہ آرائی کے وقت کریداد خان کی طرف سے جو قابل قدر خدمات انجام پزیر ہوئی تھیں انکی خبر تک حضور شاہی میں نہ پہنچ سکی ورنہ انکی جانبازی اور دلاوری کے لحاظ سے یقین تھا کہ انکے اعزاز و مناصب میں ضرور اضافہ کیا جاتا۔ اگر کریداد خان اپنے اس گھوڑے کو احمدآباد ساتھ نہ لیجاتے تو انھیں اپنی آیندہ بہبودی و سرسبزی کی نسبت جو امیدیں تھیں انکیں ہرگز ناکام و نامراد نہ رہنا پڑتا لیکن خدا کی مشیت اور قدرت کے کارخانہ میں کس کو دخل ہے اور اخیر میں یہی کہنا پڑتا ہے کہ فعل الحکیم لایخلو عن الحکمۃ۔

انتقال اور اوصاف

کریداد خان نے ۱۶ سولہ برس تک نہایت بہادری۔ نیکنامی اور خوش انتظامی کے ساتھ حکومت کرکے سمت ۱۷۹۱ مطابق ۱۶۳۵ء ۱۱۴۸ھ میں انتقال کیا۔ یہ بڑے بہادر۔ ذی اخلاق۔ نیکدل۔ وجیہ۔ فیاض اور متحمل المزاج رئیس گزرے ہیں۔ انھوں نے اپنے بدگو دشمنوں اور ایذا رسانوں کو اپنی حکومت کے زور سے مغلوب نہیں کیا بلکہ ان پر اپنی اعلی دانشمندی اور بردباری کے اوصاف کا ایسا مقناطیسی اثر ڈالا کہ آخر وہ خود بخود اپنے کیے پر پشیمان ہوئے۔ احمدآباد کی لڑائی اور رحیم یار خان کے مقابلہ کے وقت ان سے جس شجاعت و مردانگی کا اظہار ہوا تھا اسکی تعریف و توصیف کے گیت آجتک گائے جاتے ہیں۔ اگر سلطنت مغلیہ کے زوال اور مرہٹوں کی لوٹ مار کے پرآشوب ایام میں دیوان کریداد خان کی فرمانروائی کا زمانہ نہوتا تو ریاست پالنپور ایک عظیم الشان

انقلاب پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ انھوں نے مرہٹوں کی دست درازیوں سے اپنے ملک اور رعایا کو جس خوش انتظامی کے ساتھ بچایا ہے وہ انکی روشن دماغی۔ قابلیتِ ملکداری اور اعلیٰ حوصلہ مندی کا نمونہ ہے ان کے دورانِ حکومت یعنی سنہ ۱۷۳۲ء میں ایک بہت بڑا قحط گجرات میں واقع ہوا تھا جس نے خدا کی پیدا کی ہوئی لاکھوں جانوں کو ضائع اور تلف کر دیا تھا۔

دیوان بہادر خان ثانی ابن کریمداد خان

مسند نشینی — دیوان کریمداد خان کے بعد ان کے لڑکے بہادر خان جو نہایت خوبصورت اور وجیہ جوان تھے، سمت ۱۷۹۱ مطابق ۱۱۴۸ھ ۱۷۳۵ء میں مسند نشین ریاست ہوئے۔

ناگوریوں کی شورش اور اسکا انجام — بہادر خان کے عہد حکومت میں ایک ذرا سی بات پر ناگوریوں نے ریاست کے ساتھ بغاوت کا جھنڈا بلند کرنا چاہا تھا جس کا انھیں (ناگوریوں کو) نہایت ہی بُرا نتیجہ دیکھنا پڑا۔ اسکی اصلیت یوں بیان کی جاتی ہے کہ ریاست کے قدیم دستور کے موافق بہادر خان کے ایام حکومت میں بھی گھوڑوں کے لئے خالصہ کی زمین میں آڑوہی اور موٹھ بونے کا حکم دیا گیا۔ داروغۂ اصطبل نے عرض کیا کہ امسال جسقدر زمین تجویز ہوئی ہے وہ تمام گھوڑوں کے لئے کافی نہیں ہو سکتی۔ بہتر ہے کہ خالصہ کی

دیوان پہاڑ خان ثانی

زمین کے متصل ناگوریوں کی زمین میں سے، جو غیر مزروعہ پڑی ہوئی ہے، کچھ حصہ عاریتاً لے کر کاشت میں زیادتی کرالینی چاہیئے۔

داروغۂ اصطبل کی اس درخواست کے موافق پہاڑ خان کے حکم سے ناتھجی مہتہ نے ناگوریوں کے سرغنہ باجو ڈھوڈھی کو بلاکر زمین طلب کی۔ لیکن اسنے نہایت گستاخی سے اپنی تلوار کے قبضہ پر ہاتھ ڈالکر جواب دیا کہ

"اس وقت تک ہمنے اس زمین پر تلوار کے زور سے قبضہ رکھا ہے اور جبتک یہ ہمارے قبضہ میں ہے، کس کا مقدور ہے کہ اسپر نظر ڈال[۵۱] سکے"

باجو کا یہ گستاخانہ جواب پہاڑ خان اور انکے اعیانِ ریاست کو ایسا سخت و ناگوار گزرا کہ انھوں نے فوراً ناگوریوں کے محلہ[۵۲] پر چڑہائی کا حکم دے دیا۔ ناگوری بھی مسلح ہو کر مرنے مارنے پر مستعد ہوگئے۔ ان کا محلہ چاروں طرف سے مکانات کی دیواروں کی بدولت خاصہ قلعہ بنا ہوا تھا اور پھاٹک پر بہت سے تلوار بند ناگوری سینہ سپر اڑے ہوئے تھے اس لیے پہاڑ خان کے سپاہیوں کو اندر گھسنے کا موقع نہ ملتا تھا۔ آخرکار موضع سدرپور کے پٹاوت ٹھاکر صلابت خان خرمانی، ایک مکان کی دیوار کو پھاند کر اندر جا پہنچے اور بجائے سپر ایک لوہے کے توے سے سر کا بچاؤ کرتے ہوئے دروازہ تک پہنچ گئے اور نہایت دلیری سے پھاٹک کے کواڑ کھول دے۔ دروازہ کھلتے ہی من چلے سپاہی اندر گھس گئے اور گھروں کو لوٹنا شروع کیا۔ ناگوری یہ حال دیکھکر گھر بار چھوڑ، بال بچوں کو لے، باہر نکل آئے اور ادھر اُدھر منتشر ہوگئے۔ فتحمند سپاہیوں نے بھی پاسِ ناموس کیا اور کسی طرح کی مزاحمت نہ کی بلکہ دیدہ و دانستہ ان کو گھروں سے نکل جانے کی مہلت دیدی۔

---

[۵۱] ناگوری پالن پور کے قدیمی اور اصلی باشندے تھے اور چونکہ ان کو بڑے بڑے حقوق زمینداری حاصل تھے اسلئے اپنے خیال میں یہ لوگ اپنے آپ کو بالکلیہ مالک ہی سمجھتے تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ

[۵۲] اسوقت ایک ہی محلہ میں ناگوریوں کے سات سو گھر آباد تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ

ان شوریدہ سر ناگوریوں کے کھیت۔ کنوئے۔ زمینیں اور تمام دوسری قسموں کا مال واسباب وغیرہ تو ضبط ہو ہی چکا تھا، خانہ بدوشی کی حالت میں کھاتے پیتے کہاں سے؟ دوسرے ریاست پالن پور کے سوا کسی اور جگہ انکا گزارہ بھی مشکل تھا اس لئے کچھ عرصہ تک ادھر اُدھر مارے مارے پھرنے کے بعد ایک ایک دو دو خفیہ طور سے شہر میں آ آ کر بسنے لگے۔ ریاست کو اگرچہ ان کے دوبارہ آباد ہونے کا حال معلوم ہو گیا تھا، لیکن تجاہل عارفانہ سے کام لیا گیا۔ رفتہ رفتہ کل ناگوری شہر میں آ کر متفرق طور پر آباد ہو گئے۔ چنانچہ اُسوقت سے انکی قومی طاقت کم۔ گھر بار منتشر۔ زمین اور جایداد ضبط اور جمعیت پریشان ہو گئی اور ریاست میں ملازمت کا ملنا بھی بند ہو گیا۔[1]

پالن پور پر کنتھاجی منتری کا حملہ

تاریخ راس مالا میں لکھا ہے کہ سمت ۱۷۹۱ مطابق ۱۷۳۵ع / ۱۱۴۸ھ میں چونکہ واماجی راؤ ولد پیلاجی راؤ گائکواڑ نے کنتھاجی کدم منتری کو گجرات سے نکال دیا تھا اس لئے اُسنے دوسرے برس یہ ندامت دور کرنے کے لئے ملھار راؤ ہلکر کی امداد سے گجرات پر حملہ کیا اور بناس ندی کے کنارے تک کل ریاستہائے شمالی گجرات سے خراج کی بہت بڑی رقم وصول کر کے لے گیا۔ کہتے ہیں کہ پہاڑ خان بھی اسی جھپیٹ میں آ گئے تھے یعنی سمت ۱۷۹۲ مطابق ۱۷۳۶ع / ۱۱۴۹ھ میں اسنے پالن پور پر حملہ کر کے مال غنیمت کے علاوہ ایک لاکھ روپیہ بطور خراج کے وصول کیا۔ ریاست پالن پور کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ کنتھاجی منتری کدم نے بزور شمشیر خراج لیا۔

دیوان پہاڑ خان اور حکومت پٹن

جب مہاراجہ ابھے سنگھ راٹھور والی جودہ پور نے اپنی صوبہ داری گجرات کے زمانہ میں

---

[1] دیوان بہادر خان کے زمانہ تک ان لوگوں کو ریاست میں نوکری نہیں ملتی تھی اس لئے وہ اہلکاران ریاست کی ملازمت میں رہکر چھٹی محاصل پر گزران کرتے تھے اور انکی عورتیں مہاجنوں کے ہاں آٹا پیسا کرتی تھیں۔ مبارز خان بابی کے زمانہ میں یہ لوگ ریاست کے سلسلۂ ملازمت میں پھر داخل ہو گئے ان کا سرشتہ زیادہ تر آپس ہی میں ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ یہ اپنی قوم کو یہاں کے دوسرے سپاہی پیشہ فرقوں کی نسبت اعلیٰ خاندان تصور کرتے ہیں۔ ڈھوڈھی۔ غوری۔ مہار اور دستا صنی وغیرہ اس قوم کی شاخیں ہیں۔ ۱۲۔ مولف

پیلاجی راؤ گائکواڑ کو ڈاکور میں فریب سے قتل[1] کیا تو پیلاجی راؤ کا بڑا لڑکا داماجی راؤ گائکواڑ اپنے باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے دکن کی طرف سے ایک عظیم الشان لشکر لئے گرباد ل کی طرح گرجتا برستا آیا اور صوبہ گجرات کے مشرقی حصہ پر قبضہ کرتا ہوا مارواڑ کی طرف بڑھا۔ مہاراجہ ابھے سنگھ کے دل میں اسکی طرف سے کھٹکا تو تھا ہی مگر ناچار عہدہ کی مجبوری سے گجرات میں بیٹھے ہوئے اپنی ریاست کی خیر منا رہے تھے۔ اب جو مرہٹوں کا رخ اپنی طرف دیکھا بالکل ہی گھبرا گئے۔ اپنے معتمد کامدار بھنڈاری رتن سی کو اپنا نائب مقرر کر کے صوبہ گجرات کا چارج سپرد کیا اور خود فوراً اپنے گھر کا بندوبست کرنے کے لئے روانہ ہو گئے۔ بھنڈاری جی سے بھلا اس حالت میں کہ مرہٹوں نے تمام گجرات کو ہلا رکھا تھا، ملکداری کیا ہو سکتی تھی۔ دو ہی دن میں حواس باختہ ہو گیا اور مہاراجہ کو لکھا کہ

"حضور! بہتر تو یہ ہے کہ مجھکو اپنے ہی پاس بلا لیجئے۔ وغیرہ وغیرہ"

اور مختلف طریقوں سے یہ بھی ظاہر کیا کہ یہاں ذلیل و خوار ہونے کے سوا مجھ سے کچھ نہ ہو سکیگا۔

مہاراجہ ابھے سنگھ نے جب بھنڈاری کو اسقدر بد دل دیکھا تو ناچار اسکی درخواست منظور کر لی اور وہ مارواڑ جانے کی جلد جلد تیاری کرنے لگا لیکن چونکہ داماجی راؤ فتح کے قدموں سے بڑھتا ہی چلا آتا تھا اس لئے مصلحتاً بھنڈاری نے مہاراجہ ابھے سنگھ کی منظوری سے پٹن کے محالات و مضافات کی حکومت

---

[1] ابھے سنگھ نے بظاہر پیلاجی راؤ کے ساتھ محبت اور دوستی کا سلسلہ پیدا کر کے سفارت کے بہانے سے اپنے ایک ملازم راجپوت کو اسکے پاس ڈاکور بھیجا۔ اس راجپوت نے کان میں کچھ بات کہنے کے حیلے سے پیلاجی راؤ کے پیٹ میں زہر سے بجھی ہوئی کٹاری ایسی ماری کہ جس کے زخم سے پیلاجی تڑپ تڑپ کر نہایت تکلیف کے ساتھ ہلاک ہو گیا۔ اس واقعہ کے بعد سے یہ دستور ہو گیا ہے کہ پیلاجی کی نسل سے جو شخص بڑودہ کی مسند پر بیٹھتا ہے ڈاکور میں نہیں جاتا۔ ڈاکور احمدآباد سے گوشۂ جنوب و مغرب میں مہی ندی کے کنارے پر آباد ہے۔ یہاں رنچھوڑ جی کا مندر اور گومتی نام ایک تالاب ہے جو ہندوؤں کا بڑا تیرتھ گاہ خیال کیا جاتا ہے۔ ہر سال آسوج سدی ۱۵ پونم کو بہت بڑا میلہ ہوا کرتا ہے جس میں بعض اوقات ایک لاکھ سے بھی زیادہ لوگ جمع ہو جاتے ہیں۔ ۱۲۔ لمولفہ۔

سمت ۱۷۹۲ مطابق ۱۷۳۶ء ۱۱۴۹ھ میں پہاڑخان کو سپرد کردی[۵۱]۔ مگر انھوں نے اس بادشاہ گردی کے زمانہ میں اپنی ریاست کو چھوڑ کر کہیں جانا مناسب نہ سمجھا اور اپنے ایک ذی رتبہ اور معتمد مصاحب سید سلام اللہ[۵۲] کو اپنا نائب مقرر کر کے حکومت پٹن پر بھیج دیا۔ سیّد صاحب نہایت نیک نیتی کے ساتھ ایک مدّت تک خدماتِ مفوّضہ کو انجام دیتے رہے۔

پٹن کا قبضے سے نکل جانا۔

پٹن کے قصباتیوں کے سرغنہ، کھوکھر جنگ خان کی بد طینتی اور شوقِ نیابت نے زور کیا اور وہ پٹن کے لوگوں کو سیّد سلام اللہ حاکمِ پٹن کے خلاف بہکانے لگا مگر سیّد صاحب کی نیک نیتی اور خوش انتظامی سے ان مفسدہ پردازوں کی ایک نہ چلنے دی۔ آخر کار اس نے یہ تدبیر نکالی کہ نواب کمال الدین خان بابی کو اپنی طرف گانٹھ لیا اور پٹن کے معززین کو بھی کسی ترکیب سے اپنے ساتھ متفق کر لیا۔ نواب کمال الدین خان سے یہ شرط قرار پائی کہ پٹن کا قبضہ دلا دینے کے عوض میں نواب صاحب حکومتِ پٹن پر جنگ خان کو اپنا نائب مقرر کریں۔

چونکہ سید سلام اللہ کی موجودگی میں جنگ خان کے لئے اس معاہدہ کی تکمیل یعنی علاقہ پٹن پر نواب صاحب کا عمل و دخل کرا دینا غیر ممکن تھا اس لئے اس نے پہاڑخان کے معتمد مشیر لبج خان ولد عدی خان مہران سے ملکر سید سلام اللہ کو حکومتِ پٹن سے برخواست کرا دینے کی صلاح ٹھیرائی چنانچہ جنگ خان کی یہ تدبیر کارگر ہوگئی اور پہاڑخان نے اپنی غلط فہمی سے سید سلام اللہ کو فوراً پالن پور بلا لیا۔ زیادہ تر غفلت یہ کی کہ کسی اور شخص کو بھی حکومتِ پٹن پر مقرر نہ کیا جنگ خان، جو ایسے ہی موقع کی تاک میں بیٹھا ہوا تھا، بلاتوقف نواب کمال الدین خان کو بلا لایا اور سمت ۱۷۹۶ مطابق ۱۷۴۰ء ۱۱۵۳ھ میں حکومتِ پٹن پر

---

[۵۱] تاریخ گجرات مصنفہ کرنل واٹسن صفحہ ۹۶۔ مولفہ

[۵۲] سیّد صاحب چند پشتوں پر مولفہ ہیچمدان کے اجداد میں ہوتے ہیں اور دیوان کریداد خان اور دیوان پہاڑخان کے زمانہ حکومت میں آپ نہایت معتبر ذی لیاقت اور صاحبِ اقتدار شمار کئے جاتے تھے۔ ۱۲۔ مولفہ

قابض و متصرف کرا دیا۔

نواب صاحب نے پٹن پر مسلط ہونیکے بعد جنگ خان کے ساتھ معاہدہ اور امید کے خلاف سلوک کیا۔ پٹن کی حکومت پر اپنے کسی خاص معتمد کو نائب مقرر کر کے احمد آباد چلے گئے۔ بلکہ سید سلام اللہ نے اپنی حکومت کے زمانہ میں جو زمینیں جنگ خان کھوکھر وغیرہ پٹن کے قصباتیوں کو معافی میں دے رکھی تھیں ان کا بھی اکثر حصہ ضبط کر لیا۔ باقیماندہ زمینیں آجتک جنگ خان کی نسل میں چلی آتی ہیں اور سلامی وغیرہ چند حقوق بھی ریاست پالن پور ہی سے متعلق ہیں۔

پٹن کا نکل جانا محض پہاڑ خان کی غفلت اور مفسدوں کی دہوکہ دہی کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ جب تقریباً پانچ برس تک حکومت پٹن ریاست پالن پور کے متعلق رہی ہے اس صورت میں آئندہ اسپر قبضہ رکھنا کیا مشکل تھا۔

ولادت فرزند

کتب مذہبی میں لکھا ہے کہ میاں سید مرتضیٰؓ کے پوتوں میں سید طیبؒ ایک نہایت صاحب حال و قال بزرگ تھے۔ انھیں اکثر اوقات جذبہ حق میں حالت استغراق ہوا کرتی تھی۔ کہتے ہیں کہ صاحب ریاضت فقرا اس حالت میں جو کچھ مُنہ سے کہتے ہیں مشیت اسکو عالم موجودات میں ظاہر کر دیتی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ سید صاحب موصوف پر حالت جذب طاری تھی۔ اتفاقاً پہاڑ خان بھی جا پہنچے اور فرزند کے لئے دُعا چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ

"جا تیرے ہاں لڑکا ہوگا۔ لیکن حُسنِ نیت میں فرق نہ آئے"

خدا کی قدرت کہ ان ہی دنوں میں پہاڑ خان کے گھر میں امید معلوم ہوئی اور مدتِ معینہ گزرنے کے بعد ایک نہایت قبول صورت لڑکا پیدا ہوا۔ دادا کے نام پر کریداد خان نام رکھا گیا۔ اس خوشی میں سدر پور کے پٹاوت صلابت خان نے بڑی دھوم دھام کے ساتھ جشن کیا۔ جس کی تعریف میں ہندی کبیشروں نے بہت سے گیت اور کبت لکھے ہیں۔

پہاڑخان اور انکے لڑکے کی موت کا واقعہ جب لڑکے کی عمر پانچ برس کی ہوئی تو پہاڑخان نے گرد وہونڈلی ہل کی منّت جو کسی ہندو کے کہنے سننے سے مانی تھی، ادا کی۔ اتفاقاً ان ہی دنوں میں لڑکے کا انتقال ہوگیا، جس کے صدمے نے پہاڑخان کو تباشہ کی طرح بٹھا دیا اور آخر کار سمنت ۱۸۰۱ مطابق ۱۷۴۴ء / ۱۱۵۷ھ کی ابتدا میں انھوں نے بھی عین عالمِ شباب میں سفرِ آخرت اختیار کیا۔

پہاڑخان کی موت کی نسبت روایتیں پہاڑخان کی اچانک موت کی نسبت لوگوں میں چند روایتیں مشہور ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ ان کو مقوی باہ ادویات کا بہت شوق تھا اور لوگوں سے سنا کرتے تھے کہ جنگلوں اور پہاڑوں کے رمتے جوگیوں کے پاس اس قسم کی اکثر جڑی بوٹیاں ہوا کرتی ہیں۔ اتفاقاً اسی اثنا میں ایک جوگی بھی شہر میں آنکلا اور اپنی فیلسوفی سے بہت جلد کیمیاگر مشہور ہوگیا۔ پہاڑخان کو تو اکسیر کی تلاش ہی تھی، اپنے ایک معتمد مصاحب کی ترغیب سے جو بہادر خاں[۱] کے ساتھ ملا ہوا تھا، اس جوگی کی دوا کا استعمال کیا اور اس کے سمی اثر سے امراضِ متضادہ میں ایسے مبتلا ہوئے کہ غسلِ صحت کے بدلے غسلِ میّت نصیب ہوا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جوگی کا بہانہ ہی بہانہ تھا۔ ان کے مصاحبوں نے محض بہادر خان کے اغوا سے ان کو زہر دیکر ہلاک کیا تھا۔ بہرحال یہ ضرور ہے کہ پہاڑخان نے یکایک انتقال کیا اور یہ بھی ضرور ہے کہ بہادر خان ان دنوں پالن پور ہی میں موجود اور باغِ دلکشا میں مقیم تھے۔

پہاڑخان نے مرنے سے کچھ دیر پہلے مصاحبوں میں سے ایک معزز اور مقرب ٹھاکر کو جسکی نسبت اکثر لوگ بہادر خان سے مل جانے کا شبہ کرتے تھے، شاید کچھ وصیت کرنے کی غرض سے بلایا۔ لیکن وہ بہادر خان کے پاس گیا ہوا تھا۔ خدمتگاروں نے عرض کی کہ

---

[۱] یہ وہی بہادر خان ہیں جو اپنے حقیقی بھائی فتح خان اور کریم داد خان میں کشت و خون ہوتے دیکھکر جان کے خوف سے بھاگ گئے تھے۔ زاں بعد جنھوں نے ڈیسہ پر قبضہ کر لیا تھا اور اب پہاڑخان کے زمانۂ حکومت میں اہلکارانِ ریاست سے سازشیں کرکے پہاڑخان کو سپردِ اجل کرنے اور مسندِ حکومت کو اپنے قبضہ میں لانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ

"حضور کو تو اس حالت میں بھی اسکا خیال لگا ہوا ہے اور وہ سنگدل آپکے دشمن بہادر خان کے پاس بیٹھا ہوا، خوش گپیاں اُڑا رہا ہے"

چونکہ پہاڑ خان کا آخری وقت آپہنچا تھا، خدمتگار کا یہ فقرہ سنکر جو در حقیقت پیغام اجل تھا، ایک گہرا اور ٹھنڈا سانس لیا اور ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔ لیکن انکی والدہ جو دُکھ کی آنچ میں جل جلکر خون کے آنسو بہا رہی تھیں، غصّہ سے بھڑک اٹھیں اور اس ٹھاکر سے یہانتک نفرت کرنے لگیں کہ جب وہ محل میں آیا تو اُسے گھسنے تک نہ دیا۔ بلکہ نوحہ گروں کو حکم دے دیا کہ

"بجائے پہاڑ خان کے اس خونی ٹھاکر کا نام لے کر نوحہ کریں"

وسعت حدود اور فیاضی

دیوان پہاڑ خان نے اگرچہ صرف آٹھ نو ہی برس حکومت کی ہے لیکن اسی تھوڑے سے عرصہ میں انھوں نے پرگنہ کھرادی میں پھر اپنی حکومت قائم کرلی اور علاقہ سروہی وغیرہ اطراف کے بہت سے بھومیہ زمینداروں کو مطیع کرکے حدود ریاست کو وسعت دی۔ علاوہ ازیں اپنی داد و دہش کے ذریعہ فراخ حوصلگی اور سخاوت کا بھی اظہار کیا چنانچہ تیجا جی کاوٹ چارن کو موضع بینڈا گرا اور حدود سروہی کی آسیا قوم کے ایک چارن کو لاکھ پسا کر کے ہاتھی اور سرحد موضع آچینی میں کئی کھیت انعام میں دئے۔

دہلی کی ایک شاہزادی کا پہاڑ خان سے غائبانہ عشق

پہاڑ خان کا حسن انتظام تو جیسا تھا ویسا تھا ہی مگر حسن وجاہت کچھ ایسا شاندار تھا کہ بھاٹوں اور چارنوں کا بیان ہے کہ ان کی تصویر اتفاقاً کسی تقریب سے دہلی کے خاندان شاہی کی ایک نوعمر شاہزادی کی نظر سے گزری۔ شاہزادی ان کے مردانہ حسن پر ایسی وارفتہ ہوئی کہ خفیہ خفیہ کسی ذریعہ سے ان کے ساتھ نکاح کی درخواست کی۔ پہاڑ خان نے بھی اس نعمت خداداد کو اپنی عزت و افتخار کا ذریعہ سمجھکر بڑی دھوم دھام کے ساتھ شادی کی تیاری شروع کی۔ لیکن تقدیر نے مسکرا کر عروس مرگ سے ہمکنار کردیا اور حسرماں نصیب پہاڑ خان ناشاد و نامراد دنیا سے رخصت ہوگئے۔ یہ قیامت خیز خبر جب شاہزادی کو

کانوں تک پہنچی تو اس نے دنیا کے تمام عیش و آرام پر لات مار کر ماتمی لباس پہنا اور زندگی کے باقیماندہ ایام سوگواری میں رو رو کر کاٹ دیئے۔ مشہور ہے کہ اس بیگم کے مصارف ضروری کے لئے ریاست پالن پور کی طرف سے ایک خاص رقم مدت تک دہلی بھیجی جاتی رہی ہے۔

دیوان بہادر خان

باب چہارم

دیوان بہادر خان ابن دیوان فیروز خان ثانی

مسند نشینی خواہ بہار خان اپنی موت سے مرے خواہ کسی نے انکو مارا۔ بہر حال وہ دنیا سے بے وقت گئے اور بہادر خان اپنی حکمت عملیوں سے۔ چالبازیوں سے یا قسمت کے زور سے ریاست پر قبضہ کرکے سمت ۱۸۰۱ مطابق سنہ ۱۷۴۴ء (۱۱۵۷ھ) کی ابتدا میں مسند نشین ریاست ہوئے۔

عثمان خان کی بہادر خان پر چڑہائی اور صلح ادہر تو بہادر خان نے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال کر خدا معلوم کتنے داؤ پیچ کی کوشش کے بعد مسند ریاست پر قدم رکھا اور ادہر انکے دوسرے بھائی عثمان خان کے دل میں طمع ریاست نے گدگدی پیدا کی اور وہ اپنی جاگیر کے گاؤں گولہ سے نکل کر مدعی ریاست بن گئے اور اہالی موالی کو ادہر اُدہر سے جمع کرکے بہادر خان پر چڑہ آئے۔ خفیف سی لڑائی کے بعد بہادر خان کے وزیر ناتھ جی مہتہ اور رانا چپا چند مہتہ

نے طرفین کے بٹھا کر پٹاوت اور دوسرے مشیران کار سمیت بیچ میں پڑ کر اس طرح تصفیہ کرا دیا کہ علاقہ دہاندہار کے دو حصے کئے جائیں۔ جو حصہ عمر دسی ندی سے جانب مشرق واقع ہے وہ عثمان خان کے قبضہ میں رہے اور مغرب کی طرف کا حصہ بہادر خان کی حکومت میں شمار کیا جائے۔

عثمان خان کی فتوحات | عثمان خان، بلند ہمت۔ قوی دل۔ مستقل مزاج اور فنونِ سپہ گری سے پورے ماہر تھے چنانچہ انھوں نے باوجود گولہ کی چھوٹی سی جاگیر کے موضع کپاسیہ پر جو اُس زمانہ میں سرکش اور جنگ جو کولیوں کا زبردست مہواس تھا، بزور شمشیر اپنا قبضہ کر لیا تھا اور رانا کرن سنگھ، زمیندار دانتہ کو حکومت سے معزول کر کے ٹھاکر امر سنگھ، جاگیردار موضع سوواسنہ کو حکومتِ دانتہ پر قائم کر دیا تھا جس کی تصویر ایک ہندی شاعر نے ان الفاظ میں کھینچی ہے۔ دوہرا

"کرن ہرن جوں کو دیو رجوٹ چھوڑے ران
لڑ عثمان دانتو لیو پورس بھرو پٹھان

یعنی رانا کرن سنگھ اپنا راج پاٹ چھوڑ کر ہرن کی طرح چھلانگیں مارتا ہوا بھاگ گیا اور نشۂ مردانگی سے چور پٹھان عثمان خان نے اس سے لڑ کر دانتہ کا علاقہ چھین لیا"

عثمان خان اور شیرانی پٹھان | عثمان خان نے صاحب خان اور محمد خان، سینبھر کے شیرانی پٹھانوں سے بھی خراج وصول کیا[۵۱]۔ اور متواتر حملے کر کے ان کی قومی جمعیت اور متفق طاقت کو بالکل توڑ دیا۔ یہ پٹھان شیرانی خیل

[۵۱] سینبھر پر حملہ کرنے کا یہ سبب بتایا جاتا ہے کہ عثمان خان بیمار ہو کر تبدیلِ آب و ہوا اور بقول دیگر تفریحاً شکار کے لئے کہیں گئے ہوئے تھے۔ واپس آتے ہوئے سینبھر یا ورس کے میدان کی طرف سے گزرے۔ اتفاقاً شیرانی پٹھان کسی تقریب سے وہاں جمع تھے۔ عثمان خان کی سواری کو دیکھ کر انھوں نے آوازے کسنے شروع کئے۔ عثمان خان میں ضبط کی تاب کہاں تھی اسنتے ہی بپھر گئے۔ ہر چند مصاحبوں نے سمجھایا کہ

"حضور تنہا اور دار الریاست سے دور ہیں، ان لوگوں کا جتھا کا جتھا ہے۔ اسوقت غصہ کو تھوک دیجئے اور بات کو ٹال جائیے۔"

لیکن عثمان خان کے دلیر باتوں سے تیر لیسے نہیں لگے تھے کہ جنکا جواب وہ تلوار کی زبان سے نہ دیتے چنانچہ بے اندیشہ تلوار سونتھ اور گھوڑا اٹھا چاڑ سے۔

سے تھے اور ایک زبردست قومی جمعیت کے ساتھ بارہ مواضعات میں انکی آبادی پھیلی ہوئی تھی۔ جب انکی جاگیر ان کے قبضہ سے نکل گئی (جسکا بیان بہادر خان کی فتوحات میں لکھا جائے گا) تو یہ قصبہ برنگر علاقہ کانگواڑہ میں جاکر آباد ہوگئے اور اب وہیں ملازمت کے ذریعہ سے سپاہیانہ طور پر بسر کرتے ہیں۔ چونکہ انکی جاگیر کے گاؤں سیفیبھر کہلاتے تھے اس لئے یہ لوگ بھی "سیفیبھریہ" کے لقب سے مشہور ہیں۔

عثمان خاں کو زہر دلوانے کی سازش

چونکہ بہادر خان ایک دوراندیش۔ صاحب تدبیر اور پولیٹیکل آدمی تھے اور نیز اپنی آنکھوں سے عثمان خان کی فتوحات کو دیکھ رہے تھے اس لئے انکو اندیشہ ہوا کہ مبادا کبھی یہ چڑھا ہوا دریا ادھر کا رخ کرے۔ دوسرے رشک و حسد نے انکی روزافزوں ترقی کو کانٹا بناکر ان کے دل میں کھٹک پیدا کردی تھی۔ چنانچہ بہادر خان نے اس خلش کو دور کرنے کے لئے تدبیر کے ناخن بڑھائے اور سازش کا جال پھیلاکر عثمان خان کی حقیقی بہن دیربائی کو پالن پور میں سے حصہ دینے کا کچھ تو لالچ دیا اور کچھ فساد کی منتروں سے بھائی بہن میں دشمنی کی آگ بھڑکادی اور کچھ اس طرح کان بھرے کہ حقیقی بہن اپنے بھائی کو زہر دینے کے لئے تیار ہوگئی۔

عثمان خان کا انتقال

عثمان خان ان دنوں فساد خون کے مرض میں مبتلا تھے۔ جب تندرست ہوئے تو غسل صحت کی تقریب میں جشن کیا۔ اور دنیا سازی کے لئے اپنی بہن دیربائی کو بھی بلایا۔ دیربائی اپنی طرف سے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ نمکحلال ملازموں سے یہ کب ہوسکتا تھا کہ اپنے ولی نعمت کو اس طرح بے جگر ہوکر مخالفوں میں گھستے ہوئے دیکھیں اور ہاتھ پاؤں میں مہندی لگاکر چپ چاپ کھڑے رہیں۔ گو یہ گنتی کے آدمی تھے مگر تلوار کے دھنی اور دل کے بہادر تھے، ہتھیار سنبھال عثمان خان کی پشت پناہی پر جا پہنچے۔ بڑے زور و شور کی لڑائی ہوئی۔ آخر کار جب شیرانیوں کے بہت سے آدمی مارے گئے اور باقیماندہ لڑنے والوں کی جانوں کے لالے پڑگئے تو اطراف کے مقدم اور معتبر لوگ آئے اور بیچ بچاؤ کرکے آپس میں صلح کرادی۔ عثمان خان تاوان جنگ کے متعلق شیرانیوں سے ایک معتدبہ رقم وصول کرکے مظفر و منصور گولہ چلے آئے مگر ان کے غیرت مند اور بہادر دل میں شیرانیوں کے بے ادبانہ الفاظ نے جو کاوش پیدا کردی تھی وہ باقی رہی اور عثمان خان ہمیشہ ان کے دیہات پر وقتاً فوقتاً حملہ کرتے اور انکے مقدور سے زیادہ پیشکش لیتے رہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

کپڑوں کا ایک جوڑا لیکر گئیں اور محبت و خوشامد کے طور پر عثمان خان سے کہنے لگیں کہ

"آج تو میری خوشی سے آپ میرے ہی لائے ہوئے کپڑے پہن لیں"

عثمان خان کو دیوانی کے دشمن ہونے کی اطلاع تو ضرور تھی لیکن یہ خبر نہ تھی کہ یہ بہن فرشتۂ اجل اور یہ جوڑا پیغام موت ہے، نہا دھو کر بلا تکلف بہن کے لائے ہوئے کپڑے پہن لئے۔ یہ کپڑے جو بہادر خان کی صلاح و سازش سے زہر میں ڈوب اور شوب دے دیکر تیار کئے گئے تھے، پہنتے ہی زہر نے پسینہ کے ساتھ مل کر مسامات میں سرایت کی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام جسم میں آبلے پڑ گئے۔ ان ہی آبلوں کی تکلیف سے تڑپ تڑپ کر آخر کار عثمان خان نے قضا کی۔[۱۵]

مجاہد خان کی جاگیر میں بہادر خان کی دست اندازی

عثمان خان کے لڑکے مجاہد خان اپنے باپ کی طرح شجاع تو ضرور تھے لیکن آرام طلب اور عیاش مزاج بھی تھے۔ بہادر خان نے انکی عیاشی اور غفلت شعاری کا حال دیکھ کر آہستہ آہستہ وہ تمام مواضعات جو عثمان خان نے اپنی ذاتی جوانمردی اور قوت بازو سے حاصل کئے تھے اپنے قبضہ میں کر لئے اور صرف بائیس ۲۲ گاؤں مجاہد خان کی جاگیر میں چھوڑ دیے جو ابتک گولہ بائیسی کے نام سے مشہور ہیں۔

جاگیردار دانتہ کی درخواست امداد

عثمان خان کے انتقال کے بعد راناکرن سنگھ زمیندار دانتہ نے دیکھا کہ بہادر خان کی ملکی طاقت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو اس نے موضع بیلو پورہ سے جہاں وہ مقیم تھا، اپنے مصاحبین و معتمدین گورکھ داس باڈھوا چارن۔ انوپ سنگھ راٹھور اور صاحب سنگھ بھائی وغیرہ کو بہادر خان کے پاس بھیجا اور دانتہ سے اپنے بیدخل ہو جانے اور رام سنگھ جاگیر دار سوواسنہ کو حاکم دانتہ بنائے جانے کا مفصل حال ظاہر کرکے اپنی مسند نشینی کے متعلق اعانت و امداد کا خواستگار ہوا۔

---

۱۵ اکثر معتبر اشخاص سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ عثمان خان ہمیشہ امراض خبیثہ میں مبتلا رہا کرتے تھے اور آخر کار یہی منحوس بیماریاں ان کی ہلاکت کا باعث ہوئیں۔ ۱۲ المؤلف

شرط اول بہادر خان نے مصارفِ فوج کشی کے علاوہ علاقہ دانتہ کے تمام دیہات کی کُل پیداوار میں سے فی روپیہ سات آنے ریاست پالن پور کا حصہ مقرر کیا اور ہمیشہ کے لئے والی دانتہ کو زمینداران پالن پور کی حیثیت سے رہنے کی شرط پر سند دوامی کے لئے ایک اقرار نامہ لکھوا لیا۔

شرط مزید تکمیل معاہدہ کے بعد جب رانا کرن سنگھ اس عہدنامہ پر دستخط کرنے کیلئے آیا تو بہادر خان نے ایک اور شرط پیش کر کے عہدنامہ کی تکمیل مزید اسی پر منحصر رکھی کہ خاص خاندانِ رانا میں سے ایک صاحبِ لیاقت لڑکی بہادر خان کے ساتھ بیاہی جائے۔ رانا کرن سنگھ نے کسیقدر غور و تامل کے بعد یہ شرط بھی منظور کر لی۔[۹۱]

گنگل باکے ساتھ بہادر خان کی شادی چونکہ بہادر خان نے پالنپالی کے چارن گورکھ داس باڈھوا کی زبانی رانا کرن سنگھ کی لڑکی کے اور بعض اشخاص کا قول ہے کہ اسکے چھوٹے بھائی امید سنگھ کی بیٹی کے حسن و جمال کی نہایت تعریف سنی تھی اس لئے یہ معاملہ طے ہونے اور عہدنامہ پر دستخط ہونے کے بعد بھی وہ فوج کشی کے معاملہ کو ٹال ٹال کر ہر وقت شادی کرنے کا اشتیاق ظاہر کیا کرتے تھے۔ انکے اس شوق کو دیکھکر رانا بھی اپنے دل میں سمجھ گیا کہ اب لڑکی کے بیاہے بغیر کام نکلنا دشوار ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے حقیقی بھائی امید سنگھ[۹۲] کو مواضعاتِ ناگیلی الصفف کونڈل۔ پانودرہ۔ وڈدرسن اور تھانہ وغیرہ کا پٹہ لکھ دیا اور اسکی لڑکی گنگل با کو بہادر خان کے ساتھ بیاہ دینے کا انتظام کیا۔ امید سنگھ نے مواضعات مذکورہ کا پٹہ لکھوا لینے کے بعد موضع تھانہ کے پرفضا میدان میں جہاں چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں آموں کے سرسبز درخت لہلہا رہے تھے امنڈھا چھا کر اپنی لڑکی کی شادی

---

[۹۱] تاریخ راس مالا مصنفہ فاربس صاحب کے صفحہ ۴۶۸ و ۴۶۹ میں یہ واقعہ ہمارے مرقومہ بالا بیان سے کسیقدر اختلاف کے ساتھ بالتفصیل مندرج ہے۔ اختلاف صرف اس امر میں ہے کہ ہمنے دیوان بہادر خان کا کرن سنگھ سے لڑکی بیاہنے کی خواہش کرنا لکھا ہے اور اسمیں مرقوم ہے کہ خود رانا نے دانتہ کا قبضہ دلا دینے کی شرط پر اپنے چھوٹے بھائی امید سنگھ جاگیردار ناگل کی بیٹی کو دینا چاہا تھا اور دانتہ پر قابض ہونے کے بعد حسب قرار داد شادی کر دی گئی۔ ۱۲۔ مولفہ

[۹۲] یہاں امید سنگھ کی لڑکی کی شادی کا جو واقعہ بیان کیا گیا ہے یہ دانتہ والوں کی روایت کے موجب ہے۔ ورنہ اصل میں گنگل با رانا کرن سنگھ والی دانتہ کی لڑکی تھی اور امید سنگھ کی لڑکی چین با کو بہادر خان گنگل با کی طعنہ زنی کے باعث اپنے اواخر عمر میں بیاہ لائے تھے جس کا مفصل حال آئندہ بیان کیا جائے گا۔ ۱۲۔ مولفہ

بہادرخان کے ساتھ کردی۔

دانتہ پر کرن سنگھ کا قابض ہونا کچھ عرصہ تک بہادرخان اسی آموں کے باغ میں مع اپنی خوش سلیقہ دلہن کے بسر کرتے رہے۔ بعدازاں دانتہ پر چڑہائی کی اور امر سنگھ ٹھاکر سودانتہ کو جو عثمان خان کی حمایت سے دانتہ پر مسلط ہوگیا تھا، نکال کر راناکرن سنگھ بارڑ مالک اصلی کو علاقہ دانتہ پر ازسرنو قابض کر دیا۔ ان حالات کو کسی ہندی شاعر نے ایک دوہرہ میں اسطرح بیان کیا ہے۔ دوہرہ

"کرنا نے رانو کیوا امرو کا ڈھیوا یم

بارڑپرنی بادرا تورن باندھیو تیم

یعنی بہادرخان نے منڈھا چھا کر بارڑجی[۱] سے شادی کی اور (جسکے عوض میں) امر سنگھ کو

نکال کر کرن سنگھ بارڑ کو رانا مقرر کیا۔"

مصارف فوجکشی کا معاف کردینا راناکرن سنگھ کے لئے یہ شادی یعنی بہادرخان کو اپنی بھتیجی دینا ایسا مبارک ہوا کہ بہادرخان نے اپنی اس خوش سلیقہ دلہن کے حسن سیرت وصورت سے خوش ہوکر مصارف فوجکشی کے متعلق جو رقم رانا سے لینی مقرر کی تھی یکقلم معاف کردی۔

بارڑجی بائی کی سلیقہ مندی بارڑجی بائی نہایت خوش سلیقہ۔ نیک مزاج۔ خلیق اور تمیزدار عورت تھیں۔ انھوں نے اپنی لیاقت ذاتی سے بہادرخان جیسے مطلب آشنا اور بیدار مغز رئیس کے مزاج میں دخیل ہوکر انھیں اپنے قابو میں کرلیا تھا اور بہادرخان بھی ان کے اخلاق وعادات سے اسقدر خوش تھے کہ ریاست میں ان کو بہت کچھ دخل دے رکھا تھا۔ یہاں کے عام لوگ اسوقت تک ہر ایک خوش سلیقہ اور ذی وجاہت رئیسہ کو بارڑجی بائی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ بارڑجی بائی نے اپنے عہد میں اپنے نام کی مناسبت سے شہر پالن پور میں

[۱] جس طرح اضلاع راجپوتانہ کی ریاستوں میں دستور ہے کہ شادی کے بعد اپنی رانی کا نام اسکے آبائی خاندان کی قومی لقب سے مشہور کیا جاتا ہے اسیطرح ریاست پالن پور میں بھی بیگمات کے لئے قدیم الایام سے یہی رواج چلا آتا ہے چنانچہ بہادرخان نے بھی اپنی بیوی کشل بائی کا لقب "بارڑجی" مقرر کیا اور یہی مشہور عام ہوگیا ۱۲۔ لمولفہ

ایک محلّہ بارڑپورہ آباد کیا تھا جواب بھی دہلی دروازہ کے اندر ریلوے اسٹیشن کی سڑک پر واقع ہے۔ اُنھوں نے پہانگی عورتوں کے لباس کے مناسب ایک قسم کا سادہ اوڑھنا (دوپٹہ) ایجاد کیا تھا جسے بارڑشاہی جھمبی کہتے ہیں۔

مواضعات سینبھر یاور کا خالصہ ہوجانا

مہم دانتہ سے فارغ ہوکر بہادر خان نے سینبھر یاور کے شیرانی پٹھانوں کی جاگیر پر قبضہ کرنے کا ارادہ کیا۔ عثمان خان نے ان لوگوں کو پہلے ہی سے پست و پا کر رکھا تھا، اوپر سے خدائی مار یہ پڑی کہ ان ہی دنوں میں ایک شیرنی جسکو بہادر خان چتوری واگھن (چالاک شیرنی) کہا کرتے تھے ایک ایک گاؤں میں گھستی تھی اور قضا کا فرشتہ بن کر رات کے وقت ایک ایک دو دو تجربہ کار بوڑھوں اور حوصلہ مند جوانوں کو بستر خواب سے اٹھا اٹھا کر موت کی نیند سُلا دیا کرتی تھی۔ اس ناگہانی آفت نے تھوڑے ہی دنوں میں ان پٹھانوں کی رہی سہی طاقت بھی نیست و نابود کردی۔ بہادر خان کو یہ موقع پھر کب ہاتھ آسکتا تھا، اُنھوں نے سینبھر پر حملے کرنا شروع کردیے اور بہت سی بربادی و خونریزی کے بعد جاگیرداران سینبھر کو خارج کرکے انکے پٹے کے بارہ گاؤں شامل خالصہ کرلئے۔

اکھیراج کولی کی بیوہ لڑکی سے نکاح

کہتے ہیں کہ ٹھاکر اکھے راج کیمارٹیہ کولی زمیندار ملانہ کی لڑکی جو اپنی ہی قوم میں بیاہی گئی تھی، عین عالم شباب میں بیوہ ہوگئی۔ اور سسرال سے میکے میں آکر رہنے لگی۔ ایک روز کسی بات پر اسکی بھاوج یا نند نے طعن سے کہا کہ

”بائی صاحبہ! آپ تو بہادر خان کی بیگموں کا سا دماغ اور تمکنت رکھتی ہیں۔ یہ نازک دماغی تو کچھ اسی دربار کے لئے زیبا ہے۔ ہمسے آپ کا مزاج کیونکر اُٹھایا جائے گا!“

ایک تو طعن کی بات، تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز ہوا کرتی ہے اور پھر بیوہ کا نازک دل، اُسنے طیش میں آکر فی الحقیقت بہادر خان کی بیوی بننے کا پکا ارادہ کرلیا اور اپنی ایک محرم راز میراثن کی زبانی بہادر خان کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ میراثن موضع حسین پور[۵۱]

---

[۵۱] یہ گاؤں پالن پور سے مشرق کی طرف نو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۱۲۰۔ لمولفہ

میں اُن سے جا کر ملی۔ بہادر خان ملانہ پر قبضہ کرنے کا بہانہ تو ڈھونڈھ ہی رہے تھے، فوراً میر اُن کے ساتھ ہی رتھ اور چند سوار بھیجدیے اور اُسکو اپنے پاس بلا کر مسلمان کیا اور نکاح کے بعد داخلِ محلات کر لیا۔

ہنسی میں کھنسی

ایک رات کا ذکر ہے کہ بہادر خان اپنی اسی بیوی کے محل میں شب باش ہوئے۔ سردی کا موسم تھا، پاؤں سکیڑے ہوئے پلنگ پر لیٹے تھے۔ یہ دیکھکر اس نوعمر بھولی بھالی بیوی کو چہل کی سوجھی اور ہنسی سے کہا کہ

"حضور! راجاؤں کے لئے تو پاؤں پھیلانا ہی زیبا ہے۔"

کُل انسانی طبیعتوں کا خاصہ ہے کہ ہر وقت یکساں نہیں رہا کرتیں۔ خصوصاً صاحبِ اختیار و حکومت کی طبیعت کا تو کچھ ٹھکا ہی نہیں۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ۔ کبھی گالیاں دو تو خوش ہو کر شاد و آباد کر دیں اور کبھی سلام سے ناراض ہو کر تخت بخش۔ یہی موقع اسوقت بھی ہوا کہ ہنسی کی بات بگاڑ ہو گئی۔ بہادر خان اپنی بیوی کی اس خوش طبعی کو طعن سمجھے اور بگڑ کر کہنے لگے کہ

"کیماڑنی جی! اس قدر کیوں گھبراتی ہو۔ راجاؤں کے پاؤں پھیلانے کا حال بھی معلوم ہو جائے گا۔"

ملانہ پر فوجکشی اور فتح

کیماڑنی جی بیچاری کو بہادر خان کی اس تنک مزاجی اور بدخلقی کا وہم و گمان بھی نہ تھا، یہ تیز فقرہ سنتے ہی سُن ہو گئی۔ رات بھر اپنے وہمی خیالات کے ساتھ خود بھی کروٹیں بدلتی رہی۔ بہادر خان الگ روٹھے رہے اور صبح ہوتے ہی ملانہ پر فوجکشی کا حکم دے دیا۔ بیوی نے ہر چند منت و سماجت کی مگر بہادر خان پر ایسا کچا جن نہیں چڑھا تھا جو خوشامد کا افسوں کارگر ہوتا، کچھ اثر نہ ہوا اور دن نکلتے نکلتے ملانہ پر حملہ کر کے ٹھاکر اسکے راج کو مع اسکے بھائی بندوں اور زمیندار کولیوں کے موضع ملانہ سے نکال کر ملانہ کا پٹہ مع ساٹھ گاؤں کے اپنے قبضہ میں کر لیا۔ یہ واقعہ سمت ۱۸۲۹ مطابق ۱۷۷۲ء (۱۱۸۶ھ) کا ہے۔ یہ ساٹھ گاؤں آجتک "ملانی ساٹھہ" کے نام سے مشہور رہے۔

جاگیرداروں اور مہواسیوں پر پیشکش مقرر کرنا اس مہم کے سر کرنے کے بعد مواضعات سلوترہ - ڈابھیلہ اور روہو وغیرہ کے بھٹیسرہ کولی جاگیرداروں پر فوجکشی کرکے ان کے چوراسی دیہات پر اپنا حصہ مقرر کیا۔ بعد ازاں گرد و نواح کے تمام کولی اور مہواسی زمینداروں کو مطیع کر لیا اور ان کی جاگیروں پر پیشکش اور سلامی وغیرہ حقوق قائم کئے۔

واہنیرہ پر تسلط سمت ۱۸۱۵ مطابق ۱۷۵۹ء اور بقول بھاٹوں کے سمت ۱۸۲۴ مطابق ۱۷۶۸ء میں بہادر خان نے واہنیرہ[1] پر قبضہ کرکے اسکے متعلق سولنکی راجپوتوں کے چوبیس دیہات پر ریاست کا حصہ مقرر کیا اور سدراجی و سوناجی دیوڑا راجپوتوں کے تین[3] گاؤں جو خاص واہنیرہ کے ماتحت تھے، شامل ریاست کر لئے[1]۔ پھر کچھ دن بعد منڈھار علاقہ سروہی کے راوجی سے موضع واچھول مع ایک اور گاؤں کے لیکر پورے پچاس مواضعات پر اپنا عمل و دخل کیا

حفاظتِ ملک یوں تو فیروز خان ثانی - کریم داد خان اور پہاڑ خان ثانی ان سب ہی نے سلطنتِ مغلیہ کو زوال پذیر دیکھا لیکن بہادر خان کو سلطنت مغلیہ کے ساتھ ہی مرہٹوں کی طاقت بھی بڑھتی ہوئی نظر آئی۔ ان کے زمانہ میں دہلی کے بادشاہ شطرنج کے شاہ تھے۔ ملک میں مرہٹوں کا ایسا زور تھا کہ ان کی متعدد فوجیں دکن سے اتر اتر کر گجرات میں آتی تھیں اور ریاستوں سے خراج و پیشکش کی بھاری بھاری رقمیں وصول کرکے لیجاتی تھیں۔ مظلوم رعایا ان کی دست درازی اور سخت گیری سے برباد و تباہ حال ہو رہی تھی۔ کیفیت

---

[1] صحیح روایت یہ ہے کہ پہلے تو سمت ۱۸۱۵ میں واہنیرہ مع متعلقات، سولنکی راجپوتوں سے لے لیا اور پھر ایک عرصے کے بعد دیوڑہ راجپوتوں کے تین[3] گاؤں شامل ریاست کر لئے۔ اسی لئے تحصیل واہنیرہ تیسی چوبیسی مشہور ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ واہنیرہ کے حقدار سولنکی راجپوتوں میں سے کسی ٹھاکر کی بیوہ کے ورثہ میں سنگ مرمر کی ایک چوکی آئی تھی جسکو اسکے شوہر کے رشتہ داروں نے جبراً اس سے چھین لیا۔ ٹھکرانی نے غصہ میں جو کچھ انکو برا بھلا کہا تھا اسکا کینہ دل میں رکھکر وہ لوگ اس بیکس پر ہر معاملہ میں جور و تشدد کرنے لگے۔ آخر کار راجپوتی حرارت نے اسکے دل میں اسقدر جوش پیدا کیا کہ اسنے بالمشافہ بہادر خان کے حضور میں آکر اپنے مخالفوں کا ستیاناس کرنے کی شرط پر اپنا حصہ لکھ دیا۔ بہادر خان نے جو ایک عرصہ سے واہنیرہ پر قبضہ کرنے کی تاک میں تھے، ٹھکرانی کی یہ درخواست قبول کرکے اسکی امداد اپنے ذمہ لی اور اس حیلہ سے ایک زبردست جمعیت بھیجکر واہنیرہ کے راجپوت جاگیرداروں کو مغلوب کر لیا۔ ۱۲ مولفہ

دیکھ کر اس ملک کے بھیل۔ کولی اور میینا وغیرہ قزاق پیشہ اور غارتگر اقوام نے بھی سر اٹھایا اور وہ گروہ باندھ باندھ کر جابجا چھاپے مارنے لگے۔

جب بہادر خان نے مرہٹوں کی یورش اور ملکی لٹیروں کی اسقدر لوٹ مار دیکھی تو اپنی رعایا اور ریاست کی حفاظت کے لیے شہر پالن پور اور ڈیسہ کے گرد پختہ شہر پناہ بنائی۔ علاقہ دہاندہار میں جا بجا تھانے مقرر کئے جب ضرورت سرحدی دیہات اور پہاڑوں پر گڑھ اور قلعے تعمیر کرائے اور اس بدامنی کے زمانہ میں کہ چاروں طرف فتنہ و فساد کی آندھیاں چل رہی تھیں، جس لیاقت اور بیدار مغزی سے اپنے ملک کا انتظام کیا اسکی نظیر صفحات تاریخ پر مشکل سے نظر آئے گی۔

بہادر خان کی باڑی اور بہادر گنج بہادر خان کے زمانۂ حکومت سے پہلے شہر پناہ کے اندر کوئی باڑی ایسی نہیں تھی کہ اگر کسی دشمن کی طرف سے شہر کا محاصرہ کیا جائے تو رعایا اور لشکر کے آدمیوں کو سبز ترکاری بہم پہنچ سکے۔ اس ضرورت کے رفع کرنے کے لئے بہادر خان نے اپنی فرمانروائی کے زمانہ میں سرکاری محلات سے قریب جانب شمال زمین کا ایک وسیع قطعہ تجویز کر کے اسمیں ہر قسم کی ترکاریوں وغیرہ کی کاشت کا انتظام کرا دیا۔ یہ باڑی اسوقت تک موجود ہے اور اسمیں ترکاریوں کے سوا ہر قسم کی زراعت بھی ہوتی ہے۔ اس باڑی کے علاوہ بہادر خان نے ایک بازار آباد کیا تھا جس کا نام اپنے نام کی مناسبت سے "بہادر گنج" رکھا تھا۔ یہ بازار صاحب پولٹیکل ایجنٹ بہادر کی کوٹھی کی طرف جاتے ہوئے میراں دروازہ کے اندر واقع ہے۔ اور شہر کے تمام بازاروں سے زیادہ کشادہ اور وسیع ہے۔

قبضۂ تھراد یہ ایسے انقلاب اور رَل چل کا زمانہ تھا کہ تمام گجرات پر تباہی چھا رہی تھی۔ جا بجا لوٹ مار کا شور و غل مچا ہوا تھا۔ مرہٹوں کا یہ حال تھا کہ آج ایک گاؤں پر چھاپا مارا اور لوٹ کر لے گئے۔ کل دوسرے قصبہ پر جا دہاوا کیا۔ لوٹا۔ کھسوٹا اور چلتے پھرتے نظر آئے۔ غرضکہ ملک ویران۔ رعایا بدحال اور حکام پریشان و مجبور تھے۔

جب صوبہ دار گجرات نے دیکھا کہ علاقہ تھرادو لیٹروں اور غارتگروں کے ہاتھ سے برباد ہوا جاتا ہے اور جاگیردار تھرادو سے اسکا کوئی انتظام نہیں ہو سکتا تو اسنے (صوبہ دار نے) احمد شاہ بادشاہ دہلی کے حضور میں رپورٹ کر کے علاقہ تھرادو جو لیٹروں کا آماجگاہ بنا ہوا تھا، دیوان بہادر خان کے سپرد کرادیا تاکہ بدنصیب رعایا کو امن نصیب ہو۔ اسموقع پر بادشاہ کی طرف سے جو فرمان بہادر خان کے نام آیا تھا اسکی نقل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔

نقل فرمان

باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ

الله هو

احمد شاه بهادر ابن محمد شاه

ابو النصر مجاهد الدین محمد صاحبقران ثانی

بادشاه غازی

ابن جهاندار شاه — ابن امیر تیمور صاحبقران — ابن میران شاه — ابن شاه عالم بادشاه — ابن سلطان محمد شاه — ابن عالمگیر بادشاه — ابن سلطان ابو سعید — ابن شاهجهان بادشاه — ابن عمر شیخ شاه — ابن جهانگیر بادشاه — ابن بابر بادشاه — ابن اکبر بادشاه — ابن همایون بادشاه

باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ

فرمان ابو النصر مجاهد الدین محمد احمد شاه بهادر بادشاه غازی

دریں وقت میمنت اقتران فرمان والا شان واجب الاذعان صادر شد کہ
عرضی گزرانیدہ امارت و ایالت مرتبت احمد خان بہادر بنگش بنظر اقدس اعلیٰ
گذشت کہ بہادر خان ولد فیروز خان لوہانی جالوری مرد سپاہی نفس و کارآمدنی پرگنہ تھرادو
سرکار پٹن مضافات صوبہ احمد آباد کہ متصل زمینداری پرگنہ پالن پور کہ از قدیم ارشاد خان موصوف است

واقعہ مفسدان کولیان شدہ قطاع الطریقان و رہزنان جمیع شہراہے مسافرین را تاخت و

تاراج مینمایند امیدوار است کہ فوجداری و زمینداری و وطن داری پرگنہ تھراد بنام خان مزبور

مرحمت شود بنابران فرمان جہان مطاع عالم مطیع شرف صدور می یابد کہ از راہ فضل و کرم بادشاہانہ

زمینداری و وطن داری پرگنہ مسطور بنام بہادر خان مرحمت فرمودیم باید کہ متصدیان حال و استقبال

و کروریان و جاگیرداران و چودہریان و قانون گویان و مقدمان و رعایا و ساکنان آنجا خان مشار الیہ

را زمیندار و وطن دار پرگنہ مزبور مستقل دانستہ در لوازم لواحق آن بکوشند کہ مفسدان و کولیان و

قطاع الطریقان و راہ زنان را اخراج نماید کہ مردمان مسافرین بخاطر جمع طمانیت باطن آمد و رفت

مینمودہ باشند درین باب تاکید اکید دانند و ہر سال سند مجدد نطلبند۔ تحریر پانزدہم شہر جمادی الثانی

ہفتم جلوس والا قلمی شد۔

تھراد سے قبضہ اٹھا لینا

بہادر خان نے اس شاہی فرمان کے ذریعہ سے تھراد پر قبضہ کیا اور اپنی انتظامی قوت کو صرف کر کے چند ہی روز میں تمام علاقہ کو لٹیروں کے دست یغما سے نجات دلوا دی۔ لیکن چونکہ سلطنت مغلیہ کے ساتھ ہی ساتھ تمام ملک کی حالت نازک ہوتی جاتی تھی۔ خودسری اور فتنہ و فساد کی تیرہ و تار آندھیاں چل رہی تھیں۔ ہر شخص کو اپنی جان و مال کی حفاظت دشوار ہو گئی تھی اور سارے خود مختار رئیس اپنی اپنی ریاستوں کے بچانے میں لگے ہوئے تھے اسلئے بہادر خان نے کچھ مدت تک تھراد پر حکمرانی کی اور بعد ازاں مصلحتاً اسکو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔

آبادی میں ترقی

بہادر خان کی خوش انتظامی نے اطراف و جوانب میں کچھ ایسی شہرت حاصل کی کہ گجرات کے اکثر قصبات و دیہات کی رعایا جو لٹیروں کے ہاتھوں میں خوان یغما بن گئی تھی اور جس نے ہمیشہ کی لوٹ مار سے تنگ آ کر ترک وطن کا ارادہ کر لیا تھا، پالن پور میں آ آ کر آباد ہونے لگی۔ چنانچہ قصبہ وسیانگر کے اہل تسنن۔ سیدھپور کے اہل تشیع بوہرے۔ مہسانہ۔ بیجاپور۔ بڑنگر اور پٹن کے مسلمان جولاہے۔ رنگریز۔ نداف۔ نانبائی

اور خاص شہر احمد آباد کے مہاجن جنکو جوہری کہتے ہیں وغیرہ وغیرہ ہر قوم و ہر ملت کے اہل حرفہ اور تجارت پیشہ لوگوں نے پالن پور کا توطن اختیار کرلیا۔

نوآباد رعایا کی حفاظت خالصہ گجرات کے دیہاتی لیئوا اور کرڑوا کلبی اور مسلمان مومن کاشتکار جو بہادر خان کی پناہ میں آے تھے، ان کی سکونت و زراعت کی سہولت کے لئے بہت سے گاؤں آباد کئے گئے ان کی آسائش کے لئے پختہ مکانات تعمیر کرائے اور ان کی حفاظت کی غرض سے باضابطہ تھانے بٹھانے کا بندوبست کیا۔ بلکہ بعض اوقات بذات خود ان نوآباد دیہات میں رہ کر رعایا کی امن و امان کا ملاحظہ کیا کرتے تھے۔

فتوحات اور راج حق بہادر خان نے اپنے عہد حکومت میں موضع ورناواڑہ بلوچوں سے اور وصنالی اور سیسرانہ وصناجی واگھیلہ راجپوت سے چھین لیا۔ پھر سات برس کے بعد موضع اومری وغیرہ گڈھواڑہ کے کولی ٹھاکروں کے آٹھ دیہات پر حصہ مقرر کیا۔ علاوہ ازیں بہت سے گراسیہ زمینداروں کے کھیتوں جنگلوں اور مواضعات پر وانٹ جمعبندی۔ سلامی۔ زکواۃ اور راہداری وغیرہ ٹیکس لگا کر ملکی آمدنی بڑہائی۔ نیز خالصہ کی افتادہ اور بنجر زمینوں میں دیہات آباد کئے۔

ہاتھی گھوڑوں کے چارہ کا انتظام ہاتھیوں کے چارہ کی کڑوی کے لئے پرگنہ وہانڈہار کے مواضعات پر ایک جدید ٹیکس[۵۱] لگایا جو "ہاتھی کڑوی" کے نام سے مشہور ہے۔ اسی طرح گھوڑوں کی چرائی کے لئے بہت سے دیہات میں علٰحدہ زمین[۵۲] مخصوص کر کے موسم گرما سے بارش کے ختم ہونے تک گھوڑوں کو دیہات میں بھجوانے کا طریقہ جاری کیا جو ابتک چلا آتا ہے۔ بارش کے شروع ہوتے ہی بنجر زمین میں موٹھ کی کاشت کرا کے اسکا چارہ

---

[۵۱] والی حال خلد اللہ ملکہم نے کڑوی کے عوض نقد روپیہ مقرر کر کے ہاتھیوں کے لئے بطور خود کڑوی خریدنے کا جدید انتظام کیا ہے۔ ۱۲ المولف

[۵۲] اس مخصوص زمین کو پالن پور میں گھوڑا سرن کہتے ہیں۔ ۱۲ المولف

جس کو کورٹ کہتے ہیں، جاڑے کے موسم میں گھوڑوں کی خوراک کے لئے محفوظ رکھنے کا رواج قائم کیا اور موٹھ[1] کے بونے کے لئے ہل جوتنے کھیتی کی نگہبانی کرنے اور تیاری کے بعد چارہ کو کاٹ کر سرکاری باڑہ میں پہنچانے کا تمام بار رعایا کے ذمہ کر دیا جس سے مصارف اصطبل میں تخفیف ہوگئی۔

مویشیوں کے چارہ کا انتظام زنانہ محلات کی سواری کے رتھوں کے بیلوں اور گاؤ خانہ کی گائے بھینسوں اور بچھڑوں کے چارہ کے لئے جھالرا اور جینبیڑی وغیرہ ہر قسم کی ہری اور خشک گھاس گاؤ خانہ کی گاڑیاں بھیجکر روزانہ خرچ کی مقدار کے موافق ہر ایک کھیت سے لینے کا بنیاد صیغہ قائم کیا۔ ماسوا اسکے جنگلوں میں چراگاہیں محفوظ رکھکر مویشیوں کو ان میں رکھنے کا انتظام کیا گیا جسکی وجہ سے گاؤ خانہ کا خرچ بھی بہت کم ہوگیا اور جانوروں کی پرورش بھی آسانی سے ہونے لگی۔

گھوڑے بیلوں کی عمدہ نسل گھوڑوں اور بیلوں کی عمدہ نسل حاصل کرنے کے لئے چوٹیلہ اور مولی وغیرہ کاٹھیاواڑ کے کھیتوں سے عمدہ عمدہ گھوڑیاں اور اصیل سانڈہ اور ضلع کاکریج سے اعلے قسم کے بیل منگوا کر اچھی نسل کے جانور پیدا کرانے کا انتظام کیا اور ان کی پرورش کا اس درجہ خیال تھا کہ بہادر خان بذات خود نگرانی میں مصروف رہتے تھے۔

گنے اور چاولوں کی کاشت اگرچہ بہادر خان اپنی حکمت عملی سے نئے نئے آئین وضع کرکے دستور قدیم کے علاوہ رعایا پر ٹیکس پر ٹیکس لگاتے تھے لیکن ان کو اپنی رعایا کی نگہبانی اور راحت و آسائش کے ساتھ اسکی بہبودی و خوشحالی کا بھی پورا پورا خیال تھا چنانچہ انھوں نے کاشتکاروں کی منفعت اور ملک کی سرسبزی کے خیال سے لوگوں کو فن زراعت میں اصلاح اور ترقی کرنے کا ڈھنگ بتانے کی غرض سے ایڈر سے گنا منگا کر علاقہ وہاندار میں اسکی کاشت کرائی۔ اس گنے کے رس کا جو گڑ بنتا ہے اُسکو بہادر خان کے نام کی

---

[1] اگرچہ موٹھ کی کاشت کا دستور قدیم سے چلا آتا تھا لیکن اس کا تمام بوجھ رعایا کے سر پر ڈال کر خرچ میں تخفیف کرنے کا رواج بہادر خان نے جاری کیا ۱۲۔ مولف

مناسبت سے بہادر شاہی گڑ کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک قسم کا لذیذ اور نہایت خوشبودار چاول ملک سندھ سے منگواکر دھاندھار میں بونے کا انتظام کیا جو اس ملک کی عمدہ پیداوار میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس چاول کو یہاں کمود کہتے ہیں۔

پیودنوں کو فن معماری کی تعلیم — بہادر خان نے رعایا پروری کی ایک اور بہت بڑی یادگار یہ قائم کی کہ یہاں کے پیشہ ور لوگوں اور سب سے زیادہ تنگ دست بھکاریوں کو قسم قسم کی صنعت و حرفت کی ترغیب دی۔ پیودن قوم کے برہمنوں کو جو در بدر بھیک مانگ کر تنگدستی اور ناداری کی حالت میں گزارہ کرتے تھے، محکمہ تعمیرات میں نوکری پر لگا کر فن معماری کی تعلیم دلوائی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اول تو پختہ مکانات تعمیر کرانے کے لئے پہلے غیر ملکوں سے معمار بلانے کی جو تکلیف تھی، دور ہو گئی۔ دوسرے یہ لوگ بھی معماری کے ذریعے سے خوشحالی و فارغ البالی کے ساتھ گزر اوقات کرنے لگے۔

حصول زر کے طریقے — اگرچہ بہادر خان تعلیم و تربیت سے کوسوں دور تھے کیونکہ اپنے ننھیال کے بے علم و جاہل لوگوں میں رہ کر چھوٹے سے بڑے ہوئے تھے لیکن چونکہ مادہ ذاتی میں جوہر اچھے تھے اس لئے امورات معاش کے میدان میں انھوں نے بہت زیادہ ترقی کے گھوڑے دوڑائے۔ ہر حالت سے ریاست کو رونق دی۔ اپنی حکمت عملی سے نئے نئے ٹیکس لگائے اور ہر صیغہ کے لئے جدید قانون بنائے۔ مگر ساتھ ہی اسکا بھی بڑا خیال رکھا کہ رعایا بددل اور تنگ ہو کر ریاست میں فرق نہ ڈالے۔

بہادر خان جسقدر تیز طبیعت۔ ذی ہوش۔ مستقل مزاج۔ بلند حوصلہ عالی دماغ۔ صاحب تدبیر اور مدبر تھے۔ اس سے زیادہ خود غرض۔ حریص۔ بے رحم۔ طماع۔ زر دوست اور نہایت ہی ممسک بھی تھے۔ روپیہ کے لالچ میں غریبوں کو بلاقصور ستاتے تھے۔ ان کی آزادی کے ساتھ روپیہ پیسہ بھی چھین لیتے تھے اور جس طرح بنتا تھا ظلم سے۔ جبر سے خزانہ کو بھرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جس شخص کے پاس انکا روپیہ ہے اسوقت تک منحوس و نامبارک سمجھا جاتا ہے۔

ایک جبی پر تشدد

جس غیر واجبی طریق سے انھوں نے روپیہ جمع کیا تھا اسکی نسبت یہاں کے لوگوں میں بہت سی روایتیں مشہور ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ کسی فقیر نے چٹنی کے لئے چار کیریاں توڑلی تھیں اس جرم میں اس بدنصیب پر سات سو روپیہ جرمانہ کر دیا جسکا ادا کرنا۔ اسکے لئے محالات سے تھا۔ انجام یہ ہوا کہ عدم ادا ے جرمانہ کے سبب بہادر خان نے اس مظلوم کو سربازار دُرّے لگانے کا حکم دیا۔ اس حکم میں یہ مصلحت تھی کہ بنئے مہاجنوں کی ذات نرم دل اور پُن وان ہوتی ہے جب وہ لوگ اپنے مہاتما فقیر پر یہ تشدد وظلم دیکھیں گے تو زرجرمانہ وصول ہو ہی جاوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب فقیر پر جو مشہور ہے کہ سراؤگیوں کا جبی تھا مار پڑنی شروع ہوئی تو تمام ہندو دکانداروں نے چندہ کر کے زرجرمانہ ادا کر دیا اور اپنے مہاتما کو چھڑا لیا۔

کولی ٹھاکر کے کھیت پر راج حق

دوسری روایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ بہادر خان حسب معمول اپنے علاقہ میں دورہ پر تھے۔ اتفاقاً موضع مالن کی سرحد میں ایک کولی ٹھاکر کے کھیت میں سے گزرے۔ غریب ٹھاکر نے جو کھیت میں ہل چلا رہا تھا، اس امید پر کہ میری اسوقت کی خدمت آیندہ کی بہتری کے لئے سفارش ہوگی، بہادر خان کی مع ان کے ہمراہیوں کے دعوت کی جسکو یہاں کے لوگ "گوٹھ" کہتے ہیں۔ بہادر خان نے نہایت مسرت اور خندہ پیشانی کے ساتھ دعوت قبول کی اور بہت سی زبانی تعریف کر کے اپنے مقام پر چلے آئے۔

دوسرے برس بہادر خان پھر اتفاق سے یا جان بوجھ کر اسی راستے سے گزرے۔ بیچارہ ٹھاکر پھر دعوت کا سامان کرنے لگا۔ بہادر خان نے نہایت شفقت کے ساتھ اُسکو بُلا کر اپنے پاس بٹھایا اور مہربانی کے لہجے میں کہا کہ

"ٹھاکر صاحب! آپ دعوت کا سامان کرنے کی کیوں تکلیف اُٹھاتے ہیں۔ آپ اسطرح جو کچھ خرچ کرنا چاہیں اس سے کسی قدر کم مجھے نقد ہی دیدیجئے کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ دعوت تو آپ مجھے دیں اور ادھر اُدھر کے لوگ مل کر کھا جائیں۔"

یہ سُن کر ٹھاکر نے فقر درویش بجان درویش مہاجن سے روپیہ قرض لیا اور بہادر خان کے حوالہ کیا۔

تیسرے سال بہادر خان ارادۃً مالن گئے اور غریب ٹھاکر کے کھیت کے قریب پہنچکر گھوڑے کو روک لیا۔ اس وقت ٹھاکر کی پہلی سی حالت نہ تھی۔ پیداوار نے دغا دیکر اسکو نہایت تہی دست اور مفلوک الحال بنا دیا تھا۔ بہادر خانکو دیکھکر خاموش بیٹھا رہا اور بولتا تو کیا بولتا کیونکہ اسکو یہ بھی اُمید نہ تھی کہ مہاجن وغیرہ سے سودی پیسہ لیکر ان کی دعوت کا سامان ہو سکے گا۔ بہادر خان نے جب اسکو اپنی طرف متوجہ نہ دیکھا تو گھوڑے سے اُتر کر ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گئے اور اس قابلِ رحم کولی ٹھاکر سے کہنے لگے کہ "وہ ٹھاکر صاحب! اس کھیت پر سالانہ سلامی کا حق لگتا ہے آپکو ادا کرنا ہی پڑے گا"۔ خلاصہ یہ ہے کہ بہادر خان کی حرص و طمع نے ناجائز سے ناجائز طریقہ کو بھی حصولِ زر کے لئے جائز کر رکھا تھا اور ایک ایک پیسہ کے لئے دغا و فریب کو کام میں لانے سے باز نہ رہتے تھے۔

معاملہ فہمی کی ایک نظیر

چارنوں کا یہ دستور ہے کہ دور دور تک کی ریاستوں اور چھوٹی بڑی جاگیروں میں دورہ کرکے اپنی لسانی اور مدح خوانی سے رئیسوں کو متوجہ کر لیتے ہیں اور ان کی داد و دہش چارنوں کی اوقات بسری کا ذریعہ ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ اسی تقریب سے علاقۂ پالن پور کے ایک چارن کو موضع سور بھکری[۹] جانیکا اتفاق ہوا۔ وہاں کے جاگیر دار نے اپنے اس مدّاح کی بہت کچھ خاطر و مدارات اور آؤ بھگت کی۔ تین چار روز قیام کرنیکے بعد جب چارن نے رخصت چاہی تو زمیندار سور بھکری نے اسکو اپنے مقدور سے زیادہ انعام اور رخصتانہ دیا۔ مگر چونکہ زمیندار مذکور کی ایک بھینس اس چارن کو پسند آگئی تھی اور وہ اپنے تجویز شدہ انعام میں اسکا اضافہ کرانا چاہتا تھا، بلاتکلف بول اُٹھا کہ

"وہ ٹھاکر صاحب! آپ دیں یا نہ دیں لیکن یہ بھینس لئے بغیر تو میں ہرگز نہ جاؤں گا"

چارن کی زبانی یہ بے باکانہ الفاظ سنکر جاگیر دار کو سخت ناگوار گزرا اور بات ٹالنے کے طور پر کہنے لگا کہ

---

[۹] سور بھکری کے زمیندار چیبا راجپوت کو دیوان فیروز خان ثانی نے بزور شمشیر اپنا باجگزار کر لیا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ پھر منحرف ہوگیا جسپر عثمان خان برادر بہادر خان نے حملہ کرکے سور بھکری کو از سرِ نو اپنی جاگیر میں شامل کر لیا۔ بعد ازاں جب گولہ کی جاگیر کا الحاق پالن پور کے ساتھ ہوا تو سور بھکری پر بھی ریاست کا قبضہ ہوگیا۔ ۱۲ المولف

"اس بھینس کے ساتھ مجھے خاص اُنس ہے اس لئے تم یہ خیال چھوڑ دو۔ ہاں! اگر کسی اور چیز کی خواہش ہے تو بلا عذر پوری کیجائے گی"

جاگیردار سور بھکری کے ان ملائم الفاظ نے بھی چارن پر کچھ اثر نہ کیا اور جو کچھ انعام دیا گیا تھا وہ غصہ کی حالت میں واپس کر کے یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ

"جب تک یہی بھینس نہ لے لونگا میرے لئے افیون[۱۵] کھانا حرام ہے"

سور بھکری سے یہ چارن روانہ ہو کر بہادر خان کے پاس آیا اور خوشامد کے لہجے میں کہنے لگا کہ

"حضور! سور بھکری کے جاگیردار چیبا راجپوت نے میری بڑی ہتک کی ہے۔ چونکہ میں آپکا منگتا ہوں، اسوقت میری مدد کرنی چاہیے۔ آپ کے اولو العزم بزرگوں نے اپنی تلوار سے بارہا ہمارے باپ دادا اور اسلاف کی مدد کر کے ہمیں ممنون احسان کیا ہے اس لئے آپ بھی میرے ساتھ تشریف لے چلئے۔ میری بگڑی ہوئی بات آپ کی ایک ادنیٰ توجہ سے بن جائے گی اور آپ سور بھکری کی جاگیر اپنے ملک میں شامل کر کے حدود ریاست کو وسعت دے سکیں گے۔"

چہ خوش بود کہ بر آید بہ یک کرشمہ دو کار

غرضکہ چارن نے اپنی جادو بیانی سے بہادر خاں کو جوش دلانے میں بیحد کوشش کی لیکن چونکہ فیاض قدرت نے ان کو دور بینی و معاملہ فہمی کا ایسا جوہر ودیعت کیا تھا کہ چارن کی تقریر سنکر انھوں نے دل میں سوچا کہ اس چارن نے سور بھکری کے جاگیردار سے جبراً بھینس لینا چاہا ہے یہ اسکی ہٹ دھرمی اور کمینہ پن کا بیّن ثبوت ہے اسلئے کسی طرح مناسب نہیں کہ صرف اسکی خود غرضی اور ہوس پرستی کے لئے میں بہت سے

---

[۱۵] افیونی کو وقت مقررہ پر افیون نہ کھانے سے ناقابل برداشت تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ زمانہ قدیم میں یہاں کے لوگ کثرت سے افیون کا استعمال کرتے تھے اور اسوقت بھی علاقہ پالن پور میں بہت سے مقامات پر افیون کا رواج پایا جاتا ہے بلکہ ہر شادی و غمی کے موقع پر افیون اور کسنبہ کی تواضع ضروری سمجھی جاتی ہے۔ (مؤلف)

اخراجات اور تکلیفوں کا متحمل ہوکر بے قصور سوربھکری کے ٹھاکر کی تباہی و بربادی کا سامان کروں۔

بہادر خان نے اپنے دل کے مشورہ سے محض چارن کی درخواست پر فوجکشی کرنے کے مسئلہ کو حل کرلیا تو دنیا سازی کے طور پر اس سے کہنے لگے کہ

"اسوقت ریاست کے بہت سے امور ایسے درپیش ہیں کہ سوربھکری پر چڑہائی کا موقع ملنا میرے لئے غیر ممکنات سے ہے۔ لیکن میں صلاح دیتا ہوں کہ تم فوراً گولہ چلے جاؤ اور میرے بھائی عثمان خان سے کار مرجوعہ کی انجام دہی کی درخواست کرو یقین ہے کہ انکی جوانمردی و شجاعت سے تمہاری مطلب برآری ہوجائے گی"

بہادر خان کا یہ فقرہ سنکر چارن کو ان کی طرف سے دستگیری و اعانت کی اُمید جاتی رہی۔ وہ اسی وقت گولہ کی طرف روانہ ہوگیا اور عثمان خان سے اپنی رام کہانی کہکر مدد طلب کی۔ انھوں نے چارن کی کیفیت سُنتے ہی سوربھکری کو اپنی جاگیر میں شامل کرلینے کے خیال سے فوراً چڑہائی کردی جب یہ حال وہاں کے جاگیردار چیبا راجپوت نے سُنا تو وہ بھی مقابلہ سے پیش آیا مگر افسوس کہ وہ عثمان خان کے نیزہ کی ضرب سے مارا گیا۔ بعدازاں چارن نے عثمان خان کا اشارہ پاتے ہی جاگیردار سوربھکری کی بھینسوں میں سے وہ بھینس لے لی جو اس کُشت و خون کا باعث ہوئی تھی۔

سداشیو رام چندر کی فوجکشی بہادر خان کی خست اور کنجوسی اسقدر بڑھی ہوئی تھی کہ جب تک جان پر نہ بن جاتی ایک کوڑی بھی خرچ کرنا نہ جانتے تھے۔ چنانچہ بیان کیا جاتا ہے کہ سمت ۱۸۱۴ مطابق ۱۷۵۸ء ۱۱۷۲ھ میں سداشیو رام چندر نے پالن پور پر فوجکشی کی اور بہادر خان سے پیشکش کی رقم نہ ادا کی تو اس نے شہر کا محاصرہ کرلیا۔ محاصرہ روز بروز بڑہتا جاتا تھا لیکن بہادر خان کی خست خزانہ سے کچھ نکالنے کی اجازت ہی نہ دیتی تھی۔ آخر کار سداشیو رام چندر نے شہر کے شمالی دروازہ کی طرف سے جو اب تاشہ والا دروازہ کہلاتا ہے، نقب کھودنی شروع کی جب یہ نقب راجگڑھی کے کمانی دروازہ تک پہنچی تو نواب کمال الدین خان بابی نے جو

رگھناتھ راؤ پیشوا سے صلح کر کے بطور ایک واقعہ کار مشیر کے اس لشکر کے ساتھ تھے، بہادر خان کو اپنے ایک معتمد بابی ملازم کی معرفت خفیہ طور پر کہلا بھیجا کہ

"آپ کی خوش انتظامی نے شہر کو ابتک تو بچا رکھا ہے۔ مگر جس وقت یہ نقب جو راجگڑھی تک پہنچ چکی ہے، اُڑیگی تو خیال فرمائیے کہ کیا حشر ہوگا۔ اگر اپنے آپ کو قابلِ رحم نہیں سمجھتے ہیں تو اپنی بیکس رعایا اور اپنے بے بس متعلقین ہی پر رحم فرمائیے اور دور اندیشی سے کام لیجئے۔ ورنہ کل ہی کا دن بیچ میں ہے پرسوں نقب نہیں اُڑائی جائیگی بلکہ یہ سمجھ لیجئے کہ پالن پور پر قیامت آنے والی ہے"

بہادر خان کی زبردستی دیکھئے کہ یہ پیغام سنکر بھی گرہ سے روپیہ نہ نکلا مگر جب مشیرانِ ریاست نے بہت کچھ کہا اور یہ پہلو بھی سمجھایا کہ اگر پیشکش نہ دیا جائے گا تو مصارف فوجکشی کی رقم ادا کرنی پڑے گی جو بہرحال پیشکش سے زیادہ ہوگی تو بہادر خان بالکل مجبور ہو گئے اور بادلِ ناخواستہ نواب صاحب کی معرفت و کفالت سے صلح کر کے اس شرط پر پینتیس[۳۵] ہزار روپیہ دینا منظور کیا کہ دوست کرغار ہنگام مرہٹوں کی مدافعت میں سرکار پیشوا ہمیشہ اس ریاست کی معاون و مددگار رہا کرے تاہم بہادر خان کو اتنی بڑی رقم کے کھیشت خزانہ سے نکل جانے کا مدت العمر افسوس رہا۔

مذہبی پیشواؤں پر ٹیکس

ہر مرہٹوں کو جو روپیہ بطور پیشکش دیا گیا تھا بہادر خان اسے نقصان عظیم سمجھتے تھے اور اسکی تلافی کا ہر وقت ان کو خیال لگا رہتا تھا یہانتک کہ موقع ہاتھ آتے ہی اُنھوں نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ گسائیں جی مہاراج۔ سراوگی دھرم کے سری پوج۔ داؤدی بوہروں کے مُلّا اور مومن قوم کے پیرانہ والے مشائخ وغیرہ ہر ایک طریق و مذہب کے خلفا اور پیشوا نذرانہ دے کر ملک میں آنے پائیں اگر وہ نذرانہ دینے سے انکار کریں تو سرکار پالن پور اُنکے حفظ و ناموس اور حراست جان و مال کی ذمہ دار نہ ہوگی۔ چنانچہ اسی اثنا میں ابتٹی مارگ کے دھرم گرو دلبھا چاریہ گسائیں مہاراج احمد آباد سے ناتھ دوارہ (میواڑ) جاتے ہوئے پالن پور کی سرحد

میں سے ہو کر نکلے اور اپنے ہمراہی سپاہیوں کے پہرہ چوکی پر نازاں ہو کر بہادر خان کے دستور العمل پر عمل نہ کیا۔ چونکہ اس دستور العمل کے اجرا سے بہادر خان کی ایک غرض یہ بھی تھی کہ جن لوگوں نے پیری و مریدی کا ڈھونگ پھیلا کر روپیہ جمع کیا ہے ان سے اپنے قانون کی خلاف ورزی کے قصور میں روپیہ چھینا جائے اس لئے گشائیں جی کی اس عدول حکمی پر غارتگروں کو اشارہ کر دیا گیا جنہوں نے ان کا تعاقب کر کے موضع سلوترہ کی گھنی جھاڑیوں کے قریب ان کو لوٹ لیا[۹۱]۔ بعد ازاں جو کچھ مال و اسباب ہاتھ آیا اسمیں سے کسی قدر غارتگروں کو دے کر باقی کل اپنے خزانہ میں داخل کر لیا۔ خلاصہ یہ کہ جبتک انھوں نے اپنے نقصان کو پورا نہ کیا اچین سے نہ بیٹھے۔

بہادر خان کا ایک خیال

کچھ تو بہادر خان فطرتاً حریص۔ طماع اور کنجوس تھے، اور کچھ اس خیال نے کہ

"ریاست اور رئیس کی تمام مقبول اور مشہور باتیں خزانہ کی معموری پر منحصر ہیں"

ان کو زیادہ خیرہ چشم اور لالچی بنا دیا تھا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ بہادر خان کے سفید دامن پر چند عیوب کے سیاہ داغ بھی لگا دیئے ہیں۔ ورنہ ان کی بہت سی باتیں یعنی انتظامات ملکی۔ جزورسی۔ رعایا پروری۔ بہادری اور دور اندیشی وغیرہ ہر ایک رئیس کے لئے قابل تقلید ہیں۔

بہادر خان کا خزانہ

جو رئیس دولت کو اپنی جان و ایمان سمجھتا ہو، روپیہ جمع کرنا جسکی زندگی کا بڑا اصول ہو اور جس نے اپنی تمام عشرتوں اور راحتوں کا ماحصل روپیہ ہی کو سمجھ رکھا ہو، ظاہر ہے کہ اسکا خزانہ دولت سے کس قدر مالا مال ہوگا۔ بیان کرتے ہیں کہ بہادر خان کے خزانہ میں چھیانوے لاکھ نقد روپیہ تھا جس میں ہزاروں تو زر خالص سے بھرے ہوئے بھوتوڑے[۹۲] تھے اور ہر ایک بھوتوڑہ میں ایک ایک ہزار اشرفیاں تھیں علاوہ ازیں بہت سی سونے کی سیدھی اور مدور سلاخیں اور بے شمار مربع تختیاں تھیں، جن کو یہاں کی

---

۹۱ ان جھاڑیوں کو یہاں "پہارکی" کہتے ہیں اور کسی زمانہ میں یہ جنگل نہایت خوفناک اور دشوار گزار تھا ۱۲۔ مولف

۹۲ "بھوتوڑہ" تانبے کے ایک صراحی نما برتن کو کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولف

زباں میں کسیا۔ جلیبی اور پاٹ کہتے ہیں۔

خوش تدبیری بہادرخان اگرچہ اپنی جبلی انتظامی قوت سے ملک کی آمدنی کے ذرائع پیدا کرنے میں ایک خاص قابلیت رکھتے تھے لیکن طبعی خسّت ضرورت وقت پر بھی غالب آگئی تھی۔ اور انھوں نے دوسرے محکموں کے علاوہ صیغۂ فوج میں بھی غیر معمولی سادگی اور کفایت شعاری سے کام لیا تھا تاہم ملک میں ان کا اثر ایسا اچھا تھا کہ ضرورت کے وقت وفادار جالوری سپاہیوں اور زمیندار مواسیوں کا ایک عمدہ لشکر جمع کرکے جنگی خدمات لے لیا کرتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سرکار گائکواڑ کے لشکر کے سوا جو کبھی کبھی طوفان کی طرح آتا اور پالن پور سے پیشکش وصول کرکے بگولے کے مانند چلا جاتا تھا، قرب وجوار کے رؤسا میں کوئی اور ایسا تھا بھی نہیں جسکی شوکت وریاست بہادرخان کی مدِّ مقابل ہوتی۔ اور ریاست جودھ پور کے ساتھ پیشتر ہی سے دوستانہ مراسم قائم تھے۔

دولت کا انجام کسی زمانہ شناس اور تجربہ کار فلاسفر کا قول ہے کہ

"وہ دو حریف بادشاہ جن میں سے ایک روپیہ کا لوبھی ہے اور دولت کو ملک کا محافظ سمجھتا ہے اور دوسرا تلوار کا دھنی ہے جنگی قوت کو ملک کی حفاظت کے لئے حصار جانتا ہے، جب مقابلہ میں آئیں گے تو انجام یہی ہوگا کہ جسکی تیغ اسکی دیغ"

چنانچہ بہادرخان کی دولت کا بھی یہی حال ہوا۔ ان کا مرنا تھا کہ بندھی مٹھی کھل گئی۔ مدتوں کے نمکخوار دست پرور اہل خاندان اور طاقتور مگر بھوکے دیسی اور سندھی ملازم طمع کا منہ کھول کھول کر گرے اور بہت سا روپیہ خورد برد کر لیا۔ بعد ازاں ان کے پوتے دیوان شیرخان کی آنکھ بند ہوتے ہی لوٹ کھسوٹ کے دروازے کھل گئے۔ جسکے جو کچھ ہاتھ آیا لے اُچکا اور یہ حالت صرف خزانہ ہی کی نہ تھی بلکہ ریاست کے تمام کاروبار تتر بتر ہو گئے تھے۔ یہانتک کہ سمت ۱۸۷۴ مطابق سنہ ۱۸۱۸ع ۱۲۳۴ھ میں سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی بہادر کے ساتھ معاہدہ ہوکر ریاست پالن پور اسکے ظلِّ حمایت میں آگئی جسکی مفصل کیفیت آیندہ اپنے موقع پر لکھی جائے گی۔

راج ہٹ اور چین بائی کے ساتھ شادی

جس طرح بہادر خان کا دل طمع و حرص سے لبریز تھا اسی طرح کبر و نخوت کی گرمی ان کے افغانی خون میں ملی ہوئی تھی اور چونکہ مغرور اور حریص آدمی کا ہٹ دھرم ہونا لازمی ہے اس لئے ان کی نسبت اکثر ایسی باتیں مشہور ہیں جن سے انکی ہٹ دھرمی اور غرور کا حال معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً کہتے ہیں کہ بہادر خان کے بڑھاپے کا زمانہ تھا۔ ایک رات بارڑجی بائی اور یہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ عورتوں کو اکثر بڑھاپے میں چونچلے سوجھا کرتے ہیں۔ اپنے حسن رفتہ کے تذکرے۔ اپنی خوش نصیبی کی باتیں اور اپنی اعلی نسبی و والاحسبی کا ذکر زیادہ تر ان کے مشاغل خلوت ہوتے ہیں چنانچہ باتوں باتوں میں بارڑجی بائی نے بہادر خان سے کہا کہ

"یہ آپ کی خوش نصیبی اور محض حسن اتفاق تھا کہ رانائے دانتہ کے خاندان کی راج دُلاری آپ کے محل میں آئی۔ گردش قسمت اور نا مساعدت زمانہ نے ہمکو پریشان و بے بس کر رکھا تھا ورنہ میں کہاں اور بہادر خان کا محل کہاں؟ دیوان صاحب! آپ کو فخر کرنا چاہیئے۔"

بہادر خان نے بارڑجی بائی کی یہ باتیں سنکر نہایت لاپروائی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جواب دیا کہ

"کیا راجپوتوں میں تمہارا خاندان اس قدر ممتاز اور باوقار ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ رشتہ داری کرنا بھی معیوب اور کسر شان سمجھا جاتا ہے۔"

بارڑجی بائی نے مسکرا کر کہا کہ

"فی الواقع۔ کیا آپ کو ابھی اس میں کچھ شک ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ تمام باتیں کس قسم کی تھیں اور ان سے مقصد کیا تھا۔ مگر بہادر خان اول تو جاہل پٹھان، دوسرا ضدی رئیس، جوش میں آ گئے اور دل میں ٹھان لی کہ کچھ ہی کیوں نہو، خاص رانا کے خاندان میں سے ایک لڑکی اور بیاہ لانی چاہیئے۔ گو شباب نہ سہی لیکن بارڑجی کے اس قومی فخر کا جواب تو ہوگا اور اپنے اس ارادہ کو پورا

کرنے کی تدبیریں کرنے لگے۔

بارڑجی بائی کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے کمال عجز وانکسار کے ساتھ معافی چاہی اور بہادر خان کو اس ارادہ سے باز رکھنے کے لیے بیحد کوشش کی لیکن کوئی تدبیر پیش نہ گئی اور بہادر خان نے اپنے منشار کے بموجب رانا ئے دانتہ کو کچھ امید دلا کر اور کچھ دھمکا کر اسکے بھائی ٹھاکر سوواسنہ کی لڑکی چین با سے شادی کرلی اور بارڑجی بائی سے کہا کہ

"فرمایئے! اب وہ آپ کی خاندانی شیخی کہاں گئی ؟"

اس واقعے سے بارڑجی بائی کو اپنے ہچشموں میں شرمندگی وندامت بھی حاصل ہوئی اور بہادر خان کے طنزیہ فقروں اور چھیڑ چھاڑ سے بہت کچھ پیچ وتاب بھی کھائے مگر یہ تمام باتیں بے سود تھیں۔ آخر کار دم بخود ہو کر چپکی بیٹھ رہیں۔ تاہم بہادر خان اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور کشل با کے زخم جگر پر ہمیشہ کے لئے نمک پاشی کی یہ تدبیر نکالی کہ چین با کو خود انھیں کے سپرد کیا اور کہا کہ

"صرف تمہارے بیجا غرور نے اس عمر میں مجھ سے وہ کام کرایا ہے جو مجھے ہرگز مناسب نہ تھا لیکن خیر! اب تم ہی اپنی بہن کو سنبھالو اور اپنی قومی عزت کی حفاظت کرو۔"

چین با بارڑ کی شادی چونکہ بہت چھوٹی عمر میں ہوئی تھی اور شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد بہادر خان کا انتقال ہو گیا تھا اس لیے چین با کی سرپرست بہن کشل با نے حسب رواج ملک انھیں رنڈسالہ نہیں پہنایا۔ لیکن اس نو عمر بیوہ کے نازک دل پر بے وقت رنڈاپے کے صدمے نے کچھ ایسا اندوہناک اثر پیدا کیا کہ اس نے اپنی زندگی عذاب کی طرح بسر کی۔

ازدواج بہادر خان نے مختلف خاندانوں اور مختلف قوموں میں بارہ شادیاں کی تھیں جن میں سے چند مشہور اور قابل ذکر بیویوں کے نام مع مختصر حالات نقشہ ذیل سے معلوم ہوں گے۔

نقشہ ازواج بہادر خان

نمبر	نام	لقب	ولدیت	کیفیت
۱	کشل با	بارڑجی	راناکرن سنگہ بارڑ زمیندار دانتہ	امر سنگہ جو دانتہ پر مسلط ہو گیا تھا اسکے نکالنے میں کرن سنگہ کی حمایت کی اس لئے اس نے اپنی لڑکی بہادر خان سے بیاہ دی۔
۲	سروپ بائی	دیوڑی جی	ٹھاکر کہان سنگہ دیوڑہ جاگیردار رہوڈہ علاقہ سروہی۔	کھیمت علاقہ پالن پور کے کولیوں کی تاخت وتاراج سے بچنے کے لئے ٹھاکر نے مدد طلب کی اور اپنی لڑکی بیاہ دی۔
۳	عجب بائی	واگھیلی جی	ٹھاکر کرشن جی ولد پچان جی	موضع جالوڈھا انکا وطن تھا۔
۴	سکھراں بائی	گڈھیانی جی	چوہان ماناجی تیجاجی ٹھاکر گڈہواڑہ	
۵	ہتی بائی	ملتانی جی	ملک صاحب خان ولد رستم خان	انکا وطن آبائی وسادہ تھا اور ان ہی کے بطن سے دیوان سلیم خان پیدا ہوئے تھے۔
۶	کشل با	کیماڑنی جی	اکھے راج ولد چھگاجی کولی ٹھاکر	یہ ٹھاکر موضع ملانہ کا جاگیردار تھا۔
۷	چین با	بارڑجی	ٹھاکر امید سنگہ زمیندار سوواسنہ برادرخرد راناکرن سنگہ۔	کشل با بارڑجی کی طعنہ زنی پر چین با کے ساتھ بہادر خان نے اواخر عمر میں شادی کی تھی۔

پُرحسرت سین بہادر خان نے مرنے سے دو روز پہلے خزانہ میں جاکر اپنا جمع کیا ہوا مال حسرت بھری نگاہ سے دیکھا اور شاید اس خیال سے کہ اسکو اپنے ساتھ نہیں لیجا سکتے تھے آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ افسوس! بہادر خان کی خست نے اس حالت اور ایسے وقت میں بھی اجازت نہ دی کہ وہ اپنے خزانہ میں سے ایک پیسہ بھی کسی غریب محتاج کو خیرات دیتے اور دنیا میں کم از کم اپنا نیک نام تو چھوڑ ہی جاتے۔

انتقال بہادر خان اڑتیس ۳۸ برس کی حکومت کے بعد عارضۂ پیچش میں مبتلا ہو کر کچھ عرصہ تک بیمار رہے اور آخر ہزاروں ارمان دل کے دل ہی میں لئے ہوئے چادر کفن سے منہ چھپا کر ابتدائے سمت ۱۸۳۸ مطابق ۱۱۹۷ھ ۱۷۸۲ء میں قبر کے اندھیرے گڑھے میں ایسی نیند سو گئے کہ اب قیامت تک نہیں اُٹھ سکتے۔

اوصاف و عادات پر تنقیدی نظر ان کی تمام لائف پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ کی دورنگی نے ان پر کامل اثر ڈالا تھا۔ ان کی طبیعت میں تقریباً کل باتیں متضاد موجود تھیں۔ اگر ایک خصلت ان کی روشن دماغی کا نقشہ پیش کرتی ہے تو دوسری برابر سے نکل کر ان کی کوتاہ نظری اور تنگدلی کا موقع دکھا دیتی ہے۔ اگر خوش تدبیری اور رعایا پروری ان کی سیاست کو چار چاند لگاتی ہے تو ان کا بیجا ظلم، خود غرضی اور زرپرستی بداخلاقی کا پردہ ڈال کر فوراً گہن لگا دیتی ہے۔ گو داد خواہوں کی فریاد اپنے کانوں سے سننا ان کے عدل و انصاف پر روشنی ڈالتا ہے مگر اس میں بھی لالچ اور ہٹ دھرمی نے سیاہی پھیلا دی ہے۔ خلاصہ یہ کہ انھوں نے اپنے دل، دماغ، عقل، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ سے باوجود ہر طرح کی قوت کے بُرے کام زیادہ اور اچھے کم لئے جسکی وجہ سے ان کے شہرت پسند قدم نیک نامی کی دو تین سیڑھیاں بھی بغیر لغزش کے نہ طے کر سکے۔

دیوان سلیم خان

دیوان سلیم خان ابن بہادر خان

مسند نشینی

سلیم خان جو اپنے والد بہادر خان کی زندگی ہی میں ولیعہد اور نائب ریاست مقرر ہو چکے تھے سمت ۱۸۳۸ مطابق ۱۷۸۲ء ۱۱۹۶ھ میں مسند نشین ہوئے اور مانک چند عرف مانوجی مہتہ کو جوان کی نیابت کے زمانہ میں پیشکاری کا کام کرتا تھا، عہدۂ وزارت پر مقرر کیا۔

فنونِ جنگ سے ناواقفیت

اگرچہ سلیم خان ملکداری و مہمات ریاست کے متعلق ہوشیاری میں اپنے والد کے قدم بقدم چلتے تھے اور معموری خزانہ میں تو گویا خلف الرشید ہی تھے، لیکن چونکہ فنونِ جنگ اور قوانین سپہ گری سے چنداں واقف نہ تھے اسلئے میدان میں انہیں بہت ہی کم فتح نصیب ہوئی ہے۔ تعجب یہ ہے کہ اور تمام باتیں تو بہادر خان کی ان کو ورا ثتاً پہنچیں لیکن بہادری اور خوش نصیبی میں سے جو بہادر خان کی گھٹی میں

ملی ہوئی تھی انھیں کیوں حصہ نہ ملا؟

سلیم خان کا اقبال کچھ مسند نشینی کے بعد ہی پست نہیں ہوا تھا بلکہ بہادر خان کی زندگی میں بھی ان سے کبھی ایسا کوئی کام نہیں ہوا جو ان کی اقبالمندی کا نشان بن کر شہرت کے میدان میں لہراتا چنانچہ بہادر خان کے ایام حکومت میں واماجی راؤ گائکواڑ کی فوج نے پیشکش وصول کرنے کے لئے پالن پور پر چڑھائی کی تو بہادر خان نے ان (سلیم خان) کو ایک زبردست جمعیت دیکر مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ لیکن انھوں نے عدم واقفیت فنونِ جنگ یا کم از کم بدنصیبی کے سبب شکست کھائی۔ مخالفوں میں فتح کا نقارہ بج گیا اور آخر کار بہادر خان جیسے عاشق زر نے نذرانہ دیکر مرہٹوں سے صلح کر لی۔

مذکورۂ بالا واقعہ کو اکثر لوگ خود سلیم خان ہی کے عہد حکومت سے منسوب کر کے کہتے ہیں کہ بہادر خان کے معتبر اور ذی رتبہ مصاحبوں میں ایک بہاری پٹھان صاحب خان تھے جن کا دادا قاسم خان اپنی اطاعت گزاری سے سلیم خان کا مصاحب بن گیا تھا جس وقت مرہٹوں کے مقابلہ کے لئے لشکر بھیجا گیا تو صاحب خان اور قاسم خان بھی اس میں شریک تھے مگر چونکہ سلیم خان کی مہربانیاں قاسم خان پر زیادہ تھیں اسلئے صاحب خان دل میں کچھ کھٹک رکھتے تھے چنانچہ حسب اتفاق جس روز مرہٹوں کے ساتھ مقابلہ ہونے والا تھا اس سے ایک دن پہلے سلیم خان نے کھانا کھاتے وقت دودھ میں شکر ملا کر اپنا اُلش قاسم خان کو دیا۔ صاحب خان نے بھی دیکھا اور خون کا سا گھونٹ پی کر رہ گیا اور ایسا رشک پیدا ہوا کہ اس نے دل میں ٹھان لی کہ اب زندہ گھر نہ جاؤنگا۔

دوسرے روز مرہٹوں سے مقابلہ تھا اسلئے صلاح و مشورہ کی غرض سے تمام سردار وغیرہ جمع ہوئے صاحب خان بھی چونکہ پرانے سردار اور کہنہ عمل سپاہی تھے، بلوائے گئے۔ قاسم خان نے سلیم خان کے اشارہ سے لڑائی کے متعلق رائے طلب کی۔ صاحب خان نے کہا کہ

"بہتر تو یہ ہے کہ میں اپنے بلوچ کے سپاہیوں سمیت کیمپ کی محافظت کروں اور آپ

مع تمام جمعیت کے پہاڑ پر چڑھ جائیں جس وقت حریف کا لشکر زد پر آجائے تیر و تفنگ کا مینھ برسا دیں۔ یہ آسمانی مار غنوران کے اوسان خطا کر دے گی۔ پھر کچھ تازہ دم سپاہی پہاڑ سے اُتر کر پشت پر سے حملہ کر دیں۔ ادھر سے میں اپنی جمعیت کے ساتھ نکل کر آپڑوں گا۔ جب مرہٹے چاروں طرف سے گھر جائیں گے تو ان کو مار کر پسپا کر دینا کیا بڑی بات ہے۔"

سلیم خان چونکہ صاحب خان کو پشتوں کا نمکخوار، تجربہ کار سپاہی اور خیر اندیش ریاست سمجھتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خود میدانِ جنگ کے چڑھاؤ اُتار سے ناواقف تھے، جو کچھ صاحب خان نے کہا بے تامل منظور کر لیا اور ان کو کیمپ کی محافظت کے لئے چھوڑ کر خود اپنے تمام لشکر سمیت پہاڑ پر چڑھ گئے انجام یہ ہوا کہ مرہٹوں نے صاحب خان کو مار کر ایک سو اٹھارہ گھوڑے اور تمام بھیر و بنگاہ لوٹ لیا۔ ایک ہندی شاعر نے اس واقعہ کو کس فخر سے لکھا ہے۔ دوہرہ

حوراں ورتے صاحبا و صت راؤ وہار

تری دیاں تاگ میں اکیسو اسے اڈہار

"یعنی ہماری سردار صاحب خان نے جنت کی حوروں سے شادی کرتے وقت اکیسو اٹھارہ گھوڑے تاگ[۱۵] میں دیے اور اپنے ہمچشموں میں سرخروئی حاصل کی"

سلیم خان نے کچھ اسی موقع پر اپنی ناتجربہ کاری سے بغیر سوچے سمجھے صاحب خان کی صلاح پر عمل کر کے نقصان نہیں اُٹھایا بلکہ پالن پور کے ماتحت مہواسی زمینداروں پر بھی جب کبھی اُنھوں نے چڑھائی کی ہے، بُرا ہی نتیجہ نکلا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان میں جنگی قابلیت بالکل نہیں تھی۔

ازواج و اولاد اپنے والد بہادر خان کی طرح سلیم خان بھی کثیر الازواج رئیس تھے۔ مگر اولاد کم تھی۔ جیو بائی جاڑیچی کے

[۱۵] اضلاع راجپوتانہ اور گجرات میں رواج ہے کہ شادی کے بعد بھاٹوں - چارنوں اور ڈوم ڈھاڑی وغیرہ منگتا ذاتوں کو نقد و جنس کی قسم سے اپنی ناموری کے لئے دیا جاتا ہے جس کو یہاں کی اصطلاح میں تاگ کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ

بطن سے شیر خان اور سونا بو بو ایک لڑکا، ایک لڑکی، نا گورنی بائی عرف خوب دھناں سے تاج بائی اور ستی بائی دو لڑکیاں اور چاند وحرم سے بایزید خان ایک لڑکا تھا۔ باقیماندہ بیگمات تقریباً بے اولاد تھیں۔ ان دونوں لڑکوں شیر خاں اور بایزید خان میں شیر خان بڑے ہونے کے علاوہ صاحب حوصلہ اور بہادر بھی تھے اسلئے ان ہی کو اپنا ولیعہد بنایا تھا۔

بارجی بائی کی شیر خان سے مخالفانہ کارروائی

چونکہ سلیم خان کی سوتیلی ماں بارڑجی بائی کو بہادر خان کے زمانہ سے حکومت کی چاٹ لگی ہوئی تھی، انھوں نے یہ سوچکر کہ سلیم خان چراغ سحری کی طرح ٹمٹمارہے ہیں اور ان کا ولیعہد شیر خان ایک قابل اور ہوشیار لڑکا ہے۔ اگر یہ مسند نشین ہوا تو میری دال کب گل سکتی ہے اور میرا اقتدار کہاں رہسکتا ہے یہ تدبیر نکالی کہ سلیم خان کی زندگی ہی میں شیر خان سے حق ولیعہدی چھین کر بایزید خان کو دے دیا جائے۔ کیونکہ بایزید خان کٹھی طبیعت کا لا یعنی سا لڑکا ہے۔ بنئے کی طرح گدی پر بیٹھ جائے گا۔ اور ریاست کا تمام سیاہ وسفید میرے ہی ہاتھوں میں رہے گا چنانچہ اسی خیال سے انھوں نے دربار کے بڑے بڑے لوگوں اور سلیم خان کے اچھے اچھے مصاحبوں کو جاگیروں کا لالچ اور اضافۂ تنخواہ کا وعدہ دیکر اپنا طرفدار بنالیا۔

باپ بیٹے میں نفاق

سلیم خان کچھ تو اپنی کوتہ عقلی سے بارڑجی بائی کو عقل کی پوٹلی سمجھتے تھے اور کچھ ان کی چالوں سے دب کر شعبدات کھائے ہوئے تھے، جو کچھ یہ کہتی تھیں، بجا اور درست کہکر اس پر عمل کرتے تھے اور جو کچھ یہ کرتی تھیں اسپر کان تک نہ ہلاتے تھے اسلئے بارڑجی بائی نے سلیم خان کو اپنے کہنے میں دیکھ کر شیر خان پر مختلف قسم کی تہمتیں لگانی شروع کیں اور رفتہ رفتہ باپ بیٹے کو بظاہر بغض و دشمنی کی ایک ہی سی میں جکڑ لیا

شیر خان کا زمانۂ ادبار

شیر خان کو جب اپنی دادی کے ہتکھنڈوں کی اطلاع ہوئی تو وہ بھی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مگر مجبور تھے۔ کرتے تو کیا کرتے۔ باپ دشمن اور دربار مخالف۔ قبضہ واختیار میں سوا اپنی دوراندیش عقل اور مضبوط ہاتھ پاؤں کے کچھ بھی نہ تھا۔ تاہم کسی خاص موقع کے انتظار میں جسطرح ہوسکتا تھا تنگدستی، پریشانی اور دل افسردگی میں دن گزارتے تھے۔ باپ کی نظروں سے گر کر تمام رعایا کی نگاہوں میں

کم وقعت ہو گئے تھے۔ اعتبار جاتا رہا تھا اور ایک پیسہ بھی کہیں سے قرض تک نہ ملتا تھا چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک دن کسی دکاندار سے ایک ناریل اُدھار مانگا لیکن اُسنے نہ دیا۔ اسی طرح ایک روز داروغۂ اصطبل سے اپنے گھوڑے کے لئے کچھ باجری مانگی۔ داروغۂ اصطبل ذرا مصلحت اندیش شخص تھا، اس نے جواب دیا کہ

"سرکاری باجری میں سے تو بغیر اجازت سرکار دے نہیں سکتا۔ ہاں! اگر آپ فرمائیں تو اپنے گھر سے منگا دوں[۵]"

سچ ہے، جب بُرے دن آتے ہیں تو اپنے پرائے بیگانے بیگانے اور دوست، دشمن ہو جاتے ہیں۔ دل کے اندھے ظاہر بیں اہلِ دنیا جانتے ہیں کہ ایک شخص کا جو حال آج ہے ایسا ہی ہمیشہ رہے گا مگر ان کوتہ نظروں کو یہ معلوم نہیں کہ زمانہ پل پل میں رنگ بدلتا ہے۔ مال و دولت اور حکومت و ریاست ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے، کبھی ادھر کبھی اُدھر۔

شیر خان کے حق میں فال نیک

جب شیر خان رات دن کی تکلیفیں سہتے سہتے عاجز آ گئے اور گردش کے ایام ایک جگہ بیٹھے بیٹھے کٹتے نظر ہی نہ آئے تو ناچار ایک دن توکل بخدا کسی طرف نکل جانے کے ارادہ سے علی الصباح تن تنہا گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ شہر سے چند قدم ہی آگے بڑھے تھے کہ موضع ابھاپور پرگنہ وانتہ کا رہنے والا راجپوت سوجاجی جو بڑا شگون دان اور بہادر خان کے وقت سے نمکخوارِ ریاست تھا، ملا اور شیر خان کو سر سے پاؤں تک دیکھ کر بولا کہ

"میں آج چند باتیں دیکھتا ہوں جو آپکے لئے شگون نیک ہیں اور ساتھ ہی پیشینگوئی کر کے آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس وقت آموں میں مور آیا ہوا ہے اور آم پکنے سے پہلے آپ

[۵] کہتے ہیں کہ جب شیر خان مسند نشین ہوئے تو انھوں نے دکاندار اور داروغۂ اصطبل کو اپنے پاس بلایا چونکہ دکاندار نے ولیعہد ریاست کو حقیر سمجھکر دو چار پیسہ کی چیز اُدھار دینے سے انکار کیا تھا، اسکو گستاخی کے جرم میں قید اور جرمانہ کی سزا دی اور داروغۂ اصطبل کو اس خیال سے کہ اسنے امانت داری کی وجہ سے کسی قسم کی رعایت نہ کی براہِ قدر دانی اپنے خزانہ کی کنجیاں سپرد کر دیں۔ ۱۲ المؤلف

مسند نشینِ ریاست ہو جائیں گے"

چونکہ اس زمانہ کے اکثر لوگ ایسی پیشین گوئیوں کے قائل تھے، شیر خان کو بھی مسندِ ریاست کی طرف سے کسی قدر اطمینان تو ہوا لیکن یہ تردد باقی رہا کہ اس مصیبت کے باقیماندہ دنوں کو کہاں اور کیونکر گزارنا چاہیئے خلاصہ یہ کہ اسی کشمکش و پیچ میں گھوڑے کی باگ پھیری اور سید خوند سعیدؒ[۵] کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چونکہ ان بزرگ کے ساتھ ارادتِ کلی رکھتے تھے، اپنا تمام حال اور ارادہ ظاہر کیا۔ سید صاحب موصوف نے ان کی پشت پر ہاتھ پھیر کر بہت کچھ دلاسا دیا۔ دسترخوان بچھوا کر کھانا کھلوایا اور اپنے ہاتھ سے شیرینی کا لقمہ ان کے منہ میں دے کر فرمایا کہ

"بیٹا! جس قدر لقمے اس وقت تو نے کھائے ہیں، ان کی تعداد سے دو چند مدت میں خدا نے چاہا تو مسند نشین ہو جائے گا"

کہتے ہیں کہ شیر خان نے اسوقت تیس نوالے کھائے تھے جس کے حساب سے مسند نشینی کے لئے دو مہینے کا عرصہ ہونا چاہیئے۔ شیر خان نے جب اپنے پیر و مرشد کی زبان سے بھی مسند نشینی کی بشارت سُنی تو دل کے کُل خطرے جاتے رہے اور باہر جانے کا ارادہ فسخ کر کے اپنی حالت کو خدا پر چھوڑ دیا۔

شیر خان اور سلیم خان کی گفتگو شیر خان کا دل اگرچہ قوی تھا اور ان کو اچھی طرح یقین تھا کہ حضرت خوند سعیدؒ کی بشارت تا ممکن نہیں کہ خالی جائے مگر چونکہ گردش کے دن ابھی باقی تھے اسلئے معیشت کی تنگی نے ان کو بہت ستا رکھا تھا اور وہ نہایت ہی مجبوری و لاچاری سے ایک ایک گھڑی کاٹ رہے تھے کہ یکایک سلیم خان بیمار ہوئے۔ اس حالت میں شیر خان نے بہت چاہا کہ باپ کے پاس جائیں لیکن موقع نہ ملتا تھا۔ آخر کار کسی تدبیر سے ایک روز محلات میں جا پہنچے اور جس پلنگ پر سلیم خان لیٹے ہوئے تھے اسکے پاس کھڑے ہو کر نہایت ادب و انکسار کے ساتھ عرض کی کہ

---

[۵] سید خوند سعیدؒ ندہب احمد و بیہ کے صاحبِ ارشاد بزرگ اور مولانا پیچپاں کے اجداد میں سے ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ

"قبلۂ عالم! یہ بدنصیب بیٹا باپ کی تیمارداری و خدمتگزاری سے بھی محروم رہا جاتا ہے افسوس! میری بدقسمتی نے مجکو اسقدر مورد عتاب بنا رکھا ہے کہ اپنے خدائے مجازی کی قدمبوسی بھی نصیب نہیں ہوتی"!

یہ کہکر شیر خان آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور رفع ملال کے لئے کردہ و ناکردہ خطاؤں کی معافی مانگی۔

سلیم خان نے جب اپنے لخت جگر کو اس پریشان حالی اور شکستہ بالی میں دیکھا تو دل میں ایک جوش پیدا ہوا محبت پدری کے جوش نے بے چین کر دیا، اشارہ سے قریب بلایا اور ہاتھ پکڑ کر محبت و پیار سے اپنے پاس پلنگ پر بٹھا لیا۔ دو چار ادھر اُدھر کی باتیں کیں اور پھر کہا کہ

"بیٹا! شاید تم جانتے ہو کہ میں نے فی الحقیقت تم سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے اور تم کو محروم الارث کر کے دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ لیکن نہیں! اگر تمہارا ایسا خیال ہے تو محض خیال ہی خیال ہے۔ کیا ایک باپ سے ممکن ہے کہ اپنی اولاد کو تنگی اور مصیبت کی حالت میں دیکھے اور خوش ہو۔ بیٹا! تم کو یقین کرنا چاہیئے کہ میں نے آجتک جو کچھ کیا ہے، مصلحت سے کیا ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تمام ریاست تمہاری دشمن اور تمہاری وادی تمہاری ایذا رسانی و تخریب کے درپے ہو رہی ہیں! اسحالت میں اگر میں تمپر مہربان ہوتا تو میرا یا تمہارا کام ابتک کب ہی کا تمام ہو چکا ہوتا۔ ہاں! اب چونکہ میرا وقت قریب ہے۔ مرض نے ترقی کر لی ہے اور قضا کا پیام آنے والا ہے اس لئے میں اپنے دلی ارادہ کو پورا کرتا ہوں اور تم کو اپنا ولیعہد اور جانشین مقرر کر کے تمہیں خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ مجھے اُمید ہے کہ تم ریاست کی باگ ہاتھ میں لے کر نہایت ہی احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے رہو گے اور ان باتوں کو ہرگز روا نہ رکھو گے جنھیں تمہارے باپ دادا نے بُرا سمجھکر چھوڑ دیا تھا"

بارڑجی بائی کی مخالفانہ تقریر

سلیم خان کی گفتگو کا سلسلہ یہاں تک پہنچا تھا کہ دفعۃً بارڑجی بائی آ پہنچیں۔ ادھر تو یہ دونوں باپ بیٹے خاموش ہو گئے اور اُدھر بائی صاحبہ ان دونوں کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر جل گئیں اور طنز کے طور پر سلیم خان سے کہنے لگیں کہ

"اگر آپ نے اِن صاحبزادہ کو اپنا جانشین اور امور ریاست میں محرمِ راز بنا لیا ہے تو آپ کو اختیار ہے لیکن یہ تو فرمایئے کہ چھوٹے لڑکے کے لئے کیا بندوبست کرنا چاہتے ہیں؟ آخر وہ بھی تو آپ ہی کا بیٹا ہے۔ اس میں کیا کمی ہے جو ریاست میں برابر کا حقدار نہ سمجھا جائے؟"

اگرچہ بارڑجی بائی نے جل جل کر بہت کچھ شعلے اُگلے اور جہاں تک زبان نے یاری دی طعن و تشنیع کے نشتر مارے لیکن سلیم خان نے ذرا بھی خیال نہ کیا بلکہ اس وقت دسوندھ[۵] مقرر کرنے کے لئے جن سپاہیوں کی چہرہ نویسی ہو رہی تھی اس کام کی انجام دہی شیر خان ہی کے سپرد کی۔ چنانچہ وہ کچہری میں جا کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

سلیم خان کا جواب

جب شیر خان چلے گئے اور بارڑجی بائی نے میدان خالی دیکھا تو سلیم خان کو دبا کر شیر خان اور بایزید خان میں نصفا نصفی ریاست تقسیم کر دینے کے متعلق گفتگو شروع کی۔ سلیم خان اول اول تو بارڑجی بائی کے لحاظ سے کچھ نہ بولے مگر جب زیادہ دق ہوئے تو مجبور ہو کر جواب دیا کہ

"باجی صاحبہ! مصلحتِ وقت اور امور ملکی کو آپ کیا جانیں۔ اب تک میں نے جو کچھ کیا آپ کی رعایت اور آپ کے پاسِ ادب سے کیا۔ اب نہ مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ محض آپ کی مروت سے حقدار کو بے حق کر کے مفت کا عذاب اپنی گردن پر لوں اور نہ آپ ہی کو مناسب ہے کہ ان باتوں میں خواہ مخواہ دخل دیں۔"

---

[۵] زمینداروں کے ساتھ دس برس کی میعاد کا جدید معاہدہ ۱۲۔ لمولفہ

بارڑجی بائی یہ روکھا اور خلافِ امید جواب سنکر جھلّا اُٹھیں اور سلیم خان سے روٹھ کر بڑبڑاتی ہوئی اپنے محل میں چلی گئیں۔

انتقال اور اوصاف وعادات

ادہر تو بارڑجی بائی نے سلیم خان سے ناراض ہوکر اپنے طرفداروں کو شیر خان کی مخالفت پر آمادہ کرنے کی علانیہ کوشش شروع کی اور اُدہر سمت ۱۸۸۱ مطابق ۱۲۰۰ھ ۱۷۸۵ع میں دیوان سلیم خان کا انتقال[۱] ہوگیا۔ یہ نہایت درجہ ممسک اگر کفایت شعار تنگ حوصلہ مگر تیز طبیعت اور حسن پرست لیکن تماشبین تھے۔ ان میں ملکداری کی قابلیت اور معاملاتِ جنگی کی لیاقت اسقدر کم تھی کہ پالن پور کے اولوالعزم رئیسوں کی فہرست سے ان کا نام گرا ہوا ہے۔ ابتدا میں مانک چند مہتہ کی صلاح و مشورت سے انھوں نے ریاست کا کام انجام دیا اور جب وہ مارے گئے تو امرچند ویسائی ناگر بنئے کو نائب اور مشیر مقرر کیا۔ مگر آخر عمر میں ریاست کا کُل کام خود ہی کیا کرتے تھے۔

[۱] سلیم خان کے انتقال کی نسبت مشہور ہے کہ ایک روز بیماری کی حالت میں انھوں نے لباس قطع کرانے کے لئے درزی کو بلایا اور کوئی بیش قیمت زردوزی کپڑا اطلس اور قبا قطع کرنے کے لئے دیا۔ قیمتی کپڑا دیکھ کر درزی کے مُنہ میں پانی بھر آیا اور اُس نے اپنے پیشے کی خصوصیت کے موافق اس کپڑے میں سے چند ٹکڑے چرا لئے۔ سلیم خان نے جو نہایت کفایت شعار تھے کہیں دیکھ لیا اور طیش میں آکر باوجود ضعف و نقاہت کے درزی پر لات اُٹھائی درزی خوف کے مارے اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ زد خالی گئی اور سلیم خان کا پاؤں دیوار پر اس زور سے لگا کہ ہڈی چور چور ہوگئی۔ سلیم خان اس ناگہانی صدمہ سے بیہوش ہوکر گر پڑے اور دوسرے ہی روز جان بحق تسلیم ہوئے ۱۲۰۰ - لمولفہ

دیوان شیر خان ابن سلیم خان

مخالفت — دیوان سلیم خان نے اپنی موت سے پہلے پہلے شیر خان کو اپنا جانشین اور ولیعہد مقرر کیا تھا جسکی مفصل کیفیت سلیم خان کے حالات میں مرقوم ہو چکی ہے۔ لیکن چونکہ بارٹھ جی بائی اور بیٹاوت ٹھاکروں نے آپس میں اتفاق کرکے شیر خان کو زہر دینے اور بایزید خان کو گدی نشین کرنے کے منصوبے گانٹھ رکھے تھے اس لئے جب تک ان کی اس مجموعی قوت کو نہ توڑ دیا جاتا سلیم خان کے بعد شیر خان کا مسند ریاست پر آنا ایک امر محال تھا۔ افسوس! یہ وقت شیر خان کے لئے ایسا تشویش دہ تھا کہ امند رام چارن اور بھولا مہتہ کے سوا ریاست بھر میں نہ تو کوئی ان کی مصیبت پر رونے والا تھا اور نہ کوئی ہمدرد و صلاح کار۔

دیوان شیر خان

اننداکی خیرخواہی

سلیم خان کے مرنے پر کھاری کنوئے کے قریب راجگڑھی کے ایک مکان میں بساط[۵۱] ماتم بچھایا گیا تھا۔ اس رسم میں شریک ہونیکے لئے اہالیانِ خاندان کے سوا ریاست کے جاگیردار اور متعلقین بھی آیا کرتے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دوسرے اعیانِ ریاست کے مقابلہ میں "دوسیندہوا ساتھ" والے پٹاوت ٹھاکر زیادہ با اثر اور قابو یافتہ شمار کئے جاتے تھے۔ سلیم خان کے دسویں سے ایک روز پیشتر شیر خان بساط ماتم پر لیٹے ہوئے چپکے چپکے رو رہے تھے۔ اُسوقت ان کے پاس بجز انندرام چارن کے اور کوئی شخص موجود نہ تھا۔ شیر خان کے رونے کی آواز سنکر چارن نے کہا کہ

"دیوان صاحب! میں جانتا ہوں کہ یہ وقت آپ کے لیے بہت ہی نازک ہے لیکن رونے چلانے سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مصیبت کے وقت خدا پر بھروسہ کرنا اور تدبیر سے کام نکالنا ہر انسان کا فرض ہے۔ شعر

مشکلے نیست کہ آساں نہ شود

مرد باید کہ ہراساں نہ شود

انندرام کی یہ تقریر سنکر شیر خان نے پریشانی کے لہجے میں جواب دیا کہ

"یہ تمام پٹاوت ٹھاکر میرے باپ کی تعزیت میں شامل ہونے اور میرے دلی صدمے میں حصہ لینے کے لیے جمع نہیں ہوئے بلکہ مجھے قتل کر کے بایزید خان کو مسندِ ریاست پر قائم کرنے کو آئے ہیں۔ اس حالت میں اگر میری کمرِ ہمت ٹوٹ جائے تو کونسی تعجب خیز بات ہے۔ یہ لوگ مجھے ایک ہی دو روز میں گرفتار کرنیوالے ہیں اور میں اپنی بیکسی اور بے سروسامانی کی وجہ سے اسکے سوا اور کچھ نہیں کرسکتا کہ مخالفین میں سے دو چار کو مار کر خود بھی

[۵۱] یہاں دستور ہے کہ جب خاندانِ ریاست میں سے کسی کا انتقال ہوتا ہے تو ایک خاص مکان میں صفِ ماتم بچھا کر اہالیانِ خاندان اور متعلقینِ ریاست مدت معینہ تک وہیں رہا کرتے ہیں۔ اس رواج کو "جاجم ڈالنا" بھی کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ۔

مرجاؤں"

شیرخان کے یہ جگرخراش اور مؤثر کلمات سنکر انندرام کے دل پر چوٹ سی لگ گئی۔ اسنے ارادہ کرلیا کہ جس طرح ممکن ہو شیرخان کو اس آفت ناگہانی سے نجات دلوا کر حق نمک ادا کرنا چاہیئے۔ پھر شیرخان سے کہا کہ

"آپ بالکل نہ گھبرائیں۔ بارٹرجی بائی اور پٹاوت اٹھاکر صلاح ومشورت کرنے میں کم از کم پانچ سات روز اور گزاریں گے۔ اسقدر وقت میرے لئے کافی ہے۔ آپ کا نیر اقبال عنقریب چمکنے والا ہے اور خدا سے امید ہے کہ وہ میری تدبیروں میں مجھے کامیابی عطا کرے گا"

انندرام کی عربوں سے ملاقات

انندرام چارن انخفاے راز کی نسبت شیرخان کو تاکید کرکے پالن پور سے اسی روز چل نکلا۔ اسکو کہیں سے پتہ لگ گیا تھا کہ بہت سے عرب سیدھ پور میں آئے ہوئے ہیں اور تلاش ملازمت میں اودیپور اور ڈونگرپور کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ وہ جلد جلد چلا جارہا تھا کہ اتفاقاً یہ عرب سیدھ پور اور موضع تینی واڑہ کے درمیانی راستے پر مل گئے۔ ان عربوں کے دو گروہ تھے۔ اور ہر ایک گروہ میں دو دو سو جنگجو اور مسلح جوان تھے۔ ایک گروہ کا سرغنہ علیان اور دوسرے کا بنکور[۱] تھا۔ انندرام نے ان عرب جمعداروں سے شرائط ملازمت طے کرکے دونوں بیڑوں کو نوکر رکھ لیا اور دیوان شیرخان کے ساتھ وفادار رہنے کے متعلق ان سے حلف بھی اٹھوایا۔ جب اس کارروائی سے انندرام کو اطمینان ہوگیا تو اسنے علیان اور بنکور سے کہا کہ

"تم آج ہی کوچ کرکے اپنے جوانوں کے ساتھ پالن پور چلے جاؤ۔ لیکن! خبردار!! اگر کوئی شخص دریافت کرے تو شیرخان کے حلقۂ ملازمت میں داخل ہونیکا حال اس سے ہرگز نہ ظاہر کرنا۔ جب تم پالن پور پہنچوگے میں اسی روز رات کے وقت تم سے ملونگا اور راجگڑھی کے راستہ سے بھی آگاہ کرونگا"

---

[۱] صحیح لفظ ابن قنور معلوم ہوتا ہے۔ جس کے معنی تیز دوڑنے والا اور جبڑ بنیادسے اکھیڑ ڈالنے والا ہیں ۱۲

مولفہ

غرضکہ یہ عرب لشکر پالن پور کے باہر، جہاں اب میراں واتار[۱] کا چلّہ ہے، آکر فروکش ہوا۔ انند رام بھی اسی روز پالن پور آیا اور شیر خان سے تمام کیفیت بیان کرکے کہنے لگا کہ

"اگر خدا کا فضل و کرم شامل حال ہے تو پرسوں تک آپ کے دشمنوں اور بدخواہوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے اور فرمانروائی پالن پور کا تاج آپ کے سر مبارک پر دکھلائی دے گا"

عربوں کا پالن پور میں داخل ہونا

جس روز عرب پالن پور آئے، انند رام رات کے وقت ان کے قیام گاہ پر عرب جمعدار سے ملا اور انھیں دیسی سپاہیوں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ شہر میں لے گیا اور راجگڑھی کے راستے سے واقف کیا۔ دوسرے روز عرب لشکر بڑے بازار کے راستے سے ہوکر راجگڑھی میں داخل ہونا چاہتا تھا کہ راجگڑھی کے گھڑیالی دروازہ پر چوکی پہرے کے سپاہیوں نے عربوں کو ٹوکا مگر وہ بیدھڑک بول اٹھے کہ

"ہم شیر خانی سپاہی ہیں اور اپنے مالک کے حضور میں سلام کے لئے جارہے ہیں"

عربوں کی زبانی یہ کلمات سنکر پہرے والے سپاہی دنگ رہ گئے اور کسی مصلحت سے نہ تو انھوں نے عربوں کے روکنے کی ہمت کی اور نہ زبان ہی سے کوئی لفظ نکالنا مناسب سمجھا مگر اتنا ضرور ہوا کہ اب عربوں کے آنے کی خبر ہوا کے جھونکوں کے ساتھ دفعۃً تمام شہر میں پھیل گئی۔ انند رام پیشتر ہی سے دروازہ

---

[۱] کہتے ہیں کہ جمعدار علیخان کی بیوی موضع اوناوہ سے آتے وقت فرط اعتقاد کے سبب ایک اینٹ اٹھا لائی تھی یہ یہاں اسکا چلّہ بنایا جو مقبرہ میراں کے نام سے مشہور ہے۔ موضع اوناوہ ملک گجرات میں ریلوے اسٹیشن اونجھا کے قریب ایک گاؤں ہے۔ جس میں میراں سید علیؓ کا مزار ہے۔ یہاں ہر سال ماہ صفر میں بہت بڑا میلہ ہوا کرتا ہے۔ گجرات کے لوگ مانڈوگڑھ (مالوہ) کی اس لڑائی میں جو سلطان گجرات اور حکام مالوہ میں ہوئی تھی، ان کا شہید ہونا بتاتے ہیں لیکن کتب تواریخ سے اسکا کچھ پتہ نہیں لگتا۔ ظن غالب یہ ہے کہ یہ بزرگ ۹۲۴ھ میں میدنی رائے کی لڑائی میں جب سلطان مظفر گجراتی نے سلطان محمود خلجی کی مدد پر لشکر بھیجا تھا، قلعہ مانڈو دارالسلطنت مالوہ پر شہید ہوئے ہونگے مگر گجرات میں ان کی قبر ہونے سے اس واقعہ کی اصلیت میں بھی شک ہے ۱۲۔ مولفہ

کھڑا ہوا تھا، اسکا اشارہ پاتے ہی عرب پیچھے پیچھے ہو لئے اور شیر خان کے حضور میں جا پہنچے اور اپنے مالک کے اعزاز و سلامی میں فرط جوش کے ساتھ متفقہ بندوقوں کے فیر کر کے دلی مسرت ظاہر کی۔ شیر خان نے اپنی کامیابی کے سامان دیکھکر خدا کا شکر ادا کیا اور اپنے دشمنوں پر قابو حاصل کرنے کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے۔

عرب جمعیت ڈیوٹی پر

عربوں کے آجانے پر شیر خان نے یہ کارروائی کی کہ حسب ضرورت چند عرب سپاہیوں کو سرکاری محلات کی نگہبانی اور شہر پناہ کے دروازوں وغیرہ کی چوکی پہرے کے لئے نامزد کیا۔ پچاس پچاس جوانوں کا دستہ راجگڑھی کے دونوں دروازوں پر مقرر کر دیا اور باقیماندہ عرب خاص اپنی حفاظت پر مامور کئے۔ شیر خان کی یہ پہلی دور اندیشانہ تدبیر تھی جس نے انکے دشمنوں اور بدخواہوں کے مفسدانہ خیالات میں ایک قسم کا تزلزل پیدا کر دیا۔

دیسی بارگیر

ناظرین تاریخ کو یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ بارڑجی بائی نے پٹاوت ٹھاکروں اور اکثر اعیان ریاست سے سازش کر کے انھیں اپنے ساتھ متفق کر لیا تھا۔ اسی گروہ میں یہاں کے دیسی بارگیر (سوار) بھی شامل تھے لیکن جب عربوں کے آجانے سے شیر خان کے دل میں ہمت پیدا ہوئی تو اُنھوں نے اپنے چوبدار کی معرفت ان بارگیروں کو کہلا بھیجا کہ

"اگر تم مجکو اپنا مالک سمجھتے ہو تو فوراً میرے پاس حاضر ہو کر اپنی اپنی خدمت متعلقہ کی انجام دہی میں مستعدی کا اظہار کرو ورنہ تمہارے لئے سخت سزا کا حکم نافذ کیا جائیگا"

شیر خان کا یہ پیغام سنتے ہی بارگیر انکے حضور میں آحاضر ہوئے اور عرض کی کہ

"خداوند نعمت! ہم آپکے ملازمین وفاشعار ہیں اور ہمارے لئے جو خدمت تجویز فرمائی جائیگی اسکی انجام دہی کو اپنی سعادت و خوش نصیبی کا ذریعہ سمجھیں گے"

پٹاوت ٹھاکروں کا چلا جانا

ایک زمانہ وہ تھا کہ بارڑجی بائی اور اُنکے طرفدار پٹاوت ٹھاکر وغیرہ شیر خان کو حقیر اور کمزور

سمجھ کر ان کو مار ڈالنے کے منصوبے کا نتظر رہے تھے اور اب یہ وقت ہے کہ شیر خان کے دربار میں عرب جوانوں اور دیسی بارگیروں کو اپنی امید کے خلاف جمع ہوتے دیکھ کر پٹاوت ٹھاکر اس خیال سے کہ

"مبادا یہ عرب لشکر اور دیسی بارگیر مل جل کر شیر خان کے حکم سے ہمارے ہی قتل کا سامان نہ کر بیٹھیں"

آپس میں مشورہ کر کے یکے بعد دیگرے موضع میرواڑہ چلے گئے اور اپنی آیندہ بہبودی و بہتری کے طریقے سوچنے میں مصروف و سرگرم ہوئے۔

گدی نشینی عرب لشکر اور دیسی بارگیروں کی جمعیت جب شیر خان کے قابو میں آگئی۔ نیز ان کے بدخواہ پٹاوت بھی خود بخود پالن پور چھوڑ کر چلے گئے تو وہ اپنے لئے میدان خالی پاکر سمت ۱۸۴۱ مطابق ۱۷۸۵ء ۱۲۰۰ھ میں خزانہ کے سوا ریاست کے کل چھوٹے بڑے محکموں اور صیغوں پر قبضہ کر کے مسند نشین پالن پور ہو گئے۔

بارڑجی بائی اور شیر خان سلیم خان کے انتقال کے وقت خزانہ کی کنجیاں بارڑجی بائی نے لے لی تھیں اس لئے شیر خان نے حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بارڑجی بائی سے کہلا بھیجا کہ

"محل میں بیٹھنے والی پردہ نشین بیگمات کو ریاست کے خزانہ سے کچھ تعلق نہیں اور چونکہ میں ریاست پالن پور کا جائز حقدار اور فرمانروا تسلیم کیا گیا ہوں اس لئے آپ خزانہ کی کنجیاں فوراً مجھے بھیج دیجئے گا"

شیر خان کے اس پیغام کے جواب میں بارڑجی بائی نے کہلوایا کہ

"جب تک میرے اور تمہارے درمیان انتظامات ریاست کے متعلق شرائط ضروری نہ طے پالیں گی کنجیاں ہرگز نہ دونگی"

شیر خان جنکی پہلے ہی سے بارڑجی بائی کے ساتھ عداوت اور دشمنی چلی آتی تھی یہ جواب سنکر سخت برہم ہوئے اور پھر بارڑجی بائی کو تہدیداً کہلا بھیجا کہ

"اگر تم خزانہ کی کنجیاں دینے میں ذرا بھی پس و پیش کروگی تو مجبوراً تمہارا سر کٹوا کر تمہارے پاس سے کنجیاں لے لی جائیں گی۔"

شیر خان کے منہ سے نکلا ہوا فقرہ سنکر بارڑجی بائی کانپ اٹھیں اور بہت سا روئیں چلائیں مگر ساتھ ہی کنجیاں بھی شیر خان کے پاس بھجوا دیں۔

شادی | دیوان شیر خان کی شادی موضع رہووہ کے ایک جاگیر دار سوناجی ولد فتح سنگھ ویوڑہ راجپوت کی لڑکی کشل با سے ہوئی تھی اور انھوں نے اپنی اس چہیتی خاتون کو موضع جس لینی کا پٹہ لکھ دیا تھا۔

ٹھاکروں کے منانے کی کوشش | جب شیر خان اپنی فوجی طاقت میں روز افزوں ترقی کرنے لگے تو مفسدہ پرداز پٹاوت ٹھاکر رشک و حسد کی آگ سے جل گئے اور اپنے دل میں کچھ سوچ کر موضع میسر واڑہ میں جمع ہوئے جسکا حال پہلے بیان ہو چکا ہے۔ شیر خان نے اس معاملہ میں اپنے مشیروں سے صلاح پوچھی۔ سب نے متفق ہو کر یہ رائے دی کہ

"بہتر یہ ہے کہ آپ بذاتِ خود میسر واڑہ تشریف لے جائیں اور جس طرح بن سکے حتی الامکان ان لوگوں کو منا لائیں۔"

چنانچہ شیر خان کو بھی یہ صلاح پسند آئی۔ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر میسر واڑہ پہنچے اور وہاں کے پٹاوت ٹھاکر شہباز خان مہران کے ہاتھ دوسرے تمام پٹاوت ٹھاکروں کو کہلا بھیجا کہ

"میں صرف تمکو منانے کے لیے بساطِ ماتم سے اٹھ کر آیا ہوں اور ساتھ ہی اقرار کرتا ہوں کہ بارڑجی بائی نے جسقدر اضافۂ جاگیر وغیرہ کا وعدہ کیا ہے اس سے زیادہ میں دونگا۔ تمکو مناسب ہے کہ میری شان کا لحاظ کرو اور سب جھگڑے طے کرکے میرے معین اور ریاست کے حامی بن جاؤ۔"

ٹھاکروں کی خودسری | پٹاوت ٹھاکروں پر خودسری کا جن ایسا سوار تھا کہ انھوں نے شیر خان کے اس پیام کو برابر

سنا بھی نہیں اور جو منصوبے پہلے سے باندھ رکھے تھے، ان کے مطابق ہر ایک اپنے اپنے گانوں کو چلے جانے کی تیاری کرنے لگا۔ یہ حال دیکھکر شیر خان نے ان کے منانے میں ایکدفعہ اور کوشش کی بلکہ تھوڑی دیر کے لیے شانِ ریاست کو بالائے طاق رکھکر اپنے دونوں ہاتھ رومال سے باندھے اور تلافی مافات کی غرض سے مجرموں کی طرح ٹھاکروں کے سامنے بذاتِ خود جا کھڑے ہوئے۔ انسانوں کے لئے شیر خان کی یہ حکمتِ عملی جادو سے بھی زیادہ موثر تھی۔ ان لوگوں کو غیرت آنی چاہئے تھی کہ ان کا آقا اور ان کا اُن داتا جسکی اور جسکے باپ دادا کی بدولت وہ اس درجہ کو پہنچے تھے، ایک ذراسی بات کے لئے ان کے پاس آیا ہے اور کس حیثیت سے آیا ہے۔ اگر وہ جامۂ انسانیت میں ہوتے تو اپنے گلے خود کاٹ کاٹ کر مر جاتے لیکن اپنے ولی نعمت کو اس حالت میں نہ دیکھتے۔ آہ! اسوقت انکے انسانی قالبوں میں شیطان نے حلول کر لیا تھا۔ اُنھوں نے دیوان شیر خان کو اپنے سامنے کھڑا ہوا دیکھکر مُنہ پھیر لیا اور نہایت بے پروائی کے ساتھ ان کی ہر بات کا پتھر سے بھی زیادہ سخت جواب دیا۔

اتمام حجت | دیوان شیر خان کی عالی ظرفی کو آفریں ہے کہ یہ باتیں بھی شربت کے گھونٹ کی طرح پی کر سُنی اَن سُنی کر دیں اور اتمام حجت کے طور پر پٹاوتوں کے سرغنہ ٹھنور لاڈوجی، ٹھاکر ڈبھاڑ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگے کہ

”چچا صاحب! اور جائیں تو جائیں۔ خیر میری قسمت!! لیکن آپ کو تو میں ھرگز نہ جانے دونگا۔“

مگر اس پتھر کو موم کر دینے والے جملے نے بھی اس سنگدل پٹاوت پر کچھ اثر نہ کیا اور ٹھنور لاڈوجی نے شیر خان کا ہاتھ جھٹک دیا۔ لاڈوجی کی اس نازیبا حرکت نے شیر خان کو سر سے پاؤں تک آگ لگا کر شعلہ بنا دیا اور غصہ سے کہنے لگے کہ

”ٹھاکر صاحب! اسوقت تک میں نے جو کچھ کیا ہے محض اپنی شرافت سے اور تمکو اپنا اور اپنی ریاست کا قدیم نمکخوار اور جان نثار سمجھ کر کیا ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب تمہارے

ادبار کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے کہ تم باوجود میری اسقدر خوشامد اور غیر متوقع منت و سماجت کے اپنی بد دماغی اور ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے اور مجھکو شربت کے گھونٹوں کی طرح پیئے جاتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ میں شیر خان ہوں؟ یاد رکھنا! اگر اپنی ضد پر آگیا تو تمہارا زن و بچہ کولھو میں پلوا دونگا۔ اور اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ باغی ہو کر میرے بازوئے معطل (بایزید خان) کے بھروسہ پر ریاست کو تاخت و تاراج کروگے تو میں تمکو قسم دیتا ہوں کہ کل نہیں آج ہی جو کچھ تم سے ہوسکے کرلو جسقدر زمین تمہارے گھوڑوں کے سموں سے روندی جائیگی میں برہمنوں کو خیرات کردونگا"

شیر خان کے منہ سے یہ کلمات سنکر ٹھاکروں نے حقارت کے لہجے میں کہا کہ

"جو کچھ آپنے فرمایا درست اور بجا ہے لیکن یہ تو فرمایئے کہ کن لوگوں کے بھروسے پر آپ ہم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں؟ یہ چند گنتی کے عرب اور دیسی مجہول النسب کنیزک زادے جو اپنی ماں کے نام سے پہچانے جاتے ہیں، ہمارا کرہی کیا سکیں گے۔ دیوانصاحب! آپنے ابھی تلوار کے گھاٹ کا پانی نہیں پیا ہے۔ ٹھاکروں کا نام ان کمینوں کی تلوار سے زیادہ کام کرنے والا ہے"

یہ تہتک آمیز فقرے سنکر شیر خان اور بھی بھڑک اُٹھے اور یہ کہکر کہ

"اگر ان ہی خانہ زاد غلاموں کے ہاتھ سے تم کو برباد نہ کیا ہو تو میرا نام شیر خان نہیں" سوار ہوئے اور پالن پور چلے آئے

نئی فوج کی بھرتی اور انتخاب کا انوکھا طریقہ

شیر خان نے پالن پور آکر ان شوریدہ سر اور بد دماغ ٹھاکروں کی سرکوبی کے لئے اور نئی فوج بھرتی کرنی شروع کی۔ سندھیوں اور روہیلہ پٹھانوں وغیرہ متفرق پردیسیوں کے کئی جتھے تیار کئے اور عام پسند رواج کے برخلاف مزدوری پیشہ دیسی اقوام کے لوگوں کو کثرت کے ساتھ پیدلوں اور سواروں میں بھرتی کیا۔ انتخاب کا یہ انوکھا طریقہ معین کیا تھا کہ

ہولی[۵۱] کے تہوار کی خونخوار لڑائی میں جو شخص پیشقدمی کر کے فریق مخالف میں گھس جاتا اور بہادری کے جوہر دکھاتا، بلا لحاظ قومیت سواروں میں بھرتی کر لیا جاتا تھا اور جو اسکے دوسرے نمبر پر ہوتا، پیدلوں میں رکھ لیا جاتا لیکن یہ لشکری انتخاب صرف یہیں تک محدود نہ تھا بلکہ اس موقع سے پہلے بھی ان کی جسمانی طاقت اور مضبوطی اعضا کا معائنہ کر لیا کرتے تھے اور اسکی یہ شکل ہوتی تھی کہ معمولی ورزش کے بعد ان رنگروٹوں کو ایک خاص مقدار میں گھی پلاتے تھے۔ جبکا معدہ اسکو ہضم کر سکتا وہی امتحان گاہِ شجاعت یعنی ہولی کی لڑائی میں داخل کیا جاتا تھا۔

باغی ٹھاکروں کا گولہ میں پناہ پذیر ہونا — اس طرف تو شیر خان نہایت گرما گرمی کے ساتھ فوج بھرتی کرنے اور رنگروٹوں کو قواعد جنگ سے آراستہ کرنے میں مشغول تھے اور اُس طرف پٹاوت ٹھاکر خود سری کی بساط پر شہ مہرہ بنانے کیلئے منصوبے گانٹھ رہے تھے۔ آخر کار یہ قرار پایا کہ مجاہد خان کو اعراب میں ڈالکر موضع گولہ میں جاؤ ڈالنا چاہیے۔ چنانچہ یہ سب اکٹھے ہو کر موضع گولہ میں پہنچے اور مجاہد خان کو امیدوں کے سبز باغ دکھا کر اپنا سرغنہ بنا لیا۔

مجاہد خان کو پیغام — شیر خان نے جب اپنی فوج کو درست کر لیا تو مجاہد خان کو کہلا بھیجا کہ

"چچا جان! یہ تو شاید آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ جن پٹاوت ٹھاکروں نے آپکے ہاں

---

[۵۱] اس ملک کا یہ قدیم رواج تھا کہ ہولی کے تہوار پر پیشہ ور اور پنچ ذات کے لوگ دو فریق بنا کر بانڈی بازی کیا کرتے تھے۔ یہ بانڈی بازی کبھی کبھی بہت بڑی خونریز لڑائی تک پہنچ جاتی تھی۔ جو شخص اس لڑائی میں بڑھکر قدم مارتا تھا، بڑا لٹھیت اور بیدار کہلاتا تھا۔ اگر ایک فریق اس سال سپا ہوتا تھا تو وہ دوسرے سال کے لئے بڑی جانفشانی سے تیاری کرتا تھا۔ یہ لوگ ملکی۔ قومی یا راج کی لڑائی کے وقت کبھی کبھی بہت اچھا کام دے جایا کرتے تھے۔ شیر خان نے اپنی غرض کو پورا کرنے کے لئے اس قسم کے میدانوں کو صرف ہولی کے دن ہی پر منحصر نہیں رکھا تھا بلکہ جب ضرورت ہوتی کسی نہ کسی بہانہ سے اسی طرح کی مصنوعی لڑائی کرا لیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی چاندنی راتوں میں جلسہ کر کے اسمیں خود بھی شریک ہوتے تھے اور باتوں باتوں میں نوجوان دلوں کو گرما گرما کر انکی جرأت و طاقت کا امتحان کرتے تھے۔ ۱۲۔ مولفہ

پناہ لی ہے وہ میرے باغی ہیں اور یہ مجھ سے سن لیجئے کہ اُنھوں نے اپنی چالاکی سے آپ کو مورچہ پر رکھا ہے۔ مجکو افسوس اس بات کا ہے کہ آپ انکی اس کھلی ہوئی چال کو بھی نہ سمجھ سکے۔ خیر! اب آپ ان باغیوں کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدیجئے تاکہ ان بدمعاشوں کے باعث ہمارے آپس کے تعلقات میں فرق نہ آئے اور میں آپ کو ہمیشہ اپنا بزرگ ہی سمجھا کروں ورنہ بصورتِ دیگر مجھ سے یا میرے سپاہیوں سے آپکی شان میں جو کچھ گستاخی ہوگی، قابلِ معافی ہے، کیونکہ ان ٹھاکروں کو سزا دینا بہرحال مجکو ضرور ہے"

مجاہد خان کا جواب

مجاہد خان نے اس پیغام کا جواب دیا کہ

"پٹاوت ٹھاکروں کو میں نے خود نہیں بُلایا۔ وہ مجکو اپنا ملجا و ماوی سمجھکر میری پناہ میں آئے ہیں۔ مجھ سے یہ ہرگز نہ ہو سکے گا کہ ان کو اس طرح دشمنوں کے حوالے کر دوں۔ ہاں! اگر آپ کو اسی بہانہ سے لڑنا یا اپنی نئی فوج کی آزمائش منظور ہے تو بسم اللہ۔ کوتاہی نہ کیجئے۔ میں بھی تیار ہوں۔ مجھ سے بھی جو کچھ ہو سکے گا، کرونگا"

گولہ پر چڑہائی

شیر خان نے یہ جوابِ صاف سنکر بلا تامل گولہ پر چڑہائی کر دی۔ مجاہد خان بھی مقابلہ پر نکلے اور لڑائی شروع ہوئی۔ شیر خان کی طرف سے توپخانہ دغنے لگا اور گولے موضع گولہ کی پہاڑی سے ٹکرانے شروع ہوئے۔ لیکن جب اس گولہ باری نے خاطر خواہ کوئی نتیجہ نہ پیدا کیا تو مجاہد خان نے حقارت سے شیر خان کے لشکر کی طرف دیکھکر ایک چارن کو بھیجا جس نے شیر خان کے جلانے کے لئے کہا کہ۔ سورٹھا۔

گولہ پر گولے مت ناکھو باوامیاں

اے توڈاکن راڈولا جوں بھر کھی جاسے بھاکھری

"یعنی باوامیاں! (لقب شیر خان) گولہ کی پہاڑی پر گولے نہ مارو۔ (یاد رکھو) جس طرح ڈائن کی نظر کھا جاتی ہے اسی طرح یہ پہاڑی تم کو بھی کھا جائے گی"

توپخانہ کی ناکامی سے کچھ تو شیر خان پہلے ہی جل رہے تھے، چارن کے کلام نے اور اشتعال دیا۔ سنبھل کر اپنے لشکر کو للکارا اور دو چار ایسے سخت حملے کئے کہ مجاہد خان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ آخر کار انھوں (مجاہد خان) نے عاجز آکر ماناجی راؤ گائکواڑ کو اپنی مدد پر بلا بھیجا۔

لشکر گائکواڑ سے مقابلہ اور فتح — جب یہ حال شیر خان کو معلوم ہوا کہ مہاراجہ بڑودہ کا لشکر مجاہد خان کی امداد پر آرہا ہے تو انھوں نے مصلحت اندیشی سے کام لیا اور پیچھے ہٹ کر پالن پور چلے آئے لیکن شیر خان کی اس کارروائی نے نپاوت ٹھاکروں کی شرارت کو ہوا دکھائی اور انھوں نے مرہٹوں کو علاقہ پالن پور میں تاخت و تاراج کرنیکی ترغیب دینی شروع کی نتیجہ یہ ہوا کہ لوٹ مار کے علاوہ وہ اندہار کے کئی گاؤں جلاکر خاک سیاہ کر دیئے گئے پہلے تو شیر خان شہر بند ہو کر مرہٹوں سے مقابلہ کا ارادہ رکھتے تھے مگر اب انکی دست درازیوں کو دیکھ کر بیتاب ہو گئے، نشۂ مردانگی سے کہ جوش میں جان پر کھیل کر شہر سے باہر نکل آئے اور مرہٹوں پر ایسا سخت حملہ کیا کہ دفعتاً انکے قدم اکھڑ گئے۔ مرہٹے ایسے بدحواس ہوئے کہ پیدلوں نے ہتھیار ڈال دئے۔ سواروں نے گھوڑے چھوڑ دئے اور سرداروں نے چنور اور چھتریاں، جنکے سایہ میں بہادری لہرا رہی تھی پھینک دیں اور بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس لڑائی میں شیر خانی سپاہیوں نے نارائن راؤ پانڈرے، سپہ سالار لشکر گائکواڑ کو میدان جنگ سے بھگا دینے میں جس بہادری، ہمت اور استقلال کا اظہار کیا تھا وہ ابتک یہاں کے لوگوں میں ضرب المثل ہے اور اس میدان واری کے متعلق جو کڑکے جوڑے گئے تھے، اسوقت تک عام لوگوں کی زبانوں پر جاری ہیں جن میں سے ایک یہ ہے۔

راندھی رسوئی ابھچ رہی رے   بھوجن جمیے شیر امار دوار

پانڈرے راؤ نے مار بھیا لوری اے جس لیو رے

"یعنی جالوریوں (بہاریوں) نے پانڈرے سردار کو مار کر اس طرح بھگا دیا کہ اسکی پکی ہوئی رسوئی

یوں ہی رکھی رہی لیکن فتحمند بہادر شیر خان اپنے دستر خوان پر بدستور کھانا کھاتے رہے۔"

مجاہد خان اور شیر خان میں صلح اور باغی ٹھاکروں کا ایڈر چلا جانا

مرہٹوں کو اس شکست فاش سے جسقدر شرمندگی اور خجالت ہوئی ہوگی وہ تو کچھ ان ہی کا دل جانتا ہوگا اور جتنی بدنامی ہوئی اسکی کیفیت ان لوگوں سے پوچھنی چاہیئے جو اس فتح و شکست کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ لیکن مرہٹوں نے بظاہر اپنی ندامت مٹانے اور اپنے دل کو سمجھانے کی یہ تدبیر نکالی کہ بہت سے معزز اور صاحب وقار لوگوں کو بیچ میں ڈالکر مجاہد خان اور شیر خان میں صلح کرا دی اور اپنی مٹھی گرم کرنے کے لئے مجاہد خان کو دبا کر مصارف فوجکشی کے متعلق بہت سا روپیہ وصول کر کے بڑودہ چلے گئے۔ تاہم اس نمایاں اور غیر متوقع فتحمندی کا یہ اثر ضرور ہوا کہ مرہٹوں کے جاتے ہی پٹاوت ٹھاکروں کے قدم بھی اکھڑ گئے اور وہ موضع گولہ کو چھوڑ کر مہاراجہ شیو سنگ والی ایڈر کی حمایت میں چلے گئے۔

مجاہد خان کا انتقال

پٹاوت ٹھاکروں کے گولہ سے چلے جانے کے بعد مجاہد خان نے بھی انتقال کیا جس سے ان ٹھاکروں کا رہا سہا سہارا بھی جاتا رہا اور اب انھیں گولہ میں پناہ کی امید مطلق نہ رہی۔

مجاہد خان کے اخلاق و عادات

مجاہد خان عیاش مزاج۔ عشرت دوست۔ فراخ حوصلہ۔ بیباک اور فضول خرچ مگر سپاہی کے قدر دان رئیس تھے۔ ان کی عیش پسندی نے بلا لحاظ قوم و ملت بہت سی حسین اور صاحب جمال عورتوں کو گھر میں ڈال رکھا تھا۔ انعام و اکرام میں اکثر اپنی حیثیت سے زیادہ کام کر جایا کرتے تھے سپاہیوں کی قدر دانی کا یہ حال تھا کہ جسوقت پٹاوت ٹھاکر شیر خان سے باغی ہو کر ان کے ہاں پہنچے ہیں تو انھوں نے انکی تنخواہوں کی بابت اپنی چھوٹی سی جاگیر میں سے کئی سیر حاصل دیہات کا پٹہ انھیں لکھ دیا تھا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ انکے روزانہ مصارف بیحد و حساب تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر اوقات تنگدست رہا کرتے تھے۔ آخر عمر میں کچھ تو اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے اور کچھ شیر خان کے ساتھ مقابلہ کے سبب قرضداری کی مصیبت میں ایسے گرفتار ہو گئے تھے کہ تمام جاگیر کی آمدنی سود کے لئے بھی کافی نہ ہوتی تھی۔

عثمان خان ابن مجاہد خان اور ان کے متعلقین میں ناچاقی

مجاہد خان کے بعد ان کے جانشین عثمان خان کو ادہر تو قرض خواہوں سے تنگ کیا اور اُدہر جن سپاہیوں کی تنخواہیں چڑھی ہوئی تھیں انھوں نے آ گھیرا اس لئے وہ مجبوراً زائد اور غیر ضروری نوکروں کو علیحدہ کرنے اور مجاہد خان کی بیویوں کے زیورات پر ہاتھ صاف کرنے کی تجویز میں مصروف ہوئے تاکہ مصارف میں تخفیف ہو اور ادائے قرضہ کی صورت نکلے لیکن ان کا یہ ارادہ ظاہر ہوتے ہی کُل نوکر چاکر اور تمام متعلقین بالکل برگشتہ اور منحرف ہو گئے۔ ان میں سے اکثر شیر خان سے جا ملے اور ان کو صلاح دی کہ

"اسوقت حملہ کرنے کا بہت اچھا موقع ہے"

چنانچہ شیر خان نے اس صلاح کو اپنے مفید مطلب سمجھکر چھیڑ چھاڑ کا ڈھنگ ڈالا اور سیر و شکار کے بہانے سے کبھی کبھی گولہ کے قرب و جوار کی رعایا کو کسی نہ کسی حیلہ سے ستانا شروع کیا۔

شیر خان اور عثمان خان

ایک روز شیر خان دیدہ و دانستہ موضع گولہ کے قریب گنجان درختوں کے سایہ میں آکر ٹھیرے عثمان خان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے بغیر سوچے سمجھے اپنی جہالت کی ترنگ میں کہلا بھیجا کہ

"بس۔ آپ کی خیر اسی میں ہے کہ یہاں سے چُپ چپاتے چلے جایئے"

شیر خاں کو تو صرف حیلہ ہی درکار تھا، ایسے موقع سے کیوں چوکنے لگے، جواب میں کچھ ایسے سخت و سست الفاظ کہلا بھیجے کہ عثمان خان کے غصہ کی بارود میں چنگاری پڑ گئی اور انھوں نے غضبناک ہو کر اپنے گولہ انداز کو حکم دیا کہ

"توپخانہ کو مہتاب دکھا دو"

گولہ انداز تو حکم کا بندہ تھا اُس نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اتفاق کی بات کہ پہلا گولہ اسی آم کے درخت کی ایک ڈالی میں لگا جس کے نیچے شیر خان بیٹھے ہوئے تھے۔ اگرچہ عثمان خان کی اس بیجا حرکت نے شیر خان کو آگ بگولہ بنا دیا لیکن انھوں نے اتمام حجت کے طور پر عثمان خان کے کسی رشتہ دار کی زبانی یہ اور کہلا بھیجا کہ

"یاد رکھیگا۔ عہد و پیمان کو توڑ کر فتنہ و فساد کی بنیاد آپ ہی کی طرف سے پڑی ہے اور اب میں بھی مجبور ہو کر اپنے لشکر کو حکم دیتا ہوں"

عثمان خان کا شکست کھا کر علاقۂ ایڈر میں بھاگ جانا

جب انسان کا مقدر پھرتا ہے تو مت بھی پھر جاتی ہے اور دماغ میں ایک خاص ذہن سما جاتی ہے جس سے انسان کوتہ اندیش۔ بد عقل اور خود رائے بن جاتا ہے۔ چنانچہ عثمان خان کا بھی اسوقت یہی حال ہوا۔ انھوں نے مصلحت وقت اور دوربینی کو بالائے طاق رکھکر اپنے ہاتھوں اپنا کھیل بگاڑا اور شیر خان کے اس آخری پیام پر بھی عقل سے کام لے کر توپوں کا منہ نہ بند کیا۔ شیر خان نے دس پانچ منٹ تو جواب کا انتظار کیا مگر جب دیکھا کہ توپخانہ برابر دغے چلا جاتا ہے تو یہ بھی بجلی کی طرح کڑکتے اور گرجتے جا پڑے اور گولہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ کچھ عرصہ تک تو عثمان خان بھی لڑتے رہے مگر آخرکار گولہ کو چھوڑ کر بھاگے اور علاقۂ ایڈر میں پہنچکر شیر خان کے باغی پٹاوت ٹھاکروں سے جا ملے۔

قلعہ گولہ کی ویرانی اور شیر گڈھ کا آباد کیا جانا

شیر خان نے قلعہ گولہ ویران کر کے اسکے پاس ہی شیر گڑھ[51] آباد کیا اور مظفر و منصور پالن پور چلے آئے۔ چنانچہ کسی ہندی کبیشر نے کہا ہے۔ دوہرا

گولہ رہی گاگری تین واسیو گڑھ شیر
جے تربھتاں مارتا اتے وَنْ وَن دینا دیر

"یعنی تو نے گولہ کو تباہ کر کے شیر گڑھ آباد کیا اور جو لوگ شیخیاں مارتے تھے ان کو جنگلوں میں بھگا دیا"

بار ڑجی بائی کے منصوبے اور شیر خان کی حکمت عملی

جن دنوں شیر خان اس لشکر کشی میں مصروف تھے، بار ڑجی بائی نے میدان خالی پاکر اپنے طرفداروں اور باغی ٹھاکروں کے متوسلوں کی امداد و اعانت سے

[51] شیر خان نے اپنے نام کی مناسبت سے گولہ کا نام شیر گڑھ مقرر کیا تھا لیکن اس نام نے شہرت نہ پائی اور اسوقت تک یہ گاؤں گولہ کے نام سے پہچانا جاتا ہے ۱۲ لمؤلفہ

شیرخان کے سوتیلے بھائی بایزید خان کو مسندِ ریاست پر بٹھا دینے کے ڈول ڈالنے شروع کیے۔ لیکن ابھی ان کے منصوبوں کی ابتدا ہی تھی کہ شیرخان آگئے اور یہ دبی ہوئی آگ جو بھڑکتی چلی تھی، پھر دب گئی۔ تاہم شیرخان کو اس معاملہ کی اطلاع نے متفکر و پریشان کر دیا اور انھوں نے خیال کر لیا کہ جب تک ان تمام مفسدہ پردازوں کا نام و نشان تک دنیا سے نہ مٹا دیا جائے گا، ہمیشہ اسی طرح کی شورشیں پیدا ہوتی رہیں گی۔

پھولامہتہ کی صلاح

اس رائے کو دل میں قائم کرتے ہی شیرخان نے اورنگ زیبی چال چلنی شروع کی اور سب سے پہلے مدعی ریاست بایزید خان ہی کا کام تمام کرنا چاہا۔ کیونکہ بارڑجی بائی اور ان کے طرفداروں کو صرف ان ہی کے بہانے سے وقتاً فوقتاً سر اٹھانے کا موقع مل جایا کرتا تھا۔ اوّل اوّل تو بارڑجی بائی کے خفیہ انتظام و احتیاط کے سبب شیرخان اپنے ارادہ میں ناکام ہوتے رہے لیکن آخرکار مدارالمہام ریاست پھولامہتہ وغیرہ کی صلاح یہ قرار پائی کہ پہلے پردیسیوں کی کچھ نئی فوج جمع کر لینی چاہیے پھر اس کام میں ہاتھ ڈالنا زیبا ہے۔ جب تک ہمارا پلہ بارڑجی بائی سے ہر طرح بھاری نہ ہو جائے، خاموشی ہی بہتر ہے۔

جتوں کی بھرتی

یہ صلاح چونکہ بہت سے گہرے گہرے پہلو لیے ہوئے تھی اس لیے شیرخان نے کچھ سوچ کر منظور کر لی۔ چنانچہ ایک ساہوکار جس کا نام کھیما تھا اور جو واراہی[۱] کے جت لوگوں کی وکالت کا کام کیا کرتا تھا، واراہی کی طرف سپاہیوں کی بھرتی کے لیے بھیجا گیا۔ کھیمچند نے واراہی پہنچکر تقریباً ڈیڑھ ہزار پیدل اور

---

[۱] واراہی، ایجنسی پالن پور کے متعلق بیس ہزار آدمیوں کی آبادی اور چالیس ہزار روپیہ کی پیداوار کا علاقہ ہے۔ جت قوم کے لوگ جو وہاں کے زمیندار ہیں، دراصل مکران (بلوچستان) کے رہنے والے ہیں۔ سمنت ۱۵۴۱ میں ان کے آبا و اجداد نے ملک گجرات میں آکر بادشاہِ گجرات کی نوکری اختیار کی اور سلطان محمود بیگڑہ نے قلعہ چانپانیر کے فتح ہونے کے وقت ان کی خدمات پر لحاظ کر کے انھیں ملک کا خطاب عطا کیا اور پرگنہ بجانہ (جھالاواڑ) اور واراہی وغیرہ انعام میں دیے۔ یہ دونوں علاقے مل کر جتواڑ کے نام سے مشہور ہیں۔ ۱۲ المولف

سوار بھرتی کر لئے۔ سواروں کی تنخواہ سر اسم تیس روپے اور بندوق دار[15] پیدلوں کی بارہ روپے مقرر کی۔

کھیماناکی ہوشیاری

جب کھیمچند عرف کھیمانا بندوق داروں اور جتوں کو شیر خان کی طرف سے فوج میں بھرتی کر رہا تھا ان ہی دنوں میں بارڑجی بائی کا معتمد بھی وہاں جا پہنچا اور بایزید خان کے نام سے سپاہی نوکر رکھنے لگا۔ کھیمچند کے لئے یہ وقت عجیب کشمکش کا تھا کیونکہ ممکن تھا کہ جسوقت کھیمچند کی بھرتی کی ہوئی جمعیت شہر میں پہنچتی تو بایزید خان کے طرفدار اسکو اپنا ملازم سمجھ کر راستہ ہی میں روک لیتے۔ لیکن کھیمچند نے وہ چال چلی کہ اپنی بھرتی کردہ جمعیت آسانی کے ساتھ بلا روک ٹوک شیر خان تک پہنچ گئی اور بایزید خان کے معتمد کو بھی اپنے ارادہ میں ناکام رہنا پڑا۔

کھیمچند مہتہ کی پہلی تدبیر یہ تھی کہ جن لوگوں نے شیر خان کی نوکری کا اقرار کیا تھا ان میں سے چند باوقار شخصوں کو خفیہ طور پر رات کے وقت موضع گوترکہ لیجا کر پیر ڈاڈا مہابلی[16] کے مزار پر وفادار رہنے کے متعلق حلف اٹھوایا اور پھر مہابلی کے جانشین کے ہاتھ میں ڈالکر ضمانت نامہ بھی لکھوا لیا جب آپس میں یہ عہد و پیمان ہو چکا تو کھیمچند نے ان کو سمجھا دیا کہ

"بظاہر تم بایزید خان کی نوکری قبول کر لو اور اس بہانے سے ان کے معتمد کو فریب دیکر

---

[15] بندوق دار قوم جت کی ایک شاخ ہے لیکن غالباً جتوں کی نسل سے نہیں ہے۔ صرف اس وجہ سے کہ اسکا تعلق ہمیشہ سے جتوں کے ساتھ رہا ہے، اس کو جتوں کی شاخ کہنے لگے ہیں۔ اس قوم کے لوگ قدیم سے عربوں کی طرح عمدہ نسل کے گھوڑے پالا کرتے ہیں۔ یہ لوگ، اول اول سلطنت مغلیہ کے ضعف اور مرہٹوں کے تسلط کے زمانہ میں احمد آباد تک لوٹ مار کیا کرتے تھے اور جب کسی رئیس کو مدد کی ضرورت ہوا کرتی تھی تو وہ ان کو نوکر رکھ لیا کرتا تھا۔ ۱۲۔ لمولفہ

[16] ان بزرگ کا نام سید حسین ہے لیکن ان کے معتقد جت لوگ پیر ڈاڈا مہابلی کہتے ہیں چھوارے کے قریب موضع گوترکہ علاقہ رادھن پور میں ان کا مزار ہے ہر سال وہاں میلہ ہوتا ہے اور جت یہانتک ان کے معتقد ہیں کہ جان کھو دیتے ہیں مگر ان کی قسم کو نہیں توڑتے۔ اس طرف کے جہلا خصوصاً جت لوگ ان کی فوق الامکان کرامتیں بیان کرتے ہیں۔ ان کے سنہ وفات کا پتہ نہیں لگتا مگر قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ محمود بیگڑہ کے وقت میں یہ اپنے معتقد یا مرید جتوں کے ساتھ وارد گجرات ہوئے ہونگے۔ لمولفہ

پالن پور تک پہنچ جاؤ۔ وہاں جانے کے بعد اُس خاص راستے سے جس کا پتہ میں لکھے دیتا ہوں،
شیر خان سے جا ملو۔"

غرضکہ کھیمچند نے جیتوں کو خوب اچھی طرح پٹی پڑھا کر بایزید خان کے معتمد کے ساتھ پالن پور روانہ کیا اور یہ تمام حال شیر خان کو بھی لکھ بھیجا[۵۱]۔

باڑجی بائی کے محل کا محاصرہ اور بایزید خان کی روپوشی

جب شیر خان کے دونوں بازو مضبوط ہو گئے تو انھوں نے بلا تامل باڑجی بائی کے محل کا محاصرہ کر کے چاروں طرف سے آمد و رفت کے راستے بند کر دیئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر وہ لوگ جو بایزید خان کو مسند نشین کرنے کے ارادے سے یہاں بیٹھ کر صلاح و مشورت کے کبوتر اڑایا کرتے تھے بدحواس ہو کر شہر سے نکل گئے اور جہاں جس کا سینگ سمایا چلا گیا۔ باڑجی بائی آخر تو عورت ہی تھیں گھبرا گئیں اور اس گھبراہٹ کے عالم میں بایزید خان کو بھی کسی نہ کسی ترکیب سے باہر نکال دیا تاکہ ان کی نحوست کا اثر دوسروں پر نہ پڑے۔ بایزید خان بیچارہ کم عمر لڑکا، زمانے کے رنگ ڈھنگ سے ناواقف، اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنے لگا اور جب کہیں کسی کا پتہ نہ لگا تو ناچار شہر سے باہر نکلا اور موضع بھوتیڑی کے مقدم (پٹیل) کے گھر میں جا چھپا۔

بایزید خان کا تجسس

شیر خان کی تدبیر تقدیر سے کچھ ایسی موافق پڑی کہ دو چار ہی دن میں تمام شہر دشمنوں سے پاک و صاف ہو گیا۔ اور اب صرف مدعی ریاست بایزید خان کی تلاش باقی رہگئی جنکی وجہ سے اس وقت تک فساد پیدا ہوتے رہے اور آئندہ بھی فتنے اُٹھنے کا اندیشہ تھا چنانچہ شیر خان نے بہت سے معتبر لوگ ان کے تجسس میں چاروں طرف روانہ کر دیے کیونکہ یہ تو وہ خوب جانتے تھے کہ شہر پالن پور کی زمین بھی بایزید خان کو اپنی پناہ میں نہیں لے سکتی۔ لیکن چونکہ شیر خان کے آدمیوں کو بھی یہ اچھی طرح یقین تھا کہ گرفتار ہونے کے بعد

---

[۵۱] شیر خان نے اپنی فوجی طاقت زیادہ بڑھی ہوئی دیکھ کے جتنوں کے لشکر کی ضرورت نہ سمجھی اس لئے کچھ مدت بعد اس نے لشکر کو رخصت دیدی تھی۔

۱۲۔ لمؤلفہ

بایزیدخان کا زندہ رہنا محض خیال وہمی ہے۔ اس لئے وہ جان بوجھ کر بایزیدخان کی تلاش و گرفتاری میں تغافل و تساہل کرتے تھے اور حتی المقدور اس کوشش میں تھے کہ بے گناہ بایزیدخان اجن کو بدمعاشوں اور واقعہ طلب لوگوں نے اپنی مطلب برآری و فتنہ پردازی کے لئے مورچہ کا مہرہ بنا رکھا تھا اپنے دشمن شیرخان کے ہاتھ نہ آئیں اور اس خونِ ناحق میں ہمارے ہاتھ رنگین نہ ہوں۔ تاہم شیرخان کی سیاست جسکو جبر نے خوفناک بنادیا تھا اور ان کا رعب و داب جس میں ظلم و ستم کی جھلک بھی کبھی کبھی نظر آجایا کرتی تھی، ان شخصوں میں سے ایک کو بھی بایزیدخان کی جان بچانے کی علانیہ کوشش نہ کرنے دیتا تھا۔

ایک نیازی پٹھان کا معروضہ

مشیت اپنا کام کر رہی تھی اور بایزیدخان کا مقدر پیامِ اجل لے کر چل چکا تھا اس حالت میں انسانی تدابیر اور اجماعی کوششیں کیا کر سکتی تھیں، انجام یہ ہوا کہ شیرخان کو کسی نہ کسی طرح بایزیدخان کا پتہ لگ ہی گیا اور یہ ان کی گرفتاری کے ارادہ سے موضع بھوتیڑی جانے کے لئے سوار ہو کر چلے۔ راستہ میں سالم خان مہدوی ایک نیازی پٹھان نے ہاتھ باندھکر عرض کی کہ

"خداوند نعمت! اگرچہ میں آپکا ایک ادنیٰ ملازم ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ ملازم کو آقا کے کاموں میں دخل دینا گستاخی کے علاوہ زیبا اور مناسب بھی نہیں ہے لیکن چونکہ پاسِ نمک اور جوشِ خیرخواہی سے مجبور ہوں اس لئے جان کی امان مانگ کر عرض کرتا ہوں کہ بایزیدخان کے بارے میں جو کچھ حضور کا ارادہ ہے وہ مصلحتِ وقت اور دوراندیشی کے خلاف نظر آرہا ہے۔ کیونکہ اول تو اس خونِ ناحق کا سیاہ داغ آپ کے دامن سے قیامت تک مٹائے نہ مٹیگا۔ دوسرے۔ اسوقت جو خیالات آپ کی نسبت صرف خاص خاص لوگوں کے دلوں میں جاگزیں ہیں، زبانوں پر آکر عام بددلی پیدا کردینگے۔ بہتر اور مناسب یہ ہے کہ حضور کوئی اور ایسی سزا دیں جو دوسرے مدعیوں کے لئے سبقِ عبرت اور آئندہ کے فتنہ و فساد کا سدِ باب ہو جائے لیکن خدا کے لئے جہانتک ممکن ہو، خونِ ناحق سے بچئے"

بایزید خان کی تلاش میں بھوتیڑی کا محاصرہ

اگرچہ اس نے پٹھان نے بہت کچھ کہا اور جس قدر ممکن تھا منت وسماجت بھی کی اور دوسرے خیر خواہان دولت نے بھی ہاں میں ہاں ملائی مگر اپنی دھن کے پکے شیر خان نے توجہ کی آنکھ سے دیکھا تک نہیں اور فوراً موضع بھوتیڑی کو جا گھیرا۔ گاؤں کے رحم دل پٹیل نے ترس کھا کر بایزید خان کو اناج کی کوٹھی میں چھپا دیا اور اوپر سے بہت سا کوڑا کرکٹ بھی ڈال دیا۔ جب شیر خان نے مخبروں کی نشاندہی پر اسکے گھر کی تلاشی کا حکم دیا تو لوگ دیدہ ودانستہ برائے نام تعمیل حکم کر کے باہر چلے آئے اور کہہ دیا کہ

"بایزید خان ہوتا تو جاتا کہاں"

نابینا ڈوم کی بدذاتی

ان تلاشی لینے والوں میں نابینا نام ایک ڈوم بھی تھا۔ ڈوم کی ذات کمینہ پن اور حرمزدگی میں تو مشہور ہے، لیکن یہ چونکہ ڈوم سے سپاہی بنا دیا گیا تھا اس لئے اپنی ذات کی خصوصیت سے بھی کئی قدم آگے بڑھ گیا تھا۔ اس بدذات وبدباطن کی نیت میں فساد باقی تھا اور اسکی طبیعت ایک دفعہ کی تلاشی سے سیر نہ ہوئی تھی، تھوڑی دیر کے بعد پھر پلٹ کر پٹیل کے مکان میں آیا اور اناج کی کوٹھیوں میں جا بجا برچھے کی بھال چبھو چبھو کر بایزید خاں کو ڈھونڈنے لگا۔ جب یہ شقی القلب اُس کوٹھی کے قریب پہنچا جس میں بایزید خان چھپے ہوئے تھے تو پٹیل کی بیوی اسکے پیروں پر گر پڑی اور گڑگڑا کر کہنے لگی کہ

"اس میں گھی اور تیل کے ہنڈے رکھے ہوئے ہیں۔ برچھے کی نوک سے ٹوٹ جائینگے تو میرا بڑا نقصان ہوگا۔"

بایزید خان کا قتل

عورت کی ان باتوں نے شقی اور بے رحم نابینا کے دل میں اور بھی شک پیدا کیا اور وہ برچھے کو کوٹھی میں اور بھی زور زور سے مارنے لگا۔ یہاں تک کہ نیزہ کی ایک ضرب بایزید خان کے تالو میں اس زور سے لگی کہ ان کے منہ سے بے ساختہ آہ نکل گئی۔ اب تو نابینا کو شک کی جگہ یقین ہو گیا اور اس نے ہاتھوں سے ٹٹول ٹٹول کر بایزید خان کو باہر نکال لیا۔ بایزید خان اس موت کے فرشتے کی صورت دیکھتے ہی سہم گئے اور منت سے کہنے لگے کہ۔

"ناتھا کاکا! اگر آپ مجھے باد امیاں کے پاس زندہ پہنچا دیں گے تو میں عمر بھر ان کی غلامی کرونگا"
مگر اس مجہول النسب ڈوم پر تو ایک بیگناہ کا خون سوار تھا، اس نے بجائے رحم کرنے کے اپنے خونی ہاتھوں سے مظلوم بایزید خاں کو زمین پر پچھاڑ کر اس بیدردی و شقاوت سے ذبح کیا کہ جس کی کیفیت لکھتے ہوئے قلم کا سینہ بھی پھٹتا ہے۔

کہتے ہیں کہ بایزید خان کی عمر ابھی بارہ برس سے بھی کچھ کم ہی تھی اور منت کی ہنسلیاں، کڑے اور بیڑیاں گلے اور ہاتھ پاؤں میں موجود تھیں۔ روسیاہ ناتھیا نے ان ہی چیزوں کو علامت قتل کے طور پر شیر خان کے سامنے پیش کیا۔ اس خونی ڈوم کی یہ کارستانی دیکھتے ہی آنکھوں میں خون اتر آیا اور اسکو سر دربار گالیاں دیکر زمرۂ ملازمین سے خارج کر دیا۔

بایزید خان کی مصیبت زدہ ماں

بایزید خان کے اس بیرحمی کے ساتھ قتل ہونے سے شیر خان کو جو صدمہ پہنچا تھا وہ ایک دودھ کا سا ابال تھا کہ صورت واقعہ سے اٹھا اور چند گالیوں کے ساتھ دل سے نکل کر بیٹھ گیا۔ ہاں! اگر بایزید خان کے غم میں کسی کو دیکھنا ہے تو اس کو کہ جلی۔ دکھیاری اور بدنصیب ماں کو دیکھے جس نے اپنے منتوں والے بیٹے کو اپنے ہاتھوں سے دفن کرنے کے لیئے پال پال کر اتنا بڑا کیا تھا۔ آہ! اسکا دل کیا کہتا ہوگا جبکہ اس نے اپنے لاڈلے بیٹے کو بجائے دولہ بنانے کے کفن پہنایا ہوگا۔ اس کا دل قاتل اور قاتل کے زندہ چھوڑنے والوں کو بلک بلک کر کوستا ہوگا۔ مگر نہیں! اس نے اپنے بیٹے کی خون سے بھری ہوئی لاش دیکھ کر ایک ٹھنڈا سانس لیا اور کلیجہ پکڑ کر صبر کی سل چھاتی پر رکھ لی اور موضع گولی میں جا کر اپنے لخت جگر کو جسے ہزار ہا منتوں سے خدا معلوم کن کن امیدوں کے ساتھ پالا تھا، زمین کے سپرد کر دیا۔ ساتھ ہی خود بھی اپنی زندگی کو خاک میں ملا کر مظلوم فرزند کی قبر کے پہلو ہی میں عمر کاٹ دی۔[ط]

ط بایزید خان کی لاش بھوتیڑی سے لا کر گولی میں دفن کی گئی تھی۔ ان کی قبر پر ایک چھوٹا سا گنبد بنا ہوا ہے۔ اور ان کی والدہ کی قبر بھی اسی میں ہے۔ ۱۲۔ مولف

باغی ٹھاکروں کی بیخ کنی کا ارادہ اور مہاراجہ ایڈر کو پیغام

جب شیر خان ان تمام کانٹوں کو صاف کر چکے جو انکی مسلک سیاست میں خلل انداز ہوا کرتے تھے اور اس نونہال کی بھی جڑ کٹ گئی جسکی وجہ سے یہ خار راہ پیدا ہو جاتے تھے یعنی بارجی بائی کی جمعیت منتشر، بایزید خان قتل اور تمام راستہ صاف ہو چکا تو اب باغی پٹاوت ٹھاکروں کی بیخ کنی کے لئے منصوبے گانٹھے چنانچہ اپنے ایک بلوچ ملازم سیف اللہ خان کے ہاتھ جو نہایت تیز زبان اور لسان تھا، مہاراجہ شیو سنگھ والی ایڈر کو یہ پیغام بھیجا کہ

"پالن پور اور ایڈر کی ریاستوں میں قدیم الایام سے دوستانہ مراسم چلے آئے ہیں۔ اسلئے مناسب ہے کہ آپ ہمارے باغی اور مجرم ٹھاکروں کو اپنے ملک میں پناہ نہ دیں۔ اور ایسی دانشمندانہ کارروائی کریں کہ ہمارے دوستانہ تعلقات میں خدانخواستہ کسی قسم کا فرق نہ آنے پائے ورنہ بصورت دیگر آپ کے ملک پر ہمیں مجبوراً فوجکشی کرنے کی ضرورت لاحق ہوگی۔"

مہاراجہ ایڈر کی کارروائی

سیف اللہ خان کی زبانی مہاراجہ ایڈر نے شیر خان کا پیغام سنکر اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ پالن پور کے باغی ٹھاکروں کو بلا وجہ پناہ دینے اور شیر خان جیسے اولوالعزم اور شجاع دوست کے ساتھ بیٹھے بٹھائے مفت کی دشمنی مول لینے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے۔ بلکہ ایسی کارروائی کرنی چاہئے کہ پناہ پذیر ٹھاکروں کو کسی قسم کا نقصان نہو اور دیوان شیر خان کا منشا بھی پورا ہو جائے۔" چنانچہ مہاراجہ ایک روز لمبی چوڑی تمہید کے بعد ٹھاکروں کے سامنے باتوں باتوں میں کہنے لگے کہ آپ لوگ میرے لئے تو سانپ کے منہ میں چھچھوندر ہو گئے ہیں کہ نگلے تو اندھا اُگلے تو کوڑھی۔"

اگر میں شیر خان کے رعب و جلال کی طرف خیال کرتا ہوں تو ان کے مجرموں کو پناہ دینا گویا اپنے ہاتھوں آفت مول لینی ہے اور جب اپنی خاندانی آن بان کو دیکھتا ہوں تو راجپوتی غیرت پکار پکار کر کہتی ہے کہ "ہرچہ بادا باد" مگر اپنے دامن میں پناہ لینے والوں کو دشمن کے حوالہ کر دینا، خاندانی شرافت کا خون کرنا ہے۔"

پتاوت ٹھاکروں کی فخریہ گفتگو

پتاوت ٹھاکر مہاراجہ ایڈر کے منہ سے نکلنے والے ایک ایک لفظ پر کان لگائے ہوئے تھے اور ہر ہر فقرے پر ان کا رنگ بدل جاتا تھا کبھی غصے میں سرخ کبھی خوشی سے لال اور کبھی مایوس ہوکر زرد ہوجاتے تھے اور جب مہاراجہ اپنی تقریر ختم کر چکے یا یوں کہنا چاہیے کہ ٹھاکروں کے لفافہ تقدیر کو پڑھ چکے تو پتاوت ٹھاکر یا تو درحقیقت جوشِ خوشی میں یا محض مہاراجہ ایڈر کو غیرت دلانے اور ابھارنے کی غرض سے نہایت جوش وخروش کے لہجے میں بولے کہ

"اگرچہ دشمنی نے ہمارے اور ہمارے آقا کے بہت سے تعلقات توڑ دئے ہیں لیکن پھر بھی ہمارے لئے اس سے زیادہ فخر اور خوشی کا موقع کیا ہوسکتا ہے کہ اسکے ایک ادنیٰ ملازم کے زورِ زبان نے جودہاں ناتھ[۵۱] کے دست وبازو شکستہ کردئے۔

باغی ٹھاکروں کو پالن پور بلانا

ٹھاکروں نے مہاراجہ شیو سنگھ کو بھڑکاتے ہوئے جملوں سے بہت کچھ ابھارنا چاہا۔ لیکن مہاراجہ نے اپنی اعلیٰ مصلحت اندیشی سے شیر خان کے پیامبر کے ساتھ بہت ہی نرم اور صلح آمیز باتیں کیں اور کسیقدر ردوبدل کے بعد باغی ٹھاکروں کو بشرط ضمانت شیر خان کے پاس بھجوا دینا بھی منظور کرلیا۔ چنانچہ شیر خان نے پیرزادگان پالن پور کی ضمانت سے لاڈوجی تنور کے علاوہ اور تمام ٹھاکروں کو پالن پور بلوالیا اور ان کے ساتھ ایسی دلجوئی اور غیر متوقع برتاؤ کئے کہ ان کے دلوں سے تمام گزشتہ رنجشیں اور کدورتیں بالکل جاتی رہیں۔

ٹھاکروں کے ساتھ فریب آمیز کارروائی

جب شیر خان کو اچھی طرح یقین ہوگیا کہ میری مصنوعی عنایتوں نے ٹھاکروں پر اپنا پورا پورا اثر کرلیا ہے تو ایک روز نہایت ہی شیریں زبانی سے کہنے لگے کہ

"ہم میں اور تم میں جو شکر رنجی پیدا ہوگئی تھی، خدا نے اس کو محبت اور ملاپ سے بدل دیا ہے اور

---

[۵۱] راٹھور راجپوت سردار جودہاں ناتھ کے لقب سے مشہور ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر مہاراجہ شیو سنگھ جی کو بھی اسی لقب سے پتاوت ٹھاکروں نے مخاطب کیا۔ ۱۲۔ لمولفہ

اب ہم آپس میں بظاہر بہت ہی اخلاص اور صاف دلی کے ساتھ رہتے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ جہاں تک پیرزادوں کا قدم درمیان میں ہے اور ضمانت کی پیچ پڑی ہوئی ہے، دلوں کی گرہ نہیں کھل سکتی اور آپس کے قول و فعل پر کچھ نہ کچھ شبہ ہو ہی جاتا ہے اور چونکہ یہ ذراسی خلش بھی طبیعتوں کو بدمزہ کرنے کے لئے کافی ہے اس لئے میری رائے میں اگر یہ بھی جاتی رہے تو بہتر ہے۔"

ٹھاکروں کے قتل کا انتظام

شیر خان کی اس دلفریب تقریر نے ٹھاکروں کے دل میں ایسا اثر پیدا کیا کہ انھوں نے اسی وقت ضمانت نامہ منگوا کر بلا تامل وہیں چاک کر ڈالا۔ ٹھاکروں کے اس فعل سے شیر خان کو اور بھی یقین ہو گیا کہ یہ لوگ پورے طور پر میرے دام فریب میں آ گئے ہیں تاہم احتیاط مزید کی غرض سے مدت تک ان کے ساتھ اچھے اچھے سلوک کرتے اور انھیں اپنی مہربانیوں اور رضامندی کا یقین دلاتے رہے اور جب اچھی طرح ہر ایک پہلو سے دیکھ لیا کہ وہ بالکل غافل ہو گئے ہیں تو فریب کا جال پھیلا کر ان کے قتل کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ سندھی ابھرام (ابراہیم) خان یا چاوڑہ شیراجی کو جنکے ساتھ ان کی سخت مخالفت تھی، خود اپنے ہاتھ سے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ باقیماندہ ٹھاکروں میں سے ایک ایک کے لئے چار چار پانچ پانچ آزمودہ کار اور بہادر بارگیر مقرر کر کے صلاح یہ ٹھیرائی کہ شہر سے دور کسی مقام پر گوٹھ کے بہانے سے لیجا کر ان سب کو عدم کا راستہ دکھا دیا جائے۔ اور جس وقت بندوق کی آواز ہو، تمام بارگیر اپنی اپنی خدمت کو فوراً انجام دے دیں۔

ٹھاکروں کا قتل

جب شیر خان ان گرفتاران اجل کے قلع و قمع کا درپردہ پختہ انتظام کر چکے تو ایک روز گوٹھ کا حیلہ کر کے تمام ٹھاکروں سمیت پالن پور سے شمالی جانب مالونا سرن کے قریب آموں کے باغ میں گئے ازاں بعد شیر خان اپنے ساتھ ابھرام خان سندھی یا شیراجی چاوڑہ کو لے کر جنگل کی طرف جا نکلے اور بھلا وہ دیکر بندوق سر کر دی۔ ادھر تو یہ سندھی یا چاوڑہ جوان گولی لگتے ہی خاک پر گرا اور ادھر بندوق کی آواز ہوتے ہی

آموں کے باغ میں قیامت برپا ہو گئی اور دم کے دم میں تیرہ چودہ لاشیں خاک و خون میں لوٹتی ہوئی نظر آئیں
کسی ہندی شاعر نے اس واقعہ کو ایک دوہرے میں لکھا ہے۔ دوہرہ

نو سندھی ترن چاوڑہ ایک ٹھنور مہی پال
شیر سے پاڑا پچھاڑیا ڈہیں چاسے ڈہن چال

"یعنی نو سندھی تین چاوڑے اور ایک ان سب کے سرغنہ ٹھنور کو جن میں سے ایک ایک
بڑے جگر دار بھینسے کی مانند تھا شیر خان نے پچھاڑ دیا"

یہ خونی واقعہ سمت ۱۸۴۴ مطابق ۱۸۸۸ع (۱۳۰۴ھ) کا ہے۔

مقتولین کی فہرست اس موقع پر سندھی ابھرام خان۔ سندھی سکھراجی۔ سندھی جگتاجی۔ سندھی وکتاجی
سندھی اجیتا خان۔ سندھی کیسر خان۔ سندھی فتاجی۔ سندھی سیٹھمجی۔ سندھی اکن شاہ جی۔ چاوڑہ شیراجی۔ چاوڑہ
لال خان۔ ٹھنور ہاتھی جی اور بھاری گاجوجی کل تیرہ شخص[1] مارے گئے۔ ان میں سے اول الذکر سندھی ابھرام خان
یا بروایت دیگر چاوڑہ شیراجی کو شیر خان نے اپنے ہاتھ سے مارا اور آخر الذکر بھاری ٹھاکر اپنی سادہ لوحی سے
اتفاقیہ قتل ہو گیا۔

کارنامۂ قضا و قدر اگرچہ گیہوں کے ساتھ گھن کی طرح پس جانے والے بھاری ٹھاکر گاجوجی کی جان بچانے کے لئے
قاتل بارگیروں نے کئی دفعہ اشارۃً و کنایۃً یہ کہہ کر جتایا بھی کہ

"ٹھاکر صاحب! اب تو دن بہت کم باقی رہ گیا ہے اور آپ کا گھر بھی یہاں سے فاصلہ پر ہے
مناسب ہے کہ آپ تشریف لے جائیں اور دو چار لقموں کی خاطر اپنے بال بچوں کو انتظار کی
تکلیف نہ دیں"

مگر چونکہ قضا ان کے سر پر کھیل رہی تھی موت کے فرشتے نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور یہ بالکل نہ سمجھ سکے

[1] بھاٹوں کے بیان کے مطابق ابھرام خاں کا غلام اوکا بھی مقتولین میں شمار کیا گیا ہے اور اس حساب سے مقتولین کی تعداد چودہ ہوتی ہے۔ ۱۲ لمولفہ

کہ بارگیروں کے اس طرح کہنے کا مقصد کیا ہے اور معمولی گفتگو سمجھ کر یوں ہی ٹالتے رہے۔ بارگیروں نے بھی اس ڈر سے کہ مبادا بار بار اس فقرے کے دہرانے سے کسی پر یہ بھید کھل جائے، زیادہ کہنا مناسب سمجھا اور انجام وہی ہوا جو تقدیر میں لکھا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس واقعہ سے تھوڑی دیر پہلے ٹھاکروں میں سے کسی نے ایک بارگیر کو جس کے انگرکھے کے بند اتفاقیہ کھلے رہ گئے تھے، زرہ پہنے ہوئے دیکھا، دیکھتے ہی چونکا اور تاڑ گیا کہ آج کچھ نہ کچھ دال میں کالا کالا ضرور ہے۔ چنانچہ اپنے بےخبر رفیقوں کو خواب غفلت سے ہوشیار کرنے اور رمز و ایما کے ذریعہ سے اصل معاملہ کی اطلاع دینے کے لئے گاجر پر چھری رکھ کر کہنے لگا کہ

"اس چھری کی دھار کس قدر تیز اور آبدار ہے کہ اشارہ سے ایک گاجر کے دو ہو جاتے ہیں"

لیکن چونکہ مشیت الٰہی کچھ اور ہی تھی، اس ٹھاکر کے تمام اشارے کنائے ہنسی مذاق میں اڑ گئے اور کوئی کچھ بھی نہ سمجھا کہ معاملہ کیا ہے۔ آخر کار وہ ٹھاکر تن تنہا اٹھا اور گھوڑے کو پانی پلانے کے بہانے سے بھاگ جانے کا قصد کیا۔ یہ دیکھ کر ایک بارگیر دوڑا اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہنے لگا کہ

"ٹھاکر صاحب! ہم سب آپ ہی کے کام کاج اور خدمتگزاری کے لئے متعین کئے گئے ہیں۔
آپ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ جو کام ہو ہم سے فرمائیے ہم بسر و چشم بجا لائیں گے"

لیکن چونکہ اس ٹھاکر کا جام زندگی ابھی لبریز نہ ہوا تھا، بارگیروں کی روک تھام کام نہ آئی اور یہ جان بچا کر نکل ہی گیا۔

گلاب پاتر کا مکان

مشہور ہے کہ شیر خان اپنی گردش اور کس مپرسی کے زمانہ میں دفع الوقتی اور دل بہلانے کے لئے ایک پاتر اسم باسمیٰ گلاب کے ہاں آتے جاتے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ شغل بیکاری تعلق خاطر تک پہنچ گیا اور یہ اس سے بہت زیادہ مانوس ہو گئے۔ کسبی کے گھر پر کسی کا اجارہ تو ہوا نہیں کرتا، ابھرام خان اور ان کے رشتہ دار ٹھاکروں کی بھی وہاں آمد و رفت تھی۔ دو فسادی طبیعتوں اور کینہ پرور دلوں کا ایک جگہ جمع ہونا جو کچھ نہ کرلے تھوڑا ہے۔

اسی بنا پر ان ٹھاکروں اور شیر خان میں چشمک چلا کرتی تھی، بلکہ آخر میں یہانتک نوبت پہنچ گئی تھی کہ جب کہیں شیر خان اکیلے ملجاتے تو یہ لوگ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھکر آوازے کستے اور برا بھلا کہتے تھے چنانچہ یہی باتیں پٹاوت ٹھاکروں اور شیر خان میں عداوت پیدا کرنے کا اصلی سبب تھیں، جنھوں نے بعد ازاں بارڑجی بائی کی دشمنی کے سبب میل کا بیل بناکر ہزاروں جانوں کی قربانیاں چڑھا دیں۔

گلاب پاتر گلاب بائی

گلاب بائی چونکہ شیر خان کی مصیبت کی دوست تھی اس لیے انھوں نے مسند نشین ہوکر اسکو گھر میں ڈال لیا تھا اور نہایت عزت وحرمت کے ساتھ رکھتے تھے۔ یہانتک کہ کل ملازمین کو حکم تھا کہ پہلے بلا ناغہ زنانہ محلات پر جاکر گلاب بائی کو مجرا عرض کیا کریں چنانچہ حاکم کا حکم سمجھکر سب لوگ گلاب بائی کی ڈیوڑھی پر سلام کے لیے حاضر ہوا کرتے تھے، لیکن جب پٹاوت ٹھاکر صلح کرکے ایڈر سے واپس آئے تو انھوں نے اسکی ڈیوڑھی پر جانے اور مجرا کرنے سے انکار کیا۔ یہ عدول حکمی شیر خان کے پرانے ملال کے لیے تازیانہ ہوگیا اور انھوں نے ان کے استیصال کا کامل ارادہ کرلیا۔ افسوس! فساد کی اس جڑ نے جو گلاب پاتر کے گھر میں پھوٹی تھی، اندر ہی اندر پھیل کر ایسے خوفناک اور ڈراونے شگوفے پھوڑے جنکے رنگ سے بیرحمی سفاکی ٹپکی پڑتی ہے۔

تنور لاڈوجی کی سرکوبی کا ارادہ

ان پٹاوت ٹھاکروں کو قیامت تک کے لیے خاک پر سلاکر اب شیر خان، لاڈوجی تنور وغیرہ باقیماندہ باغیوں کی طرف (جنھوں نے مہاراجہ ایڈر کے توسط سے صلح منظور نہیں کی تھی اور پرگنہ وہاندہار میں لوٹ مار کیا کرتے تھے) متوجہ ہوئے اور ان کی گرفتاری کے لیے ملک میں جابجا تھانے بٹھائے مگر تھانداروں کی بدعنوانی اور تنور لاڈوجی کی چالاکی نے شیر خان کی اس تدبیر کو بیکار ثابت کردیا۔

ماموں بھانجے کا مقابلہ

ان ہی دنوں میں ایک روز کا ذکر ہے کہ لاڈوجی نے موضع سیلوجہ پر چھاپا مارا۔ ان کا بھانجہ گوہر شاہ وینس یہاں کا تھانہ دار تھا۔ اس نے مقابلہ کیا۔ اتفاقاً لڑتے لڑتے ماموں بھانجے کا آمنا سامنا ہوگیا اور آپس میں ایسی تلوار چلی کہ تھوڑی دیر میں دونوں کے دونوں زخمی ہوکر گر پڑے۔ اس اثنا میں قریب جوار کے تھانوں سے

مدد آپہنچی اور سب نے مل کر تنور لاڈوجی اور اسکی جمعیت کو گھیر لیا۔ مگر ان لوگوں نے ایسی بہادری اور جرأت و استقلال سے کام لیا کہ اپنے مقتولین و مجروحین کو بھی میدان جنگ سے اٹھا کر صاف نکل گئے۔ تاہم یہ ضرور ہوا کہ اس لڑائی کے بعد لاڈوجی کی طاقت بہت کم ہو گئی۔ کیونکہ اس چھوٹی سی جمعیت میں سے کچھ تو قتل اور کچھ زخمی ہو گئے تھے۔

لاڈوجی کی موت

اس لڑائی میں لاڈوجی بھی سخت زخمی ہوئے تھے لیکن چند روز کی مرہم پٹی کے بعد صحت حاصل ہوتی چلی تھی بلکہ غسل صحت کی بھی تیاری تھی کہ اتفاقاً ایک روز کسی منہ پھٹ عورت نے کہہ دیا کہ

"اس بڈھے کو تو دیکھو! بیسیوں رشتہ داروں کو کٹوا کر بھی مرا نہیں اور پیر پیٹ پیٹ کر جی اٹھا۔
خدا جانے! اب پھر کتنی اور عورتوں کو رانڈ اور کتنے اور گھروں کو بے چراغ کریگا"

کمزور مریض چڑچڑا تو ہو ہی جاتا ہے، یہ طعن کی بات لاڈوجی کے جاہل دل پر نیزہ کی انی کی طرح گھس گئی اور غصے میں اپنے پاؤں کو اس زور سے زمین پر مارا کہ تمام زخموں کے انگور پھٹ گئے۔ ٹانکے ٹوٹ گئے اور خون جاری ہو گیا۔ چند لمحہ تک تشنج رہکر غشی کی حالت میں انتقال کیا اور ساتھ ہی شیر خان کی مخالفت کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

شیورام گاردی سے مقابلہ اور فتح

ملک کے اندرونی فسادوں کے دفع کرنے کے لئے شیر خان نے جو تلوار اٹھائی تھی اسکو ابھی میان میں رکھنے بھی نہ پائے تھے کہ سرکار پیشوا کے لشکر کا ایک سردار شیورام گاردی خونخوار مرہٹوں کی بھاری جمعیت لئے ہوئے اضلاع کاٹھیاواڑ کی طرف سے پیشکیں وصول کرتا ہوا علاقہ پالن پور میں آموجود ہوا۔ شیر خان کو اس وقت اسکا آنا سخت ناگوار گزرا۔ زخم کھائے ہوئے شیر کی طرح بپھر گئے اور تلوار پکڑ کر مقابلہ پر اٹھ کھڑے ہوئے۔ مقابلہ ہوا اور نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ چونکہ شیر خان کے سپاہی رات دن کی لڑائیوں سے پختہ کار ہو چکے تھے، ایسے جم کر لڑے کہ دم کے دم میں مرہٹے حواس باختہ ہو گئے اور شیورام اور اسکا لشکر جان بچا کر بے سر و پا بھاگ نکلا۔

مرہٹوں سے معرکہ آرائی

اگرچہ سمت ۱۸۴۵ مطابق ۱۷۸۹ء (۱۲۰۲ھ) کی لڑائی میں شیورام گاردی یا تو شیرخان کے بہادرانہ حملوں سے عاجز آکر یا کسی اور مصلحت سے بھاگ گیا تھا لیکن اُسکے دوسرے ہی برس سرکار گائکواڑ اور پیشوا کی فوجیں دریا کی طرح آئیں اور سیلاب کے مانند اضلاع پالن پور میں پھیل گئیں اور ایسے جوش وخروش کے ساتھ چاروں طرف سے آگھیرا کہ تمام ریاست میں زلزلہ پڑ گیا۔ شیرخان بھی کیل کانٹے سے درست ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اس میدان داری کی نسبت بھاٹوں اور چارنوں نے تو بہت کچھ مبالغہ کیا ہے مگر خلاصہ یہ ہے کہ جسطرح اس موقع پر مرہٹوں نے اپنے لشکر کی تیاری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا اسی طرح شیرخان نے بھی اپنی تمام قابلیت فوجی طاقت کی تکمیل میں صرف کر دی تھی۔ غرضکہ بڑے شد و مد سے طرفین میں مقابلہ شروع ہوا اور آخر شیرخان کی قسمت نے یاری دی۔ مرہٹوں نے شکست کھائی دونوں طرف کے بیشمار آدمی مقتول و مجروح ہوئے جنمیں سے آٹھ پالکی نشین مرہٹے سرداروں کا آپس کے نفاق کی وجہ سے قتل ہو جانا ایک افسوسناک واقعہ شمار کیا جاتا ہے۔

اس شکست سے مرہٹے نہایت نادم اور شرمسار ہو کر سیدھے پونے چلے گئے اور رفع ندامت کی یہ صورت نکالی کہ وہاں سے شیرخان کو پیغام صلح بھیجا۔ شیرخان تو خود اسے یہ چاہتے ہی تھے، انھوں نے سات برس تک پیشکش نہ دینے کی شرط پر صلح کر لی اور رفع شر کے لئے تاوان جنگ کے متعلق برائے نام کچھ روپیہ بھی دے دیا۔ تاہم اس لڑائی نے مرہٹوں کے دانت ایسے کھٹے کر دئے کہ شیرخان کے انتقال کے بعد بھی یہ صلحنامہ ایک مدت تک قائم رہا۔

کیمت پر فوجکشی

شیرخان کے کارناموں میں مرہٹوں کی معرکہ آرائیوں کے بعد سب سے زیادہ مشہور واقعہ موضع کھیمت پر لشکر کشی کرنے کا ہے جو انکے ٹیلہ دہاڑ (راج تلک) کی تقریب سے وقوع میں آیا تھا۔ بھاٹوں کا بیان ہے کہ شیرخان نے اپنے مخالفوں کے فساد کی آگ کو ٹھنڈا کر کے سمت ۱۸۴۲ مطابق ۱۷۸۶ء (۱۲۰۱ھ) میں فوجکشی کے ذریعہ سے بعض بغاوت پیشہ میواسی ٹھاکروں کے دیہات میں آگ لگا دی اور ان مفسدہ پردازوں کو

نہایت سخت اور عبرتناک سزائیں دیکر تمام ملک میں اپنے رعب و داب کا سکّہ بٹھا دیا۔ ازاں بعد کھیمت کی طرف رُخ کیا۔

ٹھاکران کھیمت کی شورہ پشتی

کھیمت کے کولی ٹھاکر ایسے مغرور اور سرکش تھے کہ اپنی جاگیر کے مقابلے میں کسی ریاست کو نہ گنتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پر ہر شخص کی عزت و آبرو کے درپے ہو جاتے تھے چنانچہ کہتے ہیں کہ ایک روز کسی رہباری (گڈریہ) نے اپنی سخت ضرورت کی وجہ سے ٹھاکر کھیمت کو نیند سے جگا دیا بیچارے ضرورت مند رہباری کی یہ حرکت ان کو ایسی ناگوار گزری کہ اس غریب کا تمام گھربار لوٹ لیا اور محض اس جرم کی پاداش میں ایک سنگین جرمانہ وصول کر کے اسے ہمیشہ کے لئے کھیمت سے نکال دیا۔

اسی گاؤں کے ایک اور ٹھاکر روپاجی کی نسبت مشہور ہے کہ وہ کسی موچن پر جو نہایت حسین اور خوبصورت تھی، عاشق ہو گیا تھا۔ اول اول تو حکمت عملی سے کام نکالنا چاہا مگر جب موچی نے ہنسی خوشی اپنی زندگی کے ساتھی کو انکے حوالے کرنا گوارا نہ کیا تو جبراً چھین لیا اور اسپر طرّہ یہ ہوا کہ جب مظلوم موچی نے اس صریحی ظلم و تعدی کی شکایت کی تو اسکو سخت سزا دی۔ غرضکہ ان شریر النفس کولیوں کو کچھ تو جبلی تمردی نے کچھ لینج کے صاحبان جی کی اندرونی سازش نے اور کچھ دوسرے زمینداروں کی خفیہ امداد و اعانت نے ایسا آمادۂ فساد کر رکھا تھا کہ وہ بہادر شیر خان کی آمد آمد کی خبر سنکر بلا تکلف مقابلہ پر آ کھڑے ہوئے۔ ایک مدت تک لڑائی ہوتی رہی لیکن بالآخر شیر خان کی تلوار نے ان سب بھومیہ زمینداروں کے چھکے چھڑا دیئے۔

شیر خان کے رعب و داب کی ایک مثال

اس لڑائی کے بعد عوام الناس کے دلوں پر شیر خان کا رعب یہانتک چھا گیا تھا کہ انکے مرض الموت کے زمانے میں بھولا مہتہ مدار المہام ریاست نے زمینداروں کو دسوٹہ قائم کرنے کے لئے بلایا تھا مگر جب ان لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ شیر خان سخت بیمار ہیں تو انھوں نے شرائط عہدنامہ کی نسبت بے پروائی کے ساتھ نارضامندی ظاہر کی اور قرارداد عہد و پیمان پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا اس لئے بھولا مہتہ نے مجبوراً شیر خان کے حضور میں عرض کی کہ

"حضور! آپ کے دشمنوں کے بیمار ہونے کی خبر سنکر زمیندار لوگ اسقدر بے خوف ہو گئے ہیں کہ کسی طرح نہیں سمجھتے۔ اگر تھوڑی سی تکلیف گوارا فرما کر جھروکے تک تشریف لائیں اور کھڑکی سے سر نکال کر ان کو اپنی شکل دکھادیں تو امید قوی ہے کہ آپکے اقبال سے عہدنامہ پر دستخط فوراً ہو جائیں گے۔

جب شیر خان نے جھروکے سے اپنا رعب دار لیکن مرض کی کوفت کے سبب مرجھایا ہوا چہرہ دکھایا تو زمینداروں نے خوف زدہ ہو کر جو کچھ بھولا مہتہ نے کہا، بلا تامل منظور کر لیا اور اقرار نامہ پر دستخط بھی کر دیئے۔

بیجا جرأت کی ایک نظیر

کیمت کے علاوہ شیر خان نے موضع ڈبھوڑہ۔ پادر بھٹانہ۔ سموٗ۔ سیہوری اور کاکرج وغیرہ قرب وجوار اور علاقہ غیر کے زمینداروں پر بھی جو کبھی کبھی حدود پالن پور میں چوری اور لوٹ مار کیا کرتے، وقتاً فوقتاً فوجکشی کر کے اپنا مطیع اور فرمانبردار بنالیا تھا۔ مزید براں اضلاع دور و دراز کی لیٹری قومیں بھی ان کا لوہا ایسا مانے ہوئے تھیں کہ کسی کو علاقہ پالن پور کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اگرچہ ان متواتر فتوحات نے اطراف وجوانب میں شیر خان کی اولو العزمی کا غلغلہ ڈال رکھا تھا لیکن نو عمر طبیعت نے غرور کا پہلو اختیار کر کے ان کو اسقدر سر باختہ کر دیا کہ کوئی کام کیسا ہی خارج از امکان کیوں نہ ہو، اسمیں ہاتھ ڈالنے کو تیار ہو جایا کرتے تھے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ پٹن کے دیسائی وہیوٹ دار (حاکم) کو سرکار گائکواڑ نے کسی علت میں قید کر رکھا تھا اور چونکہ اسکی حیثیت سے زیادہ جرمانہ کیا تھا اس لئے اسنے مجبوراً ادائے جرمانہ سے انکار کر کے اپنے کسی قریبی رشتہ دار کو شیر خان کے پاس طلب اعانت کے لئے بھیجا۔

دیسائی وہیوٹ دار کے رشتہ دار نے شیر خان کے حضور میں رسائی پیدا کر کے اسکی رہائی اور پناہ دہی کی شرط پر ایک معقول نذرانہ دینے کا اقرار کیا اس لئے شیر خان بلا تامل اسکی امداد پر تیار ہو گئے۔ لیکن بھولا مہتہ یہ خبر سنکر بہت ہی متردد و پریشان ہوا اور دربار میں حاضر ہو کر کیفیت پوچھی۔ شیر خان نے کہا کہ

"ہاں! فی الحقیقت میں نے تمہاری عدم موجودگی میں نذرانہ لینے کی شرط پر دیسائی کی رہائی کا اقرار کر لیا ہے اور اب چاہتا ہوں کہ اسکو پٹن کے جیلخانے سے نکال کر زرِ نذرانہ سے خزانۂ ریاست کو معمور کروں۔"

یہ سنکر پھولا مہتہ کو بڑا تردد پیدا ہوا اور ڈرتے ڈرتے شیر خان سے عرض کی کہ

"حضورِ عالی! آپ نے جو کچھ کیا بہت ہی مناسب کیا مگر اس طرح علانیہ پٹن پر لشکر کشی کی تیاری اچھی نہیں ہے۔ کیونکہ اگر لشکر کشی کے وقت آپ کی دہشت سے جیلخانے کے محافظوں نے دیسائی کو قتل کر ڈالا تو رقمِ نذرانہ کیونکر وصول ہوگی؟"

شیر خان نے جواب دیا کہ

"البتہ یہ امر ضرور قابلِ غور ہے۔ بہتر ہے کہ اس بارہ میں بھی دیسائی کے عزیز سے تصفیہ کر لیا جائے۔"

پھولا مہتہ نے دیسائی کے رشتہ دار کو بلا کر اسکا عندیہ لینے کے لئے یوں گفتگو شروع کی کہ

"اگر بتقدیر وہبوٹ دار گائکواڑ کی قید سے رہا ہوتے ہوتے قیدِ حیات سے رہا ہوگیا تو تم مقررشدہ نذرانہ دینے میں کچھ حیل و حجت تو نہ کروگے؟ کیونکہ ہماری کوشش دونوں حالتوں میں یکساں ہوگی۔"

اس نے کہا کہ

"صرف وہبوٹ دار کی جان بچانے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے۔ اگر وہی نہ رہا تو نذرانہ کس بات کا لیا جائے گا؟"

دیسائی کے عزیز کی زبانی یہ کلمہ سنتے ہی شیر خان آگ بگولہ ہوگئے اور اسکو اپنے سامنے سے نکلوا دیا۔ گویا اس طرح پھولا مہتہ کی حکمتِ عملی اور چالاکی نے اس ناتجربہ کار اور زود رنج سردار کو جس کی ایک ذراسی طمع نے

بنی بنائی ریاست میں تہلکہ ڈالنے کا ارادہ کرلیا تھا، دیسائی کی امداد سے باز رکھا جسکے سبب سرکار گائکواڑ سے ہمیشہ کی مخالفت کا اندیشہ تھا۔

غرور و تکبر کے اسباب

شیر خان کے اسقدر مغرور و متکبر ہونے کا اصلی سبب یہ تھا کہ ایام طفولیت میں اُنھوں نے اپنے والد سلیم خان کی کم التفاتی اور بے اعتنائی کی وجہ سے کسی قسم کی تعلیم و تربیت نہیں پائی تھی اور اسپر طرہ یہ ہوا کہ عین عنفوان شباب میں (جسکو انسانی زندگی میں جذبات طبعی کی طغیانی کا حصہ کہنا چاہیے) مسند نشین ہوکر ہر موقع پر اپنے مخالفوں اور دشمنوں سے کامیاب ہوتے رہے۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ ان کے خوشامدی ندیموں کی بیجا تحسین و آفرین کے اثر نے ان کی اصلی حالت پر پردہ ڈال دیا تھا غرضکہ ان تمام باتوں نے مل جل کر انہیں اسقدر مغرور اور خود رائے بنا دیا تھا کہ ذرا ذراسی بات پر انسان کی جان کو جان نہ سمجھتے تھے اور اپنے اعزا و اقربا کے خون سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

ہمت خان بہتیانی کا قتل

ایک روز کا ذکر ہے کہ شیر خان نے اپنے ایک جدی بھائی، ہمت خاں ولد دلاور خاں کو کھانا کھاتے وقت اپنے ہاتھ سے قتل کرڈالا۔ بات یہ ہوئی کہ ہمت خان نے جو موضع واسنہ کے موروثی جاگیردار تھے "دوتر" یا "کھیرالو" کے مقدم کے سامنے اثنائے گفتگو میں کہیں یہ کہدیا تھا کہ

"دولت و ریاست کے لئے کچھ آبائی بزرگی کی ضرورت نہیں ہے۔ ورنہ شرافت خاندانی کے لحاظ سے میں اور شیر خان دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں!"

ہمت خان کی یہ بات رفتہ رفتہ کسی طرح شیر خان کے کانوں تک بھی پہنچ گئی اور وہ یہانتک برہم ہوئے کہ ان کو دم دلاسا دے کر کسی بہانے سے پالن پور بلوایا اور کھانا کھاتے وقت حیلہ سازی کے طور پر چیں بہ جبیں ہوکر باورچی سے کہا کہ

"مردود! آج یہ کیسا کھانا پکایا ہے۔ مرچوں کی کچھ انتہا بھی ہے۔ ایک ہی نوالہ کھایا ہے کہ مُنہ میں آگ لگ گئی جب خاصہ کا یہ حال ہے تو باورچی خانے میں کیا خاک اُڑتی ہوگی؟"

اور بظاہر باورچی پر خفا ہوتے ہوئے اُٹھے اور اس سے پہلے کہ ہمت خان نظر اُٹھا کے انکی طرف دیکھیں، پشت پر آکر اس زور سے تلوار ماری کہ سر الگ ہو کر گر پڑا۔ یہ کیفیت دیکھکر دسترخوان کے خوشامدیوں نے شیر خان کی تلوار کا قبضہ چوم لیا اور جس طرح بازی گر کا تماشہ دیکھا جاتا ہے، ہمت خان کے لاشہ کے تڑپنے کا تماشہ دیکھا گیا۔

شیر خان کی ولیعہدی کا ایک واقعہ قتل

شیر خان نے اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں ایک ناگر بنئے کو جسکا نام امر چند ویسائی تھا اور جو سلیم خان کے دوران حکومت میں مدار المہامی کے عہدے پر ممتاز تھا، اس بنا پر کہ وہ سلیم خان کو بہکا کر شیر خان کی طرف سے منحرف کیا کرتا تھا اور بار بڑچی بائی کی مخالفانہ سازشوں میں شریک ہو کر بایزید خان کا حامی ومددگار تھا، موضع چانگا کے ایک راجپوت کے ہاتھ سے قتل کرا دیا۔ جب ویسائی کا قاتل گرفتار ہوا تو سلیم خان نے خیال کیا کہ قوم چارن اور راجپوت میں ایک خاص قسم کا تعلق اور ارتباط ہوا کرتا ہے، غالباً یہ راجپوت بھی اپنا صحیح حال چارن سے کہدیگا اس لئے انندرام چارن کو جو اُسوقت موجود تھا، راجپوت کے پاس بھیجا چنانچہ سلیم خان کے خیال کے بموجب انندرام کے دریافت کرنے پر اسنے صاف کہہ دیا کہ

"میں نے شیر خان کے حکم سے ویسائی کو قتل کیا ہے"

انندرام چونکہ دور اندیش اور زمانہ ساز آدمی تھا اسنے دل میں کچھ سوچ کر اس راجپوت کو سخت تاکید کی کہ آیندہ وہ شیر خان کا نام کسی اور کے سامنے ہرگز نہ لے اور خود بھی اس راز کو پوشیدہ رکھنے کے لئے بڑی احتیاط کی۔ اور جب سلیم خان کے پاس آیا تو اپنی چرب زبانی سے یہ بات انکے ذہن نشین کر دی کہ راجپوت چونکہ اسوقت اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے، جسکا چاہتا ہے نام لے دیتا ہے۔ اسکا بیان کسی طرح قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اور زیادہ بازپرس محض بے فائدہ ہے۔ مصلحت وقت یہ ہے کہ جو کچھ اسنے کیا ہے اسکی سزا جلد مل جانی چاہئے تاکہ اپنے ساتھ کسی اور بیگناہ کو نہ لے مرے۔

انندرام کی اس تقریر نے اُدھر تو سلیم خان کا رخ بدل کر راجپوت کو قتل کرا دیا اور اُدھر جب یہ کیفیت

شیر خان کو معلوم ہوئی تو ان کے دل میں یہانتک اسکا گھر ہوا کہ مسند نشین ہوتے ہی اسکو اپنا مصاحب خاص بنا کر ہر ایک امر میں صلاح و مشورہ لینے لگے۔ اس باوفا چارن نے بھی بارڑجی بائی کی مخالفت کے زمانہ میں اپنی جان نثاری اور حسن خدمت سے شیر خان کے دربار میں ایسا تقرب اور رسوخ حاصل کر لیا کہ انھوں نے اور بہت سے انعام و اکرام کے علاوہ موضع مانکہ کا ساتن اسکی اعلی خیر خواہی کے صلے میں عطا کر کے تادم زیست محفل صحبت سے اسکی جدائی گوارا نہ کی۔

شیر خان کی بیماری اور موت

جب شیر خان کی جابرانہ حکومت کو سات برس گزرے تو ان کی خونریزیاں اور بداعتدالیاں چیچک کی طرح پھوٹ نکلیں اور بایزید خان کا خون ناحق رنگ لایا یعنی ستائیس برس کی عمر میں کہ عین شباب کا عالم تھا سوزاک۔ خیارک (بد) اور ہزار چشمہ (اڈیٹھ) وغیرہ شرمناک اور مہلک بیماریوں میں مبتلا ہوئے سب سے پہلے سوزاک ہوا۔ دیسی طبیبوں کا علاج کیا گیا۔ پھر بد نکل آئی تو سورت سے ایک پارسی ڈاکٹر فراجی کو بلا کر ہر قسم کی انگریزی دوائیں استعمال میں لائی گئیں مگر جب ان سے بھی کوئی فائدہ کی صورت نظر نہ آئی تو ڈاکٹر نے بد کو شگاف[۹۱] دیا۔ اسکے بعد ذرا سی تخفیف ہوئی تو ہزار چشمہ نکل آیا۔ القصہ ان امراض خبیثہ نے ملک الموت بن کر دیوان شیر خان پر حملہ کیا اور وہ نہایت پشیمانی[۹۲] کے ساتھ اپنے گناہوں پر آٹھ آٹھ آنسو روتے ہوئے سمت ۱۸۴۹ مطابق سنہ ۹۲۰ھ میں اس جہان فانی سے رحلت گزین عالم بقا ہوئے۔

---

[۹۱] ڈاکٹر فراجی نے شیر خان کو دوا کے ذریعہ سے بیہوش کرنا چاہا مگر ان کی ہمت نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیہوشی کی حالت میں بد کو شگاف دیا جائے اور نہایت جرأت کے ساتھ چوکی پر بیٹھ گئے۔ جبتک ڈاکٹر عمل جراحی میں مصروف رہا یہ برابر ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ ڈاکٹر فراجی کا مقولہ تھا کہ

"میں نے اپنی عمر میں ایسا بہادر اور دلیر شخص نہیں دیکھا" ۱۲ المولف

[۹۲] ایک روز شیر خان بستر مرگ پر ہاتھ پاؤں پھیلائے ہوئے پڑے تھے اور انکی پیاری بیوی گلاب بائی پٹی پکڑے بیٹھی تھی۔ اتفاقاً پلنگ پر ایک کھٹمل چلتا ہوا نظر آیا۔ کسی خدمتگار نے اسکو پکڑنے کا ارادہ کیا۔ یہ دیکھکر شیر خان نہایت رحم دلی سے بولے کہ۔

"دیکھنا! ایسا نہو کہ کہیں ہاتھ میں دب کر غریب کھٹمل کی جان جاتی رہے‟

اخلاق وعادات دیوان شیرخان بڑے شجاع۔ قوی دل مغلوب الغضب۔ سپاہ پرور اور کینہ ور لیکن فقیر دوست رئیس تھے جسطرح وہ انتقام کے وقت اپنے مخالفوں کے ساتھ سختی سے پیش آتے تھے اسی طرح خیر خواہان ریاست کو بخشش و انعام سے مالامال کر دینا انکا خاص شیوہ تھا۔ وہ تھوڑے قصور پر زیادہ سزا دیتے تھے اور جب دشمن مغلوب ہوجاتا تو مکر و فریب سے اُسے ہلاک کر ڈالتے تھے۔ انکی یہ جبلی عادت تھی کہ اپنی ہمت اور جوانمردی کے مقابلہ میں کسی شخص کو خیال میں نہ لاتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ اپنے سے ڈیوڑھے اور دُگنے طاقتور حریفوں کے سامنے بھی تلوار اٹھا کر داد شجاعت دیا کرتے تھے۔ بہت کم سپاہی تھے جو امتحان کے وقت، قوت و شجاعت اور ہمت و استقلال میں شیرخان سے برابری کا دعوی کر سکتے تھے۔ شیرخان خود رائے اور خود پسند بہت زیادہ تھے جس بات کا نقشہ ان کے دل میں جم جاتا تھا پھر خواہ نقصان ہو خواہ فائدہ، وہ بلا غور و تامل اسکو کر بیٹھتے تھے۔ اگرچہ شیرخان امور مذہبی کے زیادہ پابند نہ تھے تاہم پیشوایان مذہب کی عزت و حرمت کا نہایت پاس کیا کرتے تھے۔

دین درویش شیرخان کے زمانہ میں ایک فقیر دین درویش[۵۱] تھا جو پہاڑخان بلوچ کی غلامی سے آزاد ہوکر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شیرخان کے مُنہ سے یہ بات سنکر گلاب بائی بے ساختہ بول اُٹھی کہ

"افسوس! یہ رحم جو اسوقت کھٹل پر ظاہر ہوا ہے اگر یا یزید خان کے قتل کے وقت آپکے دل میں پیدا ہوتا تو آج ہم خدا کے قہر میں گھرے ہوئے نہ ہوتے"

گلاب بائی کے اس فقرے نے شیرخان کے پشیمان دل پر اس قیامت کا اثر کیا کہ انہوں نے اپنا سر دیوار پر دے مارا اور ایسی بیہوشی طاری ہوئی کہ دیر تک مردہ کی صورت پلنگ پر پڑے رہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

[۵۱] دین درویش دراصل موضع ورنا واڑہ علاقہ پالن پور کا رہنے والا سندہ لوہار تھا اور بلوچ پہاڑخان کے ہاتھ پر مسلمان ہوا تھا۔ کہتے ہیں کہ ایک روز رات کے وقت پہاڑخان کے کھیت میں غلہ چرانے کے لئے چور آئے اور انکے ساتھ مقابلہ ہوگیا۔ اس لڑائی میں دین درویش کے ہاتھ پر تلوار کا سخت زخم لگا جسکے ساتھ ہی اسپر چودہ طبق روشن ہوگئے۔ آثار کشف و کرامات ظاہر ہونے لگے اور طبیعت میں بھی موزونی پیدا ہوگئی۔ یہ جو کچھ لکھا گیا، پرانے خیال کے لوگوں کا بیان ہے ورنہ اس واقعہ کی صداقت میں زمانہ موجودہ کے لوگوں کا جو خیال ہونا چاہئے وہی میرا بھی ہے۔ ۱۲۔ لمولفہ

سنیاسیوں کی صحبت سے تیاگی (تارک الدنیا) ہوگیا تھا اور اکثر اوقات پہاڑوں اور جنگلوں میں تنہا رہا کرتا تھا یہ شخص اس ملک میں آزاد فقیر اور مشہور ہندی شاعر گزرا ہے۔ اسکے اشعار گو شائع نہیں ہوئے ہیں مگر لوگوں کے حافظہ کی کتاب میں محفوظ ہیں۔ اضلاع راجپوتانہ میں اسکے کشف و کرامات کے معتقدین کثرت سے تھے بالخصوص مشہور ہے کہ مہارانائے میواڑ اسکے ساتھ دلی عقیدت رکھتا تھا۔

دین درویش حسب حال واقعات کو ہندی زبان میں خوب نظم کیا کرتا تھا چنانچہ اسنے اپنی ایک نظم میں شیر خان کے ماحصل زندگی کا فوٹو کھینچا ہے جس سے عبرت کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں۔ لکھتا ہے۔ کنڈلیہ (قطعہ)

پالن پر کا شیر خاں چھوڑ چلا چھن مانہے ۔۔۔ کچھ جیون کے کارنے لیا بھلپن نانہے
لیا بھلپن نانہے کٹم سوں کری برائی ۔۔۔ صاحب سانکھیا نانہے صاجی بھی پرائی

کہیں دین درویش دھیان دھرپچھلے گھر کا
کہ چھوڑ چلا چھن مانہے شیر خان پالن پر کا

"یعنی شیر خان والی پالن پور ایک لمحہ میں دنیا کو چھوڑ چلا اور اپنی تھوڑی سی زندگانی کے لیے کچھ نیکنامی حاصل نہ کرسکا۔ اسنے اپنے خاندان کے ساتھ برائی کی جسکی پاداش میں اسکی کمائی ہوئی دولت بھی غیروں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ دین درویش کی یہ نصیحت ہے کہ ہر شخص کو عاقبت کا خیال ضرور رکھنا چاہیے کیونکہ دیکھو کہ شیر خان والی پالن پور ایک پل میں دنیا کو چھوڑ کر چلا گیا۔"

مسند ریاست کے لئے سوناںوبو کی غاصبانہ کارروائی

چونکہ شیر خان لاولد تھے اس لیے جب انھیں اپنے مرنے کا یقین ہو چکا تو کسی قدر غور و تامل کے بعد متبنیٰ کرنے کے لئے اپنے خاندان میں سے دو چار شخصوں کو بلا بھیجا۔ لیکن جان کے خوف سے کوئی انکے پاس نہ آیا۔ آخر کار عرب بیڑے کے جمعدار بنگور (ابن قعور) کو

جسپر وہ بہت کچھ اعتبار اور بھروسہ رکھتے تھے، غالبًا اپنی جانشینی کے بارے میں وصیت کرنے یا صلاح و مشورہ لینے کے لئے بلایا۔ اتفاق کی بات کہ بنکو بھی سرحدی تھانوں کی دیکھ بھال کے لئے گیا ہوا تھا اور شیر خان کے انتقال سے پہلے وہ پالن پور نہ آسکا۔

بنکو کو شیر خان کے اخیر وقت پر اسنے نہ ملنے کا اسقدر صدمہ ہوا کہ وہ فرطِ غم سے سر ٹکرانے لگا مگر لوگوں نے اسے سمجھایا کہ

"یہ وقت رونے پیٹنے کا نہیں ہے۔ مسند ریاست خالی پڑی ہوئی ہے اور شہر میں تین روز سے ہڑتال ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی تدبیر میں مصروف ہو رہا ہے۔ تمکو بھی لازم ہے کہ اس نازک وقت میں حقدار ریاست کی تجویز اور رعایا کی دلدہی کرو۔"

یہ سنکر بنکو کو بھی فکر پیدا ہوئی کہ اب کسکو شیر خان کا جانشین مقرر کیا جائے۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ارکانِ ریاست اور صلاح کارانِ رئیس کی آزمائش کا یہی وقت تھا۔ حیف! شیر خان کے وہ ہمدم و ہمراز مصاحب جو جیتے جی ان کی وفاداری کا دم بھرا کرتے تھے، پھیلا ہوا دسترخوان، اُٹھتا دیکھ کر مکھیوں کی طرح اُڑ گئے اور دوسرے دسترخوان پر مگس قاب بن بن کر بھنبھنانے لگے۔ شیر خان کی بہن سونا بوبو کا اسوقت چونکہ ریاست میں قدم جما ہوا تھا، شروع سے جھٹ اسی طرف متوجہ ہو گئے اور سونا بوبو کے وعدوں پر پھول کر تحقیقات کے وقت ایک شخص وینا چیلا نے بنکو اور علیان کے روبرو قسمیہ کہدیا کہ

"ایمان کی تو یہ ہے کہ شیر خان انتقال کے وقت اپنے ہمشیر زادے مبارز خان[۱۵] کو اپنا

---

[۱۵] اسمیں شک نہیں کہ ایشیائی ریاستوں کے اندرونی معاملات کچھ ایسے اُلجھے ہوئے اور پیچیدہ ہوا کرتے تھے کہ ذرا سا انقلاب زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین بنا دیا کرتا تھا۔ واقعہ طلب اور دیکھو بھی ہر وقت ایسے ہی موقع کی تاک میں لگے رہتے تھے۔ جھوٹی گواہیاں دے کر جھوٹے حلف اُٹھا کر روٹیوں کے لئے ایمان کو بیچ دیا کرتے تھے۔ یہی حالت اسوقت ہوئی کہ سونا بوبو نے شیر خان کے مرتے ہی اپنی حکمت عملیوں سے

جانشین بنا چکے ہیں اور اسی وصیت کے لئے تمکو بلایا بھی تھا۔ آیندہ تمہیں اختیار ہے۔
مرحوم کی وصیت مانو یا نہ مانو"
چنانچہ بنگورا اور علیان وغیرہ پردیسی افسران فوج نے ان کی قسم پر اعتبار کرکے مبارز خان بابی کو جنکی عمر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ ریاست دہلی اور اپنے صغیر السن بیٹے کو برائے نام مسند نشین کرکے خود حکومت کے لطف اٹھانے لگیں ورنہ غور سے
دیکھا جائے تو ریاست پالن پور اور بابی مبارز خان میں وہی تعلق تھا جو آسمان اور زمین میں ہے۔
یہ تو پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ سلیم خان کی تین لڑکیوں میں سے سونا بو بو شیر خان کی حقیقی بہن تھیں جنکی شادی دلاور خان ولد عادل خان
کھیڑہ وال بابی کے ساتھ ہوئی تھی۔ دلاور خان ضلع کھیڑہ کے جاگیردار نواب حامد خان عرف خانجہاں یا خان دوراں کی نسل سے تھے اور
نواب زورآور خان بابی والی بیسانگر کی بیگم مول بخت کے قریبی رشتہ دار ہوتے تھے۔ نواب زورآور خان نے انھیں متبنیٰ کر لیا تھا۔ انکے ہاں
سونا بو بو کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام مبارز خان رکھا گیا جب واجی راؤ گائکواڑ کی لڑائی میں نواب زورآور خان مارے گئے اور
بیسانگر خاندان بابی کے قبضے سے نکل گیا تو سونا بو بو بھی اپنے لڑکے مبارز خان کو لے کر تمام متعلقین ریاست پالن پور اپنے میکے میں چلی آئیں۔
چونکہ انھوں نے اپنے بھائی شیر خان کی بہت اطاعت و خدمتگزاری کی تھی اس لئے شیر خان اور کل متعلقین ریاست انسے خوش تھے۔
انھوں نے اس ریاست میں صرف رسوخ پیدا کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی داد و دہش اور زر ریزی سے اکثر اراکین ریاست کے دل کو
در پردہ اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ چنانچہ جب شیر خان کا بحالت لاولدی انتقال ہوا تو تمام ملازمین ریاست سے سازش کرکے اپنے لڑکے
مبارز خان کو ناجائز طریقے سے پالن پور کی گدی پر بٹھا دیا۔ لیکن مبارز خان کی مسند نشینی سے اہل دربار اور تمام دیسی لوگ اس قدر
ناراض ہوئے کہ انھوں نے اپنی اعلےٰ خوش تدبیری اور حکمت عملی سے ان کو معزول کرکے بجائے ان کے دیوان شمشیر خان بہتانی کو
مسند نشین پالن پور کر دیا۔
مبارز خان کی معزولی کے وقت سونا بو بو نے خزانۂ ریاست میں سے بہت سا روپیہ لٹوا دیا تھا اور خود بھی ایک معقول رقم
لے گئی تھیں اس لئے جب مبارز خان اپنے لڑکے شیر زماں خان کی شادی کرنے کے لئے برات لے کر پالن پور آئے تو شمشیر خان نے ان کو
نظر بند کر لیا اور تیس ہزار روپیہ لے کر رہا کیا۔ زاں بعد وہ قصبہ سدھ پور علاقۂ گائکواڑ میں رہنے لگے جب دیوان فتح خان ثانی نے اپنی

اس وقت تیرہ چودہ برس کی تھی سمت ۱۸۴۸ مطابق ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۲ء میں برائے نام مسند نشین کیا اور سونا بو بو نے زمام اختیار اپنے ہاتھ میں لے کر انکے نام سے کاروبار ریاست چلانا شروع کر دیا۔

خاندان ہیتانی کے ساتھ دیسیوں کی خیر خواہی

مبارز خان کی مسند نشینی سے چند تجربہ کار اہل دربار اور اکثر دیسی لوگ اسقدر ناراض ہوئے کہ سونا بو بو کی نسبت زہر خورانی کا عام گمان پیدا ہو گیا۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ اصل واقعہ[۱۵] گمان کے پردہ میں بولنے لگا۔ بہر حال دیسیوں کی مخالفت اور عام بد دلی کا یہ نتیجہ ہوا کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ مسند نشینی کے سترہویں سال یعنی سمت ۱۸۶۲ مطابق ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء میں مبارز خان کی لڑکی سونا بو بو کے ساتھ نکاح کیا تو مبارز خان کو موضع نانوسنہ جاگیر میں عنایت فرمایا۔ غرضکہ اسطرح پینتیس[۳۵] برس کے بعد مبارز خان سیدھپور چھوڑ کر پھر علاقہ پالن پور میں آباد ہوئے۔ چنانچہ اس وقت ان کے ورثا میں سے دوست محمد خان عرف ڈوسو میاں اپنی جاگیر کے گاؤں نانوسنہ میں رہتے ہیں اور اب تک فرمانروایان پالنپور اور رادھن پور کے ساتھ رشتہ داری کا سلسلہ جاری ہے۔

جب نواب شیر خان بابی والی رادھن پور بحالت لاولدی انتقال کر گئے تو شیر زماں خاں پسر مبارز خان نے پالن پور کے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ کیپٹن مالز صاحب بہادر کی معرفت ریاست رادھن پور پر اپنا استحقاق ظاہر کر کے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی میں مسند نشینی کا دعویٰ پیش کیا تھا لیکن رادھن پور کے اہلکاروں کی مخالفت کے سبب شیر زمان خان کو اپنے دعوے میں ناکام رہنا پڑا اور نواب زوراور خان بابی مسند نشین ہو گئے۔ ۱۲۔ لمولفہ

[۱۵] شیر خان کی خونریزیوں کی وجہ سے تمام ملک ان کا بدخواہ تو ہو ہی رہا تھا، بعض مفسدہ پردازوں نے سونا بو بو کو سمجھایا کہ "شیر خان امراض مہلکہ میں گرفتار ہیں اور لاولد ہیں، اگر آپ تیمارداری کے بہانے سے انکو جلد ٹھکانے لگا دیں تو مسند ریاست آپکے گھر میں آ جائیگی"۔ چنانچہ ان مخالفوں کی سازش اور اغواء سے سونا بو بو کی نیت بگڑ گئی اور افسوس کہ وہ حکومت کے لالچ سے اپنی ماں کے دودھ میں زہر گھولنے کے لئے تیار ہو گئیں اور شیر خان کے زخم پر زہر کا پھاہا چسپاں کر کے ان کا کام تمام کر دیا۔ اس واقعہ کو دین درویش نے اسطرح نظم کیا ہے۔ کنڈلیہ

دہنی داہیر اماں نے سنو تم سونا بائی   آپ سُدہار ن کاج جھیر دے مارا بھائی

یعنی سونا بو بو نے اپنے فائدہ کے لئے بھائی کو زہر دیکر مار دیا اور خود دائرہ المحسنہ پیرزادگان میں جا پہنچی گئیں ۱۲۔ لمولفہ۔

مبارز خان کو معزول کرنے اور ہیتانی خاندان میں سے کسی کو مسند ریاست پر بٹھانے کی خفیہ سازشیں ہونے لگیں
سونا بو بھی غافل نہ تھیں۔ ان کے کان بھی چاروں طرف لگے ہوئے تھے کیونکہ وہ اچھی طرح سے جانتی اور
سمجھتی تھیں کہ مبارز خان کے مخالف کسی نہ کسی روز اپنے ارادوں میں ضرور کامیاب ہونگے اس لئے وہ
تخفیف محاصل۔ معافی بقایا۔ اضافہ تنخواہ اور انعام و عطیات کے چلتے ہوئے منتروں سے دیسی لوگوں
کے دلوں پر قابو حاصل کر رہی تھیں۔ علاوہ بریں مبارز خان کی حفاظت اور قیام ریاست کی غرض سے
اور بھی بہت سی تدبیریں کام میں لاتی تھیں۔ چنانچہ انھوں نے محض اسی غرض سے نواب غازی الدین خان
بابی والی رادھن پور کو بلا کر پالن پور میں رکھنے کی تجویز کی تھی۔

پھولا مہتہ کا خون

زمانہ کا رخ دیکھکر اب عرب لشکر بھی سونا بو کا طرفدار ہو گیا تھا اس لئے سونا بو نے اپنے لڑکے
مبارز خان کا مسندِ ریاست پر قائم رہنا ممکن الوقوع سمجھکر تمام صیغہ جات ریاست پر قابض ہونا شروع کر دیا۔
اسی سلسلہ میں مدار المہام ریاست پھولا مہتہ سے بھی کہلا بھیجا کہ وہ خزانہ کی کنجیاں انھیں سپرد کر دے۔
لیکن اسنے نہایت جرأت کے ساتھ یہ جواب دیا کہ

"پالن پور کی گدی خاندانِ ہیتانی کی جائز ملکیت ہے جبتک کوئی ہیتانی یہاں کا فرمانروا
نہ ہو گا میں خزانہ کی کنجیاں آپ کو یا کسی اور شخص کو ہرگز نہیں دے سکتا اور چونکہ مبارز خان،
خاندانِ بابی سے ہیں اس لئے پالن پور کے خزانہ پر قابو پانا عقلاً اور شرعاً ان کا کوئی استحقاق
نہیں ہے"

سونا بو پھولا مہتہ کی زبانی یہ بے باکانہ کلمات سنکر مارے غصے کے آپے سے باہر ہو گئیں اور عربوں کو
ان کے قتل کرنے کا حکم دے دیا چنانچہ جب یہ کچہری سے جا رہے تھے چند عربوں نے خفیہ طور پر
ان کا تعاقب کیا اور افسوس کہ ان بدمعاشوں کی تلوار نے ایک خیر خواہ اور حق پسند وزیر ریاست کا کام
گھر پہنچنے سے پہلے راستہ ہی میں تمام کر ڈالا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عربوں نے پھولا مہتہ پر حملہ کیا ہے

تو محض بے خبر چلے جارہے تھے لیکن زخمی ہونے کے بعد فوراً سنبھل گئے اور اپنی کمر میں سے پیتل کی دوات[۱] نکال کر اسکی ضرب سے ایک عرب کو تو اسی جگہ مار ڈالا اور دوسرے کو سخت زخمی کیا۔ زمانۂ موجودہ کے مہتہ کامداروں کے ساتھ اگر پھولا مہتہ کی شجاعت و جوانمردی کا مقابلہ کیا جاوے تو زمین و آسمان کا فرق دکھلائی دے گا۔ پالن پور کے مہتہ مہاجن اسوقت کسی ہتیار کا اپنے مکان میں رکھنا بھی گناہ سمجھتے ہیں اور اگلے زمانہ میں تمام دیسی ہندو اہلکار مسلح ہوکر فوجی خدمات کی انجام وہی کو اپنی سعادت و نیکنامی کا ذریعہ سمجھا کرتے تھے پھولا مہتہ فی الحقیقت مرے نہیں بلکہ انھوں نے حیات جاودانی حاصل کی ہے کیونکہ وہ اپنے ملک اور ولی نعمت کی وفاداری و نمکحلالی کے حقوق ادا کرتے ہوئے چند بے ایمان۔ طماع نمکحرام حریص اور خودغرض بدمعاشوں کی ہوس پرستیوں کے سبب لقمۂ اجل ہوئے ہیں۔

ناگوریوں کی وفاداری

اسی اثنا میں پالن پور کے قدیم باشندے ناگوری لوگ عثمان خان ولد مجاہد خان، سابق جاگیردار گولہ کو، جنکا سلسلہ نسب تیسری پشت پر شیر خان کے جد اعلیٰ دیوان فیروز خان سے ملتا تھا، خفیہ طور پر ایک گھاس کی گاڑی میں چھپا کر پالن پور لے آئے۔ ان لوگوں کا منشا تھا کہ مبارز خان کو جو اسوقت خردسال تھے، قتل کرکے سونا بوبو کو شہر سے نکال دینے کے بعد عثمان خان کو ناگورنی بائی (خوب بہنان) زوجہ سلیم خان کے محل میں مسند نشین کیا جاوے۔ لیکن اتفاقاً شریک کار دو حقیقی بھائیوں کے باہمی نفاق کیوجہ سے یہ راز فاش ہوگیا اور سونا بوبو نے اس کیفیت سے مطلع ہوتے ہی عربوں کے ذریعہ سے ناگورنی بائی کو محل میں آگ لگانے کی دہمکی دی تو عثمان خان کے رفقا نے جان کے خوف سے امان چاہی اور سونا بوبو نے بھی مناسب سمجھکر راجگڑہی کے دروازۂ حصار سے بالا بالا بھاگ جانے اور محل خالی کرنے کی مہلت دیدی۔

[۱] یہاں پہلے یہ دستور تھا کہ جو اہلکار عہدۂ وزارت پر مقرر کیا جاتا اُسکو ریاست کی طرف سے بجائے چوبی قلمدان کے ایک پیتل کی دوات عطا کی جاتی تھی جسکے ساتھ قلمدان بھی بنا ہوا ہوتا تھا۔ وزیر ریاست جب کچہری جاتا تو اسے اپنی کمر پر لپیٹے ہوئے دوپٹہ میں رکھا کرتا تھا۔ یہ دوات زیادہ وزن دار ہوتی تھی اور ضرورت کے وقت کبھی کبھی ہتیار کا کام بھی دے جایا کرتی تھی۔ ۱۲۔ لمولفہ

کہتے ہیں کہ جب یہ لوگ حویلی کے جھروکوں سے ادھر اُدھر کود کود کر بھاگنے لگے تو اس گھبراہٹ اور پریشانی کی حالت میں عثمان خان کے رفیقوں میں سے ایک خوندمیری پیرزادے سید منّو میاں[۵۱] کے بندوق کی گولی لگی اور ان کی کمر میں بارود کی جو کپّی بندھی ہوئی تھی اسمیں بھی آگ لگ گئی اور وہ جل کر خاک سیاہ ہوگئے چنانچہ محلہ اپلی چکلہ میں ناگوریوں نے اس واقعہ کی یادگار میں ایک چبوترہ بنایا تھا وہ ابتک موجود ہے۔

عثمان خان کی آوارہ گردی

عثمان خان اس آفت سے جان بچا کر شہر سے باہر نکل گئے لیکن تعاقب کے خوف سے پالن پور کی سرحد میں بھی رہنا مناسب نہ سمجھا اور پھر علاقہ ایڈر میں چلے گئے اور شیر خان کے مخالفوں میں سے جو ہماری قوم کے لوگ بچ بچا کر موضع چانپل پور میں رہا کرتے تھے اُنسے جا ملے۔

نواب غازی الدین خان کو بلانے کی تجویز میرا بوی

اگرچہ ناگوریوں کا بلوہ رفع ہوچکا تھا اور عثمان خان بھی علاقہ پالن پور سے چلے گئے تھے لیکن سونا بوبو کو تو دشمنوں کا کھٹکا لگا ہی ہوا تھا بلکہ اس واقعہ کے بعد مبارز خان کی حفاظت کی فکر اور انتظام ملکداری کا اندیشہ اور بھی زیادہ ہوگیا تھا اس لئے نواب غازی الدین خان بابی کے بلانے کے لئے اپنے چند معتمدین کو رادھن پور بھیجا مگر انھوں نے اس امداد کے متعلق اسقدر نقد روپیہ طلب کیا جسکا دینا سونا بوبو نے گوارا نہ کیا جب سونا بوبو کو غازی الدین خان کی طرف سے مایوسی ہوگئی تو انھوں نے نوروز بیگ[۵۲] کے توسط سے شیورام گاردی کو اپنی مدد کے لئے بلانے کی تجویز کی اور اس خدمت کے صلہ میں نوروز بیگ کو اپنی ریاست میں سپہ سالار فوج بنانے کا وعدہ کیا۔

جب یہ خبر دیسی لوگوں نے سنی تو انھوں نے عرب افسروں کے سامنے سونا بوبو کی پٹھانوں کے ساتھ اس خفیہ سازش کا راز فاش کر کے ان کے دل میں سونا بوبو کی طرف سے بدگمانی پیدا کرادی اور اب

---

[۵۱] سید صاحب میرے اجداد میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ۱۲۔ لمولفہ

[۵۲] نوروز بیگ ذات کا مغل اور فیض آباد کا رہنے والا تھا شیورام گاردی کے ہمراہ اپنے وطن سے گجرات میں آیا تھا اور اسی رفاقت کی وجہ سے ان دونوں کا آپس میں دوستانہ تعارف تھا جب شیر خان نے پٹھانوں کا بیڑہ بھرتی کیا تو اسکو ایک بہادر اور کارگزار سپاہی سمجھکر اس بیڑہ کا افسر بنا دیا تھا۔ لمولفہ

یہ بات عربوں کے ذہن نشین ہوگئی کہ پٹھانوں کا اقتدار بڑھانے سے بالضرور سونا بوبو کا ارادہ ہماری طاقت گھٹانے کا ہے۔ دسیوں کی اس چال نے عربوں کی جمعیت میں نہایت پُراثر جوش پیدا کر دیا اور یہ لوگ یہانتک برافروختہ ہوگئے کہ ہر ایک امر جزدی پر پٹھانوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ کسی پٹھان اور عرب کے درمیان شراب کے نشہ میں لڑائی ہوگئی اور بدمستی کی حالت میں پٹھان نے عرب کو مار ڈالا۔ دسیوں نے موقع پاکر یہ افواہ اُڑادی کہ

"یہ عرب نوروز بیگ کے ایمائے سے مارا گیا ہے"

علاوہ ازیں اور بھی بہت سی جھوٹی سچی باتیں بنا کر عرب افسروں کو یہ سمجھا دیا کہ بالفرض اگر شیورام کی مدد نہ بھی ہوتا ہم نوروز بیگ کی موجودگی میں تمہارا قیام غیر ممکن ہے۔ فی الحال یہ قدرتی موقع ہے اسکو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ اگر مقتول عرب کے انتقام کے بہانے سے تمنے اسکا کام تمام کر دیا تو آگے مطلع صاف ہے۔ دسیوں کی اس فقرہ بازی سے عرب ہوا پر چڑھ گئے اور ایسے برانگیختہ ہوئے کہ فوراً پٹھانوں کے بیڑے پر حملہ کر دیا۔

نوروز بیگ کا قتل صادق شاہ فقیر کے تکیہ کے متصل فتح لشکر (ایک توپ) کے دمدمے پر پٹھانوں کے بیڑے کا مقام تھا اور نوروز بیگ شیر خان کے مرشد سید روح اللہ[۹۱] عرف ننے میاں صاحب رحؒ کے مکان کے قریب قاسم خان بہاری کے ڈیرے میں رہتا تھا جسوقت عرب بلوہ کرکے آئے ہیں، وہ نماز صبح کے بعد قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول تھا۔ یہ خبر سنکر اسنے کلام پاک کو جزدان کیا اور کمر باندھکر بیڑے میں جانیکے لئے تیار ہوا۔ سید صاحب موصوف نے اسکو وہاں جانے سے منع کیا اور سمجھایا کہ تھوڑی دیر کے لئے بیڑے کے سپاہیوں کو یہیں بلالینا مناسب ہے۔ تاکہ عرب لوگ پٹھانوں کو عاجز خیال کرکے ٹھنڈے پڑ جائیں اور نیز ہمارے دائرہ کے پاس ادب کی وجہ سے خونریزی نہ کرسکیں۔ لیکن اس نے نہ مانا اور بیڑے کی طرف روانہ ہوگیا۔

---

۹۱ سید روح اللہ میرے بزرگوں میں سے ہیں ۱۲۔ مولف۔

نوروز بیگ بیڑے میں گیا اور یہ دیکھ کر کہ عربوں کی جمعیت دمدمے کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے حملہ کرنے کی تیاری میں مصروف ہے، گھبرا گیا لیکن ساتھ ہی اسکو یہ اوسان آگئے کہ فتح لشکر توپ میں بچھوے کی تھیلی (گراب کا گولہ) بھر کر اسکا منہ عربوں کی طرف پھیر دیا اور مقابلے کے لئے آمادہ ہو کر اس امر کا منتظر رہا کہ عرب نزدیک آجائیں تو ایک ہی وار میں سب کو ٹھکانے لگادوں۔

اگر نوروز بیگ کو اپنے ارادہ میں کامیابی ہوجاتی تو فی الحقیقت عرب بیڑے کو سخت نقصان اٹھانا پڑتا لیکن چھٹا نون کے گولہ انداز تراب خان نے یہ سوچ کر کہ فتح لشکر کا داغنا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے آس پاس کے محلے تباہ ہوجائیں گے سب کی آنکھ بچا کر رنجک کے پیالے میں پانی ڈال دیا اور اس اثنا میں عربوں کی طرف سے بندوقوں کی باڑہ چل گئی۔ نوروز بیگ تو زخموں سے چور ہو کر وہیں ڈھیر ہو گیا اور اسکے بیڑے کے سپاہی بحالِ پریشان ادھر ادھر بھاگ گئے۔ نوروز بیگ کی لاش مان سروور تالاب کے راستے پر ایک گنجان بڑ کے سایہ میں دفن کی گئی۔ اب لوگ اسکو نورنگی پیر کے نام سے مشہور کرتے ہیں۔

نواب غازی الدین خان کا آنا اور واپسی

نوروز بیگ کے مارے جانے سے سونا بوبو کو شیورام کی امداد کا خیال جاتا رہا اس لئے مجبوراً انھوں نے نواب غازی الدین خان بابی والی رادھن پور کو ان کے منشا کے بموجب روپیہ دینا منظور کر کے اپنی مدد پر پالن پور بلا بھیجا۔ نواب صاحب نے جو مبارز خان کی امداد کے لئے آئے تھے، چھ سات مہینے پالن پور رہ کر جب دیکھا کہ رئیس کم سن۔ ملک بے وارث۔ دیسی سپاہ شکستہ دل اور قدیم ملازم حقدار ریاست کے متلاشی ہیں اور جن عربوں پر سونا بوبو کو گھمنڈ ہے ان کو اپنی بہتری کے سوا کسی کے بننے یا بگڑنے کی پروا تک نہیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ سونا بوبو اگرچہ ریاست پر تسلط یافتہ ہیں لیکن پردہ نشینی کے سبب ملکداری اور رعایا کی دیکھ بھال ان سے غیر ممکن ہے۔ اسوقت موقع ہے کہ مبارز خان کو گدی سے اتار کر بے محنت و مشقت مسندِ ریاست پر اپنا قبضہ کرلیا جائے۔

نواب صاحب نے اپنے دل میں اس معاملہ کی اچھی طرح سے پختہ ڈھڑ کر کے بظاہر احتیاطاً اپنے کسی

محرم راز معتمد سے مشورہ طلب کیا جس کا حال سونا بو بو کو بھی شدہ شدہ معلوم ہو گیا اور انھوں نے امداد کے معاوضہ میں جسقدر روپیہ دینا منظور کیا تھا بلا توقف انکے حوالے کر کے کہا کہ

"اب ہمیں آپ کی امداد و اعانت کی ضرورت نہیں ہے۔ بسم اللہ۔ آپ اسی وقت تشریف لے جائے"

نواب صاحب نے ہرچند انھیں سمجھایا کہ

"ابھی آپ کا قدم اچھی طرح جما نہیں ہے۔ دیسی سپاہ بلوہ کرنے پر مستعد ہے اور بظاہر اگرچہ آپ کے رعب و داب نے سب کو دبا رکھا ہے لیکن خاندان ہیتانی میں سے کسی کو مسند نشین کرنے کا خیال ہر ایک کے دل میں موجود ہے۔ ارکین ریاست میں خیر خواہ عنقا ہے بلکہ آپ کے خانہ زاد نوکر چاکر تک آپ سے برگشتہ ہیں۔ مناسب یہ ہے کہ مبارز خان کے بالغ ہونے تک آپ مجھے اور رہنے دیں ورنہ یاد رکھئے کہ پالن پور سے میرا قدم جاتے ہی آپ کے پاؤں بھی اکھڑ جائیں گے"

مگر چونکہ سونا بو بو کو نواب صاحب کی نیک نیتی میں شبہ پیدا ہو گیا تھا اس لیئے انھوں نے جوں توں کر کے انھیں رخصت ہی کر دیا۔

شمشیر خان کی مسند نشینی عربوں اور پٹھانوں کے دلوں میں جب آپس کے نفاق و حسد نے استحکام کے ساتھ اپنی جڑیں قائم کر لیں۔ عوام الناس کی نظروں میں سونا بو بو نا قابل ریاست ثابت ہوئیں اور سب نے یہ تسلیم کر لیا کہ جو اسباب پیدا ہوئے اور ہو رہے ہیں من حیث المجموع انتظامات ملکی و مالی اور امن عامہ پر بہت ہی خراب اور برباد کن اثر ڈالنے والے ہیں تو یہاں کے تمام لوگوں کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ خاندان ہیتانی کے کسی ممبر کو تلاش کر کے پالن پور کی فرمانروائی کا تاج اسکے سر پر رکھا جائے۔ چنانچہ خیر خواہان ملک کی صلاح و مشورت سے عثمان خان کے لڑکے شمشیر خان کو ڈیسے سے بلا کر مسند نشین کرنے کی خفیہ کارروائی شروع

ہوئی اور احتیاطاً اخفائے راز کی نسبت پیرزادگان پالن پور کی ضمانت[۹۱] سے ایک عہدنامہ بھی مرتب کیا گیا زاں بعد سب نے اتفاق کرکے ایک بھاری لشکر فراہم کیا اور سونا پویو اوران کے لڑکے بابی مبارز خان کو پالنپور سے نکال کر سمت ۱۸۵۰ مطابق ۱۲۰۹ھ ۱۷۹۴ء میں شمشیر خان کو مسند نشین ریاست کر دیا۔

[۹۱] اُس زمانہ میں جو عہدنامہ پیرزادگان پالن پور کی ضمانت سے مؤثق کیا جاتا وہی زیادہ قابل اعتبار سمجھا جاتا تھا کیونکہ خاندان ریاست میں یہاں کے پیرزادے مذہبی پیشوا شمار کئے جاتے ہیں۔ ۱۲۔ المؤلف۔
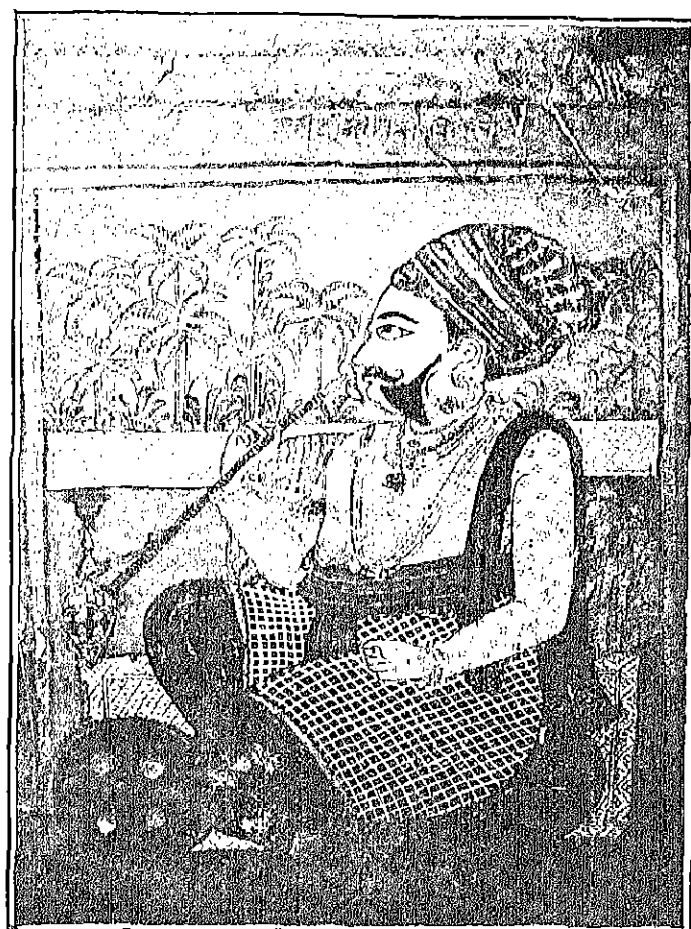
دیوان شمشیر خان

دیوان شمشیر خان ابن عثمان خان

شمشیر خان کا نسب

شمشیر خان رشتہ میں دیوان شیر خان کے ہم جدی تھے اور قرابت میں شیر خان کی سوتیلی بہن ہتی بالی بنت سلیم خان کے ساتھ شادی ہونیکے سبب بہنوئی ہوتے تھے ۔ یہ تو گویا ریاست پر استحقاق کا سلسلہ تھا لیکن اسکے علاوہ یہاں کے لوگوں میں انکی عادات و خصائل نے بہت زیادہ وقعت پیدا کر لی تھی اور لوگ دل سے یہی چاہتے تھے کہ شمشیر خان ہی مسند نشین ریاست ہوں ۔

ڈلیسہ پر قابض ہونا

انھوں نے موضع گولہ سے جلاوطن ہونے کے بعد کچھ مدت تک موضع ورواڑہ میں اپنی والدہ کے پاس رہکر وہاں کے دیہاتیوں میں پرورش پائی تھی اور پھر موضع چانپل پور علاقہ ایڈر میں اپنے والد عثمان خان کے ساتھ وقت کے منتظر تھے ۔ چونکہ یہ نہایت ہر دلعزیز تھے اس لئے انکے پاس

جالوریوں اور بہاریوں کی ایک کثیر التعداد جمعیت فراہم ہو گئی تھی اور اب کچھ تنگی معیشت نے اور کچھ
شوقِ اولوالعزمی نے ان کو ابھارا کہ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے کام چلنا مشکل ہے۔ بہاریوں نے بھی رات دن
کی مصیبتوں سے تنگ آکر مبارز خان کی معزولی سے کچھ مدت پہلے ڈیسہ میں رہنے والے اپنے ہمقوم
گھسورا شیخو جی کے لڑکے وہن جی اور شاہ جی اور نیز وہاں کے دوسرے لوگوں سے سازش کر کے
شمشیر خان کو حکومتِ ڈیسہ کے لئے انتخاب کرنے کی تدبیر کی اور جسوقت سونا بو بو نواب غازی الدین خان
کے نکالنے میں الجھی ہوئی تھیں، شمشیر خان نے آکر بلا تکلف ڈیسہ پر قبضہ کر لیا۔

مسند نشینی پالن پور کا پیغام اور شرائط

اگرچہ سونا بو بو کو شمشیر خان کا ڈیسہ پر قابض ہو جانا سخت ناگوار گزرا اور اس خلش
نے انکے دل و دماغ کو بے چین کر دیا تاہم دور اندیشی اور ضبط سے کام لے کر انھوں نے اس معاملہ کو مبارز خان
کے بالغ ہو جانے پر اُٹھا رکھا۔ خدا کی قدرت کہ اسی زمانہ میں جمعدار راجے من (راج محمد) اور اسکے رشتہ دار جمعدار
فرید۔ ڈیسرا اور مراد علی وغیرہ نے متفق ہو کر کسی پولٹیکل مصلحت کی بنا پر دیسی اہلکاروں اور متصدیوں کی صلاح و
مشورت سے خاندان ہیتانی میں از سر نو ریاست منتقل کرنے کا ارادہ کر لیا اور سید رحمت میاں کو ڈیسہ بھیجکر
گھسورا وہن جی اور شاہ جی کے توسط سے، جن کو سید صاحب موصوف کے خاندان سے دست بیعت کی
نسبت حاصل تھی، شمشیر خان کو پالن پور کی مسند نشینی کا مسرت بخش پیغام بھیجا اور عہد و پیمان کی تکمیل کی
جس میں خاص شرط یہ تھی کہ جمعداروں کی صلاح کے بغیر امورات ملکی و مالی میں سے کوئی کام مستقل طور پر
نہ کیا جائے۔

منظوری شرائط

اس شرط کی نسبت شمشیر خان کے مدار المہام ڈونگر مہتہ نے اگرچہ بہت کچھ رد و بدل و ریت و لعل
کرنا چاہا لیکن شمشیر خان نے جمعداروں کی مجوزہ شرائط کو نہایت خوشی کے ساتھ منظور کر لیا بلکہ ان کی درخواست کے بغیر
اپنی طرف سے پچاس ہزار روپیہ نقد اور پرگنہ دھاندھار میں سے کئی سیر حاصل دیہات کا پٹہ دینے کا بھی وعدہ کر لیا۔

شمشیر خان کا پالن پور آنا

جب عہد نامہ ہو چکا تو اسپر پالن پور کے پانچوں دائروں کے مرشد پیرزادوں۔ راجپور کے

مہنت اور شہر کے معتبر لوگوں کے دستخط ضمانت کے طور پر کرائے گئے بعد ازاں پالن پور میں آنے کا وقت مقرر کیا گیا اور شمشیر خان اپنے معتمد بہاری ٹھاکرون۔ بارگیروں اور ذی وجاہت بھومیہ زمینداروں وغیرہ کا میلا وہ جمع کر کے سمت ۱۸۵۰ مطابق ۱۲۰۹ ھ ۱۷۹۴ ء میں آدھی رات کے وقت ڈیسہ سے پالن پور کے قریب آکر ٹھہر گئے۔

شہر میں داخل ہونا

شہر پالن پور کے دروازوں پر عربوں کا پہرہ تھا۔ فرید۔ ڈیسر اور مراد علی وغیرہ سندھی جمعدار طلایہ (روند) پر تھے۔ جب مقرر شدہ علامت کے طور پر شمشیر خان کے لشکر میں بندوق کا فیر ہوا تو جمعدار راجے من مع اُن دیسی بارگیروں کے جن کے ساتھ پہلے ہی سے ساز باز تھا، سندھیوں کی جمعیت سے آملے اور سب کے سب اکٹھے ہو کر روانہ ہوئے۔ پہلے گٹھامن دروازہ کے عرب پہرہ داروں کو قتل کر ڈالا پھر لوہے کے گھن سے دروازہ کا قفل توڑ کر کواڑ کھول دئے اور شمشیر خان کو مع تمام جمعیت کے شہر کے اندر لے لیا۔

لڑائی

شمشیر خان شہر میں داخل ہونے کے بعد بڑے بازار سے ہوتے ہوئے راجگڑھی کے دروازے میں گھسنا ہی چاہتے تھے کہ سونا بوبو کی طرف سے عرب کے ایک دستے نے آکر راستہ روک لیا اور راجگڑھی کے دروازہ پر بھی کامل انتظام ہو گیا۔ شمشیر خان کے سپاہی تو عربوں کے ساتھ جنگ اندفاعی میں مشغول ہوئے اور جمعداروں نے موقع دیکھکر شہر پناہ اور توپخانہ پر قبضہ کر لیا بلکہ ایک توپ لاکر سونا بوبو کے محلسرائے پر بھی لگادی اور کہلا بھیجا کہ

"اگر ذرا بھی چون وچرا کی تو پل کی پل میں محل کے دھوئیں اُڑجائینگے"

اسی اثنا میں باقیماندہ بارگیر بھی جیٹھا مہتہ کی خوش تدبیری سے شمشیر خان کے ساتھ آملے۔ شمشیر خان کی طاقت اور بھی بڑھ گئی اور انھوں نے اپنے لشکر کو دھاوا کرنے کا حکم دے دیا۔ عرب چاروں طرف سے گھر تو گئے ہی تھے، تھوڑی دیر کے بعد پسپا ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

سونا بوبو کی امان طلبی اور لوٹ

یہ کیفیت دیکھکر سونا بوبو کی ہمت ٹوٹ گئی اور انھوں نے عرب جمعداروں کے مشورہ سے امان کی درخواست کرکے صلح کا پیغام بھیجا اور بغیر کسی قسم کی مزاحمت کے جائے امن تک پہنچا دینے کی نسبت پیرزادوں کی ضمانت پر محلات خالی کرنے کا اقرار کرلیا۔ شمشیر خان اور جمعداروں نے بھی اس موقع پر احمدنگر میں داخل ہونا صلاح وقت سمجھکر فوراً صلح منظور کرلی۔ سونا بوبو نے اس فرصت کو غنیمت جانکر بہادر خان کے جمع کئے ہوئے خزانہ کا دروازہ کھول دیا اور جسقدر مال و دولت اُٹھا سکیں، عربوں کی باضابطہ حراست و امداد سے اپنی سواری کے رتھ میں لاد کر سید دادا میاں کے دائرہ میں جا بیٹھیں۔

عربوں کی جمعیت کو رخصت اور سونا بوبو کا رادھن پور چلا جانا

شمشیر خان نے سمنت ۱۸۵۱ مطابق ۱۷۹۴ء؁ ۱۲۰۹ھ؁ میں مسند نشین ہوکر عربوں کی جمعیت کو جو مبارز خان بابی کی معاون و مددگار تھی، اس اقرار سے کہ تمہاری چڑھی ہوئی تنخواہیں احمدآباد میں ادا کی جائیں گی رخصت کردیا اور میعاد مقررہ میں زر تنخواہ ادا کرنیکی نسبت پیرزادوں کی ضمانت دیکر اطمینان کلّی کے لئے قوم سادات سے دو شخصوں کو ان کے ساتھ بھیجا اور سونا بوبو کو بھی جمعدار ڈلیسر کی ہمراہی میں رادھن پور روانہ کردیا۔

جمعدار ڈلیسر

کہتے ہیں کہ جمعدار ڈلیسر سے دوسرے سندھی اور دیسی جمعدار ناخوش تھے جب وہ سونا بوبو کو اضلاع وڈھیار (رادھن پور) میں پہنچا کر واپس آیا تو اُسکو شہر میں گھسنے نہ دیا۔ ناچار وہ سروہی کی طرف چلا گیا۔ وہاں مہاراؤ ویری سال جی والی سروہی نے اسکو نوکر رکھ لیا اور موضع واچھول اسکے پٹہ میں لکھدیا۔ حسن اتفاق سے کچھ مدت بعد انقلابات زمانہ نے یہ گاؤں حکومت سروہی سے خارج کرکے ریاست پالن پور میں شامل کردیا اور اسوقت تک جمعدار ڈلیسر ہی کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔

جمعداروں کو انعام

شمشیر خان نے اپنی مسند نشینی کے بعد حسب وعدہ پچاس ہزار روپیہ نقد جمعداروں کو انعام میں تقسیم کیا لیکن انھوں نے کسی مصلحت سے یہ روپیہ مسند نشینی کے نذرانہ کے حیلہ سے واپس کردیا۔ ان کے اس وفادارانہ برتاؤ سے خوش ہوکر شمشیر خان نے انکا اعزاز بڑہانے کے لئے سونے کے کڑے اور ہر ایک کو صلہ میں بخشا

وغیرہ ان کو عطا کئے۔

جمعداروں کے ساتھ شمشیر خان کی کدورت

اگرچہ شروع شروع میں جمعداروں اور شمشیر خان میں نہایت اتحادانہ برتاؤ ہوتے رہے مگر چونکہ آپس کے قرارداد کے بموجب مہمات ملکی و مالی کا اختیار جمعداروں کے ہاتھوں میں تھا اس لئے شمشیر خان کے ملازمین قدیم کو انکے برائے نام مسند نشین ہونے سے فائدہ کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی بلکہ جن لوگوں نے قیام چاپنل پور کے پرآشوب زمانہ میں ان کی وفاداری میں جانیں لڑائی تھیں ان کی تنخواہوں کا بھی حساب و کتاب اوندھا پڑا ہوا تھا اس وجہ سے انھوں نے جمعداروں کی کارروائیوں میں شوشے نکال نکال کر شمشیر خان کو ورغلانا شروع کیا رفتہ رفتہ شمشیر خان کے دل میں بھی جمعداروں کی طرف سے کدورت پیدا ہو چلی اور مسند نشینی کے ڈیڑھ برس بعد شمشیر خان اس تدبیر میں لگے کہ جمعداروں کی قوت کو گھٹا کر اپنی آزادی میں وسعت دینی چاہیے۔

جمعداروں کے قتل کی خفیہ تدابیر

جمعدار چونکہ شمشیر خان کی طرف سے بالکل غافل نہ تھے اس لئے انھوں نے بھی اپنے معتمدین میں سے کئی شخصوں کو بظاہر اپنے پاس سے علیحدہ کر کے خاص اسی کام کے لئے متعین کر رکھا تھا کہ وہ شمشیر خان کے ساتھ رہ کر ان کے دل کے بھید لیتے رہیں چنانچہ شمشیر خان نے جن لوگوں کو اپنا رازدار سمجھ کر انکے ساتھ جمعداروں کے دفعیہ کی سازش کی تھی ان میں سے سابا ولد الن اور ملک جمال وغیرہ دیسی بارگیروں نے جو جمعداروں کے اندرونی جاسوس اور شمشیر خان کے گھر کے بھیدی تھے جمعداروں کے سامنے شمشیر خان کے ارادوں کا پوست کندہ حال بیان کر دیا اور جتا دیا کہ "وہ تمہارے نیست و نابود کرنے کی تدبیریں پا ہو چکی ہیں، ہوشیار رہنا"

یہ تو ظاہر ہے کہ شمشیر خان کو چاپنل پور سے لا کر ڈیسہ کی حکومت پر قائم کرنے والے دہن جی اور نتھا جی گھسوا ہی تھے اور اسی خاص خدمت کی وجہ سے شمشیر خان کے دربار میں انکا رسوخ اور قابو بھی بہت بڑھا ہوا تھا جب شمشیر خان نے اپنے ایسے محسنوں کو ایک ذرا سی بات کے لئے قتل کر ڈالا[1] تو جمعداروں کو

[1] کہتے ہیں کہ کوئی سوداگر اتفاقاً کاٹھیاواڑی چھیبیاں (ایک قسم کے زنانہ دوپٹے) بیچنے کے لئے ڈیسہ میں آیا۔ ان میں سے چند چھیبیاں دہن جی اور

اپنے قتل کی بابت صلاح و مشورہ کا حال سنکر کیوں یقین نہ آتا۔ یہ سب پریشان ہوگئے اور ان میں سے جمعدار راجے من اور فرید مضطرب ہو کر اسی وقت دربار میں گئے اور شمشیر خان کے سامنے ہتیار رکھ کر کہنے لگے کہ

"اگر ہماری خیر خواہیوں اور جانفروشیوں کے صلہ میں ہمارا قتل کرنا منظور ہے تو یہ تلوار حاضر ہے۔ آپ مختار ہیں۔ اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالیے اس قدر تردد اور سامان کرنے کی کیا ضرورت ہے"

جمعداروں کی یہ تقریر سنتے ہی شمشیر خان صاف مکر گئے اور قسم کھا کر کہنے لگے کہ

"واللہ مجھے اس بارہ میں کچھ بھی خبر نہیں۔ مجھ پر سراسر الزام لگایا گیا ہے جس بدذات اور بدخواہ نے تمہارے سامنے یہ کیفیت بیان کی ہے اسکو میرے روبرو لاؤ میں بھی تو دیکھوں کہ وہ کون ہے اور کیا کہتا ہے"

اوّل اوّل تو جمعداروں نے اس بات کو یوں ہی رفع دفع کرنا چاہا اور معاملہ کی تائید و تردید کی بابت تحقیقات کرنے سے شمشیر خان کو روکا لیکن جب انھوں نے زیادہ اصرار کیا تو چار و ناچار جمعداروں نے ان دونوں بارگیروں کو لاکر سر دربار کھڑا کر دیا۔

مشہور ہے کہ شمشیر خان کے مزاج شناس خدمتگاروں میں جیٹھا ایک ڈُہاڑی تھا۔ اصطبل کی خدمت اسکے سپرد تھی۔ ایک دفعہ بارگیروں سے کسی بات پر اسکی تکرار ہو گئی اور جب بارگیروں نے شمشیر خان کے حضور میں اسکے گستاخانہ برتاؤ کی شکایت کی تو کچھ شنوائی نہ ہوئی اس لئے ملک جمال وغیرہ بارگیروں نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ شاہ جی نے خریدکیں جنکو اوڑھکر رات کے وقت انکی عورتیں شمشیر خان کی بیوی کے پاس حسب معمول گئیں۔ یہ دیکھکر انھیں سخت ناگوار گزرا کیونکہ قیمتی اور شاندار لباس پہن کر کسی غیر عورت کا دربار میں آنا بیگم صاحبہ اپنی توہین اور ہتک کا باعث سمجھتی تھیں اور صرف اسی بنا پر دوسرے روز انھوں نے اپنے خاوند شمشیر خان کو دہن جی اور شاہ جی کے خلاف یہانتک بہکایا کہ انھوں نے بلا تفتیش حال اپنے ان محسنوں کو جان سے مروا ڈالا۔ لمولفہ

جیٹھا کی ناشائستہ حرکات اور شمشیر خان کی بے اعتنائی کے رنج کی وجہ سے بالمواجہ صاف کہدیا کہ "قبلہ! گستاخی معاف۔ فلاں وقت، فلاں جگہ۔ فلاں فلاں شخصوں کے سامنے خلوت میں بُلاکر ہم لوگوں سے آپ نے کیا کہا تھا؟ اگر آپ کو اپنے قول سے انحراف ہے تو فرمایئے ہم ثبوت پیش کریں"

شمشیر خان کا ڈیسہ چلا جانا

شمشیر خان نے جب ان بارگیروں کی دو بدو یہ گفتگو سنی تو اوسان جاتے رہے۔ زمین پاؤں کے نیچے سے نکل گئی اور ندامت کے مارے خود بخود سر جھک گیا۔ یہ سب کچھ تو ہوا مگر اب انھیں اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں جمعداروں کی دشمنی میری تباہی کا باعث نہ ہوجائے اور دل میں مصمم ارادہ کرلیا کہ پالن پور چھوڑ کر کسی اور جگہ جا رہنا چاہیئے چنانچہ راج پور کے مہنت رگنا تھ پُری کو جس نے گائیں چرانے کی تپشیا اور دودھا دہاری کا برت کیا تھا، اناج کھلانے کے بہانے سے تمام ہیتیانی اور بہاری پٹھانوں اور اپنے خاص طرفدار جالوری قوم کے نام آور ٹھاکروں کی جمعیت کو لے کر ڈیسہ چلے گئے

شمشیر خان اور نصرت خان

شمشیر خان کی روانگی کے وقت ٹھاکر نصرت خان تنور جاگیردار ڈبھاڑے نے عرض کیا کہ

"حضور! آپ اور تمام ہیتیانیوں کو، جو مسند نشینی کے مستحق ہیں براہِ دوراندیشی چُن چُن کر اپنے ہمراہ لیے جاتے ہیں مگر شاید موضع واسٹرہ والے ہیتیانیوں کا آپ کو خیال نہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی غیر موجودگی میں جمعداران میں سے کسی کو مسند نشین ریاست کردیں"

نصرت خان کے اس کلام سے شمشیر خان نے ناراض ہو کر مُنہ پھیر لیا اور ایسا سخت جواب دیا جو شان ریاست سے بہت زیادہ گرا ہوا تھا۔ بیشک! جو امر شدنی ہوتا ہے اسمیں انسانی عقل کیا دخل دے سکتی ہے۔ لایق سے لایق آدمی کی آنکھوں پر غفلت کے ایسے گہرے پردے پڑجاتے ہیں کہ دوراندیشی کی جھریوں میں سے بھی مآل کار نہیں سوجھتا اور کسی کی نصیحت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔

جمعداروں کا شمشیر خان کو منانے کے لئے ڈیسہ جانا

جب شمشیر خان پالن پور چھوڑ کر ڈیسہ میں جا رہے اور جمعداروں کو یقین ہو گیا کہ وہ ہم سے روٹھ کر گئے ہیں تو وہ اول اول عرائض کے ذریعے سے پالن پور آنے کی نسبت درخواست کرتے رہے لیکن کوئی تسلی بخش جواب نہ ملا۔ آخر کار سندھی اور دیسی جمعدار متفق ہو کر ان کے منانے کیلئے ڈیسہ گئے اور اتمام حجت کے لئے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت عاجزی کے ساتھ کہا کہ

"گزری ہوئی باتوں کو مضیٰ ما مضیٰ کیجئے اور پالن پور تشریف لے چلئے کیونکہ مسند ریاست خالی پڑی ہے۔ ہم صداقت اور صاف دلی کے ساتھ بحلف اقرار کرتے ہیں کہ آئندہ آپکی فرمانبرداری سے ایک قدم علیحدہ نہ ہونگے اور نہایت صاف باطنی سے ہر امر میں آپ کی رضا جوئی مدنظر رکھیں گے"

وغیرہ وغیرہ۔

پالن پور جانے سے شمشیر خان کا انکار اور فیروز خان کی گدی نشینی

اگرچہ جمعداروں نے اپنے مقدور کے موافق بہت کچھ اقرار کئے اور عجز و انکسار کا کوئی درجہ نہ چھوڑا لیکن شمشیر خان نے ذرا بھی توجہ نہ کی بلکہ صاف کہہ دیا کہ

"میرا آنا اسوقت ممکن ہے کہ جب تم پالن پور میں نہ ہو گے کیونکہ اب اتحاد و اخلاص کے ساتھ میرا تمہارا نباہ مشکل ہے"

جمعداروں نے دیکھا کہ یہ کوتاہ اندیش رئیس اپنی ہٹ دھرمی اور ضد سے کسی طرح باز ہی نہیں آتا تو ناچار اٹھ کھڑے ہوئے اور پالن پور آتے ہوئے اثنائے راہ میں مشورہ کر کے یہ صلاح ٹھیرائی کہ دیوان کرن کمال کے بڑے بھائی دیوان فتح خان کی نسل سے فیروز خان ہیتائی کو جو موضع واسٹرہ میں سکونت پذیر ہیں، بلا کر مسند نشین کر دینا چاہئے کیونکہ ایک تو وہ حقدار اصلی ہیں اور دوسرے ہر طرح سے قابل حکومت اور لائق مسند نشینی ہیں چنانچہ اس مشورہ کو پختہ کر کے سمت ۱۸۵۱ مطابق ۱۷۹۵ء ۱۲۱۰ھ میں فیروز خان کو واسٹرہ سے لا کر مسند نشین پالن پور کر دیا جسکی مفصل کیفیت آئندہ اپنے موقع پر درج کی جائیگی۔

انتقال دیوان شمشیر خان[۵] اپنے ملک کے لوگوں کی نظروں میں ہر دلعزیز تو ضرور تھے لیکن دوراندیشی و مصلحت بینی کا مادہ ان میں بالکل نہیں تھا۔ وہ عام ہر دلعزیزی کی وجہ سے فرمانروائی کے بلند درجے پر پہنچ گئے مگر انکی ناقابلیت اور کوتاہ اندیشی نے انھیں پھر حکومت سے علٰحدہ کر دیا۔ وہ اس قدر ضدی اور خود رائے تھے کہ کسی کی صلاح و مشورت پر کبھی عمل نہ کرتے تھے جس کا برا نتیجہ انھیں بارہا دیکھنا پڑا۔ غرضکہ انھوں نے اپنی عمر کا اکثر حصہ بے چینی اور بد اطمینانی کی حالت میں بسر کر کے سمت ۱۸۹۲ مطابق ۱۲۵۲ھ ۱۸۳۶ء میں اس دار ناپائدار سے سفر آخرت اختیار کیا۔

جمعدار راجے من اور فرید چونکہ جمعدار راجے من اور فرید کو اس تاریخ سے خاص تعلق ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مختصر جوگرافی ناظرین کے سامنے پیش کی جائے کیونکہ یہی دونوں جمعدار وہ شخص ہیں جنکے ہاتھوں سے ریاست پالن پور دوبارہ اپنے اصلی وارثوں اور حقداروں کے قبضہ میں آئی ہے اور جنکی خود غرضانہ کارروائیوں یا جنکے ذاتی خیالات نے مدتوں کے الجھے ہوئے مسئلہ کو حل کر دیا ہے۔

جمعدار فرید کے حالات جمعدار فرید ایک غریب آدمی جمال نامی کا بیٹا اور ضلع نوشہرہ ملک سندھ کا رہنے والا تھا۔ شیر خان کے زمانہ حکومت میں اپنے وطن سے پالن پور آکر سندھیوں کے بیڑے میں نوکر ہوا۔ خدا کی قدرت کہ تھوڑی ہی مدت میں ترقی پا کر جمعدار بن گیا۔ اور جمعدار راجے من کی لڑکی جیون بائی سے اس کی شادی ہو گئی۔ اس قرابت کی وجہ سے اور پردیسیوں کی نسبت یہاں کے لوگوں میں اس کا رسوخ زیادہ تھا۔

شیر خان کے انتقال کے بعد جب مبارز خان بابی عربوں کی حمایت سے مسند نشین ہوا اور دیسیوں نے اسکے خلاف سازش کر کے شمشیر خان کو مسند ریاست پر بٹھانے کی تجویز کی تو جمعدار فرید نے

---

۵ دیوان شمشیر خان۔ فیروز خان ثالث اور فتح خان ثانی کا زمانہ حکومت ایک ہی وقت میں گزرا ہے اور انکے حالات ایک دوسرے کے واقعات کے ساتھ مخلوط ہو گئے ہیں اسلئے جب تک ان تینوں حکمرانوں کے حالات و واقعات ملا کر نہ پڑھے جائیں گے، مضامین در واقعات میں تسلسل اور ربط پیدا نہیں ہو سکتا ۱۲۔ المؤلف

اپنے خسر راجے من کے ساتھ عہد و پیمان کر کے دیسیوں اور پردیسیوں میں جو مخالفت چلی آرہی تھی اسکو مٹا دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پردیسی سندھیوں کی جمعیت بھی دیسیوں کی طرح ہیتانی خاندان کی طرفدار ہوگئی اور ساتھ ہی سندھیوں کے حقوق بھی مثل دیسیوں کے سمجھے جانے لگے۔

اس زمانہ میں سندھیوں کی قسمتیں چمکی ہوئی تھیں بڑودہ - ایڈر - سروہی اور کچھ وغیرہ قرب و جوار کی ریاستوں میں ان کو عروج حاصل ہوچکا تھا - فیروز خان کی سرکار میں جمعدار فرید اور راجے من سیاہ و سفید کے مالک تھے اور یہی دونوں سسرے اور داماد مل کر جو چاہتے تھے کرتے تھے - چنانچہ جب شمشیر خان کی مدافعت کے لئے پالن پور میں فوج بھرتی کرنے کی ضرورت پیش آئی تو فرید نے اپنے ہمقوم اور ہم وطن سندھی کثرت سے نوکر رکھ لئے جس سے اسکی طاقت اور بھی بڑھ گئی - یہانتک کہ شہر پالن پور میں ان کثیر التعداد سندھیوں کا ایک جدید محلہ آباد ہوگیا جو باکھاسر کے نام سے مشہور تھا۔

جمعدار راجے من کی لڑکی مسماۃ جیون بائی کے بطن سے جمعدار فرید کا ایک لڑکا غلام حیدر نہایت حسین اور بہادر تھا - اسکی شادی بھٹانہ علاقہ سروہی کے راجپوتوں اور موضع مان پور علاقہ پالن پور کے جالوری جاوڑہ ٹھاکروں میں ہوئی تھی - غلام حیدر نے جب یہ خداداد شان و شوکت کا سامان دیکھا تو حماقت سے نذر کیا اور تہی مغزی سے سر میں یہ سودا سمایا کہ ریاست پالن پور کی حکمرانی حاصل کرنی چاہئے لوگوں کا گمان ہے کہ گو کسی وجہ سے بعض دیسی لوگ غلام حیدر کے ساتھ بظاہر متفق الرائے نہ ہوں مگر اس منشا سے باخبر اور جلسہ مشورت میں شامل ضرور رہتے تھے - بہرحال غلام حیدر نے موضع مہاوڑ پر قبضہ کر کے وہاں اپنی بود و باش اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اس ناکامیابی کے بعد غلام حیدر نے ادھر تو اپنے معتمدوں کو تحفہ و تحائف دے کر امیران سندھ کے پاس بھیجا - اور ادھر سرکار گائیکواڑ سے راہ و رسم پیدا کی تاکہ ضرورت کے وقت جہاں سے بن پڑے مدد لے کر مسند نشین پالن پور ہوجائے - مگر چونکہ خاندان ہیتانی کا ایک ممبر اور حقدار ریاست مسند آرا ہوسکتا تھا

اسکی یہ سب تجویزیں بیکار گئیں اور اب وہ دیوان فیروزخان کے ہلاک کرنے کی فکر میں مصروف ہوا۔
غلام حیدر کو اپنے اس قابلِ نفریں ارادوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے بظاہر جو روک تھی خدا کی قدرت سے وہ بھی رفع ہو گئی یعنی اتفاقاً ان ہی دنوں میں جمعدار راجے من کا انتقال ہو گیا اور اسکے تھوڑے ہی روز بعد جمعدار فرید کا پردہ بھی ڈھک گیا۔ ان قدرتی سامانوں نے غلام حیدر کو بالکل ہی آزاد اور نڈر کر دیا۔ اس نے اپنے کوتاہ اندیش خوشامدیوں کے بہکانے سے اپنے بزرگوں کے اُن ارادوں کا بھید کھول ہی دیا جنکی پردہ پوشی میں انھوں نے کفن سے منہ چھپا لیا تھا اور وہ "اگر پدر نتواند پسر تمام کند" کی مثل کو اچھی طرح پورا کر کے علانیہ نمک حرامی کی مہر ماتھے پر لگالی۔
جمعدار فرید ایک مخیر اور فیاض شخص تھا۔ اسکی سخاوت کے افسانے ابتک ضرب المثل ہیں۔
سندھیوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں سرکار گائکواڑ میں جو رسوخ پیدا کیا تھا اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ پالن پور سے خارج ہونے کے بعد غلام حیدر کا لڑکا علی بہادر وہاں جا کر ملازم ہو گیا اور اسکے متعلقین پرگنہ کھیرالو علاقہ گائکواڑ میں آباد ہوئے۔ لیکن علی بہادر کا لڑکا فرید ثانی عرف موٹا میاں چونکہ لاولد تھا اس لئے اسکے بعد فرید کی نسل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

جمعدار راجے من کے حالات

جمعدار راجے من کے بزرگ نواحِ دہلی کے رہنے والے قریشی سپاہی تھے سمت ۱۷۸۵ مطابق سنہ ۱۷۲۸ء (۱۱۴۱ھ) کی قحط سالی میں مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنا وطن چھوڑ کر اس طرف آئے اور موضع گٹھامن علاقہ پالن پور میں سکونت اختیار کی اور بقول دیگر جب گٹھامن کے مومن لوگ دیوان فیروزخان ثانی پر نالش کرنے کے لئے فرخ سیر کے زمانہ میں دہلی گئے تھے تو وہ ان کو اپنے ہمراہ لائے تھے۔ بہرکیف اس قریشی سپاہی کا نام دادا قریشی تھا اور اسکے بال بچے موضع گٹھامن کے مومن کاشتکاروں میں رہکر محنت و مزدوری سے گزر اوقات کیا کرتے تھے۔
جمعدار راجے من کے والد کا نام سلیمان یا صالح محمد عرف سلو میاں تھا جو ایک صاحب حوصلہ شخص گزرا ہے

مہاراج ابھے سنگھ راٹھور کی صوبہ داری گجرات کے زمانہ میں یہ اپنے والد نور محمد اور چچا فتح محمد کے ساتھ مع چند جوانوں کے احمد آباد جاکر فوج میں بھرتی ہوگیا۔ اسکے والد اور چچا وہاں کسی لڑائی میں مارے گئے اور یہ دیوان پہاڑ خان کے ایام حکومت میں احمد آباد سے پالن پور آیا اور یہاں کے دیسی سپاہیوں کے ایک شریف خاندان کی لڑکی ملوکاں بائی سے شادی کرکے کچھ دنوں تک سُکھا شاہ کے تکیہ کے قریب فروکش رہا۔ بعد ازاں سورج پول دروازے کے پاس مکان بنالیا۔

ملوکاں بائی کے بطن سے خان محمد اور راجے من دو لڑکے پیدا ہوئے۔ ان میں سے خان محمد دیوان بہادر خان کے عہد حکومت میں تھانہ دہانیرہ میں قزاقوں کے ہاتھ سے مارا گیا اور موضع دہاکھا پرگنہ دہانیرہ میں دفن ہوا۔ اس کی شادی موضع میتا میں ایک چاوڑہ کی لڑکی مسماۃ روپاں بائی سے ہوئی تھی۔ خان محمد نے ایک لڑکا چھوڑا تھا جس کا نام سلیمان تھا اور جسکی شادی جمعداروں کے عروج کے زمانہ میں راجے من جمعدار کی لڑکی اومی بائی سے ہوئی تھی۔ سلیمان کی اولاد اسوقت تک موجود ہے۔ جمعدار راجے من نے یہاں کے دیسی سپاہیوں کے خاندان میں سے کربھی بائی کے ساتھ شادی کی جسکے ہاں علی محمد عرف آلو جمعدار اور نور محمد دو لڑکے اور اومی بائی اور جیون بائی دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

جمعدار راجے من چونکہ بڑا مدبّر۔ عالی حوصلہ اور اولوالعزم شخص تھا اس لئے اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے وہ براہِ دوراندیشی سید کرم اللہ عرف ساہو میاں صاحبؒ کی اجازت سے ان کے دائرہ میں سکونت گزیں ہوا تاکہ ضرورت کے وقت امداد حاصل کرسکے۔ چنانچہ مبارز خان بابی کے عہد حکومت میں اسپر بھی مخالفت کا اشتباہ ہوا تھا لیکن دائرہ کی سکونت کے لحاظ سے کچھ زیادہ مزاحمت نہ کی گئی۔ مشہور ہے کہ جب دیوان شیر خان نے موضع کھیمت پر فوجکشی کی اور محاصرہ نے یہانتک طول کھینچا کہ پانچ چھ مہینے گزر گئے مگر فتح کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو جمعدار راجے من نے جوشِ جوانمردی سے عرض کیا کہ

"اگر ایک ہی حملہ میں گاؤں کا جھانپہ (پھاٹک) توڑ کر پڑوہ (چوپال) میں کسبنہ پی لوں تو میرا نام راجہ من نہیں ہے"

چنانچہ باوجود زخمی ہونے کے اسنے اپنے قول کو پورا کر دکھایا۔

راجہ من کی یہ مردانہ جرأت دیکھکر شیر خان اسقدر خوش ہوئے کہ جب اسکے غسل صحت کا جلسہ کیا گیا تو بنفس نفیس اس تقریب میں شریک ہوئے۔ اتفاقاً اثنائے گفتگو میں جمعدار کی زبان سے بے ساختہ کوئی ایسا متکبرانہ کلمہ نکل گیا کہ شیر خان اس سے نہایت برہم ہو گئے۔ لیکن نیک دل مصاحبوں نے رفع ملال کے لئے عرض کیا کہ

"بہادر سپاہی ہے۔ اپنے آقا پر ناز کرتا ہے۔ خفگی نہ چاہئے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جان کو جان نہ سمجھکر آپکے قدموں پر سر کٹوانا فخر سمجھتے ہیں"

ان مؤثر کلمات نے شیر خان پر بہت اچھا اثر کیا اور راجہ من کی طرف سے جو کدورت ان کے دل میں پیدا ہو گئی تھی بالکل صاف ہو گئی۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شیر خان کے زمانہ کے لوگ راجہ من کو پہلے ہی سے ایک ہونہار اور صاحب اقبال سپاہی سمجھے ہوئے تھے۔

جن دنوں میں ناگوریوں نے عثمان خان کو گولے سے لاکر مسند نشین پالن پور کرنے کی کوشش کی اور ان کی اس سازش کا حال کھل گیا تو سونا بوبو نے ان لوگوں کی نسبت شہر بدر کرنے کا حکم جاری کیا چنانچہ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو مہاراجہ جودھپور کے دربار میں بھی اسکا ان الفاظ میں ذکر آیا کہ "شاید ریاست پالن پور میں راجپوتوں کی طرح جوانمرد۔ بہادر اور فراخ حوصلہ لوگ نہیں ہیں ورنہ ایک پردہ نشین بیوہ کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ وارثان مستحق کے سامنے اس آسانی کے ساتھ ریاست پر قبضہ حاصل کرے اور مسند ریاست خاندان لوہانی سے منتقل ہو کر باہیوں کے ہاں چلی جائے"

چونکہ جمعدار راجہ من شیر خان کے انتقال کے بعد اکثر اوقات ریا سہائے غربی راجپوتانہ اور میواڑ میں

ملازمت کے ذریعہ بسر اوقات کرتا رہا ہے اس لئے جسوقت مہاراجہ جودھ پور کے دربار میں یہ تذکرہ ہو رہا تھا یہ بھی موجود تھا۔ راجپوتوں کی خود ستائی اور ان کا طعن آمیز کلام اسکے دل پر تیر کی طرح لگا اور ایسا جوش پیدا ہوا کہ اسی وقت سے مبارز خان کو پالن پور سے نکال دینے کی تدابیر میں ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ چنانچہ خاص اسی غرض سے رخصت لے کر جودھپور سے گھر آیا اور یہاں کے سر برآوردہ لوگوں سے مل کر اپنے از دست رفتہ کاروبار کو دوبارہ ہاتھ میں لینے کی فکر کرنے لگا۔ مگر یہ راز بہت جلد طشت از بام ہو گیا اور سونا بوبو راجے من کو جلاوطن کرنا چاہا لیکن وہ بیماری کے بہانہ سے ٹھیرا رہا اور آخر الامر وہ کام کر گزرا جس سے اسکا نام ہمیشہ تک ریاست پالن پور کے تاریخی واقعات کے سلسلہ میں یادگار رہیگا۔

راجے من جمعدار کے دو لڑکے علی محمد اور نور محمد تھے۔ ان میں سے علی محمد عرف آلو جمعدار کے ہاں سات اور نور محمد کے ہاں دو لڑکے ہوئے جنکی نسل اسوقت تک موجود ہے اور ان کا کنبہ دن بدن بڑھتا جاتا ہے۔

دیوان فیروز خان ثالث

باب ہشتم
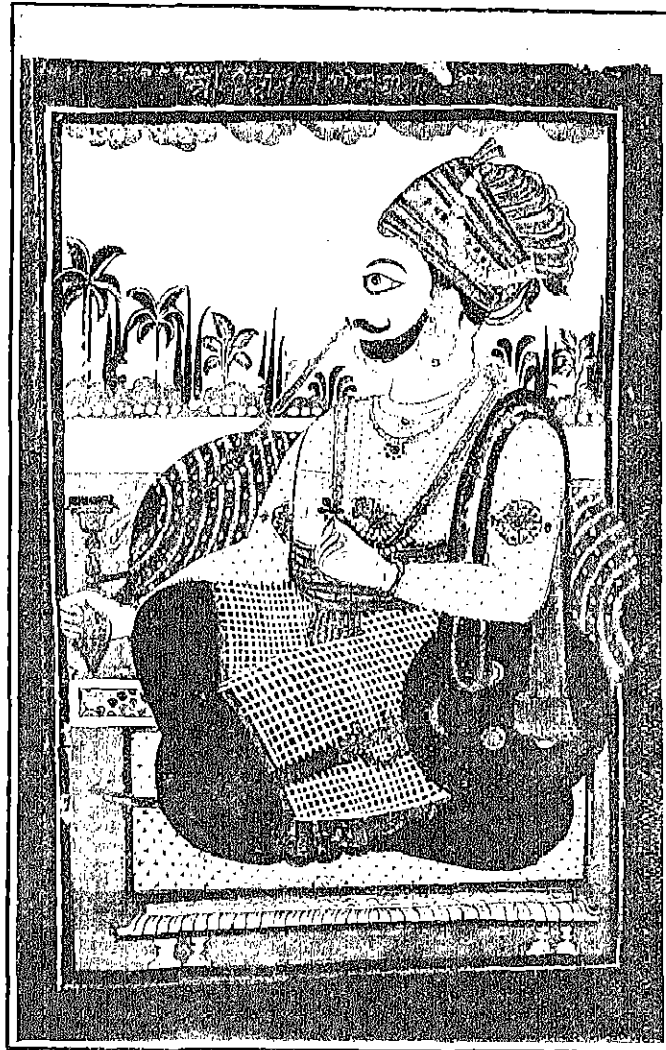
دیوان فیروز خان ثالث

دیوان فتح خان اول کی اولاد

جب سمہ ۱۱۴۴ھ میں دیوان فتح خان اول کا اور سمہ ۱۱۶۲ھ میں دیوان کمال خان عرف کرن کمال کا انتقال ہوگیا تو فتح خان کے بیٹے پیر خان اور کمال خان کے بیٹے فیروز خان ثانی، دونوں چچیرے بھائیوں میں پالن پور کی مسند نشینی کے متعلق تنازعہ ہوا۔ بادشاہ دہلی کے دربار تک استغاثہ کی نوبت پہنچی۔ اندھیر کا زمانہ تھا خلاف امید فیصلہ ہوا یعنی فیروز خان مسند نشین ہوئے اور پیر خان محروم رہے بگاڑ تو پہلے ہی سے پڑا ہوا تھا مقدمہ بازی نے اور آگ لگادی۔ یہاں تک شعلے بھڑکے کہ فیروز خان نے مسند نشین ہوتے ہی مروت اور انسانیت کو بھی بالائے طاق رکھ کر پیر خان کے پالن پور میں رہنے تک کی ممانعت کردی۔ یہ بیچارے اپنے محلات چھوڑ چھاڑ، نکل کھڑے ہوئے اور اپنی جاگیر کے گاؤں وضع [illegible]

جا کر آباد ہو گئے۔ کہتے ہیں کہ کھاری کنوئیں کے قریب اسوقت جو سرکاری انبار خانہ ہے اس کے متصل ہی ان کے محلات تھے۔

فتح خان کی جلاوطنی پیر خان کے بعد ان کے صاحبزادے فتح خان ان کی جاگیر کے مالک اور وارث قرار پائے اور دیوان کریداد خان کے زمانہ حکومت تک امن وچین سے گزر اوقات کرتے رہے یہانتک کہ بہادر خان نے مسند حکومت پر قدم رکھا۔ فتح خان سانولے رنگ کے رئیس تھے اور شکل وصورت میں بھی چنداں وجاہت نہیں رکھتے تھے۔ بہادر خان کی عداوت کو ان کی کم روئی نے اور پرچاپ دی اور انھوں نے فتح خان کو ایسے لقب سے پکارنا شروع کیا جو انکی شان کے شایاں نہ تھا اور اس بغض نے یہانتک طول کھینچا کہ آخر کار بہادر خان نے اپنے زمانہ حکومت میں فتح خان کو جلاوطن کر کے موضع بیلپی بھی ضبط کر لیا۔ آوارہ وطن فتح خان ناچار موضع سہروانی علاقہ کھیرالو میں جا بسے۔

فتح خان کا موضع واسٹرہ میں آباد ہونا خدا کی شان کہ کچھ مدت بعد ان ہی بہادر خان کو اپنے بھتیجے کی لڑکی مسماۃ رتنا وتی بوبو بنت دلاور خان ولد ہمت خان کی شادی کے لئے اپنے ہی بھائی بندوں میں سے ایک لڑکے کی تلاش ہوئی چاروں طرف نظریں دوڑائیں مگر فتح خان کے سوا جنکو وہ حقارت کی آنکھ سے دیکھا کرتے تھے، اور کوئی لڑکا دامادی کے قابل میسر نہ آیا۔ چار وناچار فتح خان ہی کو موضع سہروانی سے بلوایا اور گزران کے لئے موضع واسٹرہ[۱] بوبو رتنا وتی کے جہیز میں دیکر شادی کر دی۔

دیوان فیروز خان کی ولادت کتخدائی کے بعد یہ دونوں میاں بیوی موضع واسٹرہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ رتنا وتی بوبو کے بطن سے تاج خان، فیروز خان اور محمد خان ہ تین فرزند پیدا ہوئے۔ ان تینوں میں منجھلے فرزند فیروز خان بچپنے ہی سے کچھ ایسے ہونہار معلوم ہوتے تھے کہ خوش اقبالیوں کا ان پر صاد ہو گیا تھا۔ جب یہ جوان ہوئے تو ان کی سپاہیانہ ہمت وجرأت نے صرف اپنی آبائی جاگیر[۱] پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا گوارا نہ کیا۔

---

[۱] موضع واسٹرہ جو انکی والدہ رتنا وتی بوبو کے جہیز میں آیا تھا۔ ۱۲۔ مولف۔

تلاشِ ملازمت اس زمانہ میں اکثر سپاہی پیشہ لوگ ملازمت کے لئے مارواڑ اور میواڑ وغیرہ اضلاع راجپوتانہ میں جایا کرتے تھے۔ فیروز خان بھی جمعدار راجے من کے ہمراہ جودھپور گئے اور چونکہ فن سپہگری میں پورا دخل رکھتے تھے، وہاں پہنچتے ہی نوکر ہوگئے۔ ان ہی دنوں میں جمعدار راجے من اور انکے ہمراہیوں کو اُس فوج کے ساتھ جو علاقہ مارواڑ کے کسی مقام پر لڑائی کے لئے متعین کی گئی تھی جانیکا حکم ہوا۔

آثارِ شجاعت ایک روز یہ لشکر بان گنگا ندی کے کنارے پر مقیم تھا کہ اس لشکر کے ہندوؤں اور مسلمانوں میں کسی امر جزوی پر تلواریں کھنچ گئیں۔ فیروز خان نشہ مردانگی میں چور تھے تلوار سونتھ سب سے پہلے میدان میں آئے اور جنگجو گستاخیوں کی جماعت کے سامنے جم گئے۔ گو اس وقت طرفین کے صلح پسند لوگوں نے بیچ بچاؤ کرکے ان دونوں فریقوں میں صلح کرادی لیکن جمعدار راجے من کے دل پر اُسی وقت سے فیروز خان کی شجاعت کا نقش پتھر کی لکیر کی طرح منقش ہوگیا۔

تجویزِ مسند نشینی جب شمشیر خان اور جمعداروں میں رنجش پیدا ہوگئی (جسکا ذکر شمشیر خان کے حالات میں مرقوم ہے) تو شمشیر خان جمعداروں سے خفا ہوکر ڈیپہ چلے گئے۔ جمعداروں نے وہاں جاکر ان کو ہرچند منانا چاہا اور اتمامِ حجت کے طور پر ہر ایک پہلو سے وفاداری کا اظہار کیا مگر جب شمشیر خان کی طرف سے اطمینان بخش جواب نہ ملا تو جمعداروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ

"شمشیر خان کا تو یہ حال ہے۔ اب مسند ریاست کے لئے کس کو پسند کرنا چاہیئے"

جمعدار راجے من جو فیروز خان کی شجاعت و جوانمردی پر گرویدہ اور ان کے اوضاع و اطوار دیکھکر ان کو ہونہار اور صاحبِ اقبال سمجھے ہوئے تھا بے اختیار بول اٹھا کہ

"خداوند کریم نے پہلے ہی سے خاص اسی خاندان میں ایک ہونہار جوان مسندِ ریاست کے لئے پیدا کر رکھا ہے۔ کچھ تردد نہ کرنا چاہیئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسی کے اقبال نے شمشیر خان کی مت کو اوندھا کرکے یہ سبق پڑھایا ہے کہ انھوں نے اپنے کرتوتوں سے

ہمیں اپنا دشمن بنالیا"

یہ مبہم جملہ سنکر فرید کے دل کو چیٹک سی لگ گئی۔ اسنے جمعدار راجے من سے پوچھا کہ

"ایسا کون نیرّ اقبال ہے جسکی آپ اسقدر تعریف کررہے ہیں"

جمعدار راجے من نے جواب دیا کہ

"دیوان کمال خان عرف کرن کمال کے بڑے بھائی دیوان فتح خان اول کی مبارک نسل سے ایک شیر دل جوان ہے جسکا نام فیروز خان ہے اور حصار پالن پور کے زیر سایہ موضع واسٹرہ میں رہتا ہے"

فرید فیروز خان کے اوصاف حمیدہ کا پہلے ہی سے شیدا تھا۔ جمعدار راجے من کے منہ سے انکا نام سنتے ہی خوشی کے مارے اچھل پڑا اور بے اختیار ہوکر کہنے لگا کہ

"اچھا تو اب دیر نہ کیجیے۔ جس طرح ہوسکے مسندِ حکومت پران کو بٹھادینا چاہیے۔ ع

در کارِ خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست

مسند نشینی جمعداروں نے یہ صلاح کرلی تو سب نے مل کر راجے من کے بڑے لڑکے علی محمد عرف آلو جمعدار کو چند سوار ساتھ کرکے فیروز خان کو بلانے کے لیے موضع واسٹرہ روانہ کیا۔ جب آلو جمعدار واسٹرہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ فیروز خان اپنے کنوئیں پر ہیں۔ آلو جمعدار وہاں جاکر انسے ملا۔ معانقہ اور مزاج پرسی کے بعد فیروز خان نے پوچھا کہ

"جمعدار! اسوقت کیونکر آنا ہوا"؟

آلو جمعدار نے بظاہر تو صرف یہی کہا کہ

"آپ کو خوشخبری سنانے حاضر ہوا ہوں"

مگر تخلیہ میں عرض کیا کہ

"آپ کو مسند نشین ریاست کرنیکے کے لئے بلانے آیا ہوں۔ بسم اللہ! تشریف لے چلئے
اور مسند ریاست کو رونق بخشئے۔"

یہ سنتے ہی فیروز خان استعجاب کے سمندر میں غوطے کھانے لگے اور چند لمحہ دل ہی دل میں غور کرنے کے بعد
آلو جمعدار سے اطمینانِ مزید کے لئے بولے کہ

"جمعدار صاحب! ماشاء اللہ۔ آپ بھی مجھ سے مذاق کرتے ہیں"؟

آلو جمعدار نے اسکے جواب میں قسم کھا کر بیان کیا کہ

"جو کچھ میں کہتا ہوں، سچ کہتا ہوں۔ تمام اعیانِ ریاست کی صلاح سے آپ کا بلانا
قرار پایا ہے۔"

القصہ جب آلو جمعدار کے اس آخری اور اطمینان بخش حملہ سے فیروز خان کو یقین آگیا تو وہ اجازت حاصل کرنے کے لئے اپنی والدہ رتناوتی بوبو کے پاس گئے۔ رتناوتی بوبو نے اول اول تو انکار کیا کیونکہ کچھ عرصہ پہلے فیروز خان کے بڑے بھائی تاج خان سے شمشیر خان حلفاً دعوی ریاست سے دست بردار ہونیکے بارہ میں اقرار لے چکے تھے مگر کسی قدر رد و قدح کے بعد رتناوتی بوبو رضامند ہوگئیں اور فیروز خان کا پالن پور جانا منظور کر لیا۔

آلو جمعدار نے دور اندیشی کے خیال سے کچھ روز تک فیروز خان کو موضع سدر پور کے مقدم موجی پٹیل کے گھر خفیہ طور پر رکھا اور یہ خیال کر کے کہ "شمشیر خان کہیں فیروز خان کے قبائل کو گرفتار نہ کر لیں" احتیاطاً ان کو مع رتناوتی بوبو کے موضع سامرڑہ میں جو چارنوں کا سانسن (انعامی گاؤں) ہے، پہنچا دیا۔ جب اس کام سے فراغت پالی تو پالن پور میں آکر اعیان ریاست کو اطلاع دی۔ چنانچہ جمعدار موضع سدر پور گئے اور معاہدہ کے طور پر کچھ قول و قرار کر کے ایک ہفتہ کے بعد فیروز خان کو پالن پور لے آئے اور ۱۹ رمضان سنہ ۱۲۱۰ ہجری مطابق سنہ ۱۷۹۵ عیسوی سنہ ۱۸۵۱ بکرمی کو بڑی دھوم دھام سے پاٹ کی حویلی میں جو ایسے ہی مبارک

کاموں کے لئے قدیم سے مخصوص تھی، مسند نشین ریاست کیا۔

قبائل کو پالن پور بلایا

جب مسند نشینی کی رسومات ادا ہو چکیں تو فیروز خان نے رتھ بھیجکر اپنے قبائل کو مع رتنا وتی بوبو کے بلا کھٹکے موضع سامرڑہ سے پالن پور بلوالیا۔ فیروز خان کی بیوی ماجی بائی کو گردش زمانہ نے جس قدر تکلیفیں دی تھیں، اس سے کہیں حصّے زیادہ راحت و آسائش نصیب ہوئی۔ زر و جواہر سے گوندنی کی طرح لد گئیں۔ ہاتھ کھل گیا اور دل بڑھ گیا اور "راج رانی" کے معزز لقب سے ممتاز ہوئیں۔

ڈیسہ میں شمشیر خان کو مسند نشینی کی اطلاع

مسند نشینی کی خوشی میں توپوں کے جو فیر کئے گئے، اتفاقاً ان کی آواز ڈیسہ میں بھی سنی گئی۔ شمشیر خان نے متعجب ہو کر حاضرین دربار سے پوچھا کہ

"یہ توپوں کی آواز کیسی؟"

ٹھاکر نصرت خاں تنور جاگیردار ڈبھاڑ ایک دور اندیش اور راست گو آدمی تھے بول اُٹھے کہ

"خداوند نعمت! قصور معاف!! آپ کے خیال کے برخلاف شاید چوتڑوں پر راج تلک ہو گیا، جسکی سلامی میں یہ توپوں کی شلک اُڑائی جا رہی ہے"۔

ٹھاکر نصرت خاں کے اس طرح بیباکانہ اور خلاف تہذیب الفاظ کو طنزیہ فقرہ میں ادا کرنے کا یہ سبب تھا کہ جب شمشیر خان پالن پور چھوڑ کر ڈیسہ گئے اور ہیتانی خاندان میں سے جو جو مستحقین ریاست تھے ان سب کو اپنے ہمراہ لیجا کر نظر بند کر لیا تو اُسوقت ٹھاکر نصرت خاں نے دور اندیشی سے عرض کیا تھا کہ

"حضور عالی! یہ موضع واسٹرہ کے رئیس بھی ہیتانی خاندان میں سے ہیں، ان کو بھی اپنے ہمراہ لیجانا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے"۔

لیکن چونکہ شمشیر خان بھی اس خاندان کو بہادر خان کی طرح حقیر سمجھتے تھے، نصرت خان کے اس مشورہ کو باتوں باتوں میں اُڑا دیا اور کہا تو یہ کہا کہ

"ٹھاکر صاحب! گو آپ عقل کے پتلے سہی، مگر اتنا تو سوچئے کہ راج تلک پیشانی پر کیا جاتا ہے نہ کہ

چوتڑوں پر یعنی جسم ریاست کے لئے اسفل عضو بھی کہیں اعلیٰ اعضو سے ہمسری کا دعویٰ کر سکتا ہے"!؟

چونکہ شمشیر خان نے فیروز خان کو ایسا کمزور اور حقیر سمجھ رکھا تھا کہ ان کو عضو اسفل قرار دیا اور دوسرے بھائی بندوں کو اعلیٰ۔ یہ خبر نہ تھی کہ خدا کی قدرت ایک پل میں پتھر کو ہیرا اور لعل بے بہا کو سنگ پارہ کر دیا کرتی ہے۔

چنانچہ اسوقت بھی نصرت خان کے اس طعن آمیز فقرہ پر شمشیر خان نے زبان سے تو یہی کہا کہ دو ٹھاکر صاحب! اللہ اللہ کیجئے!! کہاں پالن پور کی گدی اور کہاں واسڑہ کے بیچارے کم حیثیت بھیتائی۔ ریاست سے ان کو کیا نسبت"

لیکن دل کا خدا ہی حافظ تھا۔ طرح طرح کے وسواس آنے لگے۔ کبھی اپنی کوتاہ اندیشی پر افسوس کرتے تھے کبھی اس معاملہ ہی کو محض خیال سمجھتے تھے اور کبھی آئندہ کے لئے تدابیر سوچنے لگتے تھے۔ غرضکہ ان ہی خیالات میں دیر تک غلطاں و پیچاں رہے اور جب فیروز خان کی مسند نشینی کی متواتر خبریں سنیں تو اپنے معتمد اہلکاران ریاست اور ارکین دولت کی صلاح سے فوج بھرتی کرنی شروع کر دی جس میں اتیت (ایک قسم کے ہندو فقیر) سرائی۔ بلوچ جت اور راجپوت وغیرہ مختلف اقوام کے دیسی لوگ شامل تھے۔ اور فرنچ توپخانہ بھی تھا۔

شمشیر خان کی پالن پور پر چڑھائی

کہتے ہیں کہ دیوان بہادر خان نے چھیانوے لاکھ روپیہ نقد چھوڑا تھا۔ اسمیں سے کچھ تو دیوان شیر خان نے پٹاوت ٹھاکروں کی بغاوت اور فساد دفع کرنے میں صرف کیا۔ قریب اٹھ تولاکھ روپیہ کے مبارز خان بابی پالن پور سے جاتے وقت لے گئے اور اسیقدر انقلاب ریاست اور راج گردی کی لوٹ کھسوٹ میں ضائع ہوا۔ رہا سہا نقد روپیہ مع بیش بہا جواہرات کی بہت سی رقموں کے شمشیر خان ڈیسہ جاتے ہوئے لے گئے۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے پالن پور پر حملہ کرنے کی غرض سے دل کھول کر

روپیہ خرچ کیا اور ہر قسم کی فوج بھرتی کرلی۔

جب خاطر خواہ لشکر تیار ہو گیا تو پالن پور پر چڑھائی کی تدبیریں ہونے لگیں چنانچہ سنہ ۱۸۵۲ مطابق سنہ ۱۷۹۶ء ۱۲۱۱ھ میں ڈیسہ سے فوجکشی کر کے پالن پور سے تین کوس کے فاصلہ پر موضع لالہ واڑہ کی حدود میں مقام کیا اور شہر پالن پور کا محاصرہ کر کے تمام دیہات سے محاصل خراج وصول کرنیکے لئے جابجا فوج کے دستے اور سواروں کی ٹکڑیاں روانہ کیں۔

فیروزخان کی مستعدی

بیان کیا جاتا ہے کہ محاصرہ کے دنوں میں دیوان فیروزخان شہر کے شمالی دروازوں کا ضابطہ دیسی جمعداروں کے حوالے کر کے جنوبی دروازوں کے بارہ برجوں، خندق کے مورچوں اور شبینہ کی پہرہ چوکیوں کی نگہبانی میں بنفس نفیس اس سرگرمی سے مصروف رہے کہ مدت دراز تک رات کو بھی زرہ پوش ہی سوتے تھے۔

سرکار گائکواڑ سے شمشیرخان کی درخواست

جب دیوان فیروزخان کی جوانمردی اور خوش انتظامی سے محاصرہ کی مدت نے طول پکڑا اور شمشیرخان نے دیکھا کہ باوجود متواتر حملوں کے شہر فتح نہیں ہوتا ہے بلکہ لشکر کی کثرت اور رسد کی قلت سے سخت مشکل کا سامنا ہوتا جاتا ہے تو اپنا ایک معتمد بھیجکر سرکار گائکواڑ سے امداد کی درخواست کی۔

فیروزخان کی دوراندیشی

چونکہ فیروزخان بھی اپنے حریف کی منصوبہ بازیوں سے غافل نہ تھے ایہ سنتے ہی کہ شمشیرخان نے سرکار گائکواڑ سے مدد طلب کی ہے، اپنے اہلکاروں کو سرکار گائکواڑ کے حضور میں روانہ کیا جنہوں نے یہ کارروائی کی کہ شمشیرخان کے کامداروں کی طرف سے سرکار گائکواڑ کو جو رقم مدد کے معاوضہ میں دینی قرار پائی تھی اس سے کسیقدر زیادہ فیروزخان کے اہلکاروں نے منظور کرلی۔ اس لئے سرکار گائکواڑ نے اپنا لشکر باباگوند پنتھ ایک مرہٹہ سردار کے زیر کمان دیوان فیروزخان کی کمک پر مامور کیا اور شمشیرخان کی امداد کی نسبت صاف انکار کردیا۔ شمشیرخان نے جب یہ حالت دیکھی تو چارو ناچار محاصرہ اٹھا لیا اور ڈیسہ واپس چلے گئے۔

شمشیر خان کا پیغام بابا گوبند نے ان دونوں گروہوں کے لئے آپس میں صلح کرادی لیکن ایک ہی برس گزرا تھا کہ سمت ۱۸۵۳ مطابق ۱۷۹۶ء (۱۲۱۲ھ) میں شمشیر خان نے فیروز خان کو اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ

"میں لشکر جرار لے کر تسخیر پالن پور کے لئے آتا ہوں۔ یا تو شہر خالی کر دو یا تلوار اٹھا کر میدان میں آؤ۔"

فیروز خان کی جرأت و بہادری جب شمشیر خان کے بھیجے ہوئے قاصد نے فیروز خان کے حضور میں یہ خط پیش کیا تو انھوں نے جمعداروں سے مشورہ کر کے یہ ٹھیرالیا کہ بے ہاتھ پاؤں ہلائے شہر خالی کر دینا جوانمردی سے بعید ہے۔ مر جینگے یا مار لیں گے۔ چنانچہ فیروز خان نے پالن پور سے نکل کر موضع گڈھ میں مقام کیا۔ یہاں پہنچکر خبر ملی کہ اتیت جو بڑے تلوار کے دھنی ہیں شمشیر خان کی ملازمت کے لئے جارہے ہیں اور انکی کئی جماعتیں موضع کوٹیا تولہ پٹن (گاگوار) میں مقیم ہیں۔ صلاح یہ ٹھیرائی کہ ان کو یہیں تیغ کے گھاٹ اتار دینا چاہئے تاکہ ان لڑاکا قوم میں ہماری تلوار کی دہاک بندھ جائے اور شمشیر خان کا جوش بھی ٹھنڈا ہو جائے۔ چنانچہ راتوں رات ان کے سروں پر جا دھمکے اور صبح کا تارا چمکتے ہی بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے۔ کڑاک کڑاک کر حملے ہونے لگے۔ اتیت بھی خوب جان توڑ توڑ کر لڑے مگر میدان فیروز خان کے ہاتھ رہا۔ اکثر اتیت مارے گئے۔ جو بچے وہ بھاگ گئے۔ اس معرکہ میں دیوان فیروز خان نے خوب ہی بہادری اور جوانمردی کی داد دی۔

اقبالمندی کی ایک مثال خود فیروز خان کا بیان ہے کہ عین ہنگامہ دار و گیر میں ایک قوی ہیکل اتیت میری پشت پر سے حملہ آور ہوا اور کھڑگ تول کر وار کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک سیاہ کتا اس پر لپکا اور ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتا ہوا پیچھے ہٹا لے گیا۔ اسی طرح کئی دفعہ وہ اتیت سنبھل سنبھل کر آیا اور ہر دفعہ کتا اس کی ٹانگ پکڑ پکڑ کر لے گیا۔

چندیسر کی معرکہ آرائی ادھر تو فیروز خان فتحمندی اور فیروزی کے ساتھ اپنے فرودگاہ پر موضع گڈھ میں چلے آئے

اور اُدھر شمشیر خان اس واقعہ کو سنکر مارے غصّے کے شعلہ کی طرح بھڑک اُٹھے۔ یلغار کرتے ہوئے لشکر سمیت موضع چنڈ لیسر میں آ دھمکے چیت سدی ۱۴ کو صبح ہوتے ہی دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اسوقت فوج کے میمنہ دیوان فیروز خان تھے اور میسرہ جمعداروں وغیرہ کے زیر کمان تھا۔

جمعدار فرید کا رشتہ دار پنگرا ایک سندھی جمعدار جو ہراول کی فوج کا افسر تھا، حریف کا توپخانہ چھین لینے کے ارادہ سے ایک مردانہ حملہ کرکے ایسی پھرتی کے ساتھ توپوں کے قریب جا پہنچا کہ گولہ اندازوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور ایسے بدحواس ہوئے کہ بجائے بارود کے خالی گنج کی تھیلیاں توپوں میں بھردیں جان موسیٰ (موسیٰ) فرانسیس نے جو فرنچ بیٹری کا افسر تھا، جب دیکھا کہ دشمن فرشتۂ موت کی طرح سر پر آ موجود ہوا اور توپیں کام نہیں دیتیں تو نہایت چالاکی کے ساتھ اُسنے جمعدار پنگرے پر قرابین جھونک دی۔ پنگرا تو بچ گیا مگر گولی اسکے گھوڑے کی پیشانی پر لگی۔ گھوڑا چکر کھاکر گر پڑا۔ سندھی جوان اسکے سنبھالنے میں مصروف ہوئے اور جان موسیٰ فرصت پاکر وہاں سے توپخانہ گھسیٹ لے گیا۔ یہ کیفیت دیکھی تو فیروز خان نے میمنہ سے نکل کر شمشیر خان کے قلب لشکر پر حملہ کیا اور ایسے جم کر لڑے کہ تھوڑی ہی دیر میں لشکر مخالف کے قدم اُکھڑ گئے اور بالآخر شمشیر خان کو شکست فاش نصیب ہوئی۔

شجاعانہ اخلاقی نظیر کہتے ہیں کہ جب دونوں فوجیں صف بستہ مقابلہ کے لئے کھڑی ہوئی تھیں اُسوقت فیروز خان نے شمشیر خان کو کہلا بھیجا تھا کہ

"چونکہ دراصل صرف میں اور آپ خواہشمند حکومت اور دعویدار ریاست ہیں اس لئے مناسب ہے کہ پہلے میں اور آپ ہی میدان میں نکل کر آپس میں سلٹ لیں۔ تلوار اچھی طرح فیصلہ کردے گی۔ اگر آپ نے مجھے مار لیا تو بلا تردد ملک پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا اور اگر میری قسمت نے مجھے فتحمند کیا تو پھر جھگڑا ہی فیصل ہے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ محض آپ کے اور ہمارے ذاتی اغراض کے لئے ہزاروں بندگان خدا کا خون کرنا طریقۂ انسانیت

سے کسقدر بعید ہے"

فیروز خان کے یہ دلیرانہ اور انسانی ہمدردی سے بھرے ہوئے مؤثر جملے شمشیر خان کے کانوں تک پہنچے لیکن وہ ایسی باتوں کو خاطر میں کب لانے والے تھے، تیوری بدل کر منہ پھیر لیا اور جواب دیا تو ایسا گونگو جس سے سمجھنے والوں نے ان کی ہمت وجرات کے ساتھ فیروز خان کی رحمدلی، مستقل المزاجی، انصاف پسندی اور شائستگی کا بخوبی اندازہ کر لیا۔

صلح اور اسکی شرائط

اس شکست سے جب شمشیر خان ہمت ہار گئے اور صلح کی طرف ان کے دل کا میلان پایا گیا تو پالن پور کے پیرزادوں اور جانبین کے صلح پسند معززین نے بیچ میں پڑ کر دس سوتہ مقرر کیا یعنی دس برس کی میعاد تک لڑائی موقوف رکھنے کی شرط پر مصالحت کرادی اور یہ قرار پایا کہ پرگنات ڈیسہ و دہانیرہ مع گولہ کی [۵۱] موروثی جاگیر کے شمشیر خان کے قبضہ میں رہیں اور علاقہ پالن پور مع مضافات فیروز خان کے زیر حکومت سمجھا جائے۔ غرضکہ جب ان شرائط کی پختت وپز ہوگئی تو دونوں فریق ڈیرا ڈنڈا سنبھال کر اپنے اپنے مقامات کی طرف روانہ ہوگئے۔

ولیعہد ریاست کی ولادت

سمت ۱۸۵۵ مطابق ۱۷۹۹ء ۱۲۱۴ھ میں چیت سدی ۱۴ کو فیروز خان کے مشکوئے معلی میں پٹ رانی ماجی بائی داوی زئی کے بطن سے ولیعہد ریاست کی ولادت ہوئی جنکا نام فتح خان رکھا گیا۔ یہ مولود مسعود ایسی نیک گھڑی سبھ لگن پیدا ہوا تھا کہ آگے چل کر اس خاندان کا چشم وچراغ ہوا اور گویا اس نے خاندان ہتیانی میں ریاست اور حکومت کی جڑ قائم کر کے ہمیشہ کے لیے پھلنے اور پھولنے کو چھوڑ دیا۔

عثمان خان کی شورش

فیروز خان اور شمشیر خان میں جب صلح ہوگئی اور دونوں فریق کسیقدر اطمینان سے رہنے لگے تو مفسدہ پردازوں نے شمشیر خان کے والد عثمان خان، جاگیردار گولہ کو، جو اسوقت تک زندہ تھے، جا کر بھڑکایا اور انکے کان میں پھونکا کہ

[۵۱] گولہ کی جاگیر کے متعلق چوبیس دیہات تھے ۱۲۔ لمولفہ

"حضرت! آپ کو کچھ خبر بھی ہے؟ فیروز خان نے مصلحنامہ میں جوگولہ کی جاگیر کا ذکر کیا ہے اسمیں یہ چال ہے کہ اخیر میں وہ آپ کی اس جاگیر پر بھی دست اندازی کرینگے۔ اگر کوئی بچاؤ منظور ہے تو آپ صلحنامہ کی نسبت نارضامندی ظاہر کریں"

عثمان خان بیچارے پرانے زمانے کے سیدھے سادے آدمی تھے۔ دوسرے عمر کے تقاضے سے کچھ سٹھیا بھی گئے تھے، لوگوں کے بہکانے میں آکر آپے سے باہر ہوگئے اور بے سوچے سمجھے علم بغاوت بلند کردیا مہاوڑ کے زمینداران کا عصائے پیری تھے اور وہی مٹھی بھر جمعیت ان کی حامی۔ اس فتنہ و فساد کے فرو کرنے کے لئے فیروز خان نے سمت ۱۸۵۷ مطابق ۱۸۰۰ء (۱۲۱۵ھ) کی ابتدا میں کچھ فوج بھیجدی جس نے بھیڑ بکریوں کی طرح ان کو مار کر حدود وہاندہار سے باہر نکال دیا۔ یہ پریشان جمعیت یہاں سے بھاگ کر موضع مہاوڑ میں پناہ پذیر ہوئی مگر فیروز خان کے لشکر نے وہاں بھی انھیں دم نہ لینے دیا۔ تعاقب کرتا ہوا پہنچ گیا اور ان کو نکال کر موضع مہاوڑ پر بھی قبضہ کرلیا۔

فتح مہاوڑ — فیروز خان اور شمشیر خان کے درمیان صلح ہوجانے سے سدہنوں کی جمعیت بہت سی پولیٹیکل مصلحتوں کے سبب پہلے ہی گھبرارہی تھی اور نیز جمعداروں نے جو ایک مستقل اور خود مختار ریاست قائم کرنے کی فکر میں لگے ہوئے تھے، اس موقع کو غنیمت سمجھا اس لئے مہاوڑ کی تسخیر میں انھوں نے جانیں لڑادیں۔ مہاوڑ کے لینے سے ان کی غرض یہ تھی کہ اسکو اپنا دارالریاست مقرر کرکے اطراف و جوانب میں اپنی حکومت پھیلادیں اور آہستہ آہستہ تمام مہواسی زمینداروں کو اپنا مطیع کرکے ان کے حقوق بھی چھین لیں اور اپنے ملک کی حدود بڑھائیں۔ چنانچہ انھوں نے مہاوڑ پر قبضہ قائم رکھنے کے لئے جابجا تھانے بٹھاکر ایسا مضبوط انتظام کیا کہ مہاوڑ کے زمیندار باوجود جان توڑ کوشش کے اپنی آبائی جاگیر کے حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

مہاوڑ کا قبضہ سے نکل جانا — مہاوڑ کے زمینداروں نے جب دیکھا کہ ہماری موروثی جائداد ہمارے ہاتھوں سے

نکل گئی اور ہماری ذاتی کوشش اب بالکل بے سود ہے تو انھوں نے مہاراجہ ایڈر سے میل جول بڑہایا اور انکے توسل سے سرکار گائکواڑ تک رسائی پیدا کرلی اور اپنی رام کہانی سنا کر مدد کی درخواست کی ۔
جمعداروں کو جب یہ کیفیت معلوم ہوئی تو انھوں نے اسی میں مصلحت سمجھی کہ مہاوڑ سے دست بردار ہوجائیں۔ چنانچہ وہاں سے فوراً اتھانے اُٹھالیے گئے۔

گائکواڑ کی فوج سے مقابلہ

سمت ۱۸۶۲ مطابق ۱۸۰۶ء یا ۱۲۲۱ھ اسکے دوسرے برس سرکار گائکواڑ کی فوج کے ساتھ جو حسب معمول پیشکش (کھنڈنی) وصول کرنے کے لیے آئی تھی مقابلہ ہوا۔ اسوقت سرکار گائکواڑ کو پیشکش دینا ریاست کے ذمہ کچھ مقرر نہ تھا جب کبھی گائکواڑ کی فوج پیشکش لینے کو آتی تو ایک آدہ ٹکر لڑ کریا تو اسکو بھگا دیا جاتا تھا یا ریاست کی طرف سے کچھ دے دلا کر صلح کرلی جاتی تھی ۔

جب اس سال بھی گائکواڑ کی فوج پیشکش لینے کو آئی تو فیروزخان مقابلہ کے لیے تیار ہوگئے چنانچہ ۷ شوال کو موضع میٹرو کے میدان میں طرفین کے لشکر آمنے سامنے مقیم ہوئے ۔ اس روز دیوان فیروزخان کی طبیعت کسلمند تھی.. ارادہ تھا کہ لڑائی آج ملتوی رکھی جائے ۔ اتنے میں گائکواڑ کے بہیر والوں نے جن کو یہاں کی زبان میں "دکاہی" کہتے ہیں آس پاس کے دیہات میں لوٹ مار مچادی۔ کلبی یعنی کسان پریشان ہوکر روتے پیٹتے فیروزخان کے لشکر میں آئے اور ان کو لڑائی پر آمادہ کرنے کے لیے ایسے جوش دلانیوالے کلمات کہے اور اسطرح فریاد وزاری کی کہ اسکے سُنتے ہی فیروزخان کی مردانہ جرأت اور دلیرانہ غیرت جوش میں آگئی ۔ انھوں نے لشکر کو فوراً کمر بندی کا حکم دیدیا اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے لیکن افسران فوج نے سمجھا بجھا کر روکا اور بہیر والوں کی مدافعت کے لیے منتخب سواروں کا ایک

۱۵؎ کہتے ہیں کہ فیروزخان کی دونوں بغلوں میں کھکوریاں نکل آنے کی وجہ سے انھیں سخت تکلیف تھی۔ لیکن جب فریق مخالف کی طرف سے زیادتی دیکھی تو اسقدر جوش پیدا ہوا کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ کھکوریاں پھوٹ گئیں اور فیروزخان میدان کارزار میں مقابلہ کے لیے آموجود ہوئے ۱۲۔ مولف

دستہ روانہ کیا۔

جب یہ سوار بھیرواں کو لوٹ کھسوٹ سے روکنے پہنچے تو ایک طرف سے ہراول کے سوار اور پیدلوں نے انکا سامنا روکا اور دوسری جانب ایک ٹیلہ پر سے توپخانہ نے گولہ باری شروع کردی۔ قضارا ایک گولہ سید طاہر[۵۱] عرف میاںجی صاحب کی ران میں لگا جو سواروں کے پرے سے پیشقدمی کئے بڑھے چلے جارہے تھے۔ یہ دیکھکر فیروزخان آگ ہوگئے اور شعلہ کی طرح بھڑک کر لشکرِ مخالف پر جاپڑے۔ فوج نے جب اپنے والی اور سردار کو اسطرح بےجگری کے ساتھ میدانِ جنگ میں گھستے ہوئے دیکھا تو ایسی جان توڑکر لڑی کہ دم کے دم میں توپ و تفنگ سے گزرکر ڈھال تلوار اور چھری کٹاری پر نوبت آگئی۔ اسقدر جم کر لڑائی ہوئی کہ سوار سواروں سے اور پیدل پیدلوں سے گتھ گئے۔ آخرکار گائکواڑ کے لشکر کو شکست ہوئی اور مرہٹے پشت دکھاکر بھاگ گئے۔

ایک افسر کا قتل اور سورج مکھی کا چھین لینا

پانڈرے افسر بھی گائکواڑ کے لشکر میں شامل تھے۔ جب انھوں نے دیکھا کہ ادھر تو فوج کے قدم اکھڑ گئے اور ادھر حریف تلواریں مارتا ہوا بڑھا چلا آرہا ہے تو اپنے قدیم دستور کے موافق گھوڑوں سے کود پڑے۔ زین پوش بچھا لئے اور دانتوں سے زین پکڑکر مرنے مارنے پر تیار ہوگئے۔ دیوان فیروزخان لڑتے بھڑتے اور صفوں کو چیرتے ہوئے پانڈرے افسروں کے قریب جا پہنچے۔ دیکھا کہ ایک مرہٹہ سردار سورج مکھی کے سایہ میں نیزہ تانے گھوڑے پر سوار کھڑا ہوا ہے اور دونوں طرف چنور ہل رہے ہیں۔ قرینے سے معلوم ہوتا تھا کہ فیروزخان کی گھات میں ہے۔ انھوں نے گھوڑے کو دبایا اور اس کے سر پر پہنچکر ایک ہی وار میں گاجر کی طرح دو ٹکڑے کرکے ڈال دیا اور نوکروں سے چنور اور سورج[۵۲] مکھی بھی چھین لی۔ ہمراہیوں میں سے دولت خان پولادی اور نہار خان پٹھان، دو سپاہی اس جان جوکھوں کے

---

۵۱ سید صاحب میرے بزرگوں میں سے ہیں ۱۲۔ مولفہ

۵۲ یہ سورج مکھی اسوقت تک ریاست میں موجود ہے ۱۲۔ مولفہ
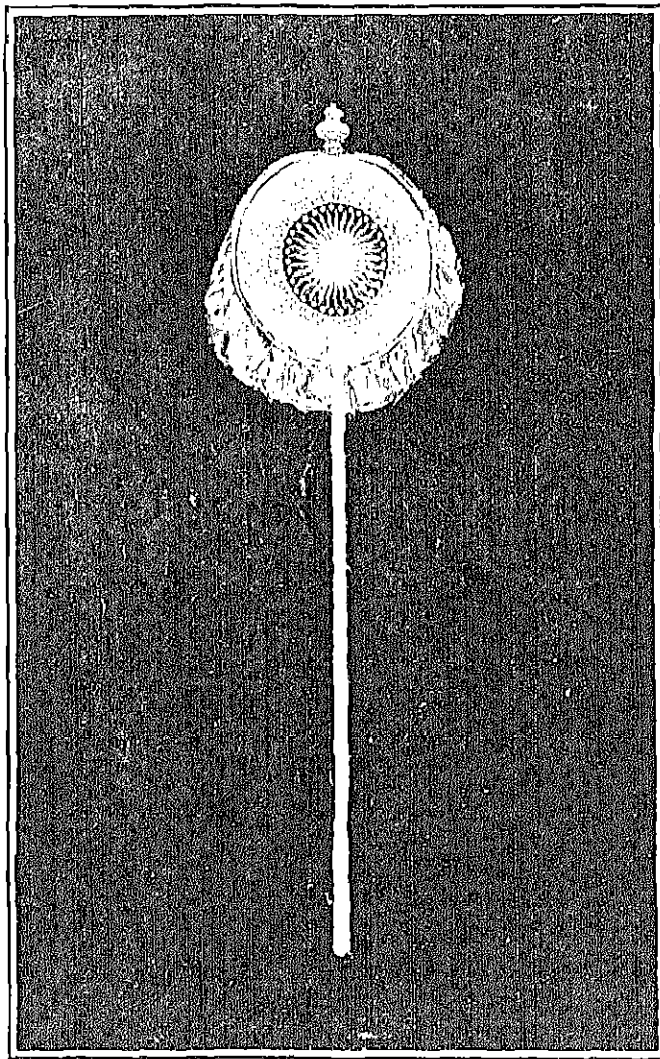
سورج مکھی

موقع پر فیروز خان کے ہمراہ تھے۔ ان میں سے ایک نے چنور ہاتھوں میں لے لئے اور دوسرے نے سورج مکھی کا سایہ انکے سر پر کیا۔ القصہ فیروز خان فتحمندی کے ساتھ فتح کا ڈنکہ بجاتے ہوئے اپنے فرودگاہ میں داخل ہوئے۔

فریقین میں مصالحت

دوسرے روز اراکین ریاست کی صلاح و مشورت سے یہ قرار پایا کہ گانکواڑ کے افسر فوج کو مصلحت آمیز صلح کا پیغام بھیجا جائے۔ چنانچہ پیام صلح کے ساتھ ریاست پالن پور کی طرف سے پیشکش کی جو رقم پیش کی گئی، اسنے چپ چپاتے بلاتامل منظور کرلی اور اس شکست سے گانکواڑ والوں کو جو ندامت ہوئی تھی کینہ بن کر کچھ مدت کے لئے مصلحت اندیشی کے پردے میں چھپ گئی۔

ڈیسہ پر لشکر کشی کی تیاری

سمت ۱۸۶۴ مطابق ۱۸۰۸ء / ۱۲۲۴ھ میں شمشیر خان کے معاہدۂ صلح کی میعاد ختم ہوئی اور پھر کچھ ایسے اسباب پیدا ہونے لگے کہ طرفین سے لڑائی کی تیاریاں شروع ہوگئیں۔ بعض ملکی مصلحتوں سے یہ صلاح قرار پائی کہ شمشیر خاں سے پہلے پیشقدمی کر کے انکا راستہ روک لیا جائے۔ چنانچہ مودی خانہ، انبار خانہ اور میگزین وغیرہ کے مہتمموں کے نام رسد اور سامان جنگ کی تیاری کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ فوجی قوت بڑھانے کیلئے بلوچ۔ کھوسے اور سرائی وغیرہ سندھی اقوام کو کثرت سے بھرتی کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں ایک نہایت عمدہ لشکر تیار کرلیا۔

شمشیر خان کی پُرجوش تقریر

جب ان جنگی تیاریوں کی خبریں شمشیر خان کو پہنچیں تو انھوں نے بہاری۔ جالوری اتیت اور کولی وغیرہ اقوام کو جنہیں پہلے ہی سے ڈیسہ میں جمع کر رکھا تھا، دربار میں بلایا اور کہا کہ

"اے میرے وفادار اور جان نثار بہادرو! تمہاری ہمت و شرافت کی آزمایش کا یہی وقت ہے۔ اب مجھ پر برا زمانہ آگیا ہے۔ مال و جان سے گزر کر ننگ و ناموس اور خاندان کی آن بان پر آبنی ہے۔ اگرچہ تم حریف کے مقابلہ میں گنتی کے آدمی ہو مگر سب کے سب بہادر، شریف، جواں مرد اور تلوار کے دھنی ہو۔ اگر ہمت کرو اور جان کو آبرو کا صدقہ سمجھ لو تو

میدان تمہارے ہی ہاتھ ہے۔ سندھ کے مہم (ریچھ) کیا جان رکھتے ہیں کہ تمہاری تلواروں کے پانی میں تیر سکیں۔ تم ان کو خرگوشوں کی طرح ڈیسہ کے جنگلوں میں بھگا دوگے اور وہ بھیگی مرغی کی طرح کونے کھدروں میں چھپتے نظر آئیں گے۔ بہادر باپ کے بہادر سپوتو! میری لاج اور آبرو اب تمہاری تلوار کی دھار اور برچھے کی انی پر ہے۔ اگر اس وقت تمنے ذرا بھی جان چرائی اور دشمن کے مقابلہ میں ایک قدم بھی پیچھے ہٹے تو یاد رکھو کہ پھر ان کے پاؤں دور تک پھیل جائیں گے اور سب کو اسکا نہایت ہی برا نتیجہ دیکھنا پڑے گا"

شمشیر خان کی تقریر کا اثر — شمشیر خان کی اس مؤثر تقریر نے دلوں پر جادو کا کام کیا۔ بہادروں کے کلیجے جوش غیرت سے دھڑکنے لگے۔ حوصلہ مند جوانوں کی طبیعتیں بے چین ہوگئیں اور تلوار کے قبضوں پر ہاتھ رکھ رکھ کر بولے کہ

"حضور! آپ اسقدر کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ جبتک ہمارے قالبوں میں جان اور تلواروں میں دم ہے، ہم ہیں اور میدانِ جنگ۔ ڈیسہ کی فصیل کا ایک ایک کنگورہ ہمارے سر کے ساتھ ہے"

جیوٹ سپاہیوں کا یہ جوشیلا جواب سنکر شمشیر خان کو ڈھارس بندھ گئی۔ ان کی ہمدردی اور وفاداری سے ایسے خوش ہوئے کہ فرطِ محبت سے ایک سپاہی کی تلوار کا جو قریب ہی کھڑا ہوا تھا، قبضہ چوم لیا اور بآوازِ بلند تحسین و آفرین کہہ کر سب کو رخصت کیا۔

معرکہ آرائی — جب پالن پور کی فوج نے پیشقدمی کر کے ڈیسہ کو جا گھیرا تو شمشیر خان بھی لڑنے مرنے کے لئے تلوار اٹھا کر مقابلہ میں آ کھڑے ہوئے۔ مہینوں تک کشمکش و کوشش ہوتی رہی۔ دونوں طرف بہادر جان توڑ توڑ کر لڑتے رہے۔ کبھی اندر والے باہر والوں کو کچھ دور دباتے ہوئے لیجاتے تھے اور کبھی

باہر والے اندر والوں پر باوڈ الکران کو شہر بند کر دیتے تھے۔ اگر ایک دن سندھیوں نے جالوریوں کا کوئی مورچہ چھین کر کسی گاؤں کو لوٹ لیا تو دوسرے روز جالوریوں نے سندھیوں کے قلبِ لشکر پر شبخون مارا اور لڑتے بھڑتے دور تک جا پہنچے۔ وہاں سے جب سندھیوں نے قدم جما کر ہلہ کیا اور یا علی کا نعرہ لگاتے ہوئے جالوریوں کو ریلا تو ڈیسہ تک دم نہ لینے دیا۔ سیڑھیاں لگا لگا کر ڈھالیں چہروں پر لیے، تلواریں سونتے ڈیسہ کی فصیل پر چڑھ گئے تو اندر سے اس قدر تیر و تفنگ کا مینہ برسا کہ سندھیوں کے اوسان خطا ہو گئے۔

لشکر میں نااتفاقی اور اسکا نتیجہ

جب اس کشمکش میں زیادہ دن گزر گئے اور مدتِ محاصرہ نے طول کھینچا تو جمعدار فرید کو جو ہر روز کے جدال و قتال سے پریشان خاطر اور دل برداشتہ ہو رہا تھا، اسکے صلاح کاروں اور مشیروں نے لشکر کے پتاوت ٹھاکروں کی طرف سے بدگمان کر دیا۔ کسی پر بیوفائی کا الزام لگایا اور کسی پر سازش کا جرم قائم کرنا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ اسکا چرچا دیسی سپاہیوں کے کانوں تک پہنچا اور اب دیسی اور پردیسیوں میں رنجش پیدا ہو گئی۔ فیروز خان یہ حالت دیکھکر اور اس باہمی کاوش کا انجام سوچکر نہایت ہی متفکر ہوئے اور یہ خیال کر کے کہ "مبادا اسکا نتیجہ میرے ہی حق میں مضرت رساں نکلے" مصلحتِ وقت کو کام میں لائے اور محاصرہ اُٹھا لیا اور علاقہ دہاندہار میں سے بیس گاؤں تاوانِ جنگ میں دیکر پالن پور کے پیرزادوں اور راج پور کے مہنت کی ضمانت سے آپس میں صلح کا معاہدہ کر لیا۔

محاصرہ اُٹھا لینے کی وجوہات

فیروز خان کے محاصرہ اُٹھا لینے کی محض یہی وجہ نہ تھی کہ ان کے لشکر میں باہمی نفاق پیدا ہو گیا تھا بلکہ دورانِ محاصرہ میں کئی اور واقعات ایسے پیش آئے جنکی نحوست اور بدشگونی کے خیال نے فیروز خان کو محاصرہ اُٹھا لینے پر مجبور کیا۔ منجملہ آثارِ نحوست کے ایک زلزلہ تھا جس نے سخت نقصان پہنچایا۔ جابجا سے زمین شق ہو گئی اور صدہا مکانات مسمار ہو گئے۔ اس زلزلے نے فیروز خان کے بعض کہنہ خیال سرداروں پر ایسا وحشتناک اثر کیا کہ ایک سندھی ٹھاکر ملو خان جو بڑے دولت مند اور لشکر کے معزز ملازموں میں سے تھے، اپنا ڈیرا ڈنڈا اور سب مال و اسباب فقرا اور محتاجین کو خیرات کر کے تارک الدنیا ہو گئے۔ دوسرے

بیان کیا جاتا ہے کہ ان ہی ایام میں ایک آتشی بادل جس میں سے آگ کی چنگاریاں جھڑتی ہوئی نظر آتی تھیں گرجتا ہوا لشکر کے سر پر سے گزرا۔ غرضکہ ان ہیبت ناک مناظر قدرت نے لشکر والوں پر کچھ ایسا اثر کیا کہ وہ لڑائی کی طرف سے بالکل بددل ہو گئے اس لئے فیروز خان نے بھی محاصرہ اٹھا لینا قرین مصلحت سمجھا۔

پھول کنور سے نکاح محاصرہ اٹھ جانے کے بعد فیروز خان اپنے دارالریاست میں چلے آئے اور جسقدر نقصان اٹھایا تھا اسکی تلافی کی غرض سے انتظامات ریاست میں مصروف ہوئے۔ اسی اثنا میں فیروز خان نے جمعداروں کی تحریک سے پھول کنور ایک طوائف کو اپنے نکاح[۵۱] میں لا کر حرم سرائے میں داخل کیا اور موضع بھاگل (قریب پیپلی) اسکے پٹہ میں لکھ دیا۔

رقم پیشکش کا مقرر ہونا سمت ۱۸۶۵ مطابق ۱۸۰۹ء/۱۲۲۴ھ خواہ اسکے دوسرے برس گائکواڑ کا لشکر پیشکش وصول کرنے کے لئے پالن پور آیا اور اسکے افسر نے خراج کی بابت پچاس ہزار روپیہ سالانہ ادا کرنے کی نسبت ایک معاہدہ لکھوا لیا اور اسپر فیروز خان اور انکے معتمد اہلکار مہتہ جیٹھا ولد دیپا کے دستخط کرا لئے[۵۲]

جاگیردار پادر کی درخواست امداد سمت ۱۸۶۶ مطابق ۱۸۱۰ء/۱۲۲۵ھ میں دیوڑہ راجپوت شیرجی جاگیردار پادر علاقہ سروہی اپنے چچازاد بھائیوں سبل سنگھ اور سورج مل جاگیرداران ہٹانہ علاقہ مذکور کی سرکشی اور تکلیف دہی سے تنگ آ کر امداد و اعانت کی درخواست کے لئے پالن پور آیا۔ اسکی ایک لڑکی رتن بائی تھی۔ فرید جمعدار کا نوجوان لڑکا غلام حید رجو اسکے حسن وجمال کی تعریف چارنوں کی زبانی سنکر پہلے ہی سے اسپر فریفتہ تھا اس موقع کو لطیفہ غیبی

---

۵۱ اس طوائف کے علاوہ فیروز خان نے اپنی پہلی بیوی کے بعد جن سے فتح خان پیدا ہوئے تھے سمت ۱۸۵۳ مطابق ۱۷۹۷ء/۱۲۱۲ھ میں ایک شادی غوری پٹھانوں میں بھی کی تھی مگر یہ دونوں نکاحتا بیویاں بے اولاد رہیں اور فیروز خان کے انتقال کے بعد عرصہ تک زندہ تھیں۔ ان دونوں کے مرنیکے بعد ان کے پٹہ کے گاؤں فتح خان کے لڑکے عثمان خان اور احمد خان کی جاگیر میں شامل کر دئے گئے اور موضع جس لینی جو دیوان شیر خان کی بیوی دیوڑی جی بائی کے پٹہ میں تھا سکندر خان کی جاگیر میں دے دیا گیا۔ ۱۲۔ مولفہ

۵۲ جلد ششم تاریخ عہدنامجات میں اس عہدنامہ کی نقل مندرج ہے ۱۲۔ مولفہ

سمجھا اور مصارفِ فوجکشی کے عوض اس لڑکی کے ساتھ نکاح کی سلسلہ جنبانی کی۔ چنانچہ کسی قدر حجت کے بعد شیرجی نے یہ شرط منظور کرلی اور آپس میں نسبت و ناتہ کا رشتہ قرار پاگیا۔ دیوان فیروزخان نے بھی جمعدار فرید کی استدعا سے شیرجی کی مدد پر فوج بھیجنی منظور کرلی۔

جاگیرداران مساول و گرور کا امداد طلب کرنا

جب اس لشکرکشی کی خبر اطراف و جوانب میں پھیلی تو اودے سنگھ دیوڑہ جاگیردار مساول اور کانجی دیوڑہ جاگیردار گرور بھی فیروزخان کے پاس آئے اور صاحباںؔ[۱۵] لینبج کے پاٹوی کنور (ولیعہد) کے ظلم و ستم کی نالش کی اور ان کے جور و تعدی سے محفوظ رکھنے کی شرط پر مواضعات مساول۔ گرور۔ پامیرا۔ مونگ تھلا۔ واسٹرہ اور سابل واڑہ میں سے آدھا حصہ لکھ دیا۔

شیرجی کی امداد پر لشکرکشی

چونکہ شیرجی کی حمایت میں فوجکشی کرنا درحقیقت ریاست سروہی سے مقابلہ تھا اس لئے فیروزخان نے بھی بہت ہی بڑے پیمانہ پر سامانِ جنگ تیار کیا اور بڑی دھوم دھام کے ساتھ لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ سندھیوں کی زبردست جمعیت ہراول میں تھی اور قلب لشکر میں خود چیدہ سپاہیوں کو لئے ہوئے تھے۔

اس لشکرکشی کی خبریں جب میواسیوں تک پہنچیں تو کثرتِ فوج اور سامانِ جنگ کا حال معلوم کر کے ان کے دل دہل گئے اور ایسا رعب چھایا کہ فوج کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی اپنے ہاتھوں سے گھربار کو اُجاڑ کر جنگل اور پہاڑوں کے ویران غاروں اور دشوار گزار گھاٹیوں میں جا چھپے۔ یہی حال سبل سنگ اور سورج مل کا بھی ہوا۔ یہ دونوں بھائی بھی موضع بھٹانہ سے بھاگ کر پہاڑوں میں چلے گئے۔

شیرجی دیوڑہ کا قتل

اتفاقاً ایک روز شیرجی دیوڑہ جو فیروزخان کے ساتھ ساتھ لشکر کے ہمراہ جا رہا تھا کسی ضروری کام کے لئے لشکر سے جدا ہو کر اپنے گھر موضع پادر میں گیا۔ جفا پیشہ سبل سنگ اور سورج مل نے جو ایسے ہی موقع کی گھات میں لگے ہوئے تھے رات کے وقت حالت غفلت میں موضع پادر پر چھاپا مارا اور اپنے

---

[۱۵] لینبج کے جاگیردار کا لقب۔ ۱۲۔ لمولفہ

بے گناہ بھائی کو قتل کر کے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ جمعداروں کو جب اس ظالمانہ کاروائی کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے راتوں رات موضع بھٹانہ میں پہنچکر ان دونوں سفاک بدمعاشوں کو پکڑنے کی کوشش کی مگر چونکہ وہ فوراً ہی اپنی کمینگاہ میں جا چھپے تھے، کچھ پتہ نہ لگا۔ ناچار اپنے لشکر میں واپس چلے آئے اور چند تجربہ کار سپاہی ان ظالموں کے تعاقب میں روانہ کئے اور ان کے متوسلین اور لواحقین میں سے بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے پالن پور بھیجدیا۔

موضع گرور کیطرف کوچ — فیروز خان باغیوں کے گھر بار تاخت و تاراج کرتے ہوئے موضع پادر میں آئے اور تھانے قائم کر کے مفسدین کے فتنہ و فساد کا بندوبست کیا اور پھر کانجی دیوڑہ کی امداد کے لئے موضع گرور کی طرف روانہ ہوئے۔ لینبج کے صاحبان جی کا کنور موضع گرور ہی میں تھا۔ وہاں پہنچتے ہی پہلے اسی سے مڈبھیڑ ہوگئی کنور اول تو مقابلہ پیش آیا لیکن دو ایک چھوٹی چھوٹی ٹکروں کے بعد حواس باختہ ہو کر ایک خفیہ راستے سے بھاگنا چاہتا تھا کہ فیروز خان کی فوج کے سپاہیوں کے ہاتھ آگیا جو پابجولاں مقید کر لیا گیا۔ گو اس میدان داری میں خفیف سی لڑائی ہوئی تھی مگر اتفاقیہ طور پر بارود میں آگ لگ جانے سے بہت سی جانیں ضائع ہوگئیں۔ بات یہ ہوئی کہ جس مکان میں کنور تھا اسکی چھت پر بارود کے کئی کڑاہاؤ بھرے ہوئے رکھے تھے۔ جب کنور گرفتار ہوگیا تو فیروز خان کے لشکریوں میں سے جن جن کو لوٹ کی چاٹ پڑی ہوئی تھی، بارود کے کڑاہاؤں پر جا پڑے۔ گرمی ہنگامہ سے گھبرائے ہوئے تو تھے ہی بے احتیاطی کے ساتھ بارود کی کپیاں بھرنی شروع کردیں۔ اتفاقاً کسی سپاہی کی بندوق کے توڑے سے پتنگا اڑ کر کڑاہاؤں میں جا گرا۔ پتنگا گرتے ہی بارود کے تمام کڑاہاؤ بھڑک اٹھے مکان میں بھی آگ لگ گئی اور جسقدر آدمی مکان کے اندر تھے اجل بھن کر خاک سیاہ ہوگئے۔ اس فوجکشی میں ملک جمال، موضع فتح پور کے پٹاوت پہلی ہی ٹکر میں بندوق کی گولی سے نشانۂ اجل ہوئے تھے جو فیروز خان کے معزز اور ممتاز ملازموں میں سے تھے۔

فیروز خان کی معاودت — جب کنور قید ہوگیا تو اسنے بجز فیروز خان کی اطاعت اور آیندہ کے لئے ان کی مرضی کے

موافق اقرار وامداد کرنے کے کچھ چارہ نہ دیکھا مجبوراً اپنے بھائیوں کو آزار نہ پہنچانے کا عہد کیا اور اسکی پختگی و پابندی کے لیے ضمانت بھی دیدی - فیروزخان نے ضمانت لے کر کنور کو رہا کر دیا اور فتحمندی کے نقارے اور خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے دارالریاست پالن پور میں رونق افروز ہوئے۔

جمعداروں کی بدنیتی

سولہ برس تک دیوان فیروزخان نہایت کامیابی کے ساتھ ریاست پالن پور پر حکمران رہے۔ نیر اقبال اوج پر تھا جس طرف نظر اٹھائی فتح و فیروزی نے جھک کر سلام کیا۔ ان کی تلوار نے اچھے اچھوں کے چھکے چھڑا دئے تھے۔ بڑے بڑے سورما بہادروں نے ان کا لوہا مان لیا تھا۔ قرب وجوار میں ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا اور کسی میں ان سے میدان داری کی طاقت نہ تھی لیکن ان کے جلوس کے سترہویں سال نے شروع ہوتے ہی ایک نیا شگوفہ کھلایا۔ وہ جمعدار جنہوں نے فیروزخان کو مسند نشین ریاست کرکے اپنے حسن خدمت سے ریاست کو گلزار بنا دیا تھا اب فیروزخان کے حق میں کانٹے بونے لگے۔ غرور ونخوت کی ہوا سر میں سماگئی نیت میں فساد پیدا ہوگیا۔ دماغ میں یہ خیال فاسد آیا کہ اپنے ولی نعمت کو جان سے مار کر اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ایک جدید ریاست قائم کرنی چاہیے۔ گو ان کور نمک جمعداروں نے اپنے ان ارادوں سے دیوان فیروزخان کے ساتھ ہی انکے عالیشان خاندان کے خاتمہ کا بھی ارادہ کر لیا تھا مگر درحقیقت وہ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں میں کلہاڑی مار رہے تھے۔ وہ زمانہ کی گردش اور تقدیر الٰہی سے بالکل غافل تھے۔ انھیں "چاہ کن را چاہ درپیش" والی مثل یاد نہ تھی۔ انھیں یہ خبر نہ تھی کہ فیروزخان کا خون اس امر[۵] کے حق میں آب حیات ہو جائے گا اور پھر ان کا تمام خاندان آزادی کے ساتھ ہمیشہ مسند ریاست پر حکمراں رہے گا اور ہم اس عالم مکافات میں اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ اللہ اکبر ؎

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

---

[۵] یہ دعائیہ کلمہ حضرت مہدی موعود علیہ السلام کی زبان مبارک سے خاندان ہیتانی کی نسبت نکلا ہوا ہے۔ ۱۲۔ مولفہ

جمعدار راجیمن کا انتقال جمعداروں کے زوال کی پہلی سیڑھی تو یہ تھی کہ فیروزخان کی مسند نشینی کے ستر ہویں سال جمعدار راجیمن جو جمعداروں میں زیادہ تجربہ کار اور مآل اندیش تھا، پیوندزمین ہوگیا۔ اور تھوڑے ہی روز بعد جمعدار فرید بھی جسنے اپنی عمر کے پیمانے سے زمانہ کے نشیب و فراز کو خوب ناپ رکھا تھا ضعیف العمری اور ہجوم امراض کے سبب مسلوب الحواس بن گیا۔[۱] اب تمام کاروبار ریاست کا سیاہ وسفید اسکے نازپرودہ۔ نوجوان مگر ناتجربہ کار لڑکے غلام حیدر کے قبضہ واختیار میں آیا۔

غلام حیدر کی اٹھتی جوانی تھی۔ ریاست کا کاروبار جو قبضہ میں آیا، گھمنڈ اور خود پسندی دماغ میں سما گئی خوشامدی مصاحبوں نے عقل پر اور بھی پردے ڈال دیے۔ جو فاسد خیالات جمعدار راجیمن اپنے دل میں چھپائے ہوئے موت کی نیند سوچکا تھا اور جن منصوبوں کی اُدھیڑبن میں جمعدار فرید الجھ کر مخبوط الحواس ہوگیا تھا ان حضرت نے پورا کرنا چاہا۔ بلکہ اپنے کوتاہ اندیش صلاحکاروں سے مشورہ کرکے بزعم خود اس قصر دولت کی پائدار بنیاد کو اکھاڑ ڈالنے کی تدبیریں بھی کرلیں۔

فیروزخان کے قتل کی تجویز جب بارہ پھاگن سمت ۱۸۶۸ مطابق ۱۸۱۲ع ۱۲۲۷ھ دیوان فیروزخان نے اپنے ولیعہد صاحبزادہ فتح خان کی شادی مجاہدخان ملتانی جاگیردار دسارہ کی لڑکی امان بائی سے کی تو اسکے جشن کی تقریب میں جمعداروں نے خوشی کے جلسے کرنا اور اسمیں فیروزخان کو بلاکر باعزاز پیش آنا تجویز کیا۔ دیوان فیروزخان نے جنکو بصورت موجودہ ہرطرح ان کی خاطر منظور تھی، بلاتامل اس تجویز کو منظور کرلیا۔

فیروزخان کی شہادت یہ تصفیہ ہوجانیکے بعد جلسے شروع ہوئے۔ رفتہ رفتہ ماہ چیت بدی ۲ مطابق ۱۴ ربیع الاول سنہ منہ کو جمعدار سلیمان ابن خان محمد کی گوٹھ (جلسہ) کی نوبت آئی۔ اسنے موضع ورناواڑہ میں گوٹھ کا سامان کیا اور فیروزخان مع سندھی اور دیسی جمعداروں کے جو انکے رفیق خلوت وجلوت اور رکاب کے ملازم تھے وہاں تشریف لے گئے۔ ابھی دم بھی نہ لیا تھا کہ میزبانوں میں سے کسی نے ان کو مُکار کی ترغیب دی۔

[۱] دیوان فیروزخان کی شہادت کے بیس روز یا بروایت دیگر چالیس روز بعد جمعدار فرید کا انتقال ہوا۔ ۱۲۔ لمولفہ

اُنکے کہتے ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کمر باندھ کر ساتھ ہو لیے سندہی جمعداروں نے اپنے ہمقوم سندہیوں کے سوا جو اُنکے رازدار تھے، اور کسی کو ساتھ نہ لیا اور نہ فیروزخان کو اپنے معتمد ملازموں میں سے کسی کے ہمراہ لینے کا کچھ خیال ہوا۔ القصہ ان نمکحرام جمعداروں نے شکار کے بہانے سے موضع سیسرانہ اور ہٹرمیتہ کے سرحدی جنگل میں دیوان فیروزخان کو بندوق کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا۔

سندہی جمعداروں کی شقاوت کہتے ہیں کہ غلام حیدر نے دوسرے ننگ حوصلہ جمعداروں کی صلاح سے شکار جانے سے پہلے ہی چند شقی القلب سندہیوں کو اس ظالمانہ کارروائی کے لیے تیار کر رکھا تھا۔ انہیں سے جمعدار بھارا نے فیروزخان کو شکار کا بھلاوا دیکر بندوق کی گولی ماردی۔ دوسرے سندہی دادسیال نے چھُری بھونک کر زخم کو چیرا اور تیسرے سندھی غلام حیدر جوئیہ نے اپنی اوتری (گلے میں پہننے کا ایک قسم کا زیور) سے گلا گھونٹ ڈالا۔ لاش کمربند سے گاڑی میں کس دی اور بیلوں کو جنگل میں ہانک دیا۔

تجہیز و تکفین بیل جب گاڑی کو لیے ہوئے جنگل میں آوارہ پھرتے پھرتے وہاں آئے جہاں گوٹھ کا سامان تھا تو سب سے پہلے میٹھا پیروزشاہ، ایک دیسی بارگیر کی نظر اس گاڑی پر پڑی۔ اسکے کلیجے پر ایک گھونسا سا لگا۔ ہائے کا نعرہ مارا اور چلانے لگا کہ

"ارے یہ کیا غضب ہوگیا کن روسیاہوں نے اپنے ولی نعمت کا یہ درجہ کیا؟"

اس وحشت انگیز سانحہ کو دیکھتے ہی کہرام مچ گیا اور ہر طرف آہ وزاری کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ زاں بعد پالن پور میں لاکر لاش کی تجہیز و تکفین کردی گئی۔ ناظرین تاریخ بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ دیوان فیروزخان کی بیوی ماجی بائی اور ان کے متعلقین کے دلوں پر اُسوقت کیا گذری ہوگی جب بجائے فیروزخان کی سواری کے ان کا تابوت آتے ہوئے انھوں نے اپنی نظروں سے دیکھا ہوگا۔ بلاشبہ ایک ایسے رئیس کا واقعۂ قتل جس نے اپنی ہردلعزیزی اور منصفانہ برتاؤ سے تمام ملک اور رعایا میں بہت بڑی وقعت پیدا کرلی ہو، قیامت سے کم نہیں ہے۔

کہتے ہیں کہ شقاوت پیشہ جمعداروں نے جنکے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھے، فیروز خان کی شہادت کے بعد ان کے خلف الصدق فتح خان کو جنکی عمر اسوقت صرف تیرہ برس کی تھی اکسی گہری چال سے زیر حراست کر لیا تھا مگر خدا کی قدرت سے کچھ اسباب ایسے پیش آئے کہ ان کا یہ خیال بدل گیا اور فتح خان کو حوالات میں سے الگ کر کے بہت سی پولٹیکل مصلحتوں کی بنا پر فیروز خان کی تدفین کے بعد ہی اور بعض روایتوں کی رو سے دسویں کے روز مسند نشین ریاست کیا۔

توضیح واقعہ مرقومہ بالا واقعہ سے بادی النظر میں دو متضاد باتیں پیدا ہوتی ہیں یعنی اگر جمعداروں نے فیروز خان کو اس لئے شہید کیا کہ وہ ان کی ریاست پر قابض ہو کر بلا واسطہ حکومت کے مزے لوٹیں تو انکے لڑکے کو مسند نشین کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ فیروز خان کے ساتھ ان کے لڑکے کا کام بھی تمام کر دیتے اور ہمیشہ کا خدشہ مٹا کر بے خوف ہو جاتے لیکن انھوں نے ایسا کیوں نہیں کیا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ موافق اور مخالف دونوں کے دلوں میں پیدا ہو کر ہماری تاریخ کے ایک بہت بڑے واقعہ کو خلط مبحث بنا دیتا ہے مگر جن صاحب بصیرت ناظرین نے گزشتہ زمانہ کی تاریخوں کے صفحے الٹے ہونگے اور جنکی نظر کے سامنے سلطنتوں کے انقلاب کی تصویریں موجود ہونگی وہ اس واقعہ کو ہرگز قابل اعتراض نہ سمجھیں گے۔ بات دراصل یہ تھی کہ انھوں نے اُن منصوبوں کو پورا کرنا چاہا تھا جو جمعدار رحیمن اور جمعدار فرید کے ہاتھوں سے پورے نہ ہو سکے تھے جمعدار رحیمن اور جمعدار فرید اگرچہ ریاست پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے مدتوں سے موقع تلاش کر رہے تھے لیکن ان کا یہ ارادہ ہرگز نہ تھا کہ اپنے ولی نعمت کے نمک میں زہر گھولیں اور انکو اس بیرحمی سے ہلاک کریں جیسا کہ اس کوتاہ اندیش غلام حیدر اور اُسکے حواریوں نے کیا۔

جمعدار غلام حیدر اور اسکی ہاں میں ہاں ملانے والے لوگوں کی کوتہ اندیشی اور بوالہوسی سے قطع نظر اگر ہم ان قاتلوں کو اس واقعہ کے سرزد ہونیکے بعد دور اندیش اور عقلمند بھی کہیں تو بجا ہے کیونکہ جسوقت غلطی سے انھوں نے اپنے دلی ارادے کو پورا کر لیا اور اپنے تجربہ کار بزرگوں کے خیال کے خلاف فیروز خان کے

خون سے اپنا دامن بھگو لیا تو انھیں اس بدامنی اور شورش عام کا خوف پیدا ہو گیا جو ایسے موقعوں پر ہو جایا کرتا ہے اور جس خوف نے مرحوم جمعداروں کو اپنے ارادوں کے اظہار کا موقع نہ دیا تھا القصہ جب انھیں فیروزخان کی شہادت کے بعد چند قرائن سے یقین واثق ہو گیا کہ یہ واقعۂ قتل سرزمین پالن پور پر ایک غدرِ عظیم مچا کر ہماری تباہی و بربادی کے سامان پیدا کر دے گا تو انھوں نے اس خونِ ناحق پر خاک ڈالنے کے لئے فیروزخان کے کمسن لڑکے کو بزعم خود برائے نام وارثِ ریاست قرار دیکر مسند نشین کر دیا اور سمجھ لیا کہ جب لوگ اس واقعہ کو بھول جائیں گے اور مظلوم فیروزخان کے ورثا یا ہمدرد وغیرہ ہماری اس نمائشی کارروائی سے دھوکہ کھا کر ہمکو بے قصور اور خیرخواہ ریاست سمجھ لیں گے تو جس طرح اس شیر کو شکار کیا ہے، ایک دن اس بچہ پر بھی ہاتھ صاف کر دینگے اور پھر ہم ہی ہم ہیں[۵]۔ لیکن خدا کے کارخانہ میں کس کو دخل ہے بے قصور فیروزخان کی شہادت کا راز غلام حیدر اور اُسکے بداندیش صلاح کاروں کے خیال کے برخلاف بہت جلد طشت از بام ہو گیا جسکا بدیہی نتیجہ یہ ہوا کہ اس سفاکانہ کارروائی نے جمعداروں کو عوام کی نگاہوں میں بے وقعت اور ذلیل کر دیا اور ان میں اور خاندانِ ریاست میں نفاق و حسد کی آگ نے یہانتک شعلے بھڑکائے کہ

---

[۵] محض ریاست دبا لینے اور پالن پور پر فرمانروائی کرنیکے شرمناک ارادے سے جمعداروں کا دیوان فیروزخان کو قتل کرنا ایک مشہور عام واقعہ ہے لیکن بعض اشخاص کا یہ قول بھی ہے کہ جب دیوان فیروزخان نے دیکھا کہ جمعداروں کا تسلط اور قابو روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ امورات ریاست میں وہ سیاہ و سفید کے مالک ہیں۔ میں انکے مقابلہ میں ایک کٹھ پتلی کی طرح شطرنج کے شاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور کسی نہ کسی دن ان کی ہٹ دھرمی ضرور رنگ لانے والی ہے تو فیروزخان نے اپنے رشتہ دار دسارٹے کے چند ملتانی جاگیرداروں کو پالن پور بلا کر جمعداروں کی قوت گھٹانے کی خفیہ کارروائی کی جس کی خبر رفتہ رفتہ جمعداروں تک پہنچ گئی اور افسوس کہ اس ذراسی بات کے لئے ان نمک حرام کوتاہ اندیش۔ خودغرض اور بے رحم جمعداروں نے فیروزخان جیسے بہادر۔ خداترس۔ بیدار مغز۔ ذی اخلاق۔ بامروت اور قدرشناس رئیس کو بڑی سفاکی کے ساتھ جان سے مار ڈالا بہرحال خواہ طمع ریاست سے خواہ آپس کی مخالفت کے سبب جمعداروں نے اپنے مالک اور آقا دیوان فیروزخان کو شہید کر کے کورنمکی کا داغ قیامت تک اپنی پیشانی پر قائم کر لیا۔ ۱۲ المولف

ان کی آئندہ خیالی امیدوں پر بالکل پانی پھر گیا بلکہ ؏

خدا شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد

کے مصداق وہ کچھ ہوا جسکا ان کوتاہ اندیشوں کو گمان تک نہ تھا۔

اوصاف واخلاق

دیوان فیروزخان نہایت شجاع۔ قوی دل اور صاحبِ حمیت وہمت رئیس تھے۔ ان کا مقولہ تھا کہ

"حقیقی شجاع وہ شخص ہے جو اندھیری رات اور سنسان جنگل میں تنہا پڑا سوتا ہو۔ دشمن سرپر آدھمکے مگر جان کے خوف سے آبرو پر پانی نہ پھرنے دے۔ ہمت نہ ہارے اور حواسوں کے ساتھ تلوار کو قبضہ میں رکھے۔"

بادی النظر میں فیروزخان کا یہ مقولہ کسیقدر محدود خیالات کا نمونہ پیش کرتا ہے لیکن اگر ہم اُس زمانہ کے واقعات اور اُن رئیسوں کی اخلاقی اور تمدنی تعلیم پر نظر کرینگے تو فیروزخان کے اس مقولہ کو ضرورقدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ فیروزخان کے زمانہ میں تلوار کے دھنی جسکو بہادری سمجھا کرتے تھے وہ اسی قسم کی مثالوں میں نظر آسکتی ہے۔

اگر غور سے دیکھا جاتا ہے تو درحقیقت دیوان فیروزخان محض اپنی ذاتی شجاعت اور جوانمردی کی بدولت ایک ادنی حالت سے اس مرتبہ تک پہنچے تھے۔ دوسرے بہادر والیانِ ریاست کے ساتھ ان کا مقابلہ کرنے سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان میں کئی خوبیاں اُن سے زیادہ اور احسن تھیں۔ دیوان کریمدادخان اور شیرخان کے (جو اس ریاست کے فرمانرواؤں کی ذیل میں بڑے بہادر رئیس گزرے ہیں) خصائل کا موازنہ کرکے ہم بلا تامل کہہ سکتے ہیں کہ وہ (کریمدادخان اور شیرخان) حق فراموش۔ بےرحم خونخوار اور اپنی قوتوں کو بےموقع استعمال کرنے والے تھے۔ برخلاف ان کے دیوان فیروزخان نے خداترسی اور رحمدلی کے ساتھ رعایا کی پاسبانی اور حقوقِ ریاست کی نگہبانی میں اپنی تمام قوتوں کو صرف کیا۔ دیوان کریمدادخان

اور شیر خان کا خیال تھا کہ

"سوا ہمارے اور کوئی حقدار ریاست نظر ہی نہ آئے"

انجام اس خود پسندی کا یہ ہوا کہ خود ان ہی کی نسل منقطع۔ ان ہی کا گھر بار اُجاڑ اور ان ہی کے خاندان کا استیصال ہو گیا۔ دیوان فیروز خان کی نیت اور ان کا دلی منشا یہ تھا کہ

"جہاں تک ہو سکے اپنے زور بازو سے اقتدار حاصل کر کے لوگوں کو آرام پہنچایا جائے"

ثمرہ اس کا یہ ملا کہ ان کی نسل میں اس وقت تک ریاست قائم ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کے ساتھ قائم رہے گی۔

باب نہم

دیوان فتح خان ثانی ابن فیروز خان ثالث

جمعداروں کا تشدد

دیوان فیروز خان کی شہادت کے دوسرے دن یعنی ۱۵ ربیع الاول ۱۲۲۷ھ مطابق ۱۸۱۲ء سمت ۱۸۶۹ بکرمی کو اور بعض روایتوں سے دسویں کے روز فتح خان مسند نشین ریاست ہوئے۔ فیروز خان کی شہادت کے واقعہ سے خاندانِ ریاست کا ہر ایک ممبر کھٹک تو گیا ہی تھا مگر اب ان ناعاقبت اندیش جمعداروں کی ہر کام میں مزاحمت پیدا کرنے والی چھیڑ چھاڑ نے اور بھی آگ لگادی نتیجہ یہ ہوا کہ فیروز خان کی بیوی یعنی فتح خان کی والدہ ماجی بائی نے رات دن کی مصیبتوں سے تنگ آکر کچھ تو اس اندیشہ سے کہ اگر یہی رنگ ڈھنگ رہا تو کبھی یہ جفا پیشہ لوگ اپنے قدیم ارادوں کو پورا نہ کرجائیں اور کچھ اس خیال سے کہ جب ہم ریاست کے مالک اور حقدار ہیں تو غیروں کا دباؤ کیوں اُٹھائیں، جمعداروں کے آیندہ ظلم و ستم سے

دیوان فتح خان ثانی

بچنے اور ان کی قوت گھٹانے کے لئے کوشش کرنی شروع کی جب یہ حال جمعداروں کو معلوم ہوا تو انھوں نے حصولِ مدعا کی غرض سے پاس نمک کو بھی بالائے طاق رکھکر اپنے آقا اور ولی نعمت کی ستم رسیدہ بیوہ ماجی بائی کو مع فتح خان کے نظر بند کر لیا اور چیت سدی ۴ سمت ۱۸۶۹[۱] مطابق ۱۸۱۳ء ۱۲۲۸ھ کو ڈیسے شمشیر خان کو لاکر بارِ دگر مسندِ پالن پور پر بٹھا دیا۔

مسندِ ریاست پر فتح خان کا دوبارہ تقرر

فتح خان کے اہلکاروں نے جب یہ حال دیکھا تو آپس میں صلاح و مشورت کر کے سید داجی میاں، مہتہ مانا پھول چند۔ مہتہ جیٹھا دیپا اور مہتہ رائچند بیچر وغیرہ اراکین ریاست کو بڑودہ بھیجا اور استغاثہ پیش کیا۔ سر جیمس آر۔ کرناک صاحب بہادر ریذیڈنٹ بڑودہ، گائکواڑ کی فوج کا ایک دستہ سکھارام مہادیو کی ماتحتی میں لے کر مگسر (اگھن) سدی ۷ سمت ۱۸۷۰ کو پالن پور آئے فتح خان کو جمعداروں کی قید سے چھڑایا اور انکی دردانگیز سرگزشت سنکر پہلے تو یہی ارادہ کیا کہ ان کو مسند نشین کر دیا جائے لیکن پھر اس خیال سے کہ فتح خان ابھی کم سن ہیں ان سے انتظام ریاست نہو سکے گا اور شمشیر خان اپنے طرفداروں کے بل پر ہمیشہ فساد مچاتے رہیں گے، طرفین کی دلجوئی مناسب سمجھی اور فتح خان کو مسند نشین ریاست ٹھیرا کر مہتہ ڈونگر سی پھوپچند کا تقرر عہدۂ وزارت پر کیا اور انتظاماتِ ریاست کا ذمہ دار مصلحتاً شمشیر خان کو قرار دیا اور چونکہ شمشیر خان لاولد تھے اس لئے مقرر کیا گیا کہ کل تحریرات میں دیوان فتح خان ولد شمشیر خان لکھا جائے نیز آیندہ کے لئے اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی بابت پوس سدی ۲ سمت ۱۸۷۰ کو ایک عہدنامہ (جس میں تیرہ شرطیں تھیں) لکھوا کر فریقین کے دستخط کرا لئے۔

---

[۱] اس سال ایک عالمگیر قحط واقع ہوا تھا جسکو یہاں کے لوگ "اگنوترا کال" کہتے ہیں۔ اس قحط کے زمانہ میں جوار اور باجرے کا نرخ فی روپیہ گیارہ سیر ہو گیا تھا۔ اسی نرخ سے سرکار کیطرف سے اناج خریدا جاتا تھا اور غربا کو سولہ سیر کا دیا جاتا تھا جس مقام پر سرکاری اناج کا انبار تھا اور جس جگہ ارزاں قیمت محتاج اور قحط زدہ رعایا کے ہاتھ یہ اناج فروخت کرنیکے لئے دکانیں قائم کی گئی تھیں وہاں اب ایک چھوٹا سا بازار بن گیا ہے جو "دکال کوڑی" کے نام سے مشہور ہے ۱۲ المولف

فتح خان کا استغاثہ

اس عہدنامہ کو لکھے ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ شمشیر خان اور فتح خان میں نا اتفاقی پیدا ہوگئی اور فتح خان کی طرف سے بڑودہ میں یہ نالش کی گئی کہ "شمشیر خان اپنے عہد وپیمان سے منحرف ہوکر بطور خود اپنے متوسلوں کو دیہات کے پٹے اور انعامی گاؤں دے رہے ہیں ان کی اس بے اعتدالی اور فضول خرچی سے ریاست زیر بار ہوتی چلی جاتی ہے اور رعایا پر بھی غیر واجب دباؤ ڈال کر روپیہ وصول کیا جاتا ہے جس سے وہ تنگ اور دل برداشتہ ہو رہی ہے"۔ رزیڈنٹ صاحب بڑودہ نے شمشیر خان کے اہلکاروں کو عہدنامہ کے موافق عملدرآمد کرنے کے لئے ہدایت کرکے بہت کچھ زور دیا لیکن ان کی طرف سے کچھ توجہ نہ ہوئی مجبوراً سمت ۱۸۷۳ میں رزیڈنٹ بہادر نے ایک یوروپین افسر روبنسن کو شمشیر خان کی فہمائش کے لئے پالن پور بھیجا۔

روبنسن صاحب نے پالن پور آکر شمشیر خان کو ہر ایک پہلو سے بہت کچھ سمجھایا اور خیرخواہانہ نصیحت بھی کی لیکن "یہ وہ نشہ نہ تھا جسے ترشی اُتارتی" کچھ بھی اثر نہ ہوا۔ ناچار بے نیل و مرام انھوں نے واپسی بڑودہ کا ارادہ کیا لیکن فتح خان کو سرکار کے ظل حمایت میں رکھنا مناسب سمجھا اسلئے اپنے ہمراہ سیدھ پور لے گئے اور سیدھ پور کے مہنت امرپری کی جائے سکونت جس کو "موٹا مٹھ" کہتے ہیں ان کے قیام کے لئے تجویز کی بعدہٗ مہنت امرپری کو ان کی حفاظت و دلدہی کے لئے فہمائش کرکے خود بڑودہ چلے گئے اور تمام کیفیت رزیڈنٹ صاحب کے حضور میں ظاہر کی۔

شمشیر خان کا نذر پیشکش دینے سے انکار

روبنسن صاحب کی زبانی تمام حالات سنکر رزیڈنٹ بہادر تو خدا معلوم کس خیال سے خاموش ہو رہے۔ مگر شمشیر خان کی فسادی طبیعت نچلی نہ بیٹھی اور اس واقعہ کے تھوڑے ہی دن بعد ان سے ایک اور حرکت سرزد ہوئی یعنی سرکار گائکواڑ کو پیشکش کا روپیہ ادا نہ کیا یہ امر ایسا قبیح تھا کہ جس نے شمشیر خان کی بدانتظامی اور بدچلنی کا حکام انگریزی کو پورا پورا یقین دلادیا چنانچہ رزیڈنٹ بہادر بڑودہ نے مسٹر روبنسن کو دوبارہ مع ایک چیدہ لشکر کے پالن پور بھیجا تاکہ انتظام ریاست میں دست اندازی کرکے ان تمام خرابیوں کو دور کردیں

جو شمشیر خان کی بد انتظامی سے پھیلتی جاتی تھیں۔

شمشیر خان کا مسند ریاست سے بیدخل کیا جانا

مسٹر روبنسن ۲۲ اگست ۱۸۳۴ء کو سیدھ پور آئے اور شمشیر خان کو خط کے ذریعے بلا کر کہا کہ

"چونکہ تم اپنے عہد و پیمان پر قائم نہیں رہے اور سرکاری احکامات کی تم نے کچھ پروا نہیں کی اس لئے سرکار کمپنی کا حکم ہے کہ تم پالن پور چھوڑ کر ڈیسہ میں سکونت اختیار کرو۔ پرگنات ڈیسہ، دہانیرہ اور گولہ مع مواضعات متعلقہ کے جو قدیم سے تمہاری جاگیر میں ہیں تمہارے گزارہ کے لئے چھوڑ دیے جائیں گے کیونکہ ریاست پالن پور آج سے بالکلیہ دیوان فتح خان کے سپرد کی جاتی ہے۔"

شمشیر خان کی حکمت عملی

شمشیر خان اس حکم کے سنتے ہی سُن ہو گئے۔ کچھ سوچ کر سرکار کے حکم کو تسلیم کیا اور پندرہ روز کی مہلت مانگی۔ مسٹر روبنسن نے شمشیر خان کو پندرہ روز کی مہلت دیدی اور خود کسی سرکاری ضرورت سے بڑودہ چلے گئے۔ اس اثنا میں موقع پا کر شمشیر خان نے حیات خان وغیرہ بہاری اور جالوری ٹھاکروں کی صلاح سے یہ تجویز کیا کہ فتح خان کے ساتھ اپنی لڑکی لاڈو بائی کی شادی کر دینی چاہیے۔ شمشیر خان کا خیال تھا کہ اس جدید رشتہ سے فتح خان میرا مطیع اور فرمانبردار ہو جائیگا چنانچہ روبنسن صاحب کی عدم موجودگی میں فتح خان کے پاس گئے ڈھال تلوار کھول کر ان کے روبرو رکھدی اور نہایت عاجزی سے کہا کہ

"بیٹا! اب میری آبرو تمہارے ہی ہاتھ ہے۔ میں تمکو یقین دلاتا ہوں کہ آئندہ ہمیشہ کے لئے تمہارا خیر طلب اور بہی خواہ رہونگا۔ تمہاری خاطر کو ہر طرح عزیز اور تمہاری مرضی کو اپنی خواہش پر ہر حالت میں مقدم رکھوں گا اور تمہاری طمانیت مزید کے لئے میں اپنی لڑکی کی نسبت تمہارے ساتھ کئے دیتا ہوں تا کہ جو پردہ مغایرت باقی ہے وہ بھی اُٹھ جائے اور میری نیک نیتی میں

کوئی شبہ نہ رہے۔"

شمشیر خان کی ان چکنی چپڑی باتوں پر فتح خان کا ناتجربہ کار اور بھولا دل کچھ اس طرح پھسل پڑا کہ شمشیر خان کے ساتھ انھوں نے جو جو شرائط کرنی چاہی تھیں ان کا بھی خیال جاتا رہا۔

شمشیر خان کی معزولی

اگرچہ فتح خان کی والدہ ماجی بائی نے شمشیر خان کے ساتھ خفیہ مصالحت کرنے کی نسبت جس میں سرکار انگریزی سے مخالفت کا اشتباہ پیدا ہونیکا احتمال تھا فتح خان کو بہت منع کیا لیکن شمشیر خان کے عاجزانہ کلمات اور موثر فقروں نے فتح خان کو مجبور کر دیا۔ اسلئے اُن سے شمشیر خان کی درخواست منظور کر لینے کے سوا اور کچھ نہ بن پڑا۔ ادہر تو شمشیر خان اور فتح خان پالن پور آئے اور اُدہر روبنسن صاحب کی جگہ کیپٹن مائلس صاحب فوج کے افسر مقرر ہوئے۔ انھوں نے شمشیر خان کو سیدھ پور بلایا لیکن شمشیر خان نے وہاں جانے سے صاف انکار کر دیا۔

کیپٹن مائلس صاحب نے ۱۰ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو شمشیر خان کے نام اس مضمون کا ایک خط لکھا کہ

"آجتک سرکار انگریزی نے ہر طرح سے تمہاری رعایت کی لیکن اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود متواتر طلبیوں کے تم ایک دفعہ بھی حاضر نہوئے اسلئے حسب الحکم سرکار انگریزی اس عدول حکمی کے جرم میں تمکو پالن پور سے الگ کر دینے کے علاوہ ڈیسہ اور دہانیرہ سے بھی بیدخل کر دیا جاتا ہے۔ اگر آئندہ تم سرکار ذوالاقتدار کے مطیع اور فرمانبردار رہنے کا یقین دلاؤ گے تو تمہاری گزر اوقات کے لئے حسب ضرورت بندوبست کر دیا جائیگا مگر سب سے پہلے تم کو رزیڈنٹ بڑودہ کے حضور میں حاضر ہونا چاہیے۔ نیز یہ بھی یاد رہے کہ جس وقت تک سرکاری فوج پالن پور میں داخل نہیں ہوئی، تمہارے لئے یہ انتظام ہو سکتا ہے ورنہ بعد میں کف افسوس ملنے کے سوا اور کوئی نتیجہ برآمد نہو گا۔"

شمشیر خان کا انگریزی فوج سے مقابلہ

شمشیر خان کے سر میں تو کچھ اور ہی ہوا سمائی ہوئی تھی، وہ اس تہدید نامہ کو بھی خاطر

ہیں نہ لائے بلکہ لڑنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس اثنا میں سرکاری فوج پالن پور آپہنچی۔ شمشیر خان بلا سوچے سمجھے شہر سے نکل کر صف آرا ہوئے۔ چونکہ فتح خان اسوقت ان کے بس میں تھے اسلئے ان کو بھی مجبورًا ان کا ساتھ دینا پڑا اور وہ بھی شمشیر خان کی رفاقت میں سرکاری فوج کے مقابلہ پر آکھڑے ہوئے۔ لڑائی شروع ہوئی اور کچھ دیر تک نہایت جوش و خروش کے ساتھ میدان گرم رہا۔ کہتے ہیں کہ عین معرکہ کارزار میں شمشیر خان افیون کھانے کے لئے ہاتھی سے نیچے اترے۔ پالن پور کی فوج نے جب ان کو ہاتھی پر نہ دیکھا تو یہ سمجھکر کہ ہمارا سردار مارا گیا، اسکے پاؤں اکھڑ گئے یہ دیکھکر شمشیر خان بھی فتح خان کو ساتھ لے کر بھاگ کھڑے ہوئے

شمشیر خان کی فوج کے قدم اکھڑتے ہی سرکاری لشکر دو حصوں میں منقسم ہوگیا۔ ایک حصہ سلیم پورہ کے دروازہ سے ہوتا ہوا پالن پور کی مشرقی جانب پہاڑوں کا راستہ روکنے کو پھیل گیا اور دوسرے حصے نے شہر میں داخل ہو کر شمشیر خان کا تعاقب کیا۔ قریب تھا کہ شمشیر خان فوج کے نرغہ میں گھر جائیں کہ کاشمیری مسجد کے قریب جہاں راستہ تنگ ہے شمس خاں مغلانی ایک بہاری ٹھاکر نے سینہ سپر ہو کر فوج کا آگا روکا۔ شمشیر خان تو فرصت پاکر تیز قدمی سے نکل گئے مگر شمس خان بڑی بہادری کے ساتھ اپنے ولی نعمت پر نثار ہو گیا۔

اس بہاری ٹھاکر کے قتل کے بعد سواروں نے تاشے والے دروازے کے قریب شمشیر خان کو پھر آگھیرا حسن اتفاق سے یہاں بھی ایک جان نثار ٹھاکر تاج خان خربانی ان سواروں کے مقابلہ میں اڑ گیا اور نہایت ہی دلیری کے ساتھ سرکاری فوج کو روکے ہوئے لڑتا رہا۔ مثل مشہور ہے کہ "دو اکیلا چنا بھاڑ کو نہیں پھوڑ سکتا"! سورما سہی، اگر کیا کرتا۔ آخر لڑ بھڑ کر وہیں ڈھیر ہو گیا، لیکن اس عرصہ میں شمشیر خان تیزی کے ساتھ ڈیسہ کی طرف نکل گئے۔ سرکاری لشکر بھی قضا کی طرح ان کے پیچھے ہی پیچھے تھا۔ اسلئے جب ان کو ڈیسہ میں بھی پناہ کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو فتح خان کو ہمراہ لے کر ویرم پور کے پہاڑوں میں جا چھپے۔

سرکاری دفتر کا جل جانا

کہتے ہیں کہ جب شمشیر خان نے روبنسن صاحب سے پندرہ روز کی مہلت لی ہے تو اُس وقت خدا معلوم کس مصلحت سے اور کیا سوچکر ریاست پالن پور کا تمام دفتر جس میں شاہی اسناد و فرامین اور علاقہ جالور و پالن پور کے بھومیہ ٹھاکروں اور باجگزار زمینداروں کے عہدنامے۔ شقے اور بہت سے کارآمد تاریخی حالات و واقعات اور دوسرے ضروری کاغذات شامل تھے، مع خزانہ و اسلحہ وغیرہ کے ڈیسہ بھجوا دیا تھا۔ اب جو یہ ڈیسہ چھوڑ کر پناہ کے لیے پہاڑوں میں بھاگنے لگے تو اس خیال سے کہ مبادا یہ تمام مال و متاع دشمنوں کے ہاتھ آجائے، فوج کو اسکے لوٹ لینے کا حکم دے دیا۔ لوٹ کی مار مار میں کسی سپاہی کی بندوق کے توڑے سے توشہ خانہ میں آگ لگ گئی جس سے آناً فاناً میں تمام عمارت خاک سیاہ ہوگئی اور افسوس کہ دفتر بھی جو ریاست کا قیمتی خزانہ سمجھا جاتا ہے سب کا سب جل کر نیست و نابود ہوگیا۔ کوتہ اندیش شمشیر خان نے اس جاہلانہ کارروائی سے صرف اپنی ہی زندگی کو خراب نہیں کیا بلکہ پشتہا پشت کے جمع کیے ہوئے خزانہ کو غارت کرنے کے علاوہ اس ریاست کے قدیم و جدید دفتر کو بھی خاک میں ملا دیا۔

فتح خان کی مستقل مسند نشینی

شمشیر خان ویرم پور کے پہاڑوں میں پناہ پذیر ہوکر بھی نچلے نہ بیٹھے۔ تقدیر میں خراب ہونا تھا، پالن پور کے علاقہ میں لوٹ مار شروع کردی بلکہ ان کی ترغیب سے مہواسی کولیوں نے بھی پندرہ گاؤں لوٹ لیے اور تین گاؤں میں آگ لگا دی جب یہ حال دیکھا تو کیپٹن مائلس صاحب نے ان کی سرکوبی کے لیے کچھ فوج روانہ کی شمشیر خان فوج کے آنے کی خبر سنکر ویرم پور سے بھی نکل گئے اور لیلنج علاقہ سروہی میں جا رہے لیکن چونکہ فتح خان کی گردش کا زمانہ ختم ہوچکا تھا ان کا دل شمشیر خان کی رفاقت سے اُچاٹ گیا اور وہ ان سے علیحدہ ہوکر خفیہ طور پر پالن پور چلے آنے کی تیاری کرنے لگے اسی اثنا میں کیپٹن مائلس صاحب نے فتح خان کے معتمدین سید داوجی میاں اور موتی مہتہ وغیرہ پر فتح خان کے بلانے کی تاکید کرنی شروع کی انھوں نے سکھارام باروٹ ایک بھاٹ ساکنہ موضع محمد پور کو فتح خان کی

جستجو کے لئے روانہ کیا چنانچہ یہ بھاٹ کوہستان ویرم پور کی گھاٹیوں میں فتح خان سے اسطرح جا ملا کہ شمشیر خان کو کانوں کان خبر بھی نہوئی اور جب بھاٹ نے فتح خان کو مسند نشینی کی خوشخبری سنائی تو وہ بلا درنگ بھاٹ کے ساتھ ساتھ مائلس صاحب کی خدمت میں آ حاضر ہوئے۔ صاحب موصوف نے حسب الحکم سرکار کمپنی بہادر ابتدائے نومبر ۱۸۱۷ء عیسوی میں دن کے گیارہ بجے مسند ریاست پر متمکن کر دیا۔

فتح خان نے مسند نشین ہوکر کاتک بدی ۱۴ سمت ۱۸۷۴ مطابق ۲۸ نومبر ۱۸۱۷ء کو سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ نو دفعات کا عہدنامہ کیا اور اسی سال کاتک بدی ۱۱ دس کو اس معاہدہ کے متعلق مہاراجہ فتح سنگھ راؤ گائکواڑ کو خط لکھا بعد ازاں فتح خان کی درخواست سے یہ قرار پایا کہ موتی مہتہ مدار المہام ریاست اور باپا پارکاٹ وکیل گائکواڑ پالن پور کے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ کیپٹن مائلس صاحب کی صلاح و مشورت سے کاروبار ریاست کو انجام دیتے رہیں۔

سرکار انگریزی کی کفالت | جب دیوان فتح خان مسند نشین ریاست ہوئے تو ۵ لاکھ اسی ہزار دو سو ستاسی روپیہ شمشیر خان کے کرتوتوں کی بدولت ریاست کے ذمہ اتیتوں کا قرض تھا پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے اس قرضہ کے ادا کرنے کا یہ انتظام کیا کہ احمد آباد کے نگر سیٹھ وکھت چند خوشحال چند کی فوطہ داری کی دوکان سمت ۱۸۸۳ بھادوں سدی ۱۳ کو برٹش سرکار کی کفالت سے پالن پور میں قائم کی اور اس دوکان پر ریاست کی آمدنی جمع ہونے کا قاعدہ مقرر کیا۔ غرضکہ اس خوش تدبیری سے چند سال میں یعنی سمت ۱۸۹۲ تک تمام قرضہ ادا ہوگیا مگر سرکار انگریزی کی کفالت بدستور موجود رہی۔

شمشیر خان کو عطیہ جاگیر | فتح خان کی مسند نشینی کے بعد جب شمشیر خان ہر طرف سے مجبور ہو گئے تو سیلنج سے کیپٹن مائلس صاحب کے نام ایک خط لکھکر اپنے لئے کچھ بندوبست کر دینے کی استدعا کی اور مہتہ نانا پھول چند اور کوٹھاری دولا ہیرا چند وغیرہ اپنے معتمد اہلکاروں کو بھی زبانی عرض معروض کرنے کے لئے بھیجا۔

مائلس صاحب نے رپورٹ کرکے سرکار کمپنی کا منشار دریافت کیا بعد ازاں مذکورہ بالا اہلکاروں کے توسط سے ۱۴ مارچ ۱۸۱۸ء کو لینبج سے شمشیر خان کو موضع سدرپور میں بلاکر سرکاری حکم سنایا اور متنبہ کیا کہ "تم کو پچیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملا کرے گا لیکن اس معاملہ کی بحث و پرچہ کے لئے رزیڈنٹ صاحب بڑودہ کے حضور میں تمہارا جانا ضروری ہے"

شمشیر خان کا انتقال

شمشیر خان نے بڑودہ جانا منظور کرلیا اور اپنے متعلقین کی سکونت کے لئے گاؤں کی درخواست کی کیپٹن صاحب نے دیوان فتح خان سے مشورہ کرکے نو گاؤں[ل] پچیس ہزار روپیہ کی آمدنی کے جاگیر میں دئے۔ شمشیر خان نے بڑودہ جانے سے پہلے اپنے بال بچوں کو لینبج سے اپنی جاگیر میں آئے ہوئے موضع بڑگاؤں میں بلا لیا اور خود چار برس تک بڑودہ میں فروکش رہکر رزیڈنٹ صاحب سے اضافۂ جاگیر کی بابت عرض کرتے رہے۔ آخرکار صاحب ممدوح نے ان کی درخواست پر لحاظ کرکے دیوان فتح خان کی صلاح سے ان کی جاگیر میں موضع گڈھ کے علاوہ دو گاؤں اور اضافہ کئے اور ضمانت لے کر رخصت کیا۔ شمشیر خان سمت ۱۸۷۹ میں موضع بڑگاؤں میں آکر آباد ہوگئے اور ستائیس ہزار سات سو اکسٹھ روپیہ کی جاگیر پر گزران کرکے سمت ۱۸۹۲ میں راہی ملک بقا ہوئے۔

شمشیر خان کے عادات و اخلاق

شمشیر خان کشادہ دل اور فراخ دست تو ضرور تھے لیکن کوتہ اندیش بہت زیادہ تھے۔ خرچ کرتے تھے مگر اکثر بیجا۔ لکھ لٹ تھے لیکن سب بے موقع۔ ان کے فیض سے مستحق بہت کم مستفید اور غیر مستحق بہت زیادہ مستفیض ہوئے ہیں۔ فطرتاً ان کی طبیعت ایسی واقع ہوئی تھی کہ ان کے اوصاف پر رائے قائم کرنی نہایت مشکل ہے۔ کبھی تو ان سے اسقدر نفسانیت اور خود پسندی کا اظہار ہوتا تھا کہ اگر اسکا نقشہ کھینچا جائے تو ایک نہایت ہی بھونڈی تصویر نظر آئے گی اور کبھی یہ کہ وہ گناہوں سے پشیمان ہوکر

ل نو گاؤں کے نام یہ ہیں۔ بڑگاؤں۔ روپال۔ چپانگا۔ چنگ واڑہ۔ چوڑی۔ ولنول۔ گرواڑہ۔ ڈہیلانا اور کالودر۔

۱۲۔ المولف

ایسے سچے فیاض بن جاتے تھے کہ ہمارا قلم اُسکے بیان سے عاجز ہے۔

اگرچہ شمشیر خان اجتماع ضدین کے پتلے تھے تاہم ان کے اخلاق کے ذم نے حسن کو زیادہ دبا رکھا تھا بہ نسبت نیک دل۔ صاحب مروت اور ذی اخلاق ہونے کے یہ وعدہ خلاف۔ عہد شکن۔ ظالم۔ مردم آزار اور محسن کش بہت زیادہ تھے۔ گو ان کی دریا دلی نے جس میں صرف بیجا لہریں مارتا ہوا دکھائی دے گا، شہدے چٹوں اور رکابی مذہبوں سے "شمشیر اساگر" یعنی دریا دل کا خطاب دلوا دیا تھا لیکن مورخانہ نگاہ ان کو اچھی آنکھ سے ہرگز نہیں دیکھ سکتی۔ اس میں شک نہیں کہ وہ صاحب مروت اور متحمل المزاج تھے مگر ان صفتوں کے استعمال بیجا کی وجہ سے یہ عمدہ خصائل بجائے اسکے کہ مکارم اخلاق سمجھے جائیں عاداتِ ردیہ اور خصائل نازیبا میں شمار کئے گئے ہیں۔

فتح خان کی پہلی شادی جسطرح دیوان فیروز خان کے حالات میں لکھا جا چکا ہے، دیوان فتح خان کی پہلی شادی وسارہ کے جاگیردار مجاہد خان ملتانی کی لڑکی اماں بائی سے بماہ پھاگن سمت ۱۸۶۸ مطابق ۱۲۲۷ھ ۱۸۱۲ء میں بڑی دہوم دہام کے ساتھ ہوئی تھی۔

دوسری شادی یہ تو پہلے لکھا جا چکا ہے کہ شمشیر خان نے اپنی لڑکی لاڈو بائی کی نسبت دیوان فتح خان سے کر دی تھی مگر سرکاری لشکر کے ساتھ معرکہ آرائی کی نوبت آگئی اسلئے عقد نکاح کی رسم ادا نہ ہو سکی تھی۔ بعد ازاں ایک مدت تک کاروبار ریاست سے اسقدر فرصت نہ ملی کہ اس نیک کام کو انجام دیا جاتا۔ آخر کار جب دیوان فتح خان کا قدم مسند ریاست پر اچھی طرح جم گیا اور کیپٹن مائلس صاحب کی نگرانی اور کوشش سے تمام فتنہ و فساد دفع ہو کر بہمہ وجوہ اطمینان ہو گیا تو دیوان فتح خان نے شادی کا پیغام بھیجا۔ چونکہ اس وقت شمشیر خان اضافہ جاگیر کی کوشش میں بڑودہ گئے ہوئے تھے، ان کی مستورات نے شمشیر خان کے آنے تک یہ معاملہ انتظار رکھا۔ فتح خان کو یہ امر ناگوار گزرا اور انھوں نے کشیدہ خاطر ہو کر موضع میپڑہ کے پٹاوت ٹھاکر بہاری سورم خان کی لڑکی بھان بائی سے سمت ۱۸۷۷ میں شادی کر لی۔

تیسری شادی

جب یہ خبر شمشیر خان کو پہنچی تو وہ بہت گھبرائے اور اپنی بیگمات کو نہایت ہی تاکید کے ساتھ لکھا کہ
"جہانتک ممکن ہو لاڈو بائی کی شادی جلد کر دینی چاہیئے"
چنانچہ دوسرے سال یعنی سمت ۱۸۷۶ میں لاڈو بائی کے ساتھ بھی دیوان فتح خان نے عقد کرلیا۔

چوتھی شادی

فتح خان کی مسند نشینی کے سترہویں سال یعنی سمت ۱۸۸۴ مطابق ۱۲۴۴ھ ۱۸۲۸ء میں مبارز خان بابی کی لڑکی سونا بو کے ساتھ ان کا نکاح ہوا تو مبارز خان کو فتح خان نے موضع نانوسنہ جاگیر میں دیا اور وہ سیدھ پور کی سکونت ترک کر کے موضع نانوسنہ میں چلے آئے۔

زمیندار دانتہ سے عہدنامہ

یہ سال دیوان فتح خان کے لئے کچھ ایسا مبارک اور سعید تھا کہ بغیر لڑنے جھگڑنے کے خود بخود راناجگت سنگھ زمیندار دانتہ نے اپنے علاقہ کے تمام محاصل اور آمدنی میں سے فی روپیہ سات آنہ کا حصہ دینا قبول کر کے ۲۷ جون ۱۸۱۹ء کو نو دفعات کا عہدنامہ لکھدیا۔ بعدازاں سمت ۱۸۷۶ سے سمت ۱۸۸۱ تک چار پانچ برس دیوان فتح خان انتظامات ریاست میں مصروف و سرگرم رہے۔

مان جی ٹھاکر کوچہ واڑہ کی بغاوت

دیوان فتح خان ابھی انتظامات ملکی میں مصروف ہی تھے کہ اس اثناء میں مان جی کوچہ واڑیہ، ایک کولی ٹھاکر نے باغی ہو کر فساد مچا دیا۔ فتح خان نے اس خودسر کی سرکوبی کے لئے ایک مختصر سا لشکر بھیجا جس نے اسکی تمام فتنہ انگیزی کا استیصال کر کے اس سرکش باغی کو ایسی تنبیہہ و تہدید کی کہ پھر آئندہ اسکو مفسدانہ شرارت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ فتح خان نے اس کام سے فارغ ہو کر ریاست کے متعلق تمام اُلجھے ہوئے اور پیچیدہ معاملات کی درستی اور صلحناموں کی تجدید شروع کر دی اور سمت ۱۸۸۴ سے سمت ۱۸۸۵ تک اسی کی انجام دہی میں مشغول رہے۔

فتح خان کی گورنر بمبئی سے ملاقات

سمت ۱۸۸۶ میں آنریبل مونٹ سٹوارٹ الفنسٹن صاحب بہادر گورنر بمبئی دورہ کرتے ہوئے شاہدرہ علاقہ ضلع کانٹھا میں تشریف لائے۔ دیوان فتح خان گورنر صاحب کی ملاقات کے لئے نہایت تزک و احتشام کے ساتھ شاہدرہ گئے اور دربار گورنری میں ان کی بہت زیادہ تعظیم و توقیر کی گئی۔

خریطہ

ماہ نومبر ۱۸۴۳ء میں کیپٹن پائلس صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور جب ولایت گئے اور انکی جگہ میجر پرسکاٹ صاحب آئے تو گورنر صاحب بہادر بمبئی نے دیوان فتح خان کو ایک خریطہ بھیجا تھا جسکے فقرہ کو ہم اس موقع پر درج کرکے یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس وقت بھی اس ریاست کی وفادارانہ خیر خواہی کی گورنمنٹ کے دل میں کس قدر جگہ تھی۔ لکھا تھا کہ

"میلِ خاطر کہ نسبت بابنائے دولتِ انگریز سرکار بہادر بظہور می آید موجب نشاط وانبساط ایں سرکار ابد پایدار است"

اولاد نرینہ

بھادوں سدی ۲ سمت ۱۸۱۰ کو لاڈو بائی کے بطن سے ولیعہد ریاست زور آور خان کی ولادت ہوئی اس نونہالِ گلشن دولت واقبال کے پیدا ہونے سے پہلے چونکہ حیات خان اور بہادر خان دو لڑکے فوت ہوچکے تھے اور نیز ان دونوں لڑکوں میں سے بہادر خان کا انتقال ایسے وقت میں ہوا تھا کہ انکی بسم اللہ پڑھانے کی تقریب میں ڈیرا بندھا ہوا تھا اور خوشی کے جلسے ہو رہے تھے، اسلئے ولیعہد ریاست کی ولادت پر بڑی الدآمین منائی گئی اور خیر خیرات کے طور پر بہت کچھ لٹایا گیا۔ زور آور خان کے بعد سمت ۱۸۸۳ میں کاتک سدی ۳ کو احمد خان چوتھے فرزند متولد ہوئے۔ مگر افسوس کہ ابھی بیس ہی دن کے ہوئے تھے کہ ان کی والدۂ شفیقہ ناشاد ونامراد دنیا سے سدھار گئیں۔ زور آور خان جن کی پیشانی پر اقبالمندی کا ستارہ چمک رہا تھا مع اپنے چھوٹے اور شیر خوار بھائی کے اپنی سوتیلی ماں اماں بائی کی سرپرستی اور اپنی شفیق دادی کی نگرانی میں پرورش پاتے رہے۔ سمت ۱۸۸۶ مگسر (اگھن) سدی ۱۲ کو سونا بو بو کے بطن سے پانچویں صاحبزادہ عثمان خان اور سمت ۱۸۸۷ میں ماہ کاتک سب سے چھوٹے صاحبزادہ سکندر خان پیدا ہوئے۔

خشک سالی

۱۸۳۳ء مطابق سمت ۱۸۹۰ بکرمی میں قلت بارش کے سبب خشک سالی نے قحط کی صورت اختیار کی جس سے تمام فصلیں برباد ہوگئیں۔ کہتے ہیں کہ ۱۸۱۲-۱۳ء کے عالمگیر قحط کے بعد صرف اسی سال میں گرانی زیادہ ہوئی تھی۔ دیوان فتح خان نے اس موقع پر نہایت بیدار مغزی سے کام لیا اور

بدیں خیال کہ بیرونجات سے اناج کے لانے میں سہولت ہو اور بیوپاری خوشی خوشی مال لائیں، اناج کے درآمد پر جو محصول لیا جاتا تھا، ایک سال کے لئے معاف کر دیا اور چونکہ اس ملک کا اکثر حصہ فصل ربیع کیلئے زیادہ بکار آمد ہے اس لئے کنوؤں کی کھدائی وغیرہ کے متعلق بھی زمینداروں اور کاشتکاروں کو بہت کچھ مدد دی۔ علاوہ بریں کولیوں اور میواسیوں کی لوٹ مار اور غارتگری سے جو ایسے موقعوں پر چوری اور ڈکیتی کو اپنی گزراوقات کا ذریعہ سمجھ لیتے ہیں، غریب رعایا کے تحفظ کا بھی بخوبی انتظام کر دیا گیا تھا[۹۵]۔

زورآور خاں کی پہلی شادی — سمت ۱۸۹۱ میں ولیعہد ریاست زورآور خان کی پہلی شادی مہابت خان بابی رئیس وڈ... کی لڑکی اُمراؤ بخت سے ہوئی۔ نیز اسی سال میں دیوان عام کی حویلی کی بنیاد ڈالی گئی جسکو "بڑی کچہری" کہتے ہیں۔ یہ عمارت ایک دکھنی برہمن راؤجی کے اہتمام سے جو بابا آرکاٹ وکیل گائکواڑ کے متوسلوں میں سے تھا، ڈیڑھ برس میں بنکر تیار ہوئی تھی۔

شمشیر خان کی جاگیر کا شامل خالصہ ہونا — چونکہ شمشیر خان نے اپنے مرنے سے ایک برس پہلے موضع واسرڑہ پرگنہ دیودر کے ٹھاکر بلوجی واگھیلے کی لڑکی مان بائی سے بڑگاؤں میں شادی کی تھی اور ان سے ایک لڑکا بھی پیدا ہوا تھا جو خردسالی ہی میں فوت ہو چکا تھا اس لئے شمشیر خان کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ مان بائی کی وجہ معاش میں فتح خان نے موضع روپال واگزاشت کر کے شمشیر خان کی بقیہ جاگیر ضبط کر لی اور سمت ۱۹۴۰ میں مان بائی کے مر جانے پر موضع روپال بھی شامل خالصہ ہو گیا۔

ماجی بائی کا واقعہ انتقال — سمت ۱۸۹۳ ماگھ سدی ۱۳ کو فتح خان کی والدہ ماجی بائی نے مرگ مفاجات سے رحلت کی۔ کہتے ہیں کہ ایک روز یہ نہانے بیٹھی تھیں اور لونڈی باندیاں سر دہلا رہی تھیں کہ یکایک حالت متغیر ہو گئی اور جسم ٹھنڈا پڑ گیا۔ یہ دیکھکر ماماؤں نے فوراً پلنگ پر لٹا دیا۔ دیکھا تو قالب خاکی سے روح پرواز کر چکی تھی۔ یہ صاحب عصمت خاتون بڑی خوش قسمت۔ اولوالعزم۔ بلند ہمت۔ کفایت شعار۔

---

[۹۵] گجراتی تاریخ راس مالا جلد دوم صفحہ ۲۴۲۔ ۱۲ المولفہ

سلیقہ مند اور امورات خانہ داری میں اعلیٰ درجہ کی منتظمہ تھیں۔

زورآورخان کی دوسری اور تیسری شادی

سمت ۱۸۹۵ میں زورآور خان کی دوسری شادی جھالا راجپوت روپا بھائی کی لڑکی نندوبا جھالی جی سے ہوئی۔ انکے بطن سے ایک صاحبزادی پیدا ہوئی تھیں اور راج رانی نام رکھا گیا تھا جو سمت ۱۹۱۷ میں فیض محمد خاں ابن سکندر خان سے بیاہی گئیں جب نندوبا سمت ۱۹۰۲ میں فوت ہوگئیں تو زورآور خان کا عقد ان کی چھوٹی بہن نانی باجھالی جی کے ساتھ ہوا۔

صاحبزادونکو جاگیریں دینے کی تجویز

سمت ۱۸۹۴ میں دیوان فتح خان نے اپنے چھوٹے صاحبزادوں کے لئے جاگیریں تجویز کرنے کا ارادہ کیا مگر چونکہ ان ایام میں ریاست کا کل کاروبار، ریاست کے مدار المہام اور سرکار گائکواڑ کے وکیل اور پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کی صلاح سے انجام پذیر ہوا کرتا تھا اور فتح خان کے مدار المہام موتی مہتہ نے باباآرکاٹ سے ملکر یہ کارروائی شروع کردی تھی کہ جب کبھی فتح خان کی مرضی کے خلاف کسی کام کا کرنا یا نہ کرنا مصلحت ملکی کے لحاظ سے مناسب معلوم ہوتا تو حکمت عملی کے ساتھ پہلے باباآرکاٹ کے توسط سے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے امتزاج کا حوالہ دیتے۔ پھر باہستگی فتح خان کو اپنی مصلحت آمیز تجویز میں شریک اور اپنی رائے سے متفق کرلیتے تھے اس لئے جب فتح خان نے اپنے لڑکوں کی جاگیروں کے متعلق اپنا منشا ظاہر کیا تو موتی مہتہ اپنی پرانی چال چلے مگر فتح خان کو ان کی یہ بات پسند نہ آئی اور ان کے قدیم رقیب اور حریف، وہالو بیگجی وغیرہ نے موقع پاکر فتح خان کو اور اکسایا یہانتک کہ موتی مہتہ کو عہدۂ وزارت سے معزول کردینا قرار پاگیا لیکن چونکہ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب ان کے حامی وطرفدار تھے اسلئے ان جدید صلاح کاروں کے مشورہ سے یہ تجویز ہوئی کہ پہلے رزیڈنٹ صاحب بڑودہ کے حضور سے موتی مہتہ کی معزولی کی اجازت حاصل کرلینی چاہیئے تاکہ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب ہماری رائے سے متفق ہوں اور پھر انکے توسل سے گورنمنٹ کی منظوری لے کر جاگیروں کی نسبت خاطرخواہ انتظام کیا جائے۔

بڑودہ کی طرف فتح خان کی روانگی

جب یہ صلاح ٹھیر گئی تو سمت ۱۸۹۵ میں موتی مہتہ کے سوا دوسرے ارکین ریاست سمیت فتح خان بڑودہ کی طرف روانہ ہوئے۔ موتی مہتہ نے جو ایک تجربہ کار اہلکار تھا اس موقع پر یہ پیچ کیا کہ میجر رسکاٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ سے مشورہ کرکے ایک چٹھی کے ذریعہ رزیڈنٹ صاحب بڑودہ کو بالا بالا کچھ ایسی پٹی پڑہادی کہ فتح خان کو بڑودہ پہنچنے سے پہلے ہی رزیڈنٹ صاحب کی طرف سے لکھا ہوا خط ملا جس میں لمبی چوڑی تمہید کے بعد دوستانہ نصیحت کے پیرایہ میں پالن پور کی طرف واپس لوٹ جانے اور صاحبزادوں کی جاگیر کا معاملہ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب سے رجوع کرنے کی ہدایت درج تھی۔

موتی مہتہ کی معذرت

دیوان فتح خان مضمونِ خط سے واقف ہوکر چار و ناچار اثنا رراہ سے دارالریاست کی طرف لوٹے مگر اپنے ارادوں میں ناکام رہنے کے خیال سے اس قدر ندامت ہوئی کہ دفعتاً شہر میں جانا گوارا نہ کیا اور پالن پور کے قریب فروکش ہو گئے۔ اتفاقاً دوسرے ہی دن عید تھی لیکن کبیدگی خاطر کے سبب عید کے جلوس میں بھی چنداں اہتمام نہ کیا۔ دیوان فتح خان کی خفگی کا یہ رنگ دیکھکر موتی مہتہ کے دل میں اندیشہ پیدا ہوا اس لئے نہایت عاجزی سے اظہار ندامت کرکے بڑے بڑے معزز اور ممتاز لوگوں کی سفارش سے اپنے قصور کی معافی چاہی۔ جاگیر کے معاملہ میں صداقت کے ساتھ کوشش کرنیکا مستحکم عہد کرکے معقول طریقہ سے ان کو اپنی طرف متوجہ کرلیا اور نہایت آہستگی سے یہ بات سمجھادی کہ پہلے صاحبزادوں کی شادیاں کرلیجئے پھر ان کی جاگیر دل کے لئے انتظام کرنا مناسب ہے۔

صاحبزادوں کی شادیاں

چونکہ موتی مہتہ کی یہ رائے نہایت صائب اور دوراندیشانہ تھی اس لئے دیوان فتح خان نے سمت ۱۸۹۶ میں شادیوں کے متعلق کام شروع کردیا اور اسی سمت میں پہلے صاحبزادہ احمد خان کی شادی موضع بھالو کے جاگیردار بہاری ٹھاکر محمد خان احمدانی کی لڑکی سے ہوئی۔ اس شادی میں

دیوان فتح خان بنفس نفیس بڑی دھوم دھام سے برات لے کر بھالو گئے۔ تھوڑے ہی روز بعد دوسرے صاحبزادے عثمان خان کی شادی بھی جاڑیچہ راجپوت ٹھاکر کیشوجی جاگیر دار سانتل پور کی لڑکی سے کر دی گئی۔

ان دونوں صاحبزادوں میں سے احمد خان کے ہاں لڑکی اور عثمان خان کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ لڑکی کا نام رتن بائی اور لڑکے کا نام حسین محمد خان رکھا گیا اور ان دونوں کی نسبت آپس ہی میں قرار پا گئی چنانچہ سمت ۱۹۱۶ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ بیاہ رچایا گیا۔

سمت ۱۸۹۷ میں سب سے چھوٹے صاحبزادہ سکندر خان کی پہلی شادی ان کے ماموں شیر زماں خان ابن مبارز خان بابی کی بیٹی سے ہوئی مگر یہ نو عروس نکاح کے بعد ہفتہ عشرہ کے اندر ہی اندر حجلۂ قبر میں جا سوئی۔ اس ارمان بھری دلہن کی بے وقت اور پُر حسرت موت نے عرصہ تک اپنا غمگین اثر قائم رکھا مگر دنیا بازیچۂ اطفال ہے۔ نہ رنج کو قیام ہے اور نہ خوشی کو ثبات، چند ہی روز میں یہ عبرت خیز واقعہ خواب و خیال ہو گیا اور سمت ۱۸۹۸ میں سکندر خان کی دوسری شادی ٹھاکر ہلوجی واگھیلا راجپوت کی چھوٹی لڑکی گل بائی واگھیلی جی سے ہو گئی۔

واگھیلی بائی شمشیر خان کی زوجہ مان بائی واگھیلی کی حقیقی بہن تھیں۔ ان کے بطن سے فیض محمد خان ایک لڑکا اور لاڈو بائی ایک لڑکی، دو فرزند متولد ہوئے۔ یہ وہی فیض محمد خان ہیں جن سے دیوان زورآور خان کی صاحبزادی راج رانی بیاہی گئی تھیں اور جو کثرت شراب نوشی سے امراض متضادہ میں مبتلا ہو کر عین عالم شباب میں فوت ہوئے۔ ان کی صرف ایک لڑکی امیر بی بی تھیں جنہوں نے اپنے نانا دیوان زورآور خان کے دامنِ شفقت میں پرورش پائی اور عثمان خان کے منجھلے صاحبزادہ سلیم خان سے بیاہی گئیں۔
فیض محمد خان کی ہمشیرہ لاڈو بائی کی شادی احمد خان کے صاحبزادہ سربلند خان سے ہوئی تھی۔ مگر باوجود کثیر الاولاد ہونے کے مرتے وقت صرف ایک لڑکی حسین بائی باقی رہیں جن کی شادی

سمت ۱۹۴۷ میں عثمان خان کے پوتے حیدر علی خان ابن حسین محمد خان سے کردی گئی اور افسوس کہ اس وقت وہ بھی بیوہ ہیں۔

سمت ۱۸۹۸ میں عثمان خان کی دوسری شادی فتح خان کے چچازاد بھائی اور موضع چھنیانہ کے جاگیردار لوہانی سلیم خان عرف سلو میاں ابن محمد خاں ہتیانی کی لڑکی سے ہوئی جن سے سلیم خان پیدا ہوئے۔ ان سلیم خان نے بھی اپنے خسر فیض محمد خان کی طرح شراب نوشی کے ہاتھوں عین جوانی میں انتقال کیا اور ان کے لڑکے محبوب علی خان نے اپنے دادا عثمان خان کے آغوش محبت میں پرورش پائی۔

نواب صاحب رادھن پور کی تشریف آوری

پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی ملاقات کے بہانہ سے سمت ۱۸۹۸ میں نواب زور آور خان بہادر بابی والی رادھن پور یہاں آئے اور شہر سے باہر شمال کی طرف لال باغ کے قریب خیمہ جات میں مقیم ہوئے۔ اگرچہ ان کی ملاقات اور لوازم مہمانداری میں ریاست کی طرف سے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں ہوا تاہم چونکہ یہاں آنے سے ان کا حقیقی منشا یہ تھا کہ خاندان ہتیانی میں ناطہ رشتہ قائم کریں اور یہ امر ایک خاص وجہ سے نامقبول اور نامنظور ہوا اسلئے وہ دل میں کسی قدر ناراض ہو کر پابوسی کے ساتھ بے نیل و مرام واپس چلے گئے۔

کریم بھائی بوہرہ کا واقعہ قتل

پالن پور کا رہنے والا ایک داؤدی بوہرہ کریم بھائی موضع ہاتھیدرہ میں دکان کرتا تھا۔ اس اجل گرفتہ بدنصیب کی شامت جو آئی تو اس نے ایک کولی ٹھاکر کی بیوہ سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا۔ شدہ شدہ یہ خبر ٹھکرانی کے ایک رشتہ دار مان جی کے کانوں تک پہنچ گئی۔ اس نے طیش میں آکر سمت ۱۸۹۸ میں اس بوہرہ کو قتل کر کے کسی گڑھے میں دبا دیا۔ یہ تو خیر جیسا کیا ویسا پایا۔ لیکن مستاجواند بھی لوٹ تاراج سے بھی باغی ہو گیا اور پہاڑوں کو اپنا مامن بنا کر علاقہ پالن پور میں لوٹ مار کرنے لگا۔ اس بداصل کولی کی گوشمالی کے لئے ریاست کی طرف سے کچھ فوج بھیجی گئی جس نے محاصرہ ڈال کر اس کو ایسا تنگ کیا

کہ آخر کار ہتیار ڈال دے۔ دیوان فتح خان نے مصارف فوجکشی کی بابت ایک بھاری جرمانہ ادا کرنے کی شرط پر اسکا قصور معاف کر دیا۔ یہ آخری تہدید کولیوں کے حق میں ایسی کارگر ہوئی کہ اسوقت سے آجتک پھر کسی کولی نے بغاوت اختیار نہیں کی۔

فتح خان کا احمد آباد جانا

اسی سمت ۱۸۹۸ میں عثمان کی منت کی ہنسلیاں بڑہانے اور بزرگان دین کے مزارات متبرکہ پر نذر و نیاز چڑہانے کی تقریب سے دیوان فتح خان احمد آباد گئے۔ یہ سفر نہایت پر تکلف تھا۔ کہتے ہیں کہ اس سفر میں پچاس ہزار روپیہ سے زائد خرچ کیا گیا۔

عطیہ اختیارات اور کفالت کی موقوفی

اسی سال دیوان فتح خان نے سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی کی خدمت میں ایک درخواست بھیجی جس کا مضمون تھا کہ

"جس وقت میں مسند نشین ریاست کیا گیا تھا، میری عمر تقریباً ۱۸ برس کی تھی۔ شمشیر خان کی بد انتظامیوں نے ریاست کی مالی حالت کو ابتر کر رکھا تھا۔ سید صرپور کے ایتوں وغیرہ کا لاکھوں روپیہ ریاست کے ذمہ قرض تھا اور اس قرض کی پیچیدہ شرائط اور سود کے بارے نے بہت کچھ خرابیاں ڈال رکھی تھیں۔ ان تمام امور پر نظر کر کے میں نے انتظامات ملکی و مالی کا کل کاروبار بغرض اصلاح سرکار انگریزی کے سپرد کر دیا تھا لیکن چونکہ اب میرا سن چالیس برس سے کچھ زیادہ ہو چکا ہے اور امورات ریاست کا بندوبست بھی قابل اطمینان ہے۔ نیز قرضہ کے بارے بھی سبکدوشی ہو گئی ہے اس لئے امیدوار ہوں کہ ریاست کے متعلق کل اختیارات مجھے مرحمت فرما دیئے جائیں۔"

چنانچہ سرکار کمپنی بہادر نے دیوان فتح خان کی اس درخواست پر غور کیا اور ان کی وفاداری پر لحاظ کر کے ان کو اول درجے کے اختیارات عطا فرمائے۔ اُسوقت سے امور ریاست میں پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی نگرانی و مداخلت برائے نام رہگئی۔ بعدازاں جب سمت ۱۹۰۳ میں برٹش گورنمنٹ نے دیوان روزآور خان کے

عہدِ حکومت میں اپنی کفالت اٹھائی تو یہ پنج بھی جاتی رہی۔

عدالتوں میں ترمیم دیوان فتح خان کو جب اختیارات حاصل ہو گئے تو انھوں نے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ کی ہدایت کے موافق فوجداری اور دیوانی کے متعلق علیحدہ علیحدہ محکمہ جات ضابطہ جدید کے اصول پر قائم کئے اور اپنے معتمد اہلکاروں میں سے منصف صدر، اور محافظ دفتر وغیرہ عہدہ دار مقرر کئے اور گویا اسوقت سے ریاست پالن پور کی عدالتوں میں قوانین انگریزی کا رواج شروع ہوا۔

احمد خان کی دوسری شادی سمت ۱۸۹۸ میں صاحبزادہ احمد خان کی دوسری شادی موضع ترانبا علاقہ کچھ کے جاڑیجہ ٹھاکر راگھوبا کی لڑکی جی جی با سے ہوئی اور سمت ۱۹۰۹ میں ان کے بطن سے ایک نہایت خوبصورت اور وجیہ صاحبزادہ سربلند خان پیدا ہوئے۔ مگر افسوس کہ عین عالمِ شباب یعنی سمت ۱۹۳۹ میں ہیضہ سے انکا انتقال ہو گیا۔

عہدۂ وکالت کی موقوفی جب ماہ دسمبر ۱۸۴۱ء مطابق سمت ۱۸۹۹ بکرمی میں میجر براؤں صاحب ان کی جگہ قائم مقام ہو کر آئے تو انھوں نے بہت سی وجوہات سے وکیل گائکواڑ کا پالن پور میں رہنا محض فضول اور مصلحت ملکی سے خلاف سمجھکر اسکی موقوفی کی نسبت رپورٹ کے ذریعے سے منظوری حاصل کر لی اور اب وکیل گائکواڑ کو جو عہدۂ وکالت کے علاوہ سپرنٹنڈنسی پالن پور کا سررشتہ دار بھی ہو گیا تھا، صرف وکالت ہی سے الگ کرنیکی تجویز نہیں کی بلکہ سررشتہ داری کے کام سے بھی معزول کرنا چاہا۔

باپا آرکاٹ کی سازش چونکہ باپا آرکاٹ اپنے منصبی اختیارات کی حیثیت سے امور ریاست میں بہت کچھ دخیل ہو گیا تھا اور اب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے اس منصفانہ فیصلے نے اسکا اقتدار اور زور گھٹا کر عوام کی نظروں میں اسے بے وقعت کر دیا اس لئے اس نے اپنی فتنہ پردازی سے خاندان ریاست میں نفاق کی آگ لگانے کے متعلق اپنے بیٹے لچھمن راؤ کو مقرر کیا جس نے دیوان فتح خان کی مصلحت اور منشا کے خلاف شمشیر خان کے سوئے ہوئے فتنہ کو جگانا چاہا، جسکو فتح خان کے اقبال نے تھپک تھپک کر سُلا دیا تھا۔ اس بجھی ہوئی آگ کو مخالفت کی ہوا سے بھڑکانے کے لئے شمشیر خان کے لواحقین میں سے

بعض سادہ لوح ہیتاینوں کو بھروں پر چڑہایا۔ خصوصاً دیوان فتح خان کے ناتجربہ کار لڑکے احمد خان کو گورنمنٹ کی جانب سے شمشیر خان کا وارث اور جانشین قائم کرنے کی طمع کا سبز باغ دکھا کر بڑگاؤں میں خود مختارانہ حکومت کی بنیاد ڈالنے کی ترغیب دی۔

بابا آرکاٹ کی معزولی

اگرچہ بابا آرکاٹ نے آتش بازی کی چھچوندر بن کر اپنے کرتے سب ہی کچھ کیا مگر ع

نتیجہ کار بد کا کار بد ہے

اس تمام لگانے بجھانے کا انجام یہ ہوا کہ سمت ۱۹۰۴ میں پولیٹکل صاحب نے اسکو اور اسکے متوسلوں کو معزول کرکے ذلت کے ساتھ حدود پالن پور سے نکال دیا اور بجائے اسکے منشی نرسی داس ایک ناگر برہمن کو سرشتہ داری کے عہدہ پر مقرر کیا۔

احمد خان کا متبنٰی ہونا

جن دنوں میں بابا آرکاٹ کا بیٹا لچھمن راؤ اپنی شرارت سے فساد کے تلنگے چھوڑ رہا تھا، احمد خان چپکے چپکے شمشیر خان کے اہلکاروں کی تجویز اور لچھمن راؤ کے متوسلین کی تحریک سے مع اپنے بڑے بھائی، ولیعہد ریاست زور آور خان کے سمت ۱۹۰۰ میں اپنی نانی ہتی بائی دختر دیوان سلیم خان کی لڑکی سے ملنے کے بہانہ موضع بڑگاؤں گئے دو چار روز کے بعد زور آور خان تو پالن پور چلے آئے مگر احمد خان اپنے نانا شمشیر خان کے متبنٰی بنکر وہاں رہنے لگے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جس روز شمشیر خان کا لڑکا جوان کے انتقال کے بعد سمت ۱۸۹۲ میں پیدا ہوا تھا، چھ مہینے کا فوت ہوا ہے، اسی رات کو شمشیر خان کے اہلکاروں نے دیوان فتح خان سے درخواست کی تھی کہ

"آپ اپنے ایک صاحبزادہ کو شمشیر خان کا جانشین بنانے کے لیے ہمارے ساتھ کردیں"

لیکن گورنمنٹ انگریزی کی نارضامندی کے احتمال سے فتح خان نے اس امر میں مبادرت کرنا خلاف مصلحت سمجھا اور بڑگاؤں کے اہلکاروں کی درخواست منظور نہ کی۔

ہرچند یہ سب باتیں ہوئیں لیکن بڑگاؤں والوں کا خیال نہ بدلا اور انکی لَو اسی طرف لگی رہی۔ یہاں تک
کہ سنہ ۱۹۰۰ء میں ایجنسی پالن پور کے دکھنی ملازموں کی صلاح وسازش سے احمد خان کو بڑگاؤں لیجاکر
یہ کوشش شروع کی کہ وہاں ان کو مرحوم شمشیر خان کا جانشین مقرر کریں لیکن بابا آرکاٹ کے عہدۂ وکالت
سے معزول ہوکر چلے جانے کے سبب بڑگاؤں کے اہلکاروں کی یہ تجویز بیکار گئی۔ ناتجربہ کار احمد خان کو
جب اپنی خیالی امیدوں میں مایوسی پیدا ہوئی تو انھوں نے اور ہی روش اختیار کی یعنی شمشیر خان کے باقیماندہ
خزانہ میں سے روپیہ برباد کرنا شروع کیا اور تین چار برس تک خوب گل چھرے اڑا چکے تو سنہ ۱۹۰۲ء میں
پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی طلبی پر سید واجی میاں[5] کی ضمانت سے پالن پور واپس آئے۔ زاں بعد
گورنمنٹ کی منظوری سے زور آور خان ولیعہد ریاست قرار دیے گئے اور تینوں چھوٹے صاحبزادوں
کے لئے دس دس ہزار روپیہ کی آمدنی کے آٹھ آٹھ گاؤں کی جاگیر مقرر کی گئی۔

وبائے ہیضہ سنہ ۱۹۰۲ء میں پالن پور کی آب وہوا خراب ہوجانے سے وبائے ہیضہ بڑی شدت کے ساتھ
پھوٹ نکلی۔ اس منحوس بیماری کا قاعدہ ہے کہ جب آتی ہے گھر کے گھر اور محلّے کے محلّے صاف
کردیتی ہے۔ چنانچہ یہی حال پالن پور کا بھی ہوا۔ بیسیوں گھر اُجاڑ اور محلّے برباد ہوگئے۔ فتح خان جو
رعایا کے مائی باپ تھے، بہت گھبرائے مگر کرتے تو کیا کرتے، روپیہ پیسہ بیکار تھا۔ لیکن اس حالت
میں دوا یا دعا ہی دو تدبیریں تھیں، جن سے کم از کم تسکین دل تو ہوجایا کرتی ہے۔ غرضکہ دیوان فتح خان
نے اس قہر خدا کے دفعیہ کے لئے دعائیں مانگیں اور فقیروں مسکینوں کو بہت سا نقد ومال خیرات
کرکے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ ایک رعیت پرور رئیس کے دل پر رعایا کے درد کا کتنا اثر ہوتا ہے۔

طوفان آب سنہ ۱۹۰۳ء میں جب پانی کے طوفان نے شہر کے مکانات اور دیہات کے جھونپڑے

[5] سید صاحب خاندان ریاست کے پیرومرشد ہونیکے علاوہ امورات سرکاری میں بھی دخیل تھے اور بڑے معزز کارگزار اور مشاہیر شہر میں
شمار کیے جاتے تھے ۱۲۔ لمؤلفہ

برباد کرکے سینکڑوں آدمیوں کو بے گھر کردیا اور سیلاب کی وجہ سے ہزاروں کھیت دریا برد ہوگئے تو اس عالی ہمت رئیس نے اپنی دریا دلی اور فیض رسانی سے غریب رعایا کے ساتھ ایسا سلوک کیا کہ اس آفتِ آسمانی کے سبب جو پریشانی پھیل گئی تھی اسکے متعلق غربا اور محتاجوں کے دل پر ڈھارس بندھ گئی اور جسکا ذکر آجتک لوگوں کی زبانوں پر جاری ہے۔

ایک عظیم الشان زلزلہ دیوان فتح خان کے ایام حکومت یعنی سمت ۱۹۰۴ میں ایک دیرپا اور خوفناک زلزلہ محسوس ہوا لیکن سمت ۱۸۶۴ کے زلزلے سے دوسرے نمبر پر شمار کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس زلزلے کے بعد تقریباً دو مہینے تک زمین کو وقتاً فوقتاً جنبش ہوا کی تھی اس لئے حفظ ما تقدم کے طور پر دیوان فتح خان رانی باغ کے متصل خیموں میں فروکش رہے اور زنانہ سرداروں کو معظم خان خرمانی کے ڈیرے[1] میں رکھا جو ایسے مخدوش اور خوفناک موقع پر بہ نسبت عالیشان محلات اور اونچی حویلیوں کے ہر طرح قابلِ ترجیح سمجھے جاتے ہیں۔

دعوت عام اس زلزلہ کا اثر رفع ہونے کے بعد دیوان فتح خان نے ایک نہایت مضبوط مکان تعمیر کرایا جس کو یہاں "اورڑا" کہتے ہیں۔ یہ عمارت اُس مقام پر تھی جہاں اب عثمان خان کے محلات ہیں۔ بعد ازاں کسی خاص وجہ سے اس مکان کے عوض رانی باغ میں اسی وضع و قطع کا جدید مکان بنایا۔ مگر اب حضور والی حال خلد اللہ ملکہم نے اس جگہ ایک عالیشان عمارت تعمیر کراکے دیوان فتح خان کے نام کی مناسبت سے اسکا نام "فتح محل" رکھا ہے جو ولیعہد بہادر کی نشست کے لئے مخصوص ہے۔

سمت ۱۹۰۵ میں فتح خان نے اپنی چہیتی بیگم سونا بوبو کی صلاح اور تجویز سے شہر پالن پور اور پرگنہ دہانڈلا

حاشیہ[1] زمیندار لوگ پیروی مقدمات یا دوسرے سرکاری یا خانگی کاموں کی انجام دہی کے لئے دار الریاست میں ہر وقت آتے جاتے رہتے ہیں اور اپنے قیام کے لئے ایک پنچایتی مکان بنا لیتے ہیں اسکو یہاں کی اصطلاح میں "ڈیرا" کہتے ہیں۔

۱۲ - لمولفہ

کی دعوت کی اِس میزبانی کی نسبت لوگوں کا چشمدید بیان ہے کہ خاص اسی کام کے لئے ایک حوض بنایا گیا تھا جو شیرہ (حلوا) سے لبالب بھر دیا گیا تھا اور روہیلی پھاؤڑوں سے نکال نکال کر لوگوں کو کھلایا تھا۔ اگرچہ یہاں کے رؤسا اُس زمانہ میں خاص خاص تقریبوں پر تمام شہر کے لوگوں کو کبھی کبھی دعوت ضرور دیتے تھے لیکن دیوان فتح خان اور ان کی والدہ باجی بائی نے اس رواج کو یہانتک ترقی دی کہ ہر چوتھے برس ان کی طرف سے تمام شہر کو ایک وقت کھانا کھلایا جاتا تھا جسکو یہاں کی اصطلاح میں "شہر کھلانا" کہتے ہیں۔

عہدۂ مدارالمہامی

دیوان فتح خان کی عمر کا بڑا حصہ شمشیر خان کی مفسدہ پردازی اور ان کی حکومت کی خرابیوں کی اصلاح میں صرف ہوا۔ انھوں نے ان تمام کاموں کو اپنے مدارالمہام موتی مہتہ کی صلاح و مشورت سے جس عمدگی کے ساتھ انجام دیا وہ قابلِ تعریف ہے جب سمت ۱۹۰۲ میں موتی مہتہ کا انتقال ہو گیا تو مہتہ وہالو میگھجی وزارت کے عہدہ پر متعین کئے گئے۔ وہالو میگھجی نے سمت ۱۹۰۷ تک (تقریباً پانچ برس) مدارالمہامی کا کام انجام دیا۔ ازاں بعد سمت ۱۹۰۸ میں میجر جی۔ آر کیلی صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالنپور کی صلاح سے ایک پربھو دیسائی گرموتی لال کو منصف عدالت اور مہتہ الچند بیچر کو وزیر ریاست مقرر کیا۔ پھر ڈھائی برس کے بعد موتی مہتہ کے فرزند متبنی ایشور مہتہ جو ریاست کی طرف سے سپرنٹنڈنسی میں وکیل حاضر باش تھے، مدارالمہام ہو کر سمت ۱۹۱۶ تک اس عہدہ پر قائم رہے۔ مگر چونکہ موتی لال سارابھائی کا رسوخ سپرنٹنڈنسی میں بہت زیادہ تھا اور فتح خان کی وفات اور زور آور خان کی مسند نشینی کے موقع پر اس نے بڑی سرگرمی اور خیر خواہی کے ساتھ حق خدمت بھی ادا کیا تھا اسلئے ان دونوں وزیروں کے عہد میں ریاست کا اکثر کاروبار اسی موتی لال سارابھائی کے مشورہ سے انجام پایا کرتا تھا۔

ایشور مہتہ کے بعد وہالو میگھجی کے لڑکے ہاتھی مہتہ کا تقرر عہدہ وزارت پر ہوا اور اُسوقت سے دیوان زور آور خان کی چوبیس سالہ حکومت میں گو کسی مصلحت ملکی سے مدارالمہامی کے عہدہ میں تغیر و تبدل

بھی ہوا مگر اتفاق کی بات کہ ان دو دیسی اہلکاروں کے خاندان کے سوا کسی اور خاندان کا شخص اس عہدہ پر مامور نہیں ہوا۔ موتی مہتہ اور رو ہا لو ہتہ کے زمانۂ وزارت میں دیوان فتح خان کے مادری قرابت داروں میں سے ہماری ٹھاکر معظم خان خرمانی اور یہاں کے داؤدی بوہروں میں سے ملّا فضل علی مشیران خانگی کے طور پر ریاست کے اکثر معاملات میں شریک و مددگار رہتے تھے۔ فتح خان کی بیوی سونا بوبو کی سرکار میں بھی یہی ملّا فضل علی کامدار (کارندہ) کا کام کیا کرتا تھا۔

علالت | اواخر سمت ۱۹۰۷ میں دیوان فتح خان کے جسم میں جابجا پھوڑے پھنسیاں نکلنی شروع ہوئیں۔ فساد خون کی تکلیف سے رفتہ رفتہ تپ خفیف کا اثر ظاہر ہونے لگا۔ یہانتک کہ سمت ۱۹۰۹ میں کھانسی نے زور پکڑ لیا۔ اسوقت ان کا معالج عزت رام ایک کندۂ ناتراش وید تھا جسکے علاج نے بجائے فائدہ کے نقصان پیدا کیا اور مرض دن بدن بڑھتا چلا گیا مگر اس چالاک نیم حکیم نے دیوان فتح خان کی طبیعت پر ایسا قابو پا لیا تھا کہ اس کی نقصان دہ سے نقصان دہ دوا بھی ان کو فائدہ بخش ہی محسوس ہوتی تھی۔

انتقال | دیوان فتح خان کی بیماری نے یہانتک طول کھینچا کہ انھیں رفتہ رفتہ تپ دق کا عارضہ لاحق ہو گیا۔ خدا کی قدرت کہ ان ہی دنوں میں ان کا معالج وید خود بھی مرگ مفاجات سے راہی ملک بقا ہوا۔ اس کمبخت کا مرنا تھا کہ فتح خان کی بیماری نے بھی زور دکھایا اور آخرکار اکتالیس برس (دو دفعہ) مسند نشیں رہکر ساون بدی ۱؍ سمت ۱۹۱۱ مطابق ۱۵؍ شوال ۱۲۷۱ھ ۱۸۵۴ء کو رات کے نو بجے ان کے طائر جان نے قفس عنصری چھوڑ کر عالم ارواح کی طرف پرواز کی اور اپنے پس ماندگان میں چار فرزند ارجمند جنمیں سے ہر ایک اپنا نظیر آپ ہی ہوا ہے، چھوڑے۔ اشتداد مرض کی حالت میں دیوان فتح خان دنیا سے دل اٹھا کر اپنے معبود حقیقی کی طرف رجوع ہو گئے تھے اور ترک دنیا کر کے درگاہِ الوہیت میں کمال توجہ اور استغراق کے ساتھ زندگی گزارتے تھے۔

منشی حافظ علی متوطن قصبۂ انبیٹھہ ضلع سہارنپور نے جو اس وقت ریاست میں ملازم تھے اس واقعہ

کی تاریخ میں یہ اشعار لکھے ہیں ؎

خفت چوں فتح خان مسند زیب	از عدم خواب سر کشید بجیب
داد داغ الم بسینہ خلق	از جہاں در ربود صبر و شکیب
لب فروبست شادی و راحت	درد و غم سربلند شد ز نشیب

سال فوتش چوں خواستم حافظ
خالداً خلد شد ندا از غیب
۱۲۷۰ھ

اخلاق وعادات اور گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری

دیوان فتح خان ایک بیدار مغز، مستقل مزاج، فراخ حوصلہ، دور اندیش اور مدبر و منتظم مگر کسی قدر مغلوب الغضب رئیس گزرے ہیں۔ ان کی خوش اقبالی اور کوکبہ جاہ وجلال نے اپنے بہت سے ہمعصر رئیسوں کو اسطرح ماند کر دیا تھا جسطرح چاند کی روشنی ستاروں کو ماند کر دیتی ہے۔ ان میں علاوہ اور تمام خوبیوں کے مردم شناسی کا ایسا چمکتا ہوا جوہر تھا جس نے خصوصیت کے ساتھ انھیں ممتاز بنا دیا تھا۔ بالخصوص ان کی خداترسی اور عفو و کرم کی صفات پسندیدہ ہمیشہ صفحات تاریخ پر آفتاب بنکر چمکا کرینگی۔ یہ سرکار انگریزی کے بہت ہی خیر خواہ، وفادار اور سچے دوست تھے۔ انھوں نے سمت ۱۸۹۶ مطابق سنہ ۱۸۴۰ء میں کابل پر چڑھائی کے وقت شاہ شجاع الملک درانی کے خلاف گورنمنٹ انگریزی کو باربرداری اور رسد کے متعلق جیسی عمدہ مدد دی ہے، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی نے دو عمدہ توپیں ان کو اعزازاً عطا فرمائیں جو ابتک موجود ہیں۔

دیوان زورآورخان بہادر ابن دیوان فتح خان ثانی

باب دہم

دیوان زور آور خان ابن دیوان فتح خان ثانی

مسند نشینی دیوان فتح خان کے انتقال کے بعد ساون سدی ۵ سمت ۱۹۱۱ مطابق ۴ ذیقعدہ ۱۲۷۰ھ کو زور آور خان انتیس ۲۹ برس کی عمر میں مسند ریاست پر جلوہ افروز ہوئے۔ مسند نشینی کا دربار بڑی دہوم دہام کے ساتھ بھرا گیا۔ دستور مروجہ کے موافق پہلے ان کے مرشد کے ہاتھ سے کمر میں تلوار بندھوائی گئی اور پھر موضع ہلیت پور کے بہاری ٹھاکر عثمان خان نے انگلی کاٹ کر اپنے خون سے راج تلک کی رسم ادا کی اور میجر جے۔ آر۔ کیلی صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے خریطہ مبارکباد مع خلعت پنج پارچہ گورنمنٹ کی طرف سے پیش کیا۔

سر لارنس کی تشریف آوری دیوان فتح خان کی وفات کے دس بارہ روز بعد سر لارنس صاحب بہادر

ایجنٹ گورنر جنرل راجپوتانہ اپنے عملہ اور وکلائے راجستان سمیت پالن پور تشریف لائے۔ اگرچہ دیوان زور آور خان ابھی بساطِ ماتم ہی پر تھے لیکن لارنس صاحب کا بڑے تزک و احتشام کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ دیوان صاحب ماتمی لباس بدل کر شہر سے ایک میل تک پیشوائی کے لئے تشریف لے گئے اور پھر ملاقات بازدید کا دربار بھی بڑی شان و شوکت سے کیا۔ اس دربار میں سر لارنس صاحب نے ریاست کی اصالت اور خاندان ریاست کے محاسن اوصاف کی نسبت اہلِ دربار کو مخاطب کر کے بڑی دیر تک گفتگو فرمائی اور والی ریاست کی ہر ایک قابلیت اور مکارم اخلاق کی نہایت درجہ تعریف کی۔

طوفانی بارش دیوان زور آور خان کی یہ عادت تھی کہ جب خلاف معمول کوئی قدرتی امر ظاہر ہوتا تو نہایت خضوع و خشوع اور عجز و انکسار کے ساتھ جناب باری میں دعا و التجا کرتے تھے چنانچہ جب سمت ۱۹۱۲ میں بارش کی کثرت سے شہر و دیہات کے مکانات اور زراعت وغیرہ کو سخت نقصان پہنچنے لگا تو اس طوفان کے دفعیہ کے لئے کمال رقت قلب کے ساتھ اپنی مصیبت زدہ رعایا کے حق میں دیر تک دعائیں مانگی رہے اور جب طوفان دفع ہو گیا تو بہت سا نقد و جنس مسکین فقیروں۔ غریب محتاجوں۔ بیکس یتیموں اور لاوارث بیواؤں کو خیرات کیا۔

امید سنگھ کی بغاوت موضع کھیمت علاقہ پالن پور اور دیہات متعلقہ جاگیردار رہووہ کے سرحدی حقوق قائم کرنے کے لئے ایک مدت سے تنازعہ چلا آتا تھا اور ابھی اس جھگڑے کا انفصال نہیں ہوا تھا کہ امید سنگھ ٹھاکر رہووہ نے علاقہ پالن پور کے زمیندار کولی ٹھاکروں سے کہا کہ

"اگر سرحد کا فیصلہ میرے حق میں نہ ہوگا تو میں جبراً سرحد متنازعہ پر قبضہ کر لونگا"

جب یہ کیفیت مہتہ ملکا تحصیلدار پانتھاواڑہ علاقہ پالن پور کو معلوم ہوئی تو اس نے امید سنگھ کی سرکشی کا تمام حال ایک رپورٹ کے ذریعہ سے مدار المہام ریاست کو لکھ بھیجا۔

مہتہ ایشور موتی چند مدار المہام پالن پور نے امید سنگھ کو سیاستاً اسقدر دھمکایا کہ وہ جان کے خوف سے گھر چھوڑ کر پہاڑوں میں جا چھپا۔ لیکن جب سمت ۱۹۱۴ کے بلوہ عام کی خبریں اسکے کانوں تک پہنچیں تو اسکی شوریدہ سری نے بھی جھر جھری لی اور یہ علانیہ بغاوت کا جھنڈا کھڑا کرکے علاقہ پالن پور میں لوٹ مار کرنے لگا مگر سرکار پالن پور کی درخواست سے انگریزی فوج کے ایک دستہ نے جو چھاونی نصیر آباد کے مفسدہ پردازوں کی سرکوبی کے لئے آبو وا علاقہ مارواڑ کی طرف جا رہا تھا، امید سنگھ کی بغاوت کا خاتمہ کر دیا۔

سرکش باغی

۱۸۵۷ء کے غدر میں جب باغی لوگ سرکار انگریزی کی سخت گیریوں سے پریشان اور آوارہ ہو کر اضلاع ہند میں منتشر ہو گئے تھے اور گذر اوقات کے لئے ادہر ادہر لوٹ مار کرتے پھرتے تھے تو مفسدین کا ایک گروہ جسکا لڈھ فیروز شاہ پایا تیا تھا، توپخانہ سمیت کانکرولی اور ناتھ دوارا (میواڑ) میں بھی آپہنچا تھا لیکن انگریزی فوجوں نے اس مفسد پارٹی کی سرکوبی کرکے فساد کی آگ کو بھڑکنے کا موقع نہیں دیا۔

جب اس ہنگامہ کی خبریں پالن پور تک پہنچیں تو ریاست کی طرف سے بھی لوی کے پیدل اور سوار پہاڑی گھاٹیوں کی حفاظت اور باغیوں کا راستہ روکنے کے لئے متعین کر دیئے گئے تاہم اس وحشتناک خبر نے شہر میں عجیب ہل چل ڈالدی تھی۔ مہاجنوں، ساہوکاروں اور کم حوصلہ دولتمندوں نے اپنا مال واسباب اور زیورات وغیرہ تمام نقد وجنس زمین میں دفن کر دیا تھا اور جب تک علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی طرف سے ۱۵ اگست ۱۸۵۸ء کو امن عام کا اشتہار نافذ ہوا، پبلک کے دلوں پر اس خوفناک بلوہ کا اثر برابر قائم رہا۔

خوشنودی گورنمنٹ

غدر کے پر آشوب اور نازک زمانہ میں کہ گورنمنٹ انگریزی، ہاتھوں سے تو فساد کے بھڑکتے ہوئے شعلوں کو بجھا رہی تھی اور آنکھوں سے دیسی ریاستوں کی اندرونی حالت کا اندازہ کرنے میں مصروف و

سرگرم تھی، صاحب فہم رؤسا کس قدر پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہونگے۔ اس موقع پر دیوان زورآور خان نے بخیال دوراندیشی سرکار انگریزی کو اپنی اعلیٰ وفاداری وخیرخواہی کا ثبوت پیش کرکے غدر کے فرو کرنے میں ایسی اندرونی مدد دی کہ گورنمنٹ کی طرف سے ایک پروانہ خوشنودی عطا ہوا جو دفتر ریاست میں موجود ہے اور جسکا ذکر بمبئی گزیٹیر جلد پنجم صفحہ ۳۲۳ میں درج ہے۔

شاہی دربار

بغاوت فرو ہوجانے کے بعد سمت ۱۹۱۵ میں گورنر صاحب بہادر بمبئی نے ملک میں امن و امان قائم ہونے اور رؤسا کے وفادارانہ سلوکوں کا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے احمدآباد میں ایک دربار منعقد کیا جس میں گجرات کے تمام رئیسوں کو بلایا چنانچہ دیوان زورآور خان بھی مع بھائی بیٹوں اور اعیانِ ریاست کے شریکِ دربار ہوئے۔ اس دربار میں سر بارٹر فری ار صاحب گورنر بمبئی نے اپنی تقریر میں ریاست پالن پور کی مخلصانہ وفاداری کی نسبت خصوصیت کے ساتھ اپنا خیال ظاہر کرکے سرکار برطانیہ کی جانب سے شکریہ کے طور پر خوشنودی اور مسرت کا اظہار فرمایا تھا۔

مقبرۂ فتح خان کی تعمیر

دیوان زورآور خان نے اپنے والد بزرگوار کے مدفن پر ایک عالیشان گنبد کی بنیاد ڈالی تھی چنانچہ سمت ۱۹۱۶ میں یہ مقبرہ تیئیس ہزار روپیہ کی لاگت سے بن کر تیار ہوگیا۔ اس عمارت کی شان اور طرز وضع اگلے والیانِ ریاست کے مقابر سے نرالی اور خوشنما پائی جاتی ہے۔

سندِ تبنیت

سمت ۱۹۱۸ میں فرمانروائے پالن پور کو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے لاولدی کی حالت میں متبنیٰ کرنے کی سند عنایت ہوئی۔ یہ سند جس کے ساتھ ایک خریطہ بھی شامل تھا، میجر ای۔ پی۔ آرتھر صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ کے توسط سے دیوان زورآور خان کے نام وصول ہوئی تھی[۱]۔

تاریخ عہدنامجات میں لکھا ہے کہ سندِ تبنیت اُن خدمات لائقہ کے صلہ میں دی گئی ہے جو ۱۸۵۷ء کے

---

[۱] یادداشت پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور نمبری ۳۴۳ مورخہ ۲۶ اپریل ۱۸۶۲ء ویادداشت نمبری ۱۳۴۷ مرقومہ ۲۶ مئی ۱۸۶۲ء ویادداشت نمبری ۱۵۳۴ مقاومہ ۲۴ جون ۱۸۶۲ء سے اس سند کے متعلق کُل حال معلوم ہوسکتا ہے ۱۲۔ المولفہ

مفسدہ میں دیوان زورآور خان کی طرف سے عمل میں آئی تھیں۔ مذکورہ بالا سند سے اطمینان دلایا گیا ہے کہ لاولدی کی صورت میں مسند نشینی کے لیے برٹش گورمنٹ اس شخص کو منظور کریگی جو شرع محمدی کی رو سے استحقاق جائز رکھتا ہو۔

سٹر یا بارش

سمت ۱۹۱۹ میں اناج کی فصل کاٹنے اور دھانوں کی کھیتی کی تیاری کے وقت ایک ایسی بے ضرورت بارش ہوئی کہ تمام زراعت خراب اور غلہ برباد ہوگیا۔ چونکہ پانی کی زیادتی کے سبب اناج کے بھرے ہوئے خوشے اور بالیں گل کر بالکل ناکارہ ہوگئی تھیں اس مناسبت سے لوگ اس بارش کو یہاں "سٹر یا بارش" کہتے ہیں۔ اس بارش نے کسانوں کو اسقدر نقصان پہنچایا تھا کہ دیوان زورآور خان سے ان کی مصیبت نہ دیکھی گئی اور انھوں نے فیاضانہ ہمت سے کام لے کر خزانہ کا منہ کھول دیا۔ علاوہ زر تقاوی دینے کے خیرات وغیرہ سے غریبوں کی ایسی دستگیری کی کہ انھیں جن مشکلات کا سامنا ہونے والا تھا اسکا اندیشہ جاتا رہا۔

فتح جنگ خان کی شادی

اسی سال اگھن کے مہینے میں نواب زورآور خان بہادر بابی والی رادھن پور اپنے منجھلے لڑکے فتح جنگ خان کی برات لے کر پالن پور آئے اور دہلی دروازہ کے باہر اس میدان میں جہاں اب ریلوے اسٹیشن ہے مقیم ہوئے۔ فتح جنگ خاں کی شادی عثمان خاں کی لڑکی سردار بی بی کے ساتھ ہونی قرار پائی تھی اور چونکہ اس رشتہ داری سے نوابصاحب کو اپنی دیرینہ آرزو پر غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی اس لیے انھوں نے جہانتک بن سکا جشن شادی کے متعلق خوب خوب دل کے حوصلے نکالے اور عیش وعشرت کی داد دی۔

افیون کی کاشت کا معاوضہ

سمت ۱۹۲۰ میں افیون کی کاشت اور تجارت کے سبب پالن پور کے کاشتکاروں اور بیوپاریوں وغیرہ کو یہانتک فائدہ ہوا کہ ملک مالوہ سے واقفکار مزدوروں کو بلا کر افیون کی پیٹیاں بھرنے کے کارخانے جاری کر دیے۔ مال دساور بھیجا جانے لگا۔ مختلف مقامات پر دکانیں

کھولی گئیں۔ ستار (بڑھئی) لوہار اور دوسرے پیشہ وروں کے روزگار کا بازار گرم ہوا اور ابھی زیادہ منفعت کی امید تھی کہ اس اثنا میں سرکار انگریزی نے افیون کی کاشت موقوف کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔

چونکہ اس جدید حکم سے والیان ریاست کو محاصل زکواۃ (چنگی) اور دوسرے صیغوں کے متعلق بہت بڑا نقصان ہونے کا احتمال تھا اس لئے افیون کی کاشت کے مبادلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک نقد رقم مقرر کی گئی۔ لیکن یہ رقم معینہ محاصل زکواۃ یا کاشت افیون کے خسارہ کا کافی معاوضہ نہیں ہو سکتی تھی لنظر بر آں منتظمان ریاست نے اس روپیہ کے لینے سے انکار کرکے افیون کی کاشت جاری رہنے کی نسبت گورنمنٹ میں درخواست کی۔

رقم پیشکش کی نسبت ایک فیصلہ

سمت ۲۳-۱۹۲۲ میں سرکار گائکواڑ نے ریاست پالن پور سے اپنے پیشکش (کھرنی) کی نسبت بابا شاہی[۵۱] کے عوض سکائی روپیہ لینے کا دعویٰ گورنمنٹ میں پیش کیا لیکن ناقابل مسموع ہو کر خارج کر دیا گیا اور سرکار انگریزی کی طرف سے بموجب رزولیوشن نمبری ۳۳۴۳ مورخہ ۱۵ نومبر ۱۸۶۶ء کے قرار پایا کہ دستور مروجہ کے موافق سرکار گائکواڑ کو سالانہ پچاس ہزار روپیہ سکہ بابا شاہی ریاست پالن پور کی طرف سے دیا جائے[۵۲]

تاتا صاحب کی مدار المہامی

اسی سال میں نرہر گنیش عرف تاتا صاحب ۱۱ ایک دکنی برہمن جو ابتدا سے سن تمیز

---

۵۱ بابا شاہی اور سکائی روپیہ کے بٹہ میں تقریباً تین آنہ کا فرق رہا کرتا تھا یعنی بابا شاہی روپیہ کی مالیت ۱۳ اور سکائی کی ۱۶ آنے تھی۔ ۱۲۔ لمولفہ

۵۲ اس دعوی کے پیش کرنے کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دفعہ مہاراجہ کھنڈے راؤ والی بڑودہ اپنے اضلاع میں دورہ کرتے ہوئے سدھپور آئے مگر ان کے منشار کے برخلاف دیوان زورآور خان کسی خاص وجہ سے ملاقات کے لئے نہ جا سکے۔ مہاراجہ کھنڈے راؤ نے جنکی نخوت و تلون مزاجی ضرب المثل تھی، دیوان صاحب کی اس بے اعتنائی سے ناراض ہو کر یہ دعویٰ کر دیا اور دل کا بخار نکالنا چاہا۔ مگر انجام کار یہ غبار دل کا دل ہی میں جم کر رہ گیا اور خلاف امید فیصلہ ہوا۔ ۱۲۔ لمولفہ

ہی سے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سررشتہ دار با اختیار رہتے اور اس زمانہ میں بہت لایق کارگزار متصدی خیال کیے جاتے تھے، سرکار انگریزی کی نوکری سے دست بردار ہو کر سمت ۱۹۲۳ میں ریاست پالن پور کے مدار المہام ہو گئے[۵۱]۔ پردیسی اہلکاروں میں سے یہ پہلا شخص تھا جس نے اس ریاست میں وزارت کا عہدہ حاصل کیا۔ ٹھاکر لال جی[۵۲]، دیوڑہ راجپوت جاگیردار موضع ڈبھانی علاقہ سروہی کی بغاوت کا خاتمہ بھی

---

[۵۱] تاتا صاحب کے خاندان کو باپا آرکاٹ سررشتہ دار سپرنٹنڈنسی پالن پور اور مختار گائکواڑ کے ساتھ خاص تعلق حاصل تھا اور وہ ان کے متوسلوں میں سے تھے جب باپا آرکاٹ اپنے عہدہ سے معزول ہو کر مہتہ وہالو بھگجی مدار المہام پالن پور کی متصدیانہ کوشش اور کارگزاری کے سبب یہاں سے خارج کیے گئے تو صرف سررشتہ داری کا عہدہ علیحدہ ہو کر اسپر منشی نرسی لال ایک ناگر برہمن مقرر ہوا اور جب منشی نرسی لال معزول ہوا تو اسکی جگہ تاتا صاحب سررشتہ دار کیے گئے پھر کچھ دنوں کے بعد وہ ڈیڑھ برس تک ریاست میں مدار المہامی کے عہدہ پر مامور رہے۔ بعد ازاں محکمہ اپیل۔ عدالت دیوانی اور سررشتہ اضلاع وغیرہ کا کام کر کے سمت ۱۹۲۶ میں انتقال کیا۔ تاتا صاحب کے انتقال کے بعد ان کی بیوہ کو ریاست پالن پور کی طرف سے برابر وظیفہ ملتا رہا ہے۔ کہتے ہیں کہ مہتہ ہاتھی بھائی مدار المہام ریاست کو تاتا صاحب سے ایک خاص اندرونی کاوش تھی لیکن چونکہ تاتا صاحب سپرنٹنڈنسی کے سررشتہ دار تھے اسلئے ہاتھی مہتہ کی کچھ پیش نہ جاتی تھی تاہم ہاتھی مہتہ نے تاتا صاحب کے رسوخ اور اقتدار گھٹا دینے کی یہ تدبیر سوچی کہ اپنی زندگی کے آخری ایام میں دیوان زور آور خان کو وصیت کی اور خیر خواہی و دلسوزی جتا کر کہا کہ

"میرے بعد نرہر تاتا کے سوا اور کوئی شخص عہدۂ وزارت کے قابل نہیں ہے"

چونکہ دیوان صاحب کو ہاتھی مہتہ کے قول پر وثوق کامل تھا یہ بات ان کے دلپذیر نقش ہو گئی۔ چنانچہ جب نرہر تاتا گورنمنٹ کی نوکری سے مستعفی ہو گئے تو ریاست پالن پور میں عہدۂ مدار المہامی پر ان کا تقرر ہوا لیکن ہاتھی مہتہ کے دور اندیشانہ خیال کے موافق ان کو اس عہدہ سے بہت جلد الگ ہونا پڑا اور سپرنٹنڈنسی کا تعلق بھی چھوٹ گیا بقول شاعر ؏

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے ہوئے

[۵۲] لال جی کی بغاوت کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ موضع گینگول پرگنہ پانتھاواڑہ علاقہ پالن پور کی سرحد میں لال جی مذکور کا کچھ حصہ تھا اس حصہ کے متعلق موضع مہوڑی (علاقہ پالن پور) کے زمینداروں کے ساتھ سرحدی تنازعہ ہوا۔ ان کی اس باہمی تکرار کی نسبت اہلکاران پالن پور نے جو فیصلہ کیا

ان ہی کے عہد وزارت میں ہوا اور پنچایت کی رو سے اسکے مقدمہ کا تصفیہ ہو کر والی ریاست کی طرف سے اسکا قصور معاف کیا گیا۔

زور آور خان کا زخمی ہونا

۲۴ ذیحجہ ۱۲۸۴ھ مطابق چیت بدی ۱۱ سمبت ۱۹۲۴ ۱۸ اپریل ۱۸۶۶ء یوم شنبہ کو دیوان زور آور خان کرنل ای۔ پی۔ آرتھر صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ کی ملاقات کے لیے پالکی میں سوار ہو کر بنگلہ رزیڈنسی کو جاتے ہوئے عین اسوقت کہ دیوان صاحب پالکی میں تھے اور پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب استقبال کے لیے بنگلہ سے آرہے تھے پالکی اٹھانے والے کہاروں میں سے تلسی گو ڑ ایک کہار نے جسے کبھی کبھی مالیخولیا اور جنون کا دورہ ہوا کرتا تھا، اپنی ہڑک میں دیوان صاحب کے سینہ میں چھری بھونک دی۔

اگرچہ اس حادثہ کے ساتھ ہی جنونی کہار تو خود اپنے بھائی کے ہاتھوں سے کیفر کردار کو پہنچ گیا لیکن اس وحشت خیز حادثہ نے تمام شہر میں یکایک تہلکہ مچا دیا اور پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب اسقدر گھبرا گئے کہ فوراً ڈیسہ کیمپ کے بریگیڈیر جنرل کو انگریزی لشکر کی تیاری کے لیے ایک چٹھی لکھدی اور اس حادثہ کی واقعہ کو کسی باغیانہ سازش پر محمول کر کے یہانتک بدحواس ہوئے کہ اپنی چٹھی میں اس سانحہ کی نسبت اشارہ کرنا بھی بھول گئے۔ یہ سب کچھ تو ہوا مگر دیوان صاحب کی ہمت اور حوصلہ مندی قابل تعریف ہے کہ جب انھیں سپرنٹنڈنسی کے بنگلہ میں لیجا کر پلنگ پر لٹایا ہے تو انھوں نے نہایت اطمینان کے ساتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ اس سے ناراض ہو کر سمت ۱۹۲۱ میں لال جی نے بغاوت اختیار کی۔ کچھ عرصہ تک لوٹ مار اور کشت وخون کی وارداتیں کرتا رہا لیکن آخر کار سب طرف سے مجبور ہو کر پالن پور حاضر ہوا اور ارتکاب جرائم کے متعلق اظہار ندامت کر کے ہتیار رکھدیے۔ اسکا یہ عاجزانہ برتاؤ دیکھکر دیوان زور آور خان کے دل میں رحم آیا اور قصور معاف کر دیا۔ اس بغاوت کی ابتدا ۱۸۶۶ء میں ہوئی اور ۱۸۶۷ء میں کرنل فیر صاحب قائم مقام پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے عہد میں اسکی حد برآری کا فیصلہ ہوا۔ یہ وہی کرنل فیر صاحب ہیں جنہوں نے ملہار راؤ گائکواڑ مہاراجہ بڑودہ کی نسبت زہر خورانی کا الزام لگانے اور تحقیقات مقدمہ کے لیے بڑودہ میں کمیشن بٹھانے کی بابت تمام ملک میں شہرت عام حاصل کی ہے ۱۲۰ ؂ ۔ لمولفہ

سنبھل کر اپنے بھائیوں اور عزیزوں کو یاد کیا اور کرنل صاحب سے ان کے بلانے کی خواہش کی جب تمام اعزا آگئے اور ان سب کے مشورہ سے محلات میں چلنے کی صلاح قرار پائی تو کمال استقلال کے ساتھ اسی پالکی میں سوار ہوگئے اور محلات میں تشریف لائے مگر کسی قسم کے انتشار یا گھبراہٹ کے آثار چہرہ پر نمایاں نہ تھے۔

جب دیوان صاحب محلات میں چلے آئے تو پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے مشورہ سے چھاؤنی ڈیسہ کا ایک یورپین ڈاکٹر بھی معالج مقرر ہوا لیکن دیوان صاحب نے ڈاکٹری علاج ناپسند کرکے یوسف[۱] خان وغیرہ اپنے معتمدین کو علاج کے لیے متعین کیا اور دیسی طریقہ پر اس عمدگی کے ساتھ علاج ہوا کہ دو ہی مہینے کی مدت میں زخم بالکل بھر گیا۔ یہ زخم تخمیناً ۶۔ انچ لمبا اور ایک انچ گہرا چھاتی پر بائیں طرف تھا اور صحت کے بعد بھی اس کا نشان دکھائی دیتا تھا، غسل صحت تک دیوان زور آور خان نے ہزاروں روپیہ غربا اور محتاجوں کو خیرات میں تقسیم کیا۔

ولیعہد رادھن پور کا پالن پور آنا

بسم اللہ خان بابی ولیعہد رادھن پور اسی سال بطور سیر و تفریح کے پالن پور آئے۔ دیوان صاحب نے بنظر رابطۂ اتحاد و محبت قدیم نہایت اخلاق اور تپاک کے ساتھ ان سے ملاقات کی اور مہمانداری میں خاطر و مدارات کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ ولیعہد بہادر اس دوستانہ گرمجوشی و ملنساری اور عزیزانہ برتاؤ دیکھکر اسقدر خوش ہوئے کہ ارادہ سے زیادہ یہاں قیام کیا۔

سمت ۱۹۲۵ کا قحط

سمت ۱۹۲۵ میں امساک باراں کے سبب تمام مارواڑ ایک مصیبت ناک قحط میں مبتلا ہوگیا۔ اس آفت آسمانی کے سبب صرف ہزاروں کنگلوں ہی نے جلاوطنی اختیار نہیں کی بلکہ متوسط درجے کے لوگ بھی وطن سے نکل کر گجرات اور مالوہ وغیرہ میں منتشر ہوگئے۔ لیکن یہ بھوکے جہاں گئے وہاں بھی سوکھا پڑ گیا اور انہیں فلاکت سے نجات نہ ملی جب ان کنگلوں کا گروہ پالن پور کے علاقہ میں آیا ہے تو

---

[۱] بہت سے بہاری تھا کہ اس قسم کے زخموں اور عارضہ سرطان وغیرہ کے علاج معالجہ میں اس وقت تک ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ ۱۲۰ لمولفہ

دیوان زور آور خان نے ان مصیبت کے ماروں کی اس طرح خبر گیری کی ہے جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی کرتے ہیں ضعیفوں کے لئے معمولی خیرات کے علاوہ سدابرت کے مصارف سہ چند اور چہار چند کر کے جابجا لنگر خانے جاری کر دئے جن میں روزمرہ دونوں وقت کھانا تقسیم ہوتا تھا۔ مزدوروں کی پرورش کے لئے ڈیپ کیپ کی سڑک کا کام شروع کر دیا تھا جس میں بہت سا روپیہ صرف ہوا۔

دیوان صاحب کی فیاضی۔ غربا پروری اور فراخ دلی یہیں تک محدود نہ تھی بلکہ اپنے لشکر کے ملازم سپاہیوں کی رفع تکلیف کا خیال کر کے ان کی ماہانہ تنخواہوں میں بھی پچیس فیصدی کا اضافہ کر دیا تاکہ اس قحط کے اثر اور قحط زدوں کی نحوست سے امن رہے۔ علاوہ بریں آسائش عامہ کے لئے غلہ کے محصول میں تخفیف کر کے صیغہ آمدنی متعلقہ ریاست کی ایک معتدبہ رقم معاف کر دی اور مجوزہ نرخ سے ارزاں اناج بیچنے کی شرط پر بیوپاریوں کی دکانیں کھلوائیں مگر باوجود ان مفید تدبیروں کے اناج کا نرخ تین روپیہ من (گجراتی) سے کم نہوا۔ اس قحط سالی کے پرآشوب زمانہ میں غربا اور قحط زدوں کو عثمان خان ابن دیوان فتح خان اور مہاجنوں کی طرف سے بھی اناج اور بھنے ہوئے چنے وغیرہ تقسیم کئے جاتے تھے۔

ٹڈی دل — سمت ۱۹۲۵ کی قحط سالی اور مصیبت ختم ہونیکے بعد اضلاع مارواڑ میں بارشیں خوب ہوئیں اور فصلیں بھی سرسبز و شاداب نظر آنے لگیں جس سے امید قوی تھی کہ اب مخلوق کے آنسو پچھ جائیں گے لیکن ابھی یہ امیدیں جنگلوں ہی میں لہلہا رہی تھیں کہ ٹڈیاں آفت ناگہانی کی طرح آئیں اور تمام کھیتوں کو چاٹ گئیں۔ اسوقت کی ناامیدی ایک عجیب ناامیدی تھی۔ کاشتکار اور زمیندار کلیجہ پکڑ پکڑ کر بیٹھ گئے۔ آوارہ وطن اور مصیبت زدہ مارواڑی جو اپنے ملک کی سرسبزی کا حال سنکر گھروں کی طرف جانے لگے تھے پھر لوٹ آئے جہاں جہاں کا سینگ سمایا نحوست اور گرانی غلہ کو ساتھ لے کر نکل گیا اور سمت ۱۹۲۶ بھی سمت ۱۹۲۵ کا نمونہ بن گیا۔ دور و دراز ملکوں کو تو خیر جو کچھ تکلیف پہنچی پہنچی مگر اضلاع متصلہ کو ان مرنیوالوں نے نیم مردہ ضرور کر دیا اور قرب و جوار کے لوگ ان پریشانوں کی پریشانی سے پریشان ہوگئے۔

تنخواہوں میں اضافہ اس ریاست میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ نوکروں کی ماہواری تنخواہ کی چھٹیاں اساڑھ سدی ۲ اور پوس سدی ۲ کو سال میں دو دفعہ ہوا کرتی تھیں یعنی ششماہی تنخواہ دینے کا رواج تھا۔ البتہ دفتر کی جانچ پڑتال کے بعد مدار المہام ریاست کی مہر ثبت ہو کر یہ چھٹیاں والی ریاست کی مہر خاص کے لئے پیش کی جاتی تھیں لیکن سمت ۱۹۲۷ میں اول تو دیوان صاحب کی طرف سے متواتر خشک سالیوں کے سبب شش ماہی کی جگہ سہ ماہی تنخواہ تقسیم کرنے کا انتظام فرمایا گیا اور دوسرے جب حسب ضابطہ تنخواہ کی چھٹیاں مہر خاص کے لئے حضور میں پیش ہوئیں تو مزید پرورش اور شفقت کے طور پر تنخواہوں میں اضافہ کا حکم بھی نافذ کیا۔

نور الشمال سمت ۱۹۲۸ کا عام اور بڑا واقعہ یہ ہے کہ ۴ فروری ۱۸۷۲ء مطابق ۲۳ ذیقعدہ ۱۲۸۸ھ یوم دوشنبہ کو پالن پور میں تقریباً رات کے گیارہ بجے آسمان پر شمال کی جانب سرخی[۱] نمودار ہو کر دو گھنٹے تک قائم رہی

---

[۱] اس روشنی کو انگریزی میں "اَوروَرا بوریالس" (نور الشمال) کہتے ہیں۔ یہ روشنی زیادہ تر اُن ملکوں میں دکھائی دیتی ہے جو دائرہ قطب شمالی میں واقع ہیں۔ چونکہ ان ممالک میں چھ مہینے تک رات رہا کرتی ہے اس لئے قدرت نے وہاں کے باشندوں کے آرام کے لئے یہ ایک ایسی روشنی پیدا کر دی ہے جس کے ذریعے وہ اپنے تمام کاروبار انجام دے سکتے ہیں جیس طرح ہنڈولا اپنی جگہ پر ہلا کرتا ہے اسی طرح یہ روشنی بھی قطبی دائرہ میں بشکل کمان متحرک رہتی ہے۔ اس کمان میں سے مختلف رنگوں کی شعاعیں اوپر کو دوڑتی ہیں جنکا رنگ کبھی تو قوس قزح کی طرح ستلون اور کبھی بالکل سرخ ہوتا ہے اور اس روشنی کے نیچے دھندلی سیاہ گھٹا کا ایک خط کھنچا ہوا نظر آتا ہے۔ ابتدائً یہ روشنی اوپر چڑھتی ہے اور دائرہ سمت الراس سے کچھ ڈگری بلند ہو کر سیاروں کے گرد ایک چمکدار حلقہ بن جاتی ہے جسکو انگریزی میں "کورونا" کہتے ہیں۔ یہ روشنی ایسی تیز ہو جاتی ہے کہ آفتاب کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ فلاسفۂ یورپ نے بجلی کا چمکنا۔ ہوا کا سرد ہونا۔ برف کا گرنا اور مطلع کا صاف دکھائی دینا اسی روشنی کے مدلولات بتائے ہیں لیکن ابتک ثابت نہیں ہوا کہ یہ نور الشمال کسقدر بلندی پر ہے۔ بعض کا قول ہے کہ زمین سے ۴۶ میل اونچا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ عام بادلوں کی برابر اسکی بلندی ہے ۱۸۶۱ء میں بھی یہ روشنی اسقدر بلندی پر واقع ہوئی تھی کہ ایک ہی وقت کل یورپ میں نظر آئی تھی۔ اس روشنی کے وقت اشیائے مقناطیسی کی قوت جاذبہ زائل ہو جاتی ہے۔ اسکی وجہ دریافت کرنے میں یورپ کے فلاسفروں نے بہت کوششیں کیں مگر ابتک کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔ اگرچہ ہمنے نور الشمال کی ماہیت تو بتا دی لیکن یہ فیصلہ کرنا ہمارے دائرہ امکان سے خارج ہے کہ جو روشنی پالن پور وغیرہ میں دکھائی دی تھی وہ اسی نور الشمال کی روشنی تھی یا کسی اور قسم کی۔ ۱۲ ۔ لمولفہ

یہ سرخی مشرق سے مغرب تک افق شمالی کے تمام حاشیہ میں پھیلی ہوئی تھی اور بلندی میں سمت الراس کے دائرہ سے کسی قدر شمال کی جانب جھکی ہوئی تھی۔ اس سرخی میں روشن ستارے بھی جگمگاتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ جب تک یہ روشنی قائم رہی، سردی نہایت شدت کے ساتھ پڑتی رہی۔ قطب نما وغیرہ کی قوت جاذبہ کسی مقام پر تو بالکل جاتی رہی اور کہیں ناقص ہو کر کمزور پڑ گئی تھی۔

لارڈ میو کا قتل

اسی سال ۸ر فروری کو لارڈ میو وائسرائے و گورنر جنرل ہند جزیرۂ انڈمان میں شیر علی خان ایک دائم الحبس قیدی کے ہاتھ سے مقتول ہوئے جنکے قتل سے ممالک انگلستان و ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا کیونکہ علاوہ گورنر جنرل ہند ہونیکے لارڈ ممدوح دولت انگلشیہ کے ارل بھی تھے۔ حضور دیوان صاحب کی طرف سے اس موقع پر بتوسط سر سیمور فٹنز جیرلڈ صاحب بہادر گورنر بمبئی کے خریطہ تعزیت بھیجا گیا جسمیں اس ناگہانی واقعہ کی نسبت افسوس اور لارڈ مرحوم کے خاندان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا گیا تھا۔

توضیع قوانین

سمت ۱۹۲۹ میں ریاست پالن پور کے محکمہ جات دیوانی و فوجداری کی باضابطہ کارروائی کے لئے مدار المہام ریاست اور دوسرے اہلکاروں کی تجویز سے مجموعۂ قوانین کا مسودہ مرتب ہوا۔ کچھ دنوں تک نظر ثانی ہوتی رہی اور بہت سی دفعات میں ترمیم و اصلاح ہونیکے بعد طبع کرایا گیا۔ بعد ازاں سمت ۱۹۳۰ میں کہ مہتہ منگل جی ولد ایشور کی مدار المہامی کا زمانہ تھا، پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی رائے سے یہ قانون رائج ہوا اور محکمہ جات متعلقۂ دیوانی و فوجداری میں اسی پر عملدرآمد ہونے لگا۔ یہ قانونی مجموعہ جو آئین ریاست اور رسم و رواج ملکی کو مدنظر رکھکر سرکار انگریزی کے قوانین کی مناسبت سے ترتیب دیا گیا تھا، ایک ایسا مختصر مگر جامع مجموعہ ہے کہ اصول ضوابط قانونی پر نہایت عمدگی کے ساتھ حاوی ہے۔

اس مجموعہ میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اسکے وضع کرنے میں صرف برٹش گورنمنٹ کے آئین ہی کا اتباع نہیں کیا بلکہ عموماً اپنی ہمسایہ دیسی ریاستوں کے مروجہ و مجوزہ قوانین کا بھی بہت زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے۔

تاہم وقتاً فوقتاً احکام عامہ کے ذریعہ سے حسب ضرورت بہت سی دفعات کے متعلق کچھ نہ کچھ مفید ترمیم و تنقیح

عمل میں آتی رہی ہے۔

اگرچہ سیاست ملکی میں دیوان فتح خان جن اصولوں کی پابندی کرتے تھے وہ اُس زمانہ کی مناسبت سے نہایت مفید و کارآمد تھی اور یہ بھی درحقیقت ان ہی کی دماغی قابلیت کا نتیجہ تھا کہ محکمہ جات دیوانی و فوجداری کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دو علیحدہ محکمے قائم کردئے تھے لیکن چونکہ زمانہ کی حالت ہمیشہ سے تغیر پذیر چلی آرہی ہے اور انسانی طبائع جدت پسند مانی گئی ہیں اس لئے دیوان زورآور خان نے یہ دیکھکر کہ سرکار انگریزی کے نئے قوانین نے پچھلے تمام قانونوں کو تقویم پارینہ کی طرح پس پُشت ڈال دیا ہے، اپنے ہاں بھی تجدید قوانین پر زور دیا اور اپنی روشن دماغی سے عدالتوں اور قوانین میں بہت سا مناسب تغیر و تبدل کیا جس سے یہ نتیجہ نکلا کہ رعایا خوشحال نظر آنے لگی۔ ریاست میں فارغ البالی اور آزادی پھیلنی شروع ہوئی اور ہر طرف ترقی کے آثار پیدا ہوگئے۔

موقوفی کفالت شمشیر خان کی بے اعتدالیوں اور بدانتظامیوں کی بدولت ریاست نے جسقدر مالی نقصان اُٹھایا اُس کا حال گزشتہ صفحات میں بیان ہوچکا ہے اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ دیوان فتح خان کی مسند نشینی کے وقت گورنمنٹ انگریزی نے تخفیف مصارف کی غرض سے ادائے قرضہ تک ریاست کو سرکاری باونڈری یعنی کفالت میں لے کر اسکی آمد و خرچ پر اپنی نگرانی برقرار رکھی تھی لیکن چونکہ اب دیوان زورآور خان کی حکومت کا زمانہ تھا۔ ملک میں ہر طرح کا امن ۔ خزانہ کی حالت قابل اطمینان اور فضول خرچیوں کے راستے مسدود ہوچکے تھے۔ نیز آپ کے ہونہار ولیعہد کے پُرشوق اور مبارک ہاتھ ریاست کے نظم و نسق میں حصے لے رہے تھے اس لئے دیوان زورآور خان کو ولیعہد بہادر نے اپنی قابلانہ دوراندیشی کے سبب ریاست کو انگریزی کفالت سے سبکدوش کرلینے کی صلاح دی۔ چنانچہ دیوان صاحب نے اپنے عالی حوصلہ ولیعہد کی اس تجویز کو پسند فرماکر پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی وساطت سے سرکاری کفالت اُٹھا لینے کی بابت گورنمنٹ میں درخواست کی اور گورنمنٹ نے بھی ریاست پالن پور اور اسکے فرمانروا کو

دور اندیش۔ منتظم۔ وفادار اور خیر خواہ سمجھکر سمت ۱۹۳۰ میں اپنی کفالت اُٹھالی۔

اس باونڈری کے اُٹھ جانے کے بعد معموری خزانہ کی بابت کئی دیہات الگ کر کے صیغۂ مال کے لئے جدید انتظام کیا گیا جس کی نسبت گورنمنٹ کا رزولیوشن نمبری ۱۴۴۰ مورخہ ۱۹ ر مارچ ۱۸۷۴ء مع یادداشت پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور نمبری ۵۵۴ مرقومہ ۲۳ ر مارچ ۱۸۷۴ء اور قرارداد گورنمنٹ نمبری ۵۰۰۷ محررہ ۲۹ ر مئی ۱۸۷۵ء مع یادداشت پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور نمبری ۹۴۵ مقومہ ۲۹ ر اکتوبر ۱۸۷۵ء معائنہ طلب ہے۔

سفر بمبئی

سمت ۱۹۳۲ میں جب شاہزادہ پرنس آف ویلز (حال ملک معظم ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہند و انگلینڈ) ہندوستان کی سیاحت کے لئے تشریف لانیوالے تھے تو گورنمنٹ کی طرف سے دیسی ریاستوں کے پولٹیکل ایجنٹوں کے نام ایک سرکیولر نافذ کیا گیا جس کا منشا تھا کہ

"ہر ایک پولٹیکل آفیسر کا اپنے اپنے علاقہ کے رئیسوں کو ہمراہ لے کر شاہزادہ محتشم الیہ کی ملاقات اور استقبال کے لئے آنا ضروری سمجھا گیا ہے۔"

نظر برآں کرنل اے۔ وائی۔ شورٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے بھی دیوان زورآور خان کو گورنمنٹ کی طرف سے مدعو کر کے بمبئی جانے کی صلاح دی۔

پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی ہدایت کے بموجب دیوان زورآور خان مع اپنے ولیعہد صاحبزادہ شیر محمد خان اور برادران والاشان و ارکین ریاست کے ۱۴ ر رمضان ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۵ ر اکتوبر ۱۸۷۵ء کو دن کے گیارہ بجے دارالریاست سے روانہ ہو کر قصبہ سدھ پور و کلول ہوتے ہوئے ۲۰ ر رمضان کو احمد آباد پہنچے اور احمد آباد کے ریلوے اسٹیشن پر کلکٹر صاحب احمد آباد اور دوسرے یورپین افسروں۔ دیسی عہدہ داروں اور عمائدین شہر سے (جو استقبال کے لئے موجود تھے) ملاقات کر کے اسٹیشن سے قریب باروڈل داؤ (باؤلی) پر قیام کیا اور ۲۵ ر رمضان کو اسپیشل ٹرین میں رات کے آٹھ بجے

سوار ہوکر دوسرے روز صبح کے آٹھ بجے بمبئی پہنچے۔

چونکہ ولیعہد بہادر شیر محمد خان انتظامات ضروری کے لیے تین چار روز پیشتر بمبئی تشریف لے گئے تھے اس لیے جب دیوان صاحب کی خاص ٹرین بمبئی پہنچی ہے تو وہ مع پولیٹیکل سکرٹری اور بہت سے یورپین افسروں اور معززین شہر سمیت پلیٹ فارم پر استقبال کے لیے موجود تھے۔ مراسم استقبال نہایت تپاک اور خوش اسلوبی کے ساتھ ادا کیے گئے اور دیوان زور آور خان مع استقبالی پارٹی کے بگھیوں میں سوار ہوکر بینڈ اور دیگر لوازم تعظیمی کے ساتھ جو جلو میں حاضر تھے، اپنے قیامگاہ موتی بائی کے بنگلہ واقع گرگاؤں میں تشریف لے گئے۔

۲۷ رمضان کو دیوان زور آور خان مع اپنے بھائی بیٹوں کے سر فلپ وڈہاؤس صاحب بہادر گورنر بمبئی کی ملاقات کے لیے گئے۔ ایوان گورنری کے زینہ پر قدم رکھتے ہی خوشی کا باجا بجا۔ رسالہ کے سواروں نے تعظیمی سلامی دی اور حسب معمول آمد و رفت کے وقت گیارہ گیارہ ضرب توپ سلامی سر ہوئیں۔ سکرٹری صاحب نے گورنری بنگلہ کے احاطہ تک استقبال کرکے دیوان صاحب کو گورنر صاحب کی دہنی طرف ایک نقرئی کوچ پر بٹھایا اور دوسرے ہمراہیوں کے لئے اُسی طرف چاندی کی کرسیوں پر جگہ دی۔

۲۹ رمضان کو گورنر صاحب بہادر بمبئی کی ملاقات[۱] بازدید کے لئے دیوان صاحب سکرٹیریٹ میں تشریف لے گئے۔ مراسم استقبال وغیرہ نہایت خوبی کے ساتھ ادا کیے گئے۔ اس دربار میں دیوان صاحب اور گورنر صاحب بہادر ایک ہی کوچ پر جلوہ افروز تھے۔ دیوان صاحب نے گورنر صاحب بہادر کو اور ولیعہد بہادر نے افسران انگریزی کو جو حاضر دربار تھے، عطر و پان کی تواضع کی اور دربار برخاست ہوا۔

---

[۱] اس موقع پر کم فرصتی کی وجہ سے گورنمنٹ بمبئی نے پہلے سے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ رؤسا کے ساتھ ملاقات بازدید بجائے ان کے قیام گاہوں کے ایوان سکرٹیریٹ میں کی جائیگی۔ ۱۲۔ لمولف

۴؍شوال مطابق ۳؍نومبر کو لارڈ نارتھ بروک صاحب بہادر وائسرائے ہند کی ملاقات کے لیے دیوان صاحب دربار گورنری میں تشریف لے گئے حسب معمول استقبال اور سلامی کی رسمیں عمل میں آئیں حضور وائسرائے صاحب بہادر نے دیوان صاحب اور ولیعہد بہادر سے مصافحہ کر کے اپنے دست خاص سے عطر و پان دیا پھر سکرٹری نے ایک فہرست پڑھی جس میں خاندان ریاست کے ممبروں کے نام درج تھے۔ ہر ایک نے اپنا اپنا نام آنے پر معمولی پیشکش کی رسم ادا کی اور سکرٹری صاحب بترتیب عطر و پان کی تواضع کرتے گئے۔

دوسرے روز ہز اکسیلنسی گورنر جنرل ہند کی ملاقات بازدید کے لیے دیوان صاحب دیوان سکریٹریٹ میں تشریف لے گئے حسب معمول بینڈ نے سلامی دی اور سکرٹری صاحب نے استقبال کر کے سکریٹریٹ کے اس کمرے میں بٹھایا جو ان کے لیے پیشتر ہی سے مقرر کر دیا گیا تھا جب عالیجناب وائسرائے صاحب بہادر دیوان صاحب کی نشست کے کمرے میں تشریف لا رہے تھے تو پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ایماء کے بموجب دیوان صاحب اور ان کے بھائی بندوں نے وائسرائے بہادر کا مودبانہ استقبال کیا۔ معمولی مزاج پرسی کے بعد ہز اکسیلنسی نے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے توسل سے دیوان صاحب کے ساتھ مختصر گفتگو کی جس کا ماحصل تھا کہ

"ملاقات بازدید کے لیے میں خود آپ کے قیامگاہ پر آنا چاہتا تھا مگر گورنمنٹ بمبئی نے اپنی کم فرصتی کے سبب پہلے سے جو تجویز کی تھی اُسکا بدلنا مناسب نہ سمجھا اور آپ کو یہاں بُلانے کی تکلیف دی گئی۔"

بعد ازاں خاندانِ ریاست کے ممبروں میں سے ہر ایک نے حسب مراتب نذریں پیش کیں اور دربار برخاست ہوا۔

۸؍نومبر ۱۸۷۵ء کو حضور شاہزادہ پرنس آف ویلز صاحب بہادر سرالپس اسٹیمر میں رونق افروز

بمبئی ہوئے۔ دیوان صاحب اپنے ولیعہد بہادر اور ممبران خاندان کے ساتھ دن کے دو بجے اپولو بندر کی گودی پر تشریف لے گئے جہاں تمام رئیسوں کی علیٰ قدر مناسب نشست کا انتظام کیا گیا تھا۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے پرنس آف ویلز صاحب بہادر نے پلیٹ فارم پر قدم رکھا۔ والسرائے ہند اور گورنر بمبئی نے استقبال کیا ازاں بعد والسرائے صاحب بہادر نے شاہزادہ صاحب بہادر کے ساتھ رہ کر نشست کی ترتیب کے موافق ہر ایک رئیس سے ملاقات کرائی۔ والیان ریاست کی ملاقات کے بعد شاہزادۂ عالم پناہ اور والسرائے صاحب بہادر ایک گاڑی میں سوار ہوئے اور جب تمام رؤسا بھی اپنی اپنی سواریوں پر علیٰ قدر مراتب ترتیب وار بیٹھ گئے تو یہ شاہانہ جلوس عجب تزک و احتشام کے ساتھ شہر کی طرف روانہ ہوا۔

۹ر نومبر کی صبح کو دیوان صاحب گورنمنٹ ہاؤس میں شاہزادہ بہادر کی ملاقات کے لئے گئے۔ اسی تاریخ چھ اور رئیسوں کی ملاقات بھی مقرر تھی۔ مراسم استقبال کے بعد حسب مراتب کرسیوں پر بیٹھے۔ پولٹیکل افسروں کے توسل سے ہر ایک رئیس پیش ہوا۔ رئیس کی پیشی کے وقت شاہزادۂ والاتبار اپنی کرسی سے اُٹھتے تھے۔ جب یہ کارروائی ہو چکی تو سکرٹری صاحب کھڑے ہوئے اور شاہزادہ بہادر کے ایما سے والیانِ ریاست کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگے کہ شاہزادہ صاحب بہادر فرماتے ہیں کہ

"میں آپ کی تشریف آوری اور ملاقات سے نہایت محظوظ و مسرور ہوا۔ میں چاہتا تھا کہ اپنے ہر ایک معزز مہمان کے فرودگاہ پر جا کر علٰحدہ علٰحدہ ملاقات بازدید کروں لیکن عدیم الفرصتی نے یہ موقع نہ دیا۔"

بعد ازاں سکرٹری صاحب عطر و پان لائے اور شاہزادۂ والاجاہ نے بہ ترتیب نشست ہر ایک والی ریاست کو اپنے دست خاص سے عطر و پان کی تواضع کی اور مصافحہ کر کے تشریف لے گئے۔

۱۱ر نومبر کا دن چونکہ شاہزادۂ والاگوہر کی الوداعی ملاقات کے لئے مقرر کیا گیا تھا اس لئے دیوان زور آور خان

مع ولیعہد بہادر اور بھائیوں کے تین بجے شام کو ایوان سکریٹریٹ میں تشریف لے گئے۔ شاہزادہ عالم کے سکرٹری نے رسم استقبال بجا لاکر دیوان صاحب کو ایک عالیشان کمرے میں بٹھایا۔ تھوڑی دیر کے بعد شاہزادہ والا قدر تشریف لائے۔ دیوان صاحب نے کمرے کے دروازہ تک استقبال کیا۔ شاہزادہ نے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے توسل سے دیوان صاحب کی مزاج پرسی کی اور دریافت کیا کہ۔

"آپ نے بمبئی کو دیکھا اور یہ شہر پسند بھی آیا یا نہیں؟"

اسکے جواب میں دیوان صاحب نے کہا کہ

"یہ شہر واقعی نہایت عمدہ اور قابل دید ہے"

اور پھر کرسی سے اُٹھ کر نذر پیش کی جس پر شاہزادہ صاحب بہادر نے اپنا ہاتھ رکھا۔ بعد ازاں ولیعہد بہادر اور دوسرے بھائیوں نے نذریں گزرانیں۔

جب نذریں گزر چکیں تو شاہزادہ گردوں اساس کے اشارہ سے سکرٹری صاحب ایک خوان لائے جسپر بہت نفیس زرکار تورہ پوش ڈھکا ہوا تھا۔ اس خوان میں ایک نقرئی چاند (ہلالی شکل کا تمغہ) اور ایک انگشتری رکھی ہوئی تھی۔ شاہزادہ بہادر نے اپنے دست مبارک سے وہ تمغہ اور انگشتری سکرٹری کے ہاتھ میں دی جنہوں نے اس تمغہ کو دیوانصاحب کے قبا میں ٹانک دیا اور انگشتری پیش کی۔ دیوان صاحب نے درباری سلام کیا اور انگلی میں انگشتری پہن لی۔ اس تمغہ میں شاہزادہ عالم کی تصویر اور انگریزی حرفوں میں انکا نام لکھا ہوا تھا اور حاشیہ پر یہ فقرہ کندہ تھا۔

"جو بُرا چاہے اُس کا بُرا ہو"

بعد ادائے رسم عطر و پان شاہزادہ بہادر وہاں سے اُٹھ کر نواب صاحب رادھن پور کے کمرے میں تشریف لے گئے۔

عالیجناب شاہزادہ پرنس آف ویلز بہادر کی تشریف آوری کے موقع پر ایجنسی پالن پور کے دو کامل الاختیارات والیان ملک یعنی دیوان زور آور خان بہادر لوہانی اور نواب بسم اللہ خان بہادر بابی روالی رادہن پور) بمبئی گئے تھے اور حسن اتفاق سے یہ دونوں اسلامی رؤسا احمد آباد سے ایک ہی اسپیشل ٹرین میں سوار ہوکر بمبئی بھی پہنچے تھے۔ دیوان صاحب تقریباً ایک مہینے تک بمبئی کے تمام عجائبات اور قابل دید مناظر کی سیر فرما کر اپنے دار الریاست میں تشریف لائے۔ اس سفر میں دیوان صاحب کے ہمراہ تین سو سے زیادہ ملازم وغیرہ تھے۔

بارش کا دوسرا طوفان

بمبئی کے سفر سے تخمیناً ڈہائی تین مہینے پیشتر چونکہ بارش کی کثرت اور ندیوں کی طغیانی[۱] کے سبب اکثر کھیت بلکہ آباد گاؤں تک دریا برد ہوگئے تھے اس لئے بمبئی سے واپس تشریف لاکر خستہ دل رعایا اور غریب کسانوں کے شکستہ حال پر خیال کرکے اکثر واجب الادا رقموں میں تخفیف کی گئی۔ یہانتک کہ کئی برسوں کے لئے واجب الوصول حقوق ریاست کا کچھ حصہ بھی معاف اور مرفوع القلم کردیا گیا اور تقاوی بھی دی گئی چنانچہ قلیل البضاعت دہقانوں کی مدد کے لیے جو صیغۂ تقاوی قائم کیا گیا تھا وہ اسوقت تک بدستور جاری ہے۔

دربار قیصری کی خوشی

یکم جنوری ۱۸۷۷ء کو علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے قیصرۂ ہند کا خطاب اختیار کیا۔ اس مبارک اور مسرت انگیز تقریب پر برٹش انڈیا میں جابجا خوشی منائی گئی چنانچہ جس روز دہلی میں یہ شاہی دربار منعقد ہوا تھا، خاص پالن پور میں بھی بڑی شان و شوکت کے ساتھ اظہار مسرت کی غرض سے ایک دربار

---

[۱] کہتے ہیں کہ کوہستان اراولی میں شدت بارش کے سبب اڈر کے مشہور تالاب "ڈھیبر" کے بند کا ٹوٹ جانا اس سیلابی طوفان اور ندیوں کی طغیانی کا باعث ہوا تھا جس سے اضلاع گجرات کو بہت نقصان پہنچا۔ عجیب تماشہ یہ تھا کہ جب سابرمتی ندی کی طغیانی سے ریلوے کا پل ٹوٹ کر احمد آباد کا اکثر حصہ غرقاب ہوگیا تھا اسوقت وہاں مطلع بالکل صاف تھا اور آسمان پر ابر کا نام و نشان تک دکھائی نہ دیتا تھا۔ ۱۲۔ لمولفہ

بھر اگیا اور تمام شہر میں روشنی کی گئی۔ دیوان زور آور خان اپنی علالتِ طبع کے سبب دربارِ قیصری میں شریک ہونیکے لئے دہلی نہیں جاسکے تھے اس لئے اپنے دارالریاست ہی میں بڑا دربار بھر کر دل کے حوصلے نکالے اور گورنمنٹ کو اپنی سچی وفاداری و خیر خواہی کا ثبوت دیا۔

ایک پختہ سڑک

سمت ۱۹۳۱ میں پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب اور دوسرے یورپین مہمانوں کی ہواخوری کے لئے شہر پالن پور سے جنوب کی طرف موضع جگانہ تک تقریباً ساڑھے تین میل ایک پختہ سڑک بنانے کا حکم دیا گیا تھا وہ سڑک دو برس کے بعد یعنی سالِ رواں میں بن کر تیار ہوگئی۔ اس سڑک پر دو رویہ درخت بھی لگائے گئے تاکہ راہگیروں کو موسم گرما میں آرام ملے۔

زور آور خان کی وفات

ممبئی کی آب و ہوا چونکہ دیوان صاحب کے مزاج کے خلاف پڑی تھی اس لئے کھانسی اور سینہ پر اجتماع کف کی شکایت جو وہاں پیدا ہوگئی تھی، پالن پور میں آکر بھی باقی رہی۔ اگرچہ ڈاکٹر وتو بنیتھم کے علاج سے کچھ عرصے کے لئے بیچ میں کسی قدر افاقہ بھی معلوم ہونے لگا تھا لیکن فسادِ خون کے سبب نقاہت بدستور موجود تھی اور مرض روز بروز بدن میں گھر کرتا جاتا تھا۔ ڈاکٹروں، طبیبوں اور دیسی ویدوں نے حتی الامکان علاج میں کوشش کی مگر حالت نازک ہی ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ سمت ۱۹۳۴ رسال سرکاری) کے اساڑھ مہینے میں صاحب فراش ہوگئے اور اسی سرکاری سمت کے ماہ ساون بدی ۴ مطابق ۲۸ اگست ۱۸۷۷ء ۱۸ شعبان ۱۲۹۴ھ منگل کو پچھلی رات کے وقت اس دنیائے ناپائدار کو خیر باد کہا۔ اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون ط

یوں تو موزوں طبع شاعروں نے دیوان زور آور خان کے واقعۂ وفات کی نسبت بہت سی تاریخیں لکھی ہیں لیکن اس موقع پر ہم صرف ایک قطعۂ تاریخ پر اکتفا کرتے ہیں جو مولانا و استادنا حضرت سید رحمت میاں صاحب گلشن مرحوم کے پرزور قلم سے نکلا ہوا ہے۔ ؎

زور آور خاں امیر عدل گستر	کہ در جود و سخاوت بود کامل

ازیں دارِ فنا چوں کرد رحلت　　　　بہ بزمِ قدسیاں گردید شامل

چوں گلشن جست تاریخ وفاتش

خرد گفتہ "شد و فردوس داخل"

۱۲۵۴ھ

اخلاق اور حلیہ

دیوان زور آور خان نہایت فیاض۔ رقیق القلب۔ متحمل۔ خدا ترس۔ فقیر دوست۔ منکسر المزاج خوش اقبال اور سادگی پسند رئیس گزرے ہیں۔ ان کی فیاضی و عالی حوصلگی نے دور و دراز ملکوں میں شہرت و ناموری حاصل کر لی تھی۔ خیر و برکات کا سلسلہ ایسا جاری تھا کہ آپ کے محل کے نیچے متعدد سائلوں اور حاجت مندوں کا گروہ موجود رہا کرتا تھا اور ہر شخص علیٰ قدر مراتب فیضیاب ہو کر جاتا تھا۔ قدرت نے آپ کی ذات والا صفات میں ہمدردی و رحم دلی کا وہ مادہ ودیعت کیا تھا کہ کسی کا دُکھ اپنی آنکھ سے نہ دیکھ سکتے تھے اور یہی سبب تھا کہ غربا اور مساکین کی امداد و اعانت میں بہت زیادہ حصّہ لیتے تھے۔ خصوصاً اپنے بھائی بیٹوں اور ممبران خاندان کے ساتھ ایسا عمدہ برتاؤ تھا کہ آپ کی کنبہ پروری کا تذکرہ اس وقت تک ضرب المثل کے طور پر لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا ہے۔ گو معمولی گجراتی کے سوا آپ نے کسی اور علوم کی تعلیم نہیں حاصل کی تھی باوجود اس کے طرز گفتگو اور اندازِ کلام کچھ ایسا دلپسند اور معنی خیز تھا کہ آپ کے سامنے بڑے بڑے کارگزار متصدی اور ارا کین ریاست باتیں کرنے میں چوکڑی بھول جایا کرتے تھے۔ یہ آپ کی جبلّی عادت تھی کہ بلا امتیاز نیک و بد ہر کس و ناکس کو اپنی فیاضی سے اکثر اوقات مالا مال کر دیتے تھے اور جب اس قسم کی سخاوت پر کوئی اعتراض کرتا تو آپ خندہ پیشانی سے فرماتے کہ

"جس طرح آگ کے بجھانے میں پاک اور ناپاک پانی کا اثر یکساں ہے اسی طرح دوزخ کی آنچ سے بچانے کے لیے بھی سخاوت بیجا و بجا ایک ہی تاثیر رکھتی ہے!!"

آپ کا قد متوسط۔ ابرو خمدار اور بڑے۔ پیشانی کشادہ۔ ناک ستواں اور نکیلی۔ آنکھیں بڑی بڑی اور چہرہ بشاش و پُرنور

ڈاڑھی گھنی اور شاندار۔ چہرہ نہایت وجیہ اور مردانہ۔ سینہ فراخ۔ رنگ شہابی لطافت آمیز اور اعضا قوی و متناسب تھے۔

رسوماتِ غمی — اس ریاست میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ فرمانروائے ملک کی وفات کے وقت بھاٹ۔ چارن اور جاگڑ بھاشا میں پواڑا (مرثیہ) موزوں کرتے ہیں۔ جس کو ڈھاڑنیں (میراثنیں) پیچ یا کرائیں (ایک گجراتی راگنی) کے سروں میں گاتی ہیں اور ڈھولک کو اوندھا کر کے بجاتی ہیں۔ نوحہ گر عورتیں سر کے بال کھولے ہوئے حلقۂ ماتم باندھ کر چکر لگاتی ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے چھاتی کوٹتی ہیں اور تال سُر کے ساتھ "کوکو" کا نعرہ بلند کر کے چیخیں چلاتی ہیں۔ میراثنوں اور ماما اصیلوں کے لباس گیروے رنگ کے ہوتے ہیں اور خاندان ریاست کی بیگمات سیاہ لباس پہنتی ہیں۔ مرد سیاہ پگڑی باندھتے ہیں اور تمام زیب و زینت اور لذتوں کو ترک کر دیتے ہیں۔ ماما اصیلیں اور لونڈیاں باندیاں حکماً اپنے ہاتھوں کی چوڑیاں بڑھاتی ہیں لیکن سوگ اُٹھنے کے وقت ان عورتوں کو رنگین کپڑے اور چوڑیوں کے عوض نقد روپیہ سرکار سے دیا جاتا ہے۔ دسویں اور چالیسویں کے روز تمام خاندان کی عورتیں اور مرد اپنی اپنی جاگیر کے گاؤں سے آ کر شریک تعزیت ہوتے ہیں۔ دسویں۔ بیسویں اور ساٹھی (ساٹھویں روز) کے دن تمام اہلیان خاندان اور شہر کے مسلمانوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔ لیکن چہلم کے روز ایک ایسی عام دعوت ہوتی ہے جس میں شہر کے کل اہل اسلام اور ہنود شریک کیے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے لیے عموماً پلاؤ اور شیرہ (حلوا) پکتا ہے اور اہل ہنود کو آٹا۔ چاول۔ گھی اور شکر وغیرہ جنس بطور حصہ رسد تقسیم کرنے کا رواج ہے۔ باوجود خشک سالی کے اس موقع پر نہایت فراخ دلی اور فیاضی کے ساتھ غمی کی تمام رسومات ادا کی گئی تھیں۔

دیوان زور آور خان کی وفات پر حسب دستور مروجہ تابنے کے بڑے عالیجناب شیر محمد خاں بہادر کی طرف سے اور پیتل کی ٹبلوئیاں باجی باجھالی جی صاحبہ کے نام سے مع گھیور کی مٹھائی کے

اہالیانِ خاندان۔ معززین شہر اور ملازمین وغیرہ کو تقسیم کی گئیں جسکو یہاں کی اصطلاح میں "دوہری لالی" کہتے ہیں۔ غرضکہ تقریبًا دس گیارہ مہینے کے بعد ان رسوم کے خاتمہ پر مدار المہام نے اپنی طرف سے اہالیانِ خاندان اور معززین ریاست کو دعوت دی اور شہر سے باہر بلاکر ایک باغ میں پرتکلف کھانا کھلایا۔ اس دعوت کے بعد رعایا نے خوشی کی تقریبیں شروع کر دیں۔ یہ دعوت گویا سوگ اُٹھ جانیکا اعلان ہے۔

(بقلم آثم خواجہ فہیم حسین نازک رقم اکبر آبادی اڈیٹر رسالہ زبان و مالک زبان پریس)

"دہلی"

یا فتاح

تاریخ پالن پور

جلد سوم

جس میں

ہزہائنس زبدۃ الملک دیوان (نواب) سر شیر محمد خان بہادر

جی۔سی۔آئی۔ای والی حال خلد اللہ ملکہم و حشمتہم

کے

زمانۂ حکومت کے بالتفصیل واقعات و

حالات مندرج ہیں

سنہ ۱۹۱۱ء
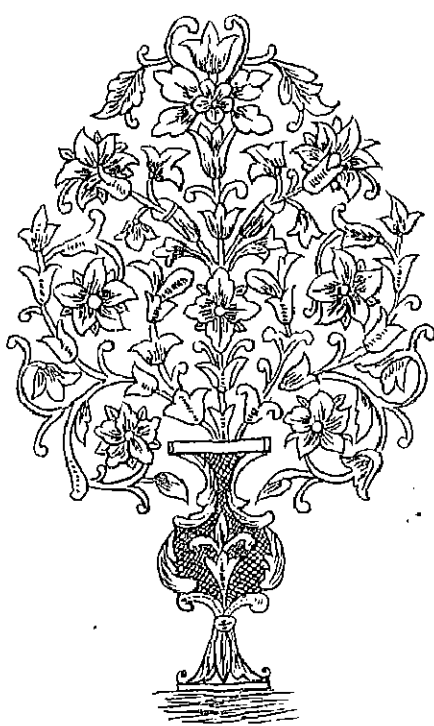
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

در پسِ آئینہ طوطی صفتم داشتہ ام
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

واقعہ نویسی کی خوبی تماشہ گاہِ عالم کے کرشمے گزشتہ ہوں یا موجودہ کچھ ایسے باکیف اور پُرلطف ہوتے ہیں کہ نہ زبان اِن کو دُہرانے سے تھکتی ہے اور نہ کان ان کے سُننے سے عاجز آتے ہیں۔ بلکہ جسقدر زیادہ دہرائے جاتے ہیں اور بھی بالطف معلوم ہوتے ہیں۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ الفاظ کی رنگ آمیزیاں اور طرزِ کلام کی میناکاریاں سچے موتی ہوں کہ کانوں میں پڑتے ہی دل میں اُتر جائیں یعنی اگر کسی واقعہ میں شاخ نکال کر گلزار لگایا جائے تو شاخیں۔ پتّے اور پھول پھل وغیرہ الگ الگ سب ہی نظر آنے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ گھاس پھوس سب غائب صرف پھولوں کا ڈھیر ہو۔ کیونکہ اس طرح کی بہار پر بلبل بھی بھوں چڑھا کر اُڑ جائے گی۔ چہ جائیکہ انسان اور

انسان بھی وہ انسان جس کے دماغ میں علم کی برقی روشنی (اکسریز قوت شعاعی) کا سورج دکھا رہی ہے۔

عرض حال جب میں نے عالم وجود میں قدم رکھا ہے اور ماں کی گود کے گہوارہ میں پڑے پڑے اپنی ناسمجھ آنکھوں سے دنیا کے تھیٹر کی سیر کی ہے تو کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے کیا ادراک کیا ہوگا؟ کچھ نہیں ہاں! جب ماں کی آغوش محبت سے نکل کر ڈانواں ڈول دنیا کے ہنڈولے میں خود بخود گردش کرنے لگا تو میری آنکھوں نے گونگے کے خواب کی طرح بہت سے دلچسپ واقعات دیکھے۔ مگر میری ذہنی قوت نے قوت مدرکہ صحیحہ کے پیدا ہونے تک اسکو بھی حافظہ کی صندوق میں رکھ کر محفوظ کر دیا اور جب سن تمیز کے میدان میں آکر علم کی عینک لگائی تو سب تماشے تو ایک طرف، اپنے آپ کو مختلف حقوق میں گھرا پایا۔ پہلا حق تو والدین کا دکھائی دیا جنکی مامتا بھری گود مدتوں میری عمر کا پیمانہ رہی ہے اور جنہوں نے برسوں اپنے کچے خون کی تتلیں دھاریں پلا پلا کر مجھکو پالا ہے اور دوسرا حق اس ولی نعمت کا محسوس ہوا جسکا سرپرست ہاتھ میرے اور میرے خاندان کے رزق کا چمچہ ہے (خدا اور رسول کے حقوق جو فرائض اور سُنن کے نام سے پکارے جاتے ہیں چونکہ حقوق مذہبا ہیں اسلئے اِن دنیوی حقوق میں انکا شمار کرنا کسی قدر خلاف مصلحت سمجھا گیا۔) اگرچہ خاندان ریاست (پالن پور) سے میرے خاندان کو دیرینہ واسطہ ہے مگر فی الحال حضور فرمانروائے حال خلد اللہ ملکہم میرے آقائے نامدار اور میں انکا ایک ادنیٰ نمکخوار ہوں۔

قیام یادگار کا ارادہ والدین کے حقوق تو خانگی حقوق ہیں، ادا ہوتے ہی رہتے ہیں لیکن حقوقِ نمک ادا کرنے کے لئے میں نے ایک ایسی یادگار قائم کرنی چاہی ہے جو انشا اللہ (اگر میں اپنے ارادہ میں اپنی مرضی کے موافق کامیاب ہو گیا) زمانہ کے ساتھ پلہ سے پلہ باندھ کر گردش کرتی رہیگی اور امید ہے (اگر خدا نے چاہا) کہ زمانہ بھی اسکو آب حیات پلا کر بقائے دوام کا سارٹیفکٹ دے دیگا۔ یعنی ریاست پالن پور اور اس کے حکمرانوں کی تاریخ لکھکر میں نے حقِ نمک ادا کرنے کا ذریعہ قائم کیا ہے۔

تدوین تاریخ کی تصریح اگرچہ مدت تک میرے اس ارادے میں کھلبلی سی پڑی رہی کیونکہ میں تاریخی مشکلات کو

اچھی طرح سے سمجھتا تھا اور جانتا تھا کہ اسکا راستہ کس قدر سنگلاخ اور دشوار گزار ہے۔ تاہم میں نے ہمت نہ ہاری اور کچھ نہ کچھ کرتا ہی چلا گیا اور چونکہ یہ اہتمام بالشان کام میرے کمزور ہاتھوں سے ہونا مشیت ہو چکا تھا اسلئے اتفاق کہو یا میری خوش قسمتی کہ اس تاریخ کے لیے جو مصالح میرے استاد اور خالو مولانا مولوی سید رحمت میاں صاحب حسرت گلشن مرحوم و مغفور نے جمع کیا تھا وہ بھی میرے ہاتھ لگ گیا۔ گو فاضل مولانا کا جمع کردہ تاریخی سامان صرف بے سر و پا اور بے ترتیب ہی نہ تھا بلکہ ایک گہری اور محقق نظر کا محتاج بھی تھا تاہم مجھکو مولانائے مغفور اور انکی قابلِ قدر محنت کا بہت زیادہ ممنونِ احسان ہونا چاہیئے کیونکہ مولانا کے چشم دید اور جمع کردہ واقعات کا بہم پہنچ جانا میرے لیئے امدادِ غیبی سے کم نہ تھا۔

ملک کی علمی حالت اس تاریخ کے متعلق سب سے پہلے مجھکو یہ کہنا چاہیئے کہ زمانہ حال کے محققین نے تاریخ نویسی کے لیئے جو جو اصول قائم کیئے ہیں اُن پر میں نے کم عمل کیا ہے۔ یہ نہیں کہ میں عمل کر سکتا تھا اور عمل نہیں کیا بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ میں عمل نہ کرنے کے لیئے مجبور تھا۔ اصل یوں ہے کہ یہ ملک قدیم الایام سے جہالت کے ایسے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں چھپا ہوا ہے کہ واقعات کے متعلق جھوٹ اور سچ میں تمیز کرنا، ظلمات میں سے آبِ حیات لانے کا حکم رکھتا ہے۔ ایک تاریخ نویس کے لیئے یہاں کی سرزمین قدم قدم پر ایسی ایسی روکیں پیدا کر دیتی ہے کہ قلم جیسا فولادی مسافر بھی جابجا سینکڑوں ٹھوکریں کھا لیتا ہے تب منزلِ مقصود پر پہنچنا نصیب ہوتا ہے۔

گزشتہ تواریخ پر ایک نظر ہندوستان جنت نشان میں آج سے سو برس پہلے تک جو جو تاریخیں لکھی گئی ہیں ان کے دیکھنے سے خدا کی شان نظر آتی ہے۔ کہیں تو خود غرضی کی داغ بیل ڈال کر مصنفین نے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ ہی چُننی چاہی ہے۔ لیکن یہ پادر ہوا عمارت صاحب بصیرت حضرات کی نگاہوں میں کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ کہیں لالچ اور خوشامد کے پھولوں سے ایوان تاریخ کو سجا کر گلزار تو بنا دیا ہے مگر حق پسند آنکھ سمجھتی ہے کہ یہ تمام پھول کاغذی ہیں جن میں رنگ کے سوا نہ خوشبو ہے نہ بو۔ اور کہیں پارٹی فیلنگ نے خار راہ بن کر وہ

کانٹے بوئے ہیں کہ اب تک پڑھنے والوں کی آنکھوں میں چبھتے ہیں۔ ہاں ! پچھلی صدیوں کے بعض لایق مورخین ایسے بھی گزرے ہیں جنھوں نے صداقت ۔ حق پسندی اور انصاف کے مسلک پر چل کر تاریخ نویسی کے متعلق بہت سے مرحلے طے کر لئے ہیں تاہم اس زمانہ کے اصولوں کے موافق وہ بھی گونگے اور بہرے ہی ہیں۔

اگر گزشتہ صدیوں کی تاریخیں اٹھا کر دیکھی جائیں تو صاف معلوم ہوگا کہ ان کے مصنفین نے کسی خاص اصول پر چل کر تاریخ نویسی کے فرائض کو ادا نہیں کیا ہے بلکہ تمام واقعات کو خواہ دیدہ ہوں خواہ شنیدہ خلط ملط کر کے ایک پھوہڑ اور بدسلیقہ عورت کی طرح گٹھڑی میں باندھ کر رکھ دیا ہے۔ ان تاریخی سمندروں میں بہت سے سچے موتی ایسے ہیں جن کو یا تو عدم تحقیق کی لہریں ادھر ادھر بہائے لئے پھرتی ہیں یا جو گرداب میں آکر تہ میں بیٹھ گئے ہیں اور بہت سی جھوٹی سیپیاں ایسی ہیں جنہیں عبارت آرائی کی کرنوں نے چمکا کر ناظرین کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے یا جن کو مورخ کی غلط فہمی اور عدم واقفیت نے درخشاں کر دیا ہے۔

ہماری مشکلات ان تمام مشکلات کو پیش نظر رکھنے کے بعد بھی موجودہ اصول تاریخ نویسی کے موافق ان ممالک کی تاریخوں کا لکھنا آسان ہے جن کے متعلق بہت سی تاریخیں لکھی جا چکی ہیں۔ لیکن جن حصص ہندوستان کے مصالح تاریخی کا انحصار جاہل۔ خوشامدی اور لالچی بھاٹوں اور چارنوں کے بیانات ان کے کبت گیتوں اور ان کی مہمل بہیوں پر ہی ہو وہاں اصول تاریخ نویسی پر کیونکر عمل کیا جا سکتا ہے۔ مگر چونکہ ٹاڈ صاحب مصنف تاریخ ٹاڈ راجستان نے ان ہی بھاٹوں اور چارنوں کو اپنی تاریخ میں اس ملک کی زندہ تاریخ اور ان کے پتروں اور بہیوں وغیرہ کو تاریخی ماخذ قرار دیا ہے اس لئے میں نے بھی اس تاریخ میں جہاں تہاں ان ہی کے اقوال و تحریرات وغیرہ کے حوالے سے اکثر واقعات درج کئے ہیں۔ تاہم مجھکو ان لوگوں کی ضرورت زیادہ تر زبدۃ الملک دیوان عثمان خان کے مذہب مہدویہ اختیار کرنے تک پڑی ہے۔ ورنہ جس وقت سے پیرزادگان مہدویہ خاندان ریاست کے ساتھ وابستہ ہیں، ہماری مذہبی کتب میں موقع بموقع اس خاندان کے متعلق بہت سے واقعات

حالات لکھے جا رہے ہیں۔

مصالح تاریخی

ریاست پالن پور ایک قدیم ریاست ہے اور اسکے حکمراں آج سے چھ صدی پہلے بھی رئیس ہی تھے۔ شروع شروع میں یہ محض اپنی قوتِ بازو کے بھروسہ پر حکمرانی کرتے رہے پھر انھوں نے سلاطین گجرات کی حمایت میں آکر فرمانروائی کی اور جب سلطنتِ گجرات کو زوال آیا تو شاہانِ دہلی کے سایۂ عاطفت میں رہکر ترقی کرنے لگے۔ یہانتک کہ گورنمنٹ انگریزی کا دور آگیا۔ لیکن چونکہ اول اول ۱۱۹۴ء میں اس خاندان نے جالور (مارواڑ) پر قبضہ کیا تھا اور اس علاقہ کی کوئی قدیم تاریخ نہیں ہے اس لئے مجبوراً مجھکو بھاٹوں اور چارنوں وغیرہ کے بیانات اور انکے پتروں وغیرہ پر اعتبار کرنا پڑا۔ ہاں اجب علاوہ جالور کے اس خاندان کی حکومت میں پالن پور بھی شامل ہوگیا تو واقعاتِ تاریخی میں کسیقدر تسلسل پیدا ہونے لگا کیونکہ گجرات کے متعلق مراۃ سکندری اور مراۃ احمدی وغیرہ تاریخیں اس خاندان کا حال بھی کچھ نہ کچھ بتاتی ہیں۔

ہمارا مسلک

یہ تمام دقتیں تو ضرور پیش آئیں اور ایسی پیش آئیں کہ میری ہمت نے جواب تک سا دے دیا لیکن پھر بھی میں نے اس تاریخ میں جو کچھ لکھا ہے حتی الامکان وثوق کے ساتھ لکھا ہے جب تک کسی چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کی نسبت بھی مجھکو کم از کم دو مختلف روایتوں یا دو مختلف طریقوں سے صحت کا یقین نہیں ہوگیا میں نے اسکے لکھنے کی جرأت نہیں کی اور جہاں کہیں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا دونوں مختلف صورتیں بجنسہ نقل کرکے بعض بعض موقعوں پر اپنی رائے کا اظہار بھی کر دیا ہے۔ غرضکہ جہانتک میرے امکان میں تھا میں نے تحقیق و تدقیق کے طریقے استعمال کرکے واقعات پر مورخانہ نگاہ ضرور ڈال لی ہے۔ اب بھی اگر کسی صاحبِ بصیرت محقق کی نظر آپڑے تو واقعہ کا مقدر یا پھر میری قسمت۔

چند پیچیدگیاں

ابتک تو ہمنے مجملاً تدوینِ تاریخ کی مشکلات کا بیان کیا ہے اور اب ہمکو ایک یہ بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہم نفسِ تاریخ کے متعلق بعض امور کا اشارتاً تذکرہ کریں اور ہماری یہ خدمت ایک ایسی

دلچسپ خدمت ہوگی کہ ناظرین کو اکثر مقامات پر مضحکہ آمیز خیالات سے روکنے کے علاوہ اس ملک کی بہت سی خصوصیات کا اظہار بھی کرے گی۔

پہلا عقدہ | یہ تو ہم عرض کر ہی چکے ہیں کہ اس ملک کی صحیح تاریخ موجود نہیں ہے اور جو کچھ ہم نے لیا ہے اسمیں سے بہت سا حصہ بھاٹوں اور چارنوں کے چوپڑوں اور ان کی بہیوں کی نقل ہے۔ اور پرانی تاریخوں کے دیکھنے سے یہ ظاہر ہے کہ آج سے دو سو برس پہلے اچھے اچھے مورخ بھی واقعات تو ہزاروں لکھ جاتے تھے مگر ان کے وقوع کی تاریخ یا شریک واقعہ اشخاص کے نام وغیرہ کا لکھنا کم ضروری سمجھتے تھے اور اگر کبھی لکھ بھی دیتے تھے تو اس میں اکثر غلطیاں کرتے تھے اس صورت میں یہاں کے بھاٹ، جن کو محض خوشامد اور تعریف کرنے کا ملکہ تھا، تاریخ نویسی کو کیا سمجھتے چنانچہ ریاست پالن پور کے مورث اعلیٰ کے ناموں میں اختلاف کی یہی وجہ ہے۔ کسی روایت میں ملک خرم خان کو اس خاندان کا مورث اعلیٰ بنایا ہے اور کسی روایت میں ملک یوسف خان کو اور چونکہ ہم بھی اس معاملہ میں کچھ فیصلہ نہیں کر سکتے تھے اس لئے دونوں روایتیں لکھکر فرائض تاریخ نویسی کو ادا کر دیا۔

دوسرا عقدہ | آگے چل کر زبدۃ الملک عثمان خان کے مہدوی مذہب اختیار کرنے کی نسبت ایک جھگڑا ہے جسکو ہم نے محل واقعہ پر ہی حاشیہ میں ایک طول طویل نوٹ لکھکر بہت کچھ حل کر دیا ہے۔ دراصل یہ بھی پرانے مورخوں یا کم از کم مصنفوں کی عدم توجہی اور غلطیوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ادھر تو سنا لطوں میں پڑے ہوئے افسوس کرتے ہیں اور ادھر اپنے اسلاف کو سہام ملامت کا نشانہ بنا رہے ہیں جو ہمیں کبھی لازم نہ تھا۔

تیسرا عقدہ | حضرت خاتم الولایت مہدی موعود کا تذکرہ بھی ہم کو یا تو تتمہ کے طور پر اخیر کتاب میں یا حاشیہ پر نوٹ کی ذیل میں لکھنا چاہیے تھا لیکن چونکہ اولاً نوٹ یا تتمہ فالتو چیزیں ہیں جو ناظرین کی نگاہ سے اکثر رہ جایا کرتی ہیں اور یہ تذکرہ ملک عثمان خان کے متعلق بالاختصار ایک بڑی غلطی کو رفع کرتا ہے اور نیز اس مذہبی صداقت کا (جس نے زبدۃ الملک کو اپنی طرف کشش کر لیا تھا) ایک بین ثبوت ہے۔ دوسرے خاندان ریاست کے

ساتھ حضرت ممدوح کا نہایت گہرا تعلق رہا ہے جو اسوقت تک چلا آتا ہے تیسرے تاریخی واقعات میں آپ کی برکت سے ہم کو بڑی مدد ملی ہے کیونکہ اکثر کتب مذہبی نے خاندان ریاست کے متعلق بہت زیادہ اور اہم واقعات ہمارے پیش نظر کردیئے ہیں اس لئے ہماری رائے میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسے متن کتاب میں داخل کردینا چاہئے۔

چوتھا عقدہ زمانۂ گزشتہ کی تاریخوں پر نظر ڈالی جائے تو یہ ہندی شعرا یعنی بھاٹ اور چارن جنکو آج ہم نہایت ذلیل و حقیر سمجھتے ہیں، خدا کی خدائی میں عجیب عجیب کرتوت کرتے ہوئے دکھائی دینگے۔ راجہ بیربر اور راجہ ہاپا چارن وغیرہ کون تھے؟ بھاٹ ہی تھے جنکو اکبری راجہ کہنا چاہئے۔ دراصل یہ قومیں عجیب ہی فطرتی۔ زبان زور اور چالاک ہوتی ہیں۔ مدح سرائی یا مذمت تو ان لوگوں کا قومی پیشہ ہی ہے، ہر رئیس کے دربار میں جا پہنچتے ہیں۔ اور اپنی مدح خوانی سے خوش اور مذمت کے ڈراوے سے خوف زدہ کرکے دربار سرکار میں رُم جایا کرتے ہیں۔

جب انھوں نے اکبر جیسے اولوالعزم شہنشاہ کو جسکا دربار علما و فضلا کا گلدستہ تھا، موہ لیا اور سواری و شکاری۔ رزم و بزم میں اسکے ساتھ رہکر لاکھوں روپیہ انعام میں حاصل کیا تو اُن رئیسوں کا کیا کہنا ہے جو خود بھی جاہل ہوں اور ان کے دربار میں بھی جُہلا اور فقط تلوار کے دہنیوں کا مجمع رہتا ہو۔ ان تمام باتوں پر لحاظ کرکے والیان ریاست جالور و پالن پور نے ان بھاٹوں اور چارنوں کو بہت کچھ سمجھا چنانچہ اس تاریخ کے معائنہ سے ناظرین کو یہ حال خود بخود معلوم ہوجائے گا اور واقعی یہ ہے کہ اگر وہ ان لوگوں کو نہ سمجھتے اور اپنے انعام و اکرام سے راضی نہ رکھتے تو آج ہم اس تاریخ کے لئے مصالح ڈھونڈھتے ہی پھرتے اور نہ ملتا۔ نیز یہ رئیس مسلمان تھے اور ملک ہندؤں کا تھا، بھاٹوں وغیرہ کی خاطر و تواضع بھی اُن مصالح ملکی میں سے ایک چلتا ہوا نسخہ تھا جس نے انھیں اسی طرح پجوا دیا جس طرح وہ لوگ اپنے ایک ہندو راجہ کو پوجتے۔

پانچواں عقدہ اس تاریخ میں کئی واقعات ایسے بھی نظر سے گزریں گے جن کا تعلق سلاطین گجرات یا شاہان دہلی کے ساتھ تو ضرور ہے لیکن ان کی کیفیت بجز تاریخ پالن پور کے دوسری مشہور اور پرانی تاریخوں میں نظر نہ آئیگی

اصل یہ ہے کہ مصنفین نے اُن بڑے بڑے واقعات کو لیا ہے جن سے شاہانِ وقت کا یا اُن امرا کا جو باثر اور درباری تھے، ذاتی تعلق تھا۔ دوسرے چھوٹے چھوٹے رؤسا اور سردار جو دور دراز ملکوں میں رہتے تھے اُنکی ذات سے نہ ان مورخوں کو کوئی فائدہ کی اُمید تھی نہ کسی قسم کے نقصان کا ڈر۔

چھٹا عقدہ — پہاڑ خان پر شاہی خاندان دہلی کی ایک بیگم کا فریفتہ ہونا بھی ایسا واقعہ ہے جو دوسری کسی تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے گا۔ اس واقعہ کی صحت کی نسبت ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ بھاٹوں وغیرہ کی پوتھیوں سے جو کچھ ہمیں ملا ہے، حوالۂ قلم کر دیا گیا ہے۔ تاہم اس واقعہ کی بابت ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اُس وقت، جب کا یہ ذکر ہے، جس قدر مورخین تھے، خاندانِ مغلیہ کے نمکخوار اور خوشامدی تھے، ایسا واقعہ کیونکر لکھ سکتے تھے، جس میں ان کے جان و مال کے مالکوں کی ہتک یا بے عزتی ہوتی۔ ایک یہی واقعہ نہیں بلکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات موجود ہیں جو کسی معتبر تاریخ میں نظر سے نہیں گزرے مگر زبان زد عام ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مورخین نے ان کو یا تو ناقابلِ بیان یا فضول سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔

ساتواں عقدہ — یہ لکھتے ہوئے ہمیں شرم بھی آتی ہے اور ہنسی بھی کہ اس تاریخ میں پرانی عمارات اور باغات وغیرہ کے جسقدر کتبے نظر آئیں گے وہ اکثر بے سر و پا اور مہمل معلوم ہونگے۔ نہ قواعدِ نظم میں نگاہ ان کو پورا تولے گی اور نہ انشائے نثر میں وہ درست نکلیں گے۔ جہانتک ہم میں قابلیت تھی خرچ کی اور ان کے پڑھنے اور مطلب نکالنے میں جان لڑادی۔ مگر یہاں آش در کاسہ۔ قطعات تاریخی میں سے اول تو مادۂ تاریخ ہی نہیں نکلتا اور جو کبھی نکل بھی آتا ہے تو عجیب طرح سے۔ خدا معلوم۔ اُس زمانہ میں اس سرزمین پر ناثر و ناظم کس قسم کے ہوتے تھے یا کم از کم اِن کتبوں کی قسمت سے لکھنے والے ملے ہی لایعنی اور بے معنی تھے۔

تقسیم تاریخ — تاریخ پالن پور کی تقسیم ایک مقدمہ اور تین جلدوں میں کی گئی ہے۔ مقدمہ میں اکثر مطالب تاریخ کی توضیح ہے اور تینوں جلدوں کی تخصیص یہ ہے کہ پہلی جلد میں صرف اُن فرمانروایان خاندان لوہانی کا تذکرہ ہے جنہیں

اکثر نے صرف جالور پر اور بعض نے جالور اور پالن پور دونوں پر حکومت کی ہے۔ دوسری جلد میں فقط اُن رئیسوں کا ذکر ہے جو جالور پر سے قبضہ اُٹھ جانیکے بعد پالن پور ہی پر فرمانروا رہے ہیں اور تیسری جلد ہزہائنس فرمانروائے حال خلد اللہ ملکہم کے حالات میں ہے۔ اس تیسری جلد کے دو حصّے کئے گئے ہیں۔ ایک میں ہزہائنس کی لائف اور نظم و نسق ریاست کی صورت دکھائی ہے اور دوسرے حصّہ میں جغرافیہ اور حالات متفرقہ وغیرہ کا بیان ہے۔ اس تاریخ میں حضرت مولانا مولوی سید رحمت میاں صاحب قبلہ مرحوم کی لائف بھی شامل کردی گئی ہے جن کے فیض تعلیم سے میں اس قابل ہوا ہوں کہ آج تاریخ نویسی کی دشوار گزار گھاٹیاں طے کر رہا ہوں۔ اور نیز مولانائے مغفور اس تاریخ کے بانی اور اکثر واقعات ضروری کے جامع ہیں۔

تصاویر تاریخ ہمارا دل تو یہ چاہتا تھا کہ لوہانی خاندان میں سے آجتک جسقدر فرمانروا گزرے ہیں، فرداً فرداً ان سب کی تصویریں اس تاریخ میں داخل کریں لیکن افسوس کہ ریاست کے مرقعہ خانہ میں سے کُل تصویریں دستیاب نہ ہوسکیں۔ مجبوراً جو کچھ ملی ہیں انہیں جابجا بٹھا کر صفحات تاریخ کو مرقعہ بنا دیا ہے۔ ان رؤسا کی تصویروں کے ساتھ ہی ہم نے مولانائے مغفور کی تصویر کی بہت تلاش کی لیکن کہیں سے بھی ہاتھ نہ لگی۔ اس لئے مولانا کی تصویر اس تاریخ میں نہ ہونے کا ہم کو سخت افسوس ہے۔ فرمانروایان ریاست کی تصاویر کے علاوہ اس تاریخ میں اپنے اپنے موقع پر اور جسقدر تصویریں چسپاں کی گئی ہیں ان کی تفصیل اُس فہرست سے ناظرین کو معلوم ہوسکتی ہے جو فہرست مضامین کے ساتھ لگائی گئی ہے۔

کیفیت سنین ایک امر قابل ذکر یہ بھی ہے کہ اس تاریخ کی ابتدائی دو جلدوں میں ہم نے بکرمی عیسوی اور ہجری یہ تینوں سنہ تقریباً ہر واقعہ کے ساتھ لکھے ہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں بکرمی سنہ کا رواج تھا اور ہم کو جن ذرائع سے زیادہ تر استنباط تاریخ میں کام پڑا ہے ان میں سوا بکرمی سنہ کے عیسوی یا ہجری شاذ و نادر ہی پایا گیا اس لئے ہم نے بھی بکرمی سنہ ہی کو مقدم رکھکر ناظرین کی سہولت کے لئے عیسوی اور ہجری سے بھی مطابقت کردی ہے البتہ آگے چل کر تیسری جلد میں چونکہ تقریباً زمانہ حال کے واقعات ہیں، اس لئے اکثر ایک ہی سنہ پر اکتفا کیا گیا ہے

اور جہاں ضرورت واقع ہوئی ہے وہ بلکہ تینوں سنہ سے تطبیق کرنے میں بھی دریغ نہیں کیا۔

عذر مؤلف

آخیر میں اپنی کم لیاقتی اور بے بضاعتی کا اعتراف کرکے میں صاحب بصیرت بزرگوں سے چشم پوشی کی التجا کرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے جس مہتم بالشان کام میں ہاتھ ڈال کر خدا کے فضل و کرم سے اسے پورا کیا ہے وہ درحقیقت میری طاقت سے باہر تھا اور اسی لحاظ سے ممکن ہے کہ اس میں غلطیاں بھی ہوں اور اب میں اپنے ولی نعمت اور آقائے نامدار عالیجناب ہز ہائنس دیوان (نواب) سر شیر محمد خاں بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای کی ترقی دولت و اقبال کی دعا پر اپنے اس دیباچہ کو ختم کرتا ہوں۔

دار الریاست پالن پور۔
۵ جنوری ۱۹۰۷ء

ہیچمداں
گلاب میاں

زبدۃالملک ہزہائینس دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر
جی-سی-آئی-ای والی ریاست پالن پور ادام اللہ تعالی
ملکہم و حشمتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد سوم تاریخ پالن پور

کا

پہلا حصہ

ہز ہائنس زبدۃ الملک دیوان سر شیر محمد خان بہادر جی سی آئی ای والی حال خلد اللہ ملکہم و حشمتہم

ابتدائی حالات

ولادت یہ لوہانی خاندان کا روشن ستارہ جس کی قسمت میں آفتاب بن کر چمکنا لکھا تھا سمت ۱۹۰۸ مطابق ۱۸۵۲ء ۱۲۶۹ھ میں پوس سدی ۱۰ر موافق ۲ر جنوری کو شب کے ایک بجے کے بعد

ماجی با عرف جھالی بائی کے بطن مبارک سے پالن پور میں طلوع ہوا۔ پہلی بختاوری اور نیک اختری تو یہ تھی کہ باپ اور دادا دونوں کا ہمایوں سایہ سر پر قائم تھا اور دو شفقت بھری گودیاں اقبال کے ہنگوروں میں جھونٹے دینے کیلئے موجود تھیں۔ اس ولادت سعید پر جس قدر غیر معمولی خوشی اور انبساط کا اظہار ماں باپ اور ریاست و رعایا سے ہو سکا، کیا گیا اور ایک پر شوکت جلسہ کر کے شیر محمد خان نام رکھا گیا۔

سن رشد

جب اس مولود مسعود کی عمر چار برس چار مہینے اور چار دن کی ہوئی تو اسلامی طریقہ کے موافق رسم بسم اللہ خوانی ادا کی گئی۔ ماں باپ نے دھوم دھام کے ذریعہ سے دلوں کے حوصلے نکالے۔ قاعدہ کے بعد قرآن مجید پڑھانا شروع کیا۔ تقریباً ایک پارہ پڑھا تھا کہ یہ سلسلہ منقطع ہو گیا اور ملکی زبان یعنی گجراتی میں تعلیم کی ابتدا ہوئی لیکن کچھ مدت کے بعد یہ سر رشتہ بھی ٹوٹ گیا۔ ادھر تو اس سات آٹھ برس کے عرصہ میں یہ دو حالتیں بدلیں اور ادھر نازک طبیعت اچاٹ ہو گئی۔ دن کبوتر بازی۔ مرغ بازی اور پتنگ بازی میں کٹنے لگا اور رات فن موسیقی کے شغل میں گزرنی شروع ہوئی مگر پھر مادہ خداداد نے آپ کو ابھارا اور گجراتی علم سیکھنے کا شوق پیدا ہوا جس سے تھوڑے ہی عرصہ میں نوشت و خواند کی مہارت حاصل ہو گئی۔ بعد ازاں حضرت قبلہ گاہی سید عبدہ و میاں صاحب مدظلہم سے اردو زبان دانی کی چند کتابیں دیکھیں۔

اگرچہ اس قسم کی بہت سی چھوٹی چھوٹی آندھیاں شوق اکتساب علم کے میدان سے اٹھیں اور جلد جلد بیٹھ بھی گئیں لیکن ان سے یہ ضرور ہوا کہ تحریر میں ایک قسم کا تسلسل۔ بلند خیالی۔ چست بندش اور مطالب آفرینی پیدا ہو گئی۔ تاہم عمر کا ابتدائی زمانہ جو تعلیم و تربیت کے لئے مخصوص ہے، فرط محبت پدری اور ناز برداری مادری کے سبب کچھ ایسی بے ترتیبی و بے عنوانی سے گزر گیا کہ آپ کے دل و دماغ میں علم کی روشنی اچھی طرح نہ پہنچ سکی۔ ہاں! وہ خداداد فہم و فراست جو فطرت میں خمیر

---

۱ یہ خاتون دیوان زور آور خان کی چوتھی بیوی اور ٹھاکر جیواجی جھالا راجپوت، جاگیردار موضع جیوا علاقہ ورانگدرہ (کاٹھیاواڑ) کی لڑکی تھیں جنکی شادی سمت ۱۹۰۶ میں دیوان زور آور خان کے ساتھ ہوئی ۱۲۰ - مولف

کی گئی تھی، اپنے معمولی قاعدہ کے موافق ذہنی اور دماغی گزرگاہوں میں اپنا عجیب اور مافوق العادت اثر کرتی ہوئی ترقی پاتی رہی۔

شادی ختنہ سمت ۱۹۱۶ میں جب آپ کی عمر آٹھ برس کی ہوئی تو ختنہ کی شادی کی گئی۔ نہایت شان و شوکت کے ساتھ رواج ملک کے بموجب جلسے ہوئے اور تمام شہر مدعو کیا گیا۔ دیوان زور آور خان کی صاحبزادی راج رانی کی شادی کی تقریب بھی سکندر خان کے لڑکے فیض محمد خان کے ساتھ ان ہی دنوں میں ہوئی تھی۔

تعلیم فنون لڑکپن تو اس طرح گزرا جب شباب کا آغاز ہوا تو خود بخود جوان مردانہ مشاغل اور فنونِ سپہ گری کی طرف توجہ ہوئی۔ ہاتھی چلانے۔ گھوڑے دوڑانے اور بندوق سے نشانہ اڑانے میں کمال حاصل کیا بالخصوص تیر اندازی میں یہانتک مہارت پیدا کرلی کہ بال باندھا نشانہ نہ چوکتے تھے۔ دوسرے سپاہیانہ ہنر یعنی بانک۔ پٹہ اور کشتی وغیرہ میں بھی خوب دستگاہ بہم پہنچالی تھی۔

طبعی شوق جب اصل فطرت میں جوہر قابل ہوا کرتے ہیں تو ہر ایک کام میں نقادی کا اظہار لازمی ہوجاتا ہے اور نیز اس گہری نظر کے لیے ایسی صحبت کی بھی ضرورت ہوتی ہے جس میں اخلاق کی تکمیل ہو اور آیندہ زندگی زمانہ کی نگاہوں میں قابلِ تعریف دکھائی دے۔ چنانچہ ولیعہدی کے ہونہار ایّام کا اکثر حصہ منتظمان ریاست اور اہلکاران بافراست کے حلقہ میں گزرا جن کی عمدہ اور نتیجہ خیز صحبت سونے پر سہاگہ ہوگئی پولٹیکل معاملات میں جوڑ توڑ کرنے کا ملکہ پیدا ہوچلا۔ تجربہ نے خداداد قابلیت پر صیقل کر کے قوت دور اندیشی و معاملہ فہمی کو جلا دے دی۔ اور ذاتی وقوف اور شوقِ واقفیت نے اسقدر باخبر کردیا کہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اہلکار ریاست سر رشتۂ قانون کی حدِ معیّنہ سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا تھا۔

علمی مجالس سیاسی سبق حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ بے چین اور شوقین طبیعت دوسری طرف بھی متوجہ ہوگئی اور آپ کی مجلس میں ہر فن کے لوگوں کا مجمع رہنے لگا۔ ہر طرح کے کامل اُستادوں کی صحبت میں

بیٹھ کر ہر قسم کے مباحث کا سننا، دل بہلاؤ اور مشغلہ ہو گیا اور شہد کی مکھی کی طرح ہر باغ کے ہر پھول میں سے اپنا دل پسند شہد چوس چوس کر (پسندیدہ باتیں اور پُر معنی نکات) دماغ اور ذہن کے خزائن میں جمع کیں جن سے آیندہ زندگی بھر کام لینا تھا۔

مہارت عامہ ریاست کے ہر ایک کام کو دلی شوق سے انجام دینے کے علاوہ اُسی وقت سے صاحبانِ یورپ کے ساتھ بھی بڑی رغبت سے ملتے جلتے تھے۔ ان کی خاطر و مدارات میں نہایت غلو سے کام لیا کرتے تھے اور فرصت کا وقت ان کے ساتھ شکارگاہوں میں گزارتے تھے۔ غرضکہ مسند نشینی سے پیشتر ہی اُن تمام صفات پر حاوی ہو گئے تھے جو ایک والیِ ریاست کے لئے ضروری اور لازمی سمجھی جاتی ہیں اور حکومت کے وقت جنکا ہونا اقبالمندی کی دلیل ہے۔

پہلی شادی بیساکھ بدی ۴ سمت ۱۹۲۱ کو آپ کی پہلی شادی اپنے حقیقی چچا احمد خان کی دختر نیک اختر ہتی بائی سے ہوئی۔ جوشِ دلی کے اظہار کے لئے جشن شاہانہ کیا گیا اور طرفین نے دل کھول کر حوصلے نکالے مگر افسوس کہ اس صاحبِ عصمت نوعروس نے شادی سے آٹھ نو مہینے کے بعد ہی یعنی پوس بدی ۱۴ سمت ۱۹۲۲ کو تپ دق کے عارضہ سے مجلۂ قبر میں آرام کیا۔

دوسری شادی اگرچہ اس افسوسناک واقعہ نے نوجوان ولیعہد ریاست کے دل پر ایک چوٹ سی لگا دی مگر دوراندیش والدین نے دوسرے ہی برس اس غم کی چادر کو سوگ کے ساتھ اُتار کر سہرا باندھ دیا یعنی سمت ۱۹۲۳ میں آپ کی دوسری شادی اپنے قریبی رشتہ دار بہار خان ہتیانی کی لڑکی امیر بائی سے کر دی جن کے بطن سے سمت ۱۹۲۶ پوس بدی ۴ کو ایک صاحبزادی پیدا ہوئیں اور جنکا نام سیج بائی رکھا گیا۔ ازاں بعد سمت ۱۹۲۹ مگسر (اگھن) سدی ۳ مطابق ۷ شوال ۱۲۸۹ھ کو صاحبزادہ فتح خان متولد ہوئے مگر افسوس صد افسوس کہ والدین کو صاحبزادہ فتح خان کی بہار دیکھنی نصیب نہ ہوئی اور یہ غنچۂ ناشگفتہ ۲۶ شوال ۱۲۹۹ھ کو مرجھا گیا۔

سیاحت بمبئی سمت ۱۹۳۱ میں کہ ولیعہدی کا زمانہ تھا، سیر و تفریح کے لئے آپ بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں سے واقفیت اور نیکنامی کا ذخیرہ اسقدر کامیابی کے ساتھ بہم پہنچایا کہ سمت ۱۹۳۲ میں جب شاہزادہ پرنس آف ویلز بہادر (حال شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم) کی تشریف آوری کے موقع پر دیوان زور آور خان بمبئی گئے ہیں تو آپ بھی ہمراہ تھے اور یورپین حکام کے ساتھ آپ کے دیرینہ تعارف کی وجہ سے دیوان صاحب (زور آور خان) کی جسقدر آؤبھگت اور غیر متوقع عزت افزائی کی گئی وہ آپ کی ملنساری اور بیدار مغزی کی روشن دلیل ہے۔

مسند نشینی ۱۸۷۷ء میں آپ کے والد ماجد دیوان زور آور خان کی رحلت کا واقعۂ ناگزیر پیش آیا۔ گو دستور ریاست کے موافق تقریبًا ایک برس ان کا سوگ رہا مگر چونکہ مسند ریاست کو خالی چھوڑنا خلاف مصلحت تھا اس لئے وفات کے بائیسویں روز بھادوں سدی ۱۲ سمت ۱۹۳۴ء[1] مطابق ۱۰ رمضان المبارک ۱۲۹۴ھ ۱۹ ستمبر ۱۸۷۷ء چار شنبہ کو چھبیس برس کی عمر میں مسند نشینی کی رسم عمل میں آئی۔

دربار مسند نشینی کے روز کرنل اے۔ والی شورٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور مع عہدہ داروں کے درباری لباس میں موجود تھے۔ دستور قدیم کے مطابق موضع جیت پور کے بھاری ٹھاکر عثمان خان خرمانی (جنھوں نے دیوان زور آور خان کو راج تلک کیا تھا) کے لڑکے ٹھاکر جلیتھاجی نے اپنی انگلی کے خون سے راج تلک کیا اور یہاں کے پیرزادوں میں سے آپ کے پیر و مرشد سید عالم صاحب نے تلوار بندی کی۔ ان معمولی رسومات کے بعد حاضرین دربار نے نذریں گزرانیں اور پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے مبارکباد دی۔

انتظام ریاست کی طرف توجہ ریاست کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی حضور دیوان صاحب بہادر نے ایک نبض شناس

[1] مالک گجرات میں بکرمی سمت کی ابتدا کاتک سدی ا سے ہوتی ہے بخلاف اسکے پالن پور کے سرکاری دفاتر میں اساڑھ سدی ا سے سال کا آغاز لیا جاتا ہے۔ اس حساب سے عام گجراتی سال اور پالن پور کے دفتری سال میں چار مہینے کا فرق رہتا ہے ۱۲۔ لمولفہ

حکیم کی طرح ریاست۔ رعایا اور باہمدگر تعلقات پر غور کرکے نتیجہ یہ نکالا کہ

"رئیس کے لئے اس سے زیادہ حقیقی خوشی اور دل خوش کن صورت کوئی نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنی رعایا کو خوشحال۔ پُرامن۔ دولت مند۔ فارغ البال اور طلب علوم و فنون میں مصروف و سرگرم دیکھے"

چنانچہ اسی دستور العمل نے حضور ممدوح کے نام کو ہر دلعزیزی کا تاج پہنا کر نیکنامی کے تخت پر بٹھا دیا اور اس وقت تک رعایا پروری اور انتظام ریاست میں جس سرگرمی کے ساتھ آپ مشغول ہیں وہ ایک فرمانروائے ملک کے لئے ضرور مایۂ امتیاز ہے۔

گورنمنٹ کی طرف سے اعزاز

سر جیمز ڈیمپل کی تشریف آوری اور عطائے علم

۲۷ مارچ ۱۸۷۸ء کو سر جیمز ڈیمپل بہادر گورنر بمبئی بتقریب عطائے علم شہنشاہی معطیہ ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند تشریف فرمائے پالن پور ہوئے۔ چونکہ ابھی راجپوتانہ مالوہ ریلوے کا افتتاح پالن پور اسٹیشن تک نہیں ہوا تھا، صاحب محتشم الیہ کی سواری کے لئے خاص طور پر انتظام کیا گیا۔ عالیجناب گورنر صاحب بہادر پہلے بالا باڈیسہ کیمپ تشریف لے گئے تھے اس لئے ریاست کی طرف سے آپکی خدمت میں ایک ڈیپوٹیشن بھیجا گیا۔ اس ڈیپوٹیشن میں صاحبزادہ سربلند خان ولد احمد خان۔ مہتہ بیچر ہاتھی بھائی، وزیر ریاست اور ٹھاکر اعظم خان بہاری جاگیردار موضع گیڈا سن شامل تھے۔ گورنر صاحب ڈیسہ کیمپ سے روانہ ہو کر کوہ آبو گئے اور وہاں سے چندراوتی نگری[۱] کے کھنڈرات کی سیر کرتے ہوئے شمالی جانب سے شہر پالن پور میں داخل ہوئے۔ اُسوقت کا نظارہ قابل دید تھا۔ حضور دیوان صاحب اور گورنر صاحب ایک ہی ہاتھی پر

[۱] یہ شہر زمانہ قدیم میں چوہان راجپوتوں کا دارالحکومت تھا۔ ۱۲۔ مولفہ

علم شہنشاہی عطیہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند
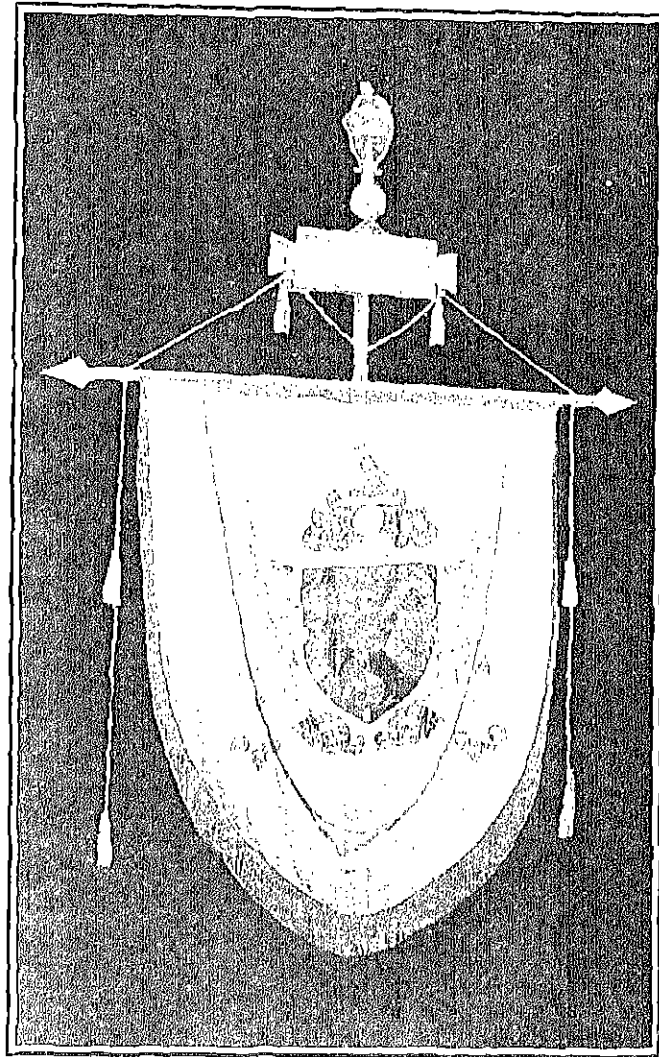
پہلو بہ پہلو بیٹھے ہوئے تھے ۔ ہاتھی شاندار اور عماری خوبصورت و زرکار تھی ۔ ڈیسہ کیمپ کے جو یورپین فوجی افسر ریاست کی طرف سے اس موقع پر مدعو کئے گئے تھے، رعب وار وردیاں پہنے ہوئے، گھوڑوں پر سوار، ہاتھی کے آس پاس خراماں خراماں چلے جارہے تھے اور امرائے ریاست اور دیسی لشکر کے عہدہ دار بھی زرق برق پوشاکیں زیب بدن کئے اس جلوس کے ساتھ ساتھ تھے ۔ تماشائیوں کے انبوہ سے راستے اٹے ہوئے اور بازار بھرے ہوئے تھے اور عقیدتمند رعایا کوٹھوں پر سے پھولوں کا مینہ برسا رہی تھی حضور دیوان صاحب موضع سدر پور تک استقبال کے لئے تشریف لے گئے اور وہیں سے سواری کا جلوس بھی ترتیب دیا گیا ۔ غرضکہ اسی شان و شوکت اور چہل پہل کے ساتھ یہ سواری جو حضور دیوان صاحب کی پہلی سواری تھی، شہر کے شمالی دروازہ سے براہ راست صبح کے آٹھ بجے کے وقت بنگلہ سپرنٹنڈنسی پر پہنچی ۔

اسی روز شام کے ۵ بجے بازدید کی ملاقات ہوئی اور آدھ گھنٹہ کے بعد یعنی ۱۱ ۶ بجے علم شہنشاہی عطا کرنے کا دربار ریاستی دیوان خانہ (دربار ہال) میں منعقد کیا گیا جب دربار قاعدہ و قرینہ سے آراستہ ہوچکا اور معمولی کارروائی ختم ہوگئی تو گورنر صاحب نے ایک فصیح اسپیچ دی جس کا خلاصہ تھا کہ

> "یہ علم شہنشاہی آپ کو علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی طرف سے، خطاب قیصرۂ ہند اختیار کرنے کے اعزاز میں دیا جاتا ہے ۔ امید ہے کہ آپ اور آپ کے ورثا اسکو نہایت ہی حفاظت سے رکھیں گے اور ہمیشہ گورنمنٹ کے شکرگزار رہیں گے ۔"

گورنر صاحب کی اسپیچ کے جواب میں حضور دیوان صاحب نے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کھڑے ہوکر اردو میں ایک مختصر تقریر کی جس کی نقل درج ذیل ہے ۔

> "یور اکسیلنسی! علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ خلد اللہ سلطنتہا کے قیصرۂ ہند کا خطاب اختیار کرنے کی یادگار میں جو علم شہنشاہی مجھکو عنایت فرمایا گیا ہے، میں اسکو کمال خوشی

سے لیتا ہوں اور علیا حضرت قیصرۂ ہند جناب وائسرائے صاحب بہادر اور یور اکسیلنسی
کی عنایتوں کا جان و دل سے شکر گزار ہو کر اس امر کا اظہار کرنا چاہتا ہونکہ آپ کے
دست مبارک سے جو یہ اعزازی علم عطا ہوا ہے، میں اسکو بطور خزانۂ عامرہ ہر ایک
عمدہ موقع پر استعمال میں لاتا رہونگا اور میں اور میرے ورثا بخوبی اسکی حفاظت کرتے
رہیں گے۔ امید ہے کہ یور اکسیلنسی براہ نوازش میری اس شکر گزاری اور منت مندی
کا حال جناب وائسرائے صاحب بہادر کے حضور میں اور نیز صاحب محتشم الیہ کے
توسط سے علیا حضرت قیصرۂ ہند کے حضور میں ظاہر فرمائیں گے۔ اس تقریب اور
آپ کی ملاقات سے جو مجھے اپنے ہی دار الریاست میں نصیب ہوئی ہے، میں جسقدر
خوش ہوا ہوں اسکے اظہار کے لئے نہ میرے پاس الفاظ ہیں اور نہ میری طلاقت لسانی
یاری دے سکتی ہے۔ آپ نے جس مہربانی، خوش اخلاقی اور عزت افزائی کے ساتھ
مجھ سے ملاقات فرمائی ہے اسکی نسبت میں نہایت ہی احسانمند ہوں اور یقین کرتا ہونکہ
انشاء اللہ میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح میدان وفاداری میں ہمیشہ ثابت قدم رہوں گا۔
اب میں اپنی تقریر کو اس دعا پر ختم کرتا ہوں کہ خدائے بزرگ و برتر ہماری قیصرۂ ہند
کی سلطنت کو ابد الآباد قائم رکھے اور یور اکسیلنسی کو امن و امان کے ساتھ منزل مقصود
پر پہنچائے آمین۔"

یہ کارروائی ختم ہونیکے بعد حسب معمول عطر و پان تقسیم کیا گیا اور دربار برخاست ہوا۔ چونکہ آج کا دن
پالن پور میں عام خوشی کا دن مانا گیا تھا اور سرکاری محلات اور بازاروں میں اظہار مسرت کی غرض سے
خوب روشنی کی گئی تھی اس لئے حضور دیوان صاحب اور گورنر صاحب ہاتھی پر سوار ہوئے اور بازار
میں روشنی کی سیر کرتے ہوئے رینگلہ سپرنٹنڈنسی کو تشریف لے گئے۔ یہاں آکر آتش بازی ملاحظہ کی اور

اسی رات کو کھانا کھانے کے بعد پالکی کی سواری میں نہضت فرمائے بمبئی ہوئے۔ گورنر صاحب اور
متعدد یورپین مہمانوں کی جس کشادہ دلی اور خوش سلیقگی سے دیوان صاحب نے مہمانداری کی تھی اسکا تذکرہ
آجتک لوگوں کی زبانوں پر ہے۔

لقب ہز ہائنس

۱۸۸۴ء میں گورنمنٹ انگلشیہ کی جانب سے حضور دیوان صاحب کے نام کے ساتھ
بجائے ہز اکسیلنسی کے ہز ہائنس کا لقب لکھا جانا تجویز ہوا اور ایک باضابطہ یادداشت نمبری ۶۵۲ مورخہ
۱۱ جولائی ۱۸۸۴ء کے ذریعہ سے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے دیوان صاحب کو اسکی اطلاع دی۔
چنانچہ اُس وقت سے کاغذات سرکاری میں حضور ممدوح کے لئے ہز ہائنس کا لقب تحریر کیا جاتا ہے۔

پہلا خطاب

۱۸۹۳ء میں لارڈ ہیرس صاحب بہادر گورنر بمبئی نے ہز ہائنس کو کے۔ سی۔ آئی۔ ای۔
(نائٹ کمانڈر آف دی انڈین امپائر) کا معزز خطاب عطا فرمانے کے لئے احمدآباد مدعو کیا اور ۲۸ نومبر
۱۸۹۳ء کو سہ شنبہ کے دن شاہی باغ میں ایک پرشان و شوکت دربار منعقد کر کے خطاب مع سند اور
شاہی تمغہ کے عنایت فرمایا۔ یہ خطاب سال نو کے اعزاز میں یکم جنوری ۱۸۹۳ء کو مرحمت ہوا تھا۔

اس دربار میں اکثر والیان ریاست اور رؤسائے گجرات شریک کئے گئے تھے۔ گورنر صاحب بہادر
نے بطور نیابت قیصرۂ ہند ایک نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جس میں ہز ہائنس کے ذاتی محاسن اور اوصاف
بیان کر کے گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ آپ کی مخلصانہ خیرخواہی۔ دوستانہ اطاعت۔ حسن خدمات اور
پولیٹکل معاملات میں راست بازی و استقامت کے وفادارانہ سلوک کا بڑی شد و مد سے اظہار کیا تھا۔

ہز ہائنس نے جس طرح اس عطیۂ اعزاز کے شکریہ میں مسرت کا اظہار فرمایا اسی طرح اس مبارک موقع پر اپنی
دلی خوشی کے ظاہر کرنے میں دریادلی اور فراخ حوصلگی کا اعلیٰ نمونہ دکھایا۔ اپنی قیامگاہ سیٹھ ہٹھی بھائی کی
حویلی میں بڑے پیمانہ پر روشنی کی اور دھوم دھام کے ساتھ جشن منایا گیا۔ ارکین ریاست کو خلعتہائے فاخرہ
عنایت فرمائے۔ طلبائے احمدآباد کی امداد و اعانت کی اور انجمن اسلام احمدآباد اور دوسرے رفاہ عام کے

کاموں میں بہت کچھ روپیہ عطا کیا۔

دوسرا خطاب

یکم جنوری ۱۸۹۸ء کو اعزاز سال نو میں پیشگاہ علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند سے دوسرا معزز و ممتاز خطاب جی۔ سی۔ آئی۔ ای (نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی موسٹ امینینٹ آرڈر آف دی انڈین امپائر) عطا ہوا۔ چونکہ کے۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب کے لئے احمد آباد میں دربار منعقد ہوا تھا اس لئے گورنمنٹ نے مناسب سمجھا کہ اب اس جدید خطاب کا تمغہ ہز ہائنس کو ان کے دار الریاست ہی میں دینا چاہئے چنانچہ انتظامات ضروری کے لئے میرزا عباس علی بیگ اورینٹل ٹرانسلیٹر گورنمنٹ بمبئی انعقاد دربار سے دو روز پیشتر پالن پور آئے اور دربار کے متعلق کل بندوبست نہایت خوبی کے ساتھ کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۸۹۸ء کی شب کو گیارہ بجے عالیجناب لارڈ سینڈہرسٹ صاحب بہادر گورنر بمبئی پالن پور تشریف لائے۔

اگرچہ گورنر صاحب کا داخلہ پرائیوٹ طور پر تھا مگر اسٹیشن پر ہز ہائنس۔ ولیعہد بہادر۔ کمشنر صاحب بہادر قسمت شمالی گجرات۔ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور۔ جنرل کمانڈنگ آفیسر چھاونی ڈیسہ اور مدار المہام ریاست مسٹر دلبھجی دہرم سی وید وغیرہ استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان سب سے ملاقات کر کے گورنر صاحب اپنی فرودگاہ، بنگلۂ سپرنٹنڈنسی میں تشریف لے گئے۔ بارہ بجے کھانا کھایا اور سورت کے جنرل مرچنٹ نور محمد پیر محمد نے تھاڑ بندی کر کے اسمیں گلاسوں کی روشنی کا جو محل بنایا تھا اسکو ملاحظہ فرما کر پالن پور کی آتشبازی کا تماشہ دیکھا اور آرام کیا۔

بنگلہ سپرنٹنڈنسی کے سامنے کا وسیع میدان دربار بھرنے کے لئے تجویز کیا گیا تھا اور ایک عالیشان شامیانہ جو خاص اسی کام کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے آیا تھا، نصب کیا۔ ۲۱ دسمبر کو صبح کے ۸ بجکر ۵۰ منٹ پر ہز ہائنس تشریف لائے اور درباری شامیانہ سے علیحدہ ایک چھوٹے خیمہ میں رونق افروز ہوئے۔ اورینٹل ٹرانسلیٹر اور گورنر صاحب بہادر کے یورپین ایڈی کیمپ نے رسم استقبال ادا کی۔ ۹ بجے گورنر صاحب تشریف فرمائے دربار ہوئے۔ سترہ ضرب توپ کی سلامی دی گئی۔ شامیانہ میں داخلہ کے وقت حاضرین دربار نے سر و قد ہو کر تعظیم دی۔ بینڈ نے سلامی کی گت بجائی۔ بعد ازاں گورنمنٹ بمبئی کے پولٹیکل سکرٹری نے یہ اعلان کیا کہ

عالیجناب شیر محمد خاں بہادر والی ریاست پالن پور کو نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی موسٹ امینینٹ آرڈر آف دی انڈین امپائر کا جو خطاب مرحمت ہوا ہے اسکا تمغہ عنایت کرنیکے لیے یہ دربار منعقد کیا گیا ہے۔"

اس اعلان کے بعد خطاب کی سند گورنر صاحب کے روبرو رکھی گئی۔

جب یہ کارروائی ختم ہو چکی تو پولیٹکل سکرٹری صاحب، پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب اور اورینٹل ٹرانسلیٹر صاحب ہزہائنس کو دربار میں لانے کے لیے خیمہ میں گئے اور آپ ایک خاص ترتیب شدہ جلوس کے ساتھ درباری شامیانہ میں تشریف لائے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور گورنر صاحب بہادر نے رسومات دربار ادا فرما کر تازہ خطاب کا تمغہ عنایت کیا اور سندِ خطاب دینے کے بعد یہ الفاظ فرمائے۔

"نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی موسٹ امینینٹ آرڈر کا خطاب علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند نے براہِ عنایت آپ کو عطا فرمایا ہے، اس انڈین امپائر کا معزز تمغہ علیا حضرت قیصرۂ ہند کے نام سے اور علیا حضرت قیصرۂ ہند کے حکم سے میں آپ کو دیتا ہوں۔"

گورنر صاحب کی تقریر ختم ہونیکے بعد گیارہ ضرب توپوں کے فیر ہوئے۔ ہزہائنس اپنی جائے مقررہ پر تشریف لے گئے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور بینڈ نے دعائیہ گت بجائی۔ زاں بعد سکرٹری صاحب نے ہزہائنس کے نام کا باین الفاظ اعلان کیا۔

"ہزہائنس سر شیر محمد خان نائٹ گرانڈ کمانڈر آف دی موسٹ امینینٹ آرڈر آف دی انڈین امپائر والی ریاست پالن پور۔"

ان رسومات کے ختم ہونے پر دربار برخاست ہوا۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی۔ سترہ ضرب توپوں کے فیر ہوئے اور ہزہائنس کی روانگی پر تمام لوازم تعظیمی ادا کیے گئے۔ جلسۂ دربار کے ختم ہونے سے پہلے گورنر صاحب بہادر نے ہزہائنس کو خطاب ملنے کی مبارکباد دیتے ہوئے ایک مختصر اسپیچ بھی فرمائی تھی۔

گورنر صاحب نے اپنی قیامگاہ پر پہنچکر ملاقات کا دربار منعقد کیا۔ ہزہائنس تشریف لے گئے۔ اا۔ اشرفیاں نذر دیں اور ہمراہیوں نے سات سات اشرفیوں کی نذر دکھائی جو ہاتھ لگا کر واپس کر دی گئیں۔ اس دربار کے ختم ہونے کے بعد دوپہر کے بارہ بجے ایک شامیانہ میں بڑے تزک و احتشام کے ساتھ ہزہائنس کی طرف سے کھانا دیا گیا۔ کھانے سے فارغ ہو کر ہزہائنس محلات کی طرف تشریف لے گئے۔

یورپین افسران ڈیلیے کیمپ جو ریاست کی طرف سے مدعو کئے گئے تھے اور جن کو ریاست نے اسپیشل ٹرین کے ذریعہ سے بلاکر شریک دربار کیا تھا، ان کے قیام کے لئے ایک علحدہ کیمپ قائم کیا گیا تھا، ان کی خاطر و تواضع جس دریا دلی سے کی گئی وہ ہزہائنس کی روشن دماغی کا بین ثبوت ہے۔

اسی روز دن کے دو بجے گورنر صاحب بہادر ملاقات باز دید کے لئے ایوان ریاست میں تشریف لائے۔ یہ دربار دیوان خانہ (دربار ہال) میں منعقد ہوا تھا۔ آمد و رفت کے وقت سترہ سترہ ضرب توپ سلامی سر کی گئیں۔ اس دربار سے رخصت ہو کر گورنر صاحب بہادر مع اسٹاف کے سیدھے اسٹیشن پر تشریف لے گئے اور ۲ بجکر ۴۶ منٹ پر میل ٹرین سے روانہ بمبئی ہوئے۔ سلامی میں سترہ ضرب توپوں کے فیر کئے گئے۔

گورنر صاحب کی روانگی کے بعد شب کے وقت اس خطاب کے اعزاز میں ڈیلیے کیمپ کے افسروں اور دوسرے یورپین مہمانوں کو بڑے اہتمام کے ساتھ ریاست کی طرف سے ایک ڈنر دیا گیا۔ اس موقع پر بھی سورت کے جنرل مرچنٹ نور محمد پیر محمد نے گلاسوں کی روشنی سے اپنا کمال دکھایا تھا اور آتش بازی بھی چھوڑی گئی تھی اور اس طرح یہ مسرت بخش جلسہ اختتام پذیر ہوا۔[۱۵]

---

[۱۵] چونکہ یہاں کے لوگوں کو اس عظیم الشان جلسہ سے بڑی دلچسپی ہوئی تھی نیز عطائے خطاب کے متعلق جو رسومات ادا کی جاتی ہیں ان کا اظہار بھی پبلک کی واقفیت کے لئے ضروری خیال کیا گیا اسلئے ہمنے اس موقع پر جلیلہ دربار کا حال کسیقدر تفصیل کے ساتھ لکھنا مناسب سمجھا۔ ۱۲۔ مولفہ

گورنمنٹ کے ساتھ وفادارانہ سلوک

ہز ہائنس نے وقتاً فوقتاً گورنمنٹ عالیہ کے ساتھ جو قابل قدر وفادارانہ سلوک کئے ہیں اُن کا ذکر بطور مشتے نمونہ از خروارے اختصار میں درج ذیل کیا جاتا ہے۔

راجپوتانہ مالوہ ریلوے کے لئے زمین

۱۸۷۸ء میں راجپوتانہ مالوہ ریلوے بنانے کا کام اس ریاست کی حدود میں شروع ہوا جس کے اجرا کے لئے ہز ہائنس کی طرف سے تخمیناً اکتالیس میل زمین بلامعاوضہ دی گئی اور ۱۸۷۹ء کے نومبر مہینے میں اس ریلوے کا افتتاح ہو کر ریل گاڑی کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اسٹیشن چھاپی سے روہو تک چھ اسٹیشن علاقہ پالن پور کی حدود میں واقع ہیں۔

اس علاقہ میں گزرنے والی ریلوے لائن کی اندرونی حکومت کئی شرطوں کے ساتھ گورنمنٹ انگریزی کے سپرد کی گئی اور ۱۰ اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ایک عہد نامہ موثق ہوا۔

اونٹوں کا دیا جانا

۱۸۷۹ء میں کسی مصلحت ملکی کے سبب گورنمنٹ انگلشیہ کی طرف سے کابل پر فوجکشی کی گئی۔ ہز ہائنس نے اس موقع پر سامان رسد اور باربرداری کے لئے دو سو اونٹ مع شلیتہ سرکار انگریزی کو بطور امداد دے کر اور تقریباً ڈھائی ہزار روپیہ اُنکے مصارف ضروریہ کے متعلق بھی خزانہ ریاست سے ادا کیا۔ اس قابل قدر وفاداری اور مخلصانہ خیر خواہی کے صلہ میں گورنمنٹ کی طرف سے نہایت شکریہ کے ساتھ احسانمندی کا اظہار کیا گیا۔

قطعات اراضی

۱۸۷۹ء میں پالن پور امپیریل پولس لائن کے لئے ایک قطعہ زمین چند شرائط کے ساتھ گورنمنٹ کو دیا گیا۔ ازاں بعد ۱۸۹۱ء میں سکاٹ ہسپتال کے لئے اور اسسٹنٹ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے بنگلہ کے لئے حسب ضرورت قطعات زمین بلامعاوضہ دے گئے۔

چار سو ٹٹو دیئے گئے

۱۸۸۵ء میں جب روس کی طرف سے ہندوستان پر خوفناک حملوں کا اندیشہ پیدا ہوا اور اسکے دفعیہ کے لئے گورنمنٹ ہند نے لشکرکشی کی تیاری شروع کی تو اس موقع پر ہزہائنس نے بھی براہ خیرخواہی و وفاداری باربرداری کے چار سو ٹٹو بھیجے جسکا شکریہ گورنمنٹ کی طرف سے بذریعہ تار برقی ادا کیا گیا اور پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے بھی اپنی چٹھی مورخہ یکم اپریل ۱۸۸۵ء میں اس کارروائی پر تحسین کی۔

گھاس سے مدد کرنا

۱۸۸۸ء میں بارش کی کمی کے سبب ایسی خشک سالی پھیلی ہوئی تھی کہ دگنی قیمت پر بھی جانوروں کی خوراک کے لائق عمدہ گھاس میسر نہ آسکتی تھی۔ اس گرانی کے موقع پر ہزہائنس نے افواج متعینہ کیمپ ڈیسہ کے گھوڑوں کے لئے چار لاکھ پاونڈ عمدہ اور اعلیٰ قسم کی گھاس بلامعاوضہ دے کر گورنمنٹ کی قابل قدر مدد کی جسکے شکریہ میں ۱۲ر اکتوبر ۱۸۸۸ء کو سرکار انگلشیہ کی طرف سے اظہار خوشنودی کا تار وصول ہوا اور نیز پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی چٹھی نمبری ۱۵۳۲ مورخہ ۱۴ر نومبر ۱۸۸۸ء میں بالتفصیل اس کارگزاری کی نسبت شکریہ و رضامندی کا اظہار کیا گیا۔

ایک اور قطعہ زمین

۱۸۸۹ء میں ہزرائل ہائنس شاہزادہ ڈیوک آف کیناٹ بہادر کے ایما سے جو اندنوں افواج احاطہ بمبئی کے کمانڈر انچیف تھے، ڈیسہ کیمپ کے سواروں کی شرطیہ گھوڑدوڑ اور قواعد وغیرہ کے لئے ایک وسیع قطعہ زمین عطا فرمایا جس کے شکریہ میں کرنل ایچ۔ ایل نٹ صاحب پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کی طرف سے چٹھی مورخہ یکم مارچ ۱۸۸۹ء ہزہائنس کے نام موصول ہوئی۔

زر شرکت کے ساتھ ایک قطعہ زمین

۱۸۹۱ء میں پالن پور سے ڈیسہ تک راجپوتانہ مالوہ ریلوے کی شاخ کی تیاری کا کام شروع ہوا۔ ریاست نے ایک لاکھ پچاسی ہزار روپیہ دیکر اس لائن میں اپنا حصہ رکھا اور چند شرطوں پر زمین مفت عنایت کی۔ یہ شاخ تخمیناً ساڑھے سترہ میل لمبی ہے اور اس میں چنڈیسر اور ڈیسہ یہ دو اسٹیشن واقع ہیں۔ ۱۳ر نومبر ۱۸۹۲ء کو اس شاخ کا اجرا ہوا۔ افتتاح کے روز ہزہائنس بمعیت کرنل ڈبلیو۔ اے سامن صاحب پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور اسٹیشن ڈیسہ تک تشریف لے گئے تحصیلدار ڈیسہ مہتہ میراج ہاتھی بھائی اور کیمپ کے

تمام رؤسا۔ عہدہ دار اور وہاں کی معزز رعایا نے نہایت اعزاز کے ساتھ استقبال کیا۔ سیٹھ مانک جی نانا بھائی (جن کو اب خانصاحب کا خطاب ملا ہے) ایک پارسی جنٹلمین کی طرف سے دعوت دی گئی۔ اس دعوت میں ڈیسہ کیمپ کے کل یورپین عہدہ دار شریک تھے اور انھوں نے ہز ہائنس سے مل کر مختلف طریقوں سے اپنی خوشی اور دلی انبساط کا اظہار کیا۔ آمد و رفت کے وقت چھاونی کے توپخانہ سے سلامی میں گیارہ گیارہ ضرب توپیں سر کی گئیں۔ گارڈ آف آنر نے لوازم تعظیمی ادا کئے۔ بینڈ نے مبارکباد کی گت بجائی اور تمام کیمپ میں عید کا سا سماں ہوگیا۔

لشکر کی خاطر و مدارات

۱۸۹۶ء میں انگریزی افواج کا کیمپ آف اکسر سائز (جنگ مصنوعی) علاقہ پالن پور میں واقع ہوا۔ اس جنگ مصنوعی کے متعلق سامان رسد وغیرہ کا انتظام اور جنگی سپاہیوں کی خاطر و مدارات ریاست کی طرف سے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ عمل میں آئی۔ افسران فوج نے روانگی کے وقت خوشنودی اور احسانمندی کا اظہار کیا۔

شاہی تقاریب پر خوشی کے جلسے

جشن جوبلی

ملکہ معظمہ وکٹوریا کے جلوس کو پچاس برس گزرنے کی خوشی میں جس کو جوبلی کہتے ہیں حسن عقیدت کے اظہار کے لئے ۱۶ فروری ۱۸۸۷ء کو ہز ہائنس کی طرف سے ایک دربار منعقد کیا گیا جس میں پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور۔ عمائدین شہر طلباء مدارس۔ افسران سپرنٹنڈنسی اور اہلکاران ریاست وغیرہ شریک تھے۔

یہ دربار دہلی دروازہ کے باہر ایک وسیع شامیانہ کے اندر بھرا گیا تھا اور یہ ایسی عام خوشی تھی جس میں ہندو مسلمان دونوں شامل اور یکساں خوش نظر آتے تھے۔ اس مبارک جشن کی دائمی یادگار قائم رکھنے کے لئے

ہز ہائنس نے راہداری محصول زکواۃ معاف کر دیا جس سے تقریباً پچیس ہزار روپیہ سالانہ پیدا ہوا کرتا تھا اور یادگار جوبلی کے لئے ایک لائبریری بھی قائم کی جس کا نام "وکٹوریہ جنرل لائبریری" ہے۔ اس جوبلی کی مبارکباد میں ہز ہائنس کی طرف سے علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کے حضور میں ایک تہنیت نامہ حسب دستور نہایت پر تکلف نقرئی صندوقچہ میں رکھکر بھیجا گیا تھا۔

ڈائمنڈ جوبلی

علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند کے شصت سالہ جشن جلوس (ڈائمنڈ جوبلی) کی پر مسرت تقریب پر جس طرح کل ممالکِ محروسہ اور ریاستہائے ہندوستانی میں خوشی کا اظہار کیا گیا تھا اسی طرح ریاست پالنپور نے بھی اس انبساطی موقع پر اظہار عقیدت و وفاداری کا پورا پورا ثبوت گورنمنٹ برطانیہ کو دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔

۲۱ر جون ۱۸۹۷ء کو صبح کے ۸ بجے ہز ہائنس نے بڑی کچہری (دربار ہال) میں ایک عالیشان دربار ترتیب دیا جس میں کرنل ایف۔ ایچ۔ جیکسن صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالنپور اور عہدہ دارانِ سپرنٹنڈنسی و ریاست مدعو تھے۔ پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کو گارڈ آف آنر اور گیارہ توپوں کی سلامی دی گئی۔ دربار آراستہ ہونے کے بعد پہلے مسٹر دلپت جی دہرم سی ویدیہ مدار المہام ریاست نے کھڑے ہو کر مختصر تقریر میں انعقاد دربار کی وجہ بیان کی اور جو تہنیتی ایڈریس علیا حضرت ملکہ معظمہ کے حضور میں ہز ہائنس کی طرف سے بھیجنا تجویز ہوا تھا، تمام حاضرینِ دربار کو انگریزی زبان میں پڑھکر سنایا۔ بعد ازاں مؤلف ہیچ میرز نے ہز ہائنس کے حکم سے اصل ایڈریس جو اُردو زبان میں لکھا گیا تھا، پڑھا جس کی نقل ناظرین تاریخ کی دلچسپی کے لئے درج ذیل کیجاتی ہے۔

علیا حضرت ملکہ معظمہ محتشمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند شاہنشاہِ زماں و زمانیاں مطاع جہاں و جہانیاں فرمانروائے ممالک ہند و انگلستان مظہر غریب نوازی و رعیت پروری مصدر اوصافِ عدالت شعاری و انصاف گستری۔ فرازندۂ لوائے ناموری و نامداری۔ نوازندۂ کوس عظمت و بختیاری۔ مظہر شانِ زیب افزائی چتر افسر شاہنشاہی زینت بخشائے تخت و تاج سلطنت و جہانبانی خلد اللہ ملکہا و سلطنتہا۔

گلہائے تسلیم را طرۂ تارک افتخار ساختہ بعز عرض عالی متعالی بار یابانِ حضور موفور السرور میرساند کہ اس مبارک اور فرحت بخش تقریب یعنی یور مجسٹی کی شصت سالہ ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر یہ نیازمند خیر خواہِ سلطنت برطانیہ جوشِ مسرت اور صدق دلی کے ساتھ اظہارِ مبارکباد کے لئے بکمالِ ادب یہ سپاس نامہ پیش کرنے کو اپنا فرض اعلیٰ بلکہ استحقاق کلّی سمجھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے مہتم بالشان اور بارونق عہدِ حکومتِ ہند نے نہ صرف اس ملک کے کروڑہا باشندوں کو اپنے رعایا پرور اور مبارک زمانہ ہونے کا ثبوت دیا ہے بلکہ دیسی ریاستوں کو بھی جن میں اس نیازمند کی ریاست کو شمار ہونے کا فخر حاصل ہے، اس سلطنت کے مبارک اثر نے بے انتہا فائدہ پہنچا کر زیرِ بارِ منت و احسان کیا ہے۔ بیرونی و اندرونی امن و امان اور دیسی ریاستوں کا پورا پورا تحفظ یہ ایسی بخششیں ہیں جنکا اعلیٰ حضرت کے وفادار رؤسا اطمینانِ قلب کے ساتھ لطف اٹھاتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے بے نظیر وجود با جود نے جو قابلِ تحسین نمونہ ہمیں بتایا ہے وہ ہماری رہنمائی کے لئے آفتاب نصف النہار سے کم نہیں ہے۔ ہر قسم کی مغربی تہذیب و شائستگی اور مغربی خیالات بہت سرعت کے ساتھ ہندوستان کی سرزمین پر اپنا اثر ڈال رہے ہیں۔ لاریب یہ اُس روشن دماغ اور عالی حوصلہ قوم کے ساتھ ہم دیسی رئیسوں کی اُس وابستگی کا عملی نتیجہ ہے جس کو خداوند کریم نے مبارک رشتہ سے باندھ دیا ہے۔ خدائے پاک اس باہمی تعلق اور اعلیٰحضرت ملکہ معظمہ کی قیمتی حیات کو ابد الآباد برقرار رکھے آمین۔

خداوند کریم سے یہ بھی التجا ہے کہ ہماری قیصرۂ ہند ان اخلاقی۔ مالی اور تمدنی ترقیات کو جو مستحکم طور سے اپنا قدم جما رہی ہیں اور جو وکٹوریہ عہدِ حکومت کی خصوصیات سے ہیں ہمیشہ تک

ملاحظہ فرمانے کے لئے قائم و دائم رہیں۔

اخیر میں اس وفادار نیازمند اور تمام رؤسائے عظام ہند کی خوش آیند امید کا یہی مرکز رہے کہ جس اطاعت۔ فرمانبرداری اور خوش دلی و خیر اندیشی کے رشتے سے ہم آں اعلیحضرت کے تاج و تخت سلطنت کے ساتھ وابستہ ہیں وہ اور بھی زیادہ مستحکم اور مضبوط ثابت ہو اور نیز انگلستان کے عظیم الشان تخت حکومت سے ہم وہ فوائد حاصل کریں جن کی تکمیل زیادہ تر دل و دماغ کی اعلیٰ قوتوں اور اوصاف پر منحصر ہے اور جو آں اعلیحضرت کے ساتھ خاص طور سے مخصوص و منضبط ہے"۔

از مقام دار الریاست پالن پور معروضہ ۱۹ ر ماہ محرم ۱۳۱۵ھ مطابق ۲۱ ر جون ۱۸۹۷ء دوشنبہ	حضور عالی کا نیازمند خادم (دستخط) دیوان شیر محمد خان والی ریاست پالن پور

جب یہ ایڈریس سنایا جا چکا تو اسکو مع انگریزی ترجمہ کے کمخاب کی تھیلی میں رکھکر ایک لفافہ میں بند کیا اور اسپر مہر لگا دی گئی اور اس لفافہ کو ایک نقرئی صندوقچہ میں محفوظ کرکے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سپرد کر دیا۔ جب یہ کارروائی ختم ہوگئی تو پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نے عالیجاہ گورنر صاحب بہادر بمبئی کی طرف سے آیا ہوا خریطہ ہز ہائنس کی خدمت میں پیش کیا اور ایک دلچسپ تقریر فرمائی۔ تقریر ختم ہونے کے بعد ایک سو ایک توپ سلامی اعزاز شہنشاہی میں سر کی گئیں۔ بینڈ نے سلامتی عمر و دولت کی گت بجائی اور عطر و پان تقسیم ہو کر دربار برخاست ہوا۔

ملک معظم کی تقریب تاجپوشی ملک معظم ایڈورڈ ہفتم شہنشاہ ہندوستان و انگلستان اور ملکہ معظمہ الگزنڈرا کی تاجپوشی کے اعلان کا شاہی دربار جو دہلی میں منعقد ہوا تھا اسکی شرکت کے لئے ہز ہائنس کو گورنمنٹ کی طرف سے

دعوتی خریطہ آیا تھا مگر کئی قحط سالیوں نے متواتر حملے کر کر کے ریاست کی مالی حالت بہت نازک کر دی تھی اس لیے ہز ہائنس دہلی جا کر شریکِ دربار نہ ہو سکے لیکن چونکہ آپ کو برٹش گورنمنٹ کے ساتھ کمال عقیدت ہے نظر براں اپنے دارالریاست ہی میں خوشی منا کر دل کے حوصلے نکالے اور جوشِ مسرت کا اظہار کیا۔

یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو اس تقریب کی خوشی میں دربار ہال کو سجا کر ایک عالیشان دربار ترتیب دیا گیا جس میں لفٹنٹ کرنل۔جی۔ای۔ہاڈکیٹس صاحب پولٹیکل ایجنٹ پالن پور مع دیگر افسرانِ ایجنسی۔ عہدہ داراں ریاست اور معززین شہر مدعو کیے گئے۔ پولٹیکل ایجنٹ صاحب کو آمد و رفت کے وقت گارڈ آف آنرز اور توپوں کی سلامی دی گئی۔ دربار شروع ہوتے ہی سب سے پہلے پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے کھڑے ہو کر شاہی اعلان پڑھا۔ اعلان ختم ہونے کے بعد شہنشاہی اعزاز میں ایک سو ایک ضرب توپ سلامی توپخانۂ ریاست سے سر کی گئیں پھر ہز ہائنس نے اردو میں ایک موثر اسپیچ دی جس میں رؤسائے ہند کی وفاداری اور برٹش گورنمنٹ کی اعلیٰ انصاف پروری کا اظہار نہایت عمدہ اور مناسب پیرایہ میں کرنے کے بعد سلطنتِ برطانیہ کی اس پرورش اور ہمدردی رعایا کی کیفیت بیان کی جس کا نمونہ ۱۹۰۰-۱۸۹۹ء کی سخت قحط سالی میں دکھایا گیا تھا۔ اس تقریر کا انگریزی ترجمہ ہز ہائنس کے فرزندِ اصغر صاحبزادہ یاور حسین خاں نے حاضرینِ دربار کو سنایا۔

پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے ہز ہائنس کی تقریر کے جواب میں فرمایا کہ

"آپ نے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم اور برٹش گورنمنٹ کی نسبت جن عمدہ الفاظ میں حسنِ وفاداری و خیر خواہی کا اظہار کیا ہے اسکے متعلق میں گورنمنٹ کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ درحقیقت پالن پور کے شاہی خاندان کی دائمی وفاداری۔ زمانۂ غدر میں مفید اور قابلِ قدر امداد۔ امورات رفاہِ عام کی انجام دہی میں خاص توجہ۔ ملکی ہمدردانہ کارروائیاں۔ طاعون اور قحط سالی کی

دنوں میں ایجنسی اور برٹش گورنمنٹ کی امداد اور نیز یور ہائنس کی مسند نشینی کے بعد انتظام ریاست میں مختلف ترقیاں، یہ تمام باتیں ایسی ہیں جن کے بیان میں زبان قاصر ہے اور ان ہی تمام خصوصیتوں پر نظر کر کے آپ کو برٹش گورنمنٹ نے جی سی آئی ای کا معزز خطاب عنایت فرمایا ہے۔"

جب یہ تمام کارروائیاں ختم ہوچکیں تو عطر و پان تقسیم کیا گیا اور دربار برخاست ہوا۔ اس دربار کی یادگار میں پچاس خفیف سزا کے اور دو دائم الحبس قیدی رہا کئے گئے۔ شہر کے کل مدرسوں کے بچوں کو شیرینی تقسیم کی گئی۔ غربا اور محتاجوں کو کھانا کھلایا گیا۔ یکم جنوری سے ۸ جنوری تک عدالتوں اور اسکولوں میں تعطیل رہی اور سب سے زیادہ قابلِ قدر یہ کام کیا گیا کہ سمت ۱۹۳۹ سے سمت ۱۹۵۶ کے آخر تک جو زرجرمانہ رعایا کے ذمہ واجب الادا تھا یک لخت معاف کر دیا جس کی تعداد ستاسی ہزار روپیہ تھی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اظہار مسرت کا یہ طریقہ تمام طریقوں سے بہتر اور قابلِ تقلید ہے اور یہی کارروائیاں ایسی ہیں جو ایک رئیس کو بقائے دوام اور شہرت عام کا تاج پہنا دیا کرتی ہیں۔

اسی روز شام کے ۷ بجے پولٹیکل ایجنٹ صاحب نے اپنی کوٹھی پر معززین شہر کو ایوننگ پارٹی دی بعد ازاں ایجنسی کے میدان میں ریاست کی طرف سے آتش بازی چھوڑی گئی اور پولٹیکل ایجنٹ صاحب کو ڈنر دیا گیا۔

دوسری جنوری ۱۹۰۳ء کو ہز ہائنس مع معزز مسلمانانِ ریاست کے شہنشاہ کی ترقی عمر و اقبال کی دعا مانگنے کے لئے جامع مسجد میں تشریف لے گئے۔ ہندوؤں نے بھی اپنے کل معبدوں میں سرگرمی کے ساتھ دعائیں مانگیں۔ شام کے وقت دہلی دروازہ کے باہر امباجی ماتا کے مندر کے سامنے شفاخانہ کے میدان میں ایک بہت بڑا میلہ کیا گیا۔ کل رعایا نے میلہ میں شرکت کی اور وفاداری کے ساتھ میلہ کا لطف اٹھایا۔

تاجپوشی کی نسبت انگریزی زبان میں ایک تہنیتی ایڈریس تیار کیا گیا اور پولیٹکل ایجنٹ صاحب کے ذریعہ سے مع اُردو ترجمہ کے شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کی خدمت میں بھیجا گیا۔ یہ ایڈریس بھی حسب دستور نہایت خوبصورت نقرئی صندوقچہ میں محفوظ کیا گیا تھا۔ اس ایڈریس کی نقل اس موقع پر درج کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ جس قسم کا تہنیتی ایڈریس ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرِ ہند کے حضور میں بھیجا گیا تھا۔ یہ ایڈریس بھی اُسی شان کا تھا۔

اس عالیشان دربار کے زمانہ میں ولیعہد ریاست صاحبزادہ طالع محمد خاں بہادر امپیریل کیڈٹ کور میں کام کرتے تھے اسلئے وہ اپنے رسالہ کے ساتھ دہلی کے دربار شہنشاہی میں شریک تھے۔

شاہی تقاریب غم کی نسبت اظہار ہمدردی

شاہزادہ ڈیوک آف آلبانی کی وفات

۱۸۸۴ء کے مارچ مہینے میں علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند کے فرزند اصغر شاہزادہ ڈیوک آف آلبانی کا عین عالم شباب میں انتقال ہوگیا۔ اس واقعۂ ناگزیر کی اطلاع ملنے پر ۳۱ر مارچ ۱۸۸۴ء کو تمام رسومات تعزیت ادا کی گئیں اور ایک تعزیتی خریطہ عالی جناب گورنر صاحب بہادر بمبئی کی خدمت میں روانہ کرکے ہز ہائنس نے یہ درخواست پیش کی کہ "دو رئیس اور رعایائے پالن پور کو اس واقعۂ رحلت کے سرزد ہونے سے جو صدمہ اور افسوس ہوا ہے اسکی نسبت علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے حضور میں اظہار ہمدردی فرمایا جائے"۔ ۳۱ر مارچ کو تمام دفاتر اور اسکولوں میں تعطیل دی گئی اور ۳۱ ضرب الثواب غمی توپخانۂ ریاست سے سر کی گئیں۔

شہنشاہ جرمن کی رحلت پر اظہار ہمدردی

جب شہنشاہ جرمن یعنی علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کے داماد کا انتقال ہوا اور اسکی خبر ۲۶ر جون ۱۸۸۸ء کو پالن پور پہنچی تو ہز ہائنس نے اس سانحۂ ملالت خبر کی نسبت اظہار غم

کر کے گورنر صاحب بہادر بمبئی کی خدمت میں ایک تعزیتی خریطہ بھیجا اور اپنی طرف سے علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند و خاندان شاہی کے ممبروں کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔

شاہزادہ البرٹ وکٹر کی افسوسناک وفات

۱۸۹۲ء میں عالیجاہ بلند پایگاہ شاہزادہ البرٹ وکٹر کا انتقال ہوا۔ شاہزادہ صاحب چونکہ حضور ایڈورڈ ہفتم کے سب سے بڑے صاحبزادہ اور آپ کی تخت نشینی کے بعد ولیعہد سلطنت ہونے والے تھے اسلئے آپ کی وفات کے واقعہ پر تمام ممالک ہندوستان و انگلستان میں ایک تہلکہ مچ گیا۔ نیز شاہزادہ صاحب محتشم الیہ شاہی خاندان کے ایک قابل اور ذی اخلاق ممبر تسلیم کئے گئے تھے نظر براں آپ کی بے وقت رحلت نے عام غمگینی پھیلادی۔ غرضکہ ان تمام امور پر نظر کر کے ہز ہائنس نے اپنی اُس سچی ہمدردی اور وفاداری کا جوش اس موقع پر ظاہر کیا جو آپ کو خاندانِ شاہی کے ساتھ حاصل ہے۔ شاہزادہ صاحب معزی الیہ نے ہندوستان کی سیر و سیاحت کے دوران میں ۱۳ مارچ ۱۸۹۰ء کو اجمیر سے بمبئی تشریف لیجاتے ہوئے ہز ہائنس کو بھی پالن پور کے اسٹیشن پر شرف ملاقات بخشا تھا اور اپنے اخلاقانہ برتاؤ کا سکہ ہز ہائنس کے دل پر قائم فرمادیا تھا اسلئے ہز ہائنس نے آپکے واقعۂ ارتحال کے متعلق اظہارِ ہمدردی کا کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہ کیا۔

ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی وفات

علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریا قیصرۂ ہند کی پر حسرت وفات اگرچہ ۲۲ جنوری ۱۹۰۱ء کو لندن میں واقع ہوئی تھی لیکن چونکہ ریاست پالن پور میں اس پر ملال واقعہ کی اطلاع ۲۳ جنوری کو آئی اس لئے ہز ہائنس نے اُسی روز دوسرے رؤسائے ہند کی طرح بہت کچھ اظہار رنج و ملال کر کے مراسم ماتم داری ادا کئے سب سے پہلے۔ پی۔ ایس۔ وی فٹز جیرلڈ اسکوائر پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے پاس ماتمی لباس میں تشریف لے گئے اور اپنی اور اپنی ریاست کی طرف سے اس واقعۂ جانکاہ کی نسبت اظہار افسوس کیا۔ بعد ازاں عالی جناب گورنر صاحب بہادر بمبئی کی خدمت میں پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی وساطت سے ہمدردی سے بھرا ہوا تار روانہ کیا اور اسی روز توپخانہ ریاست سے ایک سو ایک منٹ گن (ماتمی توپیں) سر کی گئیں

اور دوسرے روز کل دفاتر اور مدارس میں تعطیل دی گئی۔

۲۶ رجنوری کو مسلمانانِ شہر نے بزیر صدارت قاضی عبدالرحیم (قاضی شہر) مسجد جامع میں جمع ہوکر علیاحضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ آنجہانی کے لیے دعائے مغفرت کی جس کی اطلاع گورنمنٹ میں بھی دی گئی اور ہز اکسیلنسی گورنر صاحب بہادر کے سکرٹری کی طرف سے شکریہ کی چٹھی نمبری ۹۸۸ مورخہ ۸ رفروری ۱۹۰۱ء بھی وصول ہوئی تھی۔

۲۷ رفروری کو ہائی اسکول کے میدان میں ریاست اور ایجنسی کے کل اہلکار اور معززین شہر جمع ہوئے ہز ہائنس بھی مع اہالیان خاندان اس ماتمی جلسے میں تشریف لے گئے۔ اس موقع پر ہز ہائنس نے کل رعایا اور حاضرین کو مخاطب فرماکر ایک نہایت پراثر اور رقت خیز تقریر کی جس میں علیاحضرت ملکہ معظمہ آنجہانی کی عہد حکومت کی برکتوں کا ذکر اور ان کے انتقال پرملال کے اس صدمہ کا بیان جو روسا اور رعایائے ہند کو ہوا تھا بڑی خوبی کے ساتھ کیا۔

۲ رفروری چونکہ علیاحضرت کی تدفین کی تاریخ تھی اس لیے ہز ہائنس مع تمام اہلِ اسلام کے نماز ظہر کے وقت مسجد جامع میں تشریف لے گئے اور نماز سے فارغ ہوکر کل مسلمانوں سمیت علیاحضرت کی مغفرت کے لیے نہایت خضوع و خشوع کے ساتھ دعا کی۔ تعداد سال عمر کے لحاظ سے ۸۱ توپیں توپخانۂ ریاست سے سر کی گئیں۔ دفاتر اور مدرسوں میں تعطیل دی گئی۔ شہر میں تمام دن ہڑتال رہی اور نیز کل اقوام کے لوگوں نے اپنے اپنے عقیدے کے موافق اپنی اپنی عبادت گاہوں میں علیاحضرت کی مغفرت کے لیے دعائیں مانگیں۔

شہنشاہ بیگم جرمن کی وفات

۷ راگست ۱۹۰۱ء کو عالیجاہ شہنشاہ بیگم جرمن یعنی ملکہ معظمہ قیصرۂ ہند کی دختر نیک اختر کے انتقال پرملال کی افسوسناک خبر سنکر ہز ہائنس نے اپنی ریاست میں اظہار غم کا اعلان کیا۔ شہنشاہ بیگم جرمن کی عمر ۶۰ برس کی تھی اس لیے ۶۰ ماتمی توپیں ایک ایک منٹ کے وقفے سے سر کی گئیں اور اپنی دلی ہمدردی و وفاداری کا ثبوت پیش کیا۔

عدالتہائے انصاف

عدالتوں میں ترمیم جب حکومت کا پیمانہ وسیع ہوجاتا ہے اور رعایا پروری کی ضروریات بڑھ جاتی ہیں تو انصاف اور سیاست کے لئے الگ الگ محکموں کی ضرورت پڑتی ہے۔ ہزہائنس کے عہد حکومت سے پہلے اگرچہ اس ریاست میں دیوانی۔ فوجداری اور مال وغیرہ کے مختلف صیغے قائم تھے لیکن چونکہ زمانہ ہمیشہ ترقی کرتا رہتا ہے اور علم کی روشنی ہر ایک معاملہ میں بہتری اور خوبی دکھاتی جاتی ہے اس لئے ہزہائنس نے موجودہ قوانین کے لحاظ سے بعض محکمے نئے قائم کئے۔ بعض محکمہ جات میں ترمیم کی اور انصاف کے وسائل کو بہت کچھ ترقی دی۔ چنانچہ ذیل کی کیفیت سے اس کا حال ناظرین تاریخ کو بخوبی معلوم ہوسکتا ہے۔

حضور عدالت حضور عدالت تمام مقدمات کے اپیل اور نظر ثانی کے لئے مجوز ہوئی ہے۔ اس عدالت میں عدالتہائے ماتحت کے مقدمات کے اپیل مدارالمہام ریاست سنتے ہیں اور نظر ثانی کے لئے خود ہزہائنس اجلاس فرما کر بشراکت مدارالمہام حکم اخیر صادر کرتے ہیں۔ حضور عدالت کو حسب قانون مروجہ اختیارات کلی حاصل ہیں۔

محکمہ اپیل محکمہ اپیل عدالتہائے ماتحت کے کل دیوانی و فوجداری فیصلوں کے اپیل سننے کے لئے تجویز ہوا ہے اس عدالت کا حاکم اپیل جج کہلاتا ہے۔

سشن کورٹ سشن کورٹ تمام مقدمات سشن فیصل کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن سزائے موت

اخراج البلد اور ۵ پانچ برس سے زائد سزا دینے کے لئے حضور عدالت سے منظوری حاصل کرنی پڑتی ہے۔

سرنیادہس کورٹ — سرنیادہس کورٹ جس کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کورٹ کہنا چاہئے مقدمات فوجداری میں دو برس تک کی سزا اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کرنے کا مجاز ہے اور مقدمات دیوانی میں ایک ہزار روپیہ سے اوپر اخیر تک دعوی سن سکتا ہے۔

مجسٹریٹی درجہ اول — مجسٹریٹی درجہ اول کا حاکم فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کہلاتا ہے۔ اور اسکو مقدمات فوجداری میں ایک سال کی قید اور دو سو روپیہ جرمانہ کی سزا کا اختیار ہے۔ علاوہ ازیں صیغہ مال میں فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کو اختیارات تحصیلداری بھی حاصل ہیں۔ پالن پور سٹی پولس فوجدار (کوتوال شہر) پالن پور ڈسٹرکٹ پولس فوجدار اور چھپراسنی پولس فوجدار اس عدالت کے ماتحت ہیں۔ نیز پرگنہ چھپراسنی بھی اسی عدالت کے ساتھ وابستہ کر دیا گیا ہے۔

عدالت دیوانی — عدالت دیوانی جس کے حاکم کو یہاں دیوانی نیادہس کہتے ہیں، پچھتر روپیہ سے ایک ہزار تک کے مقدمات سننے کی مجاز ہے۔

محکمہ مطالبہ خفیف — محکمہ سمال کاز کورٹ کو پچھتر روپیہ تک کے مقدمات کی سماعت کا اختیار حاصل ہے۔

یہ اُن عدالت ہائے انصاف کا ذکر ہوا جو خاص دار الریاست پالن پور میں ہیں۔ ان کے علاوہ پرگنات اور بیرونجات میں جو محکمے اور کچہریاں قائم کی گئی ہیں ان کی کیفیت ذیل کے نقشہ سے ظاہر ہوگی۔ یہ نقشہ علاوہ کچہریوں کی تعداد اور کیفیت پیش کرنے کے یہ بھی بتائیگا کہ ہر افسر پرگنہ کو کس قدر اختیارات حاصل ہیں۔

نقشۂ عدالتہائے پرگنہ جات پالن پور مع اختیارات

نمبر شمار	نام عدالت	مقام	عہدہ	اختیارات	تعداد افسران پولس متعلقۂ مقام عدالت	کیفیت
۱	مجسٹریٹی درجۂ اول	قصبہ ڈیسہ	مجسٹریٹ درجۂ اول و تحصیلدار ڈیسہ	مقدمات فوجداری میں ایک سال کی قید اور دو سو روپیہ جرمانہ اور دیوانی میں ایکہزار روپیہ تک کے مقدمات	پولس فوجدار تعلقۂ ڈیسہ اور پولس فوجدار سگتھلہ	
۲	مجسٹریٹی درجۂ دوم	دہانیرہ بشمول تعلقۂ کھیمت	مجسٹریٹ درجۂ دوم و تحصیلدار دہانیرہ	مقدمات فوجداری میں تین ماہ قید اور ایک سو روپیہ تک جرمانہ اور دیوانی میں پانسو روپیہ تک کے مقدمات	پولس فوجدار دہانیرہ اور پولس فوجدار کھیمت	تعلقۂ کھیمت بھی تحصیل دہانیرہ کے ساتھ شامل کردیا گیا ہے
۳	مجسٹریٹی درجۂ دوم	پانتھاواڑہ	مجسٹریٹ درجۂ دوم و تحصیلدار پانتھاواڑہ	مقدمات فوجداری میں حسب صدر اور دیوانی میں دو سو روپیہ تک کے مقدمات سننے کے اختیارات حاصل ہیں۔	پولس فوجدار پانتھاواڑہ	تعلقۂ واتی واڑہ بھی اس میں شامل کردیا گیا ہے
۴	مجسٹریٹی درجۂ دوم	گڈھ	مجسٹریٹ درجۂ دوم و تحصیلدار گڈھ	مقدمات فوجداری میں تین ماہ قید اور ایکسو روپیہ تک جرمانہ اور دیوانی میں پچاس روپیہ تک کے مقدمات	پولس فوجدار گڈھ	

۵	مجسٹریٹی درجہ دوم	بیتا	مجسٹریٹ درجہ دوم و تحصیلدار بیتا	مقدمات فوجداری میں تین ماہ قید اور ایک سو روپیہ تک جرمانہ اور دیوانی میں پچاس روپیہ تک کے مقدمات	پولس فوجدار بیتا	پولس فوجدار بیتا کا ہیڈکوارٹر موضع مجاور میں ہے
۶	مجسٹریٹی درجہ دوم	پچیتروڑہ	مجسٹریٹ درجہ دوم و تحصیلدار پچیتروڑہ	ایضاً	پولس فوجدار پچیتروڑہ	
۷	باپلا کامداری	باپلا	باپلا کامدار	صاحب پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ بہادر کے روبرو جو عہدنامہ ۸ ستمبر ۱۹۰۹ء کو ہوا اسکی رو سے باپلا کامدار کو ریاست کی طرف سے فوجداری میں دو ماہ قید اور پچاس روپیہ جرمانہ کا اختیار اور دیوانی میں پانسو روپیہ تک کے مقدمات سننے کی اجازت دی گئی۔		
۸	تحصیلداری ڈابھیلہ	رہو	تحصیلدار ڈابھیلہ	حسب منشا سرکار حضور عدالت نمبری ۴۴ مجریہ ۲۲ جولائی ۱۹۱۶ء علاوہ اختیارات تحصیلداری دیوانی میں تیس روپیہ تک کے مقدمات سننے کا اختیار حاصل ہے		
۹	تحصیلداری گڈہواڑہ	اونبری	تحصیلدار گڈہواڑہ	صرف مالی اختیارات حاصل ہیں۔		گڈہواڑہ میں مواضعات راجپور، جودہ پور، آنکلیا اور ہمت پورہ بھی مع کامل اختیارات مالی کے شامل ہوگئے ہیں تاہم یہاں فوجداری حکومت نہیں ہے اور تحصیلدار کا تقرر محض مالی اختیارات کی رو سے ہے

صیغہ جات متفرق

محکمہ پیمائش عہد سلطنت اکبری میں جب راجہ ٹوڈرل ممالک ہندوستان کی پیمائش پر مامور ہوا تو اس نے نشیب و فراز اراضی یا خدا معلوم کس سبب سے اقطاع علاقہ پالن پور کو غیر ممکن المساحت تصور کرکے صوبہ گجرات کی پیمائش کے ضمن سے مستثنیٰ کر دیا اور اسکے بعض اضلاع میں کلتر[۱] اور کہیں اودہڑ کاشت (زمین کا اندازہ کرکے قیاسی طور پر جو رقم لگان مقرر کر دیجاتی ہے اسکو اودہڑ کاشت کہتے ہیں) کے حساب سے خراج مقرر کیا۔ گو کہ اس میں ریاست اور رعایا کا نفع و ضرر "کنکوت" یعنی تشخیص کنندہ کی لیاقت اور بلوغ نظر پر منحصر تھا۔ تاہم اتفاقات زمانہ سے یہی قانون اس ریاست میں چلا آتا تھا مگر سمت ۱۹۳۵ میں سروے ڈپارٹمنٹ (صیغہ پیمائش) قائم ہوا جس کی وجہ سے آہستہ آہستہ ترقی ہونے لگی چونکہ اس علاقہ کے لوگ زمین کی پیمائش اور دیگر امورات متعلقہ صیغہ کے نفع بخش قواعد سے بالکل ناواقف تھے اس لئے اصلاحی اور انتظامی تغیرات ہوتے ہوتے سمت ۱۹۴۳ میں گھوٹی کا محکمہ قائم کیا گیا جس میں زمین کی قوت پیداوار اور کاشت کاروں کی حیثیت دیکھکر انصاف پسندی اور احتیاط کے ساتھ گھوٹی کی تشخیص کی جاتی ہے۔ اس سسٹم کے قیام سے ریاست کے لئے بہت سے عمدہ نتائج پیدا ہوئے ہیں جنکا فائدہ زیادہ تر آئندہ محسوس ہوگا۔ آجتک ۲۹۷ دیہات کی پیمائش ہو چکی ہے اور ۱۸۷ مواضعات میں گھوٹی سسٹم جاری کیا گیا ہے۔

تقاوی کا انتظام سمت ۱۹۳۴ کے قحط سے لوگوں نے سخت مصیبت اٹھائی تھی اور ابھی اسکے مارے ہوئے پوری طرح پنپنے بھی نہ پائے تھے کہ سمت ۱۹۳۵ میں ٹڈی دل طوفان کیطرح نازل ہوا اور بلائے ناگہانی بن کر

---

[۱] اناج پکنے کے بعد جب کھیت تیار ہو جاتے ہیں تو سرکاری آدمیوں کی نگرانی میں چند معتبر زمیندار وغیرہ کھیتوں میں جاکر ریاست کا حصہ اندازاً مقرر کر لیتے ہیں اس طریقہ کو یہاں کی اصطلاح میں "کلتر" کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ
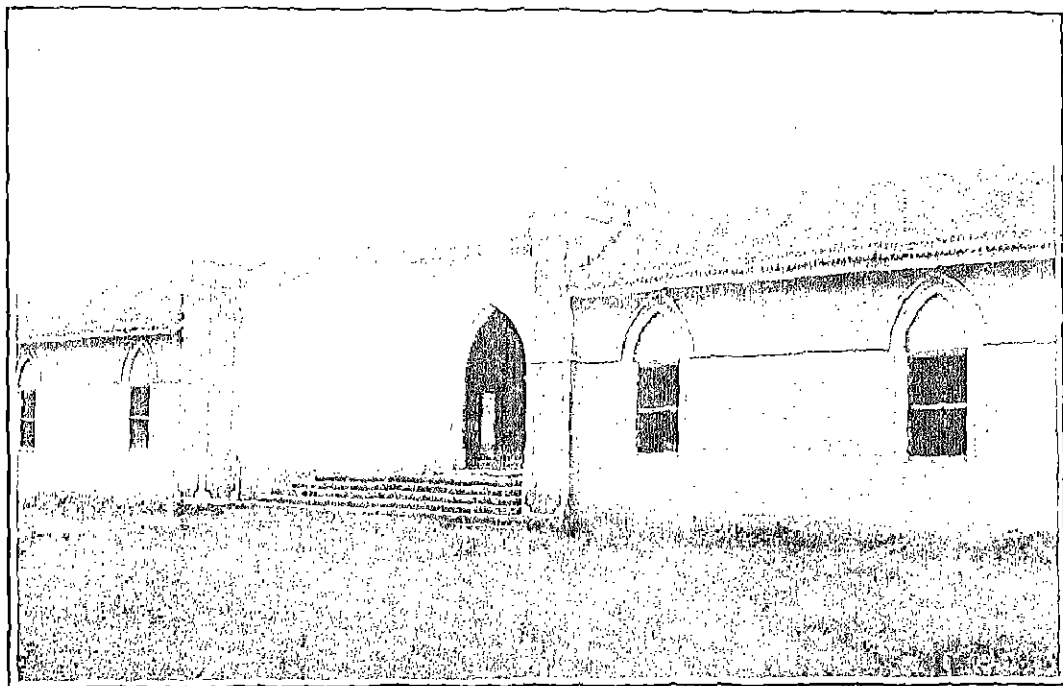
ریاستی جیل

گھاس پھوس اور اناج وغیرہ سب چاٹ گیا۔ قحط زدہ لوگ نیم مردہ تو ہو ہی رہے تھے، اب بالکل ہی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اس موقع پر ہز ہائنس نے رعایا پروری اور فراخ حوصلگی سے کام لیا۔ دیسی اور پردیسی مفلس اور کنگال لوگوں کے لئے خیرات و صدقات جاری کرکے صاحب عیال غربا کو سستا اناج ملنے کی غرض سے دوکانیں کھلوا دیں اور مناسب نرخ سے غلہ کے فروخت ہونے کا بندوبست کر دیا۔ سب سے بڑا کام یہ کیا کہ آفت رسیدہ لوگوں کی امداد اور ترغیب زراعت کی غرض سے تقاوی کا سررشتہ قائم کیا۔

اگرچہ تقاوی دینے کا رواج اس ریاست میں قدیم سے چلا آتا ہے لیکن اسکے لئے علیحدہ طور پر کوئی خاص صیغہ مقرر نہیں تھا۔ ہز ہائنس نے شروع شروع میں اس صیغہ کو ایک علیحدہ محکمہ بنا کر قائم کیا لیکن ریونیو ڈپارٹمنٹ کے قیام کے بعد یہ صیغہ بھی اسی میں شامل کر دیا گیا۔ اس صیغہ سے کسانوں کو پختہ کنوؤں کی تعمیر۔ ویران و بنجر زمینوں کی اصلاح۔ کھیتوں کی درستی اور تخم کی خریدی کے لئے جسقدر روپیہ کی ضرورت ہوتی ہے، دیا جاتا ہے اور پیداوار زراعت کے وقت قسط وار وصول کر لیا جاتا ہے۔

جیلخانہ ریاست پالن پور میں قدیم سے ایک بڑا جیلخانہ تھا جسکو "چبوترہ" کہتے تھے اور جس میں ریاست اور سپرنٹنڈنسی کے قیدی ملے جلے رہا کرتے تھے۔ ہز ہائنس نے مسند حکومت پر قدم رکھنے کے بعد سپرنٹنڈنسی کے قیدیوں سے ریاست کے قیدیوں کو الگ رکھنا مناسب سمجھا چنانچہ سنہ ۱۸۷۹ء میں سپرنٹنڈنسی اور ریاست کے قیدیوں میں تفریق ہو گئی۔ بعدازاں سنہ ۱۸۹۰ء میں شہر کے مشرق کی طرف سلیم پورہ کے دروازہ اور فیروز باغ کے درمیان حصار شہر پناہ کے متصل محبس بنانیکی تجویز ہوئی اور بہت سا روپیہ خرچ کرکے پختہ نیو بھی ڈالدی گئی۔ لیکن کسی خاص مصلحت سے یہ تجویز ملتوی کرکے شہر سے مغرب کی جانب عیدگاہ کے قریب سنہ ۱۹۲۹ء میں ایک عالیشان اور نئی وضع کی نہایت مضبوط اور پختہ عمارت نوے ہزار روپیہ کے صرفہ سے تیار کی گئی اور خاص ریاست کے مجرم قیدی

باضابطہ حراست اور چوکی پہرے کی احتیاط کے ساتھ اس میں محبوس کئے گئے۔

ریاست کے قیدیوں کو بھی انگریزی جیلخانوں کی طرح اخلاقی تربیت دیجاتی ہے اور مختلف کام بھی سکھائے جاتے ہیں جس سے اس ریاست کے پہاڑی حصے کی رہنے والی وحشی اور خانہ بدوش اقوام میں ارتکاب جرائم کا انسداد اور راست روی کی عادت پیدا ہو چلی ہے اور آیندہ اس سے بھی زیادہ اُمید ہے۔

جیلخانہ کے متعلق سب سے زیادہ قابل ذکر یہ بات ہے کہ قیدیوں سے خوراک کی بابت نقدی وصول کرنے کا جو دستور قدیم الایام سے چلا آتا تھا اسکو ہز ہائنس نے اپنے زمانۂ عملداری میں یک لخت موقوف کر کے قیدیوں کی خوراک کا انتظام ریاست کی طرف سے کر دیا۔

محکمۂ پولس لیوی کی صورت بدل جانیکے بعد ہز ہائنس نے پولس کا باقاعدہ انتظام فرمایا اور لیوی کے سپاہیوں میں جن کی تعداد سو پیدل اور ڈیڑھ سو سوار تھی، ریاست کی سربندی کی جمعیت کو بھی شامل کر کے صیغۂ پولس کو بڑے پیمانہ پر قائم کیا۔ چنانچہ اب ایک پولس کامدار (پولس سپرنٹنڈنٹ) گیارہ پولس فوجدار ایک ڈرل ماسٹر۔ ایک نگر۔ ایک اوپیم انسپکٹر۔ چار سو چالیس پیدل۔ ایکسو ترسٹھ سوار اور بارہ شتر سوار اس محکمہ میں شامل ہیں۔ علاوہ بریں دو ہزار تین سو چونتیس چوکیات (دیہاتی پولس) دیہات میں متعین ہیں۔ ایک سو وجہ دار سوار (وہ سوار جو جاگیر کے معاوضہ میں خدمات سرکاری انجام دیتے ہیں) بھی حسب ضرورت پولس کے فرائض ادا کرتے ہیں۔ باقاعدہ پولس کا سالانہ خرچ چوراسی ہزار چھ سو بیاسی روپیہ ہے اور دیہاتی پولس کو خدمات متعلقہ کے عوض زمینیں ملی ہوئی ہیں جن کی مجموعی آمدنی چھیالیس ہزار چھ سو اسی روپیہ سالانہ ہے باقاعدہ پولس کو سرکار کی طرف سے وردی اور ہتیار بھی دئے جاتے ہیں منجملہ مرقومۂ بالا گیارہ پولس فوجداروں کے دو خاص شہر پالن پور میں۔ ایک چتراسنی میں۔ دو پرگنہ ڈیسہ میں اور ایک ایک باقی تمام پرگنوں میں متعین ہیں۔

جوانان فوج باقاعده و بے قاعده

اوپیم انسپکٹر | چونکہ برٹش گورنمنٹ کے منشا کے بموجب افیون کی آمد و رفت بلا منظوری سرکار انگریزی جرم میں داخل ہے اسلئے ہز ہائنس نے اپنی سرحدات پر مختلف چوکیاں مقرر کرکے ان کی دیکھ بھال کے لئے ایک اوپیم انسپکٹر متعین کیا ہے تاکہ اضلاع راجپوتانہ سے گجرات میں اور اضلاع گجرات سے راجپوتانہ میں افیون آنے جانے نہ پائے۔ اس اوپیم انسپکٹر کا ہیڈ کوارٹر پالن پور میں ہے اور ضرورت کے وقت وہ دورہ کرتا رہتا ہے۔ اس صیغہ میں ۳۱ چوکیاں ہیں اور محرر۔ سوار اور پیدل مل کر کل ۸۷ آدمی متعین ہیں۔ یہ انسپکٹر پولس کا مدار کے ماتحت رہتا ہے۔

جمعیت سربندی | علاوہ پولس اور باقاعدہ فوج کے یہاں ایک اور بھی بیقاعدہ جمعیت ہے جسکو "سربندی کی سپاہ" کہتے ہیں جو دراصل سپہ بندی یا سہ بندی کا بگڑا ہوا نام ہے۔ اس جمعیت کے نوکروں کی خاص وردی نہیں ہے اور نہ خصوصیت کے ساتھ کوئی ایک کام ان کے سپرد ہے بلکہ شہر کے دروازوں کا پہرہ چوکی اور اہلکاران ریاست اور تحصیلداران پرگنہ جات کی اردلی وغیرہ کے کام ان سے لئے جاتے ہیں اور یہ لوگ اپنے دیسی لباس میں ہر متفرق کام کے لئے وقف ہیں۔ اس جمعیت کا سالانہ خرچ پچیس ہزار روپیہ ہے اور آٹھ جمعدار اور چار سو پانچ پیدل اس میں شامل ہیں بخشی فوج اس جمعیت کے افسر ہیں۔

ریونیو ڈپارٹمنٹ | ریونیو ڈپارٹمنٹ کا محکمہ قدیم سے مدار المہام ریاست کی تحت میں تھا لیکن چونکہ مدار المہام کے متعلق ریاست کے اور بھی بہت سے کام ہیں اسلئے ہز ہائنس نے ۱۸۹۱ء کے نومبر مہینے میں اس کے متعلق ایک محکمہ الگ قائم کرکے سب سے پہلے اسکا چارج ایک لائق اور تجربہ کار اہلکار پنڈت ہری بندرابن داس کو دیا۔

اس محکمہ کے متعلق آبادی دیہات حدود جنگلات کی حفاظت افتادہ زمینوں کو قابل زراعت بنانیکے وسائل۔ محاصل پیداوار میں اضافہ۔ کل قسم کی ٹھیکہ داریاں اور مخارج و محاصل دیہات وغیرہ ہیں اور اس وقت تک اس میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔

صیغہ رجسٹریشن ہز ہائنس نے اپنی رعایا کی سہولیت کی غرض سے سمت ۱۹۵۵ میں ایک اور نیا محکمہ قائم کیا جسکا نام "رجسٹریشن کورٹ" ہے۔ اس صیغہ کے جاری ہونے سے پہلے وستاویز وغیرہ کے صحیح یا غلط ہونیکی جانچ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا اسلئے قسم قسم کی دقتیں پیش آتیں کہ سادہ لوح کم سمجھ اور جاہل لوگوں کو اسقدر نقصان برداشت کرنا پڑتا تھا کہ کبھی کبھی عدالت سے چارہ جوئی کرنے کی نوبت آجاتی تھی۔ اب اس صیغہ نے یہ دقتیں رفع کر دیں اس لئے تمام لوگ اپنے لین دین کے معاملات بڑی آسانی کے ساتھ طے کر لیتے ہیں۔ ہز ہائنس کے نام کے اسٹامپ میں آپ کا بسٹ (سینہ تک کی تصویر) ثبت کیا گیا ہے اور اس میں بخط گجراتی اسٹامپ کی قیمت لکھی ہوئی ہے۔

اکاؤنٹ آفس اس محکمہ کے متعلق ریاست کا کُل حسابی کام ہے۔ ہز ہائنس کے زمانۂ حکومت سے پیشتر اس محکمہ میں پرانے طرز پر کام ہوا کرتا تھا لیکن ہز ہائنس کی جدت پسندی نے اسکو نئے طریقہ پر جاری کر دیا ہے جس سے ریاست کے کُل اخراجات اور آمدنی کے متعلق نہایت صفائی کے ساتھ حالات معلوم ہو سکتے ہیں کیونکہ ہر ایک صیغہ کی بابت درآمد و برآمد کے نقشے بہت ہی خوش اسلوبی سے تیار کئے جاتے ہیں۔

ٹریژری آفس دیوان فتح خان ثانی کے عہد حکومت میں بعض وجوہات سے احمد آباد کے ساہوکار وکھت چند خوشحال چند کی دکان سمت ۱۸۸۳ میں گورنمنٹ کی کفالت سے ریاست پالن پور میں کھولی گئی تھی جسکا مفصل ذکر دیوان فتح خاں کے حالات میں بیان کیا گیا ہے۔ سمت ۱۹۳۰ میں کہ دیوان زورآور خان کی فرمانروائی کا زمانہ تھا، فوطہ داری کے متعلق گورنمنٹ کی کفالت اُٹھ گئی لیکن اس دکان کے ساتھ ریاست کا لین دین برابر جاری رہا۔ بعد ازاں جب سمت ۱۹۵۶ کی قحط سالی میں فوطہ دار ریاست نے تخمین رلیف ورکس کے متعلق روپیہ قرض دینے سے انکار کر دیا تو وہ دُکان بند کر کے ریاست نے خود اپنا خزانہ الگ قائم کیا اور ضروری انتظام کے بعد ایک باقاعدہ محکمہ جاری ہو گیا جسکو ٹریژری آفس کہتے ہیں۔

محکمہ جنگلات ریاست پالن پور کے متعلق پہاڑی سلسلوں اور جنگلات میں معدنی اور نباتی پیداوار کا کثرت سے

لیکن چونکہ ہز ہائنس کی مسند نشینی سے پہلے اسکی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی گئی تھی اس لئے آپنے موجودہ زمانہ کے موافق فارسیٹ ڈپارٹمنٹ کی ضرورت محسوس کی اور ۱۸۸۹ء کے اپریل مہینے میں محکمہ جنگلات کا ایک نیا صیغہ قائم کیا۔ مگر اس صیغہ میں ترقی کے لئے فاریسٹ کے کام سے کسی واقفکار اور تعلیم یافتہ کارگزار کی ضرورت معلوم ہوئی اس لئے یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو ڈیرہ دون کے پاس شدہ ایک پنجابی جنٹلمین مسٹر اروڑی رام کو بلا کر اس محکمہ کا چارج دیا چنانچہ اب یہ صیغہ بالکل نئے ڈھنگ پر آ رہا ہے اور اس میں حسب دلخواہ ترقی کی امید ہے۔

محکمہ سائرات

یہ محکمہ ریاست میں بہت بڑے پیمانہ پر قائم ہے۔ پہلے اسکا انتظام نائب مدار المہام کوٹھاری سوبھاگ چند ویلجی کے سپرد تھا۔ لیکن جب ۱۹۰۶ء میں کوٹھاری صاحب کا انتقال ہوگیا تو ہز ہائنس نے ان کی ذاتی قابلیتوں اور وفادارانہ خدمات کو ملحوظ نظر رکھکر ان کے نوجوان لڑکے کوٹھاری چندولال کو اس محکمہ کا افسر بنایا اور ان کے عہدہ کا نام "کسٹم آفیسر" رکھا۔ فی الحال اس مہتم بالشان عہدہ کا کام کوٹھاری موصوف ہی انجام دے رہے ہیں۔ محکمہ سائرات کا ہیڈ آفس شہر پالن پور میں ہے جسکو یہاں "شہر منڈی" کہتے ہیں۔ جو مال ریل کے راستے سے پالن پور ہو کر علاقہ غیر میں جاتا ہے یا علاقہ غیر سے یہاں آتا ہے اسکا محصول لینے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر ریاست کی طرف سے ایک چوکی بنی ہوئی ہے۔ علاوہ بریں شہر کے ساتوں دروازوں پر علیحدہ علیحدہ چوکیاں قائم ہیں اور تمام قابل محصول اشیاء کا محصول وصول کرنے کے لئے ہر چوکی پر ایک ایک محرر (ناکہ دار) رہتا ہے۔

شہر پالن پور کے سوا ڈیسہ۔ دھانیرہ اور پانتھاوارہ میں بھی اس محکمہ کی شاخیں ہیں۔ نیز ریاست میں مختلف مقامات پر باسٹھ چنگی کی چوکیاں ہیں، جہاں ایک ایک محرر اور اُسکے ماتحت ایک یا دو سپاہی رہا کرتے ہیں۔ اس صیغہ کی کل آمدنی تقریباً اسی ہزار روپیہ سالانہ ہے اور کل خرچ سالانہ دس ہزار روپیہ ہوتا ہے۔

صیغۂ تعمیرات یوں تو ضرورت وقت کے موافق اس ریاست میں ہمیشہ سے یہ صیغہ قائم ہے لیکن ہز ہائنس کے زمانہ میں ریاست پالن پور چونکہ ایک متمدن ریاست ہوگئی ہے اس لئے آپ کے عہد حکومت میں اس صیغہ کو بہت زیادہ ترقی دی گئی ہے۔ ابتدا میں ہز ہائنس نے اس محکمہ کی افسری کے لئے سید ادائی میاں صاحب مرحوم کو انتخاب کیا تھا جن کی دماغی کوششوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں ایسے عمدہ اصول پر اسکا انتظام کیا کہ آجتک ہر میر عمارت عموماً ان ہی کے نقش قدم پر چل رہا ہے اور اب یہ محکمہ ایک باقاعدہ صیغہ شمار کیا جاتا ہے۔

پالن پور کی موجودہ شہرت کا باعث یہی صیغہ ہوا ہے کیونکہ جسقدر عمدہ اور قابل دید عمارات اور محلات ریاست میں پائے جاتے ہیں، تقریباً اسی محکمہ کی طرف سے بنائے گئے ہیں۔ اس محکمہ کے متعلق تین چھوٹے چھوٹے صیغے اور بھی ہیں۔

(۱) سرکاری مکانات۔ دکانین اور افتادہ وغیرہ افتادہ اراضی کا انتظام۔ دیکھ بھال اور وصولی کرائہ وغیرہ۔

(۲) کاریگروں وغیرہ سے سرکاری ٹیکس کی وصولی۔

(۳) شہر کے تمام اہل حرفہ اور مزدوری پیشہ لوگوں پر نگرانی۔

اس محکمہ کو یہاں کی اصطلاح میں "ہاٹ گھر کارخانہ" کہتے ہیں جو غالباً محکمۂ نزول کا مترادف ہے۔ اس محکمہ کے سالانہ اخراجات کی اوسط میں ہزار سے پچیس ہزار روپیہ تک ہے۔ اور جب کوئی بڑی عمارت خاص طور پر تعمیر کیجاتی ہے تو اس کا خرچ علیحدہ شمار ہوتا ہے۔ فی الحال اس محکمہ کے افسر سید فجو میاں ابن دادا میاں صاحب ہیں۔

توپخانہ دیوان فیروز خان شہید کے زمانہ تک توپخانہ کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا لیکن چونکہ اس صورت میں اکثر اوقات تکلیف رہا کرتی تھی اور یہ امر ایک منتظم ریاست کی شان کے خلاف بھی تھا اس لئے سمت ۱۸۸۷ میں
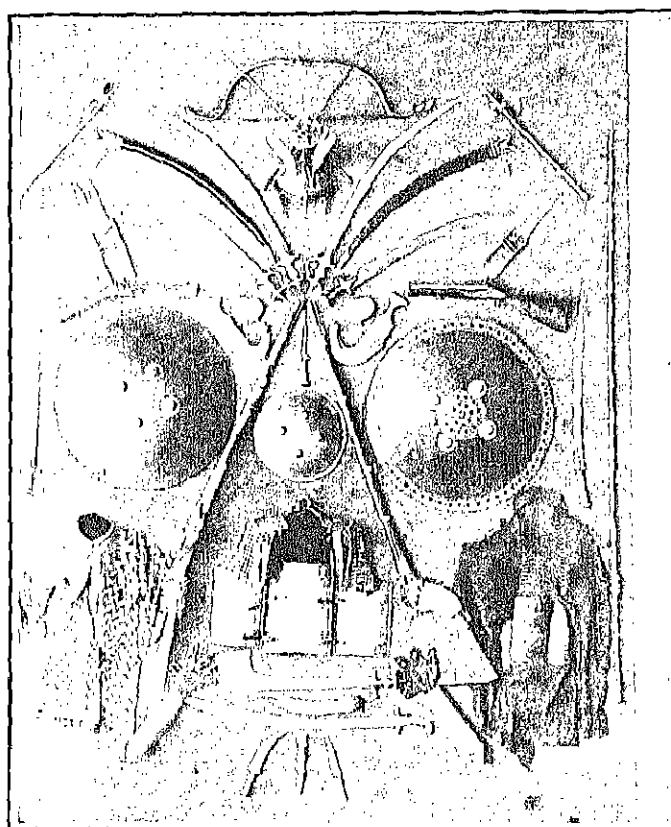
قدیم اسلحۂ ریاست

دیوان فتح خان ثانی نے مثل دیگر صیغہ جات ریاست کے باقاعدہ طور پر توپخانہ کا الگ صیغہ قائم کیا اور بھوجا مہتہ کو اسکا داروغہ بنایا۔ بھوجا مہتہ کے انتقال کے بعد اس کام پر اسکا لڑکا بھوان مہتہ مقرر ہوا اور سمت ۱۹۴۴ میں سید فجو میاں ابن دادامیاں کو جو ایک بیدار مغز اور مستعد کارگزار ہیں، اس صیغہ کا چارج ملا۔ سید صاحب موصوف کی ذاتی قابلیت نے اس صیغہ میں بہت کچھ ترمیم کی۔

اس وقت توپخانۂ ریاست میں ۱۴ بڑی توپیں ۴۵ زنبور (شترنال) اور ہنجالو (گج نال) موجود ہیں۔ دو آہنی توپیں گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے خیرخواہی کے صلہ میں ریاست کو عطا ہوئی ہیں۔ توپوں میں سے چار بڑی توپیں حصار شہر پناہ کے دمدموں پر رہتی ہیں۔ اس صیغہ میں گولہ انداز وغیرہ بیس آدمیوں کا اسٹاف ہے اور اسکا سالانہ خرچ ساڑھے تین ہزار روپیہ شمار کیا جاتا ہے۔

محکمہ صرف خاص

مدنیت کا نشان اور اصول جہانداری کی پہلی سیڑھی یہ ہے کہ رعایا کے حقوق کی حفاظت اور ملک کی آمدنی ملک ہی کی سرسبزی و شادابی میں صرف کی جائے۔ قوانین قدرت نے بڑے سے بڑے شہنشاہ اور چھوٹے سے چھوٹے سردار کو بھی یہ اجازت نہیں دی کہ وہ غریب رعایا کی کمائی کو اپنے عیش و عشرت میں صرف کر دے۔ جنہوں نے ایسا کیا، خلافِ آئین کیا اور جو ایسا کرتے ہیں، نقض فرائض کرتے ہیں۔ اسلام کی ابتدائی حکومت اور خلفا کا زمانہ گو اب نہیں ہے لیکن تاریخ کے اوراق آجتک ان کو زندۂ جاوید بنائے ہوئے ہیں۔ دیکھو! بیت المال پر انکا کیا استحقاق تھا اور وہ بیت المال کی کسقدر حفاظت کرتے تھے۔ اسی طرح اب بھی جو بادشاہ یا رئیس راج دھرم سے واقف اور اسپر عامل ہے اور جسکے دل میں خوف خدا نے انصاف کی شمع روشن کر رکھی ہے، ان ہی پاک نہادوں کے قدم بقدم چلتا ہے جنکا نام تیرہ صدیوں کی آسمانی گردشیں بھی نہ مٹا سکیں۔

اگرچہ ضرورت وقت اور رنگ زمانہ نے ان اگلی صورتوں کو تقریباً بدل دیا ہے لیکن سیرتیں اب بھی وہی ہیں۔ پہلے بیت المال سے خلیفۂ وقت اپنے گزر اوقات کے موافق خرچ لیا کرتے تھے اور اب تقاضائے وقت

کے مطابق بادشاہ یا رئیس اپنے مقبوضات کا ایک حصہ علیحدہ کرکے اسکی آمدنی سے اپنی شخصی ضرورتیں رفع کرتا ہے اور یہ آمدنی کہیں جیب خرچ۔ کہیں صرف خاص کہیں کچھ اور کہیں کچھ کہلاتا ہے۔ چنانچہ ریاست پالن پور میں بھی مسند نشین رئیسوں کے ذاتی اخراجات کے لئے ایک رقم "خانگی خرچ کھاتہ" کے نام سے علیحدہ کرلی جاتی ہے۔ اس رقم کو رئیس اپنے طور پر صرف کیا کرتا ہے۔ ہزہائنس کے زمانہ میں اس صیغہ کا سالانہ خرچ تقریباً پینسٹھ ہزار روپیہ ہے۔ اس رقم میں سے پندرہ ہزار روپیہ تو صرف خیرات کی مد میں خرچ ہوتا ہے باقی پچاس ہزار روپیہ ایکسو پچیس بارگیروں اور دوسرے متفرق ملازموں کی تنخواہوں اور بہت سے رفاہِ عام کے کاموں میں دیا جاتا ہے۔ اس صیغہ کا تمام و کمال انتظام ہزہائنس خاص اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ ایک ایک مد پر آپ کی نظر رہتی ہے۔ ذرا ذرا سی رقم کے صرف بیجا و بجا پر آپ بذات خود جانچ پڑتال کرتے ہیں اور آپ اس محکمے کے متعلق اکثر منصدیانہ حساب و کتاب سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ غرضکہ یہ محکمہ خصوصیت کے ساتھ آپ کے جوہر ذاتی کا آئینہ ہے۔

زنانہ محلات کا خرچ زنانہ ڈیوڑھیوں کے متعلق تقریباً بیس ہزار روپیہ سالانہ کا خرچ ہے۔ اسمیں جاگیری دیہات کی آمدنی بھی شامل ہے اور وہ رقم بھی جو خزانۂ عامرہ سے ملا کرتی ہے۔ اس صیغہ کا انتظام ایک علیحدہ کامدار کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے اور یہی کامدار محلات کے دوسرے تمام صیغوں پر بھی نگرانی رکھتا ہے۔

گھاس کا باڑا پرگنہ جات کے علاوہ خاص دارالریاست پالن پور میں گھاس کا ذخیرہ رہتا ہے جسکو "گھاس کا باڑا" کہتے ہیں۔ موسم برسات میں گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور مویشیوں وغیرہ کو تازہ گھاس دیجاتی ہے باقی تمام سال اسی ذخیرہ سے گھاس کا انتظام ہوتا ہے۔ حدود ریاست میں دس بارہ مقامات پر گھاس کاٹ کاٹ کر خشک کی جاتی ہے اور یہ خشک شدہ گھاس وقتاً فوقتاً پالن پور کے باڑے میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ تقریباً تین لاکھ پونڈ سالانہ گھاس کا خرچ ہے اور ڈھلائی اور کٹائی وغیرہ میں ساڑھے سات ہزار روپیہ صرف ہوتا ہے۔

فیل خانہ زمانۂ موجودہ میں ہاتھی عموماً زینت ریاست اور اظہار دولت کی غرض سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ ان چلتے پھرتے پہاڑوں سے اب وہ کام لینے تو موقوف ہوگئے جنھوں نے ایشیائی سلطنتوں میں ان کی قدر و قیمت پیدا کی تھی اور نہ زمانہ کے تغیرات کی بدولت لڑائیوں کا وہ ڈھنگ ہی رہا ہے جن میں یہ حیوانی طاقتیں بکار آمد ثابت ہوں۔ والیان ریاست پالن پور اگرچہ سلاطین مغلیہ کے دست پرور اور ایشیائی سلطنت کے تربیت یافتہ ہیں لیکن چونکہ ان کے خمیر میں ایک ایسے خطہ کی خاک بھی ملی ہوئی ہے جہاں نہ تو ہاتھی پیدا ہوتا ہے اور نہ ہاتھیوں کے قدیم و جدید استعمال سے وہاں کے لوگ واقف ہیں اس لئے پالن پور میں قدیم سے ہاتھیوں کا شوق بہت کم رہا ہے تاہم لوازمۂ ریاست سمجھکر یا ایشیائی رئیسوں کی تقلید میں انھوں نے بھی اپنے فیل خانہ میں ہاتھی باندھے اور انکی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ عموماً چار ہاتھی دروولت پر جھومتے رہتے تھے لیکن فرمانروائے حال چونکہ ہر طرح کی ظاہری زیبائش کو وقعت کی نگاہ سے کم دیکھتے ہیں اس لئے آپ نے ان دیو نژادوں کو مد فضول سمجھکر ان میں سے بھی دو اور گھٹا دئے۔ اب صرف دو ہاتھی فیلخانۂ ریاست میں باقی ہیں۔ ہاتھی خانہ کا کل خرچ تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ گھاس سرکاری باڑے سے ملا کرتی ہے اسکا خرچ علیحدہ سمجھنا چاہیے اس صیغہ کے افسر مہتہ چھگن گیشوجی ہیں۔ باغ دلکشا اور طالع باغ کی نگرانی کا کام بھی مہتہ صاحب ہی کے سپرد ہے۔

انبار خانہ اس ریاست میں یہ محکمہ نہایت وسیع پیمانہ پر جاری ہے۔ یہ صیغہ اپنی قسم کی چھ شاخوں پر منقسم ہے۔ اکتالیس ہزار روپیہ اسکے سالانہ خرچ کی اوسط ہے جو حسب ذیل مدوں میں صرف ہوتا ہے۔

(۱) سرکاری گھوڑوں کا دانہ .. .. ۱۳۰۰۰ روپیہ

(۲) اخراجات مودی خانہ .. .. ۲۱۰۰۰ روپیہ۔ مودی خانہ کے متعلق باورچیخانہ۔ پٹاوت۔ نوکروں چاکروں کے پیٹے[۱] مشعلچیوں کا تیل اور پالن پور میں آنے جانے والے

[۱] جو جنس اور آٹا گھی وغیرہ روزانہ خوراک کے لئے ملتا ہے اسکو یہاں کی اصطلاح میں "پیٹیہ" کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولف

کے مطابق بادشاہ یا رئیس اپنے مقبوضات کا ایک حصّہ علیحدہ کر کے اسکی آمدنی سے اپنی شخصی ضرورتیں رفع کرتا ہے اور یہ آمدنی کہیں جیب خرچ۔ کہیں صرف خاص کہیں کچھ اور کہیں کچھ کہلاتا ہے۔ چنانچہ ریاست پالن پور میں بھی مسند نشین رئیسوں کے ذاتی اخراجات کے لئے ایک رقم "خانگی خرچ کھاتہ" کے نام سے علیحدہ کر لی جاتی ہے۔ اس رقم کو رئیس اپنے طور پر صرف کیا کرتا ہے۔ ہز ہائنس کے زمانہ میں اس صیغہ کا سالانہ خرچ تقریباً پینسٹھ ہزار روپیہ ہے۔ اس رقم میں سے پندرہ ہزار روپیہ تو صرف خیرات کی مد میں خرچ ہوتا ہے باقی پچاس ہزار روپیہ ایکسو پچیس بارگیروں اور دوسرے متفرق ملازموں کی تنخواہوں اور بہت سے رفاہِ عام کے کاموں میں دیا جاتا ہے۔ اس صیغہ کا تمام و کمال انتظام ہز ہائنس خاص اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں۔ ایک ایک مد پر آپ کی نظر رہتی ہے۔ ذرا ذرا سی رقم کے صرف بیجا و بجا پر آپ بذات خود جانچ پڑتال کرتے ہیں اور آپ اس محکمے کے متعلق اکثر متصدیانہ حساب و کتاب سے بھی پرہیز نہیں کرتے۔ غرضکہ یہ محکمہ خصوصیت کے ساتھ آپ کے جوہر ذاتی کا آئینہ ہے۔

زنانہ محلات کا خرچ

زنانہ ڈیوڑھیوں کے متعلق تقریباً بیس ہزار روپیہ سالانہ کا خرچ ہے۔ اسمیں جاگیری دیہات کی آمدنی بھی شامل ہے اور وہ رقم بھی جو خزانہ عامرہ سے ملا کرتی ہے۔ اس صیغہ کا انتظام ایک علیحدہ کامدار کے ذریعہ سے ہوا کرتا ہے اور یہی کامدار محلات کے دوسرے تمام صیغوں پر بھی نگرانی رکھتا ہے۔

گھاس کا باڑا

پرگنہ جات کے علاوہ خاص دار الریاست پالن پور میں گھاس کا ذخیرہ رہتا ہے جسکو "گھاس کا باڑا" کہتے ہیں۔ موسم برسات میں گھوڑوں۔ ہاتھیوں اور مویشیوں وغیرہ کو تازہ گھاس دیجاتی ہے باقی تمام سال اسی ذخیرہ سے گھاس کا انتظام ہوتا ہے۔ حدود ریاست میں دس بارہ مقامات پر گھاس کاٹ کاٹ کر خشک کی جاتی ہے اور یہ خشک شدہ گھاس وقتاً فوقتاً پالن پور کے باڑے میں جمع ہوتی رہتی ہے۔ تقریباً تین لاکھ پونڈ سالانہ گھاس کا خرچ ہے اور ڈھلائی اور کٹائی وغیرہ میں ساڑھے سات ہزار روپیہ صرف ہوتا ہے۔

فیل خانہ — زمانۂ موجودہ میں ہاتھی عموماً زینت ریاست اور اظہار دولت کی غرض سے رکھے جاتے ہیں کیونکہ ان چلتے پھرتے پہاڑوں سے اب وہ کام لینے تو موقوف ہو گئے جنھوں نے ایشیائی سلطنتوں میں ان کی قدر و قیمت پیدا کی تھی اور نہ زمانہ کے تغیرات کی بدولت لڑائیوں کا وہ ڈھنگ ہی رہا ہے جن میں یہ حیوانی طاقتیں بکار آمد ثابت ہوں۔ والیان ریاست پالن پور اگرچہ سلاطین مغلیہ کے دست پرور اور ایشیائی سلطنت کے تربیت یافتہ ہیں لیکن چونکہ ان کے خمیر میں ایک ایسے خطہ کی خاک بھی ملی ہوئی ہے جہاں نہ تو ہاتھی پیدا ہوتا ہے اور نہ ہاتھیوں کے قدیم وجدید استعمال سے وہاں کے لوگ واقف ہیں اس لئے پالن پور میں قدیم سے ہاتھیوں کا شوق بہت کم رہا ہے تاہم لوازمہ ریاست سمجھکر یا ایشیائی رئیسوں کی تقلید میں انھوں نے بھی اپنے فیل خانہ میں ہاتھی باندھے اور انکی تعداد ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہی۔ عموماً چار ہاتھی دردولت پر جھومتے رہتے تھے لیکن فرمانروائے حال چونکہ ہر طرح کی ظاہری زیبائش کو وقعت کی نگاہ سے کم دیکھتے ہیں اس لئے آپ نے ان ویوزادوں کو مد فضول سمجھکر ان میں سے بھی دو اور گھٹا دئے۔ اب صرف دو ہاتھی فیلخانہ ریاست میں باقی ہیں۔ ہاتھی خانہ کا کل خرچ تقریباً تین ہزار روپیہ سالانہ ہے۔ گھاس سرکاری باڑے سے ملا کرتی ہے اسکا خرچ علیحدہ سمجھنا چاہیے اس صیغہ کے افسر مہتہ چھگن گینشوجی ہیں۔ باغ دلکشا اور طالع باغ کی نگرانی کا کام بھی مہتہ صاحب ہی کے سپرد ہے۔

انبار خانہ — اس ریاست میں یہ محکمہ نہایت وسیع پیمانہ پر جاری ہے۔ یہ صیغہ اپنی قسم کی چھ شاخوں پر منقسم ہے۔ اکتالیس ہزار روپیہ اسکے سالانہ خرچ کی اوسط ہے جو حسب ذیل مدوں میں صرف ہوتا ہے۔

(۱) سرکاری گھوڑوں کا دانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۱۳۰۰۰ روپیہ

(۲) اخراجات مودی خانہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۲۱۰۰۰ روپیہ۔ مودی خانہ کے متعلق باورچیخانہ۔ بٹاوت۔ نوکروں چاکروں کے چپٹے[۵] رمشعیوں کا تیل اور پالن پور میں آنے جانے والے

[۵] جو جنس اور آٹا گھی وغیرہ روزانہ خوراک کے لئے ملتا ہے اسکو یہاں کی اصطلاح میں "چپٹیہ" کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولف

غریب مسافروں کا سدابرت ایہ پانچ مدیں ہیں۔

(۳) روزانہ روشنی کے اخراجات ۔۔۔۔ ۵۰۰ روپیہ

(۴) بیوہ اور محتاجوں کو تقسیم کرنیکے لئے اناج ۔۔۔ ۳۰۰۰ روپیہ

(۵) گاڑی خانہ وغیرہ کے بیلوں کا دانہ ۔۔ ۱۲۰۰ روپیہ

(۶) ماما اصیلوں۔ میراثنوں اور دوسرے ملازموں کو

حسب دستور جو اناج دیا جاتا ہے۔ ۔۔۔۔۔ ۱۸۰۰ روپیہ

اصطبل | ریاست پالن پور کا اصطبل قدیم الایام سے مشہور چلا آتا ہے۔ قرب وجوار کی ہم رتبہ ریاستوں اور جاگیروں میں اسکو ایک طرح کی فوقیت حاصل ہے۔ یہاں کے رؤسا کے ذاتی شوق نے ہمیشہ عمدہ عمدہ نسل کے گھوڑے اپنی سواری میں رکھے ہیں۔ ہز ہائنس کو بھی گھوڑوں سے بہت اُنس ہے بچپن سے اسوقت تک اصطبل کی ترقی اور عمدہ گھوڑوں کے اضافہ کا شوق برابر قائم ہے اور اس کا انتظام بھی ہر لحاظ سے اس شوق کا پتہ دیتا ہے۔

قدیم دستور کے موافق بارگیروں کے ایکسو پچیس گھوڑے بھی اسی اصطبل میں شریک ہیں۔ یہ بارگیر ریاست سے صرف تنخواہ ہی نہیں پاتے بلکہ گھوڑے اور گھوڑوں کا تمام سامان وخوراک وغیرہ بھی ان کو ریاست کی طرف سے ملا کرتی ہے۔ ان گھوڑوں کے سوا اسپہائے خاصہ اور پولو کے ٹٹو وغیرہ مل کر دو سو سے زائد گھوڑے زینت اصطبل ہیں۔ اصطبل کے اسٹاف میں داروغۂ اصطبل کی زیر نگرانی تقریباً ۷۰ سائیس اور محرر وغیرہ ہیں۔ اسپہائے خاصہ اور دوسرے ضروری گھوڑوں کے سوا باقی تمام گھوڑے چرائی کے لئے دیہات میں بھیجے جاتے ہیں اور یہ یہاں کا قدیم دستور ہے۔ شرقی حصہ ریاست کے پندرہ اور غربی کے پندرہ کل تیس دیہات اس چرائی کے لئے مخصوص ہیں۔ غربی دیہات بارش کے موسم میں چرائی کے لئے گھاس بہم پہنچا سکتے ہیں اور باقی دونوں فصلوں میں ریاست کے شرقی حصہ کا سرسبز و

شاداب علاقہ اس ضرورت کو پورا کرتا ہے۔

بگی خانہ

بگی خانہ کے متعلق نہایت قیمتی اور اعلیٰ درجہ کے پچیس گھوڑے اور تقریباً اسی قدر عمدہ اور نفیس ہر قسم کی بگیاں اور یکے گاڑیاں ہیں۔ یہ صیغہ بھی ہز ہائنس نے اپنی مسند نشینی کے بعد قائم کیا ہے ورنہ اس سے پہلے یہاں بگیوں اور گھوڑا گاڑیوں کا بالکل رواج نہ تھا۔ اس صیغہ کو اصطبل کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے۔

ارباب نشاط

ہندوستان کی دوسری ریاستوں کی طرح یہاں طوائفوں وغیرہ کو نوکر رکھنے کا کوئی دستور نہیں ہے۔ زنانہ محلات میں عموماً دیسی میراثنیں گانے بجانے کا کام کرتی ہیں اور ان ہی کا ارباب نشاط کے زمرہ میں شمار ہوتا ہے۔ شادی بیاہ کے موقع پر ضرورتاً بیرونجات سے طوائفوں وغیرہ کو بھی بلا لیا جاتا ہے

مختلف باجوں کے ملازم

ایشیائی مذاق کے خلاف ریاست پالن پور نے اس صیغہ میں کوئی خاص وسعت نہیں دی۔ قدیم سے صرف بیس آدمی ملازم ہیں اور ان سے کسی تقریب خوشی یا جلوس سواری وغیرہ کے موقع پر کام لیا جاتا ہے۔ باجہ والوں میں تاشہ نواز۔ نوبت نواز۔ شہنا نواز اور ستار نواز وغیرہ ملازم ہیں۔ اس صیغہ کے متعلق دو باتیں یہاں کے دستور قدیم میں داخل ہیں اور انکا رواج ابتک جاری ہے۔ اول یہ کہ رات کے آٹھ بجے کے وقت پرانی شہر پناہ کے ایک دروازہ پر تاشے بجا کرتے ہیں۔ دوم یہ کہ ہر جمعرات کو شام کے پانچ بجے ان ہی تاشے والوں کا فرض ہے کہ والی ریاست کے اسلاف کے قبرستان میں جا کر سلامی دیا کریں پہلے دستور کی اصل اور علت غائی یہ ہے کہ جس زمانہ میں جرائم پیشہ لوگوں کی کثرت تھی اسورج کے چھپتے ہی راہزن اور ڈاکو اپنی کمینگاہوں سے نکل کر اکثر بستیوں پر چھاپا مارا کرتے تھے اسوقت رعایا اور آیندہ روند کی اطلاع کے لئے یہ تاشے بجا کرتے تھے تاکہ شہر کے دروازے بند ہونے سے قبل جسکو آنا ہو، اندر آجا سکے۔

پالن پور کے نوبت نواز اور شہنا نواز اپنے فن میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں اور جب کبھی کسی موقع پر جرگہ میں

اگر کوئی دلکش راگنی چھیڑ دیتے ہیں تو سننے والوں کے دلوں میں ایک لہر سی پیدا ہو جاتی ہے۔ انکا ایک داروغہ بھی مقرر ہے اور اسی کے توسط سے اس پیشہ کے لوگوں کو ریاست کی طرف سے انعام واکرام ملا کرتا ہے۔

تنازعات سرحدی وغیرہ کا تصفیہ

ریاست پالن پور کے متعلق سرحدی تنازعات ایک مدت سے چلے آ رہے تھے اور یہ گویا ایسے اسباب تھے جو آپس کے میل جول کو قطع کرنے والے اور تعلقات دوستی کو نقصان پہنچانے والے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ ہز ہائنس کی بیدار مغزی اور روشن ضمیری نے ان تنازعات کو بدستور جاری رکھنا نہ چاہا اور حتی الامکان ان کے رفع کرنے میں کوشش کر کے کامیابی حاصل کی تاکہ ہمسایہ رؤسا کی دوستی اور ان کے محبتانہ تعلقات میں کسی طرح کا فرق نہ آئے۔ منجملہ ان تنازعات کے اکثر کا ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں۔

غزنی پور پادر غزنی پور پادر[۱] کی سرحدات ایک طرف موضع موڈیٹھا علاقہ پالن پور سے اور دوسری طرف مواضعات کھیمانہ اور وڑا علاقہ کانکریج سے ملحق ہیں۔ اس پادر کی نسبت جو سرحدی تنازعہ تھا اسکے تصفیہ کے لئے کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور مقرر کئے گئے جنھوں نے ۱۵ جنوری سنہ ۱۸۸۰ء کو کامل تحقیقات کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ "غزنی پور پادر موضع موڈیٹھا کے متعلق سمجھا جاوے" اور احتیاطاً سرحد کی لائن بھی مقرر کر دی۔ فریق مخالف نے اس فیصلہ سے ناراض ہو کر گورنمنٹ بمبئی میں اپیل بھی دائر کیا مگر بذریعہ رزولیوشن پولٹیکل ڈپارٹمنٹ نمبری ۳۱۳۷ مجریہ ۲۳ جولائی سنہ ۱۸۸۰ء

---

[۱] "پادر" ویران شدہ گاؤں کو کہتے ہیں۔ ۱۲۔ مولفہ

خارج ہوا۔

موضع نادوتری سمت ۱۹۳۶ میں سرکار گائکواڑ نے موضع نادوتری علاقہ پالن پور پر ملکیت کا دعویٰ کیا۔ طرفین سے نہایت جوش کے ساتھ دعویٰ ملکیت کے ثبوت پیش کئے گئے۔ لیکن آخرکار باونڈری کمشنر مسٹر وارڈن صاحب بہادر نے ریاست پالن پور کے حق میں فیصلہ صادر کیا جسکی اسناد دفتر سرکاری میں موجود ہیں۔

ویرم پور اور پادُھی مواضعات ویرم پور اور پادُھی متعلقہ پالن پور اور بوریاں وغیرہ جنگلات متصلہ حدود زمینداران دانتہ کے درمیان سرحدات کے تقرر اور تصفیہ کا جھگڑا جو کچھ عرصہ سے چلا آتا تھا اسکے فیصلہ کیلئے ریاست کی درخواست پر ۱۸۸۲ء میں گورنمنٹ کیطرف سے میجر ہیلی کاک صاحب بہادر باونڈری کمشنر مقرر ہوئے۔ مدت تک جانبین کے پیش کردہ ثبوت اور وجوہات کی نسبت تحقیقات کرکے سرحدات کا تقرر کر دیا گیا۔

نگراوہ وغیرہ سمت ۱۹۲۸ میں نگراوہ۔ وچھی واڑی۔ نانوڑا۔ بھاجنا۔ لیلاوہ۔ کنوارلا۔ لوارا اور چارڑہ، ان آٹھوں مواضعات پر ریاست پالن پور کی حکومت قائم رہنے کا مسئلہ سکرٹری آف اسٹیٹ ہند کے دفتر سے قطعی فیصل ہوگیا۔ اول اول ان دیہات کی بابت سمت ۱۸۸۱ میں ریاست اور ٹھاکر صاحب تھراد کے درمیان مقدمہ بازی شروع ہوئی اور گو اس تنازعہ کی نسبت میجر اے۔ ڈبلیو ویسٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے ریاست کے حق میں فیصلہ کیا تھا لیکن ٹھاکر صاحب کی طرف سے اس فیصلہ کی ناراضی میں مرافعہ کیا گیا اور بہت سی بحث کے بعد آخرالامر سکرٹری آف اسٹیٹ ہند کی عدالت سے میجر صاحب ہی کا فیصلہ بحال رہا۔

دانتہ کی زمین ریاست پالن پور کے جو حقوق سرحدی دیہات متعلقہ سرکار گائکواڑ کے دانتہ کی زمین (جو بھیہ گراسیہ اور کولی وغیرہ کی آبائی اور موروثی جائداد) پر قدیم الایام سے چلے آتے تھے ان کی نسبت سمت ۱۹۳۸ میں تنقیح و تصفیہ کا کام شروع ہوا اور سمت ۱۹۴۰ میں فیصلہ ہوگیا۔

مواضعات سڑا و اندہاریہ موضع سڑا، واقع حدود دانتہ اور موضع اندہاریہ متعلقہ ریاست پالن پور کے درمیان

تعین حدود کی نسبت جو تنازعہ تھا اور جسکے تصفیہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے میجر ہیلنکاک صاحب مقرر ہوکر آئے تھے، سمت ۱۹۴۲ میں اسکا فیصلہ ہوکر انسداد فساد آیندہ کی غرض سے کھونٹ یعنی پختہ بنا بنا دیے گئے۔

مواضعات وکتاپورہ وغیرہ | سمت ۱۹۴۶ میں مواضعات وکتاپورہ۔کونڈی اور باپلا (بیٹیا واڑہ) کے مقدمات دیوانی وفوجداری کے لئے صاحبان جی یعنی جاگیردار لینبج کو مجسٹریٹی درجہ دوم کے اختیارات عطا ہوئے اور سماعت مقدمات کے لئے ایک علٰحدہ محکمہ قائم ہوکر ریاست کی طرف سے باپلا کا مدار مقرر کیا گیا۔ بھادوں سدی ۱۲ اردوادسی سمت ۱۹۴۶ مطابق ۲۵ رستمبر ۱۸۹۰ء کو کرنل ایچ۔ایل نٹ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے سامنے ایک معاہدہ لکھا گیا جس کی رو سے لینبج کے راوجی نے ہمیشہ کے لئے سرکار پالن پور کی نوکری میں دو سوار رکھنے منظور کئے۔

مواضعات بھانکری وغیرہ | دانتہ اور پالن پور کے درمیان جو تنازعہ مواضعات بھانکری۔کبیرپورہ۔اندہاریہ اور ناگل کی سرحدات کے متعلق تھا اسکا مقدمہ مسٹر اے۔جی۔فورڈ صاحب اسپیشل باونڈری آفیسر کے روبرو پیش ہوا جنھوں نے دیہات متنازعہ فیہ کی حدود اور حقوق مشتبہ کو ایک دوسرے سے بالکل علٰحدہ کر دینے کی یہ تجویز کی کہ موضع بھانکری اور اندہاریہ مع حکومت کے پالن پور کو اور موضع ناگل اور کبیرپورہ مع حکومت کے دانتہ کو سپرد کر دیے جائیں اور اس مضمون کی رپورٹ گورنمنٹ میں بھیجدی مگر چونکہ اس فیصلہ سے فریقین رضامند نہ تھے اس لئے حسب منشار گورنمنٹ نظر ثانی کے لئے پی۔ایس۔وی فیٹزبرلڈ اسکوائر پولٹیکل ایجنٹ مہی کانٹھا اور کرنل ایف۔ایچ جیکسن صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور مقرر ہوئے۔چنانچہ ان دونوں صاحبوں نے آپس کے اتفاق آراسے ۲۷ راپریل ۱۸۹۵ء کو یہ فیصلہ کیا کہ مواضعات کبیرپورہ اور اندہاریہ مع حکومت کے پالن پور کے قبضہ میں رہیں اور ناگل اور بھانکری دانتہ کے سپرد کر دیے جائیں اور یہ متفقہ قرارداد گورنمنٹ انگریزی نے بھی منظور کر لیا[۱]۔

---

[۱] چٹھی پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور نمبری ۱۳۱۳ مورخہ ۴ رجون ۱۸۹۵ء ۱۲۔ملولفہ

جھابول پادر موضع واسن علاقہ پالن پور اور موضع لوانہ علاقہ دیودر کے درمیان جھابول پادر اور سرحدی لائن مقرر ہونے کی نسبت جو تنازعہ ایک مدت سے درپیش تھا اسکی تحقیقات اور تصفیہ کے لئے اسسٹنٹ پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ بہادر پالن پور متعین ہوئے جنھوں نے ۲؍جنوری ۱۸۹۵ء کو یہ فیصلہ کیا کہ

"جھابول پادر موضع واسن میں شامل کرکے سرحد کی لائن قائم کردی جائے"

اس فیصلہ کے صادر ہوتے ہی ٹھاکر صاحب دیودر نے راضی نامہ داخل کرکے کارروائی مقدمہ بند کردی

مواضعات ٹڈانہ و اونٹ واڑہ مواضعات ٹڈانہ و دلواڑہ متعلقہ پالن پور اور موضع اونٹ واڑہ متعلقہ بڑودہ کی سرحدی لائن میں ٹوکرے مہادیو کی نسبت جو تنازعہ تھا اسکا تصفیہ ۱۸۹۶ء میں کیپٹن کوکس صاحب، باونڈری کمشنر نے پالن پور کے حق میں کیا۔ سرکار گائکواڑ کی طرف سے کیپٹن صاحب کے فیصلہ کی ناراضی میں لیلی صاحب بہادر کمشنر قسمت شمالی گجرات کی عدالت میں اپیل دائر کیا گیا لیکن خارج ہوا۔

موضع کوودرام موضع کوودرام متعلقہ پالن پور اور موضع چالسول متعلقہ بڑودہ کے سرحدی تنازعہ کا فیصلہ کیپٹن کوکس صاحب باونڈری کمشنر نے ۲۸؍مارچ ۱۸۹۷ء کو کیا۔ چونکہ یہ فیصلہ ریاست پالن پور کے کسی قدر خلاف کیا گیا تھا اس لئے لیلی صاحب بہادر کمشنر قسمت شمالی گجرات کی عدالت میں ریاست کی طرف سے اپیل دائر کیا گیا اور ۱۰؍مارچ ۱۸۹۸ء کو ریاست پالن پور کے حق میں فیصلہ ہوا جس کو گورنمنٹ آف انڈیا نے بھی بحال رکھا۔

بھانگلا پادر موضع کھرڑوسن علاقہ پالن پور اور موضع مُونا متعلقہ گائکواڑ کے درمیان بھانگلا پادر کی سرحد قائم کرنے کے لئے ایک مدت سے جھگڑا چلا آتا تھا جس کا فیصلہ اس طرح کیا گیا کہ یہ پادر کھرڑوسن کی حدود میں شمار کیا جائے اور ان دونوں مواضعات کی لائن کے لئے لون پور اور آسیڑے کے راستہ کو مقرر کردیا۔[۱]

مواضعات گلانہ واڑہ مواضعات اونبری - چودہ پورہ - کوٹھارنا - راجپورہ - اجپاپورہ - بھیم پور - آنکلیارہ - اونبر نچہ اور

---

[۱] لیٹر دیوان صاحب بڑودہ نمبری ۸۲۲۰ مورخہ ۲۳؍اپریل ۱۹۰۱ء ۱۲۔ المولفہ

ہمت پورہ واقع گدھواڑہ ضلع مہی کانٹھا پر ریاست کا حصہ لگتا تھا اور ہر وقت حقوق کی نسبت لڑنا جھگڑنا پڑتا تھا۔ آخر کار اس تنازعہ کے فیصلہ کے لیے حسب منشار گورنمنٹ میجر جے۔ ایس۔ ایشی صاحب پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور اور میجر جی۔ بی۔ اوڈونل صاحب پولیٹیکل ایجنٹ مہی کانٹھا ماہ اگست ۱۹۰۱ء میں بطور کمیشن کے مقرر کیے گئے جنہوں نے باتفاق آرا ۲۰ راکتوبر ۱۹۰۱ء کو فیصلہ کر کے مواضعات جودہ پوریہ۔ راجپور۔ آنگلیارا اور ہمت پورہ مع کامل حکومت مالی کے ریاست پالن پور کو سپرد کر دیے۔ مزید برآں دو ہزار آٹھ سو تیس بیگھے دس بسوے الگ زمین بھی مواضعات مذکورہ کے متعلق ریاست کو دیدی گئی[۱]۔

مواضعات اندرانہ و ورسڑا وغیرہ

مواضعات اندرانہ۔ ورسڑہ اور کوورام علاقہ پالن پور پر سرکار گائکواڑ کا حق جمعبندی لگتا تھا اور چونکہ سمت ۱۹۲۳ سے اس حق کی ادائگی کسی خاص وجہ سے بند تھی نظر بر آں کپتان ہرسن صاحب اسسٹنٹ رزیڈنٹ بڑودہ اور کپتان ہیرلڈ صاحب اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ پالن پور، اس معاملہ کے تصفیہ کے لئے مقرر ہوئے۔ ان صاحبوں نے اپنی اپنی رائے کی نسبت ۳۱ر مارچ ۱۹۰۵ء کو گورنمنٹ میں رپورٹ کر دی ہے لیکن موضع کوورام کی بابت متفق الرائے نہ ہونے کے سبب اس معاملہ کی تحقیقات کا سلسلہ ابتک جاری ہے۔

صیغہ تعلیمات

ہزہائنس کو جسقدر اپنی رعایا کی سوشیل بہبودی کا خیال ہے اسی قدر اسکی مورل تعلیم کو بھی مدنظر رکھتے ہیں کیونکہ وہ اچھی طرح سمجھ چکے ہیں کہ انسان بغیر علم کے حقوق عباد تو کیا حقوق اللہ کو بھی مشکل سے سمجھ سکتا ہے اور اسی احساس نے آپ کے دل میں یہ شوق پیدا کر دیا ہے کہ حتی الامکان صیغہ تعلیمات کو

[۱] چٹھی پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب نمبری ۲۰۹۶ مورخہ ۲۳ر ستمبر ۱۹۰۲ء ۱۲۰۶۔ لمولفہ

ترقی دی جاوے۔ چنانچہ اسوقت تک ہزہائنس کے زمانہ حکومت میں علوم وفنون کی جس قدر ترقی ہوئی ہے اس سے امید کیجا سکتی ہے کہ آیندہ یہ بیل اچھی طرح بڑھے چڑھے گی۔ ذیل میں ہم ایک تفصیلی روئداد لکھتے ہیں جو ہزہائنس کے انہماک تعلیمی کے لئے معیار ہے۔

تعلقہ اور اُردو اسکول

سمت ۱۹۴۲ یعنی ہزہائنس کے زمانہ حکومت میں میراں دروازہ کے قریب اندرون شہر اسکولوں کے لئے ایک عالیشان عمارت بصرف کثیر تعمیر کرائی گئی اور اس میں انگریزی گجراتی اور اُردو تینوں زبانوں کی تعلیم ہونے لگی۔ اگرچہ یہ اسکول پہلے سے قائم تھے لیکن چونکہ نہ تو ان کے لئے کوئی معقول عمارت تھی اور نہ ان تمام مدرسوں کے لئے کوئی خاص مکان بنا ہوا تھا نظر بران ہزہائنس نے ان سب طلبار کے لئے ایک خاص مکان کا انتظام فرمادیا۔ علاوہ ان مدرسوں کے پرگنات اور دیہات میں بھی اسکول مقرر کئے گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد جب منتظمان ریاست نے وکٹوریہ تعلقہ داری اسکول کا مکان گورنمنٹ سے خرید لیا تو انگریزی جماعتوں کے طلبار وہاں تعلیم پانے لگے۔

وکٹوریہ تعلقہ داری اسکول

یہ مدرسہ ایجنسی پالن پور کے ماتحت جاگیرداروں کے بچوں کی تعلیم کے لئے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کی رائے اور گورنمنٹ کے منشا سے قائم ہوا تھا۔ اس مدرسہ کی عمارت کے لئے ہزہائنس نے طالع باغ کے قریب ایک قطعہ زمین عطا فرما کر مصارف تعمیر میں پانچہزار روپیہ سے امداد کی تھی لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بوجوہات چند یہ اسکول بند ہوگیا اس لئے سنہ ۱۸۸۹-۹ء میں انگریزی ہائی اسکول کے لئے یہ مکان تیرہ ہزار روپیہ میں ریاست نے خرید لیا۔

ہائی اسکول

انگریزی ہائی اسکول عام رعایا کے فائدہ کی غرض سے اسلئے قائم کیا گیا ہے کہ یہاں کے طلبار کو انگریزی زبان کی تعلیم اور علوم مغربی کی تحصیل کے لئے بمبئی یا احمدآباد وغیرہ آنے جانے کے اخراجات کے علاوہ تکالیف سفر نہ اُٹھانی پڑیں۔ چنانچہ اس مدرسہ نے تمام خاطر خواہ کامیابیاں حاصل کرلی ہیں اور طلبار کی استعداد اور تعداد بھی روز بروز ترقی پذیر ہے۔ اس ہائی اسکول کے متعلق ایک نہایت پرفضا میدان ہے

جس کی کھلی ہوا میں طلبا ورزشی کھیلوں کے ذریعے سے صحت جسمانی کے ساتھ تفریح طبع اور تقویت دماغ بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

زنانہ اسکول سنہ ۱۸۹۲ء میں محلہ بہادر گنج کی سڑک پر بارہ ہزار روپیہ کی لاگت سے دو برس کے عرصہ میں زنانہ مدرسہ کے لئے ایک مکان بن کر تیار ہوا۔ کرنل اسکاٹ صاحب پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کی میم صاحبہ کے ہاتھ سے یکم دسمبر سنہ ۱۸۹۴ء کو اسکا افتتاح ہوا اور ان ہی کی یادگار میں اسکا نام "اسکاٹ گرلز اسکول" رکھا گیا۔ ہندو مسلمان دونوں فرقوں کی لڑکیاں اس میں تعلیم پاتی ہیں۔ ایک معلمہ اور چند اسسٹنٹ تعلیم کے لئے مقرر ہیں۔ اول اول زنانہ مدرسہ اردو گجراتی اور انگریزی اسکولوں کے ساتھ شامل تھا گو مکان علیحدہ علیحدہ بنے ہوئے تھے مگر ہز ہائنس کی دور اندیشی نے اس بات کو پسند کیا کہ طالب علمی کی حالت میں لڑکے اور لڑکیاں ساتھ رہکر آیندہ اخلاقی بہتر نتائج پیدا کریں۔ اسی خیال سے لڑکیوں کو الگ کر کے ان کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ عمارت تعمیر کی گئی۔

ہز ہائنس نے اس مدرسہ میں جو خوبی رکھی ہے وہ یہ ہے کہ ان لڑکیوں کو محض حرف شناس ہی نہیں بنایا جاتا ہے بلکہ ان میں وہ قابلیت پیدا کی جاتی ہے جو خانہ داری کے لئے ضروری سمجھی گئی ہے۔ علاوہ تعلیم معاشرت کے یہ لڑکیاں مدرسہ سے کامل دستکار بن کر نکلتی ہیں۔

اب ہم ذیل میں ایک نقشہ درج کرتے ہیں جس سے پالن پور اور علاقہ پالن پور کے تمام سرکاری مدارس کی مفصل کیفیت اور طلبا کی تعداد وغیرہ معلوم ہو سکتی ہے۔

نقشہ مدارس پالن پور و علاقہ پالن پور مع تعداد طلبا وغیرہ

نمبر شمار	نام اسکول	سالانہ خرچ	تعداد طلبا	حد تعلیم
۱	پالن پور ہائی اسکول	۵۳۵۷	۲۴۱	میٹرکیولیشن

نمبر شمار	نام اسکول	سالانہ خرچ	تعداد طلبہ	حد تعلیم
۲	گجراتی اسکول	۱۴۵۲	۳۵۱	گجراتی پانچویں کلاس
۳	زنانہ اسکول	۶۸۷	۸۷	گجراتی چھٹی کلاس
۴	اردو اسکول	۴۶۵	۱۲۶	گجراتی اور اردو چھٹی کلاس
۵	ٹاکرواڑہ اسکول	۱۶۹	۳۷	گجراتی پانچویں کلاس
۶	کانودرا اسکول	۳۸۱	۱۰۰	〃
۷	پیتا اسکول	۳۶۷	۹۰	〃
۸	چنڈیسر اسکول	۲۳۱	۵۶	〃
۹	کودرام اسکول	۱۳۲	۱۹	گجراتی چوتھی کلاس
۱۰	گڑھدا اسکول	۳۳۴	۶۴	گجراتی پانچویں کلاس
۱۱	گولہ اسکول	۱۲۴	۲۸	〃
۱۲	دہوتا اسکول	۱۶۹	۴۱	〃
۱۳	پیلوچہ اسکول	۱۴۴	۲۸	〃
۱۴	وڈسچہ اسکول	۱۵۶	۳۵	〃
۱۵	بڑگاؤں اسکول	۲۰۴	۵۵	〃
۱۶	مالن اسکول	۲۰۴	۴۱	〃
۱۷	ڈیسہ تعلقہ اسکول	۶۵۴	۱۰۲	گجراتی چھٹی کلاس
۱۸	ڈیسہ زنانہ اسکول	۹۶	۸	گجراتی دوسری کلاس
۱۹	کیمرت اسکول	۲۵۸	۵۷	گجراتی چھٹی کلاس

نمبر شمار	نام اسکول	سالانہ خرچ	تعداد طلبار	حد تعلیم
۲۰	دانتی واڑہ اسکول	۱۳۴	۱۸	گجراتی پانچویں کلاس
۲۱	دہانیرہ اسکول	۳۵۴	۶۹	گجراتی چھٹی کلاس
۲۲	پانتھا واڑہ اسکول	۱۴۴	۳۰	گجراتی پانچویں کلاس
۲۳	راج پورا اسکول	۲۵۲	۵۵	″

یہ کل تیئیس[۲۳] مدارس ہیں جن میں سے اول الذکر چار خاص دارالریاست پالن پور میں اور باقیماندہ انیس[۱۹]، پرگنہ جات اور دیہات میں واقع ہیں۔ ان مدارس کے متعلق بارہ ہزار دو سو چھیاسی[۸۶] روپیہ ریاست کی طرف سے سالانہ خرچ ہوتا ہے اور ان میں ایک ہزار سات سو تینتیس[۳۳] لڑکے اور ۹۵ لڑکیاں تعلیم پاتی ہیں۔

خانگی مدارس ان سرکاری مدارس کے علاوہ خاص شہر پالن پور اور مضافات وغیرہ میں بہت سے خانگی مدارس مکتب اور نشال (رسال) بھی ہیں جن کے اخراجات کے لئے ریاست سے حسب حیثیت مدد دیجاتی ہے اور جن میں سے مدرسہ محمدیہ پالن پور خاص طور پر قابل ذکر ہے جسکو مسٹر نذر علی اینڈ قمرالدین، اسٹیشنرز بمبئی نے ہز ہائنس کی سرپرستی میں ۱۳۱۶ہجری سے جاری کیا ہے۔ اس مدرسہ میں عربی۔ فارسی اور گجراتی کی باقاعدہ تعلیم اور اخلاقی تربیت دیجاتی ہے۔ سیٹھ نذر علی پالن پور کے متوطن اور بوہروں میں ایک نہایت ذی عزت۔ صاحب حوصلہ اور نیک خیال شخص ہیں۔ انھوں نے عموماً مسلمانوں اور خصوصاً اپنی قوم کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ مدرسہ کھولا ہے سیٹھ صاحب بمبئی میں ریاست کی طرف سے کمرشیل ایجنٹ بھی ہیں۔

امورات رفاہ عام

جسطرح ہز ہائنس ملکی انتظامات میں سرگرم رہا کرتے ہیں اسیطرح رفاہ عام کے کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں جس سے اصلی مقصود رعایا پروری اور فیضرسانی خلائق ہے۔ آپ نے متفرق اوقات میں رفاہ عام کے متعلق جسقدر کام کئیے ہیں، ان میں سے چند کا ذکر ہم ذیل میں کرتے ہیں۔

لائبریری — دہلی دروازہ کے باہر ریلوے اسٹیشن کے راستہ پر ملکہ معظمہ وکٹوریہ قیصرہ ہند کی پنجاہ سالہ جوبلی کی یادگار میں فائدہ عام کے لئے ایک عالیشان مکان کی بنیاد قائم کی جسکا بنیادی پتھر ۱۲ فروری ۱۸۸۷ء کو کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے ہاتھ سے رکھا گیا تھا اور ان ہی کے ہاتھ سے ۲ اپریل ۱۸۸۸ء کو اسکا افتتاح ہوا۔ اس عمارت کا اصلی نام "جوبلی انسٹی ٹیوٹ" ہے لیکن عرف عام میں "وکٹوریہ جوبلی لائبریری" مشہور ہے۔ فی الحال اس لائبریری میں گجراتی۔ انگریزی۔ فارسی اور اُردو سب قسم کی ملاکر تخمیناً ڈیڑھ ہزار کتابوں کا ذخیرہ ہے۔

لیجیٹ مارکٹ — کرنل۔ پی۔ ایچ۔ لیجیٹ صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور چونکہ اپنی ہردلعزیز پالیسی۔ شریف طبیعت اور حمیدہ خصائل کے سبب ہر ایک امر میں ریاست اور والی ریاست کے خیر اندیش اور اپنی گورنمنٹ کے بہی خواہ تھے اس سلئے ان کے نام اور ایّام حکومت کی یادگار قائم رکھنے کے لئے ۲۹ مارچ ۱۸۸۸ء کو "لیجیٹ مارکٹ" کی بنیاد ڈالی گئی جس کی عمارت نو ہزار روپیہ کے صرف سے بن کر تیار ہوئی اور ۱۲ فروری ۱۸۸۹ء کو ایک جلسہ کر کے رسم افتتاح ادا کی گئی۔ صاحب موصوف نے اس موقع پر ایک اسپیچ کے ذریعے سے والی ریاست کے احسان نمایاں اور اسکی قدر قدردانی کی نسبت نہایت دلچسپ اور پُرجوش الفاظ میں احسان مندی کا اظہار و اعلان کیا تھا۔

نمائش ہزہائنس اور کرنل ایچ۔ ایل نٹ صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے آپس میں صلاح و مشورت کرکے ۱۸۸۹ء میں زراعت، صنعت و حرفت اور مویشیوں وغیرہ کی نمائش پالن پور میں قرار دی۔ یہ نادر اور خوش آیند جلسہ اس ریاست کی طرف سے اصول تمدن کی پہلی مثال پیش کرتا ہے۔

۱۶؍دسمبر ۱۸۸۹ء کو یہ نمائشگاہ کھولی گئی تھی اور چونکہ ہزرائل ہائنس ڈیوک آف کیناٹ ۱۹؍دسمبر کو پالن پور تشریف لاکر جلسۂ نمائش میں رونق افروز ہوئے تھے اس لئے جلسہ کی شان دوبالا ہوگئی تھی۔ گرد و نواح کے بہت سے رئیس اور جاگیرداروں کے علاوہ ٹھاکر صاحب والی وڈھوان (کاٹھیاواڑ) بھی شریک جلسہ تھے۔ جو ہتیار ریاست کی طرف سے نمائشگاہ کی زینت بڑھانیکے لئے رکھے گئے تھے، عالیجناب لارڈ رے صاحب بہادر گورنر بمبئی نے انکو ملاحظہ فرماکر بہت پسند کیا تھا۔

اس نمائش کے موقع پر شاہزادہ ڈیوک آف کیناٹ کو ریاست کی طرف سے ایک شاہی دعوت دی گئی تھی اور ہزہائنس نے دو چھرے نذر کئے تھے جن میں سے ایک پر نہایت عمدہ سنہری کام تھا۔ علاوہ ان چھروں کے ایک برچھا بھی پیش کیا تھا جس کے سرے پر پنجہ لگا ہوا تھا۔ باقی دوسرے عہدہ داران ہمراہی کو ایک ایک شکاری خنجر ہدیۃً دیا تھا۔ اس نمائشگاہ میں چار ہزار آٹھ سو چھیاسی روپیہ ریاست کا صرف ہوا تھا۔

ہسپتال کرنل جی۔ آر گوڈ فیلو صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے دوستانہ میل جول کی یادگار میں یکم جنوری ۱۸۹۱ء کو دہلی دروازہ کے باہر ریلوے اسٹیشن کی سڑک پر میڈیکل ہسپتال کا بنیادی پتھر رکھا گیا اور ابھی اسکی تعمیر کا کام ختم بھی نہ ہونے پایا تھا کہ صاحب موصوف رخصت پر ولایت چلے گئے اور کچھ عرصہ کے بعد وہیں انکا انتقال ہوگیا لیکن چونکہ کام برابر جاری تھا اس لئے ۱۸۹۲ء میں تریسٹھ ہزار روپیہ خرچ ہوکر ہسپتال تیار ہوگیا اور ۱۵؍مارچ ۱۸۹۲ء کو کرنل ڈبلیو سکاٹ صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے ہاتھ سے ایک بڑے جلسہ میں رسم افتتاح ادا ہوکر شفاخانہ کھول دیا گیا۔

گوتی فیلو ہسپتال

ایجنسی پالن پور کے متعلق ۱۸۳۸ء سے کم وبیش پچاس روپیہ کی تنخواہ کا ایک ہسپتال اسسٹنٹ رہا کرتا تھا جو بالخصوص پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب اور ملازمانِ لیوی کے لئے متعین تھا۔ دیوان زورآور خان مرحوم کے عہد حکومت یعنی ۱۸۷۰ء میں اس عہدہ پر بجائے ہسپتال اسسٹنٹ کے اسسٹنٹ سرجن مقرر ہوا۔ اُسوقت سے انگریزی شفاخانوں کیطرح یہاں کی ڈسپنسری میں بھی باقاعدہ کارروائی ہونے لگی۔ لیکن جب فرمانروائے حال کا روشن زمانہ آیا تو پبلک کی ضرورت زیادہ محسوس ہوئی کیونکہ اِدھر تو ایک ہی ڈاکٹر اور وہ بھی دوسروں کے لئے مخصوص اور اُدھر ریاست میں ہسپتال کا نہ ہونا اُسکی کا باعث نتیجہ یہ ہوا کہ ماہ ستمبر ۱۸۹۳ء میں ہز ہائنس نے ریاست کا ہسپتال الگ قائم کرلیا اور اسکا کلّی اختیار مستقل طور پر اپنے قبضہ میں لے کر تین سو روپیہ ماہوار کا ایک تجربہ کار ڈاکٹر نوکر رکھا۔ دار الشفا کا عالیشان مکان اور دواخانہ کے متعلق ضروری سامان۔ ادویات اور عمل جرّاحی کے تمام آلات مہیا کرکے اسسٹنٹ ڈاکٹر اور چپراسی وغیرہ کُل اسٹاف قائم کرلیا اور اسکا تمام وکمال خرچ ریاست کے خزانہ سے دینے کا بندوبست فرمایا۔ کچھ عرصہ کے بعد پرگنہ جات کی رعایا کے علاج اور حفظان صحت کی غرض سے چیف میڈیکل آفیسر کے ماتحت ایک ٹراولنگ ڈاکٹر مقرر کیا جو دیہات میں دورہ کرکے مریضوں کا علاج کیا کرتا ہے۔

چونکہ اب یہ ہسپتال بالکلیہ ریاست کا ہوچکا تھا اس لئے ایجنسی کے لئے ایک علٰحدہ ہسپتال کی ضرورت پیش آئی اور تجویز ہوکر پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے بنگلہ کے قریب ایجنسی پولس لائن کے متصل ہسپتال کا مکان تعمیر کرایا گیا۔

جب مردوں کی صحت وسلامتی کا انتظام ہوچکا تو ہز ہائنس کی توجہ عورتوں کے علاج معالجہ کی طرف مبذول ہوئی۔ چنانچہ مناسب تنخواہ پر ایک تربیت یافتہ اور تجربہ کار لیڈی وائف (دائی) ملازم رکھی گئی جسکا میڈیکل اسٹاف میں ہونا نہایت ہی مفید اور آرام دہ خلائق ثابت ہوا۔

گو ڈفیلو ہسپتال کا مع تمام عملہ کے سالانہ خرچ تقریباً دس ہزار روپیہ ہے۔ اس ہسپتال میں غربا اور محتاج بیماروں کے رہنے کا بھی انتظام ہے جن کو سرکار کی طرف سے بستر اور کھانا وغیرہ دیا جاتا ہے۔ ریاست کی

سالانہ انتظامی رپورٹ بابت ۱۹۰۵-۰۶ء کے مطابق تیرہ ہزار نو سو چالیس مریض اس ہسپتال میں زیر علاج رہے۔ ریاست کی طرف سے کل مریضوں کو دوا مفت دیجاتی ہے۔

ویکسی نیشن ڈپارٹمنٹ شروع شروع میں ویکسی نیشن کا محکمہ گورنمنٹ انگریزی کے زیر نگرانی تھا اور چار ویکسی نیٹر ریاست اور علاقہ جات پالن پور میں کام کرتے تھے لیکن چونکہ گورنمنٹ کو ہزہائنس کی اعلیٰ خوش انتظامی کا یقین اور ہر محکمہ میں آپ کے دلچسپی لینے کا وثوق کلی تھا اور وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ رعایا کے آرام و آسائش کے متعلق ہزہائنس کی جس صیغہ پر نگرانی ہوگی وہ اُن حاکموں سے کم نہ ہوگی جو گورنمنٹ کی طرف سے متعین ہیں اس لحاظ سے گورنمنٹ عالیہ نے یکم اکتوبر ۱۸۹۵ء کو اس محکمہ کا چارج بالکلیہ ریاست کے سپرد کردیا۔ ریاست نے چارج لیتے ہی اس محکمہ کو انتظام میں روز افزوں ترقی کرنی شروع کی اور رعایا کے مزید آرام کے لیے بجائے چار کے پانچ ویکسی نیٹر مقرر کئے بلکہ ایک امیدوار ویکسی نیٹر منظور کرکے دوسرے ویکسی نیٹروں کی امداد و اعانت کے لئے قائم کیا۔ ان پانچوں ویکسی نیٹروں کے ہیڈ کوارٹر پالن پور۔ ڈیسہ۔ بڑگاؤں۔ دہانسرہ اور چتراسنی میں ہیں۔

جب سے یہ محکمہ ریاست کی نگرانی میں آیا ہے، ویکسی نیشن کا کام سال میں دو دفعہ کیا جاتا ہے۔ اس محکمہ کا سالانہ خرچ تقریباً سولہ سو روپیہ ہوتا ہے اور اسکا تعلق ریاست کے چیف میڈیکل آفیسر سے ہے۔

صیغہ طبابت ریاست پالن پور میں ایک ڈاکٹر تو قدیم سے رہا کرتا تھا لیکن یونانی ادویات سے علاج کرنیوالا کوئی سرکاری طبیب نہ تھا۔ ہزہائنس نے اس کمی کو پورا کرنیکے لئے حکیم بنو میاں، متوطن سورت کو ملازم رکھا۔ حکیم صاحب ایک خاندانی طبیب اور ہر دلعزیز شخص تھے۔ تقریباً سولہ سترہ برس پر جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے لڑکے عبدالعزیز کو صیغہ طبابت سپرد کیا جو فی الحال اپنی خدمات مفوضہ کو خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دے رہے ہیں۔ ان کے متعلق ایک یونانی شفاخانہ ہے جس میں بہت سے مریض زیر علاج رہتے ہیں۔

جس طرح انگریزی ڈاکٹر کے بعد یونانی طبیب نوکر رکھا گیا اسی طرح ایک کحال (معالج امراض چشم) کی بھی

ضرورت پائی گئی چنانچہ پنجاب کے رہنے والے حکیم نواب علی اتفاقاً یہاں آنکلے اور جب کئی برس کے تجربہ سے ثابت ہوگیا کہ یہ اپنے فن میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں تو ہز ہائنس نے ان کو ملازم رکھ لیا اور اب وہ غریب محتاجوں کا ریاست کی طرف سے مفت علاج کرتے ہیں اور بہت لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے۔

گوبری تالاب

سمبت ۱۹۴۷ میں شہر سے باہر جنوب کی طرف تخمیناً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایک شکستہ تالاب جسکو "گوبری تالاب" کہتے تھے، تقریباً سات ہزار روپیہ کے خرچ سے از سر نو تیار کیا گیا۔ اسکے آس پاس خوشنما سڑکیں بنا کر دو طرفہ درخت لگا دیے اور اصلی نام کو بدل کر ہز ہائنس کے نام کی مناسبت سے "شیر ساگر" نام رکھا۔

کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں شہر پالن پور اسی مقام پر آباد تھا اور قریب ہی گہرا کھڈ تھا جس میں اسوقت کے شہر کے باشندے گوبر، کوڑا کرکٹ اور غلاظت وغیرہ ڈالا کرتے تھے اس لئے یہ مقام گوبری کے نام سے مشہور ہوگیا تھا۔

مہمان سرا

سمبت ۱۸۵ میں ہز ہائنس نے اپنے چچا احمد خاں صاحب مرحوم کی یادگار میں خیر جاری کے طور پر ایک پختہ اور عالیشان مہمانسرا دہلی دروازہ کے باہر ریلوے اسٹیشن کی سڑک کے کنارے تعمیر کرایا جس میں مسافروں کے ٹھہرنے کے لئے متعدد کمرے بنے ہوئے ہیں اور دروازہ پر معزز مسافروں کے قیام کی غرض سے ایک مکلف بالاخانہ بھی ہے نیز مہمان سرا کے احاطہ میں مسافروں کے آرام و آسائش کے لئے ایک پختہ کنواں ہز ہائنس کی فیاضی کی یاد دلانے کے لئے موجود ہے۔

جیکسن ہال

ابتدائے حکومت انگریزی سے پالن پور پولیٹکل ایجنٹ کا صدر مقام رہا ہے۔ اس ایجنسی میں علاوہ ریاستہائے پالن پور اور رادھن پور کے بہت سے بھومیہ ٹھاکروں کی جاگیریں بھی شامل ہیں۔ ان تمام جاگیرداروں وغیرہ کو وقتاً فوقتاً کسی نہ کسی ضرورت سے پولیٹکل آفیسر کی خدمت میں حاضر ہونا پڑتا ہے مگر ہمیشہ سے یہی دستور چلا آتا تھا کہ جو ضرورتمند آئے احاطہ عدالت کے قریب کسی

درخت کے سایہ میں بیٹھ کر حاکم کی بلانے کا انتظار کیا کرے۔ اس تکلیف کے دفعیہ کے لئے ہز ہائنس نے ایک
خوشنما اور شاندار مکان بنگلہ کے قریب ہی تعمیر کرایا اور چونکہ اس عمارت کا بنیادی پتھر لفٹننٹ کرنل۔ ایف۔ ایچ۔
جیکسن صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے ہاتھ سے ۲ر اکتوبر ۱۸۹۵ء کو نصب کیا گیا تھا اس لئے اسکا
نام بھی "جیکسن ہال" رکھا گیا۔ یہ عمارت تخمیناً پونے دو برس میں بن کر مکمل ہو گئی تھی اور اسکا افتتاح بھی کرنل صاحب
ممدوح ہی کے ہاتھ سے ۲۱ر جون ۱۸۹۷ء کو بہت بڑے جلسہ میں ہوا تھا۔

دہانیرہ کا تالاب قصبہ دہانیرہ ریگستانی زمین میں آباد ہے اس لئے وہاں اکثر اوقات پانی کی قلت رہا کرتی ہے۔
ہز ہائنس نے اپنی فیاضی سے ٹھاکر جلال خان تحصیلدار دہانیرہ کی نگرانی میں ایک تالاب کھدوایا جس سے
آدمی اور جانور آرام حاصل کر سکتے ہیں۔

میونسپلٹی

اگرچہ ریاست میں میونسپلٹی کے متعلق دیوان فتح خان کے زمانہ حکومت سے ایک چھوٹا سا
محکمہ قائم تھا لیکن چونکہ یہ مختصر سا عملہ اس ریاست کے لئے ناکافی تھا اس لئے ہز ہائنس نے سمت ۱۹۳۵
میں اس محکمہ کو بڑے پیمانہ پر جاری کیا اور شروع شروع میں دہلی دروازہ سے ریلوے اسٹیشن تک
پختہ سڑک بنوائی اور شہر کے اندر عام گزرگاہوں میں راستوں کی ناہمواری دور کرنے کا کام شروع کر دیا گیا۔
اس صیغہ کا سالانہ خرچ تقریباً چار ہزار روپیہ ہے۔ اس محکمہ کی طرف سے جو جو کام کئے گئے ہیں اسکا ذکر اختصار
کے ساتھ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

روشنی سمت ۱۹۳۷ میں میونسپلٹی کے افسروں کی تجویز سے شہر اور بیرون شہر کے شارع عام راستوں اور دیگر
خاص خاص مقامات پر پچاس پچاس قدم کے فاصلہ سے لالٹینیں نصب کی گئیں تاکہ لوگوں کو رات کے اندھیرے

کے وقت آمد و رفت میں سہولت ہو اور چلنے پھرنے یا گشت شبینہ میں پولس کے ملازموں کو دقت نہ اٹھانی پڑے یہ روشنی اندھیری راتوں میں شب بھر رہتی ہے اور اسکا کل خرچ خزانۂ ریاست سے دیا جاتا ہے۔ نیز اس محکمہ کے متعلق بلکہ اور تمام رفاہ عام کے کاموں میں رعایا سے کسی قسم کا زائد ٹکس ابتک نہیں لیا جاتا۔

پنجانے | سمت ۱۹۴۳ میں آسائش عامہ کے لئے حصار شہر پناہ کے باہر پختہ جا بجا ضرور (پنجانے) تعمیر کئے گئے اور لوگوں کو جو روزانہ تکلیف ہوا کرتی تھی، رفع ہو گئی۔

آبپاشی | سمت ۱۹۴۵ میں شہر کے اندر باہر رہگزر کے اکثر مقامات یعنی شارع عام راستوں پر آبپاشی کا کام شروع ہوا اور اسکا انتظام محکمہ میونسپلٹی کے سپرد کیا گیا۔ لیکن افسوس کہ اسوقت کنوؤں میں پانی کی قلت کی وجہ سے چھڑکاؤ کا کام بند ہے۔

صفائی | میونسپلٹی یعنی محکمہ صفائی شہر کی جو علت غائی ہے، ریاست پالن پور میں اسکی مثال بہت اچھی طرح مل سکتی ہے کیونکہ جس وقت سے یہ محکمہ قائم کیا گیا ہے، شہر کے بڑے سے بڑے بازار اور چھوٹے سے چھوٹے کوچہ میں بھی صفائی کا بہت اچھا انتظام ہے۔ متعدد خاکروب اس محکمہ کی طرف سے صبح و شام دونوں وقت جھاڑو دیتے ہیں اور بازاروں میں سے کوڑا کرکٹ اٹھاتے ہیں۔

بازاروں میں پختہ سڑکیں | ہز ہائنس کو شہر پالن پور کی سڑکوں کو عمدہ اور پختہ بنانے کا خیال کئی سال سے تھا مگر قحط سالیوں کے متواتر حملوں اور بعض پیش پا افتادہ وجوہات سے سڑکوں کا کام مستقل طور پر نہیں ہو سکا تھا۔ سمت ۱۹۶۲ مطابق سنہ ۱۹۰۵ء میں چونکہ ولیعہد بہادر کی شادی ہونے والی تھی اور اس تقریب پر دور دور سے مہمان آنے والے تھے اس لئے ہز ہائنس نے سڑکوں کے بنانے کا حکم صادر فرمایا۔ چنانچہ صرف ایک مہینہ میں تمام شہر کی سڑکیں نہایت عمدگی کے ساتھ بن کر تیار ہو گئیں۔ ان سڑکوں کی مرمت وقتاً فوقتاً میونسپلٹی کی طرف سے ہوتی رہتی ہے۔

———— ❀ ————

پیرو تجات کی سڑکیں

پالن پور سے ڈیسہ تک سڑک ہزہائنس نے اپنے عہد فرمانروائی میں گورنمنٹ کے ساتھ جس وفاداری کا وقتاً فوقتاً اظہار کیا ہے اور اپنی رعایا کے آرام و آسائش کے لیے جو جو طریقے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں انمیں ایک یہ ہے کہ سمت ۱۹۴۷ میں پالن پور سے ڈیسہ کیمپ تک سڑک بنا کر ان تمام تکالیف کو جو ریلوے لائن نہ ہونے کی وجہ سے لشکر اور ڈیسہ آنے جانے والے مسافروں کو اٹھارہ میل تک ریت میں سفر کرنے سے ہوا کرتی تھیں، رفع کر دیں۔ خصوصاً بیل گاڑیوں کے چلانے میں جو مصیبت کا سامنا ہوتا تھا وہ بھی جاتا رہا۔ مسافروں کے مزید آرام کے لیے اس سڑک پر دو رویہ نیم اور آم کے درخت لگا دیے گئے۔ سڑک اور درختوں کے متعلق ریاست نے جس فیاضی اور دریا دلی سے روپیہ صرف کیا وہ قابل قدر ہے۔

رو ہو سے امباجی تک سڑک امباجی علاقہ دانتہ میں ایک دیوی کا استھان ہے۔ یہ دیوی ہندؤں میں نہایت مقدس اور باعظمت مانی جاتی ہے۔ یہاں سال میں تین چار بڑے بڑے عظیم الشان میلے ہوتے ہیں جن میں سینکڑوں کوس کی مسافت طے کر کے جاتری آیا کرتے ہیں۔ پہلے اسکا راستہ آبو روڈ سے تھا اور خوش عقیدہ جاتری بہت پھیرے وہاں جایا کرتے تھے۔ ہزہائنس نے ان جاتریوں کے سفر کی سہولت کے لیے سمت ۱۹۵۸ میں اپنے علاقہ میں سے ایک راستہ نکالا جو اسٹیشن رو ہو سے سیدھا امباجی ماتا کو چلا جاتا ہے۔ اس تمام راستہ کو جھاڑیوں اور ٹیلوں وغیرہ سے صاف کرا دیا اور نیز مسافروں کے آرام کے لیے موضع رو ہو اور راستہ میں مسافر خانے اور کنوئے بنوائے۔ مزید براں مسافروں کی حفاظت جان و مال کے لیے راستہ میں چوکیاں بھی بٹھا دیں۔ اگرچہ اس کام میں ریاست کا بہت سا روپیہ صرف ہوا لیکن ہزہائنس کی فیاضی و عالی حوصلگی کا غیر مذہب والوں پر بھی سکہ بیٹھ گیا۔ اب چونکہ ریاست پالن پور کی طرف سے اپنی حد میں اور آگے دانتہ کی طرف سے اسکی حد میں امباجی ماتا تک

زمانۂ قدیم کے دیسی مدارالمہام کی تصویر

پختہ سڑک بن گئی ہے اور مسافروں کی حفاظت کا بھی نہایت عمدہ انتظام ہوگیا ہے اس لیے مسافرین کو لوٹ مار کا جو پہلے خوف تھا اب بالکل نہیں رہا اور وہ بے کھٹکے برابر آتے جاتے ہیں۔ اسٹیشن روہو سے امباجی ماتا جانے آنے کے لئے گاڑی اور گھوڑے کا انتظام بھی ہو سکتا ہے۔

مختلف سڑکیں علاوہ ان دو سڑکوں کے مختلف اوقات میں مسافروں کی آمدورفت کے لیے مفصلۂ ذیل مقامات پر بھی کشادہ اور ہموار کچی سڑکیں بنائی گئی ہیں جن سے آنے جانے میں لوگوں کو بڑی سہولت ہوتی ہے۔

نمبر شمار	کہاں سے	کہاں تک	کتنے میل
۱	ڈیسہ	موضع لاکھنی	۲۷ میل
۲	ڈیسہ	موضع نیٹرہ	۱۴ میل
۳	پالن پور	موضع ٹڈانہ	۱۲ میل
۴	عمروسی اسٹیشن	موضع کانودر	۲ میل
۵	ساودرہ اسٹیشن	موضع جیبھی	۳ میل
۶	چتراسنی اسٹیشن	بالارام	۱½ میل

وزارت یا مدار المہامی

یوں تو ریاست پالن پور میں مدار المہامی کا عہدہ ہمیشہ سے قائم ہے لیکن چونکہ شمشیر خان کے عزل و نصب کے زمانہ میں دفتر ریاست جل گیا تھا اس لئے مجبوراً دیوان فتح خان کے زمانہ حکومت سے ہم نے متوفی وزرائے ریاست کا نقشہ مرتب کیا ہے۔ ان وزرا کے متعلق ہمیں یہ کہنا ضروریات سے ہے کہ اس عہدہ کا تعلق زیادہ تر مہتہ موتی چند کیت سی اور مہتہ وہالو میگھجی وو دیسی اہلکاروں کے خاندان کے ساتھ

سمت ۱۹۴۳ تک وابستہ رہا ہے۔ اسکے بعد کچھ مدت کے لئے کوٹھاری ویلو دوجی مدار المہام ریاست مقرر کئے گئے اور ان کے بعد سے اب تک یہ عہدہ پردیسیوں ہی کے ہاتھ چلا آتا ہے۔ آخری تین مدار المہام قابل ذکر ہیں۔

خانصاحب غلام مصطفیٰ

اس ریاست میں قدیم سے مدار المہامی کے عہدہ پہ کسی نہ کسی دیسی اہلکار کا تقرر ہوا کرتا تھا تاکہ پارٹی فیلنگ کی بغاوتوں اور تعصب کے بھڑکتے ہوئے شعلوں سے ریاست محفوظ رہے مگر چونکہ اس زمانہ میں اعلیٰ انتظامات ریاست کے لئے ایک ہونہار تعلیم یافتہ اور تجربہ کار مدار المہام کی ضرورت بہت سی وجوہات سے پیش آئی اس لئے خانصاحب غلام مصطفیٰ کی خدمات گورنمنٹ سے درخواست کر کے ریاست میں منتقل کرائی گئیں اور مدار المہامی کے عہدہ پر آپ کا تقرر ہوا۔

خانصاحب (حال خان بہادر) شہر سورت کے معزز مسلمانوں میں سے ہیں۔ آپ کے والد کا نام کپتان غلام احمد تھا۔ آپ ذات کے شیخ ہیں اور ریاست میں نیکنام مدار المہام رہے ہیں۔ یہاں آنے سے پہلے آپ گورنمنٹ کسٹم ڈپارٹمنٹ میں انسپکٹر تھے۔ آپ نے پالن پور آکر ۱۸ اپریل سنہ ۱۸۹۰ء کو مدار المہامی کا چارج لیا۔

خان صاحب کے زمانہ مدار المہامی میں ہز ہائنس کی صاحبزادی اور بھتیجی کی شادی کتخدائی اور دونوں صاحبزادوں کی شادی ختنہ کی تقریبیں نہایت دھوم دھام کے ساتھ عمل میں آئی تھیں۔ نیز لیوی کا لشکر بھی آپ ہی کے زمانہ وزارت میں ریاست کے سپرد کیا گیا تھا۔ آپ ہی کے زمانہ میں یہاں کسٹم انسپکٹر بھی مقرر کیا گیا اور اس عہدہ کے لئے آپ ہی کے مشورہ سے ضرورتاً سید عبدالقادر ساکن سورت کو تین برس کے لئے گورنمنٹ سے مانگ لیا تھا۔

خانصاحب نے ریاست میں رہکر اپنے زمانہ وزارت میں جیسی کچھ ریاست کی خدمات کی ہیں وہ ایک حد تک معتنابہ سے شمار کی جاتی ہیں لیکن برسوں کا کام مہینوں میں نہ کوئی دوسرا کر سکتا ہے اور نہ خانصاحب کر سکتے تھے۔ ہاں! اگر خانصاحب کچھ مدت تک اور اس ریاست میں رہتے تو ضرور ممکن تھا کہ جسقدر رفاہ کے

مسٹر رنچھوڑ لال بندرابن داس پٹواری-بی-اے-
ایل-ایل-بی-مدارالمہام حال ریاست پالن پور

ریاست کو اس وقت تک حاصل ہوئے ہیں وہ ان کی اور ہز ہائنس کی متفقہ کوششوں سے بھی حاصل ہو سکتے تھے خانصاحب ۲۲ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو مدار المہامی ریاست کا چارج چھوڑ کر اپنی اصلی ملازمت پر چلے گئے۔

ولبھ جی دہرم سی وید

خانصاحب غلام مصطفیٰ کے جانیکے بعد ۱۳ر دسمبر ۱۸۹۱ء کو ولبھ جی دہرم سی وید[۱] مدار المہام ریاست مقرر ہوئے۔ مسٹر ولبھ جی مقام منگارا علاقہ موروی (کاٹھیاواڑ) کے اصلی باشندے ہیں۔ انگریزی سنسکرت اور گجراتی زبان میں بہت اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ پلیڈر کا امتحان بھی دیا ہوا ہے۔ ان کی تصنیفات سے گجراتی زبان میں "سدھ شیاسئے" اور "ہندوستان کے گذشتہ راجا" دو کتابیں شایع ہو چکی ہیں جو آپ کی قابلیت علمی کا بین ثبوت ہیں۔

مسٹر ولبھ جی کے زمانہ وزارت میں ہز ہائنس کو کے۔ سی۔ آئی۔ ای اور جی۔ سی۔ آئی۔ ای کے خطاب ملے اور ہز ہائنس نے ممالک شمالی ہند اور پنجاب وغیرہ کی سیاحت کی اور قابل افسوس بات یہ ہے کہ ان ہی کے ایام وزارت میں سمت ۱۹۵۶ کے عالمگیر قحط نے پالن پور کو اپنی نحوست کا آماجگاہ بنایا۔ مسٹر ولبھ جی نے ۹ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء کو اپنے عہدہ کا چارج چھوڑا۔

مدار المہام حال

پٹواری رنچھوڑ لال نندرائن داس بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی نے ۲۳ر جولائی سنہ ۱۹۰۱ء کو اس ریاست کی مدار المہامی کا چارج لیا۔ مسٹر رنچھوڑ لال چونکہ ایک نوجوان شخص تھے اس لئے ان کی ناتجربہ کاری میں بعض کہنہ عمل اہلکاروں کو کسیقدر تامل تھا لیکن انھوں نے اپنے کار مفوضہ کو نہایت بردباری۔ قائم مزاجی

۱؎ ۲۱ر مئی سنہ ۱۸۹۸ء کو ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی سالگرہ کے اعزاز میں مسٹر ولبھ جی کو راؤ بہادر کا خطاب مرحمت ہوا تھا جس کی سند ۲۱ر نومبر سنہ ۱۸۹۸ء کو میجر ایم۔ ٹی لاٹڈ صاحب قائم مقام پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے بنگلہ سپرنٹنڈنسی میں ایک دربار منعقد کر کے عنایت فرمائی تھی۔ اس دربار کا کل انتظام سپرنٹنڈنسی کی طرف سے کیا گیا تھا۔ ریاست اور سپرنٹنڈنسی کے تمام اہلکار شریک دربار تھے۔ ہز ہائنس بھی مع ہر دو صاحبزادگان اور سرداران خاندان کے سرکاری طور پر دربار میں تشریف لے گئے تھے۔ ۱۲

مؤلف

اور تحمل کے ساتھ سنبھالا اور تھوڑے سے ہی عرصہ میں اپنی لیاقت علمی کو اچھے اچھے کاموں میں صرف کرنا شروع کردیا
اب معاملات ریاست میں اسقدر سلجھ گئے ہیں کہ آپ ایک تجربہ کار مدار المہام شمار کئے جاتے ہیں ہزہائنس
نے آپ کو پسند کرکے اس عہدہ جلیلہ پر مقرر کیا تھا اور اسوقت آپ کے خیرخواہانہ برتاؤ اور حسن لیاقت سے بہت ہی
خوش اور رضامند ہیں۔ مسٹر نچھوڑلال قصبہ دھندوکہ کے رہنے والے اور ایک معزز خاندان کے ممبر ہیں اور
آپ کا خاندان گجرات اور کاٹھیاواڑ میں نہایت معزز شمار کیا جاتا ہے۔

مسٹر نچھوڑلال کے زمانہ وزارت میں سب سے بڑا واقعہ ولیعہد بہادر اور ہزہائنس کی چھوٹی صاحبزادی
کی شادی کا ہے۔ علاوہ بریں کودرام اور گڈھواڑہ کے سرحدی تنازعات کا فیصلہ۔ روہو سے امباجی ماتا کی
سڑک کا بننا۔ فارسٹ ڈپارٹمنٹ کا جدید طرز پر قائم ہونا اور ۳ لاکھ ۹ ہزار ۶ سو ۱۵ روپیہ ۱۰ آنہ ۵ پائی گورنمنٹ کے
قرضہ میں سے معاف کیا جانا وغیرہ وغیرہ آپ کے عہد وزارت کی یادگاریں ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر تقریباً
چالیس برس کی ہے اور آپ نہایت متدین اور کارگزار مدار المہام ہیں۔

نقشہ وزراے ریاست پالن پور

نمبر شمار	نام مدار المہام	سمت بکرمی		مدت ملازمت	کیفیت
		کب چارج لیا	کب چارج چھوڑا		
۱	مہتہ موتی چند کیت سی	سمت ۱۸۷۴	سمت ۱۹۰۱	۲۷ برس	
۲	مہتہ وہلو میکھی	سمت ۱۹۰۲	سمت ۱۹۰۸	۶ برس	
۳	مہتہ راجچند بیچر	سمت ۱۹۰۹	سمت ۱۹۱۰	۳ برس	
۴	مہتہ الیشور موتی چند	سمت ۱۹۱۱	سمت ۱۹۱۴	۴ برس	
۵	مہتہ ہاتھی وہلو	سمت ۱۹۱۵	سمت ۱۹۲۱	۷ برس	

نمبر	نام مدار المہام	سمت بکرمی		مدت ملازمت	کیفیت
		کب چارج لیا	کب چارج چھوڑا		
۶	مہتہ تیمبر ہاتھی بھائی۔	سمت ۱۹۲۱	سمت ۱۹۲۲	ڈیڑھ برس	قائم مقام
۷	نرہر راؤ گنیش تاتیا۔	سمت ۱۹۲۳	سمت ۱۹۲۴	ڈیڑھ برس	
۸	گوبند راؤ بلونت بھاؤ۔	سمت ۱۹۲۵	سمت ۱۹۲۶	۲ برس	
۹	مہتہ تیمبر ہاتھی بھائی۔	سمت ۱۹۲۶	سمت ۱۹۲۷	ا برس	
۱۰	مہتہ منگلجی ایشور۔	سمت ۱۹۲۸	سمت ۱۹۳۰	۳ برس	قائم مقام
۱۱	مہتہ تیمبر ہاتھی بھائی۔	سمت ۱۹۳۰	سمت ۱۹۳۱	ا برس	بار سوم
۱۲	مہتہ منگلجی ایشور۔	سمت ۱۹۳۲	سمت ۱۹۳۳	۲ برس	بار دوم
۱۳	مہتہ تیمبر ہاتھی بھائی۔	سمت ۱۹۳۴	سمت ۱۹۳۵	۲ برس	بار چہارم
۱۴	مہتہ منگلجی ایشور۔	سمت ۱۹۳۶	سمت ۱۹۳۸	۳ برس	بار سوم
۱۵	مہتہ تیمبر ہاتھی بھائی	سمت ۱۹۳۸	سمت ۱۹۳۸	چار ماہ	بار پنجم
۱۶	مہتہ منگلجی ایشور۔	سمت ۱۹۳۸	سمت ۱۹۴۳	۶ برس	بار چہارم
۱۷	کوٹھاری ولبھچند دوبجی	سمت ۱۹۴۴	سمت ۱۹۴۶	۳ برس	
۱۸	خانصاحب غلام مصطفٰی	سمت ۱۹۴۷	سمت ۱۹۴۹	ڈیڑھ برس	
۱۹	مسٹر ولبھجی دھرمسی دتیہ	سمت ۱۹۴۹	سمت ۱۹۵۸	۹ برس	
۲۰	پٹواری رنچھوڑ لال بہادر داس	سمت ۱۹۵۸			مدار المہام حال

صیغۂ وکالت

وکالت ایجنسی پالن پور ریاست پالن پور کی طرف سے سرکاری وکالت کے دو عہدے ہیں۔ ایک وکیل ایجنسی پالن پور میں اور دوسرا محکمہ پنچایت مارواڑ میں حاضر باش رہتا ہے۔ ایجنسی پالن پور کے وکیل کا دفتر گجراتی میں ہے۔ حضور عدالت کے سوا ریاست سے اور جسقدر تحریرات ایجنسی میں جاتی ہیں، اکثر اسی وکیل کے نام سے لکھی جاتی ہیں۔ اس وکیل کو پولیٹکل ایجنٹ صاحب کے ہمراہ دورہ میں بھی ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ ایجنسی کے متعلق بہت سے کاروبار ریاست اسی سے وابستہ ہیں اور یہ عہدہ اس ریاست میں نہایت ہی اعتبار اور بھروسہ کا سمجھا جاتا ہے۔ فی الحال اس عہدہ پر لالہ ٹھاکر داس صاحب بھار گو دہلوی متعین ہیں۔ آپ علاوہ فارسی اور اردو کے گجراتی بھی بہت اچھی طرح جانتے ہیں اور تقریباً ستائیس برس سے ریاست کے ملازم خیر خواہ ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر ۵۵ برس کی ہے۔

وکالت پنچایت مارواڑ دوسرا وکیل محکمہ پنچایت مارواڑ میں رہتا ہے۔ اس محکمہ میں پالن پور کے علاوہ راجپوتانہ کی چھ اور ریاستوں کے وکیل بھی رہا کرتے ہیں اور اس پنچایت کو اختیارات کمشن حاصل ہیں۔ اس محکمہ میں پالن پور۔ سروہی۔ جودھپور۔ کشنگڑھ۔ جیسلمیر۔ بیکانیر۔ اودیپور اور علاقۂ سرکار انگریزی کے آپس کے سرحدی مقدمات فوجداری کی تحقیقات اور تجویز ہوکر رزیڈنٹ صاحب جودھپور کی منظوری سے حکم اخیر صادر ہوتا ہے اور اسکا اپیل ایجنٹ گورنر جنرل بہادر راجپوتانہ کی عدالت میں دائر کیا جاتا ہے۔ اس عہدۂ وکالت پر فی الحال منشی محمد اسمٰعیل صاحب متعین ہیں۔

منشی صاحب سکندر آباد ضلع بلند شہر کے رہنے والے ہیں۔ اس عہدہ پر پہلے آپ کے والد منشی محمد عبدالرحمٰن صاحب مدت تک رہے ہیں، جنکی عمدہ اور خیر خواہانہ ملازمت نے یہ ثمرہ دیا کہ ان کی زندگی ہی

ہیں اس معزز عہدہ پران کے لڑکے کا تقرر ہو گیا۔

ریاست کے افسر اور معزز ملازم

ہز ہائنس کے خوشگوار زمانہ حکومت میں رعایا اور ریاست نے جو ترقی حاصل کی ہے اسکو ہز ہائنس کی اعلیٰ قوت انتظامیہ اور منتظمان ریاست کی خوش تدبیری کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ ہم ذیل میں ایک نقشہ دیتے ہیں جس سے موجودہ افسروں اور معزز ملازمین ریاست کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔ سال رواں سے پہلے جن اہلکاروں اور متصدیوں کا انتقال ہو چکا ہے اور جنکی قابل قدر خدمات کا نقش ہز ہائنس کے دل پر منقش ہے، انکے حالات بھی بجائے خود اس تاریخ میں ملاحظہ ناظرین سے گزریں گے۔

پالن پور کے افسروں اور معزز ملازموں کا نقشہ

نمبر شمار	نام عہدہ دار	عہدہ یا ملازمت	دیسی یا پردیسی	کیفیت
۱	پٹواری رنچھوڑلال۔ بندرابن داس۔ بی۔اے۔ ایل ایل بی	مدار المہام	پردیسی	
۲	ڈاکٹر دہونڈو پنچھ آپاجی پٹوردہن۔	چیف میڈیکل آفیسر	"	
۳	مسٹر سہرمزجی فرامجی ناناوٹی	حضور اسسٹنٹ	"	
۴	مسٹر اودہوجی گھیلا بھائی۔	اپیل جج	"	
۵	پٹواری نراین داس سانل داس۔	ریونیو آفیسر	"	
۶	مسٹر رنچھوڑلال ڈایابھائی۔	سرنیا دس	"	
۷	کوٹھاری گوردہن بھائی دہرمچند	اکاونٹ آفیسر	دیسی	

نمبر شمار	نام عہدہ دار	عہدہ یا ملازمت	دیسی یا پردیسی	کیفیت
۸	کوٹھاری ڈونگرسی فتح چند	دیوانی نیادھس	دیسی	
۹	کوٹھاری امرسی جادوجی	افسر سررشتۂ اضلاع غیر	پردیسی	
۱۰	کوٹھاری مگن بھائی ادجم بھائی	فرسٹ کلاس مجسٹریٹ و تحصیلدار پالن پور	دیسی	
۱۱	مہتہ ہیراج ہاتھی بھائی	فرسٹ کلاس مجسٹریٹ و تحصیلدار ڈیسہ	״	
۱۲	کوٹھاری چندولال سوبھاگچند	کسٹم آفیسر	״	
۱۳	بابوا روڑی رام	افسر محکمہ جنگلات	پردیسی	
۱۴	مراد محمد ولد لال میاں	پولس کامدار	دیسی	
۱۵	مہتہ موتی بھائی ہاتھی بھائی	سیٹلمینٹ آفیسر	״	
۱۶	لالہ ٹھاکرداس بھارگو	وکیل ریاست متعینہ ایجنسی پالن پور	پردیسی	
۱۷	منشی محمد اسمٰعیل	وکیل ریاست متعینہ پنچایت مارواڑ	״	
۱۸	گوکل داس پرمانند داس	افسر محکمہ پیمائش	״	
۱۹	سید فجو میاں ولد دادا میاں	افسر تعمیرات	دیسی	
۲۰	سید محمد میاں ولد جعفر میاں	سٹی پولس فوجدار	״	اسوقت میونسپل سکرٹری اور داروغہ توپخانہ کا کام بھی ان کے سپرد ہے
۲۱	مہتہ وہالولوجی	اہلکار حضور پیشی	״	
۲۲	مہتہ جیٹھالال جھومچند	تحصیلدار دہانیرہ	״	
۲۳	مہتہ وہالو دھرچند	بخشی فوج	״	
۲۴	کوٹھاری موہن لال راج کرن	تحصیلدار پانتھاواڑہ	״	
۲۵	کوٹھاری چنی لال ادجم بھائی	تھانہ دار گڑھ	״	

نمبر شمار	نام عہدہ دار	عہدہ یا ملازمت	دیسی یا پردیسی	کیفیت
۲۶	کوٹھاری جیوراج ولد لوبھائی	تھانہ دار بیتا	دیسی	
۲۷	مہتہ فوج راج ولد ہرچند	تھانہ دار چیتروڑہ	"	
۲۸	سید فریدالدین ولد امام الدین	اوپیم انسپکٹر	"	
۲۹	مہتہ بھبوت چند ناتھا	تحصیلدار ڈاہا بھیلیہ	"	
۳۰	سندہی صاحب خاں ولد جلال خاں	ڈسٹرکٹ پولس فوجدار	"	
۳۱	الہ داد خان ولد مرید خان	پولس فوجدار	"	
۳۲	نور محمد ولد دوست محمد	پولس فوجدار گڈہ	"	
۳۳	فیض محمد ولد گل محمد	جمعدار	"	
۳۴	جعفر خاں ولد بابے خاں	جمعدار	"	
۳۵	گلو میاں ولد ہوتا بھائی	جمعدار	"	
۳۶	شمشیر خاں ولد الہ داد خاں	پولس فوجدار	"	
۳۷	سید صاحب میاں	پولس فوجدار پانتھاواڑہ	"	یہ خاکسار مؤلف کے منجھلے بھائی ہیں
۳۸	بسم اللہ خان ولد شیر خان	پولس فوجدار ڈلیہ	"	
۳۹	سلیم خان ولد شیر خان	پولس فوجدار چتراسنی	"	
۴۰	عبدو میاں ولد شیخ میاں	پولس فوجدار بیتا	"	
۴۱	مراد علی ولد جان خان	جمعدار	"	
۴۲	سہراب جی رستم جی	پولس فوجدار دہانیرہ	"	
۴۳	حکیم عبدالعزیز	طبیب ریاست	"	

نمبر شمار	نام عہدہ دار	عہدہ یا ملازمت	دیسی یا پردیسی	کیفیت
۴۴	ابراہیم میاں ولد رحمت خاں	جمعدار	دیسی	
۴۵	سید شرف الدین ولد امام الدین	پولس فوجدار آگتھلہ	〃	
۴۶	رادہن خاں ولد فتح خاں	داروغۂ اصطبل	〃	
۴۷	موٹا میاں ولد لسنو بھائی	جمعدار	〃	
۴۸	آل محمد ولد لسنو بھائی	جمعدار	〃	
۴۹	رادہن خاں ولد یعقوب خان	پولس فوجدار کھیمت	〃	
۵۰	سید یعقوب علی ولد کمال علی	افسر باڈی گارڈ	پردیسی	
۵۱	عمر بھائی ولد لسین بھائی	جمعدار	دیسی	
۵۲	ملک بھائی ولد برہان	پولس فوجدار چھتروڑہ	〃	

وبائے طاعون

پالن پور کی تاریخ میں وبائے طاعون کے پہلے حملہ کا سترہویں صدی عیسوی کے آخر میں پتہ لگتا ہے، کیونکہ حضرت سید فضل اللہ عرف فجو میاں صاحب جو گروہ مہدویہ میں مرشد کامل اور مشہور مصنف گزرے ہیں، اپنی کتاب تحفۃ الصالحین میں یہ تحریر فرماتے ہیں کہ

"میرے جد امجد حضرت خوب میاں ابن بندگی میاں سید مرتضیٰ کے زمانہ میں وبائے طاعون پالن پور میں پھیل گئی تھی۔ اہل ہنود گھروں کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے اور مسلمانوں نے قیام کو فرار پر ترجیح دی تھی۔"

بندگمیاں سید مرتضیٰؒ کا سنہ ۱۰۹۴ھ (۱۶۸۲ء) میں انتقال ہوا ہے اور حضرت خوب میاںؓ صاحب نے سنہ ۱۱۰۶ھ (۱۶۹۵ء) میں رحلت
فرمائی ہے اسلئے قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بندگمیاں سید مرتضیٰؒ کی وفات کے بعد اور حضرت خوب میاںؒ
کے انتقال سے پہلے اس وبا کا شیوع ہوا ہوگا۔

جب سمت ۱۸۹۹ء مطابق سنہ ۱۸۴۲ء میں قصبہ پالی علاقہ مارواڑ میں طاعون نمودار ہوا تھا تو پانتھاواڑہ علاقہ پالن پور
کی سرحد پر اضلاع مارواڑ سے آنے جانے والے لوگوں کے لئے قرنطینہ قائم کیا گیا تھا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ریاست پالن پور
اس متعدی مرض سے بالکل محفوظ رہی۔

طاعون کا پہلا حملہ

سترہویں صدی کے طاعون کے بعد ایک مدت تک پالن پور میں امن وامان رہا لیکن فروری
سنہ ۱۸۹۷ء میں ممبئی سے ایک طاعون زدہ مہاجن نے آکر یہاں پلیگ کا بیج بویا۔ چونکہ یہ وبا ایک آگ ہے
جہاں بھڑکتی ہے، دور تک صفایا کردیتی ہے اس لئے ہز ہائنس نے اسکے تدارک کے لئے ڈیسہ سے
ایک تجربہ کار ڈاکٹر کلیولینڈ کو بلایا۔ اس ڈاکٹر کی کوشش سے چار مہینے کے اندر یہ بھڑکتی ہوئی آگ
بظاہر دب گئی۔ اس پلیگ میں وبائی مریضوں کی تعداد ایکسو اکتالیس تھی جن میں سے نوے ہلاک ہوئے

طاعون کا دوسرا حملہ

پچھلے مہینوں میں طاعون کے کیڑے جو عارضی طور پر پوشیدہ ہوگئے تھے، بارش شروع
ہوتے ہی سبزۂ خودرو کی طرح زمین سے پھوٹ نکلے۔ اور یکے بعد دیگرے شہر کے تمام محلوں کو گھیرنا شروع
کردیا۔ جب اگست میں طاعون کا نہایت سخت زور ہوگیا اور موت سے گھر کے گھر صاف ہونے لگے تو ہز ہائنس
نے پریشان ہوکر اپنی عزیز رعایا کی جانبری کے لئے گورنمنٹ میں ایک تجربہ کار اور لائق یوروپین ڈاکٹر کے لئے
درخواست کی چنانچہ ماہ ستمبر ۱۸۹۷ء میں ڈاکٹر مارسن شہر پالن پور آکر اسپیشل پلیگ آفیسر مقرر ہوئے

ڈاکٹر صاحب نے پالن پور آتے ہی شروع شروع میں یہ کارروائی کی کہ جس گھر میں طاعون کی واردات
ہوئی تھی اسمیں باحتیاط ڈس انفیکٹ اور سفیدی کرادیا کرتے تھے۔ لیکن اس عمل سے خاطرخواہ نتیجہ پیدا نہ ہوا
بلکہ طاعون برابر پھیلتا رہا اور اسکی واردات روز بروز زیادہ ہی ہوتی چلی گئیں۔ یہانتک کہ ۲۸ اکتوبر کو ممبئی پریسیڈنسی

کے پلیگ کمشنر و نگیٹ صاحب بہادر مع سرجن جنرل ہے صاحب کے دورہ کرتے ہوئے پالن پور تشریف لائے اور اشتداد طاعون کی کیفیت دیکھکر ڈاکٹر رینیر کو یہ مشورہ دیا کہ

"تاوقتیکہ شہر بالکل خالی نہ کرادیا جائیگا، طاعون کا کامل انسداد غیر ممکن ہے۔"

پلیگ کمشنر بہادر کے تشریف لیجانے کے بعد ڈاکٹر رینیر نے ہز ہائنس کی منظوری سے دو روز کے عرصہ میں تمام شہر خالی کرادیا جسکا اطمینان بخش نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ پلیگ جرمس (طاعون کے کیڑے) نابود ہونے لگے۔ شہر کی ہوا صاف ہوتی چلی اور طاعون کی وارداتیں ہونی بھی موقوف ہوگئیں۔ بعدازاں ایک ایک گھر ادویات کے ذریعے سے ڈس انفکٹ اور وائٹ واش کیا گیا اور ۱۵ دسمبر سے شہر کی آبادی شروع ہوگئی۔

۲۴ دسمبر ۱۸۹۷ء کو شام کے پانچ بجے دروازۂ سلیم پورہ کے باہر ڈاکٹر رینیر باشندگان شہر کو داخلۂ شہر کے پاس تقسیم کرکے گھوڑے پر سوار ہونے لگے۔ ہنوز دوسرا پاؤں رکاب میں رکھنے بھی نہ پائے تھے کہ دفعتہً ڈاکٹر صاحب پر ایک جاہل اور ناعاقبت اندیش راجپوت سوریا نے تلوار کا وار کیا۔ خوش قسمتی سے تلوار ٹوپی پر لگی اور ڈاکٹر صاحب بال بال بچ گئے۔ بیوقوف راجپوت یہ سمجھکر کہ میری تلوار کام کرگئی، بھاگ گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد گرفتار کرلیا گیا اور ریاست کی طرف سے مقدمہ قائم ہوکر اسکو پانچ برس کی سزائے قید دی گئی۔

طاعون نے پالن پور سے دفع ہوکر قرب وجوار کے دیہات کی طرف قدم بڑھانا شروع کیا اور بہت سے گاؤں میں اپنا زہری اثر پھیلایا لیکن گاؤں خالی کردینے کا علاج ایسا مفید اور فائدہ بخش ثابت ہوا کہ اس وبائے مردم خوار کا قدم جمنے نہ پایا اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تمام دیہات میں امن وامان قائم ہوگیا۔ جو تدابیر دفعیہ طاعون کے لئے شہر میں برتی گئی تھیں، دیہات میں بھی اسی کا استعمال کیا گیا تھا۔

چونکہ پالن پور کے باشندے وبائے طاعون کی ماہیت۔ اسکے پیدا ہونے کے اسباب اور اس کے

دفعیہ کی تدابیر سے بالکل ناواقف تھے اس لئے ان کو بہت زیادہ نقصان اُٹھانا پڑا یعنی شہر اور دیہات میں مل کر ۱۵۵۶ واردا تیں اور ۱۰۸۷ فوتیاں وقوع میں آئیں۔

اسموقع پر ریاست نے دفعیہ طاعون کے لئے ایک لاکھ روپیہ خرچ کیا شہر اور دیہات کے بہت سے بھوکوں کو کھانا۔ محتاجوں کو روپیہ پیسہ اور صاحب احتیاج لوگوں کو ضرورت کی چیزیں بطور امداد کے دیجاتی تھیں علاوہ ازیں شہر خالی ہونے کے زمانہ میں خالی شہر میں رعایا کے مکانوں کا اور شہر کے باہر جھونپڑوں پر چوکی پہرہ کا ایسا عمدہ انتظام کیا گیا تھا کہ کسی کا کچھ نقصان نہیں ہوا۔

اخیر میں ہمکو ڈاکٹر رینیر کی جانفشانی۔ کوشش اور عمدہ تدابیر کا اعتراف کرنا چاہیے جنہوں نے اپنی مساعی جمیلہ سے نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض کو ادا کیا اور رعایا میں کسی قسم کی بدامنی یا بددلی پھیلنے نہ دی جسکا ایسے موقعوں پر اندیشہ ہوا کرتا ہے۔ پالن پور میں امن وامان قائم ہونے کے بعد ڈاکٹر صاحب نہایت کامیابی کے ساتھ ۱۳ مئی ۱۸۹۸ء کو یہاں سے کراچی تشریف لے گئے۔ چونکہ طاعون کے زمانہ میں ڈاکٹر صاحب نے اپنے عمدہ برتاؤ سے عام ہر دلعزیزی پیدا کر لی تھی اس لئے رخصت کے وقت مراسم مشایعت ادا کرنے کیلئے شہر کے معززین کا بہت بڑا مجمع اسٹیشن پر موجود تھا۔

طاعون کا تیسرا حملہ

جب موضع بسوادل علاقہ پالن پور میں ماہ فروری ۱۸۹۶ء طاعون کا شیوع ہوا تو گاؤں خالی کرنیکے بعد مکانات کو ڈس انفیکٹ کرنا شروع کیا۔ چونکہ ڈس انفیکٹنگ پارٹی پالن پور سے بھیجی گئی تھی اس لئے اس میں سے ایک شخص طاعون میں گرفتار ہو کر اپنے گھر پالن پور چلا آیا اور طاعون کے زہری اثر سے محلہ کو خراب کر دیا لیکن ابھی طاعون نے اس محلہ سے باہر قدم نہ نکالا تھا اور صرف پانچ سات ہی وارداتیں ہونے پائی تھیں کہ تمام محلہ جس میں ڈیڑھ سو گھر تھے یک لخت خالی کر دیا اور احتیاطاً اُس محلہ کے راستے بند کرا کے انہیں آنے جانیکے لئے سخت ممانعت کر دی۔ تقریباً سوا مہینے کے بعد جب پلیگ کا اثر بالکل جاتا رہا تو وہ محلہ آباد کیا گیا۔ اسدفعہ تمام محلہ دو دفعہ ڈس انفیکٹ کیا گیا تھا اور طاعون کے کیڑوں کو ہلاک کرنے کے لئے اسوقت تک جو جو تدبیریں پیدا ہو چکی تھیں

ان میں سے کوئی فروگزاشت نہیں کی گئی تھی۔

طاعون کا چوتھا حملہ

۱۹۰۳ء میں جبکہ پالن پور کے قرب و جوار مثلاً ویسانگر اور بڑنگر وغیرہ علاقہ جات گائکواڑ میں طاعون نے آگ لگا رکھی تھی اور بڑی شدت کے ساتھ مری پھیلی ہوئی تھی تو لوگ وہاں سے بھاگ بھاگ کر پناہ کے مقامات ڈھونڈھتے پھرتے تھے اور جسکا جہاں سینگ سماتا تھا گھس جاتا تھا۔ اگرچہ ان مقامات پر بہت کچھ روک ٹوک تھی لیکن یہ آلودہ طاعون لوگ کسی نہ کسی ترکیب سے پاک و صاف مقامات کو بھی گندہ اور مخلوق کو پراگندہ کر ہی دیتے تھے۔

شروع شروع میں کچھ دنوں تک ہز ہائنس کے بیدار مغزانہ انتظامات نے پالن پور کو اس بلا سے بالکل محفوظ رکھا کیونکہ اول تو ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کا معائنہ ہوتا تھا اور پلیگ زدہ مقامات سے شہر میں آنے والوں کے لئے دس روز کا قرنطینہ بھی لگا دیا گیا تھا۔ دوسرے جو لوگ مبتلائے طاعون معلوم ہوتے تھے یا جن پر طاعون کا شبہ ہوتا تھا، انہیں سیگریگیشن کیمپ میں رکھا جاتا تھا۔ لیکن جب قرب و جوار میں طاعون نے زور کیا اور لوگوں میں بھاگڑ پڑ گئی تو پالن پور میں بھی لوگ زیادہ آنے لگے۔ چونکہ ریلوے اسٹیشن کے انتظام سے کامل اطمینان تھا اس لئے شہر پناہ کے دروازوں پر کوئی خاص بندوبست نہیں کیا گیا تھا۔ پناہ کے متلاشیوں نے یہ امر غنیمت سمجھا اور پیدل راستے اکثر چپ چپاتے شہر میں داخل ہو جانا شروع کر دیا۔

آخر کار پالن پور کی صحت بخش ہوا اُن فاسد واقعات کے فرو کرنے میں قاصر ہو گئی جن کو طاعون زدہ یا طاعونی مقامات سے آنے والے لوگوں نے پیدا کر دیا تھا اور اب قاعدہ کے موافق طاعون کا اثر چوہوں پر ہونے لگا۔ لیکن کم عقل جہلا نے کچھ تو ان چوہوں کے مرنے کی پروا نہ کی اور جو کی بھی تو اپنے ہی تک محدود رکھی۔ نہ سرکار میں اطلاع کی اور نہ کسی دوسرے عاقل اور دور اندیش سے اسکا ذکر کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۳ء کو پلیگ نے ایک ناگر بنئے کی لڑکی پر اپنا اثر کیا اور دو اور عورتوں کو بھی اپنے آتش فشاں حلقہ میں لے لیا۔ جب یہ اطلاع سٹی پولس فوجدار کو ملی تو انھوں نے ہز ہائنس کی منظوری حاصل کر کے راتوں رات سارے کے سارے

محلہ کو جس میں تیس گھر بستے تھے اسیگریگیشن کیمپ میں بھیج دیا اور دونوں طاعون زدہ عورتوں کو سلیم پورہ کے دروازہ کے باہر بڑی شیڈ میں لے گئے۔

طاعون کی نرم سوز آگ کا قاعدہ ہے کہ یہ اندر ہی اندر سلگتی ہے اور جب تک اسکے شتابے یعنی طاعون زدہ مریض یا چوہے ایک جگہ سے دوسری جگہ نہیں پہنچتے یہ مقامی ہی رہتی ہے لیکن چونکہ جان بڑی پیاری چیز ہے آدمی اور جانور سب ہی جان بچانیکے لئے جائے امن ڈھونڈتے ہیں اس لئے کچھ طاعون زدہ مریضوں نے اور زیادہ تر چوہوں نے شرر افشانی کی اور ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں بھاگے۔ خود تو مرے یا جئے مگر اوروں کو مرنے سے بدتر کر دیا۔ جب شہر میں طاعون کا زور زیادہ دیکھا تو ہز ہائنس نے دفعیہ طاعون کے لئے اہلکاران ریاست سے مشورہ کیا۔ صلاح یہ قرار پائی کہ ولیعہد بہادر کی سرپرستی میں ایک پلیگ کمیٹی قائم کرکے اسے پلیگ کے متعلق کامل اختیارات دیئے جائیں چنانچہ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۲۲ نومبر ۱۹۰۳ء کو ہوا۔ ولیعہد بہادر پریسیڈنٹ اور سات اعیان ریاست ممبر مقرر کئے گئے جن میں مدارالمہام صاحب اور ڈاکٹر صاحب ریاست بھی شامل تھے۔

کمیٹی کی پہلی نشست میں بہت سے مفید قوانین وضع ہو کر اطلاع عام کے لئے چھپوا دئے گئے اور تمام شہر کو پانچ حلقوں میں تقسیم کرکے ہر ایک حلقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ سپروائزر مقرر کیا۔ اگرچہ یہ مفید پیش بندیاں بڑی حکمت عملی کے ساتھ عمل میں آ رہی تھیں۔ طاعون زدوں کو شہر سے باہر رکھتے تھے اور جس محلہ میں طاعون کا اثر ہوتا تھا وہ تمام و کمال خالی کرا دیا جاتا تھا تاہم طاعون دن بدن ترقی پر تھا۔

یہ کیفیت دیکھکر پلیگ کمیٹی کو زیادہ تردد ہوا اور اب سوائے اسکے کوئی علاج نظر نہ آیا کہ ڈاکٹر رینر کے چلتے ہوئے نسخہ پر عمل کرکے تمام شہر کو یک لخت خالی کرا دیا جائے چنانچہ ۲۵ نومبر کو شہر کے گلی کوچوں میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ

"یکم دسمبر کو شہر کے دروازے بند کر دئے جائیں گے جس کو شہر سے نکلنا ہے فوراً نکل جائے۔"

یہ اعلان کچھ ایسے زبردست حکم کے ساتھ کیا گیا تھا کہ یکم دسمبر سے پہلے ہی پہلے تمام شہر خالی ہو گیا۔

ولیعہد بہادر نے جس خوبصورتی اور بیدار مغزی سے پلیگ کے دفع کرنے اور ریاست میں ہر طرح سے امن و امان قائم رکھنے کا انتظام کیا تھا اس نے صرف رعایا کے دل ہی میں گھر نہیں کیا بلکہ ہر سیاست مدن کے جاننے والے سے تحسین و آفرین کا سارٹیفکیٹ بھی حاصل کر لیا۔ اس عمدہ انتظام کا نتیجہ یہ ہوا کہ فقط پانچ ہی مہینے میں طاعون کا اثر تک باقی نہ رہا اور شہر کی اٹھارہ ہزار آبادی میں سے صرف اٹھاسی آدمی ضائع ہونے پائے۔

شہر پالن پور کے ساتھ ہی ساتھ دیہات متعلقۂ پالن پور میں بھی طاعون زدہ مریضوں نے جا جا کر برکت پھیلانی شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس بلا نے بہت سے گاؤں گھیر لئے لیکن ولیعہد بہادر نے مفصلات کے تحصیلداروں اور فوجداروں کے نام تاکیدی احکام جاری کئے اور انہیں ان ہی تدابیر پر عمل کرنے کے لئے توجہ دلائی جو شہر پالن پور میں زیر عمل تھیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ عالمگیر وبا کل علاقہ پالن پور سے دفع ہو گئی اور تمام دیہات میں مل جل کر صرف ایکسو بارہ اشخاص طاعون سے مرے۔

۱۴ دسمبر کو ڈس انفیکشن شروع ہوا اور ڈیڑھ دو مہینے تک شہر کے گھر گھر کو جب اچھی طرح پاک و صاف کر لیا تو ۱۵ فروری ۱۹۰۴ء کو شہر کی آبادی شروع ہو گئی اور پندرہ سولہ روز کے اندر اندر بتدریج کل شہر آباد ہو گیا۔ ہز ہائنس بھی جو اب تک شہر سے باہر امیر باغ میں اقامت گزیں تھے شہر میں رونق افروز ہوئے۔ اس دفعہ طاعون کے دفعیہ میں صرف پندرہ ہزار چھ سو چوراسی روپیہ خرچ ہوا جو طاعون کے تیسرے حملہ کی بہ نسبت چوراسی ہزار تین سو سولہ روپیہ کم ہے اور جس سے ولیعہد بہادر کی خوش انتظامی اور عمدہ لیاقت کا کافی ثبوت ملتا ہے۔ نیز پلیگ کے اس حملہ میں چوکی پہرہ کا انتظام جس خوبصورتی اور سلیقہ مندی سے کیا گیا تھا وہ قابل قدر ہے۔

اس موقع کی خوش انتظامی کا بین ثبوت یہ ہے کہ شہر میں امن و امان قائم ہونے کے بعد ولیعہد بہادر کی عمدہ کارروائیوں کی نسبت تحسین و آفرین کا ایڈریس تمام رعایائے شہر کی طرف سے ایک جلسۂ عام میں

پیش ہونے کی تجویز کی گئی تھی بلکہ ایڈریس اور طلائی صندوقچہ وغیرہ تیار ہوکر بھی آگیا تھا مگر افسوس کہ مکروہات زمانے نے رعایا کے اس دلی جوش کے اظہار کا موقع نہ دیا۔

طاعون کا پانچواں حملہ

سنہ ۱۹۰۶ء میں طاعون نے اپنی کمینگاہ سے نکل کر پھر پانچویں دفعہ پالن پور پر حملہ کیا۔ اس وقت طاعون زدہ ایک مریض مقام اونجھا علاقہ گائکواڑ سے آکر شہر میں داخل ہوگیا تھا جس نے اپنے زہری اثر کو پالن پور کے باشندوں میں بہت ہی سرعت کے ساتھ تقسیم کرنا شروع کیا۔ اواخر ماہ ستمبر میں طاعون کی پہلی واردات ہوئی۔ افسوس کہ اس دفعہ کوٹھاری سوبھاگچند ویچی نائب مدار المہام ریاست بھی نذر طاعون ہوگئے کوٹھاری صاحب نہایت لایق۔ متدین اور ہر دلعزیز اہلکار تھے۔ آپ کے ضایع ہونے کا ریاست اور رعایا کو سخت افسوس ہے۔

اس طاعون کے دفعیہ کے لیے بھی وہی انتظام کیا گیا تھا اور وہی تدابیر عمل میں لائی گئی تھیں جو لیبھر بہادر نے سنہ ۱۹۰۳ء کے طاعون میں برتی تھیں۔ ماہ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء میں شہر خالی کیا گیا اور ڈس انفیکشن وغیرہ ہوکر ماہ فروری سنہ ۱۹۰۷ء میں آبادی شروع ہوئی۔ اس طاعون کا اثر بھی بہت سے دیہات میں ہوا تھا۔ کل واردات ۱۰۲۲ ہوئیں ان میں سے ۹۷۷ آدمی ضایع ہوئے اور اخراجات میں تیئس ہزار (۲۳۰۰۰) روپیہ صرف ہوا[۵۱]۔ اسوقت پلیگ کمیٹی کے پریسیڈنٹ مسٹر اودھوجی گھیلا بھائی اپیل جج ریاست مقرر کیے گئے تھے۔

واقعات قحط

سمت ۱۹۵۶ کا عالمگیر قحط

ہندوستان کے اور مقامات کی طرح پالن پور کی رعایا کو بھی اکثر اوقات خشک سالیوں اور

[۵۱] چونکہ دفعیہ طاعون کی تدابیر سے اب لوگ بخوبی واقف ہوگئے ہیں اس لیے طاعون کے دوسرے حملہ کے بعد کل طواعین کے زمانہ میں ریاست کو نسبتاً کم خرچ کرنا پڑا ہے تاہم اسموقع پر ہز ہائنس دیوان صاحب کی دریا دلی کے سبب غربا کی امداد و آسائش کے لیے جیب خاص سے جو بہت بڑی رقم صرف کرتے رہے ہیں وہ اس سے الگ سمجھنی چاہیے ۱۲ المولفہ

قحطوں کی مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان قحطوں کا تذکرہ بجائے خود جہانتک پتہ چل سکا اس تاریخ میں کر دیا گیا ہے مگر سمت ۱۹۵۶ مطابق ۱۸۹۹ء کے عالمگیر اور قیامت خیز قحط نے جس طرح ممالک دکن۔ گجرات۔ مالوہ۔ سندھ اور راجپوتانہ کو تہ و بالا کر دیا تھا اپنی نحوست سے پالن پور کو بھی تباہ و برباد کر ڈالا۔ یہ قحط نہ تھا بلکہ خدا کا قہر تھا جو پانی کے بدلے آسمان سے برساتھا۔ اناج تو کیا گھاس پھوس بھی کھانے تک کو نہ ملتی تھی۔ حلال حرام تھا اور حرام حلال ہو گیا تھا جنگل صحرائے افریقہ کا نمونہ بن گیا تھا خاک تک پھانکنے کو میسر نہ آتی تھی اور اسپر طرہ یہ تھا کہ جس طرف اور جہانتک نظر کام کرتی تھی یہی رستخیز نظر آتا تھا۔ آس پاس کا کوئی علاقہ ایسا نہ تھا کہ جہاں اس مردم خوار بلا نے اپنا نشیمن نہ بنایا ہو۔

ملک کی یہ حالت دیکھکر ۲۱ اگست ۱۸۹۹ء کو ہز ہائنس کی طرف سے فیمن ریلیف ورکس کی ابتدا کی گئی اور پالن پور سے شمال کی جانب مان سرور تالاب کی کھدائی کا کام مسٹر ڈبلیو۔ ای کلارک کے زیر اہتمام شروع کیا گیا۔ چونکہ تھوڑے ہی عرصہ میں قحط زدگان کی تعداد زیادہ ہو گئی اس لئے شیر ساگر عرف گوبری تالاب پر بھی کام جاری ہوا لیکن جوں جوں امساک باراں ہوتا گیا یہ دونوں کام ناکافی ثابت ہوتے گئے اور کل علاقہ میں سات مقامات پر فیمن ریلیف ورکس کھولے گئے۔ تاہم اس کمبخت قحط نے چین نہ لینے دیا اور آخر کار بعض اندرونی پیچیدگیوں اور پولٹیکل معاملات سے مجبور ہو کر ریاست نے ہز ہائنس کی منظوری سے ۱۰ دسمبر ۱۸۹۹ء کو فیمن ریلیف ورکس کا چارج مسٹر پی۔ ایس۔ وی فٹز جیرلڈ صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور (حال ایجنٹ گورنر بمبئی کاٹھیاواڑ) کے تحت میں دے دیا۔ اگرچہ اسوقت تک قحط کی زیادتی کے ساتھ ساتھ فیمن ریلیف ورکس کا کام بھی بہت بڑھ گیا تھا یہانتک کہ کل ریاست میں انیس مقامات پر ریلیف ورکس کھولے جا چکے تھے لیکن صاحب ممدوح نے اب یہ کام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی بجائے انیس مقامات کے صرف چار جگہ ریلیف ورکس قائم کرکے تمام قحط زدہ لوگوں کو وہیں بلوا لیا۔

ریاست نے جو مقامات تجویز کرکے جس اسکیل پر ریلیف ورکس کو جاری کیا تھا وہ آئندہ رعایا اور ریاست کے

حق میں نہایت مفید اور نفع بخش ثابت ہوتی لیکن نہ معلوم کس خیال اور کس مصلحت سے صاحب موصوف نے اس دور اندیشانہ اور فیض رساں تجویز کو درہم و برہم کرکے اُس عاقلانہ ترتیب اور عمدہ انتظام میں ابتری پیدا کر دی جس کے لئے رعایا کی سوشیل حالت اور مورل طاقت کے جاننے والے اہلکاران ریاست اور دردمند والی ریاست نے بڑی دماغ سوزی کی تھی۔ ظاہری اسباب پر نظر کرکے معمولی عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ بجائے انیس مقامات کے چار مقامات پر ریلیف ورکس کہاں تک اور کسقدر مفید و کار آمد ثابت ہو سکتے ہیں۔

ان چاروں مقامات میں ایک ڈلیہ کی سڑک کا کام تھا اور باقی مان سرور تالاب۔ گوبری تالاب اور موضع جگانہ کے تالاب کی کھدائی کے کام تھے اور لطف یہ کہ بہت سے انجینیر۔ اور سیر۔ سپروائزر اور میڈیکل عہدہ دار بھی ملازم رکھ لئے گئے تھے۔ علاوہ ازیں جب ۱۸۹۹ء و ۱۹۰۰ء کے اخیر میں چھپراسنی۔ ہرملیسر مان سرور۔ گوبری اور ڈلیہ روڈ کا کام جاری تھا تو چھپراسنی۔ پالن پورہ ڈلیہ اور ہرملیسر ان چار مقامات پر محتاج خانے کھول کر کل ریاست میں بائیس سرکل قائم کئے گئے اور ہر سرکل کا ایک ایک انسپکٹر مقرر کیا گیا تاکہ اپنے اپنے علاقہ میں گشت کرکے مزدوری کے قابل اشخاص کو مزدوری پر لگائیں اور باقی کو محتاج خانوں میں داخل کریں۔

ریاست کی پولیٹکل حالت پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ ہوا بظاہر اچھا ہی ہوا مگر سرکل انسپکٹر مقرر کرکے کوتاہ اندیش اور کم عقل رعایا یا ریاست کو سست و کاہل بنانے کے علاوہ ریاست پر مفت کا بار ڈالنا اور ڈاکٹر اور سیر انجینیر اور سپروائزر وغیرہ ملازم رکھکر ریاست کو فضول اخراجات سے تباہ کرنا نہیں معلوم کن عمدہ اصول پر مبنی تھا اور کیا مفاد اس سے مدنظر تھا جس وقت تک ریلیف ورکس کا کام ریاست کے ہاتھ میں تھا، صرف ایک لاکھ ننانوے ہزار ایکسو ستر روپیہ پانچ آنہ نو پائی خرچ ہوئے تھے لیکن پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے چارج میں اس کام کے اخراجات سات لاکھ ستاسی ہزار تہتر روپیہ گیارہ آنہ چار پائی تک پہنچ گئے تھے۔ اس حساب سے

اس ایک قحط میں ریاست نے نو لاکھ چھیاسی ہزار ایکسو نوے روپیہ تیرہ آنہ دس پائی خرچ کیے۔

یہ معتدبہ رقم جس کی بدولت ریاست کی مالی حالت بہت ہی نازک ہوگئی اور ابتک پنپنا نصیب نہیں ہوا ہے، اگر اسی کام میں دور اندیش آنکھوں کی نگرانی میں خرچ ہوکر کنوؤں اور باولیوں کی کھدائی وغیرہ وغیرہ مفید ملک کاموں میں صرف ہوتی تو اسوقت بجائے اسکے کہ ریاست قرضدار دکھائی دیتی، اسکی سالانہ آمدنی میں بہت سا اضافہ ہوجاتا لیکن جو کچھ ہونا تھا، ہوا۔ اس قحط کے زمانہ میں ایک وقت کام کرنے والوں کی تعداد تخمیناً ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

رئیس اور رعایا میں تعلقات کے جو رشتے ہیں وہ ایک رعایا پرور، حق پسند اور خدا ترس رئیس کے لیے مقناطیسی ڈوریاں ہیں، جن سے اسکا دل کھنچ کھنچ کر رعایا کے درد کے ساتھ دردمند اور رعایا کی خوشی کے ساتھ خوش ہوتا ہے۔ اور بات بھی یوں ہی ہے کہ وہ ظل اللہ ہی کیا جس میں شانِ جلالی کی جھلک کے ساتھ جمالی کا پرتو نہ ہو۔ رحم خدا کا ایک خاص عطیہ ہے جو صرف اُن برگزیدہ بندوں کو دیا جاتا ہے جنکا ظرف اسکے قابل ہو ورنہ یہی رحم جسکو خدا کا فضل کہنا چاہیئے، خدا کا قہر ہوجاتا ہے۔ ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہز ہائنس خلد اللہ ملکہم نے اسوقت تک خدا کے اس پرتاثیر عطیہ کو اُسی طرح استعمال کیا ہے جو اسکا حق ہے۔ چنانچہ ذیل کی دونوں تصویروں کا جن میں سے ایک زمانہ قحط سالی سے پہلے کی اور دوسری بعد کی ہے، آپس میں مقابلہ کرنے سے صاف معلوم ہوجائے گا کہ ہز ہائنس نے اس قحط سالی میں اپنی رعایا کی طرف سے کس درجہ صدمہ اُٹھایا ہے اور اس کی غمخواری میں اپنا کیا درجہ کرلیا ہے۔ درحقیقت رعایا پروری اور غربا نوازی اسی کا نام ہے۔

ہز ہائنس نے اس قحط کے موقع پر خزانہ کا مُنہ کھول کر صرف ریلیف ورکس ہی میں روپیہ کو ٹھیکری نہیں سمجھا بلکہ اس قحط کی مصیبت رفع ہونیکے بعد بھی نیم مردہ زمینداروں اور قریب المرگ کاشتکاروں کو روپیہ کی بارش سے بہت کچھ تقویت دی یعنی زرتقاوی دینے میں بڑی فراخ حوصلگی اور علو ہمتی سے کام لیا۔ یہ زرتقاوی معتبر تحصیلداروں اور دوسرے معزز افسروں کو پرگنات اور دیہات میں بھیج بھیج کر تقسیم کرایا تھا۔

هزهائينس
(قبل از قحط سالي سمت ١٩٥٦)

ہزہائینس
(بعد از قحط سالی سمت ۱۹۵۶)

سمت ۱۹۵۸ کا قحط

سمت ۱۹۵۸ میں بھی ریاست کو ایک چھوٹی سی قحط سالی کا سامنا ہوا تھا۔ اُس سال بارش تو ہوئی تھی مگر مقدار سے کم اور غیر وقت۔ اس علاقہ میں اگر بارش اوسطاً تیس انچ ہو جائے تو فصلیں بہت اچھی ہوتی ہیں لیکن اس دفعہ اول تو یہ بارش گیارہ انچ اکیس سینٹ ہوئی جو مقدار اً کم ہے۔ دوسرے ایک ہی دفعہ۔ اگر یہی بارش مختلف اوقات میں تھوڑی تھوڑی ہوتی تو ضرورت کے وقت نعمت تھی۔ علاوہ ازیں موسم کے آخری حصہ میں جبکہ بارش کی سخت ضرورت ہوا کرتی ہے، پانی کا ایک چھینٹا بھی نہ پڑا۔ طرہ اس پر یہ ہوا کہ جوار اور باجرہ کی زراعت جو کچھ ہوئی تھی اسکو بھی چوہے کھا گئے اور ٹڈیاں چاٹ گئیں۔ اس سال علاوہ ٹڈیوں کے ریت کے ذرّے چوہے بن کر ابل پڑے تھے اور دکن سے لے کر پنجاب تک جنگلوں میں چوہے ہی چوہے نظر آتے تھے کوئی کھیت ایسا نہ تھا جو اس آفتِ ارضی سے محفوظ رہا ہو۔ پرانے پرانے لوگوں کا بیان ہے کہ ہم نے اس قسم کے اور اتنے چوہے کبھی نہیں دیکھے۔

اس موقع پر بھی ریاست کی طرف سے ایک محتاج خانہ کھول دیا گیا تھا اور جن جن لوگوں کو ضرورت تھی انہیں زرِ تقاوی بھی دیا گیا تھا۔ نیز روہو سے انباجی ماتا تک جانے کے لیے جو راستہ ہے وہاں ریلیف ورکس بھی کھولا گیا تھا۔ اور اب روہو سے سرحد پالن پور کے اندر انباجی ماتا جانے کے لیے پختہ سڑک بن گئی ہے۔ اس قحط سالی میں ہز ہائنس نے اپنی فیاضی اور رعایا پروری سے باوجود ریاست کی مالی حالت نازک ہونے کے تقاوی اور ریلیف ورکس میں بہت سا روپیہ خرچ کیا تھا۔

قوانین اور عہدناموں میں ترمیم و تنسیخ

جب طرزِ سیاست سمجھ میں آجاتا ہے اور اسکی خصوصیتوں پر نظر جم جاتی ہے تو قوانین پاس شدہ کے حسن و ذم پر بھی تحقیق کی برقی قوت کا اثر ہونے لگتا ہے۔ اسی لحاظ سے ہز ہائنس نے اپنے روشن زمانہ میں

بہت سے قوانین پر محققانہ نگاہ ڈال کر ترمیم و تنسیخ کے سانچوں میں ڈھالا ہے جس کی مختصر تاریخی کیفیت درج ذیل کی جاتی ہے۔

ضابطۂ ولتر میں ترمیم

راجپوتانہ کی ریاستوں کی طرح علاقۂ پالن پور میں بھی مال مسروقہ کے استرداد (ولتر) کی بابت ضابطۂ سراغرسانی پر عملدرآمد کیا جاتا تھا۔ سنہ ۱۸۸۱ء میں یہاں اس قانون کو منسوخ کر کے ضابطۂ استرداد مال مسروقہ (قانون ولتر) مجریہ ایجنسی کاٹھیاواڑ کے اجرا کا اعلان کیا گیا لیکن ان مقدمات کے اپیل سننے کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب پالن پور کا اجلاس تجویز ہوا اور یہ امر چند وجوہات سے اہلیان ریاست کے لئے قابل تامل تھا، اس لئے ایک طویل بحث کے بعد اپیل سننے کا حق بھی ریاست ہی کو مل جانے سے علاقۂ پالن پور میں اس دستور العمل کا اجرا ہوا۔

لیوی کے عہدنامہ میں تبدیل

دیوان فتح خان[۱۵] نے اپنی حکومت کے زمانہ میں سرکار ایسٹ انڈیا کمپنی سے ۲۸ نومبر سنہ ۱۸۱۷ء مطابق سمت ۱۸۷۴ کو ایک معاہدہ کیا تھا جس کی نقل تاریخ عہدنامجات کی جلد ششم متعلقہ اضلاع احاطۂ مبئی میں

---

[۱۵] کچھ تو پالن پور کے رئیس معزول دیوان شمشیر خان کی داد و دہش۔ خود سری۔ بغاوت اور خانہ جنگی کے باعث اور کچھ قلت محاصل خراج کے سبب دیوان فیروز خان شہید کے زمانہ سے ریاست کے معاملات مالی و ملکی دونوں ایسی ابتر حالت میں پڑے ہوئے تھے جن کی اصلاح کسی صاحب قوت منتظم کی مداخلت کے بغیر دشوار تھی اس لئے دیوان فتح خان کی مسند نشینی کے وقت خیر خواہان ریاست نے ریاست کا کل کاروبار ان کی سرپرست و مددگار ایسٹ انڈیا کمپنی کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ مگر دیوان فتح خان کے سن بلوغ کو پہنچتے ہی سرکار کمپنی بہادر نے اس مداخلت میں کمی شروع کر دی اور مرقومہ متن معاہدے کی تکمیل کے بعد سرکار انگلشیہ کا عمل و دخل روز بروز کم ہوتا گیا۔ چنانچہ سمت ۱۸۹۹ میں دیوان فتح خان کو مقدمات دیوانی و فوجداری میں فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے اختیارات عطا ہوئے اور دیوان زورآور خان کے عہد حکومت یعنی سمت ۱۹۳۰ میں صیغۂ مال سے گورنمنٹ انگریزی کی کفالت بھی اٹھ گئی۔ بعد ازاں سمت ۱۹۴۲ یعنی ہز ہائنس سر شیر محمد خان بہادر کے عہد مبارک میں یہ لیوی کا لشکر جسپر گورنمنٹ انگریزی کی حکومت تھی حسب دلخواہ ریاست کے قبضہ میں آگیا چونکہ اس نگرانی کے موقوف ہو جانے سے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ بہادر کو ریاست سے کسی قسم کا حاکمانہ تعلق باقی نہیں رہا ہے اس وجہ سے اس معاہدہ کو تاریخی واقعات کے سلسلہ میں اس ریاست کی آزادی کا روز اول خیال کرنا چاہئے۔

مندرج ہے۔ اس عہدنامہ کی شرط دوم کی رو سے ڈھائی سو سوار تیس تیس روپیہ ماہانہ پر ایک یوروپین افسر کی نگرانی میں جسکی تنخواہ چھ سو روپیہ تھی بھرتی کئے گئے تھے تاکہ والی ریاست اپنی جان و مال کی حفاظت کے ساتھ لٹیری اور غارتگر اقوام سے رعایا کو مامون رکھ سکے۔ نیز معزول الحکومت رئیں دیوان شمشیر خان سے بھی چنداں خوف نہ رہے۔

اس یوروپین افسر کے بعد ان سواروں کی تعداد اور تنخواہ میں بہت کچھ تبدل و تغیر ہوتا رہا۔ یہانتک کہ بجائے ڈھائی سو سوار کے ڈیڑہ سو سوار اور سو پیدل رکھے گئے۔ ان سواروں کے لئے کرنل ای۔ پی۔ آرتھر صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ نے لیوی کا لقب تجویز کیا تھا۔ چنانچہ اسوقت سے تحریر و تقریر میں عام طور پر یہ لشکر لیوی (درباری ملازمت کی سپاہ) کہلاتا تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد ہز ہائنس کی استدعا سے معاہدہ سابقہ کی شرطوں کی ترمیم و تجدید ہو کر سرکار انگریزی نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو اس فوج کا انتظام خاص ریاست ہی کے سپرد کر دیا۔

جب یہ فوج ہز ہائنس کے اختیار میں آگئی تو آپ نے اسکے ملازم سپاہیوں سے رگیولر پولس تیار کیا اور بجائے سات ہزار روپیہ کے جسکی صورتیں بدلتے بدلتے پولٹکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کا مشاہرہ ہو گیا تھا حسب معاہدہ جدید[۵] نو ہزار روپیہ سالانہ گورنمنٹ کو دینا منظور فرمایا۔

محصول زکواۃ جاگیرداران ضمنی یعنی کھومیہ زمینداران ماتحت ریاست جنکی معیشت کا سہارا دوسرے ذرائع کی بہ نسبت محصول زکواۃ کی آمدنی پر زیادہ تر تھا۔ طریقۂ وصول کی بدانتظامی کے علاوہ اپنے مصرفانہ رویہ کے باعث

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ اگرچہ والیان سابق نے اپنی آزادی اور استقلال کے لئے بہت سی کوششیں کیں اور انھیں کامیابیاں بھی نصیب ہوئیں مگر جو کامیابی اس آزادی بخش معاہدہ سے موجودہ اقبالمند رئیس کو حاصل ہوئی ہے اسے رئیس کی مدبرانہ کارروائی اور فہمندانہ معاملہ سازی کے ساتھ ہی امداد غیبی کہیں تو بجا ہے۔ ۱۲۔ المولف

[۵] ریاست پالن پور کے ساتھ برٹش گورنمنٹ اور سرکار گائکوار وغیرہ نے جو جو معاہدے کئے ہیں انکی نقلیں کتاب عہدنامجات" مرتبہ ایچیسن صاحب اور "پالن پور ڈائرکٹری" مولفہ مسٹر فرامروز سہراب جی۔ بی۔ اے میں ناظرین ملاحظہ فرما سکتے ہیں اسلئے تاریخ پالن پور میں اسکے ترجمہ کی ضرورت نہ سمجھی گئی۔ ۱۲۔ المولف

اکثر ابتر حالت میں اوقات بسر کیا کرتے تھے۔ جب ان کی صورت حال پر ہز ہائنس نے غور کیا تو یہ تجویز کی کہ چند سال محصول زکواۃ کی آمدنی کا اوسط نکالا جائے اور اسکے لحاظ سے ان زمینداروں کے لئے محصول زکواۃ کے بدلے از روئے حساب ایک معیّن رقم مقرر کر دی جائے اور یہ رقم ہمیشہ سرکار کی جانب سے بلا کم و کاست بعد ثبوت استحقاق جائز ان زمینداروں کو ملتی رہے۔ چنانچہ جب یہ تجویز کامل طور سے منظور ہو چکی تو جاگیرداروں اور زمینداروں کو محصول زکواۃ کی آمدنی سے انتظاماً بے دخل کر کے تمام علاقہ میں محصول کے وصول کا کُل اختیار ریاست نے خاص اپنے قبضہ میں لے لیا۔ اور عہدنامہ منعقدہ سمت ۱۹۴۶ مطابق ۱۸۹۰ء کی رو سے چند جدید شرطوں کی باضابطہ تکمیل کے بعد راہداری مال تجارت سے محصول زکواۃ کا لینا یک لخت موقوف کر دیا۔ چونکہ اس عہدنامہ کے بموجب تمام علاقہ میں محصول زکواۃ کا ایک ہی طریقہ سے ایک ہی مقام پر لینا قرار پایا تھا اس لئے سررشتہ زکواۃ کے ملازموں کی واقفیت کی غرض سے نئے قوانین وضع ہو کر شائع کئے گئے اور ضرورتاً سررشتہ کے انتظام کے لئے ایک منصرم زکواۃ (کسٹم انسپکٹر) مقرر ہوا۔ اور صیغہ نظارت محصول کا ایک خاص محکمہ الگ قائم کیا گیا۔

قواعد میونسپلٹی — جسطرح محصول راہداری وغیرہ کو قوانین میں ردوبدل کیا گیا اسیطرح میونسپلٹی کے قواعد میں بھی ترمیم و تنسیخ کی گئی۔ اور بہت سے جدید قانون وضع اور طبع ہو کر سمت ۱۹۴۶ مطابق ۱۸۹۰ء میں شائع کئے گئے جس کے سبب سے رفاہِ عام کے کاموں میں بہت زیادہ درستی اور اصلاح ہو گئی بلکہ روز بروز ہوتی جاتی ہے۔

تمام صیغوجات میں ترمیم — ۱۸۹۱ء کے آخر تک دو برس کے عرصہ میں تمام صیغوں کے متعلق بہت سی مفید تبدیلیاں ہوئیں الگ الگ محکمہ جات قائم ہوئے۔ دستور العمل کے لئے جدید قوانین وضع کئے گئے جس سے انتظام کی صورت میں نمایاں ترقی نظر آنے لگی۔

جوڈیشیل ڈپارٹمنٹ — سمت ۱۹۴۷ میں صیغہ جوڈیشل میں اصلاح کی گئی اور انتظام جدید کی رو سے علاوہ دیگر بااختیار عدالتوں کے تھانہ گڈہ۔ تھانہ مبنا۔ تھانہ دہنالی (چتروڑہ) اور کامداری باپلا چار محکمے نئے قائم کئے گئے۔ ان چاروں عدالتوں کے دیوانی اور فوجداری کے مقدمات کی حد سماعت اور اختیارات کی کیفیت اس نقشہ سے واضح ہو گی جو اس جلد میں

بجائے خود شامل ہے۔

قوانین پولس — سمت ۱۹۴۹ میں ملازمان عملۂ پولس کے لئے جدید قوانین وضع ہوکر شائع ہوئے اوران پر باضابطہ عملدرآمد شروع کیا گیا۔

سکائی روپیہ — سمت ۱۹۵۲ میں سرکاری اعلان کے ذریعے سے سکائی روپیہ (احمدآباد کے دارالضرب شاہی کا قدیم روپیہ) کا چلن موقوف ہوکر ماہِ اساڑھ سے اہل بازار و سرکار کے کل لین دین میں سرکار انگریزی کا رائج الوقت سکہ جاری کرنے کی تجویز ہوئی۔ مگر چونکہ اس فوری تغیر سے اہلِ بازار اور تمام رعایا وغیرہ کے نقصان کے علاوہ بیوپار کی رو سے روزمرہ کے لین دین میں بھی ہرج ہونے کا احتمال تھا اس لئے سکائی روپیہ کا رواج بتدریج موقوف کرنا مصلحت سمجھا گیا اور حسب الحکم ہزہائنس ایک عرصہ تک فی صدی چار روپیہ گیارہ آنہ کے بٹے سے اسکا لین دین ہوتا رہا۔

نئے قوانین کی توضیع — اگرچہ دیوان زورآور خان کے عہدِ حکومت میں قانون فوجداری و دیوانی کتاب کی صورت میں شائع ہوچکا تھا اور اسپر عملدرآمد بھی ہوتا چلا آتا تھا لیکن ضرورتِ وقت اور مصلحتِ ملکی کے لحاظ سے ہزہائنس نے اس میں بہت کچھ تغیر و تبدل کیا ہے چنانچہ سمت ۱۹۵۵ مطابق ۱۸۹۹ء میں ان قوانین کی تجدیدی صورت دوبارہ کتابی حیثیت میں شائع کی گئی جو فی الحال ریاست کی تمام عدالتوں میں رائج ہے۔ علاوہ ازیں چند قوانین اور بھی نافذ کئے گئے ہیں جنکے نام یہ ہیں۔ قانون میعاد۔ قانون اسٹامپ۔ قانون اسلحہ۔ قانون جسٹریشن اور قانون انسدادِ مظالمِ حیوانات۔

کاریگروں پر جدید ٹیکس — سمت ۱۹۴۲ میں پالن پور کے کاریگروں کے ذمہ قدیم الایام سے جو سرکاری بیگار تھی موقوف کرکے فی کاریگر روزانہ ٹیکس مقرر کیا گیا جس سے کاریگروں کو آزادی اور عام رعایا کی تکلیف رفع ہوگئی۔ اس تجویز کو برٹش گورنمنٹ نے اپنی پولیسی کے مطابق و بکمال مسرت پسند کیا اور پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ذریعہ سے اپنی خوشنودی اور رضامندی ظاہر کی۔ بعدازاں ۲۰ ، اگسٹ ۱۸۹۲ء کو ہزہائنس نے اپنی تمام رعیت کے سروں سے

بیگار کا بار اُتار کر رعایا پروری کی داد دی۔

انسداد کاشت افیون

سمت ۱۹۴۰ یعنی دیوان زور آور خان کے زمانۂ حکومت میں جبکہ افیون کی تجارت عین ترقی پر تھی، گورنمنٹ انگریزی نے اسکی کاشت بند کر کے اسکے عوض نقد روپیہ دینا تجویز کیا۔ لیکن دیوان صاحب مرحوم نے سرکار انگریزی کی اس تجویز کو نامنظور کر کے زراعت افیون بدستور جاری رہنے کی اجازت کے لئے درخواست کی (جسکی تفصیل بجائے خود داخل کتاب ہے) چنانچہ اس درخواست کا قطعی فیصلہ ہو کر ۱۸۹۲ء میں معاہدۂ جدیدہ ہوا اور معاوضہ کی تعداد ساڑھے اکتیس ہزار روپیہ سالانہ مقرر کی گئی۔

میل ملاپ

ہز ہائنس کی عمدہ پالیسی اور ملنسار طبیعت نے جسطرح اور اچھے طریقوں سے ملک کو اپنا ہمدرد و ثناخوان بنا لیا ہے، اسیطرح آپ کو ہر ذوی الاقتدار رئیس اور حکام سے میل جول پیدا کرنے کا اسقدر شوق ہے جسکی بدولت بہت سے اعلیٰ حکام انگریزی، والیان ریاست اور رؤسائے ہمعصر کے دلوں میں ہز ہائنس کی محبت کا نقش قائم ہو گیا ہے اور یہ ایک ایسا چلتا ہوا جادو ہے جسکے اثر نے آپ کو اور آپکی ریاست کو شہرت کا تاج پہنا کر ادنیٰ سے اعلیٰ تک کی نگاہوں میں قابلِ وقعت ثابت کر دیا ہے۔

ذیل میں ہم دو نقشے پیش کرتے ہیں جنکے ملاحظہ سے ہز ہائنس کی مرنجِ و مرنجان طبیعت کا جوشِ مجالست اور احباب پرستی کی کیفیت معلوم ہوگی۔ ان نقشوں میں پہلا نقشہ ہز ہائنس کے اُن دوستوں کا ہے جو برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ہندوستان میں جلیل القدر عہدہ دار تھے۔ یا جنکا تعلق کسی دوسری حیثیت سے سلطنت برطانیہ کے ساتھ ہو یا ہے۔ دوسرا نقشہ ظاہر کرتا ہے کہ ریاست پالن کو قدیم الایام سے کسقدر والیان ریاست کے ساتھ اتحادانہ تعلقات تھے اور ہز ہائنس خلد اللہ ملکہم نے اپنی مسند نشینی کے بعد سے اسوقت تک کتنے رؤسا اور فرمانروایان ممالک کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کیے ہیں۔

اُن حکامانِ انگریزی کا نقشہ جنکے ساتھ ہز ہائنس کے دوستانہ تعلقات ہیں یا کم از کم اُن سے ملنے جلنے کا موقع حاصل ہو چکا ہے

نمبر شمار	اسمائے حکام انگریزی	کیفیت
۱	عالیجناب لارڈ فرگیوسن صاحب بہادر گورنر احاطۂ بمبئی۔	جناب ممدوح ۳۰ دسمبر ۱۸۸۱ء کو پالن پور تشریف لاکر ریاست کے مہمان بھی رہ چکے ہیں۔
۲	عالیجناب لارڈ رے صاحب بہادر گورنر احاطۂ بمبئی۔	لارڈ رے صاحب بہادر نے ۱۳ جنوری ۱۸۸۶ء و ۱۷ جنوری ۱۸۸۹ء و ۳۰ دسمبر ۱۸۸۹ء کو تین دفعہ پالن پور کے ریلوے اسٹیشن پر ہز ہائنس کو شرف ملاقات بخشا ہے۔
۳	عالیجناب لارڈ ڈفرن صاحب بہادر والسرائے و گورنر جنرل ہند۔	۴ نومبر ۱۸۸۶ء کو لارڈ ممدوح نے مع لیڈی ڈفرن صاحبہ بمبئی تشریف لیجاتے ہوئے پالن پور کے ریلوے اسٹیشن پر ہز ہائنس کو اپنی ملاقات سے مشرف فرمایا۔ اس مسرت خیز موقع پر ریاست کی طرف سے اسٹیشن بہت ہی سجایا گیا تھا اور تمام امورات استقبال بڑی سرگرمی سے ادا کئے گئے تھے۔
۴	ہز رائل ہائنس شاہزادہ ڈیوک آف کیناٹ بہادر	شاہزادہ صاحب بہادر محتشم الیہ اور ہز ہائنس کے درمیان مدت سے دوستانہ مراسم قائم ہیں جس زمانہ میں شاہزادہ صاحب احاطۂ بمبئی کی افواج انگلشیہ کے کمانڈر انچیف تھے، تین دفعہ پالن پور تشریف لاکر ہز ہائنس کو اپنی ملاقات کا اعزاز مرحمت فرما چکے ہیں اور ہندوستان سے واپس تشریف لیجانے کے بعد بھی ابتک آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ جاری ہے۔

نمبر شمار	اسمائے حکام انگریزی	کیفیت
۵	ہز رائل ہائنس پرنس البرٹ وکٹر آف ویلز۔	حضور ممدوح ممالک ہندوستان کی سیر و سیاحت کے دوران میں ۱۳ مارچ ۱۸۹۰ء کو اجمیر سے بمبئی تشریف لیجاتے ہوئے رونق افروز اسٹیشن پالن پور ہوئے۔ اس موقع پر ریاست کی طرف سے بحد تکلف کے ساتھ اہتمام کیا گیا تھا۔ ملاقات کے وقت ہز ہائنس سے دیر تک محبت آمیز باتیں ہوتی رہیں۔ آمد و رفت کے وقت اکتیس اکتیس ضرب اتواپ سلامی توپخانہ ریاست سے سر کی گئیں۔
۶	عالیجناب لارڈ ہیرس صاحب بہادر گورنر احاطہ بمبئی۔	لارڈ ممدوح ۱۱ نومبر ۱۸۹۱ء اور بار دگر ۲۲ نومبر ۱۸۹۴ء کو پالن پور کے ریلوے اسٹیشن پر ہز ہائنس کو ملاقات کا موقع دے چکے ہیں۔
۷	جنرل گریوز صاحب بہادر	جنرل صاحب پہلی دفعہ ۱۸۹۰ء میں ہز ہائنس سے ملے تھے۔ بعد ازاں جب کبھی آپ اس راستہ سے گزرے ہیں تو ہز ہائنس سے ضرور ملاقات فرماتے ہوئے گئے ہیں۔
۸	ہز امپیریل ہائنس ولیعہد شاہزادہ روس	شاہزادہ صاحب بہادر جب ہندوستان کی سیر و سیاحت کے لئے تشریف لائے ہیں اور بمبئی سے پنجاب کی طرف جانے کا قصد فرمایا ہے تو چونکہ ہز ہائنس کو اپنی سرپرست گورنمنٹ کی خدمت میں بہت زیادہ راسخ الاعتقادی ہے اور ہز امپیریل ہائنس گورنمنٹ کے ایک معزز مہمان تھے اس لئے مناسب سمجھکر ہز ہائنس نے پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کی وساطت سے ہز امپیریل ہائنس کو دعوت دی۔ ۲ جنوری ۱۸۹۱ء کو رات کے سوا نو بجے اسپیشل ٹرین اسٹیشن میں داخل ہوئی۔ شاہزادہ صاحب نے بڑی خندہ پیشانی سے ہز ہائنس کے ساتھ ملاقات کی اور ریاست کی طرف سے کھانا نوش فرمایا۔ ہز ہائنس نے اس شاہی دعوت کا انتظام بڑی شان و شوکت سے کیا تھا۔

۹	عالیجناب لارڈ رابرٹس صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج ہند (فاتح کابل)	۲ اپریل ۱۸۹۳ء کو لارڈ ممدوح بمبئی تشریف لیجاتے ہوئے اسٹیشن پالن پور پر رونق افروز ہوئے۔ آپ نے ہز ہائنس کی طرف سے ناشتہ تناول فرمایا۔
۱۰	عالیجناب سرجارج وائٹ صاحب بہادر کمانڈر انچیف افواج ہند۔	جناب ممدوح پہلی مرتبہ لارڈ رابرٹس صاحب بہادر کے ہمراہ تشریف لاکر ہز ہائنس سے ملاقات فرما چکے تھے۔ بعد ازاں دوسری دفعہ ۱۷ نومبر ۱۸۹۵ء کو تشریف فرمائے پالن پور ہوئے اور ۲۰ نومبر تک (پانچ روز) ریاست کے مہمان رہے۔ اسموقع پر ہز ہائنس نے آپ کی خاطر و مدارات کا نہایت عمدہ اہتمام کیا تھا۔
۱۱	عالیجاہ لارڈ ایلگن صاحب بہادر۔	حضور ممدوح نے ۲۷ نومبر ۱۸۹۶ء کو بڑودہ جاتے ہوئے پالن پور کے اسٹیشن پر قیام فرماکر ریاست کی طرف سے دعوت منظور کی۔ ریاست کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ نواب وائسرائے ہند نے خاص دارالریاست میں آکر کھانا نوش فرمایا۔ ہز ہائنس نے بھی اس موقع پر اپنی اعلی سے اعلی حوصلہ مندی اور مہمانداری کو صرف کرنے میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ ہز ہائنس نے بانس کی ایک نادرہ کار چھڑی جس میں چاندی سونے کا گنگا جمنی کام تھا اور جس سے پالن پور کی صناعی ظاہر ہوتی تھی، ہز ایکسیلنسی کو نذر کی۔ اسی قسم کے کام کی ایک ایک بیت دونوں صاحبزادوں نے اپنی طرف سے ہز ایکسیلنسی کے دونوں لڑکوں کو پیش کی۔ نیز ایک نازک بانس کی لکڑی ولیعہد بہادر نے وائسرائے صاحب کی صاحبزادی کو ہدیۃً دی۔
۱۲	عالیجناب لارڈ سینڈہرسٹ صاحب بہادر گورنر بمبئی۔	آپ ۲۵ اگست ۱۸۹۷ء کو پالن پور تشریف لائے اور ایک روز ریاست کے مہمان رہے۔
۱۳	عالیجناب لارڈ نارتھ کوٹ صاحب بہادر گورنر احاطہ بمبئی	جناب ممدوح نے ۱۷ مارچ ۱۹۰۰ء کو پالن پور میں قدم رنجہ فرمایا اور دو روز ریاست کے مہمان رہے۔

نمبر شمار	اسمائے حکام انگریزی	کیفیت
۱۴	جنرل سر آر۔ بی۔ ہنٹر صاحب بہادر کمانڈنگ آفیسر افواج احاطہ بمبئی۔	آپ ۲۶ر دسمبر ۱۹۰۳ء اور یکم مئی ۱۹۰۴ء کو پالن پور تشریف لائے۔ آپ کا دونوں وقت تشریف لانا شیر کے شکار کی غرض سے تھا اور دونوں دفعہ موضع جھلوترہ میں، جہاں آپ کے لئے نہایت عمدہ کیمپ آراستہ کیا گیا تھا، قیام فرما رہے۔
۱۵	عالیجناب لارڈ لیمنگٹن صاحب بہادر گورنر احاطہ بمبئی	لارڈ ممدوح مع جنرل سر آر۔ بی۔ ہنٹر اس ریلوے لائن کی نسبت جو کراچی تک لیجانے کا گورنمنٹ ارادہ کر رہی تھی، رائے قائم کرنیکے لئے تقریباً ۱۴۰ میل کی مسافت گھوڑوں پر طے کرتے ہوئے ۲۹ر مارچ ۱۹۰۶ء کو ڈیسہ کیمپ میں رونق افروز ہوئے جہاں ہز ہائنس بذات خود لارڈ ممدوح کے لوازم مہمانداری ادا کرنے کے لئے پہلے سے تشریف فرما تھے۔ گورنر صاحب اور ان کے مختصر اسٹاف کے لئے حدود ایجنسی کی مسافت میں گھوڑوں کا انتظام بھی ریاست کی طرف سے کیا گیا تھا[له]۔ لارڈ ممدوح سے یہ آپ کی دوسری ملاقات تھی۔
۱۶	سر ڈبلیو لیوارز صاحب بہادر سابق پولیٹکل سکرٹری	آپکے ساتھ ہز ہائنس کو گہرے دوستانہ تعلقات ہیں اور آپس میں خط و کتابت کا سلسلہ برابر جاری ہے۔

له لارڈ لیمنگٹن بہادر نے ڈیسہ کیمپ میں جو تقریر فرمائی تھی اسکا ماحصل یہ ہے۔

"یور ہائنس! میرے اس سفر میں میری آسائش کے لئے جو قابل اطمینان انتظامات آپ کی طرف سے کئے گئے ہیں، میں انکا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ چونکہ قلت وقت کے سبب میں پالن پور نہیں ٹھیر سکتا تھا اس لئے مجھ سے ملنے کے لئے آپ نے یہاں تشریف لانے کی جو تکلیف گوارا فرمائی ہے اسکے متعلق بھی میں اپنی دلی رضامندی کا اظہار کرتا ہوں۔ پچھلے سال

نمبر	نام	کیفیت
	گورنمنٹ بمبئی حال متعینہ انڈیا آفس لندن	
۱۷	سرائس ایجرلی۔ کے۔ سی۔ وی۔ او۔ وغیرہ سابق کونسلر گورنر صاحب بہادر بمبئی۔ حال متعینہ انڈیا آفس لندن	
۱۸	کرنل سر جے۔ آر۔ ڈنلوپ اسمتھ کے۔ سی۔ ایس۔ آئی سی۔ آئی۔ ای۔ سابق پرائیویٹ سکرٹری وائسرائے وگورنر جنرل ہند۔ حال پولیٹیکل ایڈی کانگ متعینہ انڈیا آفس لندن۔	
۱۹	سر جے۔ ایچ ڈیولوسے۔ کے۔ سی۔ آئی۔ ای پرائیوٹ سکرٹری وائسرائے وگورنر جنرل ہند۔	
۲۰	سر جے۔ مانٹ تھ۔ سابق ممبر کونسل گورنر صاحب بہادر بمبئی	لارڈ نارتھ کوٹ صاحب بہادر نے جب گورنری بمبئی کا چارج چھوڑا ہے تو آپ گورنر بمبئی کے عہدۂ جلیلہ پر انچارج رہے ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ جب میں سندھ کو جاتا تھا تو پونا ہائنس سے اسٹیشن پر ملا تھا۔ اس وقت سے مجھکو آپکی ملاقات کا فخر حاصل ہے۔ بمبئی پریسیڈنسی کے اعلیٰ روسا میں سے آپ ایک رئیس ہیں۔ پالن پور قابل تقلید ریاست ہے اور آپکی حکومت لائق مثال۔ میں یہ سنکر بہت مطمئن ہوا ہوں کہ آپکے دونوں صاحبزادوں کا چال چلن نہایت عمدہ ہے اور نیز مجھکو یہ معلوم کرکے نہایت مسرت حاصل ہوئی کہ آپ نے دونوں صاحبزادوں کو ریاست کے کاروبار میں لگا دیا ہے۔ آیندہ حکومت کے لئے جس تجربہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے اور جو رعایا اور ریاست، دونوں کے فائدہ و بہبودی کا سبب متصور ہے، اُمید ہے کہ بہت جلد حاصل ہو جائیگا اور لائق باپ کے لائق بیٹے بن جائیں گے "۔ ۱۲۔ مولف۔

اُن والیانِ ریاست اور روسائے معصر کا نقشہ جنکے ساتھ قدیم سے ریاست کو دوستانہ تعلقات حاصل ہیں یا ہز ہائنس نے ذاتی طور پر اپنے زمانہ فرمانروائی میں میل جول یا راہ و رسم پیدا کی ہے

نمبر شمار	نام ریاست	خاندان ریاست	ریاست کہاں واقع ہے	تعلقات جدید ہیں یا قدیم	کیفیت
	مہاراجہ صاحب بہادر والی بڑودہ	گائیکواڑ	یہ ریاست گجرات میں واقع ہے اور کل ریاستہائے ہندوستانی میں دوسرے درجہ کی ریاست شمار کی جاتی ہے	قدیم	
۲	مہاراجہ صاحب بہادر والی جودھپور	راٹھور راجپوت	راجپوتانہ	″	
۳	مہاراجہ صاحب بہادر والی بیکانیر	راٹھور راجپوت	″	جدید	
۴	مہاراجہ صاحب بہادر والی الور	راجپوت	″	″	
۵	نواب صاحب بہادر والی جوناگڈھ	بابی پٹھان	کاٹھیاواڑ	″	
۶	مہاراؤ صاحب بہادر والی کچھ	جاڑیجہ راجپوت	کچھ بھج	″	
۷	جام صاحب بہادر والی جام نگر	جاڑیجہ راجپوت	کاٹھیاواڑ	″	
۸	مہاراجہ صاحب بہادر والی بھاؤنگر	گوہیل راجپوت	″	″	

۹	مہاراجہ صاحب بہادر والی ایڈر	راٹھور راجپوت	ایجنسی مہی کانٹھا	قدیم	
۱۰	مہاراجہ صاحب بہادر والی کشنگڈھ	″	راجپوتانہ	جدید	
۱۱	راجہ صاحب بہادر والی رتلام	″	ایجنسی وسط ہند	″	
۱۲	نواب صاحب بہادر والی جاورہ	روہیلہ پٹھان	″	″	
۱۳	مہاراجہ صاحب بہادر والی سروہی	چوہان راجپوت	راجپوتانہ	قدیم	
۱۴	راج صاحب بہادر والی درانگدرہ	جھالا راجپوت	کاٹھیاواڑ	″	
۱۵	نواب صاحب بہادر والی کھمبایت	مغل	گجرات	جدید	
۱۶	ٹھاکر صاحب بہادر والی موروی	جاڑیجہ راجپوت	کاٹھیاواڑ	″	
۱۷	ٹھاکر صاحب بہادر والی گونڈل	″	″	″	
۱۸	مہارانا صاحب بہادر دہرم پور	سیسودیہ راجپوت	سورت ایجنسی	″	
۱۹	نواب صاحب بہادر والی رادھن پور	بابی پٹھان	ایجنسی پالن پور	قدیم	
۲۰	راجہ صاحب بہادر راج پیپلہ	گوہل راجپوت	ایجنسی ریوا کانٹھا	جدید	

نمبر شمار	نام ریاست	خاندان ریاست	ریاست کہاں واقع ہے	تعلقات جدید ہیں یا قدیم	کیفیت
۲۱	ٹھاکر صاحب بہادر راجکوٹ	جاڑیجہ راجپوت	کاٹھیاواڑ	جدید	
۲۲	ٹھاکر صاحب بہادر وڈھوان	جھالا راجپوت	″	″	
۲۳	رانا صاحب بہادر پوربندر	جیٹھوا راجپوت	″	″	
۲۴	راجہ صاحب بہادر چھوٹا اودیپور	چوہان راجپوت	ایجنسی ریوا کانٹھا	″	
۲۵	مہاراول صاحب بہادر بانسواڑہ	سیسودیہ راجپوت	راجپوتانہ	″	
۲۶	مہاراجہ صاحب بہادر بنارس	گوتم برہمن	ممالک متحدہ آگرہ واودھ	″	
۲۷	راجہ صاحب بہادر بانسدہ	سولنکی راجپوت	سورت ایجنسی	″	
۲۸	نواب صاحب بہادر سچین	خاندان حبشی	″	″	
۲۹	نواب صاحب بہادر بالاسنور	بابی پٹھان	ایجنسی ریوا کانٹھا	قدیم	
۳۰	ٹھاکر صاحب بہادر پالیتانہ	گوہل راجپوت	کاٹھیاواڑ	جدید	
۳۱	ٹھاکر صاحب بہادر لیمڑی	جھالا راجپوت	″	″	

۳۲	راج صاحب بہادر وانکانیر	جھالا راجپوت	کاٹھیاواڑ	جدید	
۳۳	دربار صاحب سردار گڈھ	بابی پٹھان	″	″	
۳۴	دربار صاحب مانآودر	″	″	″	
۳۵	ٹھاکر صاحب جسدن	کاٹھی از شاخ کھاچر	″	″	
۳۶	ٹھاکر صاحب لکھتر	جھالا راجپوت	″	″	
۳۷	دربار صاحب پاٹڑی	دیسائی	″	″	
۳۸	راول جی صاحب مانسا	چاوڑہ راجپوت	ایجنسی مہی کانٹھا	″	
۳۹	ٹھاکر صاحب ساور	سیسودیہ راجپوت	ضلع اجمیر	″	
۴۰	ٹھاکر صاحب سائلہ	جھالا راجپوت	کاٹھیاواڑ	″	
۴۱	ٹھاکر صاحب چوڑا	″	″	″	
۴۲	دربار صاحب بجانہ	مسلمان جت	″	″	
۴۳	مہارانا صاحب دانتہ	پرمار راجپوت	مہی کانٹھا	نسبتاً قدیم	

نمبر شمار	نام ریاست	خاندان ریاست	ریاست کہاں واقع ہے	تعلقات قدیم ہیں یا جدید	کیفیت
۴۴	ٹھاکر صاحب کٹوسن	راجپوت	ایجنسی مہی کانٹھا	جدید	
۴۵	جاگیرداران بسانڑہ	مسلمان ملتانی ملک	کاٹھیاواڑ	قدیم	
۴۶	صاحبان لینبج	راجپوت	راجپوتانہ	″	جاگیردار لینبج کا لقب ”صاحباں“ ہے
۴۷	ٹھاکر صاحب تھراد	واگھیلہ راجپوت	ایجنسی پالن پور	″	
۴۸	رانا صاحب واو	چوہان راجپوت	″	″	
۴۹	ٹھاکر صاحب دیودر	واگھیلہ راجپوت	″	″	
۵۰	جاگیرداران واراہی	مسلمان جت	″	″	
۵۱	جاگیردار آڑیسر	جاڑیجہ راجپوت	″	″	
۵۲	جاگیردار تیرواڑہ	مسلمان بلوچ	″	″	

سیر و سیاحت

چونکہ ہز ہائنس کی طبیعت میں نئی بات کے پیدا کرنے اور عجائبات کے دیکھنے کا شوق بہت زیادہ ہے اس لئے آپ کو جب کبھی موقع ملا ہندوستان کے مختلف شہروں کے سفر کئے ہر مقام کے چھوٹے بڑے لوگوں سے ملے اور عمارات اور صنادید قدیم کو ملاحظہ فرما کر معلومات کا ذخیرہ بہم پہنچایا چنانچہ آپ دو دفعہ زمانہ ولیعہدی میں بمبئی تشریف لے گئے جس کا ذکر بجائے خود اس تاریخ میں بیان ہو چکا ہے۔ مسند نشینی کے بعد سب سے پہلا سفر آپ نے احمد آباد کا کیا۔

سفر احمد آباد | بماہ مارچ ۱۸۸۲ء احمد آباد میں گھوڑوں کی نمائش کا عالیشان جلسہ قرار پایا تھا جس میں لارڈ فرگیوسن صاحب بہادر گورنر بمبئی بھی تشریف لانے والے تھے چونکہ ہز ہائنس کو گورنر صاحب معزی الیہ کے ساتھ تعارف سابق تھا اس لئے نمائشگاہ کی شرکت اور نیز گورنر صاحب بہادر کی ملاقات کی غرض سے احمد آباد تشریف لے گئے اور سیٹھ ہٹھی بھائی کی کوٹھی میں قیام فرمایا۔ مہاراجہ ایڈر اور دوسرے رؤسائے گجرات سے مل کر باہمی محبت و ارتباط قدیمی کی تجدید کی۔ دربار گورنری میں بڑے اعزاز و اکرام سے شریک ہوئے اور نہایت کامیابی کے ساتھ دار الریاست کو واپس تشریف لائے۔

احمد آباد کا دوسرا سفر | بماہ نومبر ۱۸۸۷ء گورنر صاحب بہادر بمبئی نے مہاراجہ کیسری سنگجی بہادر والی ایڈر کو کے۔ سی۔ ایس۔ آئی کے معزز خطاب کی باضابطہ سند عطا کرنے کی تقریب میں بمقام احمد آباد ایک عالیشان دربار منعقد کیا۔ دوسرے امرا و رؤسائے گجرات کی طرح ہز ہائنس بھی شریک دربار ہوئے۔

احمد آباد کے قیام کے زمانہ میں انجمن[۱] اسلام اور فیمیل ٹریننگ کالج یعنی مدرسہ تعلیم المعلمین نسواں اور ان کے

---

[۱] اس وقت کے سوا اور موقعوں پر جو تعلیمی امداد کی گئی ہے وہ علیحدہ لکھی جانی چاہئے ۱۲۔ مولفہ

ماسوا رفاہِ عام کے ہر ایک کام میں اپنے فیض و انعام سے قابلِ قدر امداد و اعانت فرمائی ۔ نیز شہر کے غریب ۔ امیر ۔ ادنیٰ و اعلیٰ ہر قسم اور ہر طبقہ کے لوگوں کو اپنے اچھے برتاؤ اور سخاوت سے خوش کر کے اپنی ذاتی فیاضی اور آبائی ناموری کو تازہ شہرت دی ۔ ان فیاضیوں کا ثبوت اُس انگریزی چٹھی مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۸۸۷ء سے ہوتا ہے جو احمد آباد کے صاحب کلکٹر بہادر نے شکریہ کے طور پر ہز ہائنس کو لکھی تھی ۔

اجمیر پہلی دفعہ | ماہِ دسمبر ۱۸۸۳ء مطابق سمبت ۱۹۴۰ ۱۳۰۱ھ میں ہز ہائنس اول مرتبہ اجمیر تشریف لے گئے ۔ اور سیٹھ کلیان مل جی بھار گتیہ کی کوٹھی میں قیام فرمایا ۔ اس موقع پر ہز ہائنس نے خواجۂ خواجگان معین الدین حسن چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں بڑی دیگ اور حضرت میراں سید حسین خنگ سوار کے آستانہ کی دیگ تا اگڑھ پر بذات خود تشریف لیجا کر بھری تھی اور واپسی دار الریاست سے پہلے ایک روز تمام شہر میں ڈھنڈھورہ کے ذریعے سے اعلان کرا کے شہر کے مساکین و غربا کو خیرات میں ہزار ہا روپیہ تقسیم کیا اور ایشیائی سخاوت و فیاضی کا نمونہ اجمیر کی پبلک کو دکھا دیا ۔

اجمیر دوسری دفعہ | سمبت ۱۹۴۹ مطابق ۱۸۹۲ء میں ہز ہائنس مع ولیعہد ریاست اور جناب حسین محمد خاں صاحب وسیتانی بہار خاں صاحب اور دیگر معزز مصاحبین وغیرہ کے دہلی ۔ آگرہ اور لکھنؤ وغیرہ قابلِ دید شہروں کی سیر کے ارادہ سے ۲۲ جنوری ۱۸۹۲ء کو سفر پیما ہوئے ۔ مگر اجمیر شریف ہی تک پہنچے تھے کہ اپنے چچا احمد خاں صاحب مرحوم کی بیوی کی ناگہانی موت کی خبر پہنچی اور یکم فروری کو دار الریاست کی طرف میل ٹرین میں واپس تشریف لائے ۔ اسدفعہ بھی قیام اجمیر کے زمانہ میں ۲۷ جنوری کو حصول ثواب کی غرض سے خواجہ صاحب کی درگاہ میں بڑی دیگ بھری گئی تھی ۔

ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب کی سیاحت | گو ہز ہائنس کو ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب کے مشہور شہروں کی سیاحت کے شوق نے کئی بار اپنی طرف کشش کیا اور آپ نے کئی مرتبہ مصمم ارادہ بھی فرمالیا بلکہ دو دفعہ اجمیر شریف تک تشریف بھی لے گئے مگر مضمون ارادۃ اللہ غالبۃ علیٰ ارادۃ الناس خدا کی مرضی جو نہ تھی تو ہر دفعہ ایسے ایسے اسباب موجود ہو گئے

کہ یہ اشتیاق دل کا دل ہی میں رہا۔ یہانتک کہ ۱۸۹۶ء میں شوق سیاحت نے پھر ابھارا اور چونکہ اس مرتبہ
خدا کے فضل سے تمام سامان حسب دلخواہ ہوتے چلے گئے اس لئے ۲۰ جنوری ۱۸۹۶ء کی شب کو مکس ٹرین
سے روانہ ہوئے۔ دونوں صاحبزادے۔ مسٹر ولبھ جی دہرم سی وید مدار المہام ریاست۔ مسٹر اودہو جی گھیلا بھائی
اپیل جج۔ کوٹھاری مگن بھائی فرسٹ کلاس مجسٹریٹ۔ ڈاکٹر دہونڈو پنتھ آباجی ٹھورد ہن چیف میڈیکل آفیسر۔ کوٹھاری
گوڈر بھائی دہرمچند پرائیوٹ سکرٹری اور دیگر معززین و ملازمین ریاست ہمرکاب تھے جنکی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب تھی۔

اجمیر و اگرہ

۲۱ جنوری کو دن کے ایک بجے داخل اجمیر ہوئے۔ خواجہ خواجگان چشت رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ پر تشریف
لے گئے۔ فاتحہ پڑھی۔ مقامات مشہورہ کی سیر کی اور اسی تاریخ شب کو ڈاک گاڑی میں سوار ہو گئے۔ پروگرام سفر
کے بموجب دوسرے روز دوپہر کے بعد ہز ہائنس مع جملہ ہمراہیوں کے اگرہ پہنچے۔ اور مہاراجہ بھرتپور
کی قندہاری کوٹھی میں قیام فرمایا۔ تاجگنج۔ سکندرہ۔ اعتماد الدولہ۔ قلعہ اور دوسری قابل دید
عمارات کی سیر کی۔

متھرا

اگرہ کی سیر سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۲۲ جنوری کو شام کے وقت اسپیشل ٹرین میں
متھرا تشریف فرما ہوئے۔ وہاں کے تمام عمدہ عمدہ مقامات کی سیر کی اور وشنو دہرم والوں کے گھاٹ دیکھے۔
ڈیگ کے بھون واقع ریاست بھرتپور یہاں سے صرف تیئس ۲۳ میل کے فاصلہ پر ہیں اور پختہ سڑک بھی بنی ہوئی ہے
چونکہ یہ مقام دیکھنے کے قابل تھا اس لئے ہز ہائنس دونوں صاحبزادوں اور مختصر ہمراہیوں سمیت تشریف لے گئے
اور ایک رات وہاں قیام فرمایا۔ کنور سری ہر بکم جی صاحب بیرسٹر ایٹ لا ایڈمنسٹریٹر ریاست بھرتپور نے
بنفس نفیس ڈیگ میں آکر لوازم مہمانداری ادا کئے اور ڈیگ کے کل محلات کی سیر کرائی۔ یوں تو ڈیگ کی
کل عمارات ہی عمدہ۔ نفیس اور لاکھوں روپیہ کی لاگت کی ہیں مگر خصوصاً باغ زیادہ تر قابل تعریف ہے۔ اس باغ
میں پانچہزار فوارے لگے ہوئے ہیں۔ ایک نہایت بلند حوض ان تمام فواروں میں پانی پہنچانے کے لئے
بنایا گیا ہے۔ یہ حوض اسقدر وسیع ہے کہ تقریباً سات لاکھ من پانی اس میں سماتا ہے۔

دوسرے روز ڈیگ سے واپسی کے وقت قصبۂ گوردھن کی سیر کرتے ہوئے متھرا میں اپنے قیامگاہ پر تشریف لائے اور ۲۹ جنوری کو قصبۂ بندرابن کی سیر کی۔ یہاں ہندوؤں کے ہزارہا مندر بنے ہوئے ہیں جن میں سے سیٹھ لکھمی چند اور مہاراجہ صاحب والی جیپور کے مندر نہایت ہی عالیشان اور قابلِ تعریف ہیں۔

الہ آباد

۲ فروری کو ہز ہائنس متھرا سے روانہ ہوکر دوسرے روز دن کے ڈیڑھ بجے الہ آباد پہنچے۔ مہاراجہ صاحب بہادر بنارس کی کوٹھی میں فروکش ہوئے۔ یہ کوٹھی دریائے جمنا کے عین کنارہ پر واقع ہے۔ یہاں سے دریا کی بہار۔ جاتری لوگوں کے اشنان کی کیفیت اور شہر والوں کے دریا میں کودنے اور نہانے کا نظارہ بہت ہی دلچسپ اور خوشنما نظر آتا ہے۔

الہ آباد میں کئی روز مقیم رہے۔ ۶ فروری کو بہار گوا ایسوسی ایشن کا سالانہ جلسہ تھا۔ ممبرانِ ایسوسی ایشن کی درخواست سے ہز ہائنس بھی شریک جلسہ ہوئے۔ لالہ ٹھاکر داس صاحب بہار گودہلوی وکیل دربارِ پالن پور متعینہ ایجنسی اس جلسہ کے صدر انجمن تھے۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے ہز ہائنس کی خدمت میں ایڈریس خیر مقدم پیش کیا گیا جس کے جواب میں ہز ہائنس کے اشارہ سے پیچ میرز مؤلف تاریخ ہذا نے مختصر سی تقریر کی تھی۔

بنارس

الہ آباد کے مقامات مشہورہ کی سیر کرکے ہز ہائنس ۷ فروری کو صبح کے ساڑھے چھ بجے روانہ ہوئے۔ اور اسی روز شام کے سوا پانچ بجے بنارس پہنچے۔ مہاراجہ بنارس کی ٹکسالی کوٹھی میں فروکش ہوئے جو جو مقامات دیکھنے کے قابل تھے، دیکھے اور ۹ فروری کو بگھیوں کی سواری سے پل کے پار قلعہ رام نگر میں مہاراجہ صاحب بہادر بنارس کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ مہاراجہ سر پربھو نرائن سنگھ صاحب بہادر اور ان کے ولیعہد کنور آدیت نرائن سنگھ بہادر بڑے تپاک سے ملے۔ گیارہ ضرب توپ سلامی قلعہ سے سر ہوئیں اور گروپ اُتارا گیا۔ ۱۰ فروری کو مہاراجہ بنارس ملاقات بازدید کے لئے ہز ہائنس کے قیامگاہ پر تشریف لائے

ہز ہائنس نے مختصر سا دربار آراستہ کر کے نہایت عمدگی کے ساتھ مہاراجہ صاحب بہادر کا خیر مقدم کیا۔

لکھنؤ | اسی روز شام کو بنارس سے روانہ ہو کر دوسرے دن ایک بجے کے قریب لکھنؤ رونق افروز ہوئے اور مہاراجہ صاحب کپورتھلہ کی بادشاہ باغ کوٹھی میں قیام فرمایا۔ قیصر باغ۔ حسین آباد۔ آصف الدولہ کا امامباڑہ۔ محلات مچھی بھون۔ چھتر منزل۔ منشی نولکشور کا مطبع۔ لکھنؤ پیپر ملز اور قریب قریب کُل قابلِ دید مقامات کی خوب سیر کی۔

کانپور | چونکہ کانپور ایک مشہور تجارت کا مقام ہے۔ اور حقیقت میں طرز آبادی اور شہرت کے لحاظ سے بھی خوبصورت شہر ہے اس لئے ہز ہائنس مع دونوں صاحبزادوں۔ مدار المہام ریاست اور چند معزز اہلکاروں کے ۱۷ ر فروری کو صبح کی ٹرین سے کانپور تشریف لے گئے۔ دن بھر مشہور تاجروں کی دکانیں چمڑے کے کارخانے وغیرہ دیکھتے رہے۔ شام کو گھوڑ دوڑ کا تماشہ ملاحظہ فرمایا اور شب کے نو بجے کی ٹرین سے یہ مختصر پارٹی واپس لکھنؤ میں داخل ہوئی۔

لکھنؤ گو اُجڑ گیا ہے اور اسمیں اب اُن صاحبِ کمال لوگوں کا مجمع نہیں ہے جو دہلی سے نکل نکل کر قدردانِ شاہانِ اودہ کے درِ دولت پر جا پڑا تھا مگر پھر بھی نقشِ پا کی طرح کچھ نہ کچھ آثار باقی ہیں۔ عیش پسند واجد علیشاہ کا زمانہ ابھی ایسا خواب ہے جو اہلِ لکھنؤ کے دلوں سے محو نہیں ہوا۔ بلکہ لکھنؤ میں بعض آنکھیں ایسی موجود ہیں جنھوں نے اس رنگیلے بادشاہ کی عشرت کا شباب بھی دیکھا ہے اور صرف یہی سبب ہے کہ وہاں خصوصیت کے ساتھ جزوِ عشرت یعنی فنِ موسیقی کے بہت سے باکمال اسوقت تک اپنی پرانی لے میں ایامِ گزشتہ کا نوحہ گایا کرتے ہیں۔ چونکہ ہز ہائنس کو اس فنِ لطیف کے ساتھ طبعی لگاؤ اور خاص دلچسپی ہے اس لئے قیامِ لکھنؤ کے زمانہ میں اکثر اُستادانِ فنِ موسیقی کو سُنا گیا۔ بندا دین کتھک ناچ اور نرت کی حیثیت سے فی الحال نہایت کامل استاد ہے۔ اگرچہ اسکی عمر ساٹھ برس سے زیادہ ہو چکی ہے اور گھٹنوں میں درد بھی رہا کرتا ہے مگر ناچ کے وقت اسکی چلت پھرت نوجوانوں سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

لکھنؤ میں تار کے ذریعے سے خبر ملی کہ

"دارالریاست پالن پور میں ایک طاعون کا مریض بمبئی سے آیا ہے اور چونکہ یہ مرض متعدی ہے اسلئے مریض کے محلہ میں طاعون شروع ہوگیا ہے"

اس خبر سے تمام لوگ متردد اور پریشان ہوگئے۔ مگر ہز ہائنس نے احتیاطاً رفع تردد کے لئے یہ انتظام فرمادیا کہ روزانہ ارجنٹ تار کے ذریعہ سے کل ہمراہیان سفر کے گھروں سے خیر خیریت آجایا کرے۔

مرادآباد | ۲۰ر فروری کو دن کے تین بجے لکھنؤ سے روانہ ہوئے اور اسی شب کو بارہ بجے مرادآباد پہنچے۔ رات کا وقت تھا اس لئے تمام پارٹی نے اپنی اپنی رزرو گاڑیوں ہی میں رات کا باقی حصہ آرام میں گزارا اور صبح کو ساہو برج بھوکھن سرن رئیس مرادآباد و خزانچی رامپور کی کوٹھی میں تشریف لے گئے جو اسٹیشن کے قریب ہی واقع تھی اور ناشتہ تناول فرمانے کے بعد راجہ رام گنگا کا پل۔ جیپاولی مرادآباد۔ ٹاؤن ہال اور مرادآباد ہائی اسکول وغیرہ مقامات ملاحظہ فرمائے اور بازاروں کی سیر کرتے ہوئے قیامگاہ پر تشریف لائے اور اسی شب کو بارہ بجے کی ٹرین سے روانہ ہوگئے۔

۲۲ر فروری کو لاہور جاتے ہوئے دن کے ڈیڑھ بجے ہز ہائنس کی ٹرین امرتسر کے اسٹیشن پر پہنچی۔ سالگرام سوداگر پشمینہ اور بہت سے معززین امرتسر نے اسٹیشن ہی پر میوہ اور مٹھائی کی کشتیاں پیش کیں اور نہایت جوش کے ساتھ دلی خصوصیت کا اظہار کیا۔ سلامی کے لئے بینڈ باجہ بھی اسٹیشن پر موجود تھا۔

لاہور | امرتسر سے روانہ ہوکر قریب شام لاہور کے اسٹیشن پر پہنچے۔ عہدہ داران گورنمنٹ۔ معززین شہر اور علما و فضلا کا مجمع استقبال کے لئے اسٹیشن پر موجود تھا۔ اسٹیشن سے ہز ہائنس مع ہمراہیوں کے بگھیوں میں سوار ہوکر مہاراجہ کپورتھلہ کی کوٹھی پر تشریف لے گئے۔ یہ کوٹھی انارکلی بازار میں لب سڑک واقع ہے جسکو عوام "کوٹھی کرتار باغ" کہتے ہیں۔ دوسرے روز قلعہ۔ باغ شالامار۔ مقبرہ جہانگیر وغیرہ مقامات کی سیر کی اور لیفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب سے ملاقات فرمائی۔

قیام لاہور کے زمانہ میں انجمن حمایت اسلام۔ انجمن نعمانیہ اور انجمن اسلامیہ ہندوں کی طرف سے ایڈریس ہی

وقت ہز ہائنس کی خدمت میں ایڈریس پیش کئے گئے جنکا جواب حسب الحکم عالی المؤلف ہیچمداں نے دیا۔
بعدازاں مسلمانوں کی قومی بہبودی کے مسئلہ پر ہز ہائنس نے بھی دیر تک تقریر فرمائی۔

امرتسر ۲۶ر فروری کو دن کے دو بجے لاہور سے روانہ ہو کر شام کے ساڑھے چار بجے امرتسر پہنچے اور گرونانک کے قابل دید مندر کے علاوہ اور تمام مشہور عمارتوں کو دیکھا اور ایک روز گھوڑ دوڑ کی بھی سیر کی۔

شیر احمد خان سی۔ آئی۔ ای اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر امرتسر نے قیام امرتسر کے دنوں میں ہز ہائنس کی نہایت گرمجوشی کے ساتھ خاطر و تواضع کی۔ ہر وقت ہر کام میں مدد دیتے رہے۔ خانصاحب امیر کابل کے خاندان کے ایک قابلِ قدر ممبر ہیں۔ ہندوستان میں تشریف لاکر آپ محض شوقیہ طور پر گورنمنٹ سروس میں داخل ہوگئے ہیں۔ خانصاحب عجیب بہادر اور پرمذاق شخص ہیں۔ آپ کا قول تھا کہ

"والله کہ خاکِ ہندوستان برائے مردان قہر خدا است۔ آب و ہوائش مرد را نامرد میسازد۔ خاک
بر مال و دولت۔ اگر خدا خواہد من ترک ملازمت کردہ بر روئش کف پا خواہم زد"

دہلی ۳ر مارچ کو ساڑھے نو بجے امرتسر سے روانہ ہو کر ۴ر مارچ کو صبح کے ساڑھے دس بجے بخوش گزران یارانِ دلی دہلی پہنچے۔ ابراہیم سوداگر کی کوٹھی میں قیام کیا۔ پرانا قلعہ۔ لال قلعہ۔ تغلق آباد۔ مسجد جامع۔ مشہوری مسجد۔ نظام الدین اولیا کی درگاہ۔ قطب صاحب کا مینار۔ مقبرہ ہمایوں۔ مقبرہ منصور وغیرہ وغیرہ عمارتیں جو شاہان تغلق اور سلاطین چغتائیہ کی عظمت و جلال اور شان و شوکت کے نمونے ہیں ملاحظہ فرمائیں

اللہ اللہ! دنیا بھی عجیب عالم بے ثبات ہے۔ نیرنگ زمانہ کی رنگ آمیزیوں سے نہ انسانی چہروں کے خط و خال درست رہے ہیں۔ نہ عالم اسباب کے مرقعوں کے نقشے۔ آفاتِ ارضی اور حادثات سماوی نے مل جل کر ہر شئے محسوس کے فنا کرنے پر کمر باندھ رکھی ہے۔ دہلی جسکا چپہ چپہ کانِ تاریخ ہے، انقلاب زمانہ کی ہو بہو تصویر ہے کہیں سلاطینِ تغلقیہ کی یادگاریں عبرت گاہ بنی ہوئی ہیں تو کہیں شہنشاہانِ مغلیہ کے مٹے ہوئے عز و جلال کے نمونے حسرت و یاس کا سماں باندھ رہے ہیں۔ ایک طرف شہنشاہ ہمایوں جس کا دربار

دربار و گھر قبرستان تھا، سنسان جنگل میں پڑا سو رہا ہے صحرائی پرندوں کی بیٹ اور ان کے شکستہ پر قبر کا زیور ہیں۔ چتر شاہی کے بجائے ابابیلیں سایہ افگن ہیں کہیں فیروز شاہ ایک ہو حق میدان میں نیلی چھتری کے نیچے خاک میں ملا ہوا دنیا کو فنا کا سبق دیتا ہے بیکسی سرہانے مگس راں ہے اور فنا کا مینہ برس رہا ہے پرانا قلعہ جو اندرپت کے زمانہ میں اندر کا اکھاڑہ اور ہمایوں کے وقت میں پرستان بنا ہوا تھا اب غریب کسانوں کا ملجا اور وحشی جانوروں کا ماویٰ ہے۔ آہ ! ؎

پردہ داری میکند بر قصر کسریٰ عنکبوت

بوم نوبت می زند بر گنبد افراسیاب

غرضکہ ہز ہائنس دہلی اور گرد و نواح دہلی کی تمام یادگار سلف عمارتوں کو چشم عبرت سے دیکھتے ہوئے اور ان کے اولوالعزم بانیوں کے تذکرے کرتے ہوئے قیامگاہ پر تشریف لائے اور اسی روز خاندان تیموریہ کی یادگار کیواں شکوہ میرزا ثریا جاہ بہادر نے ہز ہائنس سے ملاقات کی۔ دوسرے روز ہز ہائنس مع صاحبزادوں کے مرزا صاحب کے مکان پر ملاقات بازدید کے لئے تشریف لے گئے۔ مرزا صاحب (جن کو اہل دہلی صاحب عالم یا شہزادہ صاحب کہتے ہیں) نے تحفۃً ایک مرصع پیش قبض دیا جسکو ہز ہائنس نے نہایت اخلاص و محبت کے ساتھ قبول فرمایا۔

پانی پت | ۸ مارچ کو ہز ہائنس دونوں صاحبزادوں اور مختصر ہمراہیوں کے ساتھ حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ کی زیارت کے لئے پانی پت تشریف لے گئے اور اسی روز شام کو واپس دہلی آئے۔ پانی پت دہلی سے بیس میل کے فاصلہ پر ایک قصبہ ہے اور اسی کے میدان میں تین مشہور لڑائیاں واقع ہوئی تھیں۔

علی گڑھ | ۱۲ مارچ کو دن کے ساڑھے بارہ بجے ہز ہائنس مع دونوں صاحبزادوں اور مختصر ہمراہیوں کے مدرسۃ العلوم کے ملاحظہ کی غرض سے روانہ ہو کر شام کو پونے چار بجے علی گڑھ پہنچے۔ استقبال کیلئے فخر اسلام آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان بہادر کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ایل۔ ایل۔ ڈی وغیرہ وغیرہ (مرحوم)

نواب محسن الملک میر مہدی علی خان صاحب شمس العلما مولانا شبلی نعمانی - خان بہادر مولوی سید زین العابدین صاحب (مرحوم) اور حاجی محمد اسمٰعیل خان صاحب رئیس دتاولی وغیرہ معززین قوم اسٹیشن پر تشریف فرما تھے - ٹرین سے اُترتے ہی آپس میں مصافحہ و معانقہ ہوا - اور بگیوں میں سوار ہو کر کالج کے کمپاونڈ میں داخل ہوئے - ہز ہائنس سر سید اور نواب محسن الملک بہادر کے مہمان تھے - لایق میزبانوں نے اپنے معزز مہمانوں کی جو کچھ اور جسقدر آو بھگت اور خاطر و مدارات کی اُسکی کیفیت کچھ وہی دل خوب جانتے ہیں جنپر اسکا نقش جما ہوا ہے -

سہ پہر کو کالج کی عمارات کا ملاحظہ فرمایا اور شام کے سات بجے چونکہ کالج کی طرف سے ہز ہائنس کو خیر مقدم کا ایڈریس دیا جانا تجویز ہوا تھا اسلئے ہز ہائنس وقت مقررہ پر اپنے ہمراہیوں سمیت اسٹریچی ہال میں تشریف لے گئے - ظہور گیٹ سے اسٹریچی ہال تک چراغوں وغیرہ کی روشنی سے راستہ کو دن بنا دیا تھا اور ہال کو جھاڑ اور فانوس سے خوب سجایا تھا - طلباے کالج - معززین شہر اور منتظمان کالج وغیرہ کا بہت بڑا مجمع تھا - ہز ہائنس کے داخل ہوتے ہی خوشی کے نعروں سے خیر مقدم کیا گیا اور کرسیوں پر بیٹھ جانے کے بعد سر سید نے کھڑے ہو کر نہایت موثر الفاظ میں ایک ایڈریس پڑھا جس میں ہز ہائنس کی تشریف آوری کی نسبت اظہار خوشی کے ساتھ مسلمانوں کی حالت اور ضرورت تعلیم کا فوٹو کھینچکر ہز ہائنس کو عمدہ پیرایہ میں اُس کی طرف توجہ دلائی گئی تھی - اس ایڈریس کے جواب میں ہز ہائنس کے ارشاد سے خاکسار مولف اوراق ہذا نے اہلیان کالج کی مہمان نوازی اور تکلیف فرمائی کا مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کر کے فنا فی القوم سر سید بہادر کی مساعی جمیلہ کا بیان کیا تھا -

اسکے بعد نواب محسن الملک بہادر نے ایک مختصر تقریر کی جو جلسہ کی اختتامی تقریر تھی جلسہ ختم ہوا اور ہز ہائنس اپنے قیام گاہ پر تشریف لائے - کھانا نوش فرمایا - کھانے میں سر سید بھی شریک تھے ٹیبل ٹاک میں بڑا لطف رہا - دوسرے روز کالج کے طلبا کو ہز ہائنس کی تشریف آوری کی خوشی میں تعطیل دی گئی -

جے پور

شہر علیگڑھ کے دو چار قابل دید مقامات مثلاً قلعہ اور مسجد وغیرہ ملاحظہ فرمانے کے بعد ۱۳ / مارچ کو

شام کے تین بجے کے قریب علی گڑھ سے روانہ ہوکر ہز ہائنس ساڑھے چھ بجے دہلی پہنچے تین روز دہلی میں رہے اور ۱۶ مارچ کو دہلی سے جے پور کی طرف روانہ ہوئے۔ ۱۷ کی صبح کو ساڑھے آٹھ بجے جے پور میں داخلہ ہوا۔ نتھمل جی جوہار مل جی سابق دیوان جے پور کے باغ میں قیام فرمایا۔ صاحبزادہ زبردست خان جو ہز ہائنس کے داماد ہیں دہلی اور آگرہ وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے ۱۸ مارچ کو اس پارٹی سے آملے اور پھر پالن پور تک ساتھ ہی رہے۔

جے پور میں محلات سرکاری۔ اصطبل۔ رام نواس باغ مقام گھاٹ اور دیگر مقامات مشہورہ کی سیر کی۔ ہز ہائنس کا ارادہ تھا کہ جے پور میں ۲۸ مارچ تک قیام کریں اور قصبہ سانبر کی بھی سیر کرلی جائے۔ مگر پالن پور میں طاعون کی زیادتی کی خبر نے سب کو بے چین کردیا۔ ناچار ۲۲ مارچ کو رات کے دس بجے میل ٹرین میں سوار ہوکر ۲۳ مارچ کو دن کے دو بجے مع الخیر پالن پور پہنچے اور اس طرح یہ سفر نہایت خیر و خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ پالن پور کے اسٹیشن پر کرنل ایف۔ ایچ جیکبین صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ استقبال کے لئے موجود تھے اور توپخانہ ریاست سے سلامی دی گئی تھی۔

اغراض سفر یہ ظاہر کردینا ضروریات سے ہے کہ ہز ہائنس کا یہ سفر ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب کا پہلا سفر تھا اور ریاست پالن پور کے فرمانروایان میں سے ہز ہائنس پہلے فرمانروا ہیں جنھوں نے اسقدر لمبا چوڑا سفر کرکے مختلف مقامات کی سیر ہی نہیں کی بلکہ سفر و سیاحت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ ہر مقام کی آب و ہوا۔ باشندوں کی وضع و قطع۔ عمارات کا طرز اور شہریت کا ڈھنگ بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا۔ ہر جگہ کے مشاہیر۔ علما۔ شعرا۔ صاحب کمال اور کاملین فن سے ملے۔ اون سے گفتگو کی۔ رنگ طبیعت۔ اثر صحبت اور اونکے خیالات کا اندازہ کیا اور قدر افزائی سے پیش آئے۔ ہر شہر میں یتیم خانوں۔ محتاج خانوں اور دیگر امدادی کاموں میں حصہ لے کر پبلک اور گورنمنٹ کے روبرو اپنی اعلیٰ اور مفید فیاضی کا ثبوت دیا۔ غرض کہ سیاحی کے تمام اغراض باحسن الوجوہ پورا کرنے میں ہز ہائنس کی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا گیا۔

ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ایسے فیاض قدر دان - سیر چشم - باہمت اور ہر دلعزیز رئیس کو ہمیشہ اپنی رحمت کے سایہ میں زندہ و سلامت رکھے - آمین ثم آمین -

طریقہ سفر | چونکہ اس سفر کی نسبت اول ہی سے اعلیٰ انتظام کا پورا پورا خیال رکھا گیا تھا اور بجز تین چار مقامات کے ہر جگہ سرکاری طور پر اور پروگرام کے موافق ہی سفر بھی کیا گیا اسلئے ہر مقام پر داخلہ اور روانگی آفیشیل ہونے کیوجہ سے گارڈ آف آنر اور توپوں کی سلامی کے علاوہ افسران گورنمنٹ اور معززین شہر کی طرف سے بڑی شان و تزک کے ساتھ رسم استقبال اور مشایعت ادا کی گئی تھی -

دہلی کا دوسرا سفر | ہز ہائنس جسطرح ایک رعیت پرور رئیس ہیں اُسی طرح اپنی اولاد کے شفیق باپ بھی ہیں - خصوصاً ولیعہد ریاست صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر کے ساتھ آپ کو خاص محبت ہے - چنانچہ جب وہ امپیریل کیڈیٹ کور میں بھرتی ہو کر ۴ جولائی ۱۹۰۲ء کو ڈیرہ دون جانے لگے ہیں تو آپ بھی فرط محبت پدری سے ان کے ساتھ دہلی تک تشریف لے گئے - اس سفر میں میجر جی - ای ہالڈکینس صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ بھی ولیعہد بہادر کو ڈیرہ دون پہنچانے کے لئے گئے تھے - اور چونکہ ولیعہد بہادر مع میجر صاحب کے ایک ہی روز کے بعد ڈیرہ دون سے پندرہ روز کی تعطیل میں واپس آنے والے تھے اس لئے ہز ہائنس دہلی ٹھیر گئے اور جب ولیعہد بہادر آگئے تو ۱۲ جولائی کو میل ٹرین میں تشریف فرمائے پالن پور ہوئے -

دہلی کا تیسرا سفر | علیا حضرت ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی رحلت کے بعد جب شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم تخت نشین سلطنت ہوئے ہیں تو اُسکی یادگار میں یکم جنوری ۱۹۰۳ء کو بمقام دہلی جو شہنشاہی دربار منعقد ہونے والا تھا اسمیں بعض مصلحتوں کے سبب اگرچہ ہز ہائنس شریک ہونے سے مجبور تھے لیکن چونکہ اس عالیشان دربار کے انتظامات وغیرہ سے تجربہ حاصل کرنے کا بہت شوق تھا اس لئے ۲۹ نومبر ۱۹۰۲ء کو میل ٹرین میں دہلی تشریف لے گئے - ان دنوں ولیعہد بہادر بھی امپیریل کیڈیٹ کور کے ساتھ دہلی میں موجود تھے - چھ روز تک دہلی میں رہکر دربار کی تمام تیاریوں اور اسکے عمدہ انتظامات کا حال ملاحظہ کیا اور ۶ دسمبر کو واپس تشریف فرمائے پالن پور ہوئے -

اس موقع پر ہز ہائنس ایک ہفتہ دہلی میں اور قیام کرکے انتظامات دربار کی کیفیت مزید دیکھنا چاہتے تھے لیکن پالن پور سے آپکے بھائی حسین محمد خان صاحب کے انتقال کے تار نے آپ کو دل برداشتہ کر دیا اور آپ فوراً سوار ہو گئے۔

سفر وڈہوان

چونکہ ہز ہائنس نے اب تک کاٹھیاواڑ میں کوئی سفر نہیں کیا تھا اور ہمیشہ اپنے کاٹھیاواڑ کے احباب کا اصرار وعدوں پر ٹال دیا کرتے تھے اس لئے اس سال کچھ تو اپنے احباب کے اصرار اور کچھ اپنے خیر خواہ دوست میجر جے۔ ایس۔ شبی صاحب پولٹیکل آفیسر وڈہوان کی ملاقات کی غرض سے ۹ رجون ۱۹۰۳ء کو تشریف فرمائے وڈہوان ہوئے۔ اگرچہ کاٹھیاواڑ کے رئیسوں اور مقتدر ٹھاکروں نے آپ کی مہمانداری کی بہت آرزو کی بلکہ ریاست جوناگڑھ۔ دھرانگدھرہ اور پالیٹانہ وغیرہ سے دعوتی تار اور معتمدین آئے اور نیز ٹھاکر صاحب سائلا اور ٹھاکر صاحب کوٹھ سن بذات خود آپ کو بلانے کے لئے تشریف لائے مگر ہز ہائنس عدیم الفرصتی کی وجہ سے اپنے معزز مہمانوں کی آرزوؤں کو پورا نہ کر سکے اور چار روز تک میجر صاحب کے مہمان رہکر ۱۲ رجون کو واپس تشریف فرمائے دارالریاست ہوئے۔ ہز ہائنس کا یہ سفر مختصر ہمراہیوں کے ساتھ محض خانگی طور پر تھا۔

ڈیرہ دون اور گوالیار وغیرہ

ہز ہائنس ۹ رجولائی ۱۹۰۳ء کو پالن پور سے روانہ ہوئے اور ایک روز دہلی ٹھیرے اور ولیعہد بہادر[1] سے ملنے کیلئے ۱۱ رجولائی کو ڈیرہ دون پہنچے ۱۸ رجولائی کو وہاں سے روانہ ہوکر مع ولیعہد بہادر اور چھوٹے صاحبزادہ یاور حسین خاں کے ایک روز کے لئے مراد آباد ٹھیرتے ہوئے براہ آگرہ گوالیار تشریف لے گئے۔ سیندھیا ہز ہائنس جی باگل جی کو لیجانے جن کو ہز ہائنس کے ساتھ نہایت درجہ ارادت ہے آپ کی خاطر و مدارات اور استقبال وغیرہ میں اپنی خلوص محبت کا بدرجہ غایت اظہار کیا۔ گوالیار سے ۲۳ رجولائی کو آگرہ تشریف لائے اور دوسرے روز جے پور میں ایک دن قیام فرما کر ۲۵ رجولائی کو رونق افروز دارالریاست ہوئے۔ ولیعہد بہادر آگرہ سے ڈیرہ دون تشریف لے گئے۔

---

[1] صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر ولیعہد ریاست پالن پور انہ دنوں رسالہ امپیریل کیڈٹ کور کے ساتھ ڈیرہ دون تشریف رکھتے تھے ۱۲ مولفہ

اجمیر | جب ولیعہد بہادر امپیریل کیڈیٹ کور کی تعلیم سے فارغ ہوکر نہایت نیکنامی کے ساتھ دارالریاست میں تشریف لانے والے تھے تو ہز ہائنس اپنے لایق صاحبزادہ کو لینے کے لئے ۱۷ اگست ۱۹۰۳ء کو پالن پور سے روانہ ہوکر ہوکر اجمیر تشریف لے گئے اور وہاں مع ولیعہد بہادر چار روز قیام فرماکر ۲۲ اگست کو مع الخیر واپس رونق افروز پالن پور ہوئے۔ قیام اجمیر کے زمانہ میں آپ نے خواجہ صاحبؒ کی درگاہ میں چھوٹی دیگ بھی بھری تھی۔

۱۷ فروری ۱۹۰۵ء کو ہز ہائنس مع میجر ایچ۔ ڈی۔ میری ویدر صاحب پولیٹکل ایجنٹ پالن پور کے محض تفریح طبع کے لئے اجمیر تشریف لے گئے۔ پولیٹکل ایجنٹ صاحب کا قیام سیٹھ سمیرمل جی لوڈہا کی کوٹھی میں اور ہز ہائنس کا سیٹھ کلیان مل جی بہارگتیہ کی کوٹھی میں تھا۔ نوروز اجمیر میں قیام فرماکر ۲۷ فروری کو واپس تشریف فرمائے دارالریاست ہوئے۔

متفرقات

صفائی معاملہ | لین دین کے معاملات اور ساہوکاری بیوپار میں اگرچہ یہ ریاست ہمیشہ سے دوسری دیسی ریاستوں کی بہ نسبت زیادہ صاف اور بے لوث شمار کی جاتی ہے لیکن ہز ہائنس کی احتیاط مزید نے اس میں بھی یہانتک چھان بین کی ہے کہ آپ کی چٹھیاں بالکل صرافی ہنڈوی یا نوٹ کا حکم رکھتی ہیں۔

جب دیوان زورآور خانصاحب کا انتقال ہوا تو مرحوم کے ذمہ ساہوکاروں اور مہاجنوں وغیرہ کا بہت سا خانگی قرض تھا۔ سمبت ۱۹۳۶ میں ہز ہائنس نے اس بوجہ کا اتارنا فرض سمجھکر تمام اہل بازار کو عام طور سے اطلاع دی کہ جس کسی کو دیوان صاحب مرحوم کی نسبت قرض کا دعویٰ ہو اپنے اپنے حساب وکتاب کے بہی کھاتے مع دیگر اسناد لیکر سرکار میں حاضر ہو۔ چنانچہ جن جن کا روپیہ دیوان صاحب مرحوم کے ذمہ تھا، واجبی طور سے

ادا کر کے چند روز میں مرحوم کو تمام حق العباد سے بری الذمہ کر دیا۔ اور اسی طرح اپنے چچا احمد خان مرحوم کے قرض کا روپیہ بھی بڑی عالی حوصلگی کے ساتھ ادا کیا۔

قیامت خیز زلزلہ

۲۳ر صفر سال ۱۳۱۰ھ ہجری مطابق ۱۵ ر دسمبر ۱۸۸۲ء موافق مگسر سدی ۵ سمت ۱۹۳۹ جمعہ کو شام کے ساڑھے سات بجے ایک ایسا زبردست اور خوفناک زلزلہ آیا جس نے گجرات کے بعض اور راجپوتانہ کے اکثر مقامات میں شور مچا دیا تھا پالن پور کے پرانے پرانے لوگوں کا بیان ہے کہ ہماری عمر میں کبھی ایسا سخت زلزلہ نہیں آیا۔ یہ زلزلہ درحقیقت زلزلہ نہ تھا بلکہ قہر الٰہی کا نمونہ تھا۔ جہاں جہاں اسکا منحوس اور تکلیف دہ اثر ہوا ہزاروں مکانات متزلزل ہو گئے۔ زمین میں جا بجا شگاف پڑ گئے۔ ساڑھے سات بجے کے بعد رات بھر میں تخمیناً ساٹھ مرتبہ زمین کو جنبش ہوئی تھی جسکے خوف سے ہندو اور مسلمان سب اپنی اپنی عبادت گاہوں کے صحنوں اور کھلے ہوئے میدانوں میں جا پڑے تھے اور تمام رات خدا کی عبادت میں کاٹی تھی۔ اس رات کے علاوہ بھی مہینوں تک لوگ مکانوں میں نہیں سوئے تھے کیونکہ تقریباً چھ مہینے تک اسکا سلسلہ کچھ نہ کچھ جاری رہا تھا۔ ہز ہائنس بھی محلات چھوڑ کر طویلہ کے چبوترہ پر بہت دنوں تک خیموں میں جا رہے تھے۔

پھیلنے والے امراض

ایک دفعہ سمت ۱۹۴۰ میں اور دوسری بار سمت ۱۹۵۶ کے موسم گرما اور ابتداے بارش میں یہاں وباے ہیضہ نے اپنا سمی اثر ظاہر کیا تھا۔ پہلی مرتبہ صرف ۲۵۰ آدمیوں پر خیر گزری۔ مگر افسوس کہ ہز ہائنس کے برادر عم زاد سر بلند خان یعنی احمد خان کے اکلوتے نوجوان صاحبزادہ نے اسی وبا میں قضا کی۔ البتہ دوسری دفعہ اس مرض نے اچھی طرح شکم سیری کی خصوصاً فیمن ریلیف ورکس میں جو لوگ کام کر رہے تھے ان میں بہت زیادہ مری پھیل گئی تھی اور مرنے والوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی تھی۔ علاوہ طاعون اور ہیضہ کے ریاست پالن پور میں کبھی کبھی موسمی بخار وغیرہ بھی پھیل گیا ہے لیکن ان امراض میں چنداں جانوں کا نقصان نہیں ہوا۔

مسافری بنگلہ

چونکہ مقتدر اور شاندار مہمانوں کے قیام کے لئے ریلوے اسٹیشن کے قریب کوئی عمدہ مکان نہ تھا اس لئے ہز ہائنس نے ۱۸۸۷ء میں ایک انگریزی فیشن کا خوشنما بنگلہ ریلوے اسٹیشن کے قریب

خرید کر کوچ۔ کرسی وغیرہ ہر قسم کے فرنیچر اور دوسرے ضروری اسباب سے سجا دیا۔ مگر افسوس کہ اسوقت اس بنگلہ کی حالت ردی سی ہوگئی ہے لیکن ہز ہائنس کا خیال ہے کہ محکمہ تعمیرات کے سپرد کر کے اسکی حالت اول سے بھی بہتر بنا دی جاوے۔

میموریل فنڈ میں امداد

سمت ۱۹۴۶ میں عالیجناب لارڈ رے صاحب بہادر گورنر احاطہ بمبئی جب ولایت تشریف لیجانے لگے اور ان کے عہد حکومت کی یادگار قائم کرنے کی غرض سے میموریل فنڈ کھولا گیا تو اس میں ریاست پالن پور کی طرف سے ایک ہزار روپیہ دیا گیا۔

امداد طلبا

سمت ۱۹۵۱ میں اصول طبابت کی تعلیم کے لئے ولایت جانے والے ایک طالب علم ڈاکٹر سرویہ کو بطور امداد کے چھ ہزار روپیہ یکمشت عطا فرمایا۔ نیز اسی سال مدرسہ تعلیم المعلمین (ٹریننگ کالج) احمد آباد کے طلبا کے لئے دو اسکالرشپ یعنی وظیفے مقرر کئے۔

گورنمنٹ سے قرضہ لینا

فوطہ داری کی دکان اٹھ جانیکے بعد ریاست کو فیمن ریلیف ورکس کے اخراجات کے متعلق اور دوسرے موقعوں پر ۱۱ دسمبر ۱۸۹۹ء سے ۱۵ جنوری ۱۹۰۶ء تک تیرہ لاکھ پینسٹھ ہزار روپیہ گورنمنٹ سے قرض لینے کی ضرورت پڑی ہے۔ اس کل رقم میں سے آٹھ لاکھ پچاس ہزار روپیہ کا ایک معتدبہ حصہ سمت ۱۹۵۶ کے قحط میں صرف ہوا۔ پچھتر ہزار روپیہ رعایائے ریاست کو تقاوی کے طور پر دیا گیا۔ تین لاکھ روپیہ اس قرضہ کے ادا کرنیکے لئے لیا جو فوطہ دار کا ریاست کے ذمہ تھا اور باقی ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ ولیعہد بہادر کی شادی کے موقع پر خرچ ہوا۔

جاگیرداران پانچواڑہ کی بغاوت

سمت ۱۹۵۶ کے عالمگیر قحط میں ریاست کی طرف سے جو فیمن ریلیف ورکس کھولے گئے تھے ان میں جاگیرداران ریاست کی رعایا بھی کام کرتی تھی۔ قحط کی مصیبت دفع ہونے کے بعد چونکہ ریاست از حد زیر بار ہوگئی تھی اس لئے یہ تجویز کی گئی کہ جن جن جاگیرداروں کی رعایا کو اسوقت ریاست نے اپنے روپیہ سے پناہ دی ہے ان سے اخراجات امداد قحط زدگان کے متعلق حصہ رسد کچھ لینا چاہئے۔ چنانچہ

اس تجویز پر عمل درآمد شروع ہوا اور سال جی کھوم جی وغیرہ جاگیرداران پانتھاواڑہ (علاقہ پالن پور) کو بھی اس تجویز پر کاربند ہونے کے لئے کہا گیا۔ لیکن انھوں نے ریاست کے اس حکم سے ناراض ہوکر سرشوری شروع کی اور بغاوت پر تیار ہو کر موضع ویلا واس علاقہ پالن پور پر چھاپہ مارا۔ جو کچھ ہاتھ آیا لوٹا اور چند کلبیوں (کاشتکاروں) کو گرفتار کر کے لے گئے۔

کچھ عرصہ تک جاگیرداران مذکور پہاڑوں میں پناہ پذیر ہو کر ادھر ادھر لوٹ مار کرتے رہے مگر آخر کار جب ان کی تمردی بہت بڑھ گئی تو ریاست نے ان کی سرکوبی کے لئے کچھ لشکر بھیجا اور ابھی زیادہ لشکر بھیجنے کی تیاری ہی ہو رہی تھی کہ جاگیرداران مذکور ہار کر خود بخود پالن پور حاضر ہوگئے اور ہزہائنس کے روبرو ہتھیار ڈال کر نہایت عاجزی کے ساتھ اپنی خطاؤں کی معافی چاہی۔ ہزہائنس نے میجر جے۔ ایس۔ ایلیشی صاحب پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور کے توسط سے ان باغیوں کی تقصیریں معاف کیں[۱]۔

معافی قرضہ — سمت ۱۹۵۶ کے قحط میں سرکار پالن پور نے اپنی جبلی رحم دلی سے جس فراخ حوصلگی کے ساتھ روپیہ خرچ کیا ہے اور جسکی بدولت سرکار انگریزی سے بہت بڑی رقم قرض لینے کی ضرورت واقع ہوئی تھی اسکا ذکر بجائے خود آچکا ہے۔ لیکن چونکہ اس موقع پر جو کچھ صرف ہوا تھا وہ تقریباً فضول اور بیجا تھا اس لئے گورنمنٹ نے ریاست کی نیک نیتی اور بوجہ زیرباری کا خیال کر کے اپنی مرحمت خسروانہ سے دولاکھ ستتر ہزار ایک سو پچیس روپیہ چودہ آنہ تین پائی اصل اور تینتیس ہزار پانسو پچیس روپیہ بارہ آنہ دو پائی زر سود جس کے کل تین لاکھ نو ہزار چھ سو اکاون روپیہ دس آنہ پانچ پائی ہوتے ہیں اکتوبر ۱۹۰۶ء میں معاف کر دئے۔

بعض مراسم کا انسداد — ہزہائنس نے اپنے خاندان اور اپنی ریاست میں اکثر بدنما رسمیں بند کر دی ہیں۔ بعض رسموں کی صورت بدل کر انہیں خوشگوار بنا دیا ہے۔ اور بعض کو بالکل نیست و نابود کر دیا۔ ذیل میں چند قابل ذکر رسومات کا ذکر کیا جاتا ہے جو تغیر و تبدل کے پھیر میں آچکی ہیں۔

---

[۱] سپرنٹنڈنسی کا میمورنڈم مورخہ ۶ نومبر سنہ ۱۹۰۶ء-۱۲-۶۔ملولہ

مراسم غمی کے متعلق خاندان ریاست میں یہ رواج چلا آتا تھا کہ میت کے ساتھ ساتھ ڈومنیاں اور ماما اصیلیں روتی پیٹتی اور طرح طرح سے اظہار غم کرتی قبرستان تک جایا کرتی تھیں، ہزہائنس نے اس جاہلانہ رسم کو نامشروع اور نامعقول سمجھ کر بند کر دیا۔ اس ایک رسم کے بند ہونے سے غم کی اکثر چھوٹی چھوٹی رسمیں جو اسکی ذیل میں ہوا کرتی تھیں خود بخود موقوف ہو گئیں۔

گلاجی یعنی ایلاجی بنانے کی نامہذب اور قابل شرم رسم سے کون ناواقف ہے۔ گجرات اور راجپوتانہ کا بچہ بچہ اسکی بیہودگی کو جانتا ہے۔ یہ کاغذ اور بانسوں کا ایک دیوزاد پتلا بنایا جاتا تھا اور اسکے ساتھ عجیب عجیب ناشایستہ اور بدنما حرکتیں کی جاتی تھیں۔ ہزہائنس نے اس رسم کو بند کر کے گویا بے شرمی کے پتلے کو توڑ دیا۔

عیدین کا جلوس

اس ریاست میں عموماً سال میں تین مرتبہ جلوس کے ساتھ رئیس کی سواری نکلتی ہے۔ ایک اہل ہنود کی تالیف قلوب کے لئے دسہرہ کے موقع پر اور دو عیدین پر۔ ان سواریوں میں ہزہائنس اپنے بھائی بیٹوں اور ملازمین کے ساتھ جس ٹھاٹھ اور آن بان کے ساتھ نکلتے ہیں اسکی کیفیت قابل دید ہے۔ عیدین کا جلوس ایوان سرکاری سے نکلتا ہے اور نقیبوں کی آوازوں کے مسرت خیز غلغلہ کے ساتھ عیدگاہ پہنچتا ہے۔ شہر اور دیہات کے ہزارہا لوگ تماشائی ہوتے ہیں۔ ادائے نماز کے بعد قاضی شہر کو ہزہائنس کی طرف سے سروپا دیا جاتا ہے۔ اور پھر اسی شان و شوکت سے یہ جلوس ایوان ریاست میں داخل ہوتا ہے۔ عید کی سلامی میں توپخانۂ ریاست سے گیارہ توپوں کی سلامی دی جاتی ہے۔ رات کو دربار ہوتا ہے اور ہزہائنس تمام اہالیان ریاست کا سلام لیتے ہیں۔ دسہرہ کی سواری کے لئے کوئی خاص راستہ یا خاص مقام مقرر نہیں ہے بلکہ ہندو رعایا کی تالیف قلوب کے لئے جلوس محلات سرکاری سے نکلنے کے بعد اسی راستے سے گزرتا ہے جو برہمن نجومیوں کی رائے کے بموجب مبارک اور نیک مانا گیا ہو۔

تقاریب خوشی

حیدر علی خان کی شادی کتخدائی پوس سدی ۱۲ سمت ۱۹۴۷ مطابق ۱۰ جمادی الآخر ۱۳۰۸ھ (۱۸۹۱ء) کو ہز ہائنس کے چچازاد بھائی سربلند خان کی لڑکی حسین بائی کی شادی حیدر علی خان ولد حسین محمد خان سے ہوئی۔ طرفین نے خوب خوب دل کے حوصلے نکالے۔ چونکہ حسین بائی کے والدین کا انتقال ہوچکا تھا اور یہ ہز ہائنس کے کنار عاطفت میں پرورش پاتی تھیں اس لئے اس شادی کا تمام خرچ ہز ہائنس نے اٹھایا۔ حسین بائی کی شادی کا سرانجام ان کی نانی کنور بائی بیوہ سکندر خان مرحوم کے ہاتھوں سے ہوا کیونکہ یہ ان ہی کے پاس رہا کرتی تھیں۔

زبردست خان کی شادی کتخدائی پوس بدی ۲ سمت ۱۹۴۷ مطابق ۲۶ جنوری ۱۸۹۱ء (۱۳۰۸ھ) کو دوشنبہ کے دن ہز ہائنس کی دختر نیک اختر سیج بائی کی شادی حسین محمد خان کے بڑے صاحبزادہ زبردست خان سے ہوئی۔ چونکہ ہز ہائنس کے لئے یہ پہلی تقریب تھی اس لئے شادی کی تمام رسمیں نہایت دہوم دہام سے ادا کی گئیں۔ سیج بائی کو ہز ہائنس نے نہایت دریا دلی کے ساتھ سونے اور چاندی کے برتن، مرصع اور گرانبہا زیور، عمدہ اور نفیس پوشاکیں اور مختلف نادرہ روزگار اشیا جہیز میں دی تھیں۔ اس تقریب میں امیر بھی بہت سے ہوئے تھے۔

شادی ختنہ اسی سال رجب کے مہینہ میں صاحبزادگان والاشان کے ختنہ کی شادی ہوئی۔ اس تقریب میں ہز ہائنس نے علاوہ اور دوسرے لوازم انبساط اور ہر رسم معمولی ادا کرنے کے دعوت عام میں جسکو یہاں کی اصطلاح میں "کندوری کا کھانا" کہتے ہیں، بہت زیادہ دریا دلی دکھائی اور باہر سے آنے والے مہمانوں کی مہمانی کا سرانجام نہایت عمدگی کے ساتھ کیا۔ اس عام دعوت میں تخمیناً پچیس ہزار آدمیوں نے کھانا کھایا تھا۔ اور انتظام و اہتمام کے لئے صبح کے نو بجے سے رات کے گیارہ بجے تک ہز ہائنس بہ نفس نفیس میزبانی میں مصروف رہے۔

ان دعوتوں کے بعد ۲۴ رجب کی شام کو بڑے تزک و احتشام کے ساتھ دونوں صاحبزادوں کا شب گشت چڑھا۔ محلات کے سامنے اور تاشے والے دروازہ کے قریب نہایت نفیس اور خوش منظر روشنی کی گئی تھی جس میں سورت کے کاریگروں نے عجیب صناعی دکھائی تھی۔ یہ شاہانہ گشت آدھی رات کے بعد راجگڑھی میں داخل ہوا۔

یہ شب گشت گیارہ صفوں پر تقسیم کیا گیا تھا۔ ہر صف میں معزز مہمانوں کے سامنے ایک خوش گلو طائفہ اپنے سریلے سروں سے سامعین کو خوش کرتا جاتا تھا۔ غرضکہ اس مبارک تقریب میں ۲۲ جمادی الآخر سے ۲۴ رجب تک متواتر ناچ رنگ کے جلسے ہوتے رہے۔ دفتر سرکاری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تینوں تقریبوں میں دو لاکھ روپیہ کے قریب خرچ ہوا تھا۔

صاحبزادوں کی شادی ختنہ میں جسقدر رسمیں ادا کی گئیں انکا اکثر حصہ شادی کتخدائی سے ملتا جلتا ہے اور چونکہ ہم شادی کتخدائی کی تمام رسموں کو ولیعہد بہادر کی شادی کے حالات میں کسیقدر تفصیل کے ساتھ بیان کرنا چاہتے ہیں اس لئے اسموقع پر ان کو قلم انداز کر دیا۔

۱۰ جمادی الاول ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۳ دسمبر ۱۸۹۱ء یکشنبہ کو ہز ہائنس کے حقیقی چچا احمد خانصاحب مرحوم کی منکوحہ پوری بائی کی لڑکی امرت بائی کی شادی موضع ورناواڑہ کے جاگیردار بلند محمد خان ہیتانی کے ساتھ کی گئی جسکے تمام اخراجات کے کفیل ہز ہائنس ہی تھے۔

ولیعہد بہادر کی شادی کتخدائی

ہز ہائنس نے جب ولیعہد بہادر کی تعلیم و تربیت سے فراغت پائی اور ان کی طبیعت اور خیالات کا اچھی طرح اندازہ کر لیا تو ان کی معاشرت کو خوش آیند اور مبارک بنانے کی تدابیر میں مصروف ہوئے اور سب سے پہلے ان کی خانہ آبادی کی فکر کی۔

ایک مشفق اور مہربان باپ کی طرح ہز ہائنس بھی ولیعہد بہادر کا سہرا دیکھنے کے لئے بے چین تھے۔ ابتدا سنہ ۱۹۰۰ء کی قحط سالی نے سد راہ بن کر ہز ہائنس کی اس آرزو کو پورا نہ ہونے دیا۔ مگر یہ ایک دھوپ تھی کہ

ڈھل گئی اور اب وہ زمانہ آگیا جو ریاست پالن پور کی تاریخ میں سنہری حرفوں سے لکھنے کے قابل ہے یعنی رئیس وساڑہ ملک رستم خان[51] کی صاحبزادی سے ولیعہد بہادر کی نسبت قرار پائی۔ نسبت کے مستحکم کرنے کی غرض سے ۲۳ رجون ۱۹۰۵ء کو کوٹھاری مگن بھائی فرسٹ کلاس مجسٹریٹ ریاست پالن پور اور بہاری معظم خان جاگیردار ضلع گیڈا سن بیش قیمت زیورات اور عمدہ ملبوسات لے کر وساڑہ گئے اور اس طرح منگنی کی رسم ادا کی گئی۔

چونکہ ہز ہائنس کو اپنے دل کے حوصلے نکالنے کا یہ اچھا موقع تھا اس لئے منگنی کے بعد ہی شادی کے متعلق تدابیر سوچیں اور ان پر عملدرآمد کرنا شروع کر دیا اور شادی کی تاریخ مقرر کر کے آغاز دسمبر ۱۹۰۵ء سے دعوتی تہنیت نامے تقسیم ہونے لگے۔ تخمیناً دو ہزار تہنیت نامے ڈاک کے ذریعے والیان ریاست چھوٹی چھوٹی رئیسوں۔ جاگیرداروں۔ زمینداروں۔ ٹھاکروں اور غیر علاقوں کے متوسلین و متعلقین ریاست کو بھیجے گئے اور ہمعصر ریاستوں میں جن کے ساتھ ہز ہائنس کا ذاتی رابطہ باقاعدہ تھی مراسم ہیں معتمدین روانہ کئے گئے۔

۸ ردسمبر ۱۹۰۵ء سے رسومات شادی شروع ہو گئیں اور سب سے پہلے چاک بڑھانے کی رسم ادا کی گئی۔ یہ رسم ایک عجیب تماشہ خیز اور لطف انگیز ہے۔ ماما اصیلیں جنکو یہاں کی اصطلاح میں "بُوائین" کہتے ہیں، چاولوں سے بھری ہوئی رنگ برنگ کی مٹکیاں سروں پر رکھ کر باجے گاجے کے ساتھ کمہار[52] کے گھر جاتی ہیں ڈومنیاں (میراثنیں) ٹولی باندھے ہوئے گاتی بجاتی ان کے ساتھ ساتھ ہوتی ہیں اور چاک پر کنکو کے ٹیکے

---

[51] ملک رستم خان خاندانی رئیس ہیں۔ ان کے آبا و اجداد سلاطین گجرات کے دربار میں بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز تھے۔ وساڑہ اسی وقت سے ان کی جاگیر میں چلا آتا ہے اور ملکیشا کا خطاب بھی سلاطین گجرات ہی کا عطیہ ہے۔ وساڑہ کے ملک پہلے مہدوی المذہب تھے لیکن کچھ عرصہ سے انھوں نے اپنا آبائی طریق بدل لیا ہے۔ ۱۲ مولفہ

[52] یہ کمہار وہی کمہار ہوتا ہے جسکو شادی کے گھر سے تعلقات قدیم ہوتے ہیں۔ ۱۲ مولفہ

لگا کر اُسپر سے ناریل نچھاور کیے جاتے ہیں۔

۲۷ دسمبر کو شامیانہ کی رسم ادا ہوئی۔ یہ رسم صرف گجرات ہی کے مسلمانوں میں جاری ہے۔ ورنہ دوسرے علاقوں میں شاید شامیانہ حسب ضرورت باندھتے تو ضرور ہیں مگر اسکا باندھنا رسم میں داخل نہیں ہے۔ اس رسم میں جسکو ڈیرہ باندھنا بھی کہتے ہیں، ایک خیمہ گھر کے اندر صحن میں اور دوسرا گھر کے باہر میدان یا چوک میں نصب کیا جاتا ہے اور اسطرح گویا یہ دو دیوان خانے ایک باہر اور ایک اندر بنائے جاتے ہیں۔ ان میں بیٹھ کر اندر عورتیں اور باہر مرد خوشیاں مناتے ہیں۔ خوش گپیاں اُڑاتے ہیں اور گانا بجانا سنتے ہیں۔ لیکن اس عام رسم سے امتیاز کے لیے ریاست کے متعلق شادیوں میں علاوہ خیمہ یا شامیانے کے ایک چوبی منڈھا چھایا جاتا ہے جسکو زاید العمارت بنگلہ کہنا چاہیئے اور جس سے ایک ہلکی پھلکی چوبی یا بٹھا ٹھر بندی کی چھت کا چند ستونوں یا چوبوں پر نصب کر دینا مراد ہے۔ اس موقع پر خاص محل کے متصل اصطبل کے میدان میں منڈھا جسکو یہاں کی اصطلاح میں "مانڈوہ" کہتے ہیں چھایا گیا اور یکم جنوری ۱۹۰۶ء سے اس میں عیش و نشاط کی محفلیں گرم ہونی شروع ہو گئیں۔

چونکہ دُلہن والوں کا پالن پور ہی میں اگر رسومات رخصت ادا کرنا پہلے ہی سے مقرر ہو چکا تھا اس لئے ۲ جنوری کو ملک رستم خان مع اعزا و اقارب اسپیشل ٹرین کے ذریعہ سے پالن پور تشریف لائے۔ نہایت دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا گیا اور احمد خانصاحب مرحوم کے محلات میں اُتارا۔ یہ محلات کئی روز پیشتر ہی سے تمام ضروری آرائش سے سجا کر تیار کر دیے گئے تھے۔

۱۰ جنوری کو اچھی گھڑی اور سبھ لگن میں دولہا کو کیسریے پہنانے کی رسم ظہور میں آئی۔ غالباً یہ اہل ہند کی مانجھے کی رسم کا خاکہ ہے جسکو عرف عام میں مایوں بٹھانا کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی دلہن والوں کی طرف سے زعفرانی رنگ کا جوڑا دولہا کے لیے آتا ہے اور نکاح سے آٹھ دس روز پہلے ان کپڑوں کو پہنا کر مانجھے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اگر کچھ فرق ہوگا تو صرف اسکے متعلق چھوٹے چھوٹے رواجوں میں ہوگا۔

۱۲ / ۱۳ / ۱۴ / جنوری تک مامیرے اور سانگیاں آتی رہیں جنکی رسوم بھی نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ انجام کو پہنچیں۔ مامیرے اور سانگیاں بھیجنے کا رواج بھی گجرات کے ہندو مسلمانوں کے عام رسوم میں داخل ہوگیا ہے۔ اس میں دولھا کے قریبی رشتہ دار اور دلہن کے عزیز قریب وغیرہ نقد روپیہ زیورات اور دیگر بکار آمد اشیاء حسب حیثیت دیتے ہیں۔ اصل یہ رسم ہندوستان کی چڑہاوا چڑہانے کی رسم کا ایک عمدہ اور نتیجہ خیز مجموعہ ہے۔ غرض صرف اس سے یہ ہوتی ہے کہ دلہن والوں کو جہیز دینے اور دولھا والوں کو چڑہاوا چڑہانے میں سہولت ہو۔ اصول معاشرت کے لحاظ سے رسوم شادی میں یہ رواج نہایت فلسفیانہ اور حکیمانہ ہے۔

اس موقع پر کنور بائی صاحبہ۔ سوڑہی بائی صاحبہ اور سجادہ نشین احمد حسین صاحب (مومنوں کے پیر) نے مامیرے کئے تھے۔ (کنور بائی صاحبہ اور سوڑہی بائی صاحبہ ہز ہائنس کی چچیاں ہیں) اسی طرح اہل وساڑہ نے بھی اس رسم کو ادا کیا۔

۱۵ / جنوری سے مہمان آنے شروع ہوئے۔ معزز مہمانوں کے لئے استقبالی پارٹی مقرر تھی اور ہر ایک مہمان نہایت اعزاز کے ساتھ اسٹیشن سے سواری میں بٹھا کر مقام مقررہ پر اُتار دیا جاتا تھا۔ بااختیار اور ہم عصر ریاستوں کی طرف سے بھی معتمدین اور وکلا آنے لگے۔ علاوہ ان مہمانوں کے تماشائیوں کے غول کے غول علاقہ جات سے جمع ہوتے چلے جاتے تھے غرضکہ شادی کے روز تک شہر میں مہمانوں اور سیلانیوں کی اسقدر کثرت ہوگئی کہ بازار میں قدم دہرنے کو جگہ نہ ملتی تھی۔ ایک بازار سے دوسرے بازار تک جانا دشوار ہوگیا تھا۔ علاقہ ریاست اور گردونواح ریاست کے باشندے کچھ عقیدت مندانہ طریقہ سے اور کچھ سیر و تماشہ کی غرض سے اسقدر جمع ہوئے تھے کہ شہر کے باہر کے تمام میدان آدمیوں سے پٹ گئے تھے۔

۱۷ / جنوری کو رعایائے شہر ادنیٰ اعلیٰ ہندو مسلمان سب کو دعوت دی گئی۔ اور اس خوش انتظامی اور نیک نیتی سے اس دعوت کا سر انجام ہوا کہ نہ تو کسی کو شکایت کا موقع ملا اور نہ کوئی غریب سے غریب بھوکا رہا۔

۱۹ / جنوری کو ریاست کی طرف سے دلہن والوں کے ہاں ساچق بھیجی گئی جس میں سونے کے مرصع زیورات

کے علاوہ چاندی کا سادہ کاری بیش قیمت سامان تانبے کے ان گنت برتن اور زربفت و کمخاب کے کارچوبی بہت سے جوڑے بھی تھے۔ رسم کے موافق خود ہز ہائنس مع چھوٹے صاحبزادہ اور زبردست خان کے معزز مہمانوں ساتھ لے کر ساچق کی مشایعت میں دلہن والوں کے گھر تک تشریف لے گئے۔

۲۰ جنوری کو دلہن والوں کی طرف سے جہیز بھیجا گیا اور یہ بھی بالکل ساچق کی طرح باجے گاجے کے ساتھ دولہا والوں کے مکان تک پہنچا دیا گیا۔ ہندوستان کے اور حصص کے خلاف علاقہ گجرات میں یہ نرالی رسم رواج پا گئی ہے کہ جہیز دلہن کے وداع کرنے سے ایک یا دو روز پیشتر شہر میں پھرا کر دولہا والوں کے ہاں بھیج دیا کرتے ہیں۔

اسی روز شب کو صاحبزادہ طالع محمد خان صاحب دولہا بنائے گئے اور اسوقت ان کو بھی وہی لباس پہنایا گیا جو خاندانی رسم کے موافق ان کے آبا واجداد ہمیشہ پہنتے رہے ہیں۔ جوتے کے سوا یہ لباس تراش و خراش میں شہنشاہ اکبر کے درباری لباس سے ملتا جلتا ہوا ہوتا ہے۔

جب ولیعہد بہادر دولہا بن چکے تو رسم کے موافق شب گشت کی تیاریاں شروع ہوئیں اور باندرہ میں مہمانوں اور برات کے ہمراہیوں کا اجتماع ہونے لگا۔ شب گشت کی رسم اہل گجرات کی اختراع ہے۔ نکاح سے پیشتر دولہے کو جلوس کے ساتھ شہر میں پھرایا جاتا ہے اسکا نام یہاں شب گشت ہے۔ ہندوستان کے ممالک متحدہ آگرہ و اودھ اور پنجاب کی طرح نکاح کے بعد دلہن کے محافہ اور سامان جہیز کے ساتھ ساتھ شہر میں گشت کرنے کا یہاں دستور نہیں ہے۔ الغرض شب کے گیارہ بجے کے قریب گشت کا جلوس نکلا عجیب خوشی کا سماں تھا۔ مختلف قسم کے باجوں کی سُریلی آوازیں دلوں میں سرور کی لہریں پیدا کر رہی تھیں۔

جلوس کی ترتیب نہایت ہی سلیقہ کے ساتھ دی گئی تھی۔ مہمانوں کے گروہ بہت ہی خوبی سے یکے بعد دیگرے رشتۂ انتظام میں منسلک کئے گئے تھے۔ آگے آگے انگریزی باجہ تھا۔ اسکے بعد تخت رواں، جس پر طوائفیں ناچتی ہوئی چلی جاتی تھیں۔ تخت رواں کے پیچھے براتیوں کے گروہ تھے۔ ہر گروہ کے سامنے علیحدہ علیحدہ

ایک ایک طائفہ مجرا کرتا چلتا تھا۔ ان کے بعد میراثنوں کا ایک جم غفیر اپنی بے سری الاپوں سے دلی عقیدت اور حقیقی خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔ ڈومنیوں کے بعد ہی ولیعہد بہادر ایک عمدہ نسل کے جڑاؤ زیور سے آراستہ کوہ نور گھوڑے پر سوار، لباس نوشہی میں خراماں خراماں جا رہے تھے۔ تماشائیوں کی آنکھیں تار نظر برسا رہی تھیں اور مقنعہ ندیدوں کی نگاہوں سے بچانے کے لئے نقاب نور بنا ہوا تھا۔

اس شان و شکوکت کے ساتھ برات بایہ گشت راجگڑھی اور تاشے والے دروازہ کی روشنی جسکو سورت کے کاریگروں نے عجیب صنعت سے بنایا تھا دیکھتا ہوا نئے دروازہ کے باہر پہنچا۔ یہاں آتشبازی کا سامان تھا اور آتش بازوں نے صناعی کے اظہار کے لئے لنکا کا نقشہ بنایا تھا۔ برات ایک چبوترہ پر اتری جو آتش بازی کا تماشہ دیکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

آتش بازی چھوٹنے کے بعد ہز ہائنس کی طرف سے گاڑیوں وغیرہ کا کافی انتظام تھا تا کہ اگر مہمانوں میں سے کوئی اپنے مستقر پر جانا چاہے تو بخوشی چلا جائے اور چونکہ رات کے دو بج چکے تھے، اس لئے بہت سے مہمان سوار ہو ہو کر اپنی اپنی قیام گاہوں پر چلے گئے۔ بعد ازاں برات کا جلوس دہلی دروازہ سے ہو کر شہر میں داخل ہوا اور شہر منڈی کے قریب دلہن والوں کے مکان کے پاس پہنچکر آرائش جسکو باغ باڑی بھی کہتے ہیں لٹا دی گئی۔

پانچ بجے کے بعد یعنی ۲۱ر جنوری کی صبح کو نور ظہور کے وقت رسم مسنون نکاح ادا ہوئی۔ خاندانی پیر سید دادجی میاں صاحب نے نکاح کا خطبہ پڑھا۔ سلامی کی پانچ توپیں سر کی گئیں اور مبارک سلامت کا غل مچ گیا۔

۲۲ر جنوری کی صبح کو دلہن والوں میں سے چند قریبی رشتہ دار آئے اور دلہن کو سوار کرا کے میکے میں لے گئے۔ رات کو دولہا مع مختصر جلوس کے دلہن کے گھر گیا۔ چوتھی کی رسومات ادا کی گئیں اور رات ہی کو دولہا دلہن دونوں اپنے محل میں رونق افروز ہوئے اور گویا یہ مبارک تقریب نہایت حسن و خوبی کے ساتھ

اختتام کو پہنچی۔ نیوتے اور پیشکیش وغیرہ پیش کیے گئے۔ ہز ہائنس کی طرف سے بھی مناسب خلعت اور سروپا عطا ہوئے اور مہمان رخصت ہونے شروع ہوگئے۔

مہمانوں کے ساتھ ہز ہائنس کا برتاؤ کچھ اس خوش خلقی کے ساتھ ہوتا تھا کہ ہر شخص آپ کو خاص اپنا ہی میزبان سمجھتا تھا۔ سب سے زیادہ خوشی کی یہ بات ہے کہ اس موقع پر ہز ہائنس نے ان اکثر فضول پرانی رسموں کی اصلاح میں حتی المقدور بہت زیادہ کوشش کی جو زمانہ کے لحاظ سے ردی ہوگئی تھیں اور جنکا قائم رکھنا اخلاق کی تخریب اور ملک و قوم کے نقصان معاش کا باعث ہو سکتا تھا۔

صاحبان یورپین سے بھی ہز ہائنس کے اتحادانہ مراسم اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ اس مبارک تقریب میں ان کا شریک جلسہ کرنا رشتۂ ارتباط کو بڑھانے والا سمجھا گیا۔ مگر چونکہ دیسی رؤسا اور صاحبان یورپین کی معاشرت میں زمین و آسمان کا فرق ہے اس لئے مناسب یہ معلوم ہوا کہ کچھ روز بعد جب اس تقریب کے کاموں سے فرصت مل جائے اور مصروف کار اعیان ریاست کسیقدر مطمئن ہوجائیں تو صاحبان یورپین کو مدعو کیا جائے اور ایک بارونق جلسہ کے ذریعہ سے ان کی مہمانداری کے لوازم ادا کیے جائیں۔ چنانچہ شادی کے تقریباً ڈیڑھ مہینے بعد دعوتی رقعے بھیجے گئے اور پولیٹکل ایجنٹ صاحب کے بنگلہ کے متصل ستارہ باغ کے قریب ایک نہایت پر فضا میدان میں کیمپ لگایا گیا۔ اس کیمپ کا نقشہ ولیعہد بہادر نے اپنی جدت پسند طبع سے اختراع کیا تھا اور ان ہی کے زیر انتظام اسکی ترتیب وغیرہ دی گئی تھی۔ اچھے اچھے شاندار خیمے نصب کیے گئے تھے اور ہر خیمہ نہایت خوبی اور عمدگی کے ساتھ سجایا گیا تھا جا بجا گیس کے ہنڈے لٹکائے گئے تھے خوشنما پھولوں کے پودے گملوں میں لگا کر ایک فرح بخش چمن لگا دیا گیا تھا۔

۱۵ مارچ سے مہمانوں کی آمد شروع ہوگئی۔ ہر مہمان کی قدر و منزلت کے مطابق استقبال کیا گیا۔ تین روز تک یہ جلسہ نہایت شان و شوکت کے ساتھ ہوتا رہا۔

۱۶ مارچ کو شام کے پانچ بجے پولو گراونڈ میں فوجی کرتب ہوئے۔ انعامی کرتبوں میں ولیعہد بہادر

صاحبزادہ یاور حسین خاں صاحب اور صاحبزادہ زبردست خانصاحب کی طرف سے سلور کپ (جام نقرئی) اول دوم کے انعاموں میں دئے گئے۔ باقیماندہ کرتب کرنے والوں کو دوسری قسم کے انعام تقسیم ہوئے۔ شب کو ڈنر کے بعد میجر ایچ۔ ڈی میری ویدہر صاحب پولٹیکل ایجنٹ پالن پور نے ایک اسپیچ کے ذریعہ سے ولیعہد بہادر کی مستعدی اور علمی وعملی اوصاف کا ذکر کر کے ہز ہائنس کو مبارکباد دی۔ اسکے جواب میں ہز ہائنس نے بھی مناسب اور موزوں الفاظ میں صاحب موصوف اور دوسرے معزز مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ بعدازاں آتش بازی چھوڑی گئی اور یہ انبساطی جلسہ خیر وخوبی کے ساتھ ختم ہوا۔ اس موقع پر سورت کے کاریگروں نے اپنی اعلی صناعی سے کام لے کر ایسی خوبی کے ساتھ روشنی کا تاج محل بنایا تھا کہ تمام یورپین مہمان رات کے تین بجے تک اسکے نظارہ میں محو رہے اور بمبئی کے مشہور فوٹو گرافر مسٹر ٹوپوار نے اس روشنی کی عکسی تصویر بھی لی۔

تقاریب غم

اسمیں شک نہیں کہ ہز ہائنس کا عہد فرخ مہد مسرت خیز اور مبارک سے زیادہ مبارک ہے لیکن چونکہ شادی وغم دو جنم سنگھاتے پھول باغ عالم میں ساتھ ہی پھوٹتے ہیں اس لئے جہاں ہز ہائنس کے دور حکومت میں بہت سی خوشی کی تقریبیں ہوئی ہیں وہاں خاندان ریاست میں موت نے بھی بہت سی امیدوں کے گھروں کو سیاہ کر دیا ہے۔ جسکا ذکر نہایت ہی افسوس کے ساتھ ذیل میں کیا جاتا ہے۔

گل بائی واگھیلی جی

گل بائی موضع واسرڑہ تعلقہ ویودر کے جاگیردار ٹھاکر بلوجی واگھیلا راجپوت کی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی سمت ۱۸۹۸ میں سکندر خان صاحب کے ساتھ ہوئی تھی۔ اور ۲۲ ذیحجہ ۱۲۹۵ھ کو تپ دق کی بیماری سے انکا انتقال ہوا۔ یہ نہایت قابل اور سلیقہ شعار بیگم تھیں لیکن ان کی کفایت شعاری نے بخل کے درجہ تک پہنچکر ان کے تمام اچھے اوصاف پر پانی پھیر دیا تھا۔

ماجی بائی صاحبہ جھالی جی ۶ر شوال ۱۲۹۶ھ کو ہز ہائنس کی والدہ ماجی بائی عرف جھالی بائی صاحبہ کا انتقال ہوا۔ یہ نیک بیوی نہایت فیاض اور صاحب خیر رئیسہ تھیں۔ ریلوے اسٹیشن کے قریب مسافروں کے قیام کے لئے جھالی بائی کی دہرم سالہ ان ہی کی فیاضی کا نمونہ ہے۔ اس موقع پر غمی کے متعلق تمام ملکی رسومات ادا کرنیکے علاوہ ہز ہائنس نے اپنی چہیتی ماں کے چہلم پر حسب دستور شہر کو کھانا کھلانے اور رسم لانی کے ادا کرنے میں ایسی فیاضی کا اظہار کیا تھا کہ اسکی تعریف یہاں کے لوگوں میں آجتک بیان کی جاتی ہے۔

بھوری بائی بھوری بائی ہز ہائنس کے چچازاد بھائی سربلند خان کی بڑی لڑکی تھیں۔ سمت ۱۹۳۶ کے پھاگن مہینے میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی عمر ۹ برس کی تھی اور ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی کہ حجلۂ قبر میں ہمیشہ کے لئے روپوش ہوگئیں۔

گٹی بائی گٹی بائی بھی سربلند خان کی دوسری صاحبزادی تھیں۔ انھوں نے اپنی بڑی بہن بھوری بائی سے صرف پانچ روز کے بعد ۵ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

صاحبزادہ فتح خان صاحبزادہ فتح خان کی ولادت یکم شوال ۱۲۸۹ھ کو ہوئی۔ یہ ہز ہائنس کے بڑے صاحبزادے تھے۔ چونکہ ان کی طبیعت نہایت ذکی اور تیز فہم واقع ہوئی تھی اس لئے اپنی چھوٹی سی عمر میں انھوں نے علاوہ کلام مجید کے اپنی دیسی گجراتی زبان میں بھی اچھی مہارت پیدا کرلی تھی۔ مگر افسوس کہ ابھی یہ صرف دس برس ہی کے ہونے پائے تھے کہ ۲۶ر شوال ۱۲۹۹ھ کو سرسام کے عارضہ میں مبتلا ہوکر رہ گرائے عالم بقا ہوئے۔ جنکی بے وقت موت سے ہز ہائنس اور رعایا کے دل پر جو صدمہ ہوا تھا اُس نے عالیجناب صاحبزادہ طالع محمد خاں بہادر کے متولد ہونے تک اپنا اثر قائم رکھا۔

امیر بائی زوجہ سلیم خان امیر بائی ہز ہائنس کی بہن راجرائی بائی کی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی ماگھ بدی ۱۳ر سمت ۱۹۳۲ کو عثمان خان کے لڑکے سلیم خان سے ہوئی تھی۔ انھوں نے تپ دق کے عارضہ سے ۹ ذیحجہ ۱۲۹۹ھ کو اس دار فانی سے سفر آخرت کیا۔

سربلند خان | سربلند خان ہزہائنس کے حقیقی چچا احمد خان کے اکلوتے لڑکے تھے۔ یہ نہایت ہی وجیہہ، خوبصورت، بہادر اور صاحب حوصلہ رئیس ہونے کے علاوہ ہزہائنس کے ساتھ بہت کچھ خلوص رکھتے تھے اور اکثر اوقات ہزہائنس کے پاس ہی رہا کرتے تھے۔ شکار اور گھوڑے کی سواری کا نہایت شوق تھا۔ انکی ولادت سمت ۱۹۰۸ پھاگن سدی ۱ کو ہوئی تھی اور افسوس کہ عین عالم شباب میں ۲ شوال ۱۳۰۱ھ کو مرض ہیضہ میں مبتلا ہو کر انتقال کیا۔ ان کے مرنے سے صرف احمد خان صاحب لاوارث ہی نہیں ہو گئے بلکہ اس صدمہ نے ان کی کمر توڑ دی۔

مان بائی واگھیلی جی | سمت ۱۹۴۰ میں دیوان شمشیر خان رئیس بڑگاؤں کی بیوہ مان بائی واگھیلی جی نے انتقال کیا۔ ان کی مدد معاش کا گاؤں موضع روپال حسب معمول ریاست خالصہ کر لیا گیا۔ مان بائی شمشیر خان کے مقبرہ میں مدفون کی گئیں اور ہزہائنس نے دستور خاندان کے مطابق بڑی فراخ حوصلگی کے ساتھ کل رسومات ادا فرمائیں۔

امان بائی | امان بائی موضع چھپیانہ کے جاگیردار سلیم خان عرف سلو میاں لوہانی کی لڑکی تھیں۔ ان کی شادی عثمان خان کے ساتھ سمت ۱۸۹۸ میں ہوئی تھی اور ۱۵ صفر ۱۳۰۳ھ کو انکا انتقال ہوا۔

احمد خان صاحب | ۱۱ جمادی الآخر ۱۳۰۳ ہجری کو ہزہائنس کے حقیقی چچا احمد خان صاحب نے تپ غشی سے رحلت کی۔ احمد خان نہایت آزاد منش، سپاہی دوست، فیاض طبع اور صاحب جرات رئیس تھے۔ شیر چیتے اور کتے وغیرہ ہر قسم کے شکاری جانوروں کی پرورش میں ان کے معمولی مصارف کا بہت بڑا حصہ صرف ہوتا تھا۔ شیر کے شکار کے بڑے شائق تھے۔

ان کے انتقال کے بعد حسب معمول ریاست ان کی جاگیر کے آٹھ گاؤں خالصہ کر لئے گئے اور ان کی دو بیواؤں کی پرورش کے لئے تین تین ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کے دو گاؤں بطور مدد معاش چھوڑ دیے گئے۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد ان کی ایک بیوہ امیر بائی بنت حیات خان لوہانی بھی انتقال

مرگئیں اور ان کی مدد معاش کا گاؤں حسب دستور مروجہ شامل خالصہ کیا گیا۔

سکندر خانصاحب ۱۶ ذیحجہ ۱۳۰۳ھ کو دیوان زور آور خانصاحب مرحوم کے سوتیلے بھائی سکندر خان مرگ مفاجات سے فوت ہوئے حسب معمول ان کی جاگیر کے آٹھوں گاؤں ضبط ہو کر ان کی بیوہ کنور بائی بنت بہادر خان ہتیانی کے لیے بجواز روئے قرابت ہز ہائنس کی سالی بھی ہوتی ہیں وظیفہ مقرر کر دیا گیا۔ لیکن بائی صاحبہ نے ناراض ہو کر گورنمنٹ انگریزی میں استغاثہ دائر کیا۔ بہت سا روپیہ خرچ ہوا اور پھر بھی ریاست ہی کے حق میں فیصلہ صادر کیا گیا۔ اس موقع پر گورنمنٹ نے باہمی تصفیہ کر لینے کا ایما کر کے دیہات جاگیر کی ضبطی کی نسبت ہز ہائنس کو اختیار دوامی عطا کر دیا جسکے متعلق ۱۸۸۶ء کے احکام مصدرہ گورنمنٹ اور دیگر ضروری کاغذات دفتر سرکاری میں موجود ہیں۔

ان تمام بے اعتدالیوں کو نظر انداز کر کے ہز ہائنس نے اپنی فطرتی دریا دلی سے کام لیا اور کنور بائی کی قرابت قریبہ پر نظر کر کے تمام تنازعات و اختلافات سابقہ سے چشم پوشی فرمائی۔ اور تین ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ایک گاؤں تینی وارڈہ مدد معاش میں عنایت کیا۔

سلیم خان سلیم خان ابن عثمان خان کثرت شراب نوشی کے سبب امراض متضادہ میں مبتلا ہو کر ۱۳ جمادی الآخر سنہ ۱۳۰۴ھ کو فوت ہوئے۔ خاندان ہتیانی میں یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے زمانہ کی ضرورت کا احساس کر کے انگریزی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ گھوڑے کے بڑے شہسوار تھے اور مزاج میں تحمل و بردباری کا مادہ بھی بہت زیادہ تھا۔

سونا بوبو ۱۲ رمضان ۱۳۰۵ھ کو ہز ہائنس کی سوتیلی دادی سونا بوبو بنت بابی مبارز خان کا انتقال ہوا۔ بائی صاحبہ کی وفات کے بعد موضع سدرپور اور آنبلیاران کی وجہ معاش کے دیہات وغیرہ ریاست کے دستور کے موافق شامل خالصہ کر لئے گئے۔

عثمان خان صاحب سونا بوبو صاحبہ کے دو مہینے اور سترہ دن بعد یعنی ۸ ذیحجہ ۱۳۰۵ھ کو ان کے لائق فرزند

عثمان خان نے بھی بخار اور سرطان کے عارضہ میں قضا کی۔ عثمان خان خاندان ریاست میں آفتاب تھے ان کی علمی لیاقت اور علم دوستی مشہور عام ہے اور جبکا شہرہ سن سن کر دور دور سے لوگ آتے تھے اور ہر قسم کا فیض حاصل کرتے تھے۔ علوم مشرقی میں ان کی عربیت بہت اچھی تھی اور مولوی کرامت علی صاحب سے فیض تعلیم حاصل کیا تھا۔ خیر و خیرات کا سلسلہ بھی ان کے ہاں سے برابر جاری رہا کرتا تھا۔

امیر بائی زوجۂ احمد خان امیر بائی موضع ورنا واڑہ کے جاگیردار حیات خان کی لڑکی تھیں اور چونکہ احمد خان صاحب کے اکلوتے لڑکے سربلند خان کا انتقال ہو چکا تھا اور ان کا کوئی وارث نہیں رہا تھا اس لیے محض اولاد کی امید میں باوجود پیرانہ سالی انھوں نے امیر بائی کے ساتھ شادی کی تھی مگر خلاف امید کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی اور احمد خان صاحب کے انتقال کے ۶ برس بعد ۱ رجب ۱۳۰۹ھ کو عین عالم جوانی میں امیر بائی نے بھی رحلت کی۔

حیدر علی خان ۲۹ رجب ۱۳۱۳ھ کو حسین محمد خان کے چھوٹے لڑکے حیدر علی خان نے عین عالم شباب میں تپ دق کے عارضہ سے انتقال کیا۔ انھوں نے راجکوٹ کے راجکمار کالج میں اور نیز پرائیویٹ طور پر انگریزی اور گجراتی تعلیم حاصل کی تھی۔ یہ لاولد مرے لیکن ان کی بیوہ حسین بائی زندہ و سلامت ہیں۔

محبوب علی خان محبوب علی خان، سلیم خان ابن عثمان خان کے اکلوتے فرزند تھے۔ لیکن بچپن ہی میں یتیم ہو گئے تھے اور اپنے لائق دادا کے سایۂ عاطفت میں پرورش پا رہے تھے کہ ۲۵ رمضان ۱۳۱۳ھ کو دماغی عارضہ میں مبتلا ہو کر فوت ہوئے اور ان کی موت کے ساتھ سلیم خان کی نسل کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

سردبا بیوۂ فیض محمد خان سردبا موضع ترنبا علاقہ بھیج کے راجپوت سوراجی کی لڑکی تھیں اور ان کی شادی فیض محمد خان ابن سکندر خان کے ساتھ ہوئی تھی۔ ۱۱ شوال ۱۳۱۲ھ کو تپ دق کے عارضہ سے ان کا انتقال ہوا۔ ان کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

بلند بائی بلند بائی حسین محمد خان کی لڑکی تھیں۔ انھوں نے کلام مجید کے علاوہ اردو اور گجراتی زبانوں کی تعلیم

بھی حاصل کی تھی۔ ابھی ان کی شادی بھی نہ ہوئی تھی کہ ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۱۷ھ کو عارضہ چیچک میں فوت ہوئیں۔

امیر بائی صاحبہ زوجہ والی حال

۱۱ شوال ۱۳۱۹ھ کو عصمت مآب امیر بائی صاحبہ زوجہ والی حال خلد اللہ ملکہم نے دس برس تک مرض استسقا میں مبتلا رہکر شام کے چار بجے انتقال فرمایا اور اسی دن رات کو گیارہ بجے دیوان فیروزخاں ثالث کے مقبرہ میں دفن کی گئیں۔ یہ واقعہ ریاست اور رعایا کے لئے نہایت جانکاہ اور غیر وقت تھا کیونکہ بیگم صاحبہ کے بعد محلات میں کوئی بڑی بوڑھی ایسی نہ تھی جو ہزہائنس کے صاحبزادوں اور صاحبزادیوں کو اپنی سرپرستی اور تربیت میں سنبھالتی۔ اس واقعہ کو زیادہ تر المناک اس امر نے بنا دیا تھا کہ مرحومہ و مغفورہ کو اپنے جگر پاروں کا سہرا بھی دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

بیگم صاحبہ کے متعلق حسب رواج ملک کل رسومات تعزیت اور سوگواری بڑی فراخ دلی کے ساتھ ادا کی گئیں۔ گو سمت ۱۹۵۶ کی قحط سالی نے ریاست کی مالی حالت کو بہت نازک کر دیا تھا لیکن ہزہائنس نے اپنی جبلی عادت کے موافق ادائے رسومات میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ نہایت کشادہ دلی کے ساتھ سوم کیا اور دسویں اور بیسویں کے کھانے بھی بڑی دھوم دھام سے کھلائے۔ بعدازاں چہلم پر تمام شہر کے ہندو اور مسلمانوں کو عام کھانا دیا گیا۔ اس رسم کو یہاں کی اصطلاح میں "شہر کھلانا" کہتے ہیں۔

دستور ریاست کے بموجب چہلم پر کُل ریاستوں، معززین بیرونجات اور متعلقین ریاست کو دعوتی رقعے بھیجے گئے تھے اور چونکہ ہزہائنس کی ملنساری نے اپنی ملاقات کے دائرہ کو بہت زیادہ وسعت دے رکھی ہے اس لئے اس موقع پر ریاستوں کے معتمدین اور اطراف و جوانب سے مہمان بکثرت آئے تھے۔ علاوہ ان معزز لوگوں کے علاقہ ریاست سے بھی بہت سے لوگ شریک چہلم ہوئے تھے۔

چہلم کے کھانے میں شہر کے کُل مسلمانوں کو پکا ہوا کھانا کھلایا گیا تھا اور اہل ہنود کو کچا سیدھا از لوازم طعام تقسیم کیا گیا تھا۔ اس موقع پر اندازاً ساٹھ ہزار آدمیوں نے کھانا کھایا تھا۔ غرضکہ ہزہائنس نے اپنی معزز بیگم امیر بائی صاحبہ کے انتقال پر ہر اسم غمی کے ادا کرنے میں جس فیاضی اور سیرچشمی کا اظہار کیا تھا اسکا تذکرہ آجتک

لوگوں کی زبانوں پر ہے۔

بیگم صاحبہ جنکا لقب "محل سری ہیتانی جی" تھا، نہایت باسلیقہ، صاحب تمیز اور امورات خانہ داری میں بے حد ہوشیار تھیں جس طرح یہ طرز معاشرت اور آداب تربیت میں کمال رکھتی تھیں اسی طرح فوائد غربا پروری کے اصول سے بھی غافل نہ تھیں۔ چنانچہ محض انسانی ہمدردی سے انھوں نے یہ طریقہ رکھا تھا کہ محکمۂ فوجداری یا دارالشفا میں جہاں کسی بچہ کی خبر سنتیں فوراً صرف خاص سے اسکی پرورش اور نگرانی وغیرہ کا عمدہ اور آسائش دہ انتظام فرما دیتیں۔

حسین محمد خان | حسین محمد خان ولد عثمان خان عارضۂ سل میں دس بارہ برس مبتلا رہکر ۴ رمضان سنہ ۱۳۲۰ھ کو فوت ہوئے۔ اور دیوان شیر خان کے مقبرہ میں دفن کئے گئے۔

حسین محمد خان نے اگرچہ باقاعدہ تحصیل علم نہیں کی تھی لیکن آپ کی خداداد ذہانت نے کوئی علم اور کوئی فن ایسا باقی نہ چھوڑا تھا جس میں کچھ نہ کچھ دخل نہ ہو گویا کہ آپ ہر فن مولا تھے۔ علمی مسائل میں آپ جید سے جید مولوی سے بھی دبتے نہ تھے اور نہایت معقولیت کے ساتھ مجلس مناظرہ میں علما کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے تھے۔ اسقدر تبحر علمی اور واقفیت عامہ کے باوجود آپ نہایت منکسر المزاج اور متواضع رئیس تھے۔ تکبر و غرور آپ کے پاس تک نہیں آیا تھا۔ مروت اور چشم پوشی آپ میں یہانتک بڑھی ہوئی تھی کہ قوت انتظامیہ کے اظہار کا موقع بھی نہ ملتا تھا اور حالانکہ آپ نہایت صائب الرائے اور خوش تدبیر تھے۔ آپ کی نسبت ہز ہائنس کا مقولہ ہے اور نہایت درست ہے کہ

"حسین محمد خان کی مانند ہمارے خاندان بھر میں کوئی صاحب فہم۔ دور اندیش اور نکتہ رس نہیں ہے"

حسین محمد خان صاحب کے معلومات بہت وسیع تھے اور ہر کس و ناکس سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے تھے اسی لئے آپ عام طور پر ہر دلعزیز ہوگئے تھے۔ علوم انگریزی۔ فارسی۔ اردو اور گجراتی میں معمولی لیاقت تھی

مگر مسائل علمی کے نکات کو سمجھنے میں پوری مہارت رکھتے تھے۔ آپ کے اعلیٰ اخلاق اور خصائل رضیہ کی تعریف آج تک لوگوں کی زبانوں پر ہے۔

بوبناں بائی زوجۂ زبردست خان | بوبناں بائی زوجۂ زبردست خان کا ۶ رشعبان ۱۳۲۱ھ کو انتقال ہوا۔ یہ زبردست خان کی دوسری بیوی اور برگاؤں کے بہاری عثمان خان کی لڑکی تھیں محض اولاد کی تمنا میں یہ شادی کی گئی تھی اور ایک لڑکا ان کے بطن سے پیدا بھی ہوا تھا مگر افسوس کہ چند مہینے زندہ رہکر مر گیا۔ اسکے بعد بوبناں بائی کے پیٹ سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

رتن بائی | رتن بائی صاحبہ کا بعارضۂ تپ دق ۷ ر رمضان ۱۳۲۳ھ کو انتقال ہوا۔ اور اپنے خاوند کے پہلو میں دفن کی گئیں۔ یہ ہز ہائنس کے حقیقی چچا احمد خان کی صاحبزادی تھیں اور حسین محمد خان کے ساتھ سمت ۱۹۱۶ میں ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان کے بطن سے دو لڑکے اور تین لڑکیاں پیدا ہوئیں مگر ان پانچوں میں سے اسوقت صرف زبردست خان صاحبزادہ باقی ہیں جو ہز ہائنس کے بڑے داماد ہوتے ہیں۔ رتن بائی نہایت فیاض اور منتظمہ خاتون تھیں۔ اور امور خانہ داری میں بہت اچھی دستگاہ رکھتی تھیں۔

ماجی بائی | حسین محمد خان کی چھوٹی لڑکی ماجی بائی نے عارضۂ سل میں عرصہ تک مبتلا رہکر ۹ ر ذیقعدہ ۱۳۲۳ھ کو انتقال کیا۔ انتقال کے وقت ان کی عمر سولہ سترہ برس کی تھی اور شادی نہیں ہوئی تھی۔

ہز ہائنس کی پچھلی اور حال کی صحبتیں

ہماری تاریخ کے ہیرو اور سرتاج ہز ہائنس سر شیر محمد خان بہادر بالقابہ کے دربار میں خوش نصیبی سے یکے بعد دیگرے ایسے ایسے برگزیدہ اشخاص اور نیک دل مصاحب جمع ہوتے گئے کہ اگر ان کے ذاتی اخلاق و اوصاف بیان کئے جائیں تو بجائے خود ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے لیکن چونکہ اسوقت ہم کو ان کے

پورے پورے حالات لکھنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی اس لئے صرف چند ناموں اور ان کے مختصر حالات پر اکتفا کرتے ہیں۔

پچھلے مصاحب مسٹر جیکب مائلز۔ بہاری پہاڑ خاں ولد صلابت خان۔ مولانا سید رحمت میاں صاحب۔ کوٹھاری دلچند ودجی۔ کوٹھاری دہرم چند مانک چند۔ حکیم نومیاں۔ سیدا دائی میاں۔ گمان جی اور مہرجی یہ نو شخص ہز ہائنس کی مصاحبت میں تھے۔ اگرچہ یہ پاک روحیں اب دنیا میں نہیں ہیں۔ لیکن ان کا ذکر خیر عوام کی زبانوں پر ضرور چڑھا ہوا ہے۔

مسٹر جیکب مائلز مسٹر جیکب مائلز پالن پور کے پہلے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ کرنل مائلز کے خلف الرشید تھے۔ بچپن سے ہز ہائنس کے ساتھ رہکر بڑے ہوئے تھے اور بہت وجیہ اور شکیل نوجوان تھے۔ لیکن افسوس کہ وہ زر پرستی میں یہانتک محو رہا کرتے تھے کہ اسی استغراق نے آخر کار ان کو پاگل کر دیا اور پچپن ۵۵ برس کی عمر میں پالن پور سے ۱۹۴۳ء میں بمبئی چلے گئے۔ ان کی یہ کیفیت سن کر ولایت سے ان کے بھائی آئے اور انہیں اپنے ہمراہ لے گئے جہاں جاکر ۱۸۹۲ء میں انکا انتقال ہوگیا۔

بہاری پہاڑ خان بہاری پہاڑ خان، خاندان بہاری کے ایک رکن اور نہایت نیک نفس شخص تھے۔ اپنی لیاقت سے ہز ہائنس کے مزاج داں اور پالن پور میں ہر دلعزیز ہوگئے تھے۔ ہز ہائنس ان کی خوبیاں دیکھ دیکھ کر ان سے بہت خوش تھے۔ اور اسی لئے اپنا مصاحب اعلیٰ بنالیا تھا۔

مولانا رحمت میاں صاحب مولانا کا نام لینا یا لکھنا تو بہت آسان ہے لیکن جو جوہر مولانا میں تھے، ان کو ظاہر کرنا ہمارے قلم کی طاقت سے باہر ہے۔ مولانا فی الواقع خدا کی شان تھے۔ کبھی ابوالفضل کی روح ان میں بولتی تھی اور کبھی ملا عبدالقادر بدایونی کی زبان ان کی ہمزبان ہوتی تھی۔ کبھی یہ حکیم ابوالفتح شیرازی کی حکمت کے موتی رولتے تھے اور کبھی شیخ مبارک کی ہمہ دانی سے ٹکر لیتے تھے۔ غرضکہ حقائق و دقائق، معقول و منقول اور تصوف و معارف جس رنگ میں دیکھتے تھے مولانا کا طوطی بولتا تھا۔ افسوس! آں قدح بشکست وآں ساقی نماند۔

کوٹھاری ولبھ چند کوٹھاری صاحب کا نام دربار مصاحبت کا صدر نشین ہے۔ آپ نے کچھ مدت تک وزارت کی کرسی پر بھی جلوس کیا ہے۔ آپ پرانے اہلکاروں میں بہت ہی معزز و معتبر مانے جاتے تھے ہز ہائنس کو بھی آپ پر نہایت درجہ بھروسہ تھا اور آپ معاملات ملکی میں سلجھے ہوئے اور دور اندیش شخص تھے۔ آپ ۲۷ جنوری ۱۸۹۳ء کو سرگباشی ہوئے۔

کوٹھاری وہرم چند کوٹھاری وہرم چند ہز ہائنس کے اعلیٰ مصاحبوں میں تھے۔ ان میں بہت سی عمدہ صفتیں موجود تھیں۔ ملکی معاملات میں ان کی نگاہ دور تک پہنچتی تھی۔ علم حساب میں بہت اچھا ملکہ تھا۔ جزورسی اور خیر خواہی نے ہز ہائنس کے دل میں یہانتک جگہ کی تھی کہ صرفِ خاص کا محکمہ ان کے سپرد کر دیا گیا تھا۔ ہز ہائنس کی ان پر خاص عنایت تھی سمت ۱۹۵۲ میں انکا انتقال ہوا۔

حکیم بنو میاں حکیم صاحب سورت کے رہنے والے کمالات انسانی میں صاحب کمال تھے۔ فن طبابت میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے انکی قابلیت مشہور اور ملنساری مقبول عام تھی۔ اپنی بذلہ سنجی اور حسن خدمت سے ہز ہائنس کے مصاحب خاص بن گئے تھے۔ افسوس کہ سمت ۱۹۵۴ میں قضا نے ان پر حملہ کیا اور اپنا کام کر گئی۔

سید ادائی میاں تعلیم نے گو سید ادائی میاں کے دماغ پر دستکاری خرچ نہیں کی تھی مگر فطرتی ذہانت اور خداداد مادہ نے انھیں ریاست میں میر عمارت بنا دیا تھا اور انھوں نے بھی جس خوبصورتی کے ساتھ اپنی خدمات کو انجام دیا وہ قابل تعریف ہے۔ ادائی میاں اپنی خوش فکری اور مزاج دانی سے ہز ہائنس کی مصاحبت کے درجہ تک پہنچ گئے تھے اور ۱۳ جنوری ۱۹۰۴ء کو پلیگ ڈیوٹی ادا کرتے ہوئے اسی مرض میں مبتلا ہو کر جان بحق تسلیم ہوئے۔

گمان جی چارن جسطرح راجہ بیربر دربار اکبری میں رہا ہوا تھا اور اس نے اپنی لطیفہ گوئی۔ ظرافت اور چٹکلوں سے شہنشاہ اکبر کو اپنا گرویدہ کر رکھا تھا اسی طرح گمان جی بھی ہز ہائنس کی خلوت کے کھلونے اور ان کے مزاج میں دخیل تھے

اور فی الحقیقت گمان جی کو ہزہائنس کے ساتھ خاص عقیدت تھی۔ تمام عمر آپ ہی کے قدموں میں کاٹ دی اور خیر خواہی میں نام پیدا کر کے اپنی جاگیر کے گاؤں سانفرڑہ میں سمت ۱۹۵۱ میں انتقال کیا۔ یہ قوم کے چارن تھے اور ان کے چچا موڑجی دیوان زور آور خان صاحب کے مصاحبوں میں ایک اچھے شخص گزرے ہیں۔

ہیرجی | اگرچہ ہیرجی[۵۱] ارباب نشاط کے داروغہ تھے مگر ان کی خوبیوں نے انھیں ہزہائنس کے دربار میں پہنچا دیا تھا۔ طبیعت میں آزادی اور دیانت داری بہت تھی۔ فن ستار نوازی میں انھیں ہزہائنس کی اُستادی کا فخر حاصل تھا اور یہ سمت ۱۹۵۷ میں رہ گرائے عالم بقا ہوئے۔

صحبت حال | ہزہائنس کے مصاحبوں کا یہ مجمع جسکا ذکر اوپر بیان کیا گیا، ایسا تہ خاک ہوا ہے کہ آئندہ ان کا نعم البدل ملنا دشوار ہے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے ہزہائنس کی صحبت میں اسوقت بھی جو معدودے چند پرانے مصاحب نظر آرہے ہیں، مغتنمات سے ہیں اور ان کا تذکرہ اختصار کے ساتھ ہم درج ذیل کرتے ہیں۔

سید عبدو میاں صاحب | سید صاحب خاکسار مؤلف کے والد ماجد ہیں اس لئے آپ کے حالات پر ریویو کرنا میرے لئے کسیقدر مشکل امر ہے تاہم ضرورت وقت پر لحاظ کر کے ڈرتے ڈرتے دو چار فقرے لکھتا ہوں۔ آپ فضائل صوری و معنوی سے آراستہ و پیراستہ ہیں۔ راستی و حق پسندی۔ نیکی و نیک نفسی آپ کے خاص اوصاف ہیں۔ تحقیق و تنقیح کے شائق۔ عالم دوست اور ملنسار ہونیکے علاوہ مزاج میں آزادی و سلامت روی بہت زیادہ ہے۔ آپ کی عمر اسوقت پینسٹھ برس کی ہے۔

ٹھاکر معظم خان صاحب | ٹھاکر معظم خان جاگیردار[۵۲] گیڈا سن اسوقت بجائے بہاری بہار خان کے مصاحب اعلیٰ ہیں۔ ان کے والد اعظم خان دیوان زور آور خان صاحب مرحوم کی مصاحبت میں سے تھے۔ ٹھاکر صاحب پر

---

[۵۱] اگرچہ یہ نام ہندوؤں کا سا ہے لیکن ہیرجی ایک سچے اور راسخ الاعتقاد مسلمان تھے۔ ۱۲۔ لمولفہ۔

[۵۲] جاگیردار وہ کہلاتے ہیں جن کو ریاست کی طرف سے مدد معاش کے طور پر جاگیر عطا کی جاتی ہے۔ اس جاگیر کا قائم رکھنا نہ رکھنا والی ریاست کی مرضی اور رائے پر منحصر ہے ۱۲۔ لمولفہ

ہز ہائنس کی خاص نظر عنایت ہے اور ان کو اپنا سچا خیر خواہ سمجھتے ہیں۔

لالہ ٹھاکر داس صاحب لالہ ٹھاکر داس دہلی کے رہنے والے بھاگو فرق کے اعلیٰ رکن اور ریاست کے خیر خواہ اہلکار ہیں۔ اسوقت آپ ایجنسی میں وکیل حاضر باش ہیں اور ہز ہائنس کی مصاحبت کا فخر بھی حاصل کئے ہوئے ہیں علم دوستی کے علاوہ ان کو مباحثہ و مناظرہ میں خاص ملکہ خداداد ہے۔

سیٹھ شاہ پورجی سیٹھ شاہ پورجی دادابھائی ہز ہائنس کے لڑکپن کے ساتھی ہیں۔ ابتدا ہی سے یہ پالن پور کی سپرنٹنڈنسی میں ملازم ہوئے اور پنشن ہونے تک وہیں رہے۔ مگر بیچ میں تھوڑی مدت کے لئے ریاست میں ان کی خدمات منتقل کرالی گئی تھیں۔ سیٹھ صاحب نے اپنی وضعداری کو شروع سے ابتک خوب نبھایا ہے اور اسی وضعداری کی برکت سے ہز ہائنس بھی ان کو اچھی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ اسوقت ان کی عمر ساٹھ برس سے متجاوز ہے۔

ہز ہائنس کی اولاد

ہز ہائنس کے پہلے صاحبزادہ فتح خان کی ولادت اور رحلت کا حال بجائے خود درج کتاب ہوچکا ہے۔ صاحبزادہ فتح خان کے انتقال کے بعد یکم رمضان ۱۳۱۰ھ ہجری مطابق ۷ رجولائی ۱۸۹۳ء اساڑھ سدی ۳ ر سمبت ۱۹۴۰ شنبہ کو امیر بائی کے بطن سے ولیعہد ریاست کا تولد ہوا۔

حسب رواج خاندان رسم بسم اللہ خوانی کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور بارہ برس کی عمر تک گجراتی (ملکی زبان) میں بہت اچھی لیاقت پیدا کرلی اور معمولی اردو بھی جاننے لگے۔ پھر انگریزی پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اگرچہ شروع شروع میں صاحبان پولیٹیکل کی طرف سے راجکوٹ کے راجکمار کالج میں داخل کرنیکے لئے بہت زور دیا گیا لیکن چونکہ اول تو ہز ہائنس ولیعہد کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کرنا گوارا نہیں کرتے تھے اور

آپ کو اپنے بیٹے فتح خان کا نعم البدل سمجھتے تھے۔ دوسرے خود ولیعہد بہادر کی صحت جسمانی بھی اس قابل نہ تھی کہ ماں باپ کے آغوش محبت سے جدا ہو کر تندرست رہ سکیں اسلئے ہز ہائنس نے ان کو کالج میں بھیجنا پسند نہیں کیا اور اپنے ہی دار الریاست میں آپ کی تعلیم و تربیت کا نہایت عمدہ انتظام کر لیا۔

جب ولیعہد بہادر انگریزی زباندانی میں قابل ستائش لیاقت پیدا کر چکے تو آپ کو روشن دماغ صاحبان یورپین سے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کا شوق ہوا کیونکہ آپ یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ اگر کوئی رئیس ترقی کے میدان میں گھوڑے دوڑا سکتا ہے تو اسکے لئے فرض ہے کہ پہلے ترقی یافتہ اقوام سے وسائل ترقی حاصل کرے اس دوراندیش خیال نے سب سے پہلے ولیعہد بہادر کو شکار پر لگایا۔ شکار کے لئے گھوڑے کی سواری لازمی ہے اسلئے تھوڑے ہی عرصہ میں سواری شکاری دونوں میں بہت اچھی مہارت پیدا کر لی اور اب شکار دوست یورپینوں کے پہلو بہ پہلو شکار پر گھوڑے دوڑانے لگے چنانچہ اس چھوٹی سی عمر میں آپ نے بڑی قسم کے دو شیر اور بہت سے چیتے وغیرہ مارے ہیں۔

سواری شکاری کے ساتھ ہی ساتھ ولیعہد بہادر کو اور بھی سپاہیانہ کرتبوں کا شوق ہوا اور کرکٹ۔ فٹ بال۔ لان ٹینس اور پولو وغیرہ میں عمدہ مہارت حاصل کی محض ذاتی شوق سے ایجنسی جبل کے قریب ایک بہت بڑا میدان تیار کرا کے پولو کے لئے مخصوص کیا اور ہفتہ میں چار دن پولو کھیلنے کے لئے مقرر کئے۔ کھیل کود کے علاوہ کتب بینی سے آپ کو خاص دلچسپی رہی ہے اور پندرہویں سال میں قدم رکھتے ہی جغرافیہ۔ تواریخ۔ طبعیات۔ فنون جنگ اور علم نباتات و حیوانات کے متعلق اکثر کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہنے لگیں۔

چونکہ ولیعہد بہادر کو ابتدائے عمر سے فنون جنگ کے ساتھ خاص لگاؤ تھا اس لئے ۷ جولائی سنہ ۱۹۰۲ء کو آپ اپنے ذاتی شوق سے امپیریل کیڈٹ کور میں داخل ہونے کے لئے ڈیرہ دون گئے۔ کیڈٹ کور میں رہکر جس کامیابی کے ساتھ آپ نے کام کیا ہے اسکا حال اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ کیڈٹ کور میں تین برس کا
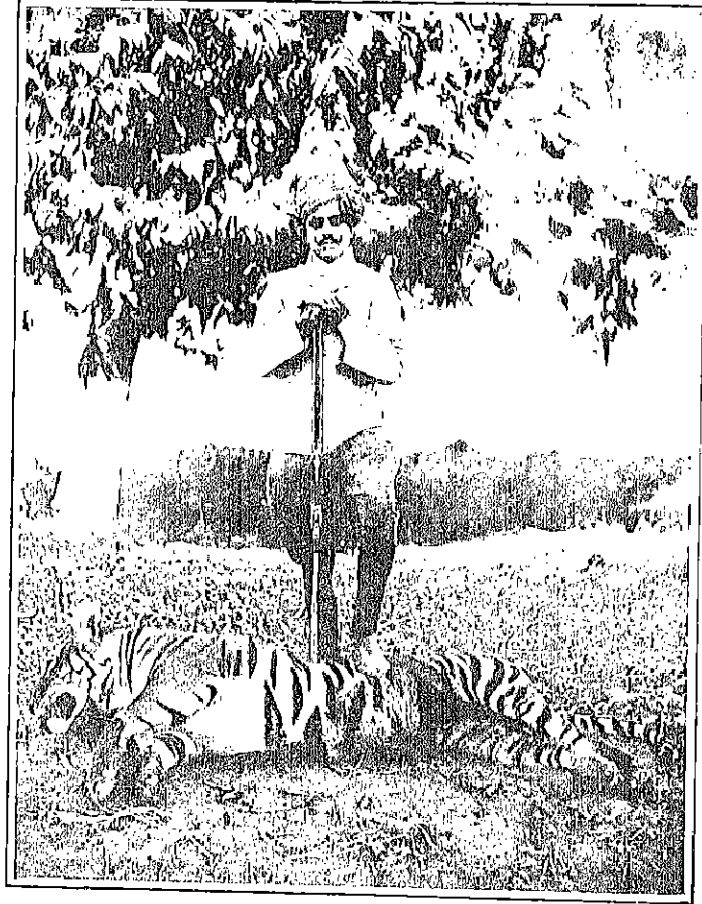
ولیعہد بہادر اور شیر کا شکار

ولیعہد بہادر امپیریل کیڈیٹ کور کی وردی میں

کورس ہے مگر صرف دس ماہ کے عرصہ میں آپ کو دارالریاست میں واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ اور آپ نہایت نیک نامی سے عمدہ سرٹیفکیٹوں کا ذخیرہ لے کر پالن پور تشریف لائے۔ آپ نے نہ صرف کیڈٹ کور میں رہکر فنون جنگ میں واقفیت پیدا کی ہے بلکہ بطور خود بھی کتابوں کے مطالعہ اور واقفکار یورپین افسروں کی صحبت میں اس فن میں بہت اچھی مہارت پیدا کرلی ہے اور کرتے رہتے ہیں۔

اگرچہ ولیعہد بہادر کیڈٹ کور میں صرف دس ہی مہینے رہے ہیں لیکن اپنی خوش اخلاقی نیک چلنی اور عمدہ برتاؤ سے تمام کیڈٹ کور کو اپنا مداح وثنا خواں بنالیا اور اپنے اخلاق و عادات کو ایسی عمدگی سے برتا کہ آجتک کیڈٹ کور میں آپ کی نظیر پیجانی ہے۔ والیسرائے ہند کی طرف سے کیڈٹ کور کی وردی کے استعمال کی اجازت بھی آپ کو مل گئی ہے۔ ملک معظم ایڈورڈ ہفتم کی تاجپوشی کے موقع پر کیڈٹ کور کے ساتھ آپ بھی دہلی میں شریک دربار تھے۔ وہاں بڑے بڑے رؤسا اور حکام انگریزی سے میل جول پیدا کرکے بہت ضروری اور مفید تجربوں کا خزانہ لائے۔

طبیعت میں جوہر خداداد تو موجود ہی تھا۔ علم کی روشنی نے اسپر اور جلا دیدی اور شوق و واقفیت کا اظہار عملی طور پر ہونے لگا۔ پھر شوق کے پورا کرنے کے لئے اسباب کا مہیا ہونا قدرتی سامان تھا جس نے آپکے تمام جوہروں کو ظاہر کردیا اور اب ولیعہد بہادر میں وہ تمام باتیں نظر آنے لگیں جو ایک لائق سمجھدار دوراندیش۔ حوصلہ مند اور منتظم رئیس میں ہونی چاہئیں چنانچہ ۱۹۰۳ء میں پالن پور پر طاعون کا چوتھا حملہ ہوا ہے تو ہز ہائنس نے آپ کی لیاقت و قوت انتظامیہ دیکھکر طاعون کے متعلق تمام و کمال اختیار آپ کو دیدیا اور پھر آپ کے ہاتھوں اور دماغ سے جو کچھ ظاہر ہوا تاریخ کے گزشتہ صفحات سے ظاہر ہے۔

ریاست اور ہز ہائنس پر ولیعہد بہادر کی لیاقت کا جسقدر اثر ہوا وہ تو معلوم ہی ہوچکا اب یورپین حکام کے دلوں پر جو کچھ اور جیسا کچھ آپ کی قابلیت کا سکہ بیٹھا ہے وہ یہ ہے کہ ۱۸ ستمبر ۱۹۰۶ء کو جب پونہ میں پونا ویک کا جلسہ قرار پایا ہے تو عالیجناب لارڈ لیمنگٹن بہادر گورنر بمبئی نے آپ کو خاص طور پر دعوت دیکر اس میں شریک کیا

دسمبر ۱۹۰۵ء میں بہادر کی مصنوعی جنگ میں بھی آپ شریک کیے گئے۔ اس موقع پر آپ نے میجر جنرل پارک سی۔ بی۔ اے۔ ڈی۔ سی۔ کے اسٹاف میں۔ اے۔ ڈی سی کے طور پر کام کیا تھا۔ جنرل سر آرچ بولڈ ہنٹر کمانڈنگ آفیسر افواج احاطہ بمبئی بھی بہادر میں شامل تھے۔ اور فی الحال ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان والی افغانستان کی مہمانداری کے لئے جو انتظامات ہو رہے ہیں اسکے منتظموں کی ذیل میں ولیعہد بہادر بھی مقرر ہو کر ۱۹ دسمبر ۱۹۰۶ء کو آگرہ تشریف لے گئے ہیں اور کیمپ کے انتظام وغیرہ کا جو کام آپ کو سپرد کیا گیا ہے اسکی انجام وہی میں مصروف ہیں۔

اس وقت ولیعہد بہادر کی عمر ۲۴ برس کی ہے۔ بائیس برس کی عمر میں شادی ہوئی اور اسکے ایک برس بعد آپ کے مشکوے معلی میں ایک لڑکی بھی پیدا ہو چکی ہے۔ آپ ایک ہونہار اور لایق نوجوان ہیں۔ عمدہ گھوڑے رکھنے کا آپ کو بہت شوق ہے۔ اچھے شہسوار اور شکار دوست ہیں۔ اوقات کی پابندی کا بڑا خیال ہے۔ مفید کتب کے مطالعہ اور جوانمردانہ مشاغل میں وقت گذارتے ہیں۔ گھوڑوں کو بذات خود تربیت کرتے ہیں۔ بگھی اور ٹم ٹم وغیرہ خود چلاتے ہیں۔ فنون کی طرف بھی خاص توجہ ہے۔ تصویر کشی میں بہت اچھی ترقی کی ہے۔ ہر شئے کی ماہیت دریافت کرنے اور ہر چیز کی تہ کو پہنچنے کا از حد شوق ہے۔ مزاج میں بیحد سادگی و سلامت روی ہے۔ آپ کا قول ہے کہ

"دیانت دار اور فرض کو فرض سمجھنے والا ماتحت قابل قدر ہے ورنہ مستوجب سزا"

اور اسی اصول پر آپ کا عمل درآمد بھی ہے۔ باوجود اعلیٰ تعلیم انگریزی اور نئی روشنی کے آپ مذہب کے بہت ہی پابند ہیں۔ بزرگان دین کی عزت و حرمت کا بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ شرفا کے قدر دان اور علم دوست ہیں۔ اور بخلاف اکثر ایشیائی رؤسا کے سگرٹ حقہ اور تمام منشی اشیاء سے بہت ہی متنفر ہیں۔

صاحبزادہ یاور حسین خاں بمقام بسیا کھیدی ۲ ستمبر ۱۹۸۳ مطابق ۹ مئی ۱۸۸۷ء ۱۵ شعبان ۱۳۰۴ھ کو دوشنبہ کے دن صبح کے سات بجے ہز ہائنس کے دوسرے صاحبزادے اور ولیعہد بہادر کے چھوٹے بھائی یاور حسین خان

صاحبزادہ یاور حسین خان صاحب

پیدا ہوئے۔ بسم اللہ خوانی کی عمر کو پہنچکر بسم اللہ ہوئی۔ ولیعہد بہادر کے ساتھ ساتھ ان کی بھی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ صاحبزادہ صاحب کو چونکہ حصول علم کا شوق فطرتاً بہت زیادہ تھا اس لئے انھوں نے ۱۲ برس کی عمر میں انگریزی اور گجراتی میں اچھی لیاقت پیدا کر لی اور مشاغل علمی کو زیادہ ترقی دینے کے لئے ایک سوسائٹی قائم کی جسکا نام "پالن پور جوینائل سوسائٹی" تھا۔ اس سوسائٹی قائم کرنے سے بڑا مقصد یہ تھا کہ طلبائے مدارس وغیرہ آپس میں مل جل کر خیالات کا تبادلہ کریں اور انگریزی زبان دانی میں استعداد بہم پہنچائیں۔ ہفتہ میں ایک دفعہ اسکا انعقاد ہوا کرتا تھا اور انگریزی۔ گجراتی اور اردو زبان میں لیکچر ہوتے تھے۔ لیکن افسوس کہ اس سوسائٹی کی عمر نے وفا نہ کی اور دو تین ہی برس کے بعد ٹوٹ گئی۔

گو یہ سوسائٹی بالکل ہی جاتی رہی تاہم صاحبزادہ صاحب کو اس سے بہت کچھ مدد ملی اور ان کی علمی استعداد میں نمایاں ترقی ہو گئی چنانچہ اب یہ انگریزی میں بخوبی تمام کام کر سکتے ہیں گجراتی اچھی جانتے ہیں اور اردو میں بھی بقدر ضرورت دخل ہے۔ چونکہ ولیعہد بہادر کے قدم بقدم یہ چلتے رہے ہیں اسلئے پولو فٹ بال اور شکار وغیرہ میں خوب مشاق ہیں اور گھوڑے پر بہت اچھا سوار ہوتے ہیں اور فوجی کرتبوں میں بھی اکثر اپنے بھائی کے ہمراہ رہتے ہیں۔

صاحبزادہ صاحب کی ابتک شادی نہیں ہوئی۔ آپ سادہ مزاج۔ رحم دل اور ملنسار ہیں۔ غرور ونخوت پاس تک نہیں پھٹکی۔ مروت و انسانیت میں اپنے ہم رتبہ لوگوں سے کئی قدم آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور سب سے زیادہ یہ ہے کہ اپنے سرپرست و شفیق باپ اور بھائی کے نہایت ہی فرمان بردار ہیں۔

ان دونوں صاحبزادوں کے علاوہ دو صاحبزادیاں بھی ہیں جن میں سے ایک ولیعہد صاحب سے بڑی اور دوسری سب میں چھوٹی ہیں۔ بڑی صاحبزادی کی شادی صاحبزادہ زبردست خان سے ہوئی ہے اور چھوٹی صاحبزادی جاگیردار نانوسنہ دوست محمد خان عرف ڈوسو میاں بابی کے لڑکے کمال الدین خان کے ساتھ بیاہی گئی ہیں۔

قابلِ ذکر ممبرانِ خاندان

صاحبزادہ زبردست خان — صاحبزادہ زبردست خان حسین محمد خان صاحب کے بڑے لڑکے اور ہزہائنس کے سوتیلے چچا عثمان خان صاحب کے پوتے ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً ۴۳ برس کی ہے۔ ریاست کی طرف سے آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے ہوئے ہیں۔ آپ گجراتی اور بقدر ضرورت انگریزی بھی جانتے ہیں۔ مردانہ کرتبوں کے شائق اور شکار کے بہت شوقین ہیں خصلت میں دریا دلی ہے۔ مزاج میں سادہ پن اور ملنساری بہت ہے۔ اپنے اخلاق سے لوگوں کو اپنا مداح بنا رکھا ہے اور ہر طرح کی رئیسانہ خو بو آپ میں موجود ہے۔

ہیتانی پہار خان — ہیتانی پہار خان جنکو عام لوگ پار امیاں کہتے ہیں، ہزہائنس کے ہم کفو اور خسر ہیں۔ آپکو ریاست سے جاگیر ملی ہوئی ہے۔ آپ سمت ۱۸۹۲ میں پیدا ہوئے اور اب ۷۲ برس کی عمر ہے۔ آپکو گجراتی اور پراکرت میں اچھی دستگاہ ہے۔ اور خاندان ہیتانی کے جس قدر اوصاف ہیں آپ میں موجود ہیں۔

ہیتانی ڈوسو میاں — ہیتانی ڈوسو میاں جنکا اصلی نام دوست محمد خان ہے، ہزہائنس کے خسر پورہ اور ہیتانی پہار خان کے بیٹے ہیں۔ یہ سمت ۱۹۱۹ میں متولد ہوئے۔ فارسی اور گجراتی آپ بخوبی جانتے ہیں اور مولانا مولوی رحمت میاں صاحب کے تلامیذ میں سے ہیں۔ ان دو زبانوں کے سوا پراکرت میں بھی آپ کو دخل ہے۔ آپ نہایت خوش اخلاق، علم دوست اور ملنسار ہیں۔ اکبر خان جعفر خان اور احمد خان تین لڑکے اولاد نرینہ میں ہیں۔ بڑے لڑکے اکبر خان کی شادی موضع ناویسنا کے جاگیردار ہیتانی پہار خان کی لڑکی کے ساتھ ہوئی ہے اور وہ صاحبِ اولاد ہیں۔

صاحبزادہ زبردست خان ولد حسین محمد خان

خاندانِ ہیتانی کی چند خصوصیات

امتیازِ قومی

دنیا کی تمام قوموں اور کُل فرقوں میں کوئی نہ کوئی تمیز اور کسی نہ کسی قسم کی خصوصیت ضرور ایسی ہوتی ہے جو ایک سے دوسرے کو تمیز کرنے اور پہچاننے کے وقت آلہ مقیاس کا کام دے سکے چنانچہ خاندانِ ہیتانی میں بھی بعض خصوصیتیں ایسی موجود ہیں جن کو دیکھ یا برت کر ہر شخص فرق بیّن اور تمیز بالامتیاز کر سکتا ہے۔

اوصاف

خاندانِ ہیتانی کے لوگ عموماً سلیم الطبع - بردبار - شجاع - فراخ دل - صاحبِ مروت اور سادہ مزاج ہوتے ہیں اور خصوصاً ان میں پیشوایانِ مذہب سے راسخ الاعتقادی کا مادہ زیادہ ہوتا ہے - بےتعصبی ان کے خمیر کا جزو اعلیٰ ہے - اگرچہ فطرتاً یہ لوگ بلند بالا متناسب الاعضا اور شکل وصورت میں وجیہ ہوتے ہیں لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ کم سنی اور شباب کی غلط کاریاں اور بے احتیاطیاں ان کے سروقد کو گھن لگا کر بہار عمر ہی میں انہیں خزاں نصیب کر دیتی ہے۔

گو قدرتی طور پر یہ لوگ ذہین - صاحبِ فہم و فراست اور ذکی الطبع ہوتے ہیں لیکن دیہات کی سکونت جہلا کی صحبت اور بے تربیتی ان کے فطرتی مادہ اور استعداد طبعی کو بالکل زائل کر دیتی ہے - یہاں تک کہ ان کا طرزِ معاشرت بھی شائستگی کے پیمانہ پر درست نہیں اترتا - اگر ریاست ان کی طرف توجہ فرمائے اور ان کے بچپن اور شباب کے جوشوں کی روک تھام کر کے ان کی تعلیم و تربیت کا عمدہ انتظام کرے تو لازمی طور پر ان میں تمام مکارم صفات پیدا ہو سکتے ہیں اور ان کی ذاتی لیاقتیں - انسانی تہذیب کے بلند پایہ پر پہنچنی ممکن ہیں۔

بہاری پٹھانوں وغیرہ کی شاخیں

خاندان ریاست کے ہمقوم اور بہاری پٹھانوں کے لواحقین کے نسب نامہ کی نسبت موضع منڈیاڑا اور دوسرے اضلاع کے بہی بنچوں کی پوتھیوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے مغلانی۔ ابوانی۔ خرمانی اور خانوپوترہ چار مشہور خیل ہیں، جنکا سلسلہ نسب ایک ہی جدّ اعلیٰ تک پہنچ جاتا ہے۔ اب ہم ان چاروں خیلوں کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہیں۔

مغلانی مغلانی خیل کی ابتدا والیان ریاست کے مورث اعلیٰ ملک خرم خان کے اجداد میں تیسری پشت پر علی شیر خان کی اولاد سے ہے۔ ان علی شیر خان کے پانچ لڑکوں میں سے چھوٹے کا نام مغل خان تھا اور ان ہی کے نام سے یہ خیل مغلانی مشہور ہوگئی۔ مغل خان کے پوتوں میں آٹھویں پشت پر امین خان ایک نامور شخص گزرے ہیں جنکے بڑے لڑکے ملک شاہ خان عرف میاں ملک جالور سے پالن پور آئے اور اسوقت علاقہ پالن پور کے مغلانی پٹھان ان ہی کی نسل سے ہیں۔

ابوانی یہ خیل۔ ملک خرم خان فاتح جالور کے لڑکے ملک یوسف خان کے چوتھے فرزند ابو خان سے منسوب ہے۔ ابو خان کے بیٹے شمس خان اور لاڑ خان کی نسل سے نہار خان۔ راجے خان اور جھوجھار خان، تین بھائی دیوان پہاڑ خان مقتول کے زمانہ میں جالور سے پالن پور آکر آباد ہوئے اور ان ہی سے تمام ابوانی خیل متعلق ہے۔

خرمانی خرمانی خیل، ملک خرم خان مورث اعلیٰ کے چھ لڑکوں میں سے تیسرے لڑکے محمد خان کی اولاد سے ہے مگر اس نے اپنے مورث اعلیٰ کے نام کی مناسبت پر "خرمانی" کے لقب سے شہرت پائی ہے محمد خان کے پوتوں میں ساتویں پشت پر چاند خان ابن وڈائی خان مع اپنے تین بیٹوں۔ تجار خان۔ صاحب خان

اور ہیبت خان کے جالور سے پالن پور آئے تھے۔ چاند خان کے چھوٹے بیٹے ہیبت خان کی اولاد میں چوتھی پشت پر ہیبت خان ثالث ابن صلابت خان ایک مشہور شخص گزرے ہیں، جنہوں نے موضع ہیبت پور سمت ۱۸۱۹ میں آباد کیا تھا۔ یہ گاؤں گویا تمام خُرمانی خیل کا معدن ہے اور موضع شیرپورہ۔ بہادرپورہ۔ گیڈاسن۔ کھسا اور نگانا وغیرہ سب مواضعات میں یہیں سے خُرمانی خیل پھیلا ہے۔

خانزپوتہ ملک خُرم خان فاتح جالور کے چھوٹے بھائی میرخان عرف خانزخان سے اس خیل کی ابتدا ہے اور بقول دیگر بہتانی خاندان کے جدا علےٰ ہیتم خان کے چوتھے لڑکے اور ملک خان کے منجھلے بھائی میرخان سے (جو اپنے بڑے بھائی غزنی خان کے ہمراہ ملک الشرق کی لڑائی میں بمقام او نجھا مارے گئے تھے) یہ خیل نکلا ہے[۱]۔ مگر اس آخرالذکر خیل کی توضیح بھی بنچوں کی کسی پوتھی میں نظر سے نہیں گزری۔ خانزپوتہ خیل کے لوگوں میں جو کچھ مشہور تھا ہمنے بیان کر دیا ہے۔ میرخان عرف خانزخان کی چھٹی پشت پر عبدل خان عرف خانزخان ثانی بہادرخان مقتول کی بے سروپا فوج کے ساتھ پالن پور آئے لیکن ان کی نسل اس وقت کم پائی جاتی ہے۔

متذکرہ بالا چار خیلوں کے علاوہ۔ احمدانی اور مھران دو اور شاخیں ہیں جن میں سے مھران کی نسبت مشہور ہے کہ دیوان بہادرخان ثانی کے عہد میں مغلانی خیل کے راجے خان کو انکی دریادلی کے سبب لوگ مھران (سمندر) کہنے لگے تھے چنانچہ اسکے بعد انکی نسل مھران کے لقب سے مشہور ہو گئی۔ لیکن احمدانی شاخ کی اصلیت اور وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہو سکی۔

ان دو شاخوں کے سوا لوہی۔ غوری اور داوے زئی یہ تینوں خیل بھی یکے بعد دیگرے ہماری پٹھانوں میں

[۱] بیان کیا جاتا ہے کہ حسب قاعدہ اس خیل کا لقب میرخان کی مناسبت سے میرانی مقرر نہ کرنے کا یہ سبب تھا کہ اس ملک کے مذاق کے موافق لفظ میرانی سے ایک گروہ اشتباہ پیدا ہوتا تھا۔ اور چونکہ میرخان کا عرفی نام خانزخان تھا اسلئے اس نام سے اخذ کر کے خانزپوتہ (خانزخان کی اولاد) لقب بنایا گیا۔ ۱۲۔ مولفہ

شامل ہو گئے ہیں۔ لودہی پٹھان جن خان لودہی کی نسل سے ہیں جو ملک عثمان خان زبدۃ الملک کی مدد پر سلطان محمود بیگڑہ کے حکم سے جالور آئے تھے۔ اس خیل میں چند آدمی مثلاً ملک میناء ملک پیارا۔ طوغاخان۔ احمد خان اور محمود خان وغیرہ بڑے نامی و گرامی گزرے ہیں۔ لیکن فی الحال ان میں صرف ایک ہی گھر باقی ہے۔

غوری پٹھان بقول بعض فوج شاہی میں ملازم تھے اور غزنی خان ابن ملک خان کی رفاقت میں بہاریوں سے سلسلۂ قرابت جاری کر کے ان میں شامل ہو گئے ہیں اور بقول بعض ملک خرم خان کے ساتھ صوبہ بہار سے آئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بھی لودہی پٹھانوں کی طرح تعداد میں بہت کم ہیں۔

داوے زئی پٹھان قصبہ بیجاپور سے آکر علاقہ پالن پور میں آباد ہوئے ہیں جس کا ذکر دیوان مجاہد خان کے حالات کی ذیل میں لکھا جا چکا ہے۔

والیان ریاست نے ان تمام خیل کے لوگوں کو بطور پرورش وقتاً فوقتاً جن جن دیہات کے پٹے عطا فرمائے ہیں یا وہ جس گاؤں میں سکونت پذیر ہیں ان کو ہم علیحدہ علیحدہ دکھانا چاہتے ہیں چنانچہ اسی غرض سے ذیل کے نقشہ میں ہر خیل کے ساتھ اسکے پٹہ کا گاؤں اور مقام سکونت درج کر دیا گیا ہے۔

نقشہ دیہات پٹہ و مقامات سکونت

نمبر شمار	نام موضع	نام خیل	پٹہ میں ہے یا محض جائے سکونت	کیفیت
۱	تاج پورہ	منغلانی	پٹہ میں ہے	
۲	ہروسے واسنا	"	"	نگری والوں کے پٹہ میں ہے۔
۳	اونبریچہ	"	"	اس گاؤں میں منغلانی خیل کا نصف حصہ ہے۔
۴	نگری	"	محض جائے سکونت	
۵	ملانہ	"	"	

نمبر شمار	نام موضع	نام خیل	پٹہ میں ہے یا محض جائے سکونت	کیفیت
۶	آلیبار	مغلانی	محض جائے سکونت	
۷	چڑوکھا	"	"	
۸	لونوہ	"	"	یہ گاؤں علاقہ کانگڑہ میں واقع ہے۔
۹	ڈالوانہ	ابوانی	پٹہ میں ہے	
۱۰	پالڑی	"	"	
۱۱	اونبرچید	"	"	اس گاؤں میں ابوانی خیل کا نصف حصہ ہے۔
۱۲	ہڑمتیہ	"	"	
۱۳	نظام پور	"	"	
۱۴	بھاکری	"	"	
۱۵	تینی واڑہ	"	محض جائے سکونت	
۱۶	کھوڑلا	"	"	
۱۷	بڑگاؤں	"	"	
۱۸	پیپلی	"	"	
۱۹	جیتروڑہ	"	"	
۲۰	سنیدہنی	"	"	
۲۱	شیرپورہ	خرمانی	پٹہ میں ہے	
۲۲	بہادرپورہ	"	"	
۲۳	ننگانہ	"	"	

نمبر شمار	نام موضع	نام خیل	پٹہ میں ہے یا محض جائے سکونت	کیفیت
۲۴	گیڑاسن	خزبانی	پٹہ میں ہے	
۲۵	بڑگاؤں	"	محض جائے سکونت	
۲۶	کھسا	"	"	
۲۷	بھل گام	"	"	
۲۸	آچین	"	"	
۲۹	لونوہ	"	"	یہ گاؤں علاقہ گانگواڑہ میں واقع ہے۔
۳۰	میپڑہ	خانوپوتہ	پٹہ میں ہے	
۳۱	موریا	احمدانی	نصف پٹہ	موریہ میں نصف حصہ سرکاری ہے اور موضع کیسالو علاقہ گڈہواڑہ میں پٹاوت موریا کے تین حصے ہیں۔
۳۲	مہرواڑہ	"	محض جائے سکونت	
۳۳	بڑگاؤں	"	"	
۳۴	مگرواڑہ	"	"	
۳۵	بڑگاؤں	مصران	"	
۳۶	پٹوسن	"	"	
۳۷	کانودر	"	"	
۳۸	ناویسنا	لودھی پٹھان	"	
۳۹	پانڈوہ	غوری پٹھان	پٹہ میں ہے	
۴۰	ویلیا	داودزئی پٹھان	"	

نمبر شمار	نام موضع	نام خیل	پٹہ میں ہے یا محض جائے سکونت	کیفیت
۴۱	بھروڑ	داوے زئی پٹھان	پٹہ میں ہے	
۴۲	بہادرپورہ (جیڑوکھا)	"	"	
۴۳	سقاواڑہ	"	نصف پٹہ	نصف حصہ سرکاری ہے
۴۴	بلکھڑی	"	محض جائے سکونت	

ہزہائنس کے عام اخلاق و اوصاف پر ایک سرسری نظر

زمانہ ماضی وحال کی شانِ ریاست

اگرچہ زمانہ کے ساتھ ہی اُن خیالات نے بھی رنگ بدل لیا ہے جو آج سے سو برس پہلے ایک رئیس کے حُسن و ذم کی تمیز کے لئے معیار تھے اور اہلِ زمانہ نے بھی ہوا کے ساتھ رُخ بدل کر اُن تمام فروعی مسائلِ حکمرانی کو بدل ڈالا ہے تاہم اگر عقل کی دوربین لگاکر غور کی آنکھ سے دیکھا جائے تو اصول فرمانروائی جو پہلے تھا وہی اب ہے۔ فرق صرف اسقدر آگیا ہے کہ کسی نے صورت کو اچھا سمجھا اور کسی نے سیرت کو۔

شاہانِ سلف کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن باتوں پر اگلے زمانہ والوں کو ناز تھا وہ آج قابلِ مذمت سمجھی جاتی ہیں اور جس قسم کی عادتیں فی زمانہ باعثِ فخر ہیں، اسوقت انکا سرزد ہونا عدم شرافت کی دلیل تھی۔ زمانہ سلف میں ہر انسانی حرکت کے اثر کو دیکھا جاتا تھا اور صورت معاملہ سے کم غرض ہوتی تھی بخلاف اسکے آجکل صورت معاملہ کو مدنظر کرکے اثر پر اندھیرا ڈال دیا جاتا ہے۔

جو کچھ ہمنے اوپر لکھا ہے یہ تو ایک قسم کے جھگڑے ہیں جو نئی اور پرانی روشنی والی طبیعتوں نے پیدا کر رکھے ہیں

اور جنکا کلی تصفیہ نہ ہوا ہے اور نہ شاید آیندہ ہو سکیگا۔ مگر ہم کو اسوقت ان تمام بحثوں سے کنارہ کش ہو کر مورخانہ نگاہ سے یہ دیکھنا چاہیے کہ ہز ہائنس نے جن کو پچھلی اور اگلی دونوں روشنیوں سے فیضیاب ہونے کا موقع ملا ہے، اپنے زمانہ حکومت میں کیا رنگ اختیار کیا ہے اور ان پچھلے اور اگلے دونوں باغوں میں سے کس کس قسم کے اور کیسے کیسے پھولوں کو چن کر اپنی شانِ حکومت کا طرّہ بنایا ہے۔

اخلاق وعادات

اگرچہ ہز ہائنس نے باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی لیکن مطالب علمی کی تحقیقات اور اہل علم کی صحبت کا شوق اتنا ہے کہ اس سے زیادہ ہو نہیں سکتا۔ یہ شوق کسی خاص مذہب یا خاص فن میں محبوس نہیں ہے بلکہ ہر ملت ومذہب اور ہر علم وفن آپ کی نگاہ میں یکساں ہے اور آپ ہر پھول میں سے اپنا من بھاتا شہد نکال ہی لیتے ہیں۔ بزرگانِ دین اور پیشوایانِ مذہب کی عظمت داخلِ عقیدت ہے۔ نیک نیتی اور خدا ترسی بچپن ہی سے مصاحب ہے اور عمر کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی رہی ہے۔

ریاست وحکومت۔ دولت وحشمت اور رئیسانہ جاہ وجلال کے باوجود نمائش کا بالکل خیال نہیں ہے۔ مزاج میں اسقدر سادگی اور انکسار ہے کہ علما وفقرا کی تعظیم کے لئے مسند سے اتر کر ان کے سامنے ہو بیٹھتے ہیں۔ رعایا کی دادخواہی کو فریادرسی کے کانوں سے سنتے ہیں۔ دردمندی سے حال پوچھتے ہیں اور تشفی ودلاسے کا جواب دیتے ہیں۔ غریبوں کی خاطر۔ بیکسوں کی مدد اور لاچاروں کی دلداری کرتے ہیں جب باتیں کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی کمترین مخلوق میں سے ہیں۔ لفظ لفظ پر سے توکل علی اللہ کا مینہ برستا ہوا نظر آتا ہے۔

خدا ترسی۔ رحم اور شفقت ہز ہائنس کے خمیر میں ملی ہوئی ہے۔ کسی کو تکلیف پہنچانا تو درکنار، جاندار کے دکھ کو دیکھ بھی نہیں سکتے۔ حتیٰ کہ آجتک اٹھائیس برس کی حکومت میں بڑے سے بڑے مجرم کو بھی پھانسی کی سزا کا حکم نہیں دیا۔ ہز ہائنس کا خیال ہے کہ

"پھانسی دینے سے خدا کی پیدا کی ہوئی مخلوق کو ضائع کرنے کے سوا چنداں اخلاقی فائدہ بھی متصور نہیں ہے"

اگر آپ کے اس دور اندیشانہ خیال پر غور کیا جاتا ہے تو لا محالہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پھانسی یا قتل کی سزا نے ارتکاب جرائم میں بال بھر بھی فرق نہیں پیدا کیا۔ بلکہ جرائم پیشہ لوگوں نے اس غارت گر جان سزا کے خوف سے ایک ڈگر کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کر لیا ہے یعنی فی زمانا مقدمات قتل و غارت کے بجائے جعلسازی اور چالبازی کے مقدمات بہت زیادہ ہونے لگے ہیں جو ہر حیثیت سے صورت میں نرم اور اثر میں سخت ہیں اور یہ ظاہری ہر کہ صاحب بصیرت لوگ ہر شے کے اثر کو دیکھتے ہیں نہ کہ صورت کو۔

یہ مانا گیا ہے کہ نہ کوئی کام اچھا ہے نہ کوئی برا۔ بلکہ ہر کام اچھا بھی ہو سکتا ہے اور برا بھی۔ ضرورت صرف یہ ہے کہ موقع اور وقت پر ہونا چاہئے۔ اچھا وقت ہر کام کو احسن اور برا موقع ہر کام کو مذموم بنا دیتا ہے۔ ہز ہائنس چونکہ اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھے ہوئے ہیں اس لئے روپیہ خرچ کرنے کے وقت پر آپ کو ہزار لکھ لٹوں کا ایک لکھ لٹا اور کفایت شعاری کے موقع پر ہزار کفایت شعاروں کا ایک کفایت شعار کہنا چاہیئے۔

قوت تحریر چونکہ اچھی صحبتوں نے ہز ہائنس کی ذاتی خصلتوں کو بہت کچھ روشنی دی ہے۔ نیز ہر ایک کام کو بدست خاص کرنیکے شوق نے تجربہ کی اچھی طرح دستکاری بھی کر دی ہے اس لئے اب آپ کے قلم میں اسقدر زور پیدا ہو گیا ہے کہ ہر قسم کے مضمون کو جس پہلو سے چاہتے ہیں قلم برداشتہ لکھ سکتے ہیں اور مشکل سے مشکل مطالب کو آسان سے آسان پیرایہ میں عجیب خوبصورتی سے ترتیب دیتے ہیں۔ ریاست کے متعلق اکثر کاغذات پر جو احکام خاص آپ کے قلم سے لکھے جاتے ہیں، ان کے دلچسپ فقرے اور معنی خیز الفاظ دیکھنے کے قابل ہوتے ہیں۔

حکیمانہ مقولے ہز ہائنس کے حالات سے نظر اٹھا کر جب آپ کے خیالات کو دیکھا جاتا ہے تو ایک عجیب فلسفیانہ اور صوفیانہ رنگ میں ڈوبے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ عام قاعدہ ہے کہ جس قسم کے خیالات انسان کے دل و دماغ میں جمع ہوتے ہیں وہی وقتاً فوقتاً نوک زبان سے لفظوں اور جملوں کے سانچوں میں ڈھل ڈھل کر نکلا کرتے ہیں چنانچہ ہز ہائنس کے خیالات جو کبھی کبھی آپ کی پاک طبیعت سے ٹپکے ہیں، معرفت و حقیقت کی ترازو میں تو لنے

کے قابل ہیں۔ ان میں سے ہم چند خیالات اقوال کے نام سے درج ذیل کرتے ہیں۔

(۱) ریاست و حکومت پر گھمنڈ کرنا در بارِ خدا میں مجرم بننا اور ناشکروں میں نام لکھوانا ہے۔

(۲) والیِ ریاست کو عام مخلوق کی نسبت خدائے بزرگ و برتر سے زیادہ ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ بہت سی جانوں کا ذمہ دار بن کر دنیا میں آیا ہے۔

(۳) حکومت تحفۂ الٰہی ہے۔ اسکا اچھا استعمال خدا کو خوش اور برا استعمال خدا کو ناراض کرتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اسکی ناراضی کیا ہو سکتی ہے۔

(۴) عجز و انکسار قربِ خدا کا زینہ اور مخلوق کے دلوں کو فتح کرنیکی کُنجی ہے۔

(۵) نخوت و غرور سے جب خلقِ خدا بھاگتی ہے تو خدا کیونکر قریب ہو سکتا ہے۔

(۶) خاک نشینوں کی عزت کرنا اور گرتے ہوؤں کو اٹھانا، ہزار نیکیوں کی ایک نیکی ہے۔

(۷) کوہ شکن طاقت۔ قارونی دولت اور سکندری حکومت، خدا کے فضل و کرم کے بغیر فضول ہیچ اور ناکارہ ہے۔

(۸) خود رائی، بیوقوفی کی علامت اور مشورہ طلبی، دوربینی کی دلیل ہے۔

(۹) دُکھ سُکھ سب خدا کی طرف سے ہے اسلئے جسطرح عیش و راحت میں خدا کو نہ بھولنا عین بندگی ہے، اسی طرح آفت و مصیبت میں اسے یاد رکھنا لوازمِ عبدیت ہے۔

(۱۰) اہلکارانِ ریاست رئیس کے ہاتھ پاؤں ہیں جب تک رئیس انکو اپنا نہ بنالیگا، انتظاماتِ ریاست میں خرابی پیدا ہوتی رہے گی۔

(۱۱) رعایا کی مرفہ حالی رئیس کے لئے سب سے بڑا خزانہ ہے۔

کاروبار ریاست میں انہماک فطرتی طور پر ہز ہائنس اصول سیاست و ملکداری کو بہت ہی اچھی طرح سے سمجھتے ہیں اور اسی خوبی نے آپکے زمانہ حکومت کو قابلِ تقلید بنا دیا ہے۔ آپ کو کاروبار ریاست میں بے انتہا انہماک

رہا کرتا ہے۔ فریادیوں کی فریاد خود سُنتے ہیں۔ ان کی عرضیوں پر اپنے قلم سے احکام لکھتے ہیں جزوی جزوی معاملات پر دیکھ بھال کرتے ہیں۔ چھوٹے اور بڑے تمام صیغوں پر نظر رہتی ہے۔ دو روپیہ کا چپراسی بھی آپ کی منظوری کے بغیر نہ برخاست ہوسکتا ہے نہ بحال۔ اسی محنت اور دماغی کاروبار ریاست نے آپ کی اصلی طاقت اور قوی جسمانی میں قبل از وقت انحطاط پیدا کر دیا ہے ورنہ فطرتاً آپ کے اعضا اور آپ کی جسمانی ساخت کچھ ایسی واقع ہوئی ہے کہ جسکی بابت بڑے بڑے ڈاکٹروں اور حکیموں کا قول ہے کہ اگر آپ اپنے دماغ اور دوسرے اعضا سے بے انتہا کام نہ لیتے اور طریقۂ حفظان صحت پر عمل کرتے تو اسّی برس کی عمر سے پہلے آپکے چہرہ پر ضعیفی کے آثار تک نمایاں نہ ہوتے۔

حالات رعایا سے عام واقفیت ہزہائنس کی وسعت نگاہ معاملات ریاست ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ علاوہ متعلقین ریاست کے آپ رعایا اور دیسی لوگوں کے تاریخی حالات سے بھی واقف ہیں۔ ریاست میں بعض معزز خاندان ایسے ہیں جنکا ابتدائی اور تاریخی حال وہ خود نہیں جانتے لیکن ہزہائنس ان کے پشت نامہ تک سے باخبر ہیں۔ حافظہ ایسا قوی ہے کہ جسکو آپ ایک دفعہ دیکھ لیتے ہیں، برسوں تک نہیں بھولتے۔

درویشوں سے اعتقاد درویشوں کے ساتھ ہزہائنس کو ایک خاص لگاؤ اور اُنس ہے۔ عالم نور کی باتوں میں دل بہت لگتا ہے۔ حقائق اشیاء پر اکثر بحث ہوتی ہے۔ فقیری جامے۔ درویشی عمامے اور جوگ کے برن میں جسکو پاتے ہیں، اسکی صحبت کو غنیمت سمجھتے ہیں۔ آپکا عقیدہ ہے کہ یہی سادہ زندگی خداے لایزال کی بندگی ہے۔ یہ رباعی اکثر آپ کی زبان مبارک سے سننے میں آتی ہے۔

رباعی

داریم اگرچہ شغل شاہی در پیش | ہر لحظہ کنیم یاد درویشاں بیش
گر شاد شود زما دلِ یک درویش | آنرا شمریم حاصل زندگانی خویش

شکار سے نفرت ابتداءً جیسا کہ ایک فنون سپہگری کے مشاق اور جواں مرد رئیس کو ہونا چاہیے، ہز ہائنس کو بھی شکار کا شوق تھا لیکن جب رعایا پروری اور انتظامات ملکی کے خیال نے اپنی طرف زیادہ متوجہ کیا تو عالمگیر کے قول کے مطابق شکار کو کار بیکاراں سمجھ کر بالکل ترک کر دیا۔ اب آپ کو شکار سے تقریباً نفرت سی ہو گئی ہے اور جب کبھی شکار کا ذکر آتا ہے تو آپ حضرت علی کرم اللہ وجہ کا یہ مقولہ کہ

"اپنی دل لگی کے لیے دوسروں کی جان نہ لو۔ مبادا کسی کی دل لگی میں تمہاری جان جاتی رہے"

پڑھ دیا کرتے ہیں۔

پنچایت سے تصفیہ مقدمات عدالتوں میں انصاف ضرور ہوتا ہے لیکن ہماری جھگڑالو طبیعتیں ایک نا ختم ہونے والا سلسلہ قائم کر دیتی ہیں جسمیں فیصلۂ اخیر تک نقصان مال اور تضیع اوقات کے سوا شماتت ہمسایہ سے بھی آدمی نہیں بچ سکتا۔ ایک مقدمہ دس روپیہ کی مالیت سے شروع ہوتا ہے اور ختم ہوتے وقت سو روپیہ کی مالیت ہو جاتی ہے اور چونکہ ان تمام باتوں کا بُرا اثر زیادہ تر بھلے پوش شریفوں اور شر و فساد سے پرہیز کرنیوالوں پر پڑتا ہے اس لیے شریف نواز اور نیک نفس حکام اس قسم کے مقدمات میں فریقین کو آپس میں تصفیہ کر لینے کی ہدایت کرتے ہیں اور اسی نکتہ پر پہنچکر ہز ہائنس بھی عدالت میں ایسے مقدمات کے آنے سے خوش نہیں ہوتے جسکے فریقین شریف یا شریف زادے ہوں۔ بلکہ پنچ مقرر کر کے آپس میں فیصلہ کرا دیتے ہیں اور بعض اوقات خود ہی سرپنچ بن جاتے ہیں اور فریقین کو ایک شفیق باپ کی طرح سمجھا بجھا کر مذہب۔ قانون ملکی اور رسم و رواج کی پابندی کے ساتھ ایسا دل خوش کن فیصلہ کر دیتے ہیں کہ پھر کبھی وہ فسادی مادہ اُبھرنے نہیں پاتا۔ چنانچہ اب شرفائے پالن پور کے اکثر مقدمات پنچایت ہی کے ذریعہ سے فیصل ہوتے ہیں اور گویا اسطرح ملک میں امن۔ شریفوں میں شرافت اور اخلاق میں جرأت پیدا ہوتی جاتی ہے۔

حلیہ اور ہمارا ریمارک حسن سیرت کے ساتھ ساتھ حسن صورت بھی ہز ہائنس کو صانع قدرت نے موزوں اور مناسب

ہی عطا کیا ہے - وجاہت اور مردانہ حسن نے آپ کی خداداد شانِ امارت میں ایک اور شان پیدا کردی ہے
رنگ گورا لطافت آمیز - قامت موزوں - پیشانی کشادہ - بازو قوی اور سینہ فراخ ہے -

اسوقت ہز ہائنس کی عمر ۵۵ برس کی ہے - خدا نے آپ کو اولاد ایسی سعادت مند دی ہے کہ اس سے
زیادہ ہو نہیں سکتی - دنیا اور اہل دنیا کو اس فیض بخش رئیس کی ذات والاصفات سے جیسا کچھ فائدہ پہنچا ہے ،
اظہر من الشمس ہے - تمدن - سیاست اور رفاہ عام کے میدانوں میں اس خورشید عالمتاب (ہز ہائنس) کی روشن شعاعوں
(وہ کام جو آپکے ہاتھوں سے انجام پذیر ہوئے) نے جو معدنیات پیدا کی ہیں وہ کچھ تو اسکے اقبالمند نام کے
حصہ میں کام آئی ہیں اور کچھ بقائے دوام اور شہرت عام کے لئے امانت رکھی ہوئی ہیں -

نقشہ حکمرانان ریاستہائے جالور و پالن پور

نمبر شمار	نام حکمران	سمت مسند نشینی	سمت وفات	مدت حکمرانی	کیفیت
۱	ملک خرم خان	سمت ۱۴۵۰	سمت ۱۴۵۱	ایک سال	مسماۃ پوپاں بائی کے بعد ریاست جالور پر قبضہ کرکے انھوں نے خاندان لوہانی میں ریاست کی بنیاد ڈالی۔
۲	ملک یوسف خان	سمت ۱۴۵۱	سمت ۱۴۷۵	۲۴ سال	
۳	ملک حسن خان	سمت ۱۴۷۵	سمت ۱۴۹۵	۲۰ سال	
۴	ملک سالار خان	سمت ۱۴۹۵		۲۲ سال	ملک سالار خان کے قبضہ سے ملک عثمان خان عرف زبدۃ الملک نے سمت ۱۵۱۷ میں بزور شمشیر ریاست پر قبضہ کیا اور ملک سالار خان علاقہ سروہی میں چلے گئے۔ بعدازاں انکا کیا حشر ہوا اسکا کچھ حال نہیں کھلتا۔
۵	ملک عثمان خان (زبدۃ الملک) ابن ملک حسن خان	سمت ۱۵۱۷	سمت ۱۵۴۰	۲۳ سال	

۶	ملک بڈہن خان بن ملک سالار خان	سمت ۱۵۴۰	سمت ۱۵۶۲	۲۲ سال	
۷	ملک مجاہد خان اول عرف مونجھا ملک پسر کلان بڈہن خان	سمت ۱۵۶۲	سمت ۱۵۶۶	۴ سال	
۸	ملک علی شیر خان ولد بڈہن خان	سمت ۱۵۶۹	سمت ۱۵۸۱	۱۰ سال	مجاہد خان کے انتقال کے بعد ریاست جالور کا انتظام سلطنت گجرات کی نگرانی میں رہا تھا اس لئے تین برس تک ریاست جالور کی مسند خالی رہی۔ اس مدت میں سلطنت گجرات کی طرف سے جیوا خان ولد بلو خان منتظم ریاست تھا۔
۹	ملک سکندر خان ولد علی شیر خان	بار اول سمت ۱۵۸۲ بار دوم سمت ۱۵۹۰		بار اول ۵ سال بار دوم ایک سال	سکندر خان کو اول دفعہ سمت ۱۵۸۷ میں غزنی خان نے ریاست سے بے دخل کر دیا تھا مگر تین برس کے بعد سکندر خان سلطان گجرات کی مدد سے پھر مسند نشین ریاست ہوئے۔ سمت ۱۵۹۱ میں پھر ریاست ان کے قبضے سے نکل گئی اور یہ راٹھوروں کی قید میں مر گئے۔ سال وفات کا پتہ نہیں چلتا۔
۱۰	ملک غزنی خان اول ولد حکیم خان ابن ملک حسن خان	سمت ۱۵۸۷		۳ سال	غزنی خان نے صرف تین برس حکومت کی تھی کہ سمت ۱۵۹۰ میں سکندر خان نے پھر ریاست پر قبضہ کر لیا اور وہ سروہی کے پہاڑوں میں کچھ مدت تک رہ کر موضع اونجھا کی لڑائی میں مع اپنے بھائی میر خان اور پہاڑ خان کے کام آئے۔ سال وفات کا پتہ نہیں چلتا۔

نمبر شمار	نام حکمراں	سمت مسند نشینی	سمت وفات	مدت حکمرانی	کیفیت
۱۱	ملک خان برادر غزنی خان ابن سلیم خان	بار اول سمت ۱۶۰۹ بار دوم سمت ۱۶۱۱ بار سوم سمت ۱۶۲۳	سمت ۱۶۳۳	بار اول چند ماہ بار دوم ۴ برس بار سوم ۹ سال	ملک خان مسند نشینی بار اول سے چند ماہ بعد ہی راٹھوروں کے حملہ کی دہشت سے قلعہ خالی کر کے سانچور چلے گئے۔ ڈیڑھ برس کے بعد سمت ۱۶۱۱ میں دوبارہ مسند نشین ہوئے اور سمت ۱۶۱۵ میں جب میرزاؤں کا زور ہوا تو یہ پھر جالور سے موضع شالی چلے گئے اور میرزاؤں کے جالور سے نکل جانیکے بعد سمت ۱۶۲۳ میں سہ بارہ مسند ریاست پر متمکن ہوئے۔
۱۲	غزنی خان ثانی ابن ملک خان	سمت ۱۶۳۳	سمت ۱۶۷۲	۳۹ برس	
۱۳	پہاڑ خان ابن غزنی خان	سمت ۱۶۷۲	سمت ۱۶۷۴	۲ برس	
۱۴	فیروز خان اول عرف کمال خان برادر غزنی خان ابن ملک خان	سمت ۱۶۹۱	سمت ۱۶۹۴	۳ برس	پہاڑ خان کے واقعہ قتل کے بعد جالور خاندان بیتانی کے ہاتھ سے جاتا رہا تھا اور فیروز خان دکن میں خدمات شاہی ادا کرنے میں مصروف تھے۔ لیکن دکن سے آنیکے بعد سمت ۱۶۹۱ میں مسند نشین ثانی ہوئے۔ ان کے زمانہ میں جالور قبضہ سے نکل گیا تھا۔
۱۵	مجاہد خان ثانی ابن فیروز خان	سمت ۱۶۹۴	سمت ۱۷۱۹	۲۵ برس	
۱۶	دیوان کمال خان عرف کرن کمال ابن	بار اول سمت ۱۷۱۹	سمت ۱۷۶۲	۴۳ برس	کمال خان مسند نشینی کے بعد سمت ۱۷۲۷ میں مسند ریاست سے ڈیڑھ برس تک معزول رہے ہیں۔ اس مدت

	سلیم خان	بار دوم سمت ۱۷۲۸			میں ان کے بڑے بھائی دیوان فتح خان مسند ریاست پر متمکن تھے۔ ہم نے ان کی معزولی کے ڈیڑھ برس کو ساڑھے تینتالیس برس کے زمانہ حکومت میں سے خارج کر دیا کہ ناظرین کو مغالطہ نہ ہو۔
۱۷	دیوان فتح خان اول ابن سلیم خان	سمت ۱۷۳۶	سمت ۱۷۴۴	۹ برس ۶ ماہ	جالور کی مسند نشینی سے پہلے ڈیڑھ برس تک پالن پور کی مسند ریاست کو بھی دیوان فتح خان نے زینت بخشی ہے۔ اسلئے ان کی مسند نشینی کی مدت ساڑھے نو برس ہوتی ہے۔
۱۸	دیوان غزنی خان عرف فیروز خان ثانی ابن دیوان کرن کمال	سمت ۱۷۶۳	سمت ۱۷۷۵	۱۲ برس	ان کا ایک برس پیر خان ولد فتح خان اول کے ساتھ تنازعات میں گزرا ہے۔
۱۹	دیوان کریم داد خان ابن فیروز خان ثانی	سمت ۱۷۷۵	سمت ۱۷۹۱	۱۶ برس	
۲۰	دیوان پہاڑ خان ثانی ابن کریم داد خان	سمت ۱۷۹۱	سمت ۱۸۰۰	۹ برس	
۲۱	دیوان بہادر خان ابن دیوان فیروز خان ثانی	سمت ۱۸۰۰	سمت ۱۸۳۸	۳۸ برس	

نمبر شمار	نام حکمران	سمت مسند نشینی	سمت وفات	مدت حکمرانی	کیفیت
۲۲	دیوان سلیم خان	سمت ۱۸۳۸	سمت ۱۸۴۱	۳ برس	
۲۳	دیوان شیر خان	سمت ۱۸۴۱	سمت ۱۸۴۸	۷ برس	شیر خان کے مرنیکے بعد مسند ریاست آراج گردی میں رہی اور کچھ مدت کے لئے بابی مبارز خان برائے نام ریاست پر قبضہ کر بیٹھے تھے۔
۲۴	دیوان شمشیر خان ابن عثمان خان	بار اول سمت ۱۸۵۰ بار دوم سمت ۱۸۶۹	سمت ۱۸۹۲	تقریباً ڈیڑھ برس بار اول چند ماہ بار دوم	نوجوان جمعداروں کی مخالفت سے فتح خان صاحب کو معزول کرکے انکو دوبارہ مسند نشین کر دیا تھا۔
۲۵	دیوان فیروز خان ثالث از نسل دیوان فتح خان اول	سمت ۱۸۵۱	سمت ۱۸۶۸	۱۷ برس	
۲۶	دیوان فتح خان ثانی	سمت ۱۸۶۸ بار اول سمت ۱۸۷۰ بار دوم	سمت ۱۹۱۱	۴۱ برس	شمشیر خان کی دوبارہ مسند نشینی کے زمانہ میں یہ ایک برس تک ریاست سے علٰحدہ رہے ہیں۔
۲۷	دیوان زورآور خان صاحب	سمت ۱۹۱۱	سمت ۱۹۳۴	۲۳ برس	
۲۸	ہز ہائنس دیوان سر شیر محمد خان بہادر جی۔سی۔آئی۔ای خلد اللہ ملکہم	سمت ۱۹۳۴			والی حال خلد اللہ ملکہم وزید حشمتہم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جلد سوم تاریخ پالن پور

کا

دوسرا حصّہ

جغرافیہ

حدود اربعہ پالن پور کے شمال میں علاقہ مارواڑ اور سروہی جنوب میں تعلقہ پٹن اور سدھ پور مشرق میں پرگنہ دانتہ اور سروہی کا کچھ حصّہ اور مغرب میں پرگنہ جات تھرا اور دیودر واقع ہیں۔

طول و عرض شرقاً و غرباً اس ریاست کا طول ساٹھ۶۰ میل اور شمالاً و جنوباً پینتالیس۴۵ میل ہے۔

رقبہ اس ریاست میں ایک ہزار سات سو پچاس مربع میل زمین ہے جس میں اسوقت پانسو بارہ گاؤں آباد اور چھبیس غیر آباد ہیں۔

پرگنہ جات کُل علاقہ پالن پور میں سات پرگنے ہیں جن کے متعلق دیہات وغیرہ کی کیفیت ذیل کے

نقشہ سے ظاہر ہوگی۔

نقشہ پرگنہ جات و دیہات متعلقہ پالن پور

نمبر	نام پرگنہ	دیہات آباد	دیہات غیر آباد	میزان	کیفیت
١	پالن پور	١٢٦	٧	١٣٣	پرگنہ پالن پور کو یہاں تعلقہ پالن پور کہتے ہیں۔
٢	ڈیسہ	١٢٨	٠	١٢٨	
٣	دھانیرہ	٦٧	٣	٧٠	
٤	چنیروڑہ	٦٢	١	٦٣	
٥	پانتھاواڑہ	٥٨	١٥	٧٣	
٦	بیتا	٤٣	٠	٤٣	
٧	گڈھ	٢٨	٠	٢٨	
		٥١٢	٢٦	٥٣٨	

مرقومہ بالا ٥١٢ آباد دیہات میں سے ٢٥٩ دیہات خالصہ ریاست میں شامل ہیں اور باقیماندہ دیہات جاگیرداروں۔ پٹاوتوں اور بھائی بیٹوں وغیرہ کو ریاست کی طرف سے ملے ہوئے ہیں مگر جاگیرداران ماتحت کے بعض دیہات میں ریاست کا بھی حصہ ہے۔ ریاست پالن پور کی سالانہ آمدنی اوسطاً مبلغ پانچ لاکھ روپیہ شمار کی جاتی ہے اور جو دیہات جاگیر وغیرہ میں دیئے گئے ہیں ان کی مجموعی آمدنی تقریباً دو لاکھ چھیاسی ہزار سات سو ستانوے روپیہ ہے۔ ہز ہائنس کی گدی نشینی سے اس وقت تک ٧٣ نئے گاؤں بسائے گئے اور بہت سی بنجر اور افتادہ زمین قابل زراعت بنائی گئی۔ ریاست کی طرف سے ہر ایک گاؤں میں عموماً ایک ایک

مقدم اور پٹواری مقرر کیا جاتا ہے اور ان ہی کے ذریعہ سے زرلگان اور سرکاری روپیہ وصول ہوتا ہے۔ ان تمام دیہات میں کل چاہات پختہ ۴۵۶۹ - اور چاہات خام ۱۴۴۴ بنے ہوئے ہیں۔

آبادی شہر پالن پور میں سنہ ۱۸۱۳ع کی خانہ شماری کے بموجب ۱۰ ہزار ایکسو گھر آباد تھے۔ سنہ ۱۸۷۲ع کی مردم شماری کی رو سے ۱۷ ہزار ایکسو ۸۹ - آدمیوں کی تعداد تھی سنہ ۱۸۹۱ع کی مردم شماری کے موافق کل علاقہ پالن پور میں ۲ لاکھ ۴۷ ہزار ۸ سو ۶۴ لوگوں کی آبادی تھی اور سنہ ۱۹۰۱ع کی مردم شماری کے حساب سے ۲ لاکھ ۲۲ ہزار ۶ سو ۲۷ آدمی آباد ہیں۔ آبادی کے متعلق مفصل کیفیت اس نقشہ سے معلوم ہوسکتی ہے جو اسی صفحہ پر چسپان کیا گیا ہے۔

وسائل آبپاشی اس ریاست میں کوئی ایسا دریا نہیں ہے جسکو کاٹ کر نہریں نکالی جائیں یا کم از کم خشک سالی کے زمانہ میں بارانی زمینوں کو پانی دینے کے علاوہ افتادہ زمینیں بھی کارآمد بنائی جاسکتیں اور نہ اسقدر بڑے تالاب موجود ہیں جو بارش کے پانی کو امساکِ باراں کے وقت تک محفوظ رکھکر ان سے فائدہ حاصل کیا جائے۔ صرف ایک تالاب موضع ملانہ پرگنہ پالن پور میں ایسا ہے جو اچھی موسمی بارش کے بعد کچھ مدت کے لئے چند کھیتوں کو پانی پہنچا سکتا ہے۔ البتہ ندیاں بہت سی ہیں جو حدود ریاست میں جابجا پھیلی ہوئی ہیں مگر ان میں سے بھی صرف دو ندیاں ایسی ہیں جنکے ذریعہ سے زراعتی زمینیں کسیقدر سیراب ہوسکتی ہیں۔ ورنہ باقی کل ندیاں برسات ہی میں اپنا زور و شور دکھاکر خشک ہوجاتی ہیں۔

ندیاں یہ چھوٹی چھوٹی ندیاں تعداد میں آٹھ ہیں۔

(۱) بناس۔ میواڑ کے مشہور تالاب ڈھیبر سے نکل کر موضع سلوترہ کی پہاڑیوں میں سے ہوتی ہوئی ڈیسہ چلی گئی ہے اور پھر وہاں سے صحرائے کچھ میں پہنچکر ختم ہوگئی ہے۔

(۲) سرستی عرف کنواری کا۔ امباجی ماتا کے قریب کوٹیشور مہادیو کی پہاڑیوں سے نکل کر پالن پور کے مشرقی حصہ کو سیراب کرتی ہوئی سیدہ پور، پٹن اور رادھن پور وغیرہ کی حدود میں گزرتی ہے اور انوز پورہ کے قریب

صحرا کے کچھ میں پہنچ جاتی ہے۔

(۳) عمر دسی۔ یہ ندی موضع گوڑھ علاقہ پالن پور کے پہاڑوں میں سے نکل کر حدود گانکواڑ میں بہتی ہوئی چلی جاتی ہے۔

(۴) لڑبی۔ موضع کرجھوڑہ علاقہ پالن پور کی سرسبز زمینوں (سرن) سے نکل کر پالن پور کے پہلو سے گزرتی ہوئی حدود گانکواڑ میں چلی گئی ہے۔

(۵) بالارام کی ندی۔ مواضعات ہاتھیدرہ اور ویرم پور پرگنہ پالن پور کے پہاڑوں سے نکل کر موضع کرجھا کی سرحد میں بناس ندی سے جا ملتی ہے۔

(۶) جوئن۔ موضع موتی پورہ کی سرحد سے نکل کر موضع بھانکری کے قریب کنواری کا سے ہم آغوش ہو جاتی ہے۔

(۷) سیپو۔ لیلنچ علاقہ سروہی کے پہاڑوں سے نکل کر مواضعات بھڑت اور ران پور پرگنہ ڈیسہ کے درمیان بناس ندی میں جا ملتی ہے۔

(۸) ارجنا و۔ دانتہ کی پہاڑیوں میں سے نکل کر موضع ناگل موریا میں سرستی کے ساتھ بہنے لگتی ہے۔

پہاڑ اس ریاست کا علاقہ کوہستانی تو نہیں ہے۔ مگر بہت سی پہاڑیوں اور پہاڑوں کو اپنے دامن میں ضرور لئے ہوئے ہے۔ جا سور۔ چوٹیلہ۔ سانکلا دیوی (ہاتھیدرہ کا پہاڑ) دیوانیا۔ گھانگھو۔ سور بھکری۔ لوکھا۔ اسونی۔ گرو کا پہاڑ۔ لولن۔ کریم آباد۔ رانی ٹوک۔ سرجنا۔ گاجنا۔ کوچڑی۔ ادہونیا اور سام ہیٹا۔ سترہ مشہور اور بڑے پہاڑ ہیں۔ ان پہاڑوں میں شیر۔ ریچھ۔ چیتے۔ سانبھر اور نیل گاؤ وغیرہ بکثرت پائے جاتے ہیں صاحبان یورپین اور دوسرے شکاری لوگ دور دور سے سیر و شکار کے لئے آیا کرتے ہیں۔ بعض بعض پہاڑوں میں عمارتی لکڑی بھی پیدا ہوتی ہے۔ اکثر پہاڑ سرسبز و شاداب ہیں اور نظارہ کے لحاظ سے نہایت دل پسند اور

فرح بخش ہیں۔

کوہ جاسور۔ چوٹیلا اور ان کے قرب وجوار کی بہت سی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں مثلاً گنارہ۔ وگدیہ۔ کرب جانبوڑہ۔ جالبیا۔ اور تردہارا وغیرہ میں عمدہ اور خوشگوار پانی کے زندہ چشمے گھنی اور گنجان جھاڑیاں اور جابجا بیٹھنے کے لئے قدرتی نشستگاہیں۔ پائی جاتی ہیں۔

مناظر بالارام مہادیو۔ کرنالیا مہادیو (جو موضع کرنالہ علاقہ پالن پور سے قریب ہی واقع ہے) اور جاسور کی پہاڑی پر کیدارناتھ مہادیو، یہ تین مقامات نظارہ کے لئے مخصوص ہیں۔ ہر وقت آبشاریں جاری رہتی ہیں اور ان ہمیشہ بہنے والے چشموں کی وجہ سے اطراف وجوانب کی زمینیں شادابی وطراوت میں سدا بہار نظر آیا کرتی ہیں۔

اقسام زمین علاقہ پالن پور میں مختلف قسم کی زمینیں ہیں۔ بعض ریتلی اور بعض پہاڑوں کے قرب وجوار میں سنگلاخ ہیں۔ بعض مقامات پر ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے دور تک چلے گئے ہیں اور بعض جگہ گنجان جھاڑیوں نے بہت سی زمین کو گھیر رکھا ہے۔ تاہم جسقدر زمین میں کاشت کیجاتی ہے اس میں پیداوار کی طاقت اچھی ہے اور اگر بارش وقت پر اور حسب ضرورت ہوجائے تو ہر قسم کا اناج پیدا ہوسکتا ہے۔

موسم اس علاقہ میں عموماً تین موسم ہوتے ہیں۔ گرما۔ برسات اور سرما۔ موسم گرما عموماً مارچ سے شروع ہوکر جون میں ختم ہوجاتا ہے۔ جولائی۔ اگست۔ ستمبر اور اکتوبر میں بارش ہوتی ہے جسکی اوسط پچیس سے تیس انچ تک ہے اور سردی کا موسم نومبر سے شروع ہوکر فروری کے آخر تک رہتا ہے۔ جہانتک دیکھا گیا، ہر ایک موسم اعتدال پر ہوتا ہے۔ لیکن سنہ ۱۹۰۴ء کی موسم سرما میں ڈیڑھ مہینہ کے لئے سردی نے غیر معمولی طور پر خوب زور وشور دکھایا تھا۔ مشکوں میں اکثر پانی جم جایا کرتا تھا۔ اور لوگ بہت پریشان ہوگئے تھے۔ یہ سردی کچھ اسی علاقہ میں نہ تھی بلکہ اس سال تمام ہندوستان کو اس نے کپکپا رکھا تھا اور جس نے علاوہ کھیتوں کے بڑے بڑے درختوں کو بھی جلا دیا تھا۔

آب وہوا یہانکی آب وہوا معتدل ہے۔ پانی اکثر شیریں، سبک اور ہاضم ہوتا ہے۔ ہوا صحت بخش ہے۔ یہانکے لوگ تاپ تلّی میں زیادہ مبتلا نظر آتے ہیں۔ اپنے اپنے موسم میں چیچک، کھسرہ (اوری) اور ہیضہ بھی کبھی کبھی چپک جاتا ہے۔

فصلیں ریاست پالن پور میں زراعت کا دارومدار زیادہ تر موسم بارش پر ہے۔ چاہی زمینیں کم ہیں۔ کیونکہ ڈیسہ اور دہانیرہ وغیرہ مغربی حصے میں پانی بہت گہرا نکلتا ہے۔ اسلئے اِن علاقوں میں دو فصلیں بوئی جاتی ہیں۔ اور چونکہ شہر پالن پور کے اطراف یعنی دہاندہار میں پانی قریب ہی نکل آتا ہے اسوجہ سے یہاں تینوں فصلیں بوئی جاتی ہیں۔

پیداوار

اناج یہاں کی زمینیں عموماً عمدہ اور سیر حاصل ہیں اور ان میں ہر قسم کی اچھی پیداوار ہوتی ہے۔ گیہوں جو۔ باجرا۔ جوار۔ چاول۔ چینا۔ کنگنی۔ (کانگ) چنا۔ بنٹی۔ کوری۔ لوبیا۔ موٹھ۔ مونگ۔ ماش۔ مسور۔ مکئی۔ چپاسٹا۔ ارنڈی۔ تل۔ سرسوں۔ گوار۔ کلتھ اور گنّا یہاں کی عام پیداوار ہے۔ ان میں سے سرسوں۔ تل۔ گیہوں۔ ارنڈی۔ باجرا اور جوار دساور میں بھی جاتی ہے اور اناج میں دہاندہاری چاول۔ پھلوں میں ترنج (بجورہ) اور بہادر شاہی گڑ یہاں کی مشہور چیزوں میں سے ہیں۔

عمارتی لکڑی اس علاقہ کے جنگلوں میں عمارتی لکڑی مختلف اقسام کی اور بعض بعض نہایت عمدہ اور پائدار ہوتی ہے۔ لیکن چونکہ ریاست کی طرف سے اس قسم کی تجارت کا کوئی سلسلہ جاری نہیں ہوا ہے اسلئے یہاں کی لکڑی نے شہرت حاصل نہیں کی۔ کھیر۔ دھو۔ ساگ۔ شیشم۔ سرس سیاہ۔ سرس سفید۔ ہلدروا۔ بیا۔ ساول۔ جامن۔ آبنوس۔ کرجھی۔ ارجن۔ کھرنی۔ دہامن۔ گھول۔ روہیڑہ۔ اندروکھ۔ کڑایا۔ نیم۔ گولر۔ بیری۔ جھینجھارا۔ ادنبیا۔ آم۔ مہوا اور سالر وغیرہ قسم قسم کی لکڑی پیدا ہوتی ہے جس میں سے بہت سی عمارت کے کام میں آتی ہے اور بعض سے آرائشی سامان یعنی میز اور کرسی وغیرہ بن سکتا ہے۔ علاوہ ازیں ادنیٰ قسم کی لکڑی مثلاً ببول۔ کھیجڑہ۔ ریٹھا۔ املی۔ آملہ۔ بہیڑہ۔ پیپل۔ بڑ۔ پیلو۔ گوندنی۔ کچنال۔ ڈھاک۔ ٹیمبرو۔

روہن۔ ارجیا وغیرہ جلانے یا چھکڑے وغیرہ بنانے کے کام میں آتی ہے۔

کرانہ ان ہی جنگلوں میں مختلف اوودیات اور کرانہ پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً شہد، موم، مختلف قسم کے گوند۔ ریٹھا۔ بہیڑہ۔ ہڑ۔ آملہ۔ املتاس۔ سفید موسلی۔ سیاہ موسلی۔ کچری۔ (کوٹیٹرا) گورکھ منڈی۔ ثعلب گچھی (جیا نٹھی) ہنگوٹ (انگورہ) کیت (کوٹھ) سنار۔ پیپلا۔ مینڈل۔ اجوان۔ بادیان۔ اسپغول۔ دھنیا۔ مرچ سرخ۔ زیرہ۔ تخم ریحان (آجی کاجی) سپستاں۔ نکوا ورادرک وغیرہ۔

علاوہ ان چیزوں کے یہاں کے جنگلوں میں خود رو نیل۔ مونجھ۔ ٹیسو۔ سینبل کی روئی۔ بھنڈی کی چھال بیری پیپل کی لاکھ اور جنگلی اناج کھرکوڑی۔ مینچھا۔ ساما۔ اور کہیں کہیں اڑدی اور چاول کی قدرتی پیداوار بھی ہوتی ہے۔

پھل اور پھول پھلوں میں یہاں آم اگرچہ پورب اور دکن کے موافق عمدہ اور قابل تعریف پیدا نہیں ہوتا لیکن جو کچھ بہتر پیدا ہوتا ہے وہ بہت اچھا ہوتا ہے۔ اسیطرح مہوا کے درخت بھی یہاں کثرت سے ہیں۔ اسکے پھولوں کو لوگ کھاتے پھلوں کی شراب بناتے اور بیجوں کا تیل نکالتے ہیں چونکہ یہ شراب بہت کم قیمت ہے اس لیئے عام لوگوں کے استعمال میں زیادہ آتی ہے اور اس کثرت استعمال کیوجہ سے اسکا ٹھیکہ بارہ ہزار روپیہ تک پہنچ گیا ہے۔ علاوہ ان کے امرود۔ شریفہ۔ بیر۔ نارنگی۔ انار۔ شہتوت۔ ارنڈ خربزہ۔ تربوز۔ خربزہ۔ کیلا۔ جامن گوندنی۔ کھرنی۔ فالسہ۔ اننّاس۔ انجیر وغیرہ بھی پیدا ہوتے ہیں اور پھولوں میں چمپا۔ کیوڑہ۔ کیتکی۔ موتیا۔ گلاب۔ چنبیلی۔ ہارسنگھار۔ گڑہل۔ جوہی۔ مولسری۔ نیلوفر۔ گل داؤدی۔ گیندا ہزارا۔ سدا بہار۔ شبو اور کرنی وغیرہ مشہور ہیں۔

بقولات سبز ترکاریوں میں درانگھیا میٹھا گھیا۔ ککڑی۔ آلو۔ شکرقند۔ مولی۔ گاجر۔ کھیرا۔ گوبھی۔ سینجنے کی پھلی۔ کچنال۔ مٹر۔ اروی۔ سینگریاں (موگری) سیم۔ لوبیا۔ شلجم۔ بیگن۔ انگریزی بیگن۔ ترئی۔ بھنڈی۔ کریلا۔ ٹنڈا۔ گولر۔ کرم کلا۔ اور آریا (جیکرن) وغیرہ پیدا ہوتا ہے اور ساگ پات کی قسموں میں سویا۔ پالک۔ میتھی۔ بتھوا اور چولائی وغیرہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں پیاز اور لہسن بھی یہاں کی پیداوار میں شامل ہے۔

معدنیات جیالوجیکل سروے کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست پالن پور کے پہاڑوں میں چند مقامات پر معدنیات بھی موجود ہیں۔ اس بارہ میں جو تحقیقات کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ لوہا۔ ملینگنز (فلزات کی ایک قسم) رانگ۔ الیشش ٹیز (ایک قسم کا عمدہ پتھر) کوارٹز (ایک قسم کا مضبوط پتھر) ابرک۔ سنگ مرمر۔ کوئلہ۔ تانبا۔ چونے کا پتھر۔ جبلونائٹ اور زرد مٹی وغیرہ یہاں مل سکتی ہے۔

منجملہ مرقومہ بالا معدنی اشیاء کے موضع پالنوال۔ جہات۔ کوٹڑہ۔ آرکھی۔ کھاپا۔ رامپورہ۔ جونی داوڑی اور کوہ دیوانیہ میں سنگ مرمر بکثرت نکلتا ہے جو چونا بنانے اور عمارت کے کام میں آتا ہے۔

حیوانات

پالتو چوپائے گھوڑا۔ بیل۔ اونٹ۔ گدہا۔ بھینس۔ بکری۔ بھیڑ۔ اور مینڈہا۔ اس علاقہ میں پیدا ہوتا ہے۔ ان جانوروں میں سے گجراتی بیل جس کا ذکر تاریخوں میں نہایت تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے اس ریاست کے غربی حصہ اور دیہات ملحقہ میں پایا جاتا ہے۔ علاوہ بیل کے یہاں کے کھیت کا گھوڑا بھی اصالت اور خوبصورتی میں ادہنی اور کاٹھیاواڑی سے کم نہیں ہوتا۔ راجپوتانہ کے اکثر سوداگر یہاں کے گھوڑوں کو کاٹھیاواڑی گھوڑے کے نام سے فروخت کرتے ہیں۔ یہاں کے گھوڑے میں یہ صفت خاص پائی جاتی ہے کہ اگر اچھے پانی کا ہو اور گاڑی میں نکل جائے تو پھر ریتلی زمینوں میں بھی نہایت عمدگی کے ساتھ چلتا ہے۔ گورنمنٹ انگریزی کی طرف سے گھوڑوں کی نسل بڑہانے اور اسکو عمدہ بنانے کے لیے جو سررشتہ قائم ہوا ہے اسمیں اس ضلع کی بہت سی گھوڑیاں داخل ہیں اور ہر سال داخل کی جاتی ہیں۔

شکاری اور جنگلی چوپائے پالن پور کے گنجان جنگلوں۔ شاداب سبزہ زاروں اور پہاڑی علاقوں میں مختلف درندے۔ چرندے اور قابل شکار جانور بھی پائے جاتے ہیں جن میں سے شیر۔ چیتا۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ لگربھگا (جیہرا)

اقوام زراعت پیشہ کا گروپ
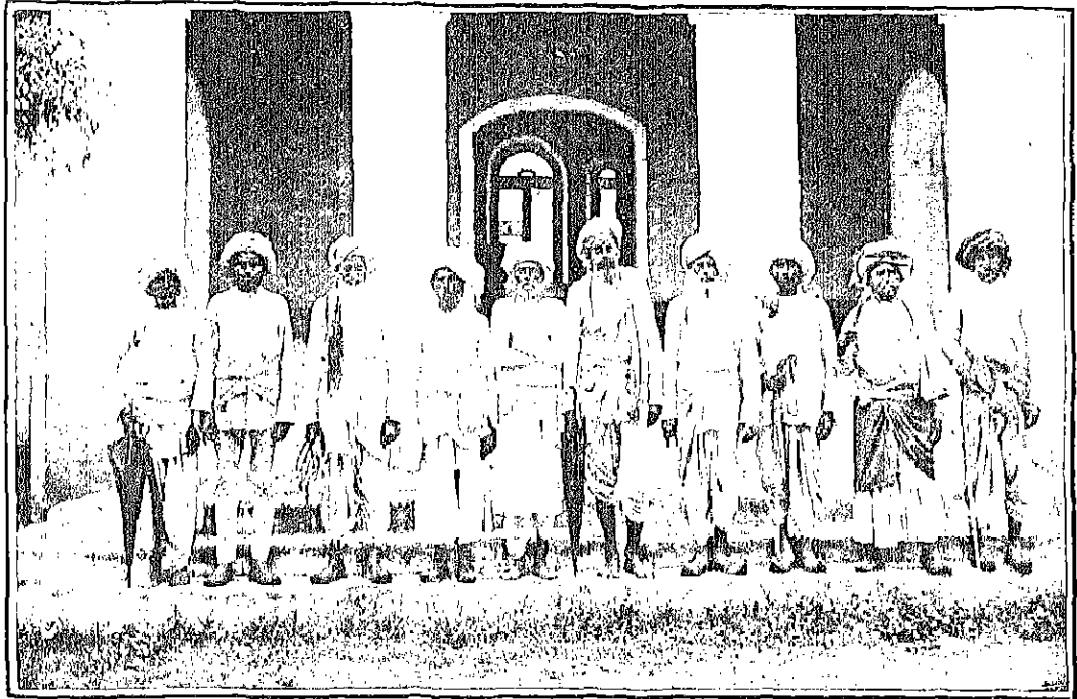
باگری - رہاری (گڈریا) کلبی - مالی - اتیت - راجپوت - بہیل - مومن - دیہاتی مسلمان - کولی
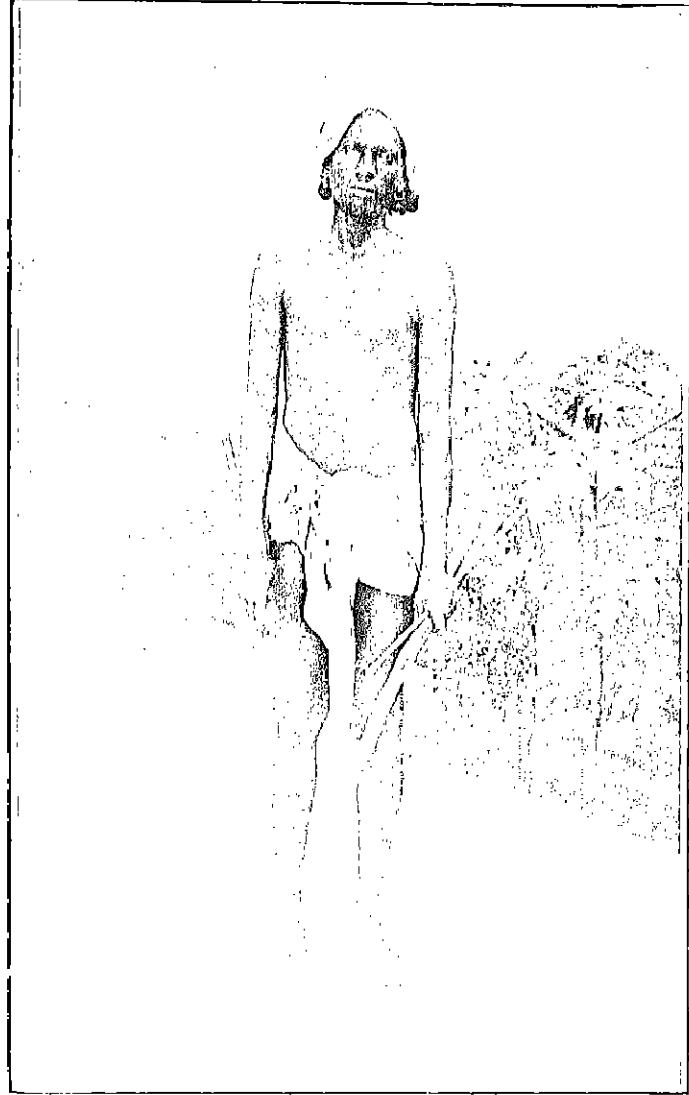
پہاڑ میں رہنے والے پہاڑوں کی تصویر

جر کھد (چرغ) نیل گاؤ۔ سانبھر۔ ہرن۔ چیتل۔ خرگوش اور سور وغیرہ ہیں۔ علاوہ اِن کے لنگور۔ گیدڑ اور لومڑی وغیرہ جانور بھی نظر آتے ہیں۔

شکاری پرند | شکاری پرندوں میں باز۔ بہری۔ شکرا۔ لگڑ وغیرہ پائے جاتے ہیں اور جن پرندوں کا شکار کیا جاتا ہے ان میں سے یہاں لوا۔ بٹیر۔ تیتر۔ بنابٹ (بھٹ تیتر)۔ فاختہ۔ تلور۔ کبوتر۔ مور۔ مرغ صحرائی۔ ہریل۔ چیلوترہ وغیرہ ہیں اور آبی پرندوں میں مرغابی۔ کونج۔ قاز۔ بطخ۔ جل کگڑ (چہیروڑہ) جل ککڑی۔ کانکروڑی وغیرہ ملتے ہیں۔ خوش آواز پرندوں میں کوئل۔ اگن۔ چنڈول۔ بلبل۔ ویڑ۔ شاما۔ لال۔ پپیہا وغیرہ وغیرہ بہت سے پرندے ہوتے ہیں۔ علاوہ ازیں پالتو پرندوں میں مینا۔ طوطا۔ پدڑی اور چند قسم کی چھوٹی چھوٹی چڑیاں ہوتی ہیں جن کو لوگ پالا کرتے ہیں۔

کاشتکار اور تجارت پیشہ اقوام

کاشتکار | اس علاقہ میں آنجنا اور کرڑ دو قسم کے کاشتکار زیادہ تر آباد ہیں۔ علاوہ ان کے بعض دیہات میں لیئوا قوم کے لوگ بھی ہیں۔ مسلمان کسانوں میں قوم مومن کے کاشتکار جو در اصل ہندو سے مسلمان ہوئے تھے، بہت ہیں۔ مومن لوگ کھیتی کے کام میں بڑے زحمت کش اور اپنے پیر کے نہایت معتقد ہوتے ہیں۔ فی الحال ان کے پیر و مرشد سید احمد حسین عرف باوا صاحب ہیں جن کے بزرگوں میں سے پیر کبیر الدین نے اِن لوگوں کو ہندو سے مسلمان کیا تھا۔

مومنوں کے علاوہ مسلمانوں میں سے جالوری سپاہی اور ہندوؤں میں سے راجپوت اور برہمن بھی بعض دیہات میں کھیتی کا پیشہ کرتے ہیں۔ پہاڑی اور جنگلی لوگوں میں کولی۔ بھیل۔ مینے۔ بجانیے۔ گراسیے۔ بھاوڑے اور باگری وغیرہ بھی اکثر کاشتکاری کیا کرتے ہیں۔ قحط سالی کے دنوں میں ٹینٹ (کیر) جھاڑی کے بیر

پیلو۔ جامن۔ دہامنے۔ ٹینبرو اور مہوا وغیرہ قدرتی خودرو پھلوں سے انکی گزر اوقات ہوتی ہے۔

تجارت پیشہ — یہاں کے تجارت پیشہ لوگوں میں خاص کر بنئے مہاجن ہیں، جن کا مذہب جین یعنی سراوک دھرم ہے۔ یہ قوم بہت دولت مند ہے۔ اور اوسوال اور پورواڑ دو بڑی شاخوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے جو لوگ نوکری پیشہ ہیں ان کو مہتہ کہتے ہیں۔

مسلمان بیوپاریوں میں شیعہ بوہروں نے تجارت میں قابل قدر ترقی حاصل کی ہے۔ یہ سیدہ پوری یا داؤدی بوہروں کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ بمبئی۔ بڑودہ۔ اضلاع گجرات و مالوہ مختلف حصص ہند اور ممالک دور و دراز میں ان کی آڑتیں ہیں۔ ان کے مذہبی پیشوا یعنی بڑے ملّا صاحب سورت میں رہا کرتے ہیں۔

یہاں بوہروں کی ایک شاخ اور بھی ہے جو بسانگری بوہروں کے نام سے پکاری جاتی ہے[1]۔ یہ لوگ زیادہ ان چیزوں کی تجارت کرتے ہیں جنکی خرید و فروخت اہل ہنود کے ہاں ممنوع ہے۔ مثلاً چمڑا۔ چربی۔ سینگ ہڈی۔ موم اور پشم وغیرہ۔ بعض ان میں سے بساط خانہ کی دکانیں بھی کرتے ہیں۔ ان سنّی بوہروں کی طرح میمن لوگ بھی یہاں کے بیوپاری ہیں جو دراصل کچھ اور سندھ کے رہنے والے ہیں۔

صنعت و حرفت

سوتی کپڑا — موضع کانود میں جو عمروسی اسٹیشن سے تقریباً دو میل کے فاصلہ پر جانب غرب واقع ہے بُنائی کا کام بہت اچھا ہوتا ہے۔ سوسی۔ دوسر (جو پھال) رومال۔ لنگی۔ سلیمانی چادریں۔ گاڑھا اور دری وغیرہ

[1] اصل میں یہ لوگ داؤدی فرقے کے بوہروں کا طریقہ چھوڑ کر سنّی المذہب ہو گئے تھے اور یہی سبب ہے کہ اس وقت تک ان کا لباس طرز گفتگو رسم و رواج اور لب و لہجہ داؤدی بوہروں سے بہت زیادہ ملتا جلتا ہے۔ ۱۲

مولفہ

تجارت پیشہ و اقوام مختلفہ کا گروپ

تیلی - جاگرمی - تنبولی - عطر ساز - رنگریز - بساطی - بزّاز - غلہ فروش - صرّاف - میمن تاجر - سقہ

حرفت پیشہ وغیرہ اقوام کا گروپ
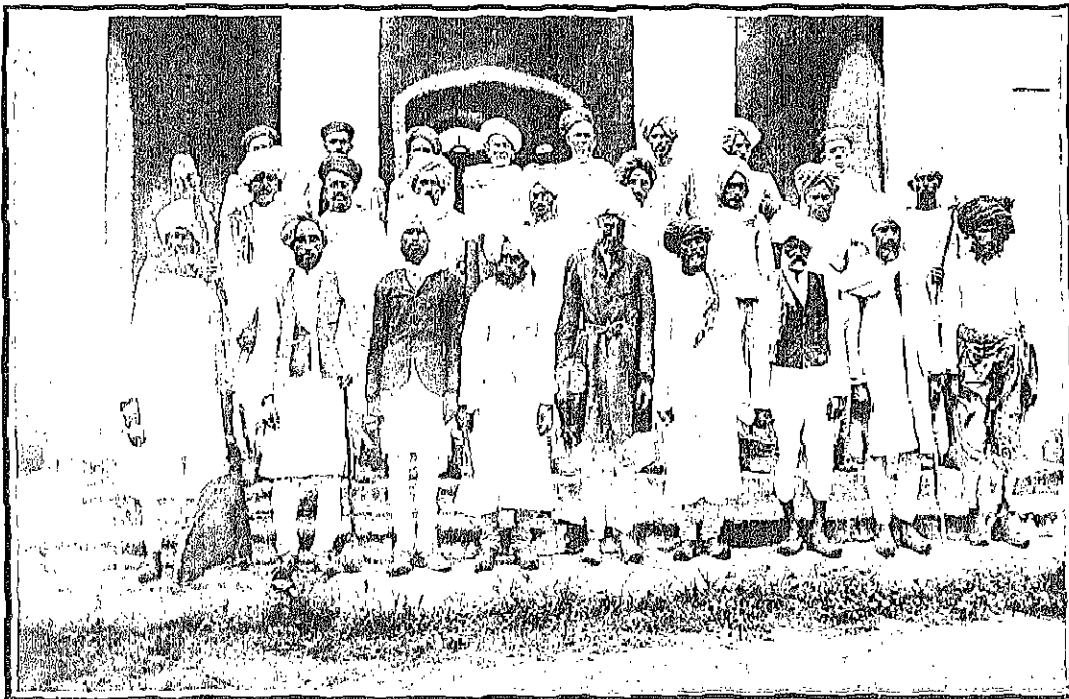
زرگر۔ نائی۔ لوہار۔ گھانچا (چٹائی ساز) بڑہئی۔ معمار۔ کسیرا۔ حلوائی۔
بیلدار۔ قدبگر (کُپے والا) اچانیا۔ موچی۔ چوڑی ساز۔ چھیپا۔ درزی۔ صیقل گر۔
کمہار۔ جولاہا۔ دھوبی۔ نقاش۔ خیرادی۔ سنگتراش۔ نعلبند۔ بہڑبھونجہ۔ ندّاف (دُہنیا)

پاتالیشور مہادیو کا اندرونی حصہ

قسم قسم کے سوتی کپڑے تیار ہوتے ہیں۔ یہاں کا بہت سامال ممالک غیر خصوصاً عربستان میں کھپتا ہے۔

موی کام | موضع شیر گنج اور راجپور متعلقہ ڈیسہ کے چھیپی موم کے ذریعہ سے ہر قسم کے کپڑے کو رنگ برنگ کے نمونہ پر چھاپتے ہیں۔ طرح بطرح کے پردے۔ قسم قسم کے میز پوش اور مختلف آرائشی چیزیں نہایت ہنر مندی اور خوبصورتی کے ساتھ بناتے ہیں۔ ان کی صناعی کے نمونے ولایت تک تحفۃً جاتے ہیں اور صاحبان انگریز اس کام کو بہت ہی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔

مختلف اشیا | پالن پور کے آہنگر تلوار۔ نیزہ کے پھل۔ شکاری چھرے۔ معمولی چھریاں گپتی۔ جمبیا۔ کٹاری تیر کمان اور سیف (سوسن پٹہ) وغیرہ ہتھیار نہایت عمدہ بناتے ہیں اور پالن پور اور دیہات کے چھیپی جازم۔ دستر خوان اور خوان پوش وغیرہ بھی چھاپتے ہیں۔ نیز پالن پور میں کیوڑہ اور چمپا کا عطر عمدہ اور کثرت سے بنتا ہے اور دور دور ملکوں میں جاتا ہے۔ گھوڑوں کا چرمی اور باناتی چارجامہ یہاں کی صناعی کا نمونہ ہے۔

علاقۂ پالن پور کے پیشہ ور لوگ اگرچہ طبّاع، ہنر مند اور عمدہ دستکار ہیں لیکن چونکہ یہاں تعلیم فنون کے لئے کوئی مدرسہ یا ذریعۂ ترقی نہیں ہے اس لئے ان میں قوتِ ایجادی پیدا نہیں ہوتی۔

آثار قدیمہ

پاتالیشور مہادیو | خاص دار الریاست پالن پور میں پاتالیشور مہادیو اور ایک مسجد جامع کے سوا اور کوئی پرانی عمارت نہیں ہے۔ پاتالیشور مہادیو کا مندر دہلی دروازہ کے باہر واقع ہے۔ یہ مندر زمین میں تہ خانہ کی طرز پر باؤلی نما بنا ہوا ہے اسکی سیڑھیاں سنگ مرمر کی ہیں۔ سنہ ۱۰۹۱ء میں گجرات کا مشہور راجہ سدھراج جے سنگھ اسی مقام پر پیدا ہوا تھا جس کی ماں مینل دیوی، گجرات کے سولنکی راجہ کرن سنگھ کی مہارانی تھی۔ یہ مندر اہل ہنود میں

نہایت متبرک اور مقدس مانا جاتا ہے۔

مسجد جامع یہ مسجد زمانۂ سلطنت کی یادگار اور قوت اسلام کا عمدہ نمونہ ہے۔ اول اول اس مقام پر ایک عالیشان بتخانہ بنا ہوا تھا جسکو کسی اسلام دوست بادشاہ نے مسمار کر کے بجائے اسکے مسجد کی بنیاد قائم کی۔ بعد ازاں سنہ ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۷ء میں دیوان فتح خان ثانی نے جانب شمال اُسکو وسعت دی اور پھر سنہ ۱۳۱۰ھ / ۱۸۹۳ء میں ہز ہائنس دیوان سر شیر محمد خان بہادر نے ایک حصۂ نیا تعمیر کرا کے مسلمانوں کی اُس تکلیف کو ہمیشہ کے لئے رفع کر دیا جو تنگی جگہ کی وجہ سے ایام متبرکہ میں انھیں برداشت کرنی پڑتی تھی[۹۱]۔

مسجد موضع مالن موضع مالن[۹۲] علاقۂ پالن پور میں ایک مسجد جامع سنگ سفید وغیرہ سے بنی ہوئی ہے۔ زمانہ کے حوادثات اٹھا اٹھا کر یہ کہنہ سال عمارت جسکی شان اسلامی ترک کی یاد دلاتی ہے، قریب الانہدام ہو گئی تھی مگر سنہ ۱۸۹۸ء میں جب وبائے طاعون نے شہر پالن پور کے رہنے والوں کو آوارہ وطن کر دیا تھا تو بیانگری بوہرے مالن میں جا بسے تھے۔ اس مسجد کی شکستہ حالی دیکھ کر انھیں اسلامی ہمدردی کے جوش نے اُبھارا اور چونکہ یہ لوگ تجارت پیشہ ہونے کی وجہ سے متمول ہیں اس لئے فوراً چندہ کر کے مسجد کی ایسی مرمت کی کہ اسکو از سر نو زندہ کر دیا۔ اگرچہ کتب تواریخ سے یہ پتہ نہیں چل سکتا کہ مالن کی مسجد کس سنہ میں بنی اور کونسے بادشاہ نے اسکی بنیاد ڈالی۔ لیکن مسجد کے منبر پر جو کتبہ نصب ہے اسکے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت اُس زمانہ کی بنی ہوئی ہے جب کعبہ کی طرف سجدہ کرنے والے خدا پرستوں نے ملک گجرات میں اسلامی جھنڈا گاڑ کر ناقوسوں کی جگہ اللہ اکبر کی دل ہلا دینے والی صداؤں سے پہاڑوں کو گونجا دیا تھا اور اس مسجد کو خان اعظم الغ خان نے سنہ ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء میں تعمیر کرایا تھا۔

---

[۹۱] اس مسجد میں دو ایک جگہ پتھر کے ٹکڑوں پر عربی خط میں چند فقرے لکھے ہوئے ہیں لیکن افسوس کہ باوجود بہت سی کوشش کے پڑھے نہ گئے البتہ ہز ہائنس نے اسوقت جو نیا کتبہ مسجد کے محراب پر بخط اردو نصب کرا دیا ہے اس سے اس مسجد جامع کی کسیقدر کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ ۱۲۔ مولفہ

[۹۲] موضع مالن پالن پور سے مشرق کی طرف پانچ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ۱۲۔ مولفہ
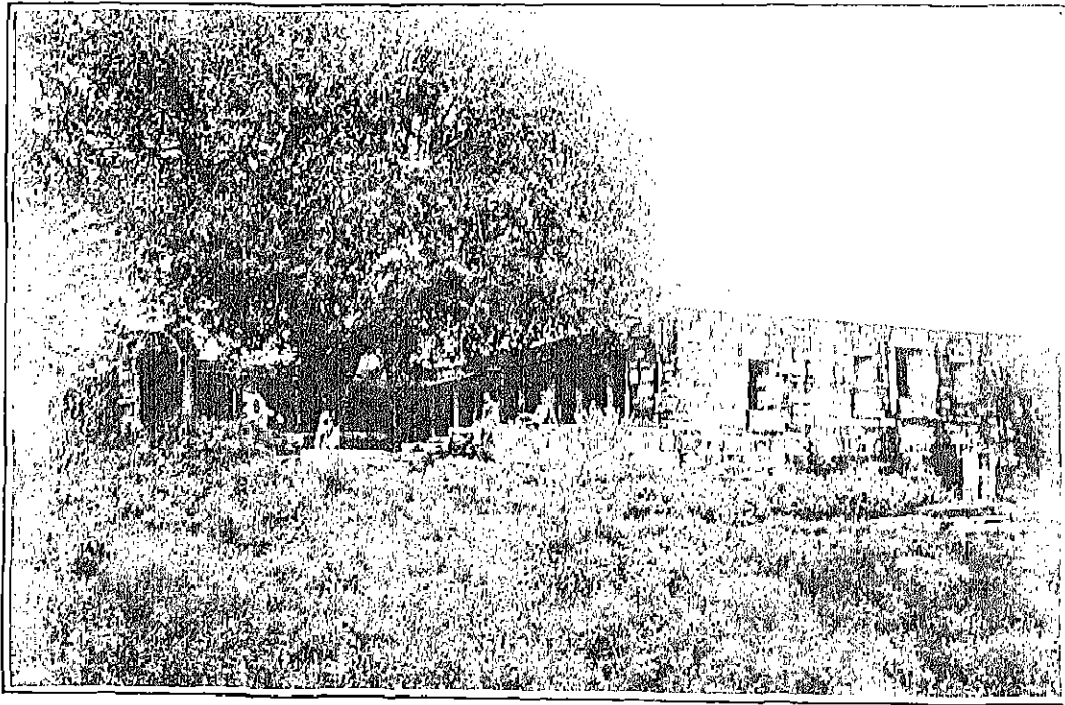
مالن (مالون) کی مسجد جامع

یہ کتبہ کچھ ایسے خاص عربی شان کے خط میں لکھا ہوا ہے کہ اکثر اوقات اسکے پڑھنے والوں نے غلط فہمی سے قسم قسم کی معنی آفرینیاں کی ہیں۔ ایک دفعہ تو یہ مشہور ہو گیا تھا کہ صحن مسجد میں زر و جواہر کا ایک بہت بڑا خزانہ مخفی ہے اور اسی غلط العام شہرت کی بنا پر مسٹر جے۔ ڈبلیو واٹسن صاحب پولٹیکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور نے جنکو علم تواریخ سے بڑی دلچسپی تھی، اس کتبہ کی نقل لینے کے لئے اپنے پرشین منشی سید یعقوب میاں صاحب اور مولانا مولوی سید رحمت میاں صاحب کو پالن بھیجا تاکہ اس افواہ کی اصلیت معلوم ہو۔ نیز کچھ مدت بعد مولوی فقیر محمد صاحب بچاپوری بھی بطور خود یہ کتبہ پڑھنے کے لئے گئے لیکن یہ تینوں حضرات اپنے ارادوں میں پورے طور پر کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر کار جب تاریخ ہذا کی تکمیل کے متعلق اس مسجد کے کتبہ کی ضرورت پڑی تو مؤلف احقر یہاں پالن گیا اور اسکے پڑھنے کی ایک آخری کوشش کی یہ کوشش ایسی بیان توڑ کوشش تھی کہ خدا کے فضل سے کتبہ کی نقل بھی ہو گئی اور اسکا ترجمہ بھی مرتب کر لیا گیا جو ملاحظہ ناظرین کے لئے درج ذیل ہے۔

نقل کتبہ

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم قال اللہ تبارک و

شیطان راندۂ درگاہ سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں اور اسی کے نام جو رحمن و رحیم ہے شروع کرتا ہوں۔ خدائے بزرگ و برتر

تعالیٰ وَاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝ قال علیہ السلام

فرماتا ہے کہ (جب) مسجدیں (صرف) خدا ہی کی عبادت کے لئے ہیں تو اے لوگو تم بھی ان میں) خدا کے ساتھ کسی (اور) کو نہ پکارو۔ رسول خدا

لہ اس کتبہ کی نقل کرنے کے متعلق مجھے اپنے محب سید قطب الدین عرف خوب میاں صاحب پرشین ٹیچر انگلش ہائی اسکول پالن پور اور سید روشن میاں صاحب سررشتہ دار محکمۂ جنگلات ریاست کا منت مند ہونا چاہیے جنہوں نے مجکو اس کام میں قابل قدر مدد دی ہے۔ ۱۲ المؤلف

من بنا مسجداً في الدنیا بنا اللہ تعالیٰ لہ قصراً فی الجنتہ۔

فرماتے ہیں کہ جو (شخص) دنیا میں مسجد بنائیگا اسکے لئے خدائے تعالیٰ بہشت میں محل کی بنیاد ڈالے گا۔

فرمان شد در عہد السلطان الاعظم قطب الدنیا والدین

قطب الدنیا والدین سلطان الاعظم ابوالمظفر احمد شاہ مرحوم ومغفور کے

مرحوم المغفور ابوالمظفر احمد شاہ السلطان

فرمان سے اور سلطان محمود شاہ ابن محمد شاہ کے

بعہد دولت ہمایوں زمان الامان

عہد ہمایوں میں موضع مالن کی پہاڑی کے مقابل

محمود شاہ ابن محمد شاہ السلطان

خان اعظم الغ خان نے خدا ان کی عمر کو

بنا کردہ مسجد جامع باکوہ حصار مالون خان الاعظم الغ خان

بقائے جود وعطا کے لئے دراز کرے

اطال اللہ عمرہ بالعدل والجود والاحسان

یہہ مسجد جامع جس کی تعمیر کا انتظام

بفرمائش تھانہ دار کبیر ضیا عمارت مرتب کردہ متعلق الغ خان

بادشاہ کے فرمان سے تھانہ دار کبیر نے اسکے سپرد کر دیا تھا تعمیر کرائی

جوان مرد عادل سخی شجاع کفر برشت سبکان

اس مسجد کے بانیوں نے جو جوان مرد عادل۔ سخی۔ شجاع اور

ماحی کفر وبدعت تھے،

بتخانہ ہا کانِ کفار دارحرب بزخم تیغ برکند بانیان

ان تبخانوں کی جو کفرستان اور دارالحرب تھے تلواروں کی ضربوں سے جڑیں اکھاڑ پھینکیں

اجناس سنگہا مرمر مریم بیاراست این مسجد ازان

اور اس مسجد کو سنگ مرمر اور سنگ مریم سے آراستہ کرنیکے لئے دیواروں میں وہ تمام پتھر

در و دیوار برآورد ز سنگ بتان

اکھاڑ ڈالے جن میں مورتیں بنی ہوئی تھیں۔

زہر سنگ ہیئت گنج شد سجدۂ مومنان

اور اب اسکا ایک ایک پتھر مومنین کے سجدہ کے سبب بیش بہا خزانہ کا حکم رکھتا ہے

زیبا صحن افراشتہ برابر نقرہ عجب سنگ جواہر در درفشان

اس مسجد کا عالیشان صحن موتیوں اور نقرہ و جواہر کی طرح خوشنما اور

شفاف نظر آتا ہے

سنگتراش ستون شور بست گنبد گردوران

اور اسکے ستونوں کی سنگتراشی کا غلغلہ آسمان تک پہنچ گیا ہے۔

چون تہانہ دار بگفت شیخ مسعود تواریخ نوشت یادگار تو ماند در جہان

جب ہمارے تھانہ دار نے کہا تو شیخ مسعود نے قیام یادگار کے لئے اسطرح

بتاریخ یکشنبہ پنجم مہ رجب ہفصد بست شش سال بدانند زان

تاریخ بنا لکھدی۔ بتاریخ پنجم ماہ رجب ۷۲۶ ہجری یوم یکشنبہ۔

تو راہ نرفتی ترا نہ نمودہ اند ازان

جو راستہ تجھے بتایا گیا ہے تو اسپر نہ چلا

ورنی کہ زد کہ این در بہ رو نکشودند ور آن

ورنہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص دروازہ کھٹکھٹائے اور وہ نہ کھولا جائے۔

وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا

اور جو نیکی (بھی) اپنے لئے پہلے سے (توشۂ آخرت بنا کر) بھیجدوگے (تو) اسکو (بھی) اللہ کے ہاں (چل کر) پالوگے کہ وہ

وَأَعْظَمَ أَجْرًا وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

(تمہارے حق میں دنیوی فنا داروں سے) بہت بہتر ہے اور اسکا اجر بھی بہت بڑا ہے۔ تو اللہ سے (اپنے گناہوں کی) معافی مانگتے رہا کرو بیشک اللہ بڑا بخشنے والا (اور) مہربان ہے۔

اس کتبہ کی طرز تحریر اور رنگ عبارت بالکل غیر مانوس اور بے ربط ہے۔ فارسی زبان کے ماہر اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ انشا پردازی اور صرف و نحو کے قواعد کی رو سے یہ عبارت کیسی اور کس درجہ کی ہے اور چونکہ اسکے ترجمہ کرنے میں محض قیاس اور ربط معنی سے کام لیا گیا ہے اسلئے اہل بینش اصحاب سے التماس ہے کہ اگر سہواً یا قیاساً کوئی غلطی واقع ہوگئی ہو تو اجتہادی غلطی سمجھ کر معاف فرمائیں۔

سلوترہ کا مندر موضع سلوترہ میں علاوہ بہت سے پرانے کھنڈرات کے ایک جینیوں کا مندر ہے جس کی عمارت تقریباً تمام سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے۔ اس مندر کے تھوڑے ہی فاصلہ پر ایک باؤلی بھی بنی ہوئی ہے۔ مندر سے باؤلی تک جانے کے لئے زمین کے اندر ہی اندر سرنگ کی وضع کا راستہ بنا ہوا ہے۔ اس مندر اور باؤلی کی تعمیر کو چونکہ سینکڑوں برس ہو چکے ہیں اس لئے امتداد زمانہ نے مندر کو جابجا سے شکستہ اور باؤلی کو بالکل منہدم کر دیا ہے۔ اگر جین دھرم والوں نے اس متبرک قدیم عمارت کی طرف توجہ نہ کی تو غالباً تھوڑے ہی عرصہ میں انکا یہ مقدس یادگار سراسر نیست و نابود ہو جائے گا۔

بھیلڑی کا مندر موضع بھیلڑی پرگنہ ڈلیہ میں جینیوں کا ایک مندر جو "بھیلڑیا پارس ناتھ" کہلاتا ہے بہت

مشہور ہے۔ یہ مندر نہایت قدیم اور جینیوں میں بیحد متبرک شمار کیا جاتا ہے۔ اس مندر کی ساخت عمارت بالکل دکن کے بعض بعض زمین دوز مندروں کی سی ہے۔

سدہ ماتا کا دیول | قصبہ ڈیسہ میں سدہ ماتا کا دیول ایک مشہور عمارت ہے۔ اسکو ڈیسہ وال فرقہ کے بنئے اور برہمن اپنی کُل دیوی مانتے ہیں۔ اس دیول کے متعلق بہت بڑا دھرم سالہ بھی بنا ہوا ہے۔

قصبہ ڈیسہ | یہ قصبہ پالن پور سے بارہ کوس کے فاصلہ پر جانب مغرب بناس ندی کے کنارہ پر آباد ہے۔ چار ہزار آدمیوں کی آبادی ہے جن میں قریب ایک تہائی مسلمان اور باقی دوسری قوموں کے لوگ ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ قصبہ کسی زمانہ میں بہت بڑا شہر تھا اور فرید آباد اسکا نام تھا۔ امتداد زمانہ سے جب یہ ویران ہوگیا اور صرف ڈسے اور بنئے مہاجن اور چند برہمنوں کے گھر باقی رہ گئے تو چونکہ آبادی کا زیادہ حصہ ڈسے مہاجنوں کا تھا اس لئے ویران شدہ شہر کو ڈسا کہنے لگے بعدازاں بگڑتے بگڑتے ڈیسہ ہوگیا سمت ۱۸۱۲ مطابق ۱۷۵۶ء میں دیوان بہادر خان نے ڈیسہ کی شہر پناہ تعمیر کرائی تھی جو اب کھنڈر کے طور پر بحالت شکستگی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے۔ اسکے ۴ دروازے تھے جنمیں سے اسوقت تین دروازے موجود ہیں لیکن یہ بھی جا بجا سے شکستہ ہوگئے ہیں۔ اس قصبہ میں ایک مسجد ایک مہاجنوں کا مندر اور ایک مہاجنوں کا دھرم سالا بنا ہوا ہے۔

موضع بھیلڑی | پرگنہ ڈیسہ میں بھیلڑی ایک گاؤں ہے جو فتوحات اسلامی سے پہلے کسی زمانہ میں واگھیلا قوم کے راجپوتوں کا دارالریاست ہونے کی وجہ سے بہت بڑا اور آباد شہر تھا جسکا نام بِتاوتی نگری بیان کیا جاتا ہے اسکے کھنڈرات میں اب بھی نقش پائے رفتگان کی طرح آبادی کی علامتیں پائی جاتی ہیں۔

موضع سلوترہ | سلوترہ، اسٹیشن سروترہ سے تخمیناً تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال ایک گاؤں ہے جو کولی ٹھاکروں کی جاگیر میں ہے۔ زمانہ سابق میں سلوترہ کی جگہ ایک بہت بڑا شہر آباد تھا جسکا نام سری نگر بیان کرتے ہیں اسی سری نگر سے بگڑ کر سلوترہ ہوگیا۔ فی الحال آثار قدیمہ میں ٹوٹی پھوٹی عمارات اور کھنڈرات کے سوا جینیوں کا ایک مندر ہے (جسکا حال پہلے لکھا جا چکا ہے) ان کھنڈرات کے دیکھنے سے شہر کی عظمت وجلال کا نمونہ

اور باشندگان شہر کے متمول و دولت مندی کا ثبوت ملتا ہے۔

درگاہیں دیول اور ہندو مسلمانوں کے

مقدس مقامات

نو شہید عید گاہ پالن پور کے متصل نو شہیدوں کی قبریں بنی ہوئی ہیں۔ بھاٹوں کی بہی میں ان کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ سمت ۱۲۸۲ مطابق ۱۲۲۶ء پھاگن سدی ۲ جمعہ کو شمس الدین التمش کے زمانہ میں پالدیو پرمار بانی شہر پالن پور اور بھولا بھیم راجہ پٹن کے درمیان لڑائی ہو رہی تھی۔ بھیم کی فوج میں چونکہ بھیل اور کولی وغیرہ لٹیرے بھی شریک تھے اسلئے انھوں نے موقع پاکر پالن پور کے مویشیوں کو لوٹ لیا اور مویشیوں سمیت اپنے گھروں کی طرف جانے لگے۔ یہ نو حضرات حج بیت اللہ کو جاتے ہوئے ایک رات کیلئے پالن پور میں ٹھہر گئے تھے، لوگوں کے شور مچانے اور واویلا کرنے پر ان لٹیروں کے تعاقب میں ہو لئے مقابلہ کی نوبت پہنچی۔ لیکن چونکہ لٹیروں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے یہ سب کے سب ان ظالموں کے ہاتھوں سے درجۂ شہادت کو پہنچے۔ ان شہدا کے نام یہ ہیں۔ سید حاتم شاہ۔ سید مطلب شاہ۔ سید مراد شاہ۔ سید مبارک شاہ۔ سید حسین شاہ۔ سید داول شاہ۔ سید نھتو شاہ۔ سید بڑا میاں اور سید ٹھٹو شاہ۔ درگاہ نو شہیدان کے متعلق ایک بہت بڑا قبرستان بھی ہے۔

ناگورنی بائی دہلی دروازہ کے باہر جانب شمال نورنگی پیر کی درگاہ کے قریب کاچھیوں کی باڑی میں ناگورنی بائی کی قبر ہے۔ ناگورنی بائی کا نام معلوم نہیں ہو سکا لیکن اسمیں شک نہیں کہ یہ ایک مسلمان ناگوری کی لڑکی تھیں

اور اسی مناسبت سے ان کا لقب "ناگورنی بائی" مقرر ہوگیا ہے۔

مشہور ہے کہ ناگورنی بائی بارہ سال کی عمر میں ایک روز حسب معمول اپنی ہمجولیوں کے ساتھ اس مقام پر جہاں اب ان کی قبر ہے لکڑیاں چننے کے لئے آئی تھیں۔ اتفاقاً چند بدمعاش لیٹرے بھی اس طرف آ نکلے چونکہ وہ زمانہ بدامنی کا تھا ان ہم پیشہ ظالموں نے ان بیکس لڑکیوں کے زیورات وغیرہ چھین کر ان کی دولت عصمت کو بھی لوٹنا شروع کیا یہانتک کہ ناگورنی بائی کی باری آئی۔

ناگورنی بائی چونکہ بہت ہی حسین تھیں اور حسن کے ساتھ عصمت بھی لازمی ہوا کرتی ہے اس لیئے وہ ان بے حمیتوں کی دست درازی سے پہلے ہی سہم رہی تھیں، اب جوان کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا تو نہایت ہی عاجزی کے ساتھ انھوں نے بلک بلک کر درگاہ ایزدی میں دعا کی کہ

"یا غیاث المستغیثین میری فریاد کو پہنچ مجکو بچا۔ اور کچھ نہیں تو جس جگہ میں کھڑی ہوں، وہ زمین پھٹ جائے اور میں اسمیں سما جاؤں تاکہ میری پاک دامنی پر دھبہ نہ آئے۔"

خدا کی شان۔ زمین اسی وقت شق ہوئی۔ ناگورنی بائی اس میں سما گئیں اور زمین پھر جیسی تھی ویسی ہو گئی۔

زمین کے ہموار ہونیکے بعد اس عصمت کی دیوی کے دوپٹہ کا ایک آنچل باہر نکلا رہ گیا تھا اور چونکہ یہ خدا کی ستاری اور ناگورنی بائی کی عصمت کا نمونہ تھا اس لئے مدتوں تک اسکی حفاظت کی گئی لیکن خاک اور پانی نے جو زمین کے اجزا ہیں جب اس میں بوسیدگی پیدا کر دی تو اہل عقیدت لوگوں نے اسی مقام پر ایک قبر بنادی۔

واللہ اعلم اس واقعہ کی کہانتک اصلیت ہے۔ کیونکہ تمام قابل اعتبار ذرائع اسکی شہادت میں خاموش ہیں۔ نہ یہ معلوم ہے کہ یہ واقعہ کس زمانہ کا ہے اور نہ خبر ہے کہ ان کی یہ قبر کس وقت بنائی گئی۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ فی الحال ان کی قبر پر منتیں خوب چڑھتی ہیں اور سینکڑوں لوگ ان کے معتقد ہیں۔

سید اشرفؒ — حضرت بندگیمیاں سید اشرف عرف اچھوجی میاں صاحبؒ کا گنبد وار مقبرہ سلیم پورہ دروازہ کے باہر بنا ہوا ہے جسکو دیوان مجاہد خان ثانی نے تعمیر کرایا تھا۔ اسکے گنبد میں آٹھ اور دالان میں چار قبریں ہیں۔ سید اشرفؒ ۱۴ رجب ۹۹۴ھ یا ۹۹۵ھ ہجری کو سروہی (راجپوتانہ) میں متولد ہوئے تھے۔ اُس زمانہ میں مرشدان گروہ مہدویہ جالور اور دیگر مقامات کے علاوہ سروہی میں بھی دائرہ گزیں تھے۔ چونکہ سید اشرفؒ کو ان کے والد بزرگوار کی یہ وصیت تھی کہ اپنے چچا سید نور محمدؒ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کی صحبت و ہدایت سے فیض باطنی حاصل کریں اس لئے حضرت ممدوح ۱۰۱۵ھ یا ۱۰۱۶ھ میں جالور سے اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں دہاراسن (دکن) تشریف لے گئے اور آپکے فیض صحبت سے بہت سے مراتب دینی حاصل کئے اسیطرح آپ کئی مرتبہ اپنے عم بزرگوار کی خدمت میں اور بھی حاضر ہوئے ہیں۔

حضرت سید اشرف صاحبؒ بہت بڑے مرشد کامل اور خدا رسیدہ بزرگ گزرے ہیں۔ خاندان بہتانی کے رُوسا آپ کے ساتھ نہایت عقیدت و ارادت سے پیش آتے تھے اور اسی لئے آپ بھی جالور سے ان کے ہمراہ پالن پور تشریف لائے تھے۔ پالن پور میں آکر آپ نے اصول مذہب کے موافق دائرہ قائم کیا جو اس وقت تک سید اشرف صاحبؒ کے دائرہ کے نام سے مشہور ہے۔ آپ کو احتراق خون کے سبب اکثر سوزش جسم کی شکایت رہا کرتی تھی۔ اس لئے آپ نے اپنے مکان کے صحن میں ایک چھوٹا سا حوض بنا رکھا تھا اور جب سوزش جسم زیادہ تکلیف دیتی تو آپ اُس حوض میں بیٹھ جایا کرتے۔ یہ حوض بھی ابتک موجود ہے۔

احتراق خون کے علاج کے لئے ایک طبیب پٹن سے بلایا گیا تھا اور اسکا علاج جاری تھا مگر چونکہ ملایان پٹن گروہ مہدویہ کے عروج اور خاندان بہتانی کی ملکی ترقیوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے انھوں نے اس معالج کو اپنی طرف ملا لیا اور کچھ رشوت دے کر اسکے ذریعہ سے حضرت موصوف کو زہر دلوا دیا۔ اسی زہر کے اثر سے آپ نے ۲۳ ذیقعدہ ۱۰۳۹ھ ہجری کو مغرب کے وقت رحلت فرمائی۔ آپ کے

خاندان میں پیری و مریدی کا سلسلہ بدستور جاری ہے اور اسوقت سید داوجی میاں ولد سید عالم صاحب سجادہ نشین ہیں جو ہز ہائنس اور ہز ہائنس کے تمام اہالیان خاندان کے پیر ہیں۔ سید اشرفؒ کے مزار مبارک کے سبب ریاست پالن پور کے تمام رؤسا اور مہدوی المذہب لوگ یہیں دفن کئے جاتے ہیں اور یہ قبرستان پالن پور کے اور تمام قبرستانوں سے بڑا ہے۔

سید مرتضیٰ صاحبؒ حضرت بندگیمیاں سید مرتضیٰ صاحبؒ کا مزار مبارک آپ کے دائرہ ہی میں شہر کے اندر بہادر خان کے کنوے کے قریب واقع ہے اور اسپر ایک چھوٹا سا بنگلہ نما گنبد بھی بنا ہوا ہے۔ آپ نہایت فاضل، صاحب کرامات اور گروہ مہدویہ میں ایک باکمال بزرگ گزرے ہیں۔ آپ نے اپنے پدر بزرگوار سے فیض باطنی حاصل کیا تھا۔ ۲۸ شوال ۱۰۹۴ھ ہجری میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کی اولاد میں سے اسوقت سید غیاث الدین عرف چاندمیاں صاحب سجادہ نشین ہیں۔ پالن پور اور علاقۂ پالن پور میں کثرت سے انکے مرید ہیں عام طور پر حضرت سید مرتضیٰؒ ولی کامل اور مراد بخش بزرگ مانے جاتے ہیں۔ آپکے مزار کے متعلق بھی ایک بڑا قبرستان اور ایک خوبصورت مسجد بنی ہوئی ہے اور روضہ میں سات قبریں ہیں۔

سید انومیاں صاحبؒ سید انومیاں صاحبؒ حضرت بندگیمیاں سید ابراہیم صاحبؒ کے فرزند اور بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے۔ ۵ شوال ۱۱۶۸ھ ہجری کو ۹۵ برس کی عمر میں انھوں نے رحلت فرمائی۔ آپ کا مزار پر انوار سید اشرف صاحبؒ کے قبرستان میں بنا ہوا ہے اور اسپر ایک چھوٹا سا گنبد بھی ہے جس میں تین قبریں ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار نہایت صاحب کشف و کرامات ولی اللہ گزرے ہیں جنکا مزار مبارک سید اشرف صاحبؒ کے روضہ کے متصل جانب غرب واقع ہے۔

نورنگی پیر نورنگی پیر جن کا اصلی نام نور وزبیگ تھا اور جو فیض آباد کے رہنے والے تھے، شیر خان کے زمانہ میں عربوں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ان کی لاش مان سرو ور تالاب کے راستہ پر ایک گنجان بڑ کے سایہ میں دفن کی گئی تھی۔ تھوڑے دنوں کے بعد خوش عقیدہ جاہل لوگ اس قبر کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کو نورنگی پیر

مشہور کرکے نذر و نیاز چڑھانے لگے۔ چنانچہ اب یہ سلسلہ روز بروز ترقی پذیر ہے۔

میران داتار کا چلہ — موضع اناوہ علاقہ گانگواڑ میں میران سید علی عرف میران داتار کا ایک مزار ہے جس کے ہزاروں لوگ معتقد ہیں۔ جب عرب جمعدار علیمان شیر خان کا ملازم ہو کر اناوہ سے پالن پور آنے لگا ہے تو اسکی بیوی فرط اعتقاد سے میران داتار کی درگاہ کی ایک اینٹ اُٹھا لائی تھی۔ یہاں آکر اس اینٹ کو زمین میں دفن کیا اور اسپر چلہ بنا دیا۔ اب یہ چلہ میران داتار کا مقبرہ کہلاتا ہے اور یہاں بہت بڑا قبرستان بن گیا ہے۔ جسکے احاطہ میں تین روضے، بابی مبارز خان۔ جمعدار فرید اور فرید کے پیر کے بنے ہوئے ہیں۔

نعمت علی — نعمت علی کا کچھ پتہ نہیں لگتا کہ یہ کون بزرگ تھے۔ کہاں سے آئے اور کیونکر یہاں کی خاک میں پوشیدہ ہوئے اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نعمت علی ان کا اصلی نام بھی ہے یا نہیں؟ مگر مشہور ہے کہ یہ ایک باکمال ولی اللہ تھے۔ زمانہ کی لاپروائی نے ان کی قبر کو زمین کے برابر کر دیا تھا اور اسی وجہ سے جیجبری میں پالن پور کے پولیٹکل ایجنٹ صاحب کی آفس کے قریب مستور ہو گئی تھی۔ ان کے معتقدوں کا بیان ہے کہ جب سپرنٹنڈنسی کی کوٹھی کی بنیاد پڑی ہے تو ان بزرگ نے خواب میں آکر کسی شخص کو اپنی ولایت کی بشارت دی تھی اور صرف اسی بنا پر ان کی ولایت اور خدا رسیدگی کی یہانتک دھوم دھام ہو گئی ہے کہ انکی قبر پر سینکڑوں منتیں چڑھا کرتی ہیں۔ احاطۂ ایجنسی میں، جہاں ان کی قبر ہے، کچھ عرصہ ہوا کہ کسی عقیدت کیش حاجتمند شخص نے ایک چلہ بنا کر اسپر آہنی چھتری بنا دی ہے اور اب اسی چلہ پر تمام لوازم درگاہی ادا ہوتے رہتے ہیں۔

فضل معصوم — فضل معصوم کابل کے مشائخین میں سے تھے۔ ان کے خاندان میں پیری مریدی کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ جس وقت کابل میں عزل و نصب سلطنت ہوا، یہ حضرت اور ان کے خاندان کے بہت سے لوگ راہ گردی میں آکر حدود افغانستان سے باہر نکلے اور جلاوطنی کی حالت میں منجملہ علاقہ حیدرآباد (سندھ) کو اپنا مسکن بنا لیا۔ اسی اثنا میں فضل معصوم صاحب بطور سیاحت اتفاقاً پالن پور میں چلے آئے اور ستارہ کی نگاہ

میں فروکش ہوئے ۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ بیمار ہوگئے اور آخرکار اسی بیماری سے ۱۹ رجب ۱۲۹۴ھ ہجری کو ان کا انتقال ہوا ۔ اور شہر سے تخمیناً ڈیڑھ میل جانب شرق موضع مالن کے راستہ پر مدفون ہوئے ۔ قبر پر ہز ہائنس نے ایک چھوٹی سی چھتری تعمیر کرادی ہے ۔

یہ نیک نفس بزرگ خوش تقریر اور جامع علوم تھے ۔ وعظ اور پند و نصیحت کا طریقہ ایسا موثر تھا کہ بہت سے لوگ ان کے مرید و معتقد ہوگئے تھے ۔ خوش اخلاقی اور ملنساری دو خوبیاں ان میں ایسی تھیں جنہوں نے سینکڑوں دلوں کو مسخر کر لیا تھا ۔ ان کے اعزا اور جانشین اب تک مٹاری میں سکونت پذیر ہیں ۔ اور سندھ میں ان کے مریدوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا ہے ۔ گورنمنٹ کی طرف سے ان کے خاندان کو ٹیکس پر سندھ میں زمین بھی ملی ہوئی ہے ۔ فی الحال ان کے بھتیجے اور داماد عبد الحلیم صاحب مجددی سرہندی ان کے سجادہ نشین ہیں اور قانون اسلحہ سے بھی گورنمنٹ نے ان کو مستثنیٰ کر رکھا ہے ۔

عیدگاہ پالن پور یہ عیدگاہ گٹھامن دروازہ کے باہر ریاستی جیل کے قریب واقع ہے جسکو دیوان مجاہد خان ثانی نے سمت ۱۷۰۵ مطابق ۱۰۶۰ھ (۱۶۴۹ء) میں تعمیر کرایا تھا ۔ اسکا کتبہ جسکے آخری مصرعہ سے سال تعمیر نکلتا ہے یہ ہے ۔ قطعہ تاریخ

محض از برائے نصرت اسلام بپاک ✤ تعمیر کرد خان مجاہد بزیرکی

چوں گشت انصرام بنائے مبارکش

تاریخ سال گفت خوش از عیدگہ زکی

۱۰۶۰ھ

اسی عیدگاہ میں عیدین کی نمازیں ہوتی ہیں ۔ ہز ہائنس مع مسلمان ارکان دولت اور بھائی بندوں کے جلوس کے ساتھ تشریف لیجاتے ہیں ۔ شہر قاضی امامت کرتا ہے اور اسکو ریاست کی طرف سے سروپا دیا جاتا ہے اور تنخواہ بھی مقرر ہے ۔

مساجد شہر شہر پالن پور میں علاوہ مسجد جامع کے جسکا حال آثار قدیمہ کی ذیل میں آچکا ہے سولہ چھوٹی بڑی

اور مسجدیں ہیں جنمیں سے چار مہدویوں کی تین شیعہ بوہروں کی اور نو سنیوں کی ہیں۔ ان سترہ مسجدوں میں ایک شیعہ بوہروں کی اور ایک بڑے بازار کی قابلِ دید ہے اور مسجد جامع کے سوا بڑے بازار کی مسجد میں بھی جمعہ کی نماز ہوا کرتی ہے۔

راج بائی کا تکیہ دہلی دروازہ کے باہر راج بائی کا تکیہ ہے۔ یہ دراصل قبرستان ہے۔ راجمین جمعدار کا گنبددار روضہ بھی اسی قبرستان میں بنا ہوا ہے۔

شیعہ بوہروں کا قبرستان سورج پول دروازہ کے باہر حصار شہر کے متصل شیعہ بوہروں کا گورستان ہے۔ جس میں ایک چھوٹی سی چھتری اور ایک خوش قطع مسجد بنی ہوئی ہے۔ اس قبرستان میں دوسرے قبرستانوں کے برخلاف ایک چھوٹا سا باغیچہ بھی بوہروں نے لگا رکھا ہے اور اسکی آبپاری کے لئے ایک کنواں اور حوض بھی تعمیر کرایا ہے۔

میمنوں اور بکر قصابوں کے قبرستان علاوہ ان قبرستانوں کے جنکا ذکر فرداً فرداً اوپر آچکا ہے دو چھوٹے چھوٹے قبرستان اور بھی ہیں جن میں سے ایک میں میمن قوم کے لوگ اور دوسرے میں بکر قصاب دفن کئے جاتے ہیں۔ اول الذکر قبرستان شہر کے اندر میٹھی باؤلی کے قریب اور آخر الذکر سلیم پورہ کے دروازہ کے باہر موضع گولہ کے راستہ پر واقع ہے۔

جینیوں کے مندر جین دہرم والوں کے نو دیراسر (مندر) ہیں جنمیں سے پارس ناتھ جی اور شانتی ناتھ جی کے مندروں کی عمارتیں نہایت عالیشان اور قابل دید ہیں اور ان پر لاکھوں روپیہ صرف ہو چکا ہے۔ ان دونوں مندروں کو دیکھ کر پالن پور کے جینیوں کے تمول کا اچھی طرح اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہندؤں کے مندر ہندؤں کے کل ۴۵ مندر ہیں جن میں سے دو شنکر کے۔ نو وشنو کے۔ پانچ دیوی کے اور تین ہنومان کے شہر کے اندر۔ اور تین دیوی کے۔ تین وشنو کے۔ آٹھ ہنومان کے اور ۱۲ شوالے شہر سے باہر واقع ہیں۔ ان مندروں میں پاتالیشور مہادیو قدامت کی حیثیت سے ایک تاریخی مقام ہے

لیکن اسکے سوا دوسرا کوئی مندر ایسا نہیں ہے جو خاص طور پر قابل ذکر سمجھا جائے البتہ ان چھوٹے چھوٹے کثیر التعداد مندروں سے یہ نتیجہ ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اہل ہنود نے امور مذہبی میں یہانتک سرگرمی ظاہر کی ہے کہ دوسرے فرقوں کے مقابلہ میں انھیں غلو کا درجہ حاصل ہے۔

بھینسیا پیر | جس زمانہ میں اور جس صورت سے نو شہیدوں کا ذکر پہلے آچکا ہے شہید ہوئے ہیں اُسی طرح ان کی بھی شہادت بیان کی جاتی ہے۔ فرق صرف اسقدر ہے کہ وہ عموماً مویشیوں کے استرداد میں شہید ہوئے تھے اور یہ لٹیروں سے بھینسیں چھڑا لائے ہیں۔ اسی وجہ سے ان کا نام بھینسیا پیر مشہور ہو گیا ہے۔ ان بزرگ کا نام نعمت اللہ شاہ ہے۔ یہ موضع پار پوڑہ کے قریب مدفون ہیں اور ان کا مزار متبرک اور فیض بخش مانا جاتا ہے۔

کمال الدین بادشاہ | ان بزرگ کا مزار مسجد مالن کے پہلو میں واقع ہے۔ لوگ کثرت سے زیارت کیلئے جایا کرتے ہیں منتیں چڑھائی جاتی ہیں اور ہر جمعرات کو شہر اور دیہات کے بہت سے لوگ فاتحہ خوانی کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ آپکا نام عوام میں کمال الدین بادشاہ مشہور ہے۔ مگر اسلامی تواریخ اور اس کتبہ سے جو مسجد کے منبر پر کندہ ہے اور جسکی نقل ہم مسجد مالن کے ذکر میں حوالۂ قلم کر چکے ہیں، کچھ پتہ نہیں ملتا کہ آپ کا نام دراصل کیا تھا[۵]۔ ان بزرگ کے سوا مالن میں دو اور بھی مزار ہیں جنکو لوگ مقدس مانتے ہیں لیکن انکا حال بھی کسی ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکا۔

سید یحییٰ اور سید عیسیٰ رضی اللہ عنہما | موضع وانتی واڑہ سے ایک کوس کے فاصلہ پر موضع مارواڑہ کی پہاڑی کے دامن میں حضرت بندگیمیاں سید یحییٰ اور سید عیسیٰ رضی اللہ عنہما کی قبریں ہیں۔ یہ دونوں بزرگ ۱۷ شعبان ۹۹۵ھ کو شہادت نصیب ہوئے ہیں۔ کتب مذہبی میں ان کی شہادت کا واقعہ اسطرح لکھا ہوا ہے کہ یہ دونوں حضرات

---

[۵] دیوان شیر خان کے زمانہ حکومت سے یہ رواج چلا آتا ہے کہ فرمانروائے پالن پور کے علاوہ ولیعہد اور مدار المہام ریاست بھی مالن اور اسکی حدود میں نہیں جاتے۔ وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ کسی صاحب حکومت یا اعلیٰ عہدہ دار کے مالن جانے سے کمال الدین بادشاہ ناخوش ہوتے ہیں افسوس کہ یہ اور اس قسم کے بہت سے توہم آمیز خیالات ہمارے ملک میں اسوقت تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ۱۲۔ لمولفہ

مع اپنے ہمراہیوں کے موضع جھٹپاڑہ سے جالور جارہے تھے۔ آپ کے ہمراہیوں میں سے میاں سید برہان کے پاس ایک نہایت عمدہ اور بیش قیمت تلوار تھی اس علاقہ کے کولی مدت سے اس تلوار کی تاک میں تھے لیکن کوئی موقع نہ ملتا تھا۔ اسوقت ان بزرگوں کی جمعیت کم دیکھکر کولیوں نے حملہ کیا اور تلوار چھین لینی چاہی۔ کشت وخون تک نوبت پہنچی۔ سید یحیٰی اور سید عیسیٰ رضی اللہ عنہما بھی اس لڑائی میں شریک ہوئے اور اپنے سترہ ہمراہیوں کے ساتھ لڑبھڑ کر درجۂ شہادت کو پہنچے۔ آپ کی درگاہ کے قریب سید شمو میاں صاحب نے کوشش کرکے زائرین کی آسائش کے لئے ایک پختہ کنوا تعمیر کرایا ہے۔

بالارام مہادیو چھپراسنی اسٹیشن سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر کوچڑی پہاڑ کے دامن میں بالارام مہادیو کا استھان ہے۔ یہ مندر ایک ایسے پُر فضا مقام پر واقع ہے جسکا منظر کل ریاست میں ایک ہی مانا جاتا ہے مہادیو کے چاروں طرف نہایت خوش نما جھاڑیاں دور تک چلی گئی ہیں اور بڑے ٹیلہ سے پانی کا زندہ چشمہ جاری ہے۔ صاحبان یورپین اور دور دور کے لوگ یہاں کے قدرتی مناظر کی سیر کے لئے اکثر آیا کرتے ہیں اس مندر کے متعلق ایک مختصر سا دھرم سالا بنا ہوا ہے اور ایک پجاری بھی متعین ہے مگر وہ چھپراسنی میں رہتا ہے۔ بالارام کے قریب ہی ایک اور ماتا کا استھان ہے جسکو دہار ماتا کہتے ہیں۔ یہاں مندر وغیرہ تو بنا ہوا نہیں ہے لیکن قدرتی نظارہ کی حیثیت سے یہ بھی ایک قابل دید مقام ہے۔

کرنالیہ مہادیو موضع کرنال کے قریب ہی ایک خوشگوار پانی کے چشمہ کے متصل کرنالیہ مہادیو کا استھان بنا ہوا ہے۔ اس مقام پر کوئی قابلِ ذکر مندر نہیں ہے لیکن اسکا نظارہ ضرور قابل دید ہے۔ کرنالیہ مہادیو پالن پور سے مشرق کی طرف نو کوس کے فاصلہ پر واقع ہے۔

کیدار ناتھ مہادیو کیدار ناتھ مہادیو سرو تره اسٹیشن سے تقریباً پانچ میل کوہ جاسور کے ایک حصہ پر واقع ہے۔ یہاں ایک مکان بھی ہے جو آنے جانے والوں کے قیام کے لئے کام آجایا کرتا ہے۔ اسی مقام پر ایک مشہور سنت و فقیر منی باوا مدتوں رہے ہیں جنکا مفصل حال آئندہ تحریر کیا جائیگا۔ علاقۂ پالن پور میں جسقدر خوش نظارہ

مقامات پائے جاتے ہیں منجملہ ان کے ایک کیدار ناتھ مہادیو بھی ہے۔

سامرڑہ کا مہادیو — یہ مہادیو پالن پور سے تین کوس کے فاصلہ پر جانب شرق موضع سامرڑہ کی حدود میں واقع ہے۔ یہاں ہر سال چھوٹا سا میلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ قرب وجوار کے دیہات کے لوگ اس مہادیو کے بہت معتقد ہیں۔ مہادیو کے مندر کے سوا ایک دھرم سالہ اور چھوٹا سا کنواں بھی بنا ہوا ہے۔ اور خوشنما درختوں کے سایہ میں اس مہادیو کا احاطہ واقع ہے۔

سدراسن مہادیو — عمردسی سے آدہ میل کے فاصلہ پر سدراسن مہادیو کا مندر ہے۔ تقریبًا بیس برس ہوئے کہ اسکو ایک ہندو فقیر آدہن باوا نے بنوایا تھا۔ آدہن باوا کی مفصل کیفیت چونکہ دلچسپی سے خالی نہیں ہے اسلئے ہم آیندہ ناظرین کے سامنے پیش کرینگے۔

ہڑکائی ماتا — چھاپی کے ریلوے اسٹیشن سے دوڈہائی میل کے فاصلہ پر مشرق کی طرف موضع اندرانہ علاقہ پالن پور میں ہڑکائی ماتا کا استھان بنا ہوا ہے جن لوگوں کو دیوانہ کتا کاٹتا ہے وہ دور دور سے یہاں علاج کے لئے آیا کرتے ہیں اور قابل اعتبار ذرائع سے سنا گیا کہ ان متعدد آنے والے مریضوں میں سے اجتک کسی دیوانہ کتے کے زہر نے اثر نہیں کیا۔ گویا یہ پالن پور کا پاسچیور انسٹی ٹیوٹ ہے۔

اس ماتا کا پجاری بھگو ولد گوڈر رہباری (رگڈریا) ہے جسکے خاندان میں قدیم الایام سے یہ مفید خدمت چلی آتی ہے۔ جب کوئی شخص پاگل کتے کا کاٹا ہوا یہاں آتا ہے تو پجاری اسکے گلے میں ایک سفید دہاگا باندہ کر ساڑہے تین مہینے کے لئے گڑ۔ شکر۔ مصری۔ تیل۔ گنا۔ گاجر۔ شکر قند۔ باجرا۔ آلو۔ گوشت۔ کولار گول گھیا دودہ اور دہی کے استعمال سے بچنے کی ہدایت کرتا ہے۔ مدت معینہ کے بعد مریض کو ماتا کے استھان پر پھر جانا پڑتا ہے اور معمولی نذر و نیاز چڑہا کر اپنے گھر واپس چلا آتا ہے۔ یہ نیاز چڑہانیکے بعد پرہیز کی تمام پابندیوں وغیرہ سے مریض کو ہمیشہ کے لئے آزادی ہوجاتی ہے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ جو لوگ یہاں آکر پاگل کتے کے زہر سے بچ جاتے ہیں وہ ماتاجی کی اعجاز نمائی و کرامات کا

باعث ہے یا اُن تدابیر شائستہ کا نتیجہ جنہیں عمل کرنے کے لئے پجاری کی طرف سے بڑی شد و مد کے ساتھ ہدایت کی جاتی ہے۔ بہرحال یہ ضرور ہے کہ دور دور کے رہنے والے ہندو اور مسلمان اس مقام پر آتے ہیں اور ہرکالی ماتا کے ساتھ بہت زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔

سترہ شہید قصبہ ڈبیہ اور اسٹیشن ڈبیہ کے درمیان سترہ شہیدوں کی درگاہ ہے۔ یہ سترہ بزرگ کسی جنگ میں یہاں شہید ہوگئے تھے۔ اور ان کی قبریں بنادی گئی تھیں۔ اب اس مقام پر منتیں مانی جاتی ہیں اور بہت سے لوگ ان کے معتقد ہیں۔ اس درگاہ کے متعلق ڈبیہ کے مسلمانوں کا قبرستان بھی ہے۔ ہزہائنس نے اپنی فیاضی سے مہتہ ہیرا ج ہاتھی بھائی کی تحصیلداری ڈبیہ کے زمانہ میں یہاں ایک دھرم سالہ اور کنوا تعمیر کرایا ہے تاکہ زائرین کو بیٹھنے اٹھنے اور پانی وغیرہ کی نسبت تکلیف برداشت نہ کرنی پڑے۔

ہندوؤں کے مندر۔ مسلمانوں کی مسجدیں اور بزرگان دین کے مزار وغیرہ جس قدر قابل ذکر معلوم ہوئے درج کر دیے گئے ہیں۔ لیکن ہر ملک کی طرح اس علاقہ میں اور بھی بہت سی عمارتیں اس قسم کی جابجا موجود ہیں جنکو ناقابل ذکر سمجھ کر قلم انداز کر دیا ہے۔

میلے

میلوں کی ابتدا اسوقت تک ہماری نظر سے نہیں گزرا کہ اہل ہند کی معاشرت میں میلوں کا رواج کس وقت شروع ہوا اور ہندوستان میں میلے کب سے داخل مذہب یا داخل معاشرت ہوئے اور نہ ہم یہ بتا سکتے ہیں کہ ان میلوں کا جاری کرنے والا کون تھا۔ البتہ قیاساً یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت انسانی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے ایک شخص یا ایک مقام کافی نہ ہوا اور تبادلۂ خیالات اور مبادلۂ اشیاء کی ضرورت محسوس ہوئی تو مذہبی پیشواؤں۔ تمدنی رفارمروں یا کم از کم تقاضائے وقت نے ہر شخص کو دوسرے مقامات پر

جانے اور ہر قسم کے لوگوں سے ملنے کے لئے مجبور کیا۔

یہ شخصی اغراض کا سلسلہ جو فرداً فرداً متحرک ہوا تھا، سہولت کے لحاظ سے رفتہ رفتہ اجتماعی صورت میں ہونے لگا۔ یہانتک کہ ہر شہر اور ہر قصبہ میں ایک خاص دن مقرر ہو کر کہیں ہر ہفتہ کہیں ہر مہینہ اور کہیں ہر سال اچھا خاصہ مجمع ہونے لگا۔ اور آخر کار اس اجتماع نے میلہ کی صورت اختیار کر لی۔

جس طرح ہندوستان کے ہر حصہ میں قسم قسم کے میلے ہوا کرتے ہیں اسی طرح ریاست پالن پور بھی ان سے خالی نہیں ہے۔ یہاں بھی جابجا میلے ہوتے رہتے ہیں جنکا مفصل ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

پالن پور کے میلے (۱) دیوان زور آور خان صاحب کا میلہ جو ہر سال ۱۸ شعبان کو ہوا کرتا ہے۔

(۲) فضل معصوم صاحب کا میلہ۔ یہ میلہ سال میں ایک دفعہ ۱۹ رجب کو ہوتا ہے۔

(۳) میراں داتار کا میلہ۔ یہ میلہ میراں داتار کے چلّہ پر ہر سال ۲ صفر کو ہوا کرتا ہے۔

(۴) دہلی دروازہ کے باہر ساون کے آخری دوشنبہ کو وشنو دہرم والوں کا ایک میلہ ہوتا ہے جو بابا لیشور مہادیو کے میلہ کے نام سے مشہور ہے۔

(۵) جینیوں کا مذہبی میلہ۔ یہ میلہ ویرابائی کے دروازہ کے باہر کاتک سدی ۱۵ کو ہوا کرتا ہے۔

کمال الدین بادشاہ کا میلہ موضع مالن میں مسجد مالن کے متصل کمال الدین بادشاہ کا میلہ ۱۵ رجب کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوا کرتا تھا۔ آج سے تیس ۳۰ برس پہلے اس میلہ میں ہزارہا آدمی سدھ پور، پٹن، مہسانہ، کھیرالو، دیسا نگر اور بڑنگر وغیرہ دوسرے علاقوں سے بھی آیا کرتے تھے۔ مگر جب ۱۲۹۴ھ میں فضل معصوم صاحب کا انتقال ہوا اور ان کے مزار پر میلہ ہونے لگا تو یہاں کی رونق بالکل کم ہو گئی اور اب یہ میلہ برائے نام رہ گیا ہے۔

سدھ ماتا کا میلہ قصبہ ڈیسہ میں گوکل اشٹمی کے روز سدھ ماتا کا میلہ بڑے زور و شور کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔

سدراسن کا میلہ موضع سدراسن میں چیت سدی ۱۵ ساون سدی ۱۱ اور آسوج سدی ۸ کو سال میں تین بار آدہن باوا کے استھان پر میلے ہوا کرتے ہیں۔

بالارام مہادیو کا میلہ چتراسنی اسٹیشن سے تقریباً ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر بالارام مہادیو پر ساون کے ہر پیر کو ایک میلہ ہوا کرتا ہے۔ اور اخیر پیر کو اس میلہ کا بڑا زور ہوتا ہے اور دور دور سے لوگ آتے ہیں۔ اس روز پالن پور سے چتراسنی اسٹیشن تک ریلوے کی طرف سے ایک اسپیشل ٹرین بھی چھوڑی جاتی ہے۔

ٹوکریہ مہادیو کا میلہ موضع مڈانہ پرگنہ گڈھ کے قریب ٹوکریہ مہادیو کا میلہ ہر سال کاتک سدی ۲ر کو ہوا کرتا ہے۔

سیتلا ماتا کا میلہ موضع روپال پرگنہ میتا میں سیتلا ماتا کا میلہ ہر برس ساون بدی ۷ر کو بڑی دھوم دھام کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور اس میں اطراف وجوانب کے دیہات سے اور خاص شہر پالن پور سے ہزاروں لوگ جایا کرتے ہیں۔

بھیلڑی کا میلہ موضع بھیلڑی پرگنہ ڈیسہ میں بھیلڑیا پارس ناتھ کے مندر کے متعلق ہر سال مہاودی ۱۴ر کو بہت بڑا میلہ ہوا کرتا ہے۔

موکیشور مہادیو کا میلہ موضع پانڈوہ پرگنہ چتیروڑہ میں بھادوں سدی ۱۱ر کو موکیشور مہادیو کا میلہ ہر سال ہوتا ہے۔

ان میلوں کے سوا اور بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے میلے ہوا کرتے ہیں۔ مگر ان میں بجز دیہاتی آدمیوں کے اور کوئی شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان میلوں کو کچھ ان ہی لوگوں کا مذاق پسند کرتا ہے اور یہ میلے بھی اُن ہی کے مذاق کے موافق ہوتے ہیں۔

ریلوے تار اور ڈاک گھر

ریلوے ریاست پالن پور کی حدود میں چھاپی۔ عمردسی۔ پالن پور۔ چتراسنی۔ سرو ترہ۔ روہو۔ جنیڈلیسر اور ڈیسہ آٹھ ریلوے اسٹیشن ہیں۔ بی۔ بی۔ اینڈ سی۔ آئی ریلوے حدود ریاست میں تقریباً ۵۹ میل چلتی ہے۔

تار گھر متعلقہ ریاست کل ریلوے اسٹیشنوں پر تار آفس بھی ہیں۔ علاوہ بریں خاص شہر پالن پور میں پوسٹ آفس

کے شمال ایک گورنمنٹ ٹیلیگراف آفس ہے۔

ڈاک گھر — ڈیسہ۔ دہانیرہ۔ کھیمت۔ کانودر۔ بینا۔ چنڈلیسر۔ روہواسٹیشن اور چھاپی اسٹیشن پر برانچ پوسٹ آفس ہیں اور خاص شہر پالن پور میں ایک سب پوسٹ آفس ہے۔

مشاہیر شہر

سید احمد حسین صاحب — سید احمد حسین عرف باوا صاحب مومنوں کے پیر اور صاحب سجادہ ہیں۔ تقریباً ساٹھ ہزار روپیہ سالانہ آپ کی آمدنی ہے اور تخمیناً بیس ہزار مومن وغیرہ آپ سے دست بیعت ہیں۔ اسوقت آپکی عمر پچاس برس کے قریب ہے۔ ان کے والد سید حسن علی صاحب بہت ہی بزرگ شخص گزرے ہیں۔

قاضی مولوی سراج الدین صاحب — قاضی صاحب معقول و منقول کے جید عالم ہیں۔ آپ نہایت خوش تقریر مولوی ہیں۔ کانپور اور علی گڑھ وغیرہ مختلف مقامات میں رہ کر آپ نے علوم کی تحصیل کی ہے۔ آپ میں تعصب مذہبی بالکل نہیں ہے اور آپ آزاد مزاج ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر تخمیناً پچاس برس کی ہے۔ آپ یہاں کے شہر قاضی عبدالرحیم صاحب کے چچیرے بھائی ہیں۔

سید اچھا میاں صاحب — سید اشرف عرف اچھا میاں صاحب پیرزادگان مہدوی میں بڑے فاضل شخص ہیں۔ عربی و فارسی میں آپ کی بہت اچھی لیاقت ہے۔ مولوی رحمت میاں صاحب مرحوم کے شاگرد رشید اور چچیرے بھائی ہیں۔ آپ گوشہ نشین عزلت ہیں اور رات دن مذہبی خدمات میں لگے رہتے ہیں۔ متعدد کتابیں آپ کی تصنیف سے موجود ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر ساٹھ برس کے قریب ہے۔

عبداللہ بھائی — پالن پور کے شیعہ بوہروں میں ملا عبداللہ بھائی ولد فضل علی عربی کے بڑے بھاری ادیب ہیں۔ آپ کی تصانیف سے علم ادب میں چند کتابیں موجود ہیں اور عربی میں شعر بھی کہتے ہیں۔ آپ کی عمر

ساٹھ برس سے متجاوز ہو چکی ہے۔

سید داؤجی میاں صاحب سید داؤجی میاں ابن سید عالم صاحب ہز ہائنس اور خاندان ریاست کے پیر اور سادات مہدوی کے ایک رکن ہیں۔ آپ کو عربی اور فارسی علوم میں اچھی دستگاہ ہے اور اکثر اوقات مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہا کرتے ہیں۔ اسوقت پچاس برس کے قریب آپ کی عمر ہے۔

سید عبدو میاں صاحب سید صاحب قبلہ خاکسار مؤلف تاریخ ہذا کے والد ماجد ہیں۔ اس لئے میں مناسب نہیں سمجھتا کہ آپ کے محاسن اوصاف میں کچھ تحریر کروں کیونکہ مجھکو آپ سے جو نسبت ہے اسکے لحاظ سے میں جسقدر لکھوں کم ہے۔

مہتہ میر بھائی ہاتھی بھائی مہتہ صاحب ریاست کے متمول شخصوں میں سے ہیں۔ آپ کئی بار ریاست کے مدار المہام بھی رہ چکے ہیں۔ آپ کی قابلیت علمی گو کچھ زیادہ نہیں ہے لیکن ذکاوت طبع نے آپ کو ایک نہایت قابل اور دور اندیش اہلکار بنا دیا ہے اور ہز ہائنس ان سے اب بھی اکثر معاملات ریاست میں صلاح و مشورہ لیا کرتے ہیں۔ آپ نہایت دہرمی کرمی اور جین مذہب کے ایک رکن مانے جاتے ہیں ستر برس کے قریب عمر ہے۔

پارکھ امولک خوب چند پارکھ امولک خوب چند ریاست کے دولت مند جوہری ہیں۔ آپ کی تجارت کا سلسلہ ہندوستان کے اکثر شہروں میں پھیلا ہوا ہے۔ آپ مسلک صلح کل پر چلنے والے۔ باخبر اور نہایت نیک نیت شخص ہیں۔ آپ کی ذات میں ایسی صفات پسندیدہ پائی جاتی ہیں کہ غالبًا اسکی نظیر یہاں کے اہل ہنود میں مشکل سے ملیگی۔ اسوقت آپکی عمر ساٹھ برس سے تجاوز کر چکی ہے۔

سیٹھ نذر علی داؤجی سیٹھ صاحب پالن پور کے شیعہ بوہروں میں نہایت خلیق اور شریف الطبع آدمی ہیں۔ آپ کی تجارت کا سلسلہ بمبئی میں ایک اچھے پیمانہ پر جاری ہے۔ مسلمان تجارت پیشہ لوگوں میں آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے خلق اور حسن برتاؤ سے ہز ہائنس کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔ چنانچہ آپ
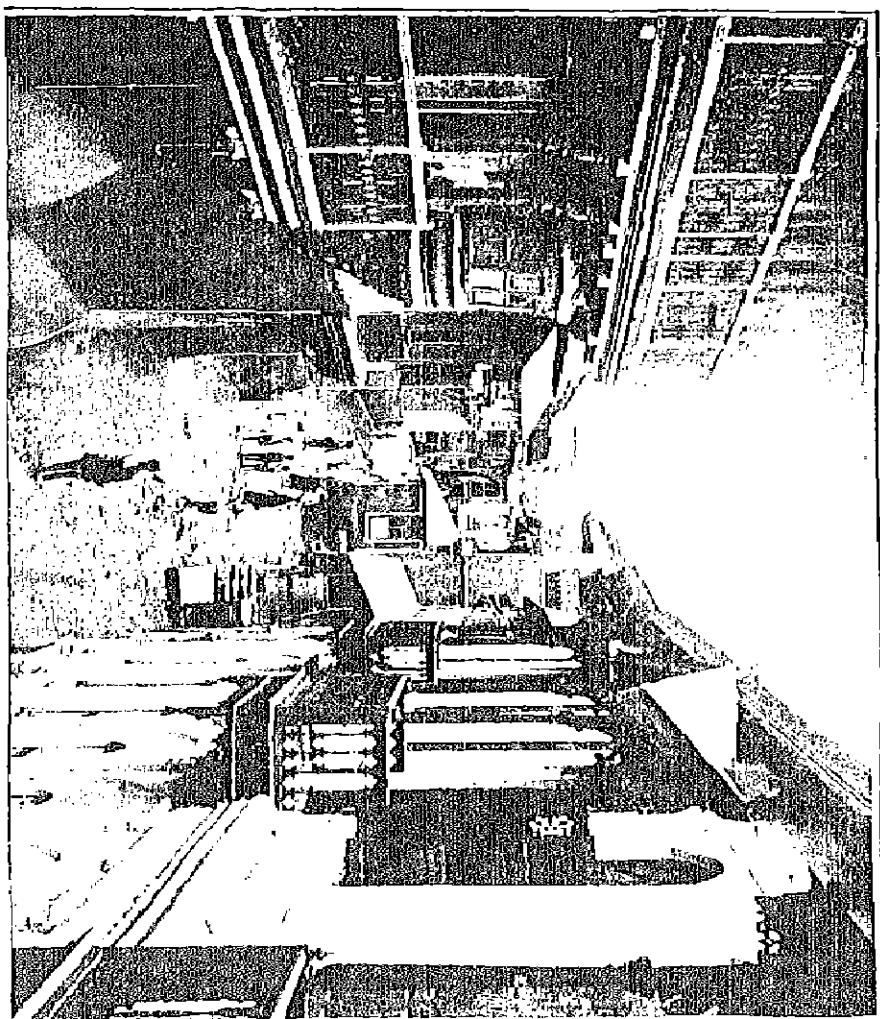
اس وقت بمبئی میں ریاست کی طرف سے کمرشیل ایجنٹ ہیں۔ آپ بذات خود نہایت نیک۔ خوش مزاج۔ فراخ دل۔ بلند حوصلہ اور بہی خواہ قوم وملت ہیں۔ اسوقت آپکی عمر پچپن برس کی ہے اور آپ اپنی قوم میں متمولات سے ہیں۔

مصری خان — آپ علاقہ جے پور کے رہنے والے مہدوی المذہب پٹھان ہیں۔ پچاس برس کا زمانہ گزرا کہ وطن سے پالن پور چلے آئے تھے اور اُسوقت سے یہیں قیام فرما ہیں۔ آپ امیر الدولہ امیر الملک نواب محمد امیر خان بہادر بانی ریاست ٹونک کے لشکر میں بھی کچھ مدت تک اپنے والد ماجد کے ساتھ رہے ہیں۔ اسوقت آپ کی عمر ۹۰ برس سے زیادہ ہو چکی ہے اور عوارض مختلفہ کے حملوں سے چراغ سحری بنے ہوئے ہیں۔ آپ میں قدرت نے بہت سی خوبیاں ایسی ودیعت کی ہیں جن کی بدولت شہر اور علاقہ کے متعدد ہندو اور مسلمان آپ کے ساتھ نہایت تعظیم وتکریم سے پیش آتے ہیں اور عام طور پر آپ ایک متبرک اور ہر دلعزیز بزرگ مانے جاتے ہیں۔

عمارات سرکاری

ہز ہائنس اور خاندان ریاست کے محلات کچھ اس طریقہ سے بنتے چلے گئے ہیں کہ ایک اچھے حصار کی صورت قائم ہو گئی ہے۔ اس حصار کے دونوں طرف بازاروں کی جانب دو دروازے ہیں جو بازاریں آنے جانے والوں کے لیے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں۔ محلات کے اس مجموعہ کو یہاں "دو راجگڑھی" کہتے ہیں۔

رانی باغ — دیوان کرن کمال نے بیگمات کی ہوا خوری کے لئے اس باغ کی بنیاد ڈالی تھی۔ امتداد زمانہ سے چونکہ باغ ویران ہو گیا تھا اس لئے دیوان فتح خان ثانی نے اس افتادہ زمین پر محلات تعمیر کرائے

نگران محلات کا بھی اکثر حصہ منہدم ہو چکا ہے۔ موجودہ عمارت جو" رانی باغ" کے نام سے مشہور ہے ایک چھوٹا سا محل ہے جس میں ہز ہائنس اپنی ولیعہدی کے زمانہ میں رہا کرتے تھے۔ رانی باغ کے احاطہ میں جسکو دیوان کرن کمال نے بنایا تھا ایک عالیشان کنواں بھی موجود ہے۔

زورآور بنگلہ | دیوان زورآور خان مرحوم کا تعمیر کردہ محل جو زورآور بنگلہ کے نام سے مشہور ہے اسلسلۂ محلات میں مشرقی جانب چھوٹے بازار کی طرف یہاں کی پرانی شان عمارت کا نمونہ پیش کرتا ہے۔ اسکے نیچے کے حصہ میں نئی کچہری کے نام سے جو عمارت بنی ہوئی ہے اس میں ہز ہائنس شب کو استراحت فرماتے ہیں اور زورآور بنگلہ میں دن کو ایک بجے تک کاروبار ریاست انجام دیتے ہیں۔

خاص محل | یہ محل نہایت عالیشان اور ریاست کے دوسرے محلات کی نسبت بہت زیادہ وسیع اور آراستہ ہے۔ ہز ہائنس کی اس میں خاص نشست رہتی ہے۔ یہ محل ہز ہائنس نے سمت ۱۹۴۶ میں بصرف کثیر تیار کرایا تھا۔

بڑی کچہری | یہ عمارت قدیم اور پرانی طرز پر بنی ہوئی تھی۔ اسکی چھت کو بہت سے ستون اپنے سروں پر لئے ہوئے تھے جسکی وجہ سے دربار کے وقت کرسیوں کی نشست میں دقت ہوتی تھی۔ ہز ہائنس نے سمت ۱۹۳۹ میں اسکے اوپر کا حصہ اُتروا کر کل ستون نکلوا ڈالے اور شاندار ہال بنا دیا۔ اب افسران یورپین اور راجہ رئیسوں کے خیر مقدم کے دربار کے لئے یہی ہال مخصوص ہے جسکو "دیوان خانہ" بھی کہتے ہیں اسکا طول شمالاً جنوباً ۸۹ فیٹ ۷ انچ اور عرض غرباً شرقاً ۸ ۲ فیٹ ۲ انچ ہے۔

چندر محل | ہز ہائنس نے خاص اپنی نشست کے لئے ۱۹۰۵ء کے آخر میں یہ چھوٹا سا محل خاص محل کے پہلو بہ پہلو بنوایا اور اب دوپہر سے شام تک یہیں نشست فرماتے ہیں۔

فتح محل | یہ محل رانی باغ سے متصل بنا ہوا ہے۔ اسی مقام پر سابق میں دیوان فتح خان ثانی نے چھوٹے چھوٹے چند مکانات خاص اپنے لئے اس غرض سے تعمیر کرائے تھے کہ سمت ۱۹۰۲ کے قیام خیمہ

چھوٹے بازار کیطرف سے محلات سرکاری کا نظارہ
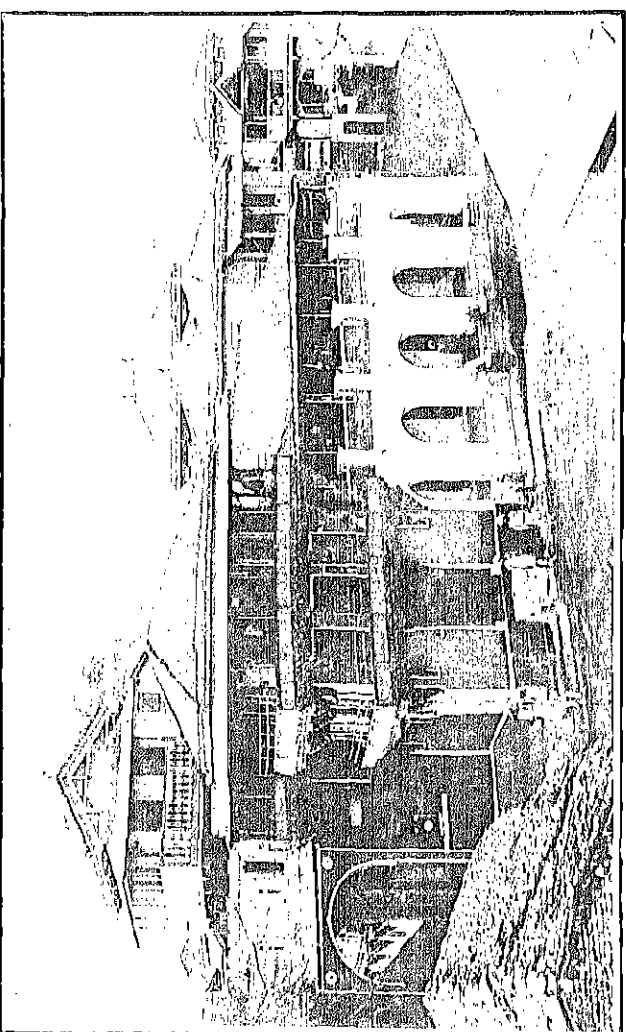
زلزلہ کی حرکات سے جنکا سلسلہ تقریباً دو مہینے تک جاری رہا تھا، بطور حفظ ماتقدم ان میں سکونت کی جائے کیونکہ اونچے اونچے اور کئی کئی منزل کے محلات ایسے موقعوں پر مخدوش شمار کئے جاتے ہیں۔ ہز ہائنس نے ان مکانات کے بجائے محکمۂ عالیہ حضور عدالت کی عمارت تعمیر کرائی تھی لیکن ولیعہد بہادر نے اسکو پسند فرماکر اپنی شادی سے چند روز پیشتر اس عمارت کو بطور خود مکمل کرایا اور آرائش وغیرہ سے مزین کرکے "فتح محل" نام رکھا۔ یہ محل اب نہایت خوشنما اور شاندار ہے۔ اسکی سجاوٹ میں ایک خاص قسم کی سادگی پیدا کرکے ولیعہد بہادر کے سلیقہ شعار ہاتھوں نے ایشیائی اور مغربی طرز و وضع کو گلے ملا دیا ہے۔

زنانہ محلات محلات سرکاری کی تقسیم دو حصوں میں کی گئی ہے۔ ایک مردانہ اور دوسرا زنانہ۔ مردانہ حصہ کا حال تو اوپر آچکا ہے اور زنانہ محلات کی مجمل کیفیت یہ ہے کہ ان میں کچھ تو قدیم کی بنی ہوئی عمارتیں ہیں اور کچھ ہز ہائنس کے دور حکومت میں تعمیر ہوئی ہیں۔ ولیعہد بہادر کے لئے محل بنوایا گیا تھا وہ چونکہ زنانہ محلات سے قریب تھا اس لئے ولیعہد بہادر کی شادی کے بعد اسکو بھی زنانہ محلات میں شامل کر دیا۔

علاوہ ان مردانہ اور زنانہ محلات کے راجگڑھی کے احاطہ میں ہز ہائنس کے حقیقی چچا احمد خان اور سوتیلے چچا عثمان خان اور سکندر خان کے محلات بھی شامل ہیں اور نیز ہز ہائنس کے خسر بہادر خان ہیتانی کے مکانات بھی اسی احاطہ کے اندر ہیں۔

عدالتہائے انصاف۔ طویلہ۔ بگی خانہ۔ مودی خانہ (کوٹھار) باورچیخانہ۔ توشہ خانہ۔ فراش خانہ اور شتر خانہ وغیرہ مکانات بھی اس راجگڑھی کے احاطہ میں واقع ہیں اور فیلخانہ۔ گاؤخانہ اور رتھ خانہ کی عمارتیں زور آور بنگلہ کے متصل راجگڑھی سے ملحق تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر بنی ہوئی ہیں۔

باغات

دلکشا یہ باغ دیوان کمال خان عرف کرن کمال کی یادگار ہے۔ اسمیں مغلئی ساخت کا ایک خوشنما پرانا بنگلہ بھی بنا ہوا تھا۔ مگر زمانہ کی گردش سے جسطرح اسکے بانی خاک میں مل گئے اسی طرح یہ بھی پردہ خفا میں روپوش ہوگیا۔ لیکن ہز ہائنس کی توجہ نے اس باغ کو از سرنو آباد کر دیا یعنی سمد ۱۹۸۱ میں ایک عالیشان کوٹھی تعمیر کرائی اور باغ کی رونق بڑھا کر اسم بامسمی دلکشا بنا دیا۔ اب اس باغ کی روح پرور ہوا اور فرحت افزا ہیکا دماغی محنت سے تھکے ہوئے طلبا اور پریشان خیالات سے دل کو پاک کرنے والے حضرات کے لئے تفریح کا ذریعہ ہے۔ اس باغ میں سنگ مرمر کے پتھر پر ایک کتبہ کندہ ہے جس کی نقل یہ ہے۔ قطعہ تاریخ۔

لطف کامل فضل شامل از کریم ذوالکمال || باکمال خوشیتن نامش بود خان کمال

باغ را کردہ بنا با صد ہزاراں لطف طبع || حوض ہائش چشمہ ہا جاریست چوں فیض کمال

نعمت اللہ را چوں فکر سال آمد با خوشی

ہاتفش ملہم شد و گفتا ۔ بجو باغ کمال

۱۱۰۵ھ

گلشن خنداں

۱۱۰۵ھ

باغ دلکشا میں علاوہ اس بڑے بنگلے کے ایک اور بھی چھوٹا سا خوشنما بنگلہ ہز ہائنس نے تعمیر کرایا ہے۔ ان دونوں بنگلوں کے صحنوں میں خوش قطع حوض بنے ہوئے ہیں اور ان میں فوارے لگے ہوئے ہیں باغ کی حیثیت سے یہ باغ نہایت خوش نما ہے۔ سب قسم کی پھلواری اور پھلدار درخت لگے ہوئے ہیں۔ صاف اور ستھری روشیں بنی ہوئی ہیں اور تمام دلچسپی کا سامان موجود ہے۔
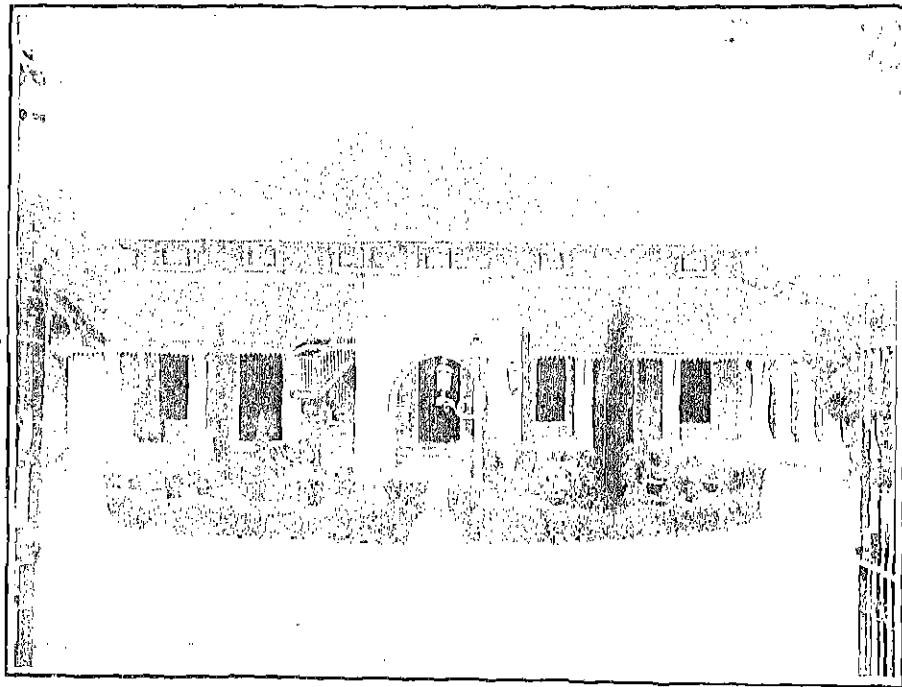
باغ دلکشا

طالع باغ سمت ۱۹۴۵ میں میراں دروازہ کے باہر ایک وسیع میدان میں بنگلہ ایجنسی کی جانب آمد و رفت کی پختہ سڑک کے متصل خاص و عام کی ہوا خوری اور آسائش طلب لوگوں کی تفریح طبع کے لئے ایک نفیس و خوشنما باغ کی بنیاد ڈالی گئی اور قیام یادگار کے لئے ولیعہد ریاست کی مناسبت سے طالع باغ نام رکھا گیا۔

امیر باغ ہز ہائنس کی زوجہ مرحومہ امیر بائی صاحبہ نے اس باغ کی بنیاد قائم کرکے اپنی زندگی میں ولیعہد بہادر کو عنایت فرما دیا تھا۔ ولیعہد بہادر نے اس باغ کو اپنی والدہ ماجدہ کے نام سے موسوم کیا اور وسط باغ میں ایک بنگلہ کی بنیاد ڈالی چنانچہ سمت ۱۹۵۵ کے ساون مہینے میں عمارت کا کام شروع ہوا اور تین برس کے عرصہ میں ایک خوبصورت کوٹھی بن کر تیار ہو گئی۔ ساتھ ہی باغ کو بھی وسعت دے کر دلکشا سے دوسرے نمبر پر کر دیا۔ اس باغ میں گلاب کا پھول قابل شہرت ہوتا ہے۔ یہ پھول علاوہ خوشبو کے اسقدر بڑا ہے کہ کامل شگفتگی کے وقت اسکا قطر اٹھارہ انچ تک ناپا گیا ہے۔ اس باغ کی موجودہ رونق و شادابی ولیعہد بہادر کی جدت پسند طبیعت اور سلیقہ مند ہاتھوں کی آبیاری کا نتیجہ ہے۔

یاور حسین خان کا باغ یہ باغ ہز ہائنس کے چھوٹے صاحبزادے یاور حسین خان نے بنوایا ہے۔ اسکے احاطہ میں ایک عالیشان کنواں اور مختصر سا مگر پر تکلف بنگلہ ہے۔ یہ باغ امیر باغ اور دلکشا کے مقابلہ میں گو کم حیثیت ہے لیکن اسکا نظارہ نہایت دلفریب ہے۔ امیر باغ کے ساتھ ہی اس کی بھی بنیاد پڑی تھی۔

ستاریہ باغ یہ باغ پولیٹیکل ایجنٹ صاحب کی کوٹھی کے قریب واقع ہے۔ قیام سپرنٹنڈنسی کے ساتھ ہی ساتھ اسکی بنیاد قائم ہوئی تھی۔ اس میں بہت سی قسم کی پھلواری پیدا ہوتی ہے اور اسکے گرد و نواح میں آم کے درخت کثرت سے ہیں۔ اس باغ میں کیلا اسقدر لذیذ و شیریں ہوتا ہے کہ دور دور سے اسکی فرمائشیں آتی ہیں اور ریاست کی طرف سے یورپین احباب کو تحفۃً بھیجا جاتا ہے۔

سکندر باغ یہ باغ ہز ہائنس کی چچی کنور بائی زوجہ سکندر خان مرحوم نے اپنے خاوند کے انتقال کے بعد

محض یادگار کے طور پر لگایا ہے۔ اسمیں ایک پرتکلف اور شاندار بنگلہ بنا ہوا ہے۔ جسکے چاروں طرف پختہ صحن ہے اس بنگلہ کے قریب ضروری اسباب رکھنے کے لئے ایک گودام اور باورچی خانہ بھی ہے۔ اس بنگلہ اور باغ کی تیاری میں کنور بائی صاحبہ کی طرف سے دس ہزار روپیہ صرف کیا گیا ہے۔ اس باغ اور بنگلہ کا کام بزیر نگرانی ٹھاکر سورم خاں جاگیروار ونیا سمت ۱۹۴۲ میں شروع کیا گیا اور دو برس میں بن کر تیار ہوگیا مگر اس وقت تک کچھ نہ کچھ کام جاری ہے۔

ساہو باڑی | یہ باغ ریلوے اسٹیشن کے پھاٹک سے باہر مغرب کی طرف ڈیسہ ریلوے لائن کے قریب واقع ہے اسکو ہز ہائنس کے چچازاد بھائی حسین محمد خان مرحوم نے لگایا تھا اور اسمیں ایک نہایت عالیشان کوٹھی تعمیر کرائی تھی۔ باغ میں پھلواری زیادہ نہیں ہے۔ مگر دوسری قسم کے درختوں اور عمارت کے لحاظ سے اسکی حالت میں دن بدن ترقی اور اصلاح ہوتی جاتی ہے۔

حسین محمد خان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے زبردست خان نے کوٹھی کے اردگرد بہت ہی وسیع پختہ صحن بنادیا ہے جس کے سبب کوٹھی کی فراخ دامانی اور شان دوبالا ہوگئی ہے۔ آرائش و فرنیچر کی حیثیت سے یہ کوٹھی دلکشا کی کوٹھی سے دوسرے درجہ پر ہے۔ اس کوٹھی اور باغ پر اس وقت تک پندرہ ہزار روپیہ سے زیادہ صرف ہوچکا ہے۔ اور ابھی اسکے تکلفات میں ترقی ہی کا خیال ہے۔ کیونکہ صاحبزادہ زبردست خان اس کوٹھی اور باغ کو اپنے والد مرحوم کی یادگار سمجھتے ہیں۔ زبردست خان نے اپنے والد مرحوم کے نام کی مناسبت سے اب اس باغ کا نام حسین باغ رکھا ہے لیکن اس نام نے عوام میں شہرت نہیں پائی۔

حسینی باغ | حسینی باغ ریلوے اسٹیشن کے قریب بنا ہوا ہے۔ اسکو شیعہ بوہروں کی حسینی کمپنی نے بنایا ہے اسمیں چھوٹا سا بنگلہ اور ایک حوض بھی ہے۔

عباسی باغ | عباسی باغ دہلی دروازہ کے باہر پاتالیشور مہادیو کے قریب لب سڑک واقع ہے اور یہ بھی
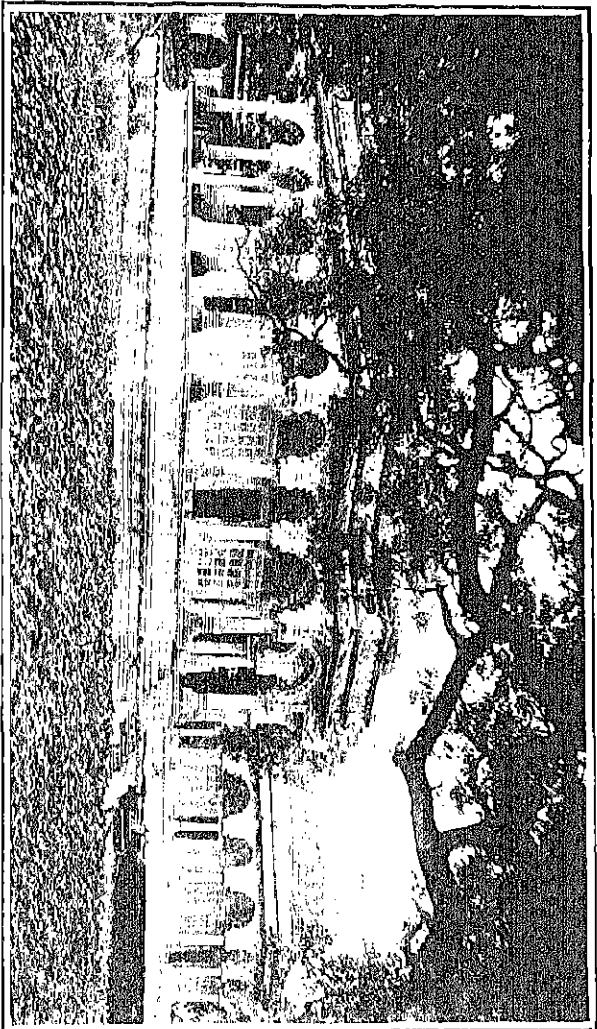
والیان ریاست کے مقابر کا نظارہ

شیعہ بوہروں کی عباسی کمپنی کی طرف سے بنایا گیا ہے۔ اسمیں ایک چھوٹا سا خوش قطع بنگلہ اور بنگلہ کے صحن میں حوض بنا ہوا ہے اور باغ میں پھلواری لگی ہوئی ہے۔

مسافر خانے

خاص پالن پور کے متعلق جھالی بائی کا دھرم سالہ (مسافر خانہ) احمد خان کا دھرم سالہ۔ پتمبر مہتہ کا دھرم سالہ۔ بالارام مہادیو کا دھرم سالہ۔ پاتالیشور مہادیو کا دھرم سالہ۔ انباجی ماتا کا دھرم سالہ اور وکٹوریہ جوبلی دھرم سالہ بنا ہوا ہے۔ جن میں سے اہل ہنود کے تمام مسافر خانوں میں سوائے ہندوؤں کے اور کوئی نہیں ٹھیر سکتا۔ علاوہ ان مسافر خانوں کے خاص شہر کے اندر جینیوں کی طرف سے جیوا شاہ اور مہتہ چیلا ہیرا چند کی طرف سے دو مسافر خانے اور بھی بنے ہوئے ہیں جن میں عموماً مہاجن لوگ ٹھیرا کرتے ہیں۔ وکٹوریہ دھرم سالہ میں بھی عام لوگ نہیں ٹھیر سکتے۔ صرف وہ لوگ اسمیں ٹھیرائے جاتے ہیں جو علاقۂ ایجنسی سے مقدمات کی پیروی اور دوسرے کاموں کے لیے پالن پور آیا کرتے ہیں۔

والیان سلف کے روضے

دیوان زور آور خانصاحب کا روضہ

سمت ۱۹۳۷ میں جنت آرامگاہ دیوان زور آور خان کے مزار پر گنبد کی تعمیر شروع ہوئی۔ یہ گنبد گیارہ برس کے عرصہ میں چونسٹھ (۶۴) ہزار روپیہ کی لاگت سے دیوان فتح خان ثانی کے روضہ کے محاذی جانب مغرب نہایت صنعت کے ساتھ تیار ہوا تھا۔ اسکے ستونوں اور جالیوں میں بہت عمدہ نقاشی کی گئی ہے اور قابل دید عمارت ہے۔ اس روضہ میں ریاست کے ممبران خاندان کی بارہ اور قبریں

بھی ہیں۔

دیوان فتح خان ثانی کا روضہ — یہ روضہ چوبیس ہزار روپیہ کی لاگت سے دیوان زور آور خان مرحوم نے بنوایا تھا۔ شانِ عمارت کے لحاظ سے یہ بھی قابلِ تعریف ہے۔ اس روضہ میں دیوان فتح خان کے علاوہ گنبد کے اندر ۱۲۔ اور مشرقی دالان میں، خاندان ریاست کے اور ممبر بھی مدفون ہیں۔

دیوان فیروز خان ثالث کا روضہ — اس روضہ کو دیوان فتح خان ثانی نے بنوایا تھا لیکن تخمیناً پچیس برس کا زمانہ گزرا کہ کہنگی کے سبب کثرت بارش سے سربسجود ہو گیا تھا۔ ازاں بعد ہزہائنس نے اسکو از سر نو تعمیر کرایا۔ اس روضہ کے گنبد میں ۱۸ دالان میں ۸۔ اور صحن میں ۲ قبریں بنی ہوئی ہیں۔

شمشیر خان کا روضہ — یہ روضہ دیوان شمشیر خان نے اپنے جیتے جی بنوایا تھا۔ مرنے کے بعد اسی میں دفن کئے گئے۔ اس روضہ کی طرز عمارت دوسرے روضوں کی نسبت کسیقدر جداگانہ ہے اور اس میں سب ملاکر ۱۱ قبریں ہیں۔

دیوان شیر خان کا روضہ — یہ روضہ دوسرے والیان ریاست کے مقابرے بالکل الگ اور حدود قبرستان کے کنارے سورج پول دروازہ کے باہر بنا ہوا ہے۔ اس روضہ میں کل ۴۲ میتیں دفن ہیں اور گلاب بائی کے طوطے کی بھی ایک چھوٹی سی قبر اسکی وصیت کے بموجب اسی کی قبر کے پہلو میں بنی ہوئی ہے۔

دوسرے روضے — ان مقابر کے علاوہ اس قبرستان میں دیوان فیروز خان اول عرف کمال خان۔ دیوان مجاہد خان ثانی۔ دیوان کمال خان عرف کرن کمال اور دیوان کریداد خان کے چار روضے دیوان فیروز خان شہید کے روضہ کے عقب میں بنے ہوئے ہیں۔ پہلے روضہ میں جو سید اشرف صاحبؒ کے روضہ کے قریب ہے، ۱۲ دوسرے میں ۲۰ تیسرے میں ۱۰۔ اور چوتھے میں ۱۲ قبریں بنی ہوئی ہیں۔

دیوان فیروز خان اول عرف کمال خان کے روضہ کے ساتھ جانب غرب جو غلام گردش ہے اس میں انکی

لڑکے سلیم خان کی اور ۳۰ دوسری قبریں ہیں۔ اسی غلام گردش کے سامنے ایک مختصر سی چھتری دیوان بہادر خان کی بہن ویربائی کی بھی موجود ہے۔

اس موقع پر یہ بتا دینا ضروریات سے ہے کہ تمام والیان ریاست کے مقابر ایک ہی جگہ اور خاص اسی قبرستان میں بنانیکی یہ وجہ ہے کہ خاندان ریاست کے پیرو مرشد حضرت بندگیمیاں سید اشرف جہاں کا مزار مبارک یہاں بنا ہوا ہے اور اسلامی عقیدہ کے موافق بزرگان دین کے زیر سایہ حیات و ممات دونوں حالتوں میں رہنا برکت کا سبب سمجھا گیا ہے۔

ریاست پالن پور کا تاریخی خاکہ

شہر کی قدیم حالت کہتے ہیں کہ چودھویں صدی بکرمی کے وسط تک یہ مقام جہاں اب پالن پور آباد ہے انہل پور پٹن کے سولنکی راجہ سدھ راج جے سنگھ کے گھوڑوں کی چراگاہ تھی۔ مگر جب سلطان علاء الدین خلجی نے سمت ۱۳۵۳ (۱۲۹۷ء) میں انہل پور پٹن کو تباہ و برباد کر دیا تو پلہپا نام ایک راجپوت راجہ نے چراگاہ کی جگہ شہر آباد کر کے اپنے نام کی مناسبت سے اسکا نام پلہپا پٹن رکھا۔

راس مالا کی تحریر کے بموجب یہ پلہپا انہل پور پٹن کے سولنکی راجہ بھیم دیو کا معاصر اور چندراوتی نگری کے پرمار راجہ دہار اورش کا چھوٹا بھائی اور بقول دیگر ولیعہد تھا۔ جب سمت ۱۳۵۹ (۱۳۰۲ء) میں چوہان اور پرمار راجپوتوں میں لڑائی ہوئی اور چندراوتی نگری پر چوہانوں کا قبضہ ہو گیا تو پلہپا پٹن بھی چوہانوں کی عملداری میں آگیا۔ لیکن تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ویران ہو گیا۔

کچھ مدت تک ویران پڑا رہنے کے بعد پال دیو پرمار کسی راجپوت رئیس نے پھر اسکو آباد کیا اور اسکے نام پر اس آبادی نے بھی پالن پور نام پایا۔ چنانچہ اُس وقت کا بنا ہوا پلویا پارس ناتھ مہاجنوں کا ایک

بہت بڑا مندر موجود ہے جس میں پال وپوپر پار کی مورتی پتھر کی بنی ہوئی رکھی ہے۔

ان انقلابات کے بعد پالن پور پھر ویران ہوگیا اور کئی برس تک چراگاہ بنا رہا لیکن سلاطین گجراتیہ کے عہد سے ناگوری لوگ یہاں پڑاؤ ڈال کر رہنے لگے اور اس قصبہ کی زمین پر بطور خود آہستہ آہستہ قابض ہوگئے۔

شہنشاہ اکبر نے جب یہ علاقہ راج رانی کے جہیز میں غزنی خان کو عطا کیا تو پالن پور بھی جالور کے لوہانی رئیسوں کے قبضہ میں آگیا اور مجاہد خان کے والد اور غزنی خان کے بھائی فیروز خان اول عرف کمال خان لوہانی جالور چھوڑ کر مع خدم وحشم اور دیگر متعلقین کے یہاں آکر آباد ہوئے۔ اور اب یہ مقام جو ایک چھوٹا سا قصبہ تھا، پٹھانی رئیسوں کی بدولت خاصہ آباد شہر ہوگیا ہے۔

شہر کی موجودہ حالت

زمانۂ گزشتہ میں والیان ریاست کو جسقدر اور جیسا کچھ اقتدار حاصل تھا اسکا ذکر اس تاریخ میں بجائے خود لکھا جا چکا ہے اور اب یہ بتایا جاتا ہے کہ فی الحال ریاست پالن پور ہندوستان کی اول درجہ کی ریاستوں میں شمار ہوتی ہے اور اسکو ہر قسم کے مالی وملکی اختیارات حاصل ہیں۔ رئیسِ حال کا اسم گرامی عالیجناب زبدۃ الملک ہز ہائنس دیوان (نواب) سر شیر محمد خان بہادر جی۔سی۔آئی۔ای ہے آپ کو گیارہ توپوں کی سلامی دیجاتی ہے اور پالن پور ایجنسی کے رؤسا میں آپ کی نشست اول درجہ پر ہے۔

شہر پناہ شہر کے گرداگرد ایک پختہ شہر پناہ بنی ہوئی ہے جس کو دیوان بہادر خان نے ۱۱۶۵ھ ۱۷۵۱ء میں بنایا تھا اور جسکے تاشے والے دروازہ کا کتبہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔ یہ وہی دروازہ ہے جس پر ہمیشہ رات کے آٹھ بجے تاشے بجا کرتے ہیں اور جسکا بیان ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔

نقل کتبہ

ہر کہ دریں باب نظر بد کند
از ہمہ درہاش خدا رد کند ۱۱۶۵ھ

بناکردہ قلعہ بہادر دیوان — ازاں روز گشتیم در امن و امان
الٰہی بفضل تو و ز کرم بیش — ہمیشہ نگہداری در ظل خویش

چو تاریخ سال قلعہ ہست کار
مبارک شد ایں یک بہادر حصار

اگرچہ اس قطعے سے صحیح پتہ نہیں چلتا کہ یہ شہر پناہ کس سنہ کی بنی ہوئی ہے لیکن چونکہ اس کتبہ میں سنہ ۱۱۶۵ھ کندہ ہے اس لئے ہمنے بھی اسکی تعمیر کا وہی سال قرار دیا ہے۔
چونکہ یہ حصار پالن پور کے لئے کسیقدر ناکافی تھا اور نیز جابجا سے شکستہ بھی ہو گیا تھا اس لئے دیوان فتح خان ثانی نے سمت ۱۹۱۱ ۱۸۵۵ء میں اسکو وسعت دی۔ اس فصیل میں شہر کے اندر باہر آنے جانے کے لئے دہلی دروازہ۔ گٹھامن کا دروازہ۔ ویرابائی کا دروازہ۔ میراں کا دروازہ۔ سلیم پورہ کا دروازہ۔ سوج پول دروازہ اور فتح پول عرف نیا دروازہ سات دروازے ہیں اور اسکا دور تقریباً تین میل۔ بلندی عموماً ساڑھے سولہ فیٹ سے بیس فیٹ اور عرض چھ فیٹ ہے۔

اقوام پالن پور شہر پالن پور میں پٹھان۔ سید۔ شیخ۔ قریشی۔ ترک۔ خاصدار۔ سندھی۔ بوہرے۔ میمن۔ مومن۔ برہمن۔ بنئے۔ کلبی۔ کسبرے۔ رہباری (رگڈریا) راجپوت۔ کولی۔ کمہار۔ بھیل۔ صیقل گر۔ سنار۔ بڑھئی۔ لوہار۔ موچی۔ درزی۔ بیلدار۔ ڈھگر (چٹے والے) جاگری۔ حراتی۔ رنگریز۔ ابیت۔ مالی۔ قصائی۔ بھنگی۔ چمار۔ ڈھیڑہ۔ باگری۔ خیرادی۔ موسلے (سندھ سے آئے ہوئے مسلمان کہلاتے ہیں)

پنجارے (دھنئے) کرٹے (معمار) چھوارے (قلم کاری اور چونے وغیرہ کا کام کرنے والے) بہشتی۔ دہول وہوے (بنیارے) بھوئی (کہار) طائی (جولاہے) ڈاکوترے۔ حجام۔ سلاوٹ (سنگتراش) کاپڑی۔ بھگت۔ راولے۔ گروڑے۔ کھوکھر۔ ناگوری اور دھوبی وغیرہ مختلف اقوام آباد ہیں۔ جن میں بعض قابل ذکر ہیں۔

قوم پٹھان میں علاوہ خاندان ریاست کے اور بھی مختلف پیشوں کے لوگ شامل ہیں۔ خاندان ریاست کا حال تو اظہر من الشمس ہے لیکن دوسرے پٹھانوں کی کیفیت بالکل اندھیرے میں ہے۔ معلوم نہیں کہ وہ کہاں سے اور کب آئے اور یہاں کیونکر آباد ہو گئے۔

مہدوی سادات کا خاندان یہاں خاندان ریاست کے ساتھ ساتھ آیا ہے۔ عموماً یہ لوگ زمانہ سابق میں پیری و مریدی اور توکل پر بسر کرتے تھے لیکن اب کچھ زمانہ سے انھوں نے اپنا آبائی طریق اپنے بزرگان قوم کے حوالے کر کے ملازمت اختیار کر لی ہے۔ سادات مہدوی کے سوا دوسرے خاندان کے سید مسعود وسے چند ہیں اور انھوں نے اپنا وہی پرانا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے یعنی مریدوں سے لیتے ہیں اور زندگی کے دن پورے کرتے ہیں۔ نہ تحصیل علم کا شوق ہے اور نہ کسی طرح قوم کو فائدہ پہنچانے کا خیال۔

قریشی۔ ترک۔ خاصدار اور سندھی یہ چار قومیں فی الحال اپنے اپنے پیشوں کے سبب مشہور ہیں۔ سپاہی پیشہ لوگ ترک۔ سائیں لوگ خاصدار۔ سندھ سے آئے ہوئے سندھی اور جمعدار راجے من کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔ اگر قومیت کی طرف دیکھا جاتا ہے تو ترکوں اور خاصداروں میں ہر قوم اور ہر قسم کے لوگ شریک ہیں اور سندھ سے آئے ہوئے لوگوں میں بھی کوئی ایک قوم نہیں ہے مگر چونکہ یہاں ان ہی ناموں سے ان کی قومیت پہچانی جاتی ہے اسلئے ہم نے بھی ان کی الگ الگ قوم جو یہاں مشہور تھی لکھدی ہے۔ ورنہ نہ قریشی کوئی قوم ہے اور نہ ترک۔ خاصدار اور سندھی۔ اور لطف یہ ہے کہ

یہ لوگ خود بھی اپنی قومیت سے عموماً ناواقف ہیں۔ علاوہ ان اقوام کے دوسری قومیں بھی اپنے پیشہ کے سبب جن ناموں سے مشہور ہیں اسی طرح لکھ دی گئی ہیں۔

عمارت | شہر پالن پور کوئی خاص تجارت گاہ یا منڈی نہیں ہے جس میں لوگوں کا متمول بڑی بڑی عالیشان عمارتیں کھڑی کر کے مکانات کی حیثیت میں اپنی دولت و ثروت کے نمونے دکھائے۔ یہاں جو جو اچھی سرکاری عمارتیں تھیں انکا ذکر تو ہو چکا ہے خود آ چکا ہے اور اب صرف ان چند عمارتوں کے نام تحریر کیے جاتے ہیں جو یہاں کے متمول باشندوں نے اپنے طور پر بنائی ہیں۔ سیٹھ بدرالدین ولد شمس الدین شیعہ بوہرہ کی حویلی۔ مہتہ ہتمبر بھائی ہاتھی بھائی کی حویلی۔ بھائیچند پارکھ کی حویلی اور عموماً شیعہ بوہروں کے مکانات وغیرہ اپنی اپنی طرز و وضع میں خوبصورت اور شاندار ہیں۔

طرز آبادی | شہر پالن پور قدیم سے کچھ ایسے نرالے ڈھنگ اور بد عنوانی سے آباد ہوا ہے کہ جسکی صورت کو سنوارتے سنوارتے ایک زمانہ ہو گیا لیکن اسوقت تک اسکی وضع اور طرز آبادی میں کوئی خاص خوبی پیدا نہیں ہوئی۔ اکثر مکان بے ترتیب۔ محلے اور کوچے بے ڈھنگے اور راستے غیر مستقیم ہیں۔ لیکن جو عمارتیں اب بنتی ہیں وہ نئے ڈھنگ اور ترتیب کے ساتھ بنتی ہیں۔ اگر باشندگان شہر کو اسی قسم کا شوق رہا اور ہز ہائنس کی توجہ بھی شہر کو عمدہ طرز پر لانے کی طرف بدستور جاری رہی تو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ شہر بھی دیکھنے کے قابل ہو جائیگا تاہم اتنا ہم ضرور کہیں گے کہ ہز ہائنس کے زمانۂ حکومت میں شہر کی رونق میں بہت زیادہ ترقی ہوئی اور ہوتی جاتی ہے۔

رعایا کی حالت | عموماً یہاں کے مسلمانوں کی حالت نہایت ہی خراب ہے اور صرف ملازمت یا مزدوری ان کی معاش اور گذر اوقات کا ذریعہ ہے۔ تعلیم و تربیت سے بھی پالن پور کے مسلمان بے بہرہ ہیں۔ لیکن مقام شکر ہے کہ اب ہز ہائنس کے خوشگوار دور حکومت میں وہ ضروریات زمانہ کا احساس کر کے خواب غفلت سے کچھ کچھ بیدار ہو چلے ہیں۔ عام ہندو اگرچہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کسیقدر زیادہ آرام و

اطمینان سے اوقات بسری کرتے ہیں۔ تاہم دولتمندوں کی فہرست میں انکا نام بھی مشکل سے داخل ہوسکتا ہے۔ لیکن تمول کی حیثیت سے جس قوم پر ایک مورخ کی نگاہ پڑتی ہے وہ قوم مہاجن ہے ممالک گجرات اور دیگر حصص ہند کی طرح یہاں بھی ہمیشہ سے یہ قوم بڑی متمول اور دولتمند شمار کیجاتی ہے علاوہ دولتمندی کے فی زمانہ اس قوم نے تعلیم و تربیت میں بھی خاص ترقی حاصل کی ہے اور تہذیب و شائستگی کے میدان میں گھوڑے دوڑانے شروع کر دئے ہیں۔ اگر مسلمانان پالن پور کم از کم ہمارے اِن وسیی بھائیوں کی تقلید ہی اختیار کر لیں تو انکے ادبار کا زمانہ بہت جلد ختم ہوسکتا ہے۔

بعض قابل ذکر حالات

ڈیسہ کیمپ یہ کیمپ پالن پور سے تقریباً اٹھارہ میل اور قصبہ ڈیسہ سے ساڑھے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ سنہ ۱۸۲۱ء میں برٹش گورنمنٹ نے اسکو حدود پالن پور میں قائم کیا تھا۔ کیمپ کی زمین ریاست کی طرف سے محض خیر خواہانہ طور پر بلا قیمت اور بلا معاوضہ دی گئی تھی۔ اس کیمپ میں ایک بڑا توپخانہ اور بہت سی پلٹنیں رہا کرتی تھیں اور یہ اول درجہ کا کیمپ تھا۔ علاوہ ازیں ہیڈ ٹیلیگراف آفس بھی یہیں تھا۔ غرضکہ ان تمام وجوہات سے تجارت بھی خوب ہوا کرتی تھی۔ مگر سنہ ۱۹۰۵ء میں یہاں کا تمام گورا لشکر اُٹھا لیا گیا بلکہ دیسی لشکر میں بھی بہت زیادہ تخفیف کر دی گئی۔ اب یہاں صرف ایک پلٹن باقی رہگئی ہے۔ اس چھاونی کے لشکر میں کمی ہوجانیکے سبب رعایائے پالن پور کو معاملاتِ تجارت میں اور ریاست کو محصول زکوٰۃ میں بڑا نقصان پہنچا ہے۔

سوارانِ کنٹنجنٹ سرکار گائکواڑ پالن پور ایجنسی میں اسپیریل پولس کے تقرر سے پہلے گائکواڑ کنٹنجنٹ کے ۲۸۶ سوار ایجنسی کے مختلف مقامات میں رہا کرتے تھے۔ اور ان کے صدر مقام کے لئے چھاونی ڈیسہ کے

قریب حدود ریاست میں زمین دی گئی تھی۔ ان سواروں میں سے آدھے سوار یکم اگست ۱۸۸۵ء کو تھوڑے سے یکم ستمبر ۱۸۸۵ء کو اور باقیماندہ ۳۰ نومبر ۱۸۸۵ء کو موقوف کر دیئے گئے۔ سرکار گائکواڑ اور برٹش گورنمنٹ کے درمیان معاہدہ ہوا اسکی رو سے سرکار گائکواڑ نے ان سواروں کے عوض ایک رقم گورنمنٹ انگریزی کو دینی منظور کی۔ ۱۸۸۶ء میں برٹش گورنمنٹ کے حکم کے بموجب سواران کنٹنجنٹ کے ہیڈکوارٹر کا مقام اور زمین بھی ریاست کو سپرد کر دی گئی۔ ریاست نے اس زمین پر ایک گاؤں آباد کیا جسکا نام ہز ہائنس کے نام کی مناسبت سے شیر گنج رکھا گیا اور جہاں پردوں اور میز پوشوں پر مومی کام نہایت اچھا اور قابل تعریف ہوتا ہے۔

راجپور قصبہ ڈلیہ اور کیمپ ڈلیہ کے درمیان اور شیر گنج کے متصل بناس ندی کے کنارہ پر ایک گاؤں آباد ہے جسکو راجپور کہتے ہیں۔ اسمیں اتیتوں یعنی گسائیوں کا مٹھ ہے۔ یہ اتیت مجرد رہ کر زندگی کے دن گزارتے ہیں۔ ان کے گرو مہنت کا خاص چیلہ جنگل میں اکثر گائیں چرایا کرتا ہے۔ ان کا مورث اعلیٰ گرو گوپال پوری، دیوان بہادر خان کا ہمعصر تھا۔

مشہور ہے کہ گرو گوپال پوری جو گنگا پوری مہنت کاشی باشی کے چیلوں میں سے تھا موضع جسا لوڈھسا کے جنگلوں میں تپ یعنی گئوچرائی کی ریاضت کیا کرتا تھا۔ اسکی سادہ زندگی اور ریاضت دیکھکر اس موضع کا ٹھاکر ماناجی واگھیلہ راجپوت اور اس علاقہ کے رہباری (گڈریا) اسکے معتقد ہو گئے اور موضع جسالوڈہا میں اسکا دہام بندھ وادیا جب گرو گوپال پوری یہاں مستقل طور پر رہنے سہنے لگا تو اتفاقاً دیوان بہادر خان سے جو ایام صغر سنی اپنے ننہال میں رہا کرتے تھے، اسکا تعارف ہو گیا۔ چنانچہ اسوقت کے تعارف کی وجہ سے دیوان بہادر خان نے مسند نشین ہو کر اسکو بلوایا اور موضع راجپور میں اسکا دہام بندھوادیا۔ اور اسوقت تک اسی جگہ یہ مٹھ قائم ہے۔

اس علاقہ کے قرب وجوار بلکہ تمام پالن پور ایجنسی کے زمیندار کلبی۔ رہباری اور دوسرے

ہندو یہانتک کہ بعض بعض سادہ لوح اور ضعیف الاعتقاد جاہل مسلمان بھی گوپال پوری کے بڑے معتقد ہیں اور اس مٹھ کو سدھ (خدا رسیدہ محقق کی جگہ) کہتے ہیں۔ ان صاحب گدی مہنتوں کی قدر و منزلت اسقدر بڑھ جانے کا سبب یہ ہے کہ پچھلے زمانہ میں جب دو لشکر میدان جنگ میں صلح پر راضی ہوتے یا زمینداروں کے ساتھ وسوطہ قائم کیا جاتا تو اس میں ان کی کفالت و ضمانت ضروری خیال کی جاتی تھی تاکہ مہنت کے سراپ یعنی بد دعا کے خوف سے کوئی خلاف ورزی یا عہد شکنی نہ کرے۔

اسی ضمانت اور کفالت کے سبب والیان پالن پور نے راجپور۔ بھبوئن۔ نلا سر۔ روپ پورہ۔ لوا اور گوپال پورہ۔ اور سرکار گائکواڑ نے کاترہ۔ یہ سات گاؤں راجپور کے مہنت کو خیرات کے طور پر سدا برت کے لئے دے رکھے ہیں۔ موجودہ مہنت باوا کا نام وہال پوری ہے یہ گوپال پوری کی نویں پشت میں ہیں اور اناج نہیں کھاتے۔ صرف دودھ اور چاول پر گزر کرتے ہیں۔ وہال پوری بہت متحمل المزاج اور خلیق ہیں۔

قدیم دستور ہے کہ مہنت کے مرنے کے بعد جب اسکے چیلوں میں سے کسی کو گدی پر بٹھانا ہوتا ہے تو ولیعہد ریاست یا مدار المہام وہاں تشریف لیجاتے ہیں اور حسب معمول اپنے ہاتھ سے وارث مسند چیلہ کو گیروئی چادر اُڑھاتے ہیں۔ جس سے گدی نشین کرنا مراد ہوتا ہے۔

آدہن باوا — سدراسن مہادیو کے بانی آدہن باوا جن کا اصلی نام رام آدہن ہے موضع سرور یہ ملک نیپال کے رہنے والے رگھوبنسی راجپوت ہیں۔ زمانہ غدر کی ہلچل میں ان کی عمر سولہ برس کی تھی، گھر سے نکلے۔ ہردوار اور ڈیرہ دون وغیرہ میں تین برس تک رہکر لکھا پڑھا جب کچھ شُد بُد ہوگئی تو ناہن سرمور کے ورکشاپ میں پہنچکر تین برس تک ملازمت کی۔ اس اثنا میں والدین کو پتہ لگ گیا۔

طلبی کے خط پر خط آنے لگے۔ لیکن انھوں نے گھر کی پابندی گوارانہ کی اور وہاں سے بھاگ کر جموں پہنچے۔ مہاراجہ جموں کے ہاں چھ برس نوکر رہے وہاں بھی دل نہ لگا اور کابل۔ قندھار اور ممالک پنجاب کی سیر کرتے ہوئے سندھ جا نکلے۔

یہاں ریلوے میں ٹھیکہ داری کا کام کرنے لگے۔ تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پھر طبیعت نے جھرجھری لی اور جاترہ کے بہانہ سے کسی نئے روزگار کی تلاش ہیں گرنار۔ دوارکا اور مختلف مقامات میں پھرتے رہے اور بمبئی۔ پونا۔ سویت بندر رامیشور۔ کلکتہ جگدیش۔ گیاجی۔ کاشی۔ پراگ اور آگرہ وغیرہ کے مذہبی عقائد کا اندازہ لگاتے ہوئے جے پور آئے۔ ہاتھ تنگ ہو گیا تھا اس لئے پیادہ پائی اختیار کی۔ جودھ پور اور علاقہ جے پور میں پھرتے رہے اور کچھ مدت کے بعد عمرکوٹ کے راستہ سے صحرائے کچھ اور سانگل پور ہوتے ہوئے اڈیسہ کیمپ میں آئے اور وہاں سے دل اکھڑا تو احمد آباد کا راستہ لیا۔ یہاں آکر پھر ملازمت کے سلسلہ میں داخل ہوئے اور ریلوے کے انجینئرنگ ڈپارٹمنٹ میں میٹ وغیرہ ہو گئے لیکن چونکہ فطرتی داور پر یہ ملازمت کی پابندی سے متنفر تھے اسلئے رخصت کا حیلہ کر کے دکن اور میواڑ کا گشت لگایا اور سمت ۱۹۴۲ میں عمرکوٹ آکر نوکری چھوڑ دی۔ اور اس علاقہ کے لوگوں کو خوش اعتقاد دیکھکر یہیں آباد ہو گئے۔ یہاں رہ کر جو کچھ روپیہ اپنے معتقدوں سے جمع کیا اس سے یہ مندر بنا لیا اور فقیر بن کر اس میں بیٹھ گئے۔

اسوقت آدہن باوا کی عمر تقریباً چوسٹھ برس کی ہے۔ اور ان کے بازار کو خوب رونق ہے۔ خوش اعتقاد ہاتھ ہزاروں روپیہ مہادیوجی پر چڑھاتے ہیں اور آدہن باوا اُتار کر اسی مندر میں لگا دیتے ہیں۔ چنانچہ تقریباً پچیس ہزار روپیہ کی لاگت کے مکانات وغیرہ مندر کے متعلق ہیں۔ غریب اور محتاج مسافر یہاں ٹھیرتے ہیں اور انھیں مندر کی طرف سے کھانا ملتا ہے۔

آدہن باوا کے اس فقیری برن میں امیرانہ طبیعت نے ایک چھوٹا سا نہایت پُرفضا باغیچہ لگا رکھا ہے کنوئیں سے نل کے ذریعہ پانی دیا جاتا ہے اور خود اپنے پیدا کرنے والے سے لو لگائے ہوئے

رام رام کیا کرتے ہیں۔ بظاہر لذائذ دنیوی بلکہ دنیا سے احتراز ہے۔ پرمیشور کی طرف دھیان ہے۔ اور گئو ماتا کے تبرک یعنی دودھ پر گزر ہے۔ چونکہ آدھن باوا نہایت ہر دلعزیز، شیریں گفتار، ملنسار، متواضع اور منکسر المزاج ہیں اسلئے ان کی فقیری اور بھی زیادہ قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے اور ہماری رائے میں بھی ایک ایسا چلتا ہوا جادو ہے جس نے ہزاروں دلوں کو مسخر کر کے ان کا معتقد و گرویدہ بنا دیا ہے۔

آدھن باوا نے ہندوؤں کے لئے مہا کالی اور مہادیو کا مندر بنا کر اپنی بے تعصبی یا کسی خاص مصلحت کی وجہ سے پاس ہی حضرت بڑے پیر صاحب کا چلہ بھی مسلمانوں کی تالیف قلوب کے لئے بنا دیا ہے۔ اسکا کم از کم اتنا اثر تو ضرور ہو چکا ہے کہ علاوہ بہت سے مسلمانوں کے ہز ہائنس بھی دو تین مرتبہ آدھن باوا کے استھان میں تشریف لے گئے۔

منی باوا | منی باوا ایک بڑے گیانی دھیانی فقیر گزرے ہیں۔ غالباً وہ علاقہ سروہی کے اصلی متوطن تھے اور خود سروہی کے مہا راؤ صاحب بھی ان کے ساتھ بہت اعتقاد رکھتے تھے۔ منی باوا نقل وطن کر کے علاقہ پالن پور کی پہاڑیوں اور غاروں میں آ بسے تھے۔ ہزاروں لوگ ان کے معتقد تھے مگر یہ مہاتما فقیر ہمیشہ دنیا سے بھاگتے رہے۔ کبھی آلائش دنیوی میں آلودہ نہیں ہوئے۔ یہانتک کہ اپنی زبان تک کو دنیاداری کے لئے نہیں ہلایا۔ اگر موج میں آ گئے تو کسی سائل کو اشاروں میں کچھ جواب دیدیا ورنہ آٹھوں پہر خاموش و خود فراموش۔ انھوں نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ کیدار ناتھ مہادیو میں بسر کیا جہاں ان کی یادگار میں ایک مکان بھی بنا ہوا ہے اور آخر کار سنہ ۱۹۴۴ میں اپنے شریر کو پرتھوی پر چھوڑ کر سرگ لوک کو چلے گئے۔ علاوہ کیدار ناتھ کے دہار رباتا اور دوسرے پہاڑی مقامات پر بھی آپ کا قیام رہا ہے۔

ایک مجذوب فقیر | فصیل شہر سے باہر میراں دروازہ کے قریب سنار یہ کے بنگلہ میں ایک مجذوب رہا کرتے ہیں پالن پور میں رہتے ہوئے انھیں تخمیناً تیس اکتیس برس کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اسوقت تک کسی کو یہ نہیں کھلا کہ یہ کون ہیں۔ کیا نام ہے اور دراصل کہاں کے رہنے والے۔ مگر صورت و شکل سے کشمیری

نظر آتے ہیں۔ حال یہ ہے کہ کسی سے بات تک نہیں کرتے اور جو کچھ بولتے ہیں سمجھ میں نہیں آتا۔ خدا معلوم کیا کھاتے ہیں اور کیونکر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ہاں! یہ ظاہر ہے کہ ہر وقت حالت جذب میں رہتے ہیں۔ صاحب کمال اور باا ثر درویش مشہور ہیں۔ اور ہندو اور مسلمان ہر قسم کے لوگ ان کے معتقد کثرت سے ہیں۔ ان کی عمر تخمیناً ستر برس کی [۵۱] ہے۔

---

[۵۱] تاریخ بالن پور کا تحریری کام ختم ہونیکے بعد حضرت مجذوب کی نسبت بعض ایسے اہم واقعات پیش آئے جو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اور حسن اتفاق یہ کہ چند موانعات کی وجہ سے اطباع تاریخ میں بھی اسقدر التوا ہوا۔ ہا کہ یہ واقعات وحالات داخل کتاب کرنے کا ہمیں موقع مل گیا۔

یکم مئی ۱۹۰۸ء کو ایک شخص سید عبد السبحان جو اپنے آپ کو حضرت مجذوب کا حقیقی ہمشیرزادہ بتاتے تھے، بالن پور آئے۔ یہ موضع سہیوپر (بٹ گنڈ) پرگنہ دیوسر بالا ضلع اسلام آباد تحصیل کل گوں ملک کشمیر کے رہنے والے تھے۔ انکا بیان تھا کہ

"میرے ماموں یعنی مجذوب موصوف موضع پیر گوم (تیر گوم) تحصیل گوم پرگنہ جاگیر خاص چھوٹے مہاراج سری رام سنگھ جی صاحب متعلقہ کشمیر کے متوطن ہیں۔ آپ کا اصلی نام سید علی شاہ عرف علی پیر ولد عمر پیر قادری اندرابی ہے اور ایک ممتاز خاندان کے ساتھ جو حاجی صاحب کے لقب سے مشہور ہے، تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کے گھرانے میں بزرگوں سے پیری و مریدی کا سلسلہ چلا آتا ہے اور طریقت قادریہ کے پیرو ہیں۔ نواح وطن اور ملک پنجاب میں اس خاندان کے بہت سے مرید موجود ہیں۔ علاوہ پیری و مریدی کے آپ کی ملکیت میں تھوڑی سی زمین بھی ہے جس میں زیادہ تر چانول کی کاشت ہوتی ہے۔ نیز آپ کے خاندان میں پارچہ بافی کا پیشہ بھی کیا جاتا ہے۔ پینتیس [۳۵] برس کا عرصہ گزرا کہ یہ حضرت موضع لونار ضلع سیالکوٹ میں اپنے مریدوں کے ہاں فروکش تھے۔ اتفاقاً ایک پنجابی فقیر سے ملاقات ہوگئی۔ خدا معلوم اُس نے کیا سمجھا دی کہ دفعۃً دنیا اور علائق دنیا کو چھوڑ کر اسکے ساتھ ہو لئے۔ یہ تو معلوم نہ ہو سکا کہ اس صاحب کمال فقیر کے ہمراہ یہ حضرت کتنی مدت تک عالم مثال کی سیر کرتے پھرے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اسی باکمال درویش کی صحبت نے آپ کو ماسوی اللہ سے نفرت دلاکر ذات باری کی طرف متوجہ کر دیا۔ علی پیر صاحب نے جب سے وطن کو خیر باد کہا ہے، آج تک خبر بھی نہیں لی"۔

سنارہ کا بنگلہ سونا بو بوزجہ دیوان فتح خان ثانی نے تعمیر کرایا تھا اور اب کہنگی کی وجہ سے بالکل منہدم اور شکستہ ہوگیا ہے۔

چاہ پھوپھلیا شہر پالن پور میں سید اشرف صاحبؒ کے وارہ کے قریب پرانے زمانہ کا بنا ہوا پھوپلیا نام کا ایک کنواں تھا جسکو کسی ساہوکار پھوپھل شاہ نے آسائش خلق کے لئے بنایا تھا جب دیوان سلیم خان کا زمانہ آیا تو انھوں نے اس کنوئے کے قریب ایک باغیچہ لگا کر اسکا نام "بندرابن باڑی" رکھا اور عمدہ عمدہ میوہ دار درختوں اور پھلواری سے اسکو رونق دی لیکن ان کے بعد دیوان فتح خان کے زمانہ میں اس باغ کا نام ونشان تک مٹ گیا۔ اب اس باغیچہ کی جگہ ایک کھڈ رہگیا ہے جس میں دو چار

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ یہ وہی کھنڈر ہے جس میں علی پیر رہا کرتے تھے مگر آپ کے دل میں خدا جانے کیا خیال پیدا ہوا کہ ویرانہ کو چھوڑ کر ۲۳ر اگست سنہ ۱۹۰۸ء کو دفعتہً آبادی کی طرف متوجہ ہوگئے اور چونکہ ہزہائنس کو آپکے ساتھ دلی عقیدت تھی اس لئے نہایت جوش مسرت سے آپکو ہاتھوں ہاتھ لیا اور آپ کے رہنے کے لئے چندر محل مخصوص کردیا۔

محلات کی دنیا اگرچہ شاہ صاحب کے لئے ایک نئی دنیا تھی اور باوجودیکہ عیش وعشرت کے سامان اور ہر طرح کی طرب انگیزیاں موجود تھیں لیکن آپ نے چشم باطن کو کھول کر ظاہر بین آنکھیں کچھ ایسی بند کرلی تھیں کہ میدان ہو کے سوا آپ کی نظروں میں ماسویٰ ہیچ تھا۔ یہ باتیں کچھ ایسی باثر تھیں کہ ہزہائنس کی عقیدت مندی دن دونی اور رات چوگنی ہوتی گئی اور آٹھوں پہر آپ شاہ صاحب کی دلجوئی اور خاطرداری میں مصروف رہنے لگے۔

شاہ صاحب کو چندر محل میں قیام کرتے ہوئے دس گیارہ مہینے گزرے تھے کہ مرض فالج نے آپ پر حملہ کیا۔ لیکن خدا کی قدرت سے تھوڑی مدت کے بعد مرض لاحقہ میں افاقہ کی صورت نظر آئی اور آپ بگی میں سوار ہوکر باہر بھی نکلنے لگے۔ اسی اثنا میں ہزہائنس کو سفر بمبئی پیش آیا اور شاہ صاحب سے رخصت حاصل کرکے ۲۸ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کو بمبئی تشریف لے گئے۔ ہزہائنس کا بمبئی جانا تھا کہ علی پیر صاحب پر پھر فالج کا دورہ ہوا۔ اور جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو ہزہائنس کو اطلاعی تار دیا گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ۱۲ر نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کو دربار گورنری میں ہزہائنس کو نواب کے خطاب کی سند ملنے والی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ کیسا اہم کام تھا اور آپ کو کاروبار متعلقہ میں کسقدر مصروفیت ہوگی لیکن شاہ صاحب کی علالت کا تار پہنچتے ہی آپ بےچین ہوگئے اور جوش عقیدت میں بطور جریدہ ۸ر نومبر سنہ الیہ کو بمبئی سے پالن پور تشریف لے آئے۔ آپ کے آنیکے بعد تین روز تک شاہ صاحب مرض کی الجھنوں میں رہے اور آخرکار ۱۱ر نومبر سنہ ۱۹۱۰ء مطابق ۸ر ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۸ھ کو

محلوں کا برساتی پانی جمع ہو کر وہیں خشک ہو جاتا ہے۔

یہ کنواں چونکہ ایک کارآمد شے سمجھا گیا تھا اس لئے ہز ہائنس نے دس بارہ برس ہوئے کہ اسکی مرمت وصفائی کرا کے لوگوں کی راحت کے خیال سے کام میں لانا چاہا اور اس میں پانی بھی کثرت سے نکل آیا مگر اسکے پانی میں ایسا تعفن پیدا ہو گیا تھا کہ مضر صحت خیال کیا گیا اس لئے آج سے دو تین برس پہلے اسکو بالکل بند کرا دیا۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔ قضا کے زبردست فرشتہ نے علی پیر صاحب کو بھی اُسی مقام پر پہنچا دیا جہاں ایک نہ ایک روز ہر متنفس وذی روح کا جانا ضروری ولازمی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شاہ صاحب کا جنازہ بڑی دہوم سے نکالا گیا۔ شہر کے امیر وغریب اور ہزاروں ہندو مسلمان ساتھ تھے۔ خود ہز ہائنس مع اہلکاران ریاست اس بزرگ باکمال کی تدفین کے لئے جنازہ کے ہمراہ پاپیادہ تشریف لے گئے تھے۔ اور میراں دروازہ کے باہر ایک گنجان بڑ کے سایہ میں دن کے ایک بجے مدفون کیے گئے۔ تجہیز وتکفین سے فارغ ہو کر اسی روز شام کے پانچ بجے ہز ہائنس میل ٹرین میں بعزمت فرما کے ببمبی ہوئے۔

۱۵ محرم ۱۳۲۹ ہجری کو فاتحہ کی رسم ادا کی گئی اور تمام شہر کے مسلمانوں کو کھانا کھلایا گیا۔ ہز ہائنس بذات خود منتظم اور نگران کار تھے۔ ایک عجیب مجمع تھا اور عقیدت مندی اپنا جلوہ دکھا رہی تھی۔ فاتحہ کے روز ہی آپکے مقبرہ اور اسکے متعلق ایک مسجد اور مسافرخانہ وغیرہ کا بنیادی پتھر رکھا گیا۔ چنانچہ ایک برس کی مدت میں خاکسار راقم اوراق ہذا کے زیر اہتمام بیس ہزار روپیہ کی لاگت سے یہ عمارت بن کر تیار ہو گئی۔

یہ عمارت اپنی نرالی شان اور انوکھی وضع کے لحاظ سے پالن پور میں اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ مزار پر ایک نہایت شاندار سنگین چھتری جسکو گنبد کہہ سکتے ہیں سایہ کئے ہوئے ہے۔ سنگ مرمر کا خوبصورت تعویذ ہے۔ سامنے کی طرف غرب میں ایک مسجد اور اسکے متصل ہی ایک مسافرخانہ ہے۔ اس مسجد اور مسافرخانہ کا طرز کچھ ایسا دلکش واقع ہوا ہے کہ گھنٹوں دیکھنے کو جی چاہتا ہے مسجد کے قریب ایک کنواں بھی ہے۔ چھتری کے پاس مجاور کے رہنے کے لئے مضبوط مکان بنا ہوا ہے اور ان تمام عمارات کو ایک پختہ احاطہ اپنے آغوش میں

میٹھی باؤلی یہ باولی محلہ بہادر گنج کے قریب حصار شہر پناہ کے پاس نہایت شاندار اور پتھر کی بنی ہوئی ہے اس میں زیادہ تر سنگ مرمر استعمال کیا گیا ہے۔ افسوس کہ باوجود بہت سی تلاش کے اسکے بانی کا صحیح حال معلوم نہ ہو سکا لیکن یہاں کے لوگوں میں مشہور ہے کہ یہ باؤلی دیوان سلیم خان ابن بہادر خان نے اپنی زمانۂ فرمانروائی میں تعمیر کرائی تھی جسکے متعلق زر کثیر صرف ہوا تھا۔ مگر باولی کے کنوئے کی محراب میں اور نیز اس سے قریب ہی ایک دوسرے پتھر پر جو عبارت ہندی حرفوں میں کندہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس باولی کی تعمیر سمت ۱۷۷۳ بکرمی میں ہوئی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دیوان غزنی خان عرف فیروز خان ثانی ریاست پالن پور پر حکمرانی کرتے تھے اس لئے میٹھی باؤلی کی تعمیر کا واقعہ جو عام طور پر دیوان سلیم خان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے، غلط ثابت ہوتا ہے لیکن بہر حال اس میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا کہ یہ نفع بخش خلایق باؤلی حکمرانان پالن پور کی فیاضی و دریا دلی کا نمونہ ضرور ہے۔ شہر کے ہزاروں لوگ اس باؤلی کا پانی پیتے ہیں اور اسکے بانی کو دعائے خیر سے یاد کرتے ہیں۔ محکمۂ تعمیرات کی طرف سے ضرورت کے وقت

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ - لئے ہوئے ہے۔ احاطہ کا دروازہ نہایت خوبصورت اور شاندار ہے۔ اس کمل عمارت پر نگاہ ڈالنے سے ہزہائنس کی نیک نیتی اور حسن اعتقاد کا نقشہ پیش نظر ہو جاتا ہے۔

۸ ذوالقعدہ ۱۳۲۵ھ ہجری کو شاہ صاحب کا عرس ہوا۔ یہ جاؤ بھی دیکھنے کے قابل تھا۔ بجلی کی ہنڈیوں کے ساتھ چراغوں کی روشنی نے آس پاس کے میدان تک کو بقعۂ نور بنا دیا تھا۔ نمائش کے میلوں کی طرز پر ایک میلے کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ جو تین شبانہ روز قائم رہا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی پیر کو فارسی زبان میں اچھی خاصی مہارت تھی اور کسیقدر عربی بھی جانتے تھے۔ لیکن افسوس کہ حواس ظاہری پر پردہ پڑ جانے سے آپ کی لیاقت علمی بھی چھپ گئی تھی۔ شاہ صاحب کے کمالات باطنی کی شہرت عام نے ہزہائنس کے دل میں انکا گھر بنا دیا تھا اس لئے شاہ صاحب کی مستقل یادگار قائم کرنیکے خیال سے ۹ اپریل ۱۹۰۹ء کو عالیجناب صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر ولیعہد ریاست نے آپ کا فوٹو لے لیا تھا جو ریاست کے مرقع خانہ میں موجود ہے۔ شاہ صاحب کے معتقدین آپ کو قطب وقت بتاتے ہیں لیکن مخالفین کی زبان سے بہت کچھ برعکس بھی سنا جاتا ہے۔ فکر ہر کس بقدر ہمت اوست۔ خدا معلوم کیا تھا کیا نہیں۔ العیب عند اللہ ۱۲۰۰ - لمولفہ

اسکی مرمت بھی ہوتی رہتی ہے۔

راج بھگت پریس راج بھگت پریس مسٹر انبالال بیچرداس کی ملکیت سے ہے۔ اس میں گجراتی اور انگریزی چھپائی کا کام ہوتا ہے۔ چونکہ ریاست اور ایجنسی کی طرف سے اس پریس کی مدد کی جاتی ہے اس لئے یہ کارخانہ بہت اچھا چل رہا ہے۔ یہ مطبع شروع شروع میں پالن پور سپرنٹنڈنسی میں قائم ہوا تھا اور وہ پالن پور سپرنٹنڈنسی گزٹ بھی وہاں سے شائع ہوا کرتا تھا۔ مگر کچھ مدت بعد مطبع اور گزٹ بند ہو جانے سے پریس ریاست نے خرید کر مسٹر انبالال کو دے دیا۔

ہینڈ لومز سنہ ۱۹۰۶ء میں کپڑا بننے کی جاپانی طریقہ کی مشین یہاں قائم کی گئی ہے جس میں سوتی اور اونی ہر قسم کا کپڑا بنا جاتا ہے۔ جو مال اس کارخانہ میں تیار ہوتا ہے اسکے محصول میں ریاست کی طرف سے خاص رعایت کی جاتی ہے اسلئے امید ہے کہ یہ کارخانہ ضرور ترقی کریگا۔ یہ کارخانہ چند شراکت داروں کی ملکیت سے ہے اور اسکے مکان بنانیکے لئے ریاست سے دہلی دروازہ کے باہر زمین بھی خرید کر لی گئی ہے۔ ہینڈ لومز کے علاوہ صابون بنانے کا کارخانہ بھی یہاں کھولا گیا ہے جس میں بہت عمدہ صابون تیار ہوتا ہے۔

مسلمانوں کے تہوار مسلمانوں کے بڑے تہواروں میں شب برات، عید الفطر، عید الضحیٰ اور محرم چار تہوار ہیں۔ شب برات نہایت تکلف کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ لیکن یہاں آتش بازی چھوڑنے کا رواج بالکل نہیں ہے۔ عید الفطر اور عید الضحیٰ کی نمازوں میں ہز ہائنس مع خدم و حشم تشریف لیجاتے ہیں۔ ان دو موقعوں پر ہز ہائنس کی سواری دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ محرم میں دس روز تک یہاں تعزیہ داری کے پیرایہ میں جو جو بدعتیں سرزد ہوتی ہیں انکا تفصیلی حال مسلمانوں کی عبرت کے لئے اس موقع پر درج کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی یادگار میں تعزیئے بنانا خاص ہندوستان کے مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ ورنہ واقعۂ شہادت سے آجتک دنیا کے کسی اور ملک کے مسلمانوں میں تعزیوں کے ذریعے

شہدائے کربلا علیہم السلام کے غم کو تازہ کرنا ثابت نہیں ہوتا۔ اگرچہ اس قسم کی ایجادوں یا ان غیر مستحسن ذرائع سے غم کا اظہار کرنا ہندوستان میں بھی شروع ہی سے غم کا تمسخر اور اظہار عقیدت کا منافی سمجھا جاتا تھا لیکن آج کل کی تعزیہ داری میں تو جن جن لوازمات کا روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے وہ دسہرہ کے سانگوں سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ جہانتک خیال جاتا ہے یہ محض فضول اور دل آزار انگیز باتیں ہیں جو مسلمانوں نے اپنے مقدس اور فلسفیانہ مذہب پر الزام لینے کے لئے اپنی نادانی اور جہالت سے اختیار کر رکھی ہیں ورنہ تعزیے اور ایسی تمام بدعتیں مالی۔ اخلاقی۔ تمدنی اور مذہبی نقصان کے سوا کوئی نتیجہ پیدا نہیں کر سکتیں اور لطف یہ ہے کہ اکثر تعزیے اہل سنت والجماعت ہی کی طرف سے بنائے جاتے ہیں جن کا مسلک اس قسم کی بدعتوں سے پاک ہے۔

ہندوستان کے اور شہروں کی طرح پالن پور میں بھی تعزیے بنائے جاتے ہیں اور تعزیہ داری ہوتی ہے۔ چھ تعزیے شہر والوں کے اور ایک ریاست کی طرف سے بنایا جاتا ہے۔ ریاست کا تعزیہ نہایت شاندار اور قیمتی ہوتا ہے۔ باقی نوربیگ۔ نقاشوں (چھواروں) دھنیوں (پنجاروں)۔ قصابوں سنگتراشوں (سلاوٹوں) اور سائیسوں (خاصداروں) وغیرہ کے چھ تعزیے معمولی ہوتے ہیں[۱]۔

چاندرات سے عموماً باجہ والے ماتم بجانا شروع کرتے ہیں۔ شیعہ بوہروں میں مجلسیں ہونے لگتی ہیں اور عام جاہل مسلمان مختلف جلسوں اور نت نئے سانگوں کی تیاریوں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تیسری یا چوتھی تاریخ سے دنگل (ڈھیل یا جھنڈ) نکلنے لگتے ہیں۔ ننگی ننگی تلواریں ہاتھوں میں ہوتی ہیں۔ پٹے کے ہاتھ دکھاتے اور قسم قسم کی حرکتیں کرتے شہر میں گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ یہ تمام لوگ رنگین کپڑے پہنے ہوئے بھنگ۔ گانجہ اور افیون وغیرہ کے نشہ میں مست ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ تاشے اور ڈھول اور

---

[۱] یہاں قدیم سے یہ رواج چلا آتا تھا کہ تعزیے بنانیکے لئے بیوپاریوں وغیرہ سے اگاہی کی جاتی تھی۔ گویا ان لوگوں پر تعزیہ بنانیوالے مسلمانوں کا ایک ٹیکس تھا۔ ہز ہائنس نے اپنے زمانۂ فرمانروائی میں اس رسم کو موقوف کر کے تعزیے بنانیکے لئے ایک رقم خزانۂ ریاست سے مقرر فرما دی اور بیوپاریوں کو مسلمانوں کے اس تشدد سے ہمیشہ کے لئے بچا لیا۔ ۱۲۔ مؤلفہ۔

شہنائیاں وغیرہ بجتی رہتی ہیں۔ اس غول میں آٹھ دس آدمی ڈھولک پر سوز یا نوحہ گا گا کر تھرکتے اور ناچتے بھی جاتے ہیں۔ طرح طرح کے سانگ ہوتے ہیں۔ کوئی میم اور کوئی صاحب بہادر بنا ہوا ساتھ ہوتا ہے غرضکہ عاشورہ تک یہی طوفان بے تمیزی رہتا ہے اور اُس شہید مظلوم کے ایّام غم جس نے شعار مذہب کے قیام کے لئے اپنا گلا کٹوا دیا کھیل تماشہ میں برباد کیے جاتے ہیں۔

شہادت کی رات کو گیارہ بجے کے بعد تعزیے اُٹھنے شروع ہوتے ہیں اور مقررہ راستوں پر گشت کر کے صبح کے سات بجے تک اپنے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔ یہ دن چونکہ یوم عاشورہ ہوتا ہے اس لئے ایک بجے پھر تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔ تعزیوں کے ساتھ تماشائیوں کا ہجوم ہوتا ہے "یا حسین" کے نعرے لگائے جاتے ہیں اور حلقے باندھ باندھ کر پیتر کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے ماتم ہوتا جاتا ہے۔ گجرات میں پردہ کا رواج بہت ہی کم ہے اسلئے جن راستوں سے تعزیے گزرتے ہیں ہندو مسلمانوں کی عورتیں دو طرفہ دکانوں میں بھری ہوئی ہوتی ہیں اور تیرہ سو برس کا ایک عظیم الشان واقعہ تماشہ بن جاتا ہے۔ آخر کار یہ تعزیے بعد مغرب کسی تالاب پر لے جا کر ٹھنڈے کر دیے جاتے ہیں اور گویا اس طرح محرم کی بدعتوں کا ایک سال کے لئے خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور ہم بھی اس مضمون کو نہایت ہی افسوس کے ساتھ بایں الفاظ ختم کرتے ہیں کہ اگر کسی کو بد نصیب مسلمانانِ پالن پور کے ادبار و تنزل کی زندہ تصویر دیکھنی ہو تو محرم کے متبرک ایّام میں ایک دو منٹ کے لئے ان کی بد مستیوں کا تھوڑا سا تماشہ دیکھ لے لیکن مقامِ شکر ہے کہ ہز ہائنس نے محرم کی رسومات میں بہت کچھ اصلاحیں کی ہیں اور آئندہ بھی اس قسم کے بُرے رواجوں میں اصلاح کرنے کا سلسلہ جاری ہے۔

ہندوں کے تہوار

مشہور تو یوں ہے کہ اہل ہنود میں جسقدر سال کے دن ہیں اسیقدر تہوار بھی ہوتے ہیں لیکن ہم چھوٹے چھوٹے تہواروں کو نظر انداز کر کے صرف دیوالی۔ دسہرہ۔ ہولی۔ کاتکی اشنان۔ پجوسن۔ بسنت پنچمی جنم اشٹمی۔ شیو راتری۔ مکر کی سنکرانت اور رام نومی کے تہواروں پر اکتفا کرتے ہیں جو اس علاقہ میں عموماً بڑے

تزک و احتشام کے ساتھ منائے جاتے ہیں۔ ہندؤں کے تہواروں میں ہز ہائنس محض دسہرہ کے دن جلوس کے ساتھ شہر کا گشت کرتے ہیں۔ اور دیوالی کے موقع پر ملازمین و متعلقین ریاست کو آتش بازی وغیرہ تقسیم فرماتے ہیں۔

تعطیلات | ریاست پالن پور کی کچہریوں میں ہر یکشنبہ کو ہفتہ وار تعطیل ہوا کرتی ہے۔ لیکن محکمہ جات پولس۔ سائر جنگلات۔ تعمیرات۔ شفاخانہ اور میونسپلٹی وغیرہ میں ہر روز کام ہوتا ہے۔ سورج گہن کے روز اور چاند گہن کی صبح کو ایک دن کی تعطیل صرف اہل ہنود کو دی جاتی ہے۔ ان تعطیلوں کے علاوہ ہند و مسلمانوں کے تہوارو وغیرہ کے متعلق سال میں جسقدر تعطیلیں ریاست کی طرف سے منظور کی گئی ہیں ان کی کیفیت نقشۂ ذیل سے معلوم ہو سکتی ہے۔

نقشہ تعطیلات محکمہ جات ریاست پالن پور

نام تعطیل	تاریخ تعطیل	تعداد یوم	کیفیت
دیوالی	آسوج بدی ۱۴ ر و اماوس اور دیوالی کے دوسرے روز	۳	
کاتکی اشنان	کاتک سدی ۱۵ ر	۱	
پچوسن	ساون بدی ۱۳ ر بھادوں سدی ۲ ر اور بھادوں سدی ۵ ر	۳	
ساون کا اخیر میلہ	ساون کا اخیر دوشنبہ	۱	
دسہرہ	آسوج سدی ۱۰ ر	۱	
بسنت پنچمی	ماگھ سدی ۵ ر	۱	
ہولی	پھاگن سدی ۱۵ ر پھاگن بدی ۱ ر	۲	
عید الفطر	یکم شوال	۱	

نام تعطیل	تاریخ تعطیل	یوم	کیفیت
عید الضحیٰ	۱۰ر ذوالحجہ۔	۱	
دیوان زور آور خان صاحب کا عرس	۱۸ر شعبان،	۱	
شب برات	۱۴ر شعبان۔	۱	
بڑے پیر صاحب کی گیارھویں	۱۱ر ربیع الآخر۔	۱	
محرم	۹ و ۱۰ر محرم۔	۲	
سالگرہ ملکہ معظمہ وکٹوریہ	۲۴ر مئی۔	۱	
سال نو	یکم جنوری	۱	
جنم اشٹمی	ساون بدی ۸ر	۱	
مہا شیوراتری	ماگھ بدی ۱۳ر	۱	
رام نومی	چیت سدی ۹ر	۱	
بڑا دن	۲۵ر دسمبر	۱	
گوڈ فرائی ڈے	•	۱	جو تاریخ مقرر ہو۔
سنکرانت	•	۱	جو تاریخ مقرر ہو۔
لیلۃ القدر	۲۶ر رمضان	۱	
سالگرہ حضور ایڈورڈ ہفتم	۲۶ر جون	۱	

پالن پور ایجنسی

پالن پور ایجنسی ۱۸۱۹ء میں قائم ہوئی۔ اس میں بارہ ریاستیں شامل ہیں جن میں سے پالن پور۔ رادھن پور۔ واراہی اور تیرواڑہ۔ دو بڑی اور دو چھوٹی ریاستوں پر مسلمان حکمراں ہیں۔ تھراد۔ واؤ۔ دیودر۔ سانتل پور۔ موروواڑہ اور سوئی گام۔ چھوٹی چھوٹی ریاستیں راجپوتوں کے قبضہ میں ہیں اور باقی بھابھر اور کاکریج دو ریاستیں کولی ٹھاکروں کی ملکیت میں ہیں۔

ایجنسی کی ان بارہ ریاستوں میں ۶۳۹۳ مربع میل زمین کا رقبہ شامل ہے اور کل ۴۸۰۱۴۱۰ آدمی آباد ہیں۔

یہ ایجنسی گجرات کے مغرب و شمال میں واقع ہے۔ اسکے مغرب میں صحرائے کچھ۔ جنوب میں سرکار گائکواڑ کی حدود اور جھنجھواڑہ شامل ہیں۔ مارواڑ اور سروہی اور مشرق میں علاقہ سروہی اور وانتہ علاقہ مہی کانٹھا ہے۔ اس ایجنسی میں ایکہزار ایکسو چونتیس مواضعات ہیں اور اسکا ہیڈ کوارٹر پالن پور ہے۔ یہاں کے پولیٹکل ایجنٹ صاحب پہلے پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ کہلاتے تھے۔ پولیٹکل ایجنٹ کو گیارہ ضرب توپوں کی سلامی دیجاتی ہے۔

ایجنسی کے ماتحت ایجنسی جیل کے متصل ایک شفاخانہ ہے جسکا نام اسکاٹ ہسپتال ہے جو ۱۸۹۶ء میں کھولا گیا۔ اس میں ایک لائق اسسٹنٹ سرجن کام کرتا ہے۔ اس بڑے شفاخانہ کے متعلق دوسرے علاقوں میں مفصلۂ ذیل ڈسپنسریاں ہیں۔

(۱) دیودر ڈسپنسری (۲) سیہوری ڈسپنسری (۳) واؤ اسٹیٹ ڈسپنسری (۴) واراہی ڈسپنسری اور (۵) سانتل پور ڈسپنسری۔ ہر ایک ڈسپنسری میں ایک ایک ہاسپٹل اسسٹنٹ رہتا ہے۔ علاوہ ازیں تھراد میں ایک

ڈسپنسری رئیس کی طرف سے اور ہے جو ایجنسی کے ماتحت نہیں ہے۔

ایجنسی کا جیل بھی علیحدہ ہے۔ چونکہ سمت ۱۹۳۶ میں انگریزی اور ریاست کے قیدیوں کو الگ الگ رکھنے کی تجویز کی گئی اسلئے شہر کے جنوب میں پولیٹکل ایجنٹ صاحب کے بنگلہ کے قریب ریاست نے ایک عمدہ قطعہ زمین دوستانہ معاونت کے طور پر بلاقیمت گورنمنٹ انگریزی کے تصرف میں دیدیا تاکہ ایجنسی جیل تعمیر کیا جاوے۔ چنانچہ سمت ۱۸۷۹ میں جیلخانہ کی عمارت بنائی گئی۔

پولیٹکل ایجنٹ صاحب بہادر کے عملہ میں ایک یوروپین اسسٹنٹ اور دو نیٹو (دیسی) اسسٹنٹ رہتے ہیں۔ یوروپین اسسٹنٹ پالن پور امپیریل پولس کے سپرنٹنڈنٹ بھی ہیں۔ دو نیٹو اسسٹنٹوں میں سے ایک خاص ہیڈ کوارٹر میں اور دوسرا ڈسٹرکٹ میں رہتا ہے۔ ریاست مارواڑ کی طرف سے ایک حاضر باش وکیل بھی یہاں رہا کرتا ہے۔

فی الحال لفٹننٹ کرنل جی۔ ای۔ ہائیڈ کیٹس صاحب پولیٹکل ایجنٹ ہیں اور آپ احاطہ ایجنسی کی کوٹھی میں رہتے ہیں۔ یہ عالیشان کوٹھی اور باغ ریاست پالن پور کی ملکیت سے ہے۔ ایجنسی کے متعلق تمام کچہریاں اور عام لوگوں کے بیٹھنے اٹھنے کے لئے جیکسن ہال کی عمارت بھی اسی کمپونڈ میں بنی ہوئی ہے۔

احاطہ ایجنسی کے قریب ہی صاحب پولس سپرنٹنڈنٹ یعنی پولیٹکل ایجنٹ بہادر کے یوروپین اسسٹنٹ کا بنگلہ ہے۔ اور بنگلہ کے پاس امپیریل پولس لائن ہے۔

نقشہ صاحبان پولیٹکل سپرنٹنڈنٹ پالن پور

نمبر	نام	چارج لینے کی تاریخ	چارج چھوڑنے کی تاریخ	کیفیت
۱	کیپٹن مائلز صاحب بہادر	نومبر ۱۸۱۷ء	۲۷ نومبر ۱۸۳۱ء	

["نمبر شمار"?]	نام	چارج لینے کی تاریخ	چارج چھوڑنے کی تاریخ	کیفیت
۲	میجر پریسکاٹ صاحب بہادر	یکم دسمبر سنہ ۱۸۳۰ء	۶ر دسمبر سنہ ۱۸۴۱ء	
۳	میجر لوئس براؤن صاحب بہادر	۷ر دسمبر سنہ ۱۸۴۱ء	۹ر دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء	
۴	کیپٹن جے۔ ڈی لیکی صاحب بہادر	۱۰ر دسمبر سنہ ۱۸۴۵ء	۱۰ر نومبر سنہ ۱۸۴۷ء	
۵	میجر لوئس براؤن صاحب بہادر	۱۱ر نومبر سنہ ۱۸۴۷ء	۶ر اپریل سنہ ۱۸۴۹ء	بار دوم
۶	کیپٹن جے۔ آر۔ کیلی صاحب بہادر	۷ر اپریل سنہ ۱۸۴۹ء	۲۰ر جنوری سنہ ۱۸۵۰ء	
۷	کیپٹن جے۔ ڈی لیکی صاحب بہادر	۲۱ر جنوری سنہ ۱۸۵۰ء	۳۰ر مارچ سنہ ۱۸۵۱ء	بار دوم
۸	میجر جے۔ آر کیلی صاحب بہادر	۳۱ر مارچ سنہ ۱۸۵۱ء	۶ر مارچ سنہ ۱۸۵۶ء	بار دوم
۹	میجر جے۔ بلیک صاحب بہادر	۷ر مارچ سنہ ۱۸۵۶ء	۶ر جون سنہ ۱۸۵۸ء	
۱۰	میجر جے۔ آر کیلی صاحب بہادر	۷ر جون سنہ ۱۸۵۸ء	۲۰ر دسمبر سنہ ۱۸۵۹ء	بار سوم
۱۱	میجر ای پی آرتھر صاحب بہادر	۲۱ر دسمبر سنہ ۱۸۵۹ء	۱۵ر نومبر سنہ ۱۸۶۴ء	
۱۲	میجر لیچ۔ آر۔ ہاتھوے صاحب بہادر	۱۶ر نومبر سنہ ۱۸۶۴ء	سنہ ۱۸۶۵ء	
۱۳	کرنل ای۔ پی آرتھر صاحب بہادر	سنہ ۱۸۶۵ء	سنہ ۱۸۶۷ء	بار دوم
۱۴	کیپٹن ڈریو ٹیری صاحب بہادر	سنہ ۱۸۶۷ء	سنہ ۱۸۶۷ء	
۱۵	کیپٹن لاٹوش صاحب بہادر	سنہ ۱۸۶۷ء	۱۵ر نومبر سنہ ۱۸۶۷ء	
۱۶	کرنل ای پی آرتھر صاحب بہادر	۱۶ر نومبر سنہ ۱۸۶۷ء	۲۶ر فروری سنہ ۱۸۷۰ء	بار سوم
۱۷	لفٹنٹ کرنل ہربرٹ۔ الیف ڈسبرو صاحب بہادر	۲۷ر فروری سنہ ۱۸۷۰ء	۶ر مئی سنہ ۱۸۷۱ء	
۱۸	لفٹنٹ کرنل۔ ڈبلیو۔ سی پار صاحب بہادر	۸ر مئی سنہ ۱۸۷۱ء	۲۰ر نومبر سنہ ۱۸۷۳ء	

نمبر	نام	چارج لینے کی تاریخ	چارج چھوڑنے کی تاریخ	کیفیت
۱۹	لفٹنٹ کرنل ایچ۔ آر۔ ہاتھوے صاحب بہادر	۲۱ نومبر ۱۸۷۲ء	۲۶ دسمبر ۱۸۷۲ء	بار دوم
۲۰	لفٹنٹ کرنل۔ ڈبلیو۔ سی پار صاحب	۲۷ دسمبر ۱۸۷۲ء	۲۸ جنوری ۱۸۷۳ء	
۲۱	کرنل آر فیر صاحب بہادر	۲۹ جنوری ۱۸۷۳ء	۱۲ مارچ ۱۸۷۳ء	
۲۲	میجر جے۔ ڈبلیو والٹسن صاحب بہادر	۲۸ مارچ ۱۸۷۳ء	۲۳ مارچ ۱۸۷۴ء	درمیانی مدت میں مسٹر منی بھائی جس بھائی کے پاس چارج رہا۔
۲۳	لفٹنٹ کرنل اے۔ وائی شوریٹ صاحب بہادر	۲۴ مارچ ۱۸۷۴ء	۱۸ فروری ۱۸۷۵ء	
۲۴	میجر ٹی۔ ای برٹین صاحب بہادر	۱۹ فروری ۱۸۷۵ء	۱۴ مارچ ۱۸۷۵ء	
۲۵	کرنل اے۔ وائی شوریٹ صاحب بہادر	۱۸ مارچ ۱۸۷۵ء	۱۶ مارچ ۱۸۷۸ء	بار دوم
۲۶	کرنل ایوبیزرڈ صاحب بہادر	۱۷ مارچ ۱۸۷۸ء	۲۴ مارچ ۱۸۷۹ء	
۲۷	کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب بہادر	۲۵ مارچ ۱۸۷۹ء	۲۹ مارچ ۱۸۸۰ء	
۲۸	کرنل اے۔ وائی شوریٹ صاحب بہادر	۳۰ مارچ ۱۸۸۰ء	۳۱ اگست ۱۸۸۰ء	بار سوم
۲۹	کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب بہادر	یکم ستمبر ۱۸۸۰ء	۵ مارچ ۱۸۸۱ء	بار دوم
۳۰	میجر ای۔ ڈبلیو ویسٹ صاحب بہادر	۶ مارچ ۱۸۸۱ء	۱۵ مارچ ۱۸۸۲ء	
۳۱	کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب بہادر	۱۶ مارچ ۱۸۸۲ء	۳۰ مارچ ۱۸۸۵ء	بار سوم۔ درمیانی مدت میں۔ ایس جے ہیرلیش اسسٹنٹ مجسٹریٹ نے کام کیا
۳۲	لفٹنٹ کرنل سی ڈبلیو وڈ ہوس صاحب بہادر	۲ اپریل ۱۸۸۵ء	۱۴ اگست ۱۸۸۶ء	
۳۳	لفٹنٹ کرنل ڈبلیو۔ اے سالمن صاحب بہادر۔	۱۵ اگست ۱۸۸۶ء	۲۹ اکتوبر ۱۸۸۶ء	
۳۴	کرنل پی۔ ایچ لیجیٹ صاحب بہادر	۳۰ اکتوبر ۱۸۸۶ء	۱۸ فروری ۱۸۸۹ء	بار چہارم
۳۵	کرنل ایچ ایل نٹ صاحب بہادر۔	۱۹ فروری ۱۸۸۹ء	۹ اپریل ۱۸۹۰ء	

نمبر	نام	چارج لینے کی تاریخ	چارج چھوڑنے کی تاریخ	کیفیت
۳۶	کرنل جی۔ آر گوڈ فیلو صاحب بہادر	۱۰ اپریل ۱۸۹۰ء	۲۰ مئی ۱۸۹۱ء	
۳۷	کرنل ڈبلیو سکاٹ صاحب بہادر	۲۱ مئی ۱۸۹۱ء	۶ مئی ۱۸۹۳ء	
۳۸	کرنل ڈبلیو۔ اے سالمن صاحب بہادر	۱۲ مئی ۱۸۹۳ء	۱۲ جون ۱۸۹۴ء	بار دوم
۳۹	کیپٹن جی۔ ای ہاڈکیٹس صاحب بہادر	۱۳ جون ۱۸۹۴ء	۲۷ ستمبر ۱۸۹۴ء	
۴۰	کرنل ایف ایچ جنکین صاحب بہادر	۲۸ ستمبر ۱۸۹۴ء	۲۲ مارچ ۱۸۹۵ء	
۴۱	میجر ایم۔ ٹی لانڈ صاحب بہادر	۲۳ مارچ ۱۸۹۵ء	۲۴ نومبر ۱۸۹۸ء	
۴۲	پی۔ ایس۔ ڈی فیٹز جیرلڈ صاحب بہادر	۲۵ نومبر ۱۸۹۸ء	۱۲ اپریل ۱۹۰۱ء	
۴۳	میجر جے۔ ایس ایشبی صاحب بہادر	۱۳ اپریل ۱۹۰۱ء	۸ نومبر ۱۹۰۱ء	
۴۴	میجر جی۔ ای ہاڈکیٹس صاحب بہادر	۹ نومبر ۱۹۰۱ء	۷ جون ۱۹۰۴ء	بار دوم۔ ان کے زمانہ میں پولیٹیکل سپرنٹنڈنٹ کی جگہ کاغذات سرکاری میں پولیٹیکل ایجنٹ لکھا جانے لگا۔
۴۵	میجر ایچ۔ ڈی۔ میری ویدر صاحب بہادر	۸ جون ۱۹۰۴ء	۹ اکتوبر ۱۹۰۶ء	
۴۶	لفٹنٹ کرنل جی۔ ای ہاڈکیٹس صاحب بہادر	۱۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء		صاحب پولیٹیکل ایجنٹ بہادر حال بار سوم

تمت بالخیر

بافتتاح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تاریخ پالن پور

کا

سنہ ۱۹۰۶ء میں یہ تاریخ مدون ہو چکی تھی۔ صرف چھپائی کے متعلق اہل مطابع سے فیصلہ باقی تھا
کہ پالن پور میں طاعون نے قدم جما کر حواس کھو دیے۔ اس پریشانی کی وجہ سے ایک برس کامل
نکل گیا اور ابھی پورے طور پر اطمینان بھی نہ ہونے پایا تھا کہ دوسرے سال طاعون نے پھر حملہ کیا۔
دو برس بے نیلِ مرام گزر گئے۔ بعد ازاں مکروہات زمانہ کے سبب کچھ ایسے موانعات پیش آتے چلے گئے
کہ اسکے طبع میں التوا واقع ہوتا رہا۔ لیکن اب خدا کے فضل و کرم سے تاریخ پالن پور کی چھپائی کا کام شروع
ہو گیا ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ باحسن الوجوہ انجام پذیر ہو گا۔ آمین۔

گزشتہ پانچ برس کے عرصہ میں اکثر ایسے واقعات ظہور میں آئے ہیں جنکا اس تاریخ سے خاص

تعلق ہے اور چونکہ میرا فرض ہے کہ اپنے ولی نعمت اور پالن پور کے متعلق ہر ایک تذکرہ کو اس تاریخ کی زینت کا باعث سمجھوں اس لئے مجھ پر واجب ہو گیا کہ تدوین کتاب کے بعد اور طبع سے پیشتر جو جو واقعات گزرے ہیں ان کو بطور ضمیمہ کے لکھکر ناظرین کے روبرو پیش کردوں۔ اسی طرح عالیجناب صاحبزادہ طالع محمد خان صاحب بہادر ولیعہد ریاست کے حالات میں امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ جو کچھ اضافہ ہوا ہے اسکا بیان بھی اسی ضمن میں کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ولیعہد بہادر کے جو حالات گزشتہ صفحات پر لکھے گئے ہیں اسکے مطالعہ کے وقت ان کو بھی زیر نظر رکھنا چاہئے۔

انتظام ریاست میں ولیعہد بہادر کی شرکت ولیعہد بہادر کچھ ابتدا ہی سے حکومت۔ انتظام اور سیاسی قابلیتوں کے مظہر رہے ہیں۔ بچپن کے چھوٹے چھوٹے کاموں سے لیکر زمانہ شباب کے بڑے بڑے کاموں تک مقلدانہ یا مجتہدانہ آپ نے جس کام کو ہاتھ میں لیا ہے اسکے انجام پر نظر ڈالنے سے آپ کی لیاقت کا حسن قابل رشک معلوم ہوتا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں درحقیقت ہز ہائنس کی عاقلانہ تربیت کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ایک مدت سے ہز ہائنس کی آنکھیں ولیعہد بہادر کی طرف لگی ہوئی تھیں اور آپکا خیال تھا کہ ان کو اپنا قوت بازو بنا کر ریاست کے انتظامی امورات میں شامل کریں لیکن وقت کے منتظر تھے چنانچہ جب اپنے لایق ولیعہد کو اپنی امیدوں کے موافق پالیا تو ۲۸ ستمبر ۱۹۱۸ع کو محکمہ جات سائرات و جنگلات کا چارج کامل اختیارات کے ساتھ انھیں سپرد کر دیا۔

چارج لیتے ہی ولیعہد بہادر کی انتظامی لیاقت نے اپنے جوہر دکھانے شروع کئے۔ دماغی قوت طرح طرح کے پھول کھلانے لگی اور اب جس خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ آپ اپنے فرائض منصبی کو انجام دے رہے ہیں وہ صرف ریاست پالن پور ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام ایشیائی ریاستوں کے لئے قابل نظیر ہے۔ آپ کی خوش انتظامی کے متعلق صرف ایک ہی دلیل کافی ہے کہ آپ کے چارج لینے سے ایک سال قبل سائرات کی کل آمدنی تقریباً اسی ہزار روپیہ تھی اور اب دو برس کے بعد

یعنی سنہ ۱۹۰۹ عیسوی میں ایک لاکھ دس ہزار روپیہ کے قریب ہے۔ اسی طرح جس سال چارج لیا گیا ہے، محکمہ جنگلات کی آمدنی صرف گیارہ ہزار روپیہ اور اخراجات صیغہ کی تعداد چار ہزار روپیہ تھی اور اب محض آپ کی خوش انتظامی کی وجہ سے سمت ۱۹۶۴ اور سمت ۱۹۶۵ میں انیس ہزار اور ۱۶ ہزار روپیہ آمدنی ہوئی اور صرف دو ہزار روپیہ سالانہ خرچ ہوا۔

غرضکہ آپ اپنے مفوضہ عہدوں کا کام نہایت تن دہی۔ جانفشانی اور دماغ سوزی کے ساتھ انجام دیتے ہیں۔ زیادتی آمدنی کے جو جو طریقے اور اصول آپ نے مقرر کیے ہیں، آپ کی روشن دماغی کا بین ثبوت ہیں۔ محکمہ جنگلات میں بھی آپ کے حسن تدبیر سے روز بروز ترقی ہو رہی ہے جنگلات کا تمام انتظام انگریزی قاعدوں اور اصول پر کیا جاتا ہے۔ بہت سے جنگل محفوظ (رزرو) رکھے گئے ہیں اور اس طریقہ سے امید ہے کہ دو برس کے بعد اس محکمہ کی آمدنی میں بھی ایک معتدبہ اضافہ ہو جائیگا۔

طاعون

سنہ ۱۹۰۷ء و سنہ ۱۹۰۸ء میں طاعون نے پالن پور پر علی التواتر پھر اپنے ناقابل برداشت حملے کئے شہر اور دیہات میں ملا کر پہلے سال ۲۰۳ ۱۲ واردات اور ۹۰۷ اموات اور دوسرے سال ۴۳۳ واردات اور ۴۱۹ ۱۰ اموات ہوئیں یہ طاعون کا چھٹا اور ساتواں حملہ تھا۔ گذشتہ سالوں میں وبائے طاعون کے دفعیہ کے لئے جو جو تدابیر عمل میں لائی گئی تھیں انکا مفصل ذکر بجائے خود آچکا ہے لیکن اخیر طاعون کی نسبت مختصر طور پر بعض جدید واقعات کا اظہار خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

سنہ ۱۹۰۷ء کے طاعون میں تو وہی پرانی تدبیریں کی گئیں۔ مگر سنہ ۱۹۰۸ء میں اس خیال سے کہ گزشتہ تمام تدبیروں نے غریب رعایا کو تھکا دیا تھا اور نیز ان تکالیف کا جو دفعیہ طاعون کے لئے لازمی ہیں متواتر برداشت کرنا انسانی طاقت سے خارج ہے ہز ہائنس نے کچھ سوچ کر اجازت دے دی کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر سے علیحدہ ہونے اور نہ ہونے کا مختار ہے۔ بلکہ خدا پر بھروسہ کر کے تمام انسانی تدبیریں پس پشت ڈال دی گئیں غرضکہ اس طاعون میں ان تدابیر میں سے تقریباً ایک پر بھی عمل نہ کیا گیا جو ڈاکٹروں اور حکیموں کے نزدیک لازمی

سمجھی جاتی ہیں اور یہی خیال لوگوں کو سنہ ۱۹۰۹ء میں بھی طاعون کے حملہ کا خوف دلا رہا تھا لیکن وہ قدرت جو ہمیشہ مایوسی کے وقت انسان کی مددگار ہوتی ہے اور اپنے بھروسہ کرنے والوں کو انسانی تدابیر کے خلاف مافوق العادت کرشمے دکھلایا کرتی ہے، ہز ہائنس کی نیک نیتی کے سبب آڑے آئی اور مدتوں کا تجربہ غلط ثابت ہوا یعنی سنہ ۱۹۰۹ء سے آجتک پالن پور اس بلائے مبرم سے محفوظ ہے اور آئندہ بھی خدا سے امید ہے کہ محفوظ رہیگا۔

مہاراجہ ایڈر کی تشریف آوری میجر جنرل مہاراجہ سر پرتاب سنگجی بہادر جی۔ سی۔ ایس۔ آئی وغیرہ وغیرہ فرمانروائے ایڈر مع اپنے ولیعہد کنور دولت سنگجی کے ۴ مارچ سنہ ۱۹۰۸ء کو شیر کے شکار کی غرض سے پالن پور تشریف لائے۔ موضع شیر پورہ میں آپ کے لئے ایک عالیشان کیمپ آراستہ کیا گیا تھا۔ لفٹننٹ کرنل جی۔ ای ہالٹ کیٹس صاحب پولٹیکل ایجنٹ پالن پور مع میم صاحبہ اور ولیعہد بہادر اپنے چھوٹے بھائی کے ہمیت شکار میں شریک تھے حسن اتفاق سے ۶ مارچ کو صرف آدہ گھنٹے کے عرصہ میں تین شیر شکار ہوئے۔ اور گویا اس طرح یہ شکار اپنی نوعیت میں نہایت کامیاب شکار کہا جا سکتا ہے۔ مہاراجہ صاحب ممدوح ۷ مارچ کو ایڈر واپس تشریف لے گئے۔

سفر بمبئی جب ہز ہائنس نے "شیر محمد محتاج خانہ" کی بنیاد ڈالی اور یہ عمارت بن کر تیار ہوگئی تو آپنے خیال کیا کہ اس کار خیر کا افتتاح بھی ایک باخیر و شرافت مآب حاکم کے ہاتھوں سے ہونا چاہئے۔ چنانچہ گورنر صاحب بہادر بمبئی کو اس خاص کام کے لئے دعوت دینے کی غرض سے آپ ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۰۸ء میں بمبئی تشریف لے گئے اور وہاں جانے کے بعد اہل بمبئی نے ایسا دلی خلوص ظاہر کیا کہ ہز ہائنس کا دو مہینے سے پہلے پالن پور آنا نہ ہو سکا۔

ہوا محل جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ہوا محل سرکاری عمارتوں میں نہایت پرفضا اور ایک بالکل جدید طرز کا محل ہے سنہ ۱۹۰۵ء میں اکیس ہزار روپیہ کے خرچ سے تیار ہوا ہے اور ہز ہائنس نے اسکو خاص اپنی

نشست کے لئے تعمیر کرایا ہے۔

مہاراجہ صاحب بیکانیر کی تشریف آوری

مہاراجہ سری گنگا سنگھ جی بہادر جی۔سی۔ایس۔آئی۔ فرماں روائے ریاست بیکانیر ۲ اپریل ۱۹۰۹ء کو شیر کے شکار کے لئے تشریف لائے۔ وہار ماتا کے جنگل میں آپ کے لئے کیمپ لگایا گیا تھا۔ یہ مقام دارالریاست سے نو میل کے فاصلہ پر مشہور مقام بالارام کے نزدیک واقع ہے اور زندہ چشموں، خوشگوار آب و ہوا اور اپنے پرفضا مناظر کے لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے۔ ولیعہد بہادر نے خاص طور پر کیمپ کا انتظام کیا تھا اور شکاری بھی ہمراہ تھے۔ ہانکا شروع ہونیکے بعد عین اسوقت کہ جب شیر سامنے سے آتا ہوا دکھائی دے رہا تھا اور بندوقیں بھی چھتیالی گئی تھیں، شہد کی بڑی مکھیوں کا ایک عظیم الشان لشکر خدا معلوم کدھر سے آپہنچا اور مہمان و میزبان دونوں پر چھا گیا۔ اس آفت ناگہانی کے ساتھ جب کا کبھی سابقہ پڑا ہوگا وہ اسوقت کی مشکلات کو اچھی طرح سے سمجھ سکتا ہے۔ اگرچہ جبلی ہمت اور فطرتی استقلال سے ان دونوں شیروں نے کام لیا لیکن شیر نکل گیا۔ اس موقع کی پریشانیوں کے ساتھ نشانہ پر آئے ہوئے شکار کے نکل جانے کا افسوس رہا۔ مہاراجہ صاحب ۲۰ اپریل ۱۹۰۹ء کو واپس مراجعت فرمائے بیکانیر ہوئے۔

مسافری بنگلہ

مسافری بنگلہ کے متعلق متفرقات کی ذیل میں ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ یہ بنگلہ اپنی زبان حال سے مرمت طلب ہے اور ہز ہائنس بھی اس بیزبان کی داد کو پہنچنے والے ہیں چنانچہ ۱۹۰۹ء میں از سر نو اس بنگلہ کی تعمیر کا حکم نافذ ہوا اور چار ہزار روپیہ کے صرف میں اسکی کچھ اور ہی شکل نکل آئی۔ اب اسپر ایک منزل اور اضافہ کر دی گئی ہے جس نے اسکی بکار آمد خوبیوں کو دوبالا کر دیا ہے۔

خطاب نواب و اضافہ توپ سلامی

اس ضمیمہ کے متعلق سب سے بڑا مسرت انگیز، قابل فخر اور سونے کے حرفوں سے لکھنے کے لائق یہ واقعہ ہے کہ سنہ ۱۹۱۰ء کے اعزاز سال نویں ہز ہائنس کی انتظامی قابلیتوں اور رئیسانہ خوبیوں کا احساس کر کے گورنمنٹ عالیہ نے آپ کو آپ کے وفادارانہ سلوک اور عمدہ خدمات کے عوض "نواب"

کا خطاب نسلاً بعد نسلٍ عطا فرمایا اور سلامی کی گیا۔ دہ ضرب توپوں میں دو توپوں کا اضافہ کیا۔ اس قدر افزائی کی نسبت کرنل جے۔ آر ڈنلوپ اسمتھ صاحب بہادر پرائیویٹ سکرٹری حضور والسرائے وگورنر جنرل بہادر ہند نے مبارکبادی کا جو تار ۳۱ ر دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء کو دیا تھا اسکا ترجمہ حسب ذیل ہے ۔

"قیصر معظم نے آپ کی سلامی میں جو اضافہ کیا ہے اور جسکا اظہار کل کے گزٹ میں ہوگا اسکے متعلق والسرائے بہادر آپ کو دلی مبارکباد دیتے ہیں۔ میری طرف سے بھی مبارکباد قبول کی جائے۔

اس خطاب نوابی کی سند عطا کرنیکے لئے گورنر صاحب بہادر بمبئی کو ایما ہوا چنانچہ دربار گورنری کی تاریخ مقرر ہو کر ہز ہائنس کو اطلاع دی گئی۔ ہز ہائنس مع ہر دو صاحبزادگان والا تبار اور متعدد ہمراہیوں کے ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۹۱۰ء کو بمبئی تشریف لے گئے اور ۲۱ ر نومبر سنہ ۱۹۱۰ء کو ایک عالیشان دربار میں سند نوابی عطا فرمائی۔

اس موقع پر سینکڑوں مبارکبادی کے تار اور خطوط ہز ہائنس کے نام آئے تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہز ہائنس نے اپنے پرتاثیر میل ملاپ اور ہر دلعزیز برتاؤ سے کتنے دلوں کو مسخر کر رکھا ہے۔ غرضکہ آپ بمبئی سے ۳۰ ر دسمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو مع الخیر رونق افروز دار الریاست ہوئے۔

شیر محمد محتاج خانہ

ضمیمہ کا دوسرا واقعہ جس سے ہز ہائنس کے انسانی جوہر نظر آتے ہیں اور جو بتاتا ہے کہ آپ کے دل میں رحم نے کسقدر جگہ گھیر رکھی ہے یہ ہے کہ سنہ ۱۹۰۷ء میں آپ نے ایک محتاج خانہ کی تعمیر شروع کی جسکا بنیادی پتھر کرنل جی۔ ای ہاڈکیٹس صاحب پولیٹکل ایجنٹ کے ہاتھ سے ۲۸ ر جون سنہ ۱۹۰۷ء کو رکھا گیا اور سنہ ۱۹۰۹ء کے آخر میں یہ محتاج خانہ چالیس ہزار روپیہ کی لاگت سے بالکل تیار ہو گیا۔ چونکہ اس خاص کام کے لئے ہز ہائنس دہی آنریبل سر جارج سڈن ہام کلارک جی۔ سی۔ ایم جی، جی۔ سی آئی۔ ای گورنر صاحب بہادر بمبئی کو مدعو کر آئے تھے اس لئے ۲۹ ر جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو شام کے چار بجے حضور ممدوح اسپیشل ٹرین سے پالن پور تشریف لائے۔ استقبال اور جلوس کی شان دیکھنے کے قابل تھی۔
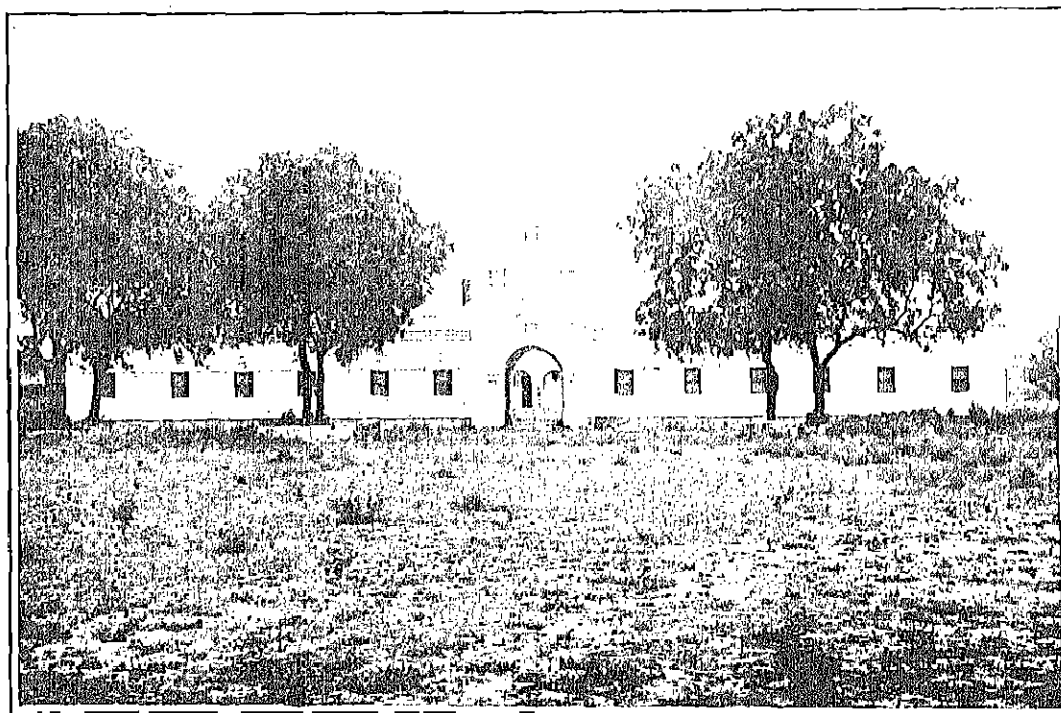
شیرمحمد محتاج خانہ

رزیڈینسی کا بنگلہ حضور محتشم الیہ کے قیام کے لئے تجویز ہوا تھا اور دوسرے مہمانوں وغیرہ کے لئے احاطہ رزیڈینسی میں ایک نہایت خوشنما کیمپ قائم کیا گیا تھا۔

دوسرے روز صبح کو گیارہ بجے محتاج خانہ کی افتتاحی رسم ادا کرنے کے لئے اس میدان میں جو محتاج خانہ کے متصل جانب شمال واقع ہے بہت عالیشان دربار آراستہ ہوا اور تقریباً پانسو درباریوں کی نشست کا انتظام کیا گیا۔ افتتاحی رسم ادا کرتے وقت حضور گورنر صاحب بہادر نے نہایت عمدہ الفاظ میں ریاست اور والیِ ریاست کی تعریف بیان کی۔ شام کو پانچ بجے پولو کے میدان میں پولو کا تماشہ ملاحظہ فرمایا۔ یہ جلسہ صاحبزادہ طالع محمد خاں بہادر ولیعہد ریاست کی طرف سے تھا۔ ولیعہد بہادر کو مردانہ وار پولو کھیلتے ہوئے دیکھ کر گورنر صاحب بہادر نے بیحد خوشی کا اظہار کیا۔ رات کو بڑی دھوم سے بنگلہ رزیڈینسی پر شاہی دعوت ہوئی۔ کھانے کے بعد ہز ہائنس کی طرف سے ولیعہد بہادر نے ہز ایکسیلنسی کا جام صحت تجویز کرتے وقت جو موثر تقریر کی تھی اسکے جواب میں ہز ایکسیلنسی نے ہز ہائنس کی عالی ہمتی اور اعلیٰ خوبیوں کا اعتراف کر کے ریاست کے ہر کام سے اپنی طمانیت ظاہر فرمائی۔ بعد ازاں آتش بازی چھوڑی گئی۔ نور محمد پیر محمد جنرل مرچنٹ ساکن سورت نے اپنی چابک دستی سے جو روشنی کا محتاج خانہ بنا کر ہز ہائنس کا نام روشن کیا تھا، دیکھنے کے قابل تھا۔

۲۱ جنوری کی صبح کو ساڑھے دس بجے گورنر صاحب بہادر بمبئی ایوان ریاست میں ملاقات بازدید کے لئے رونق افروز ہوئے۔ یہیں سے آپ اسٹیشن پر تشریف لے گئے اور ٹھیک گیارہ بجے اسپیشل ٹرین کے ذریعہ سے بمبئی کی طرف نہضت فرما ہوئے۔

ہز ایکسیلنسی کی آمد و رفت اور مہمانداری کا کل انتظام حضور معلی کے ارشاد کے بموجب ولیعہد بہادر نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا تھا اور جس عمدہ اور احسن طریقہ سے یہ اہم کام پورا ہوا وہ ہز ایکسیلنسی اور ان کے اسٹاف کی تعریف سے ظاہر ہوتا ہے اور جس کی توصیف ابتک لوگوں کی زبانوں پر ہے۔

یہ محتاج خانہ ایک وسیع عمارت ہے جس میں ۵۰ افراد بآرام و آسائش کے ساتھ زندگی کے دن

پورے کر سکتے ہیں۔ بنی نوع انسان کے ہر معاشرتی یا تمدنی پہلو پر غور کر کے ہز ہائنس نے اسوقت تک رفاہ عام کے جو جو کام کئے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ آپ کو کائنات کا کسقدر وسیع علم ہے آپ ضروریات زندگی کو کس درجہ تک سمجھتے ہیں اور سب سے زیادہ یہ کہ آپ کی رگ و پے میں خوف الہی اور بندگان خدا کی محبت کا جوش کس بہتات کے ساتھ بھرا ہوا ہے۔

ایڈورڈ ہفتم کی وفات

۶ رمئی ۱۹۱۰ء کی رات کو حضور شہنشاہ ہند ایڈورڈ ہفتم کے رحلت فرمانے کی رقت انگیز خبر جب ۷ رمئی کو پالن پور میں پہنچی ہے تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ رعایا پرور اور صلح کل بادشاہ کا سر سے اٹھ جانا واقعی درد خیز ہوا کرتا ہے اور ایسے موقعوں پر جسقدر ماتمی رسمیں ادا کی جاتی ہیں وہ فی الحقیقت درد دل کا تقاضا ہے۔ چنانچہ ہز ہائنس نے بھی اس الم ناک واقعہ پر تمام مراسم ماتم داری کو نہایت عقیدت مندی کے ساتھ ادا کیا۔

گورنر صاحب بہادر بمبئی کی خدمت میں ہمدردی کا تار روانہ کیا۔ دفاتر و مدرسہ جات میں تعطیل دیگئی اور ۱۰۱ ماتمی توپیں سر ہوئیں۔ مسجد جامع میں تمام شہر کے مسلمان جمع ہوئے اور شہنشاہ انجہانی کے لئے دعائے مغفرت کی۔ ۲۰ رمئی ۱۹۱۰ء کو جلسہ غم ترتیب دیا گیا۔ ہز ہائنس اور تمام ممبران خاندان ماتمی لباسوں میں شریک جلسہ تھے۔

لندن میں جارج پنجم کی تاجپوشی

۲۲ رجون ۱۹۱۱ء کو اعلیحضرت اقدس جارج پنجم کی تاجپوشی کا دربار لندن میں منعقد ہوا۔ اسکی خوشی میں اسی روز ریاست میں بھی اظہار مسرت کے لئے ایک شاندار جلسہ ترتیب دیا گیا۔

افسران ایجنسی اہلیان ریاست اور عمائدین شہر شریک جلسہ تھے۔ اعزاز شاہی میں ۱۰۱ توپوں کی سلامی دی گئی اور مراسم انبساط ادا کرنے کے بعد جلسہ برخواست ہوا۔

صاحبزادہ یاور حسین خاں صاحب آنریری ایڈی کانگ

ہز ایکسیلنسی سر کلارک گورنر صاحب بہادر بمبئی کو چونکہ ہز ہائنس کے ساتھ

خاص محبت ہے اور آپ جبلی طور پر ہز ہائنس کے مخصوص بہی خواہ ہیں۔ دونوں صاحبزادوں کی طرف سے
بھی آپکو کلی اطمینان ہے اس لیے حضور ممدوح نے اپنی عنایت خاص سے صاحبزادہ یاور حسین خانصاحب کو
ماہ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء میں آنریری ایڈیکانگ کا معزز عہدہ عطا کیا۔

صاحبزادہ صاحب ضرورت کے وقت بمبئی یا جہاں گورنر صاحب بہادر کا آنا ہوتا ہے، تشریف لیجاتے
ہیں اور نہایت مستعدی سے اپنے فرض منصبی کو ادا کرتے ہیں۔

مہاراجہ جودھ پور کا انتقال

مہاراجہ سردار سنگھ جی صاحب بہادر والی جودھ پور نے نمونیہ کے مہلک عارضہ میں مبتلا ہوکر
۲۱ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو انتقال کیا۔ ایک نوجوان رئیس کی موت متعلقین وغیر متعلقین سب ہی کے لئے افسوسناک
ہوا کرتی ہے۔ نظر براں ہز ہائنس کو اس واقعۂ ناگزیر سے بجد صدمہ ہوا اور چونکہ ریاست جودھ پور اور پالن پور کے
مابین قدیم سے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات ہیں اسلئے ہز ہائنس مع ہر دو صاحبزادگان والا اور مختصر ہمراہیوں
۲۱ مارچ سنہ ۱۹۱۱ء کو رات کی فاسٹ ٹرین میں سوار ہوکر جودھ پور تشریف لے گئے اور رسم تعزیت ادا کرنے کے
بعد ۲۸ مارچ سنہ مذکور کو واپس رونق افروز دار الریاست ہوئے۔

پولو کے لئے ولیعہد بہادر کا راجکوٹ جانا

یہ تو ہم بتا چکے ہیں کہ ولیعہد بہادر کو جوانمردانہ کرتبوں اور فنون سپہ گری سے نہایت
دلچسپی ہے چنانچہ جب راجکوٹ (کاٹھیاواڑ) میں پولو کا بہت بڑا شرطیہ کھیل ہونیوالا تھا تو آپ کے تشریف
لیجانے اور کھیل میں شرکت فرمانے کی درخواست بعض روسائے کاٹھیاواڑ نے کی۔ اس لئے آپ
مع اپنے چھوٹے بھائی صاحبزادہ یاور حسین خان صاحب کے ۲۸ فروری سنہ ۱۹۱۱ء کو عازم راجکوٹ ہوئے
۴ مارچ کو پہلا کھیل ریاست جام نگر کی ٹیم کے ساتھ ہوا جس میں ولیعہد بہادر کی طرف سے پندرہ گول ہوگئے
اور جام نگر کی ٹیم کا ایک گول بھی نہ ہوسکا۔ اخیر پولو کا کھیل بھاؤنگر کی ٹیم کے مقابلہ میں ۶ مارچ کو ہوا جس میں ولیعہد بہادر
نے تین گول کئے اور بھاؤنگر کی ٹیم ایک گول بھی نہ کرسکی۔

پولو کے وقت بہت سے روسائے کاٹھیاواڑ۔ عالیجناب میکونوکی صاحب بہادر ایجنٹ ٹو دی گورنر کاٹھیاواڑ

یورپین ونیٹو آفیسر اور ہزاروں تماشائی موجود تھے جب ولیعہد بہادر کی ٹیم یہ شرطیہ پولو جیت گئی تو حاضرین کے چیرز سے تمام میدان گونج اُٹھا اور ایک نہایت خوبصورت سلور کپ (نقرئی جام) مسز میکونوکی نے اپنے ہاتھ سے جلسۂ عام میں ولیعہد بہادر کو دیا۔ غرضکہ اسطرح فتحمندی کے ساتھ ولیعہد بہادر راجکوٹ سے واپسی کے وقت ویرم گام ٹھیرتے ہوئے ۱۲ مارچ ۱۹۱۱ء کو مع صاحبزادہ یاور حسین خانصاحب اور مختصر ہمراہیوں کے پالن پور تشریف لائے۔

مردم شماری ۱۹۱۱ء

۱۹۱۱ء میں جو مردم شماری ہوئی اسکی رو سے خاص شہر پالن پور میں ۱۷ ہزار ۲ سو ۲۱۔ آدمی آباد تھے جنمیں ۸ ہزار ۵ سو ۶۲ مرد اور ۸ ہزار ۶ سو ۵۹ عورتیں تھیں۔ کل علاقہ ریاست میں ۲ لاکھ ۲۴ ہزار ۹ سو ۹۶۔ آدمی شمار کئے گئے منجملہ ان کے ۱ لاکھ ۱۵ ہزار ۷ سو ۸۴ مرد اور ۱ لاکھ ۹ ہزار ۲ سو ۱۲ عورتیں تھیں۔ من حیث المجموع ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مقابلہ میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری کے حساب سے ۲ ہزار ۳ سو ۶۹۔ آدمی زیادہ ہوئے۔

دہلی دربار

۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو شاہانِ مغلیہ کے قدیم پایہ تخت دہلی میں جو دربار تاجپوشی منعقد ہونیوالا تھا اسکی عظمت و شان کو دوبالا کرنے کے لئے چونکہ ہمارے ہردلعزیز شہنشاہ معظم اعلیٰ حضرت جارج پنجم مع شہنشاہ بیگم بذات خود اعلان دربار تاجپوشی کی مبارک رسمیں ادا فرمانے والے تھے اس حیثیت سے دہلی کا یہ دربار ایک یادگار دربار تھا۔ ممالک ہند کے تمام والیان ریاست دربار کے لئے مدعو کئے گئے تھے اور اس شہنشاہی دربار کی مہینوں پیشتر تیاریاں ہونے لگیں تھیں۔ چنانچہ ہز ہائنس نے بھی چھ مہینے پہلے ہر امر پر غور کر کے جو کچھ کرنا تھا اسکا تمام و کمال انتظام اپنے ہونہار اور لائق صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر ولیعہد ریاست کو سپرد کر دیا۔

ولیعہد بہادر ۳ نومبر ۱۹۱۱ء کو انتظامات ضروریہ کی انجام دہی کے لئے دہلی تشریف لے گئے۔ آپ چونکہ ایک نوجوان اور مستعد منتظم ہیں اور ایسے کاموں میں آپ کو خاص سلیقہ ہے اس لئے کیمپ کے متعلق

جس خوبی وخوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے انتظام کیا وہ قابلِ ستائش تھا جب کیمپ بالکل تیار ہوگیا اور اسکی رونق شباب پر آگئی تو ۱۸ر نومبر کی شب کو تقریباً گیارہ بجے دفعتہً آگ لگ گئی۔ اگرچہ اسکے فرو کرنے میں بیحد کوشش کی گئی تاہم ایک درباری شامیانہ اور ایک وسیع خیمہ جل کر خاک سیاہ ہوگیا جن آرائشی چیزوں سے شامیانہ اور خیمہ سجایا گیا تھا سب کی سب آتشزدگی کی نذر ہوگئیں اور افسوس کہ اس اچانک واقعہ سے تخمیناً پندرہ ہزار روپیہ کا نقصان ریاست کو برداشت کرنا پڑا۔

ریاست پالن پور کے علاوہ آتشزدگی کے اور بھی چند واقعات مختلف کیمپوں میں پیش آئے اور بعض جگہ نقصان بھی بہت زیادہ ہوا کچھ لوگ تو یہ بیان کرتے ہیں کہ برقی روشنی کے تاروں کی وجہ سے آگ لگتی تھی اور بعض کا خیال ہے کہ عام شاگرد پیشہ لوگوں کی بے احتیاطی کا نتیجہ ہے جو سگرٹ پینے بیڑی سلگانے اور سردی کے سبب ہاتھ پاؤں سینکنے کی غرض سے گھاس پھوس جلانے میں اکثر ہوجایا کرتی ہے۔ بہرحال اس ہمو قع آتشزدگی نے بہت نقصان پہنچایا اور یقینی طور پر یہ نہ کھلا کہ اسکے اصلی اسباب کیا تھے۔

۲۳ر نومبر ۱۹۱۲ء کو چونکہ ہز ہائنس پالن پور سے روانہ ہوکر ۲۴ر نومبر کو رونق افروز دہلی ہونے والے تھے اور کیمپ کے دونوں ضروری خیمے آگ کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔ دوسرے یہ بھی خیال تھا کہ سرِدست خیموں کا انتظام محال ہونے کے علاوہ کپڑے کے گھروں میں رہنا اس سردی کے دنوں میں ہز ہائنس کے لیے قرینِ مصلحت بھی نہیں ہے اسلئے میڈنز ہوٹل کے قریب لالہ سری رام۔ ایم۔ اے سابق منصف عدالت خفیفہ کی کوٹھی پانچہزار روپیہ کرایہ پر لی اور ہز ہائنس کے لئے اسمیں رہائش کا انتظام کیا گیا چنانچہ تاریخ معینہ پر ہز ہائنس دہلی پہنچکر سیدھے اسی کوٹھی پر تشریف لے گئے اور اخیر تک وہیں شب باش ہوتے رہے دن کو اکثر اوقات کیمپ میں رہا کرتے تھے اور رات کا کل حصہ کوٹھی میں بسر فرمایا جاتا تھا۔ آپ کے ہمراہ کل تین سو ملازمین وغیرہ تھے جن میں سے ساٹھ ستر آدمی مع ہر دو صاحبزادگان والاشان ہز ہائنس کے ساتھ

کوٹھی پر فروکش تھے اور باقیماندہ کیمپ میں۔

جس وقت ہز ہائنس کی اسپیشل ٹرین دہلی کے کوئنز روڈ اسٹیشن پر ۲۴ر نومبر کو دن کے پونے دو بجے کے قریب پہنچی ہے تو گارڈ آف آنر سلامی کے لئے اور میجر ایچ۔ ڈبلیو۔ برٹن صاحب جن کے سپرد بمبئی پریسیڈنسی کے کیمپوں کا انتظام تھا مع ڈپٹی پولس کمشنر دہلی کے استقبال کو موجود تھے۔ ہز ہائنس کے گاڑی سے اُترتے ہی تیرہ ضرب اتواپ سلامی سر ہوئیں اور میجر صاحب موصوف آپکے ساتھ فرودگاہ تک پہنچانیکے لئے تشریف لے گئے۔

صاحبزادہ یاور حسین خانصاحب چونکہ گورنر صاحب بہادر بمبئی کے آنریری ایڈیکانگ ہیں اس لئے آپ ۲۵ر نومبر کو پالن پور سے بمبئی تشریف لے گئے۔ ورود شہنشاہی کے وقت اور شہنشاہ کے قیام بمبئی کے زمانہ میں آپ اپنی مفوضہ ڈیوٹی پر تھے۔ بعدازاں ۵ر دسمبر کو متھرا ناگدہ ریلوے سے براہ راست دہلی تشریف لاکر ہز ہائنس سے مل گئے۔

ریاست پالن پور کا کیمپ، کنگز وے اسٹیشن کے قریب با رؤسائے احاطہ بمبئی کے کیمپوں کے درمیان واقع تھا اور عجیب بارونق تھا۔ اگرچہ اس دفعہ تمام ریاستوں کو کیمپوں کے لئے بالکل ہی تلی زمینیں ملی تھیں لیکن اپنی اپنی شان و شوکت دکھانیکے لئے ہر رئیس نے جنگل میں منگل کر دکھانے میں پوری کوشش صرف کی تھی۔ ہز ہائنس کا کیمپ گو کسیقدر سادہ تھا مگر اسی سادگی میں ولیعہد بہادر کی سلیقہ شعاری نے جو شان پیدا کر دی تھی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔

۴ر دسمبر کو کشمیر السکلنگ ٹورگون ٹیم کے ساتھ صاحبزادہ طالع محمد خان بہادر ولیعہد ریاست کا پولو میں آخری مقابلہ تھا اور افسوس کہ اس میں یورپین ٹیم کامیاب ہوئی۔

۵ر دسمبر کو آزمائشی جلوس نکلا اور تقریباً وہی سلسلہ شکوہ دکھلایا گیا جو حضور شہنشاہ معظم کے موکب اقبال کے جلو میں ہونیوالا تھا۔ اس آزمائشی جلوس کا اہتمام حضور گورنر جنرل بہادر نے کیا تھا جو اسی روز صبح

کے دس بجے مبئی سے رونق بخش دہلی ہوئے تھے اور سلیم گڑھ کے اس جدید اسٹیشن پر اُترے تھے، جو خاص طور پر اعلیٰ حضرت اقدس قیصرِ ہند کے لئے قلعے سے ملحق بنایا گیا تھا۔

۱۱ر دسمبر کو ایمفی تھیٹر (مقام دربار) میں آزمائشی دربار ہوا اور جو رسوم دربار کے موقع پر عمل میں آنیوالی تھیں، انکا ریہرسل کیا گیا۔

۷ر دسمبر کو اعلیٰ حضرت اقدس قیصرِ ہند مع شہنشاہ بیگم تشریف فرمائے دہلی ہونیوالے تھے اور چونکہ تمام رؤسائے ہند کا اپنے اپنے کیمپوں سے استقبال کے لئے اسٹیشن پر جانا اور جلوس کے ساتھ نکلنا قرار پا چکا تھا اس لئے ہز ہائنس نے مناسب سمجھا کہ ۶ر دسمبر کی شام ہی کو کوٹھی سے کیمپ میں چلے جائیں اور وہیں استراحت فرمائیں تاکہ تمام رؤسا کے ہمراہ اسٹیشن پر جانے میں سہولت ہو چنانچہ رات کو اپنے کیمپ میں آرام فرمایا اور علی الصباح قلعہ کی طرف روانہ ہوئے۔

دس بجے ٹھیک ورود موکب اقبال ہوا۔ شاہی داخلہ کے وقت تین دفعہ توپ ایکسو ایک توپ کی سلامی سر ہوئیں اور شہر میں ان گزرگاہوں پر جہاں سے موکب والا گزرنے والا تھا، جو لشکر دو رویہ صف بستہ کھڑا تھا اس نے بھی تین بار بندوقوں کی سلامی دی۔ اعلیٰ حضرت اقدس کے اترتے ہی گورنروں، لفٹنٹ گورنروں اور رؤسائے ہند کی سواریوں کا جلوس ترتیب دیا گیا قلعہ میں جو شامیانہ نصب تھا اس میں تمام والیان ریاست ہائے ہند کا تعارف سر ہنری میکموہن صاحب بہادر فارن سکرٹری گورنمنٹ انڈیا نے کرایا۔ اور ساڑھے گیارہ بجے جلوس قلعہ معلیٰ سے روانہ ہوا۔

جلوس ہمایوں قلعے سے نکل کر خاص بازار، مسجد جامع، چاندنی چوک، فتحپوری، اسٹیشن روڈ، ڈفرن برج اور موری دروازہ وغیرہ کی سڑکوں سے گزرتا ہوا فتح ٹیکری پر پہنچا۔ یہاں پہنچکر اعلیٰ حضرت اقدس قیصر و قیصرۂ ہند شہنشاہی کیمپ میں تشریف لے گئے۔ گورنر صاحبان وغیرہ پہلے سے اس مقام پر آگئے تھے۔ جلوس آہستہ آہستہ گزرنا شروع ہوا۔ بڑے بڑے والیان ریاست جب اپنی اپنی چوکڑیوں پر بیٹھے ہوئے گزرتے

توچھیڑ دیے جاتے تھے۔ اس موقع پر یہ لکھنا مسرت سے خالی نہ ہوگا کہ جس وقت ہز ہائنس کی چوکڑی گزری ہے تو پبلک نے آپ کی بیدار مغزانہ ہر دلعزیزی کے سبب بڑے زور سے چھیڑ دیئے۔

جلوس شاہی میں سب سے پہلے گورنروں۔ لفٹنٹ گورنروں اور لیڈی ہارڈنگ صاحبہ کی علی الترتیب چوکڑیاں تھیں۔ بعدازاں اعلیٰ حضرت اقدس قیصر ہند ایک سیاہ گھوڑے پر سوار خراماں خراماں تشریف لے جارہے تھے۔ آپ کے گھوڑے کے پیچھے ہی علیا حضرت شہنشاہ بیگم چوکڑی میں جلوہ فرما تھیں۔ رعایا بڑے جوش وخروش کے ساتھ خوشی کے نعرے ماررہی تھی اور آپ نہایت خندہ پیشانی سے دوردیہ گردن کے اشارہ سے اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتی جاتی تھیں۔

علیا حضرت قیصرۂ ہند کی چوکڑی کے بعد ہز ہائنس نظام حیدرآباد۔ مہاراجہ صاحب بڑودہ۔ مہاراجہ صاحب میسور۔ مہاراجہ صاحب جموں وکشمیر۔ مہاراجگان راجپوتانہ۔ مہاراجگان وسط ہند۔ والیان ریاستہائے صوبہ مدراس والیان ریاستہائے صوبہ بمبئی۔ والیان ریاستہائے بنگال۔ والیان ریاستہائے صوبہ متحدہ اور والیان ریاستہائے پنجاب وغیرہ وغیرہ سلسلہ وار اپنی اپنی مزین ومزیب سواریوں میں شامل جلوس تھے۔

احاطۂ بمبئی کے رؤسا کی ترتیب حسب ذیل تھی۔ (۱) کولھاپور۔ (۲) کچھ۔ (۳) ایڈر۔ (۴) خیرپور۔ (۵) پالن پور۔ (۶) جام نگر۔ (۷) بھاؤنگر۔ (۸) درانگدرہ۔ (۹) راج پیپلہ۔ (۱۰) کھمبایت۔ (۱۱) رادھن پور۔ (۱۲) گونڈل۔ (۱۳) جنجیرہ۔

اس دربار میں ہز ہائنس کی نشست کا درجہ دو والیان ریاست یعنی جام صاحب جام نگر اور مہاراجہ صاحب بھاؤنگر سے دستور مروجہ قدیم کے خلاف بالاتر تھا۔ گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعزاز ایسا ممتاز پہلو لیے ہوئے ہے جو والیان ریاست پالن پور میں سے ہز ہائنس کے سوا کسی کو کبھی نصیب نہیں ہوا۔ اللھم زد فزد۔ علاوہ دربار اعلان تاجپوشی کے جس قدر جلسے وغیرہ ہوئے ہیں۔ ان سب میں بمبئی پریسیڈنسی کے رؤسا کی نشست اور درجہ کا وہی التزام تھا جس کی ترتیب اوپر دی گئی۔

ہز ہائنس چونکہ بہت زیادہ سادگی پسند ہیں اس لیے جلوس میں بھی آپ نے شوکت نمائی سے

گریزکی - باڈی گارڈ کے صرف چار سوار آپ کی چوکڑی کے آگے اور دس سوار پیچھے تھے۔ گاڑی میں آپ کے برابر ولیعہد بہادر اور سامنے چھوٹے صاحبزادہ صاحب اور مدار المہام ریاست تھے۔ دوسری گاڑی میں ہیتانی دوست محمد خان عرف ڈوسو میاں (خسر پورہ ہزہائنس) داوے زئی پٹھان سورم خان ولد شجاعت خان جاگیردار موضع وینیا اور پٹواری نارائن داس سال داس ریونیو کمشنر اور تیسری گاڑی میں ہیتانی فیروز خان ولد محمد خان، جاگیردار موضع چھینانہ - ڈاکٹر کاشی ناتھ دہونڈو پنت سپور رہن چیف میڈیکل آفیسر اور ہزاد محمد ولد لال میاں پولس کا مدار سوار تھے - تقریباً ڈیڑھ بجے یہ جلوس فتح ٹیکری سے گزر چکا تھا جس کے گزر جانے کے بعد رُوسا اپنے اپنے کیمپوں میں چلے گئے۔

اسی روز یعنی ۷ دسمبر کی شام کو اعلیٰ حضرت اقدس نے بڑے بڑے والیان ریاست کو اپنی ملاقات کا اعزاز بخشا اور ملاقات بازدید کی رسم آپ کی طرف سے نواب گورنر جنرل بہادر ہند نے ادا فرمائی۔

۸ دسمبر کو دن کے تین بجے شہنشاہ معظم نے اپنے دست مبارک سے دی آل انڈیا کنگ ایڈورڈ میموریل کا بنیادی پتھر شہر اور قلعہ کے درمیانی میدان میں رکھا۔ اس موقع پر تمام رُوسائے ہند اور حضور معلیٰ شریک جلسہ ہوئے تھے۔

۹ دسمبر اعلیٰ حضرت اقدس سے ہزہائنس کی ملاقات کی تاریخ تھی۔ پالن پور کے پولیٹکل ایجنٹ صاحب چونکہ شریک دربار نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ان کی ڈیوٹی کا کام کرنل ایبٹ صاحب پولیٹکل ایجنٹ بھج انجام دینے پر مامور کئے گئے تھے۔ چنانچہ ہزہائنس مع مدار المہام ریاست پٹھان سورم خان اور سندھی جگتاجی ولد ابراہیم خان جاگیردار ڈانگیہ کے کرنل ایبٹ صاحب کے ہمراہ حضور شہنشاہ معظم کے کیمپ میں تشریف لے گئے۔ گارڈ آف آنر نے سلامی دی اور اس عالیشان خیمہ میں بٹھائے گئے جسکے اندرونی حصہ میں ایک اور شاہی خیمہ نصب تھا جہاں اعلیٰ حضرت اقدس جلوس فرما تھے۔

ٹھیک دس بجے سر ہنری میکموہن صاحب بہادر ہزہائنس کو شہنشاہ معظم کے حضور میں لے گئے۔

شہنشاہِ معظم نے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور داہنی طرف کرسی پر بیٹھنے کا اعزاز بخشا۔ بیس منٹ تک نہایت اخلاق کے ساتھ شوقیہ گفتگو فرمائی۔ دوران گفتگو میں اعلیٰ حضرت اقدس نے آئندہ کسی مناسب موقع پر ہندوستان آکر اپنے وفادار رؤسائے ہند سے ملاقات حاصل کرنے کا اشتیاق ظاہر فرمایا۔ اس گفتگو کے بعد اعلیٰ حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے ہزہائنس کے گلے میں زرتار ہار ڈالا اور رخصتی مصافحہ کیا۔ باہر آکر ہزہائنس مع اپنے ہمراہیوں اور ایبٹ صاحب کے جو باہر کے خیمہ میں بیٹھے ہوئے تھے بگی میں سوار ہوئے اور گارڈ آف آنر کی سلامی لیتے ہوئے اپنے کیمپ کو مراجعت فرمائی۔

اسی تاریخ ۱۱ بجے حضرت مستطاب اشرف گورنر جنرل بہادر ہزہائنس سے ملاقات بازدید کے لئے پالن پور کے کیمپ میں تشریف لائے۔ داخل کیمپ ہوتے ہی انگلش بینڈ اور گوروں کی پلٹن نے سلامی دی۔ ملاقات بازدید کے انتظامات میں یہ امر بھی داخل تھا کہ جب رئیس سے گورنر جنرل بہادر اعلیٰ حضرت اقدس کی طرف سے ملاقات کے لئے تشریف لیجاتے تھے وہاں سرکاری بینڈ اور گوروں کی پلٹن سلامی کے لئے موجود ہوتی تھی۔ ہزہائنس اور صاحبزادگان والا وغیرہ نے گاڑی تک استقبال کیا اور نشست کے خیمہ میں لا کر ایک طلائی کوچ پر بٹھایا۔ اس کوچ پر جانب راست نواب گورنر جنرل بہادر اور جانب چپ ہزہائنس تشریف فرما تھے۔ کوچ کے دائیں طرف کرسیوں پر فارن سکرٹری۔ ملٹری سکرٹری۔ پرائیویٹ سکرٹری اور دوسرے تین یورپین اور دو ڈیوٹی افسر متمکن تھے۔ بائیں جانب کرنل ایبٹ صاحب۔ ہر دو صاحبزادگان والاتبار۔ مدار المہام ریاست دوست محمد خان عرف ڈوسو میاں۔ پٹھان سورم خان۔ سپاہی فیروز خان اور بخواری نارائن داس بیٹھے ہوئے تھے۔ صاحبزادگان اور حاضر الوقت اعیان ریاست نے حضرت مستطاب کو ایک ایک اشرفی نذر دکھائی جو ہاتھ لگا کر واپس کر دی گئی۔

حضرت مستطاب اشرف نے دوران گفتگو میں ریاست کی انتظامی حالت پر اطمینان کا اظہار فرمایا اور کیمپ کے خوش قطع ہونے کی عمدہ الفاظ میں تعریف کر کے دفعۃً دو نفیس خیموں میں آگ لگ جانے کے سبب

ریاست کو جو نقصان اٹھانا پڑا اس پر تاسف ظاہر کیا۔ رخصت کے وقت حسب دستور پھولوں کے ہار اور گلدستے پیش کئے گئے اور یہ ملاقات بازدید نہایت خیر و خوبی کے ساتھ انجام پذیر ہوئی۔

آج ہی تین بجے کے بعد شام کو پولو اور فٹ بول کے بڑے بھاری مقابلے تھے۔ مہاراجہ صاحب بہادر کشن گڑھ اور سشم انسکلنگ ڈرگون ٹیم کے درمیان پولو کا مقابلہ ہوا۔ اعلیٰ حضرت اقدس شہنشاہ معظم، تمام رؤسائے ہند اور ہزار ہا تماشائی موجود تھے۔ ہز ہائنس بھی شریک جلسہ ہوئے تھے۔ پولو کا یہ مقابلہ بڑے زور و شور کا تھا۔ عین دوا دوش میں مہاراجہ کشن گڑھ کا ایک پلیر گھوڑے سمیت گرا اور بیہوش ہو گیا۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ خود مہاراجہ صاحب بھی گر پڑے۔ خیر یہ ہوئی کہ چوٹ زیادہ نہ لگی تاہم کھیل بگڑ گیا اور افسوس کہ مہاراجہ صاحب بہادر کی ٹیم یورپین ٹیم کے مقابلہ میں ناکام رہی۔

۱۲ دسمبر کو دربار اعلان تاجپوشی کا مبارک دن تھا۔ پروگرام کے موجب پالن پور کیمپ سے وہ تمام اہلکاران و اعیان ریاست جو شریک دربار ہونے والے تھے، نو بجے ہی ایمفی تھیٹر کی طرف روانہ ہوئے اور دربارگاہ میں پہنچ کر اپنی اپنی مقررہ کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ دس بجے تک ہز ہائنس بھی دوسرے تمام والیان ریاست کے ساتھ ساتھ ایرینہ میں داخل ہوئے۔ ادائے رسوم دربار کی تیاریاں ہونے لگیں۔ ہر شخص چشم براہ اور گوش برآواز تھا کہ اتنے میں داخلہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے اعلیٰ حضرت اقدس قیصر ہند کے ملازمان حضوری اور جناب وزیر ہند بہادر تشریف لائے۔ پھر حضرت مستطاب اشرف نواب گورنر جنرل اور لیڈی ہارڈنگ صاحبہ رونق افروز ہوئیں۔ ایک ہندوستانی اور ایک انگریزی سواروں کا رسالہ آپ کی اردلی میں تھا۔ بعد ازاں ٹھیک بارہ بجے اعلیٰ حضرت اقدس قیصر اور قیصرۂ ہند کی سواری شوکت نما ہوئی۔ دو میر آخور حضوری گھوڑوں پر، ایک انگریزی رسالہ، ایک شاہی توپخانہ اسپی، باڈی گارڈ، امپیریل کیڈٹ کور اور ایک رسالہ ہندوستانی سواروں کا جلو میں تھا۔ مقام دربار عالیہ میں داخل ہوتے ہی ایکسو ایک توپ کی سلامی سر ہوئی اور درباری شامیانہ میں پہنچنے کے بعد شاہی جھنڈا کھڑا کیا گیا۔ گارڈ آف آنر اور تمام موجودہ

افواج کی طرف سے شاہی سلامی ادا کی گئی اور کل باجہ والوں نے مل کر ملی ترانہ بجایا۔

اعلیٰحضرت اقدس قیصر وقیصرۂ ہند کے صحن میں داخل ہوتے ہی تمام حاضرین تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے اور جب تک حضرات ممدوح نے تخت ہمایونی پر نزول اجلال نہیں فرمایا سب مودب کھڑے رہے۔ شہنشاہ معظم کے تخت پر تشریف فرما ہونیکے بعد باجہ والوں کے ڈہل وقرنا بجنے لگے۔ یہ گویا دربار کے افتتاح کی علامت تھی۔ دربار کی کارروائی شروع ہوتے ہی حضرت مستطاب اشرف گورنر جنرل ہند۔ قائم مقامان علاقہ انگریزی اور والیان ریاستہائے ہندوستانی وغیرہ نے حسب ترتیب مقررہ باری باری سے آداب کورنش بجا کر اظہار اطاعت کیا۔

مراسم کورنش ادا ہونے کے بعد اعلیٰحضرت اقدس قیصر وقیصرۂ ہند جلوس کے ساتھ شامیانہ سے تالار (رائل پویلین) کو تشریف فرما ہوئے جہاں شاہی نقیب نے حسب الحکم سلطانی ۲۲ رجون ۱۹۱۱ء کو لندن میں دربار تاجپوشی کی رسومات متبرکہ کے اداہونیکا اعلان انگریزی میں پڑھ کر سنایا جسکا ترجمہ اُردو میں نائب نقیب شاہی نے پڑھا۔ ہر طرف سے سلامی ہوئی۔ ترانہ ملت بجا اور اکیسوایک اتواپ سر کی گئیں۔ شاہی سلامی سر ہونے کے بعد نواب گورنر جنرل ہند نے اعلیٰحضرت اقدس کے فرمان کا اعلان کیا اور نعرہائے خوشی ہر طرف سے بلند ہوئے۔ بعدازاں اعلیٰحضرت قیصر وقیصرۂ ہند نے پہلے کی طرح درباری شامیانہ میں مراجعت فرمائی اور اپنی زبان مبارک سے ایک تقریر کی جسکا ماحصل یہ تھا کہ

"آئندہ سے کلکتہ کی جگہ دہلی ہندوستان کا دارالسلطنت قرار دیا گیا"

وغیرہ وغیرہ اور دربار ختم ہوا۔

ایمفی تھیٹر نہایت وسیع پیمانہ پر بنایا گیا تھا۔ نشست کے لئے بہت سے بلوک تھے اور ہر بلوک میں متعدد کرسیاں رکھی گئی تھیں۔ باہر کے حصہ میں جا بجا خوبصورت گملے وغیرہ لگا کر نہایت خوشنما اور دلکش منظر بنایا گیا تھا۔ اس دربار گاہ کے سامنے درباری شامیانہ نصب تھا اور اسکے وسیع صحن میں سڑکیں بنا کر ان کے

دونوں طرف دوب لگائی گئی تھی۔ ایرینہ کے سامنے تمام تماشائیوں اور طالب علموں کے لئے پشتہ بندی کر کے نشستگاہ بنائی گئی تھی، جہاں ہزارہا آدمی بیٹھے ہوئے نظر آتے تھے۔

ہز ہائنس کی اردلی کے لئے انگریزی رسالہ کے سوار آئے تھے جو دربار میں آنے اور جانے کے وقت جلو میں تھے اور آپ کی نشست ایرینہ کے بلوک (ایچ) میں تھی۔ گورنر صاحب بہادر بمبئی بھی اسی بلاک میں تشریف فرما تھے۔ صاحبزادہ یاور حسین خان صاحب گورنر صاحب بہادر بمبئی کے آنریری ایڈیکانگ ہونیکی حیثیت سے گورنری اسٹاف کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔

ریاست پالن پور کو تین پاس ایرینہ کی نشست کے اور اٹھارہ پاس مونڈ (پشتہ بندی) کے گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے دئے گئے تھے۔ رئیسوں کی نشست نہایت اعزاز بخش اور عزت افزا تھی۔ روسائے ہند کی نشست کے لئے جو کرسیاں دربارگاہ میں رکھی گئی تھیں وہ ریاستوں کے خرچ سے گورنمنٹ نے اپنے زیراہتمام تیار کرائی تھیں۔ ہر کرسی پر ریاست کا الگ الگ اور بالکل ممیز مونوگرام بنا ہوا تھا۔ دربار ختم ہونیکے بعد وہ کرسیاں ریاستوں کو بھیجدی گئیں۔

اسی روز رات کو شاہی کیمپ پر تمام روسائے ہند وغیرہ کو شاہی دعوت دی گئی۔ اس موقع پر ہز ہائنس ناسازیٔ مزاج کے سبب شریک دعوت نہ ہو سکے۔ یہ دعوت جس شان و شوکت کی تھی اسکے لئے صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ شہنشاہ ہندوستان و انگلستان میزبان اور والیان ریاستہائے ہند مہمان تھے۔

۱۳ر دسمبر کی شام کو قلعہ میں گارڈن پارٹی ہوئی۔ ہز ہائنس مع ہر دو صاحبزادگان والا اور اعیان ریاست شرکت کے لئے تشریف لے گئے۔ قلعہ کے نیچے بیلے کے میدان میں شاہی میلہ کی رونق قابل دید تھی۔ پانچ بجے کے قریب مثمن برج کے جھروکوں میں بیٹھ کر اعلیٰ حضرت اقدس نے عام رعایا کو اپنا درشن دیا اور دیدار فیض آثار سے ہر متنفس کو شاد کام فرمایا۔

۱۴ر دسمبر کو صبح کے دس بجے تمام لشکر کا ریویو تھا۔ ہز ہائنس اور کل ہمراہی اس ریویو کی سیر کے لئے

تشریف لے گئے۔ بارہ بجے فوجی طاقت کا معائنہ ختم ہوا۔

اسی دن اعلیٰ حضرت اقدس نے براہ عنایت خسروانہ اپنے ایک اے ڈی کانگ کو کیمپ میں بھیج کر ہز ہائنس کی خیر و عافیت دریافت کرائی اور بار دیگر اپنی تشریف آوری دہلی کی یادگار کے طور پر اپنی اور علیا حضرت قیصرۂ ہند کی نہایت خوبصورت عکسی تصویر ارسال فرمائی۔ اس مبارک تصویر کا فریم (چوکھٹا) لندن کی اعلیٰ صنعت کا نمونہ ہے۔ یہ تصویر ریاست کے مرقع خانہ کی سرتاج سمجھی جائیگی۔

اسی شب کو عطائے خطابات کا دربار شہنشاہی کیمپ میں منعقد ہوا جس میں تمام رؤسا اور والیان ریاستہائے ہند اور معززین ملک شریک تھے خطابات کی سندیں عطا ہوئیں چونکہ یہ خطابات کا دربار تھا اس لیے ہز ہائنس نے بھی جی۔ سی۔ آئی۔ ای کا روب (قبا) زیب تن فرمایا تھا اور اس معزز خطاب کا نشان (تمغہ) بھی قبا کے اوپر لگا رکھا تھا چھوٹے صاحبزادہ صاحب آپ کے پیج (قبا بردار) مقرر کیے گئے تھے۔

۱۵ دسمبر کو صبح کے ساڑھے نو بجے گورنمنٹ ہوس کا سنگ بنیاد اعلیٰ حضرت اقدس نے اپنے دست مبارک سے رکھا لیکن ہز ہائنس ناسازی طبع کی وجہ سے شریک جلسہ نہ ہوسکے۔ اسی روز دن کے ایک بجے فوجی کرتبوں کا معائنہ ہوا۔ افسوس کہ اس موقع پر بھی ہز ہائنس شرکت سے معذور رہے۔

۱۶ دسمبر اعلیٰ حضرت قیصر و قیصرۂ ہند کی دہلی سے روانگی کی تاریخ تھی۔ تمام والیان ریاستہائے ہند کی طرح ہز ہائنس بھی دس بجے الوداعی سلام کے لیے شاہی کیمپ میں تشریف لے گئے۔ اعلیٰ حضرت اقدس نے سب رؤسا سے کھڑے ہو کر مصافحہ کیا اور رخصتی مراسم ادا ہوئے۔ اسی روز اعلیٰ حضرت اقدس تو اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر نیپال کی طرف روانہ ہوئے اور علیا حضرت شہنشاہ بیگم جانب آگرہ رخصت فرما ہوئیں اعلیٰ حضرت کی مشایعت کے لیے کوئی رئیس اسٹیشن پر نہیں بلایا گیا تھا اور اسطرح یہ شہنشاہی دربار نہایت خیر و خوبی اور بیحد امن و امان کے ساتھ ختم ہوا۔

۱۹ ؍ دسمبر کی شام کو چار بجے ہز ہائنس مع ہر دو صاحبزادگان والا اور اکثر اعیان ریاست کے اسپیشل ٹرین میں سوار ہو کر ۲۰ ؍ دسمبر کو شام کے سوا چار بجے رونق افروز دار الریاست ہوئے۔ استقبال کے لئے لفٹنٹ کرنل ایچ۔ ڈی میری وید ہر صاحب پولیٹکل ایجنٹ پالن پور۔ اہلکاران ریاست۔ افسران ایجنسی اور رعایائے شہر میں سے بے شمار آدمی اسٹیشن پر موجود تھے اور یہ ہز ہائنس کی رعایا پروری ہر دلعزیزی اور کرم نمائی کا ایک ادنیٰ کرشمہ تھا۔[۱۵]

دہلی دربار کا یہ موقع احباب پرست اور دوست نواز دنیا کے لئے ایک نعمت تھا۔ دور دور سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے اور ایک مقناطیسی کشش تھی کہ امیر و غریب۔ شاہ و گدا اور برنا و پیر کو کھینچے لاتی تھی۔ تمام روسا۔ کل والیان ریاستہائے ہند جملہ مشاہیر ملک کا مجمع تھا۔ ہز ہائنس کی ملنسار طبیعت اور سوسائٹی پسند مزاج کے لئے ایک دل پسند موقع مل گیا۔ آپ اپنے تمام قدیم و جدید احباب سے ملے محبت و ارتباط کی تجدید کی اور خوب خوب لطف ملاقات اٹھایا۔ علاوہ ان روسا اور والیان ریاست کے جن کو ہز ہائنس کے ساتھ قدیم یا جدید تعلقات دوستانہ حاصل ہیں، نواب صاحب بہادر والی ٹونک مہاراجہ صاحب بہادر

---

[۱۵] اگرچہ میں بذات خود ہز ہائنس کی ہمرکابی میں دہلی گیا تھا لیکن کثرت مشاغل سے اسقدر عدیم الفرصتی رہی کہ دہلی دربار کے متعلق میں نے جو کچھ دیکھا اسکی یادداشت لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ میں اپنے دوست گنپت رام شیو رام محرر حضور منشی اور مسٹر بندرابن داس ہرگوبند داس شستہ دار مجسٹریٹی کا تہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے مجھے اپنی وہ بیاض عنایت فرمائی جس میں ان دونوں حضرات نے دہلی دربار کے متعلق چشم دید واقعات بطور یادداشت کے لکھ لئے تھے اور اسی بیاض پر سے میں نے دہلی دربار کے حالات و واقعات کا اکثر حصہ قلمبند کیا ہے۔ علی ہذا القیاس میرے محترم دوست کوٹھاری چمن لال کی عنایتوں اور تکلیف فرمائیوں کا شکریہ ادا کرنا بھی واجبات سے ہے کہ تاریخ پالن پور کی تالیف و تدوین کی نسبت دفاتر سرکاری سے جن جن حالات کے بہم پہنچانے کی ضرورت ہوتی رہی اسکو کوٹھاری صاحب نے پورا کیا۔ مسٹر چمن لال نے اپنے وفادارانہ برتاؤ اور سلامت روی سے ہز ہائنس کی نظروں میں بہت کچھ وقعت پیدا کی ہے اور آپ کوٹھاری مگن بھائی اوجم بھائی فرسٹ کلاس مجسٹریٹ کے لائق اور ہر دلعزیز صاحبزادہ ہیں۔ ۱۲ ۔ لمولفہ

والیِ جھالاواڑ (جھالراپاٹن) مہاراجہ صاحب بہادر والی کوٹہ اور میر صاحب بہادر والیِ خیرپور (سندھ) سے بھی جدید طور پر دوستانہ مراسم قائم ہوئے۔

خاص دارالریاست پالن پور اور تمام پرگنہ جات میں بھی ہز ہائنس کے حکم سے ۱۲ دسمبر کو شہنشاہی دربار کے اعزاز میں بڑے تپاک اور جوش وفاداری کے ساتھ خوشی کے جلسے ترتیب دیے گئے تھے۔ ریاست کی طرف سے غربا و محتاجین کو کھانا کھلایا گیا۔ مدرسہ کے لڑکوں کو مٹھائی تقسیم ہوئی اور رات کے وقت شہر میں عام طور پر روشنی کی گئی۔ غرضکہ ریاست و رعایا نے اظہار مسرت کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔

(عالیجناب ولیعہد بہادر زید اللہ حشمتہم نے براہ قدر دانی میری ناچیز تالیف یعنی تاریخ پالن پور کے متعلق اپنے دست قلم خاص سے یہاں کی ملکی زبان گجراتی میں جو تقریظ لکھ کر اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔ اسکا اُردو ترجمہ ناظرین کی واقفیت کے لئے درج ذیل کیا جاتا ہے)

ابتداً مولوی رحمت میاں صاحب نے تاریخ پالن پور کی بنیاد قائم کی لیکن اسکو منشی سید گلاب میاں نے اُردو زبان میں مرتب و مکمل کر کے شائع کیا ہے۔ اس مہتم بالشان کام کے متعلق انھوں نے جو محنت و جفاکشی گوارا کی ہے اسکی نسبت میرے والد بزرگوار نے قدر افزائی کے طور پر جو الفاظ تحریر فرمائے ہیں وہ مناسب حال ہیں اور حضور ممدوح کی رائے سے مجھے پورا پورا اتفاق ہے۔ امید ہے کہ ہزہائنس کے یہ دستخطی الفاظ گلاب میاں کی قابلِ قدر خدمات کی یاد ہمیشہ دلاتے رہیں گے۔

غالباً اس امر کے اظہار کی ضرورت نہیں ہے کہ اُردو زبان میں اس تاریخ کے چھپ کر شائع ہونے کا میں کس قدر آرزومند اور متمنی تھا اور آج میں بے انتہا خوش ہوں کہ گلاب میاں اپنی مساعی جمیلہ میں نہایت فتحمندی کے ساتھ کامیاب ہوئے۔ میں پالن پور کی اس اُردو تاریخ پر سے گجراتی (ملکی) زبان میں جو تاریخ تالیف کر رہا ہوں وہ بھی انشاءاللہ عنقریب شائع ہوگی۔

ریاست پالن پور ایک ایسی ریاست ہے جسکے حکمرانوں کا خاندان شیخ جالور کے بعد آجتک یعنی تخمیناً پانسو برس سے اول درجہ کی اسلامی ریاستہائے ہند کے زمرہ میں ایک ہی باپ کی اولاد میں چلا آتا ہے۔ نظر براں عوام کی واقفیت کے لئے اس کتاب کا انگریزی ترجمہ شائع کرانے کا میں نے جو ارادہ کیا ہے اس میں خدا مجھے کامیابی عطا فرمائے۔ آمین۔

اخیر میں مجھے کہنا چاہئے کہ گلاب میاں کی محنت شاقہ کا میں بدل معترف ہوں اور علانیہ کہتا ہوں کہ تاریخ ہٰذا کی تکمیل کا اعزاز انہی کے لئے زیبا ہے۔

فتح محل ۲۳ / جنوری سنہ ۱۹۱۲ء یوم سہ شنبہ	ترقی خواہ ریاست و رعایا (دستخط) طالع محمد خاں

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ لکھنوی اڈیٹر "دلگداز" و مصنف ملک العزیز ورجینا ۔ منصور موہنا ۔ فردوس بریں ۔ ایّام عرب وغیرہ وغیرہ

فن تاریخ کی ایجاد یونانیوں سے ہوئی اور مسلمانوں نے اسکو زندہ کر دیا ۔ لیکن جو عروج اس فن کو ترقیوں کے اس جدید عہد میں خاصۃً برطانیۂ عظمٰی کے پرچم اقبال کے سایہ میں ہوا، کبھی نہیں ہوا تھا ۔ اسی تاریخی تحقیق و تنقید کی بدولت آج کل اگلوں کے گڑے خزانے نکلتے آتے ہیں اور علم کی روشنی میں وہ تمام چیزیں چمک چمک کے نمایاں ہوتی جاتی ہیں جو پردۂ خفا میں پوشیدہ ہو کے فنا ہو چکی تھیں ۔

اگرچہ ہندوستان کی تاریخ صدہا مصنّفین کی کوششوں سے مدوّن اور منضبط ہو گئی ہے مگر پھر بھی بیحد گنجائش باقی ہے کیونکہ اس سرزمین مینو آئین کا ہر ہر قطعہ ایک خاص قسم کی شاندار تاریخ اور خصوصیات رکھتا ہے جنکا آشکارا کیا جانا ضروری و لازمی ہے اور سچ یہ ہے کہ ہندوستان کی اصلی اور سچی تاریخ اسی دن مکمل ہو گی جس دن ہر حصہ ہند کی جدا جدا تاریخیں وہاں کی مقامی کوششوں سے مرتب و مدوّن ہو جائیں گی ۔ سرکاری طور پر گزٹیروں کی تالیف میں اس امر کی بالتخصیص کوشش کی گئی ہے مگر وہ کوشش باوجود بیحد اہتمام کے ابھی بہت کچھ ناتمام اور غیر مکمل ہے ۔ لہذا جو حضرات اپنے وطن کی تاریخ کے انضباط میں سعی بلیغ فرماتے ہیں وہ ملک و قوم پر بہت بڑا احسان کرتے اور فی الحقیقت اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کے لئے اعلٰی درجہ کا قابلِ اعتماد مواد اور سامان فراہم کرتے ہیں اور زمانہ ہمیشہ ان کا زیر بار احسان رہے گا کیونکہ یہ جدا جدا کڑیاں ہیں جن کے ایک دن باہم مرتب ہو جانے سے ساری ملک کی تاریخ مکمل ہو جائے گی ۔

اس بارۂ خاص میں سب سے زیادہ ممتاز نمایاں کوشش منشی سید گلاب میاں صاحب میر منشی و میر عمارت ریاست پالن پور سے اپنے وطن مالوف پالن پور کی تاریخ مرتب و منضبط کرنے میں ظاہر ہوئی ہے ۔ اس تاریخ کا مواد اور سامان ان کے خالو اور استاد مولانا مولوی سید رحمت میاں مرحوم نے جمع کیا تھا لیکن اسے موجودہ کتاب کی صورت میں سید گلاب میاں صاحب ہی لائے ہیں ۔ اس ضخیم کتاب کو جو "تاریخ پالن پور" کے نام سے نامزد ہے میں نے سوا تھوڑے آخری حصہ کے اول سے آخر تک دیکھا اور

ہر حیثیت سے اعلیٰ درجہ پر پایا۔ واقعات کے مرتب کرنے۔ انہیں سلجھا کے بیان کرنے اور ملک و قوم کا ایک مکمل مرقع بنا کے نظر کے سامنے پیش کر دینے میں قابل مصنف صاحب نے جو سلیقہ دکھایا ہے حیرت انگیز ہے۔ اور اس سے بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والا اس کتاب کا لٹریچر ہے میں نہیں جانتا کہ کوئی کتاب ابھی اس وقت تک بلندی ہند اور اردو کے اصلی مرکزوں سے ہٹ کے کسی اور جگہ لکھی گئی ہو اور اسکی زبان ایسی شستہ و رفتہ۔ الفاظ ایسے خوبصورت۔ بندشیں ایسی چست اور لٹریچر ایسا پختہ اور پاکیزہ ہو جیسا کہ اس کا ہے۔ میں نے باوجود بہت غور کرنیکے اس میں نہ کہیں کوئی ادبی لغزش پائی اور نہ کوئی ایسی بات نظر آئی جو کسی فاضل و قابل مصنف کے اعلیٰ مذاق اور اسکی متانت کے خلاف ہو۔ اس تاریخ سے بہت سی اور بھی ایسی باتیں معلوم ہوئی ہیں جن کے معلوم ہونے کی تمام مسلمانوں کو ضرورت ہے۔ مثلاً سید محمد جونپوری کے سچے واقعات اور فرقہ مہدویہ کے اصلی خیالات اور عقائد و حالات۔ مہدوی پٹھان جو سارے جنوبی ہند میں پھیلے ہوئے ہیں اسوقت تک ایک پُر اسرار گروہ بنے ہوئے تھے۔ اس کتاب کے دیکھنے کے بعد ان کی ساری حالت مختصر الفاظ میں ایسی معلوم ہو جاتی ہے کہ پھر کسی بات کے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

اس تاریخ کے دیکھنے سے اس بات کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں ریاست پالن پور ہی ایک ایسی ریاست ہے جو دولت مغلیہ سے پیشتر قائم تھی اور اس زمانہ سے آجتک اپنی اسی پُرانی حالت پر چلی آتی ہے۔ دراصل اس کتاب کے ذریعہ سے ہمیں ہندوستان کے دور اولین اسلام کا ایک بہت پرانا قابل قدر تبرک مل گیا جسکی ہمیں بڑی قدر کرنی چاہیے۔ کیونکہ ہم کو مطلقاً خبر نہ تھی کہ ہندوستان میں آج بھی کوئی ایسی حکومت موجود ہے جو نظام شاہوں۔ بریدشاہوں اور پرانے مسلمان سلاطین گجرات کی معاصر رہ چکی ہے۔

اس کتاب کی چھپائی بھی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے اور بعینہٖ شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی کی کتاب تمدن عرب کا نمونہ ہے جس سے اسکی خوبصورتی اور بے مثل چھپائی کا پورا اندازہ ہوسکتا ہے۔ اسمیں قدیم فرمانروایان پالن پور کے مرقعے بھی موجود ہیں جو آثار سلف کے بہت ہی اچھے نمونے نظر کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ملک اس تصنیف کو بے انتہا پسند کریگا اور اسکی اشاعت کے بعد ہر شخص کو تسلیم کر لینا پڑیگا کہ ہندوستان میں اگرچہ بعض بہت بڑی بڑی ریاستیں موجود ہیں مگر پالن پور کی تاریخ جس خوبی اور جس اعلیٰ سلیقہ کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کی گئی اس طرح اور کوئی ریاست نہیں پیش کر سکی تھی۔

الغرض میں منشی سید گلاب میاں صاحب کو ان کی اس علمی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا ہر ملک اور ہر ریاست کو

ایسے ہی ذوق صحیح رکھنے والے مورخ عطا کرے۔ فقط

خاکسار ۔ محمد عبد الحلیم شرر لکھنوی۔
اڈیٹر دلگداز ۔ لکھنو
۱۰ ارجنوری ۱۹۱۲ء

مراسلہ

از طرف جناب صاحبزادہ آفتاب احمد خاں صاحب بیرسٹر ایٹ لاو
آنریری جائنٹ سکرٹری مدرسۃ العلوم علیگڑھ

۱۴ ارجنوری ۱۹۱۲ء

جناب من

تسلیم ۔ ایک جلد تاریخ پالن پور مرسلہ آنجناب مجکو ملی ۔ بدل ممنون ہوا ۔ افسوس ہے کہ آجکل کثرت مشاغل اجازت نہیں دیتی کہ میں اس کتاب کو پورے طور پر مطالعہ کرکے حسب ارشاد جناب اسکی نسبت اپنا رائے عرض کرسکوں لیکن جسقدر ر میں نے اسکو دیکھا ہے اسکے لحاظ سے میں جناب کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جناب نے اس قابلیت اور خوبی سے اس علمی اور ملکی خدمت کو انجام دیا ہے ۔ موجودہ اخلاف کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریقہ نہیں ہے کہ ان کے اسلاف کے کارنامے اور صحیح حالات ان کے سامنے پیش کرکے ان کو زندگی کے ان اصول اور ذمہ داریوں سے آگاہ کیا جائے اور ترقی اور کامیابی کے وہ اصلی رازان کو بتائے جائیں جن کے فراموش کردینے کی پاداش میں آج وہ ہر قسم کی مصائب میں مبتلا ہیں۔

مسلمانوں کی گزشتہ حکومت اور رفتہ اقبال کی آج جو یادگاریں اس ملک میں موجود ہیں ان کی تاریخ نہایت پرسبق اور پرعبرت ہے اور اسکی ضرورت ہے کہ جس قدر حکمران خاندان اور رئیس ہیں ان کی ابتدائی ترقی کے اسباب اور بتدریج تنزل کی وجوہ تفصیل اور تنقید کے ساتھ پبلک کے سامنے پیش کی جاویں۔

مجکو امید ہے کہ آپ کی اس قابلِ قدر خدمت کی اور اصحاب بھی تقلید کریں گے۔ فقط

خاکسار

آفتاب احمد

از علیگڑہ

تقریظ و قطعۂ تاریخ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی سید نواب علی صاحب رضوی نیوتنوی ایم۔ اے۔ ایس۔ سی۔

پروفیسر بڑودہ کالج

منشی سید گلاب میاں صاحب کی ہمت کو صد آفرین جنہوں نے ریاست پالن پور کی تاریخ اردو زبان میں نہایت جانفشانی سے لکھکر نہ صرف اپنے آقائے ولی نعمت کا حق نمک ادا کیا ہے بلکہ ہندوستان کی "لنگوا فرینکا" کی قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

میں نے اس دلچسپ کتاب کو جسکی لکھائی اور چھپائی اعلیٰ پیمانہ پر ہے شوق سے پڑھا۔ واقعات مسلسل اور محققانہ پہلو لئے ہوئے ہیں عبارت صاف اور طرز بیان پاکیزہ ہے۔ بعض محاورات اور الفاظ اگرچہ شمالی ہندوستان میں ٹکسال باہر سمجھے جائیں گے لیکن میری دانست میں ایسا ہرگز نہ سمجھنا چاہئے اسوجہ سے کہ اب چونکہ اردو سات کروڑ مسلمانان ہند کی قومی اور مادری زبان ہوتی جاتی ہے اسلئے مقامی محاورات اور الفاظ کو نظر انداز کرنا گویا اردو کی روز افزون وسعت اور ہمہ گیری کو محدود کر دینا ہے۔ یہ تاریخ مسلمانوں کی بے تعصبی کی ایک زندہ مثال ہے صدیوں سے یہ اسلامی ریاست اور وہ بھی پٹھانوں کی جس بے تعصبی سے ہندوں کے ساتھ فیاضانہ برتاؤ کر رہی ہے اسکی نظیر شاید مشکل سے ملے گی۔ جلد سوم کے صفحہ ۶ میں جو فہرست درج ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدار المہامی کا اعلیٰ عہدہ اکثر ہندوں ہی میں رہا ہے۔ اسی جلد کے صفحہ ۶۳ میں جو نقشہ ریاست کے افسروں اور معزز ملازموں کا درج ہے اس کے معائنہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پردیسیوں میں بھی علی العموم ہنود کو افضلیت ہے چنانچہ منجملہ بارہ اعلےٰ عہدہ داروں کے صرف دو عہدہ دار

مسلمان ہیں۔ اس تحریر سے میرا یہ منشا نہیں کہ ریاست اپنی بے تعصبی کی پالیسی کو بدل دے بلکہ یہ مطلب ہے کہ بے تعصبی کی دھن میں اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی کو فراموش کرنا زیبا نہیں ہے۔

اس کتاب میں مہدویہ طریق اور اس کے بانی کے حالات قابل ملاحظہ ہیں۔ زبدۃ الملک دیوان عثمان خان کے عہد سے آج تک والیان ریاست اور دیگر عمائدین اسی طریق پر کاربند ہیں۔ لائق مؤلف نے اس فرقہ کے حالات بہت خوبی سے درج کئے ہیں۔ امید ہے کہ گروہ مہدویہ اور دوسرے طریقوں کے تمام برادران اسلام ان فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا کے زریں اصول کو رہبر طریق بنا کر قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون پر عمل کریں گے۔

منشی خوش رقم گلاب میاں — بلبل گلشن سخندانی

بہواداری عروس بہار — شد چو مصروف زمزمہ خوانی

داستانہائے باستان خوش زد — تر زبان شد بذکر لوہانی

نامہ سروران پالن پور — شد مرتب ز فیض رحمانی

نامہ کز سواد او پیداست — معنی لطف و مہر یزدانی

شد چو نواب فکر تاریخش — سر زانو شدم ز حیرانی

ناگہاں گفت ہاتف از حق ۱۰۸

مرات دودمان ہیتانی

۱۲۲۲

سنہ ۱۳۳۰ ہجری

دیگر

زہے تاریخ پالن پور شد چھاپ — کہ از دیدار او شد دیدہ روشن

سن تاریخ چوں نواب جستم

ندا از غیب آمد شد تاریخ احسن

۱۳۳۰ھ

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی سید امیر الدین صاحب مہدوی تعلیم یافتہ مدرسہ عربیہ دیوبند

زلاف حمد و نعت اولی ست بر جناب عدم خفتن
سجودی می تواں کردن درودی می تواں گفتن

علم تاریخ ایک قدیم علم ہے جس کا تھوڑا بہت چرچا بنی نوع انسان میں ہر وقت رہا ہے اور رہے گا۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں زمانۂ گزشتہ کے محاسن و معائب صاف صاف دکھائی دیتے ہیں اور جو موجودہ حالت کی اصلاح کے لیے بمنزلہ ایک ناصح مشفق اور ہادی کامل کے سمجھنا چاہیے اس لطیف اور شریف فن میں مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں دیگر علوم و فنون کے ساتھ جب کہ یورپ سا مہذب ملک بھی نشا خارستان جہالت سمجھا جاتا تھا جو نمایاں ترقی کی تھی اسے تمام دنیا جانتی ہے۔ اگرچہ وہ بیش بہا جواہر آج خاک کی تہ میں پوشیدہ ہیں لیکن ان کی وسعت نظر تحقیق و تدقیق اور علم و کمال کی روشنی صفحۂ روزگار پر درخشاں ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

ان مقدس مزاروں کے سونے والوں پر خدا کی رحمت سایہ فگن رہے۔ آہ! یہ وہی ہمارے اسلاف ہیں جن کی پیروی چھوڑ دینے کی وجہ سے ہم اوج ترقی سے تنزل و ادبار کے گہرے اور تاریک گڑھے میں جا گرے اور یورپ ان کا زلہ ربا ہو کر آج چار دانگ عالم میں تمام صنعت و حرفت، علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا مرکز بنا ہوا ہے۔

کیا ایسے بزرگوں کے پر فخر واقعات بھلا دینے کے قابل ہیں؟ نہیں! ہرگز نہیں!! بلکہ وہ اس لائق ہیں کہ نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ دل پر نقش کیے جائیں۔

اگر ہمارے بزرگوں کے حالات کی نسبت ہمارا یہ سچا اعتقاد ہے اور اگر ہم کمال کے دلدادہ اور ترقی کے خواہاں ہیں تو ہم کو لازم ہے کہ تاریخ دیکھیں کیونکہ تاریخ ہی ایسا مرقع ہے جس سے ہمارے اسلاف کے با وقعت کارنامے پیش نظر رہ سکتے ہیں۔

خدا کا شکر ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کو اپنے قومی تذکروں سے وہی دلچسپی ہے جو پہلے تھی

وہ قومی روایتوں کو محفوظ رکھنے کے لئے اب بھی ویسی ہی کوشش کر رہے ہیں جیسی اول کرتے تھے چنانچہ باخبر لوگوں نے زمانے کی رفتار دیکھکر قومی واقعات کو اب ملکی زبان (اردو) میں منتقل کرنا شروع کر دیا ہے۔ کوئی تو ترجمہ کر کے اور کوئی نئی تصنیف و تالیف سے اپنی خداداد لیاقت کا اظہار اور ملکی و قومی حق ادا کر رہا ہے خدا ایسے برگزیدہ انفاس کو سلامت رکھے اور ان کی ہمت و لیاقت میں برکت دے آمین۔

یہ سب کچھ ہوا مگر آجتک ہمارے گروہ عالیہ میں خصوصیت کے ساتھ اس فن لطیف میں کوئی ایسی تصنیف نہیں ہوئی جو زمانہ موجودہ کے ہم مذاق ہو جس کی بحد ضرورت ہے۔

گروہ مہدویہ کے تاریخی لٹریچر میں اس وقت تک جس قدر ذخیرہ موجود ہے اس کی نسبت یہ کہنا تو بے انصافی ہوگی کہ وہ قابل قدر نہیں ہے۔ بیشک وہ بہت ہی قدر کرنے کے لائق ہے ہم اس کے بہم پہنچانے والے نیک طینت حضرات کے نہایت شکر گزار ہیں اور ان کی جانفشانی کی داد دیتے ہیں مگر افسوس! کہ اب تک وہ نہ صرف ملبوس عجمی سے آراستہ اور پرانے رنگ میں رنگا ہوا ہی ہے بلکہ مذہبی۔ قومی اور ملکی حالات کے بے ترتیبانہ اختلاط اور تاریخ و سنہ کا لحاظ بہت ہی کم مرعی ہونے سے ایسا معمہ ہو رہا ہے جس کا حل کرنا ہر کس و ناکس کا کام نہیں ہے لہذا مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ موجودہ ذخیرہ ہمارے مقصد کے لئے بالکل ناکافی ہے اور نئی تصنیف و تالیف کی سخت ضرورت ہے۔

میرا دل نہایت جوش مسرت سے اچھل رہا ہے اسلئے کہ میں آج اپنے گروہ میں ایک ایسی قابل قدر تالیف کو تیار دیکھتا ہوں جس کے دیکھنے سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا ہوتا ہے اور جو مذکورہ بالا صفت سے موصوف اور ہماری ہمت و حوصلہ کو بڑھانے والی ہے۔

یہ تالیف میرے مکرم و مخدوم دوست اور ریاست پالن پور کے محترم رکن میر منشی و میر عمارت جناب سید گلاب میاں صاحب سلمہ الوہاب کی جانکاہ کوشش اور پرزور قلم کا نتیجہ ہے جس کا نام تاریخ پالن پور ہے۔

منشی صاحب نے اس میں قوم مہدویہ کے سرمایۂ ناز خاندان لوہانی دہتیانی کے باعظمت و جلال تمام والیان ریاست کے سیاہ و سفید مفصل کارنامے نہایت خوبی اور بے انتہا خوش اسلوبی سے قلمبند کئے ہیں ضمناً دین مبین کے پیشوا امام ہمام جناب مہدی علیہ السلام اور ان کے بعض پیروؤں کے مبارک حالات بھی مختصر پیرایہ میں مناسب موقع پر درج کئے ہیں جس سے کتاب کی خوبی دوبالا ہو گئی ہے اور صحیح الیقین بلتقیان کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اکثر جگہ

مفید حاشیے اور دیگر دلچسپ حالات بھی لکھے گئے ہیں جس سے ہر صفحہ بجائے خود ایک مرقع معلوم ہوتا ہے۔ قریباً ہر رئیس کی کیفیت کے ساتھ اس کا فوٹو بھی دیا گیا ہے جو ارباب دانش کے نزدیک فطرتی رموز سمجھنے کے لئے دیباچے کا کام دے گا علاوہ رئیسوں کے بعض ارکان دولت، عمارات، جوانانِ فوج وغیرہ کے مختلف فوٹو اور کچھ قدیم عمارتوں کے کتبے بھی اس میں مندرج ہیں۔

زبان اُردو سلیس اور عام فہم۔ عبارت دلچسپ اور بہت ہی شستہ و برجستہ ہے۔

اس کتاب کا ایک مقدمہ اور تین جلدیں ہیں۔ دو جلدیں چھپکر تیار ہو گئی ہیں۔ تیسری زیر طبع اور قریب الختم ہے۔

جناب خواجہ فہمید حسین صاحب نازک رقم اکبرآبادی اڈیٹر رسالہ زبان و مالک زبان پریس کے جواہر رقم قلم سے بکمال اہتمام چھپی ہے خط کی پاکیزگی خواجہ صاحب کے نام سے روشن ہے۔ کاغذ اعلیٰ درجہ کا ہے۔ سرورق بہت ہی عمدہ ہفت رنگ چھپوانے کا انتظام ہو چکا ہے۔ جلد بندی کے لئے بھی بمبئی کے ایک مشہور کارخانے میں نہایت اعلیٰ پیمانہ پر بندوبست کیا گیا ہے۔

مقدمہ میں تاریخی ذخیروں (ماخذ تاریخ) تفصیل لفظ پٹھان ولوہانی کی تحقیق اور ان کی وجہ تسمیہ۔ پٹھانوں کا حسب ونسب خطاب دیوان کی وجہ وغیرہ وغیرہ ضروری کیفیت بڑی خوبی سے بیان کی گئی ہے اور یہ بتلایا گیا ہے کہ پٹھانوں کی بہادر قوم کس زمانے میں اور کیونکر ملک ہند میں آئی اور اُس نے کس طرح اضلاع بہار و بنگال میں اقتدار بہم پہنچایا۔

پہلی جلد میں ملک خرم خان بانی ریاست جالور سے دیوان فتح خان اول والیٔ جالور و پالن پور تک کے دوسری میں دیوان غزنی خان ثانی فیروز خان سے دیوان زورآور خان تک کے اور تیسری میں ہز ہائنس زبدۃ الملک دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای والی حال خلد اللہ ملکہم و حشمتہم کے تفصیلی حالات نہایت شرح و بسط سے مندرج ہیں۔

لائق مؤلف نے واقعہ نگاری میں نہایت سلاست بیانی اور صداقت سے کام لے کر اپنے اور پرائے کو یکساں شمار کیا ہے۔ افراط و تفریط کو بالکل دخل نہیں دیا۔ نہ خوبصورت کو زیادہ خوبصورت بنایا ہے اور نہ بدصورت کی بدصورتی بڑھانے میں کوشش کی ہے۔ ہر بات جیسی کہی وہی ایسے سادہ لفظوں میں حوالۂ قرطاس کر دی ہے حتی الامکان تحقیق میں کبھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ کوئی واقعہ اس میں ایسا نہ ملیگا جس کا کم سے کم دو مختلف روایتوں سے ثبوت نہ دیا گیا ہو۔

الغرض فن تاریخ میں جن باتوں کی ضرورت ہے اور جو آجکل قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ان کو مدنظر رکھنے میں فاضل مؤلف نے پوری پوری کامیابی حاصل کی ہے۔ کسی جزئی بات میں بھی مورخانہ اور محققانہ پہلو کو فرو گذاشت نہیں کیا۔

اس تاریخ کی تالیف سے پہلے علاقہ پالن پور کی کوئی مستقل تاریخ کسی زبان میں موجود نہ تھی اور اس پنج صد سالہ خداداد ریاست کے چھوٹے اور بڑے۔ اچھے اور برے۔ کلی اور جزوی تذکرے، زیادہ تر چارنوں اور بھاٹوں کی زبانوں پر۔ کچھ ہندوستان اور گجرات کی قدیم تاریخوں اور کچھ ہماری مذہبی کتابوں میں ادھر اُدھر نہایت خستہ اور پریشان حالت میں موتیوں اور سیپیوں کی طرح بکھرے ہوئے پڑے تھے، ان کو چننے تحقیق کی کسوٹی پر کسنے۔ اور ترتیب کی لڑی میں ہمرشتہ کرنے کے متعلق فاضل مؤلف کو جن جن دقتوں اور مشکلات کا سامنا ہوا ہوگا اس کا اندازہ ناظرین خود فرما سکتے ہیں۔ فی الواقع خطہ گجرات میں جہاں علم کا قحط اور ٹکسالی اردو کتابت کم چرچا ہے۔ ایسی باہمہ صفت موصوف کتاب کی تالیف و تصنیف مؤلف صاحب کی اعلیٰ لیاقت اور کمال عرق ریزی کی بیّن دلیل ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ میرے اس واقعی معروضہ کو ناظرین با تمکین شاعرانہ مبالغہ یا کسی اور غرض پر محمول نہ فرماینگے۔ ع

نگل چشمہ خورشاید نہفت

۱۲ جنوری ۱۹۱۲ء یکشنبہ بمقام بھڑوچ (گجرات)

احقر

امیر الدین عفی عنہ

تقریظ

از نتیجہ فکر جناب مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے۔

میں نے تاریخ پالن پور مولفہ منشی سید گلاب میاں صاحب اکثر مقامات سے پڑھی کتاب جس طرح لکھائی اور چھپائی کے لحاظ سے خوشنما ہے۔ دیکھنے سے آنکھوں میں نور آتا ہے اسی طرح مضامین کے اعتبار سے بھی قابل قدر ہے۔ فرمانروایان پالن پور کا خاندان نہایت قدیم ہے۔ اور انھوں نے گجرات میں جو خدمتیں قوم اور ملک کی انجام دی ہیں وہ اس قابل ہیں کہ پبلک کے سامنے لائی جائیں۔ منشی سید گلاب میاں صاحب نے نہ صرف قدیم تاریخوں مشہور قصوں اور روایتوں اور بھاٹوں کے گیتوں

کام لیا ہے بلکہ اگر کوئی اور مواد بھی انکو ملا ہے تو اس سے بھی کام لینے میں دریغ نہیں کی۔ انھوں نے ایک ایسا مواد جمع کر دیا ہے جس سے ہندوستان کی عام تاریخ کے لکھنے میں بھی معتد بہ مدد مل سکتی ہے۔ تعجب ہوتا ہے کہ باوجودیکہ منشی سید گلاب میاں صاحب گجرات کے رہنے والے ہیں مگر اردو نہایت برجستہ اور بامحاورہ لکھتے ہیں۔ مینے کئی کئی صفحے پڑھے اور صرف کسی ایک آدھ لفظ یا محاورہ سے شبہ ہوا کہ مؤلف اہل زبان نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل اردو کم سے کم تمام ہندوستان کے مسلمانوں کی مادری زبان ہے اور آسانی راہ کی وجہ سے جو آجکل ریل چل رہی ہیں ترقی ہو رہی ہے تمام ملک کی زبان بھی یکساں ہو جانے کا میلان رکھتی ہے۔ اور یقین ہے رفتہ رفتہ تمام تعلیم یافتہ لوگوں کی زبان ایک ہو جائے گی۔ بہرحال منشی سید گلاب میاں صاحب کی محنت قابل قدر ہے اور یقین ہے کہ ملک اسکی ویسی ہی قدر دانی کریگا کہ جس کے وہ مستحق ہیں۔ فقط

خاکسار

محمد عزیز مرزا

لکھنو۔ یکم فروری ۱۹۱۲ء

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب حکیم محمد بہار الدین خان صاحب المتخلص بہ بہا منصرم شفاخانۂ درگاہ عرش بارگاہ

خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

شعر

ہستیم حباب سراب است میدان شہود

بایقین من نیم و ناهم و نشانم باقیست

زمانہ کی نیرنگیاں۔ انقلاب آسمان۔ گردش فلکی۔ اوضاع دوراں۔ تغیرات عالم ہستی و نیستی کی الٹ پلٹ۔ دینی و دنیاوی رازوں کی اٹھا سٹ۔ سیاروں کی چالیں اور ترچھی بانکی رفتاریں، ایک طلسمی کارخانہ یا سچا اور بامزہ خواب ہے۔

ابتدائے باغیچہ عالمِ امکان پر اگر نظر ڈالئے اور بچشمِ غور و تامل دیکھئے تو کیسے کیسے پھول۔ پودے نشو و نما پاکر کھل کھلا کے سبزۂ نابیدہ یا غنچہ خوشبیدہ کی طرح سلام رحبا کرا پنی اپنی ہستی کو خیرباد کہہ گئے اور کس کس طرح کے نونہال ہرے بھرے سبز و شاداب تر و تازہ صرصرِ قضا کے گرم گرم جھونکوں سے سوکھ ساکھ کر گرد و غبار کی مانند مٹی میں مل گئے۔ سبحان اللہ ایک لفظ کن سے صناعِ حقیقی نے کیا کیا بنا کر بگاڑ دیا۔ گویا خود تماشہ بن کر ایک تماشہ دکھایا۔ کیسی کیسی پیاری صورتیں خاک میں مل گئیں۔ کیسی کیسی بھولی مورتیں نگاہوں سے چھپ گئیں۔ کس کس طرح کی یادگاریں یادگارِ زمانہ رہ گئیں۔ کس کس فلیشن کی بنیادیں سیلِ فنا سے برباد ہو کر چشم زدن میں بہ گئیں۔ ؎

نہ گورِ سکندر نہ ہے قبرِ دارا
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

اللہ اکبر جل جلالہ کل من علیہا فان ویبقی ربك ذوالجلال والاکرام۔

اسوقت تاریخ پالن پور کہ جسکے مؤلف میرے قدیمی مکرم و محتشم زبدۂ خاندانِ سیادت خلاصۂ دودمانِ امارت شاعرِ بے بدل ناثرِ بے مثل فصاحت مآب بلاغت انتساب عالیجناب سید گلاب میاں صاحب دام ظلہم میر منشی و میر عمارت ریاست موصوفہ ہیں جلوہ افزائے چشمِ بصیرت و سرمۂ کش دیدۂ عبرت ہے۔ اللہ اللہ مؤلف صاحب نے اس چمنِ رشکِ گلہائے فرحت میں کس کس روش سے سلاست کی کیاریاں اور رنگین فقرات کی ترتیب وار تختہ بندیاں کرکے گلِ مضامین کو کھلایا ہے اور غنچہ ہائے ریختہ کی خوشبودار کلیوں کو رشتۂ تالیف و تحریر میں منسلک کرکے رشکِ گلہائے پارسی بنایا ہے۔ کو للہ در القائل۔ واللہ ما قال نعم قال کا مضمون ہے۔ گوہرِ مضامین کو اگر دیکھئے تو موتیوں کی لڑیاں ہیں۔ سلسلۂ الفاظ سلیس پر اگر نظر ڈالئے تو جواہرات کی کڑیاں ہیں۔ کہاں ہیں دیدہ ورانِ خوش نظر و مبصرانِ روشن بصر۔ کدھر ہیں شائقانِ تواریخ و سیر و شیدایانِ اخبار و خبر ذرا ادھر آئیں اور اس باغِ سدا بہار سے گلچینی فرما کر پردۂ چشم کو رشکِ نگار خانۂ چینی بنائیں۔ ؎

سر مۂ منت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشمِ خریدار پہ احساں میرا

یہ کتاب لاجواب ایک مقدمہ اور تین جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ کاغذ نہایت اعلیٰ قسم کا۔ خوشخطی اور چھپائی کی حیثیت سے کوئی اور کتاب مشکل سے اسکے ساتھ دعویٰ ہمسری کر سکے گی۔ تقریباً سات سو صفحات کی ضخامت ہے۔ امید

کمالِ مصنف کی اس محنت شاقہ کی داد پبلک کی طرف سے ضرور ملیگی۔

طبع چوں تاریخ پالن پور شد زبو — کو بہر رنگے بود محبوب طبع

فکرِ سالش بود مارا اے بہا

ہاتفے گفتا بگو ۔ مرغوب طبع

۱۳۲۹ھ

خادم الاطبا حکیم محمد بہار الدین خان بہا

از اجمیر شریف ۔ ۲۲ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء

آگرہ اخبار

(مطبوعہ ۲۸ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء)

اس وقت ہمارے سامنے تاریخ پالن پور ہے ۔ جسکے مؤلف مولوی سید گلاب میاں صاحب ریاست کے وفادار اور معتبر اصحاب میں سے ہیں ضیق فرصت و تنگی وقت نے نہ ہمکو باستعاب اس کے پڑہنے کا موقع دیا اور نہ ہم قدر اندازوں کی طرح اُس کے ریویو کا حق ادا کرسکتے ہیں ۔ گو ہم نے اُسپر اجمالی نظر ڈالی ہے مگر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کتاب بیمثل چھپی ہے ۔ واقعات کے لحاظ سے یہ اُن علمی رسائل و مستند تواریخ کا ماخذ ہے جو ملک میں وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور تاریخی واقعات میں اہل علم اُن کا حوالہ دیتے ہیں ۔ واقعات کے مجموعہ کا ہی نام تاریخ ہے ۔ واقعات کو صحت کے ساتھ ترتیب دینا اُن سے صحیح نتائج اخذ کرنا تعصب و طرفداری سے علحدہ ہوکر ہر واقعہ کی تنقید کرنا یہی مورخ کا اصلی کام ہے ۔ تاریخ کو لفاظی و افسانہ نویسی سے تعلق نہیں ہوتا ۔ مؤلف موصوف نے واقعات کے ساتھ ملکی رسم و رواج ۔ ریاست کا جغرافیہ ۔ عرب سے افغانوں کا واسطہ ۔ افغانوں کے صحیح النسب ہونے کا ثبوت ۔ والیان ریاست کے حالات ۔ اُن کی زحمتیں ۔ اُن کا عزل و نصب ۔ ترقی و تنزل ۔ اُن کے کارنامے ۔ اولوالعزمی کی داستانیں ہر عہد میں سلاطنت ہند کے ساتھ اُن کا وفادارانہ طرز عمل ۔ ان مضامین پر بصیرت سے

کام لیا ہے۔ یہی باتیں تاریخ کی روحِ رواں اور مورخ کو اپنے فرض سے سبکدوش کرنے والی ہیں۔

کتاب کی عبارت صاف و سلیس۔ کاغذ نفیس۔ کتابت لاجواب۔ چھپائی پاکیزہ۔ فوٹو خوبصورت و خوشنما۔ ان تمام اعتبارات سے اس کتاب کی تعریف کئے بغیر چارہ نہیں۔ تعریف جہاں ازراہِ تملق بدترین خصلت ہے وہاں کسی قابل شخص کی محنت و قابلیت کی داد نہ دینا اس سے بدرجہا زیادہ مذموم امر ہے۔

تاریخ کی تکمیل پر ہم سچے دل سے مؤلف کی محنت و قابلیت کی داد اور فرمانروائے ریاست پالن پور ہز ہائنس زبدۃ الملک دیوان (نواب) سر شیر محمد خان بہادر جی۔سی۔آئی۔ای والی حال کو مبارکباد دیتے ہیں جن کے عہدِ حکومت میں ریاست کی واقعاتی عمارتوں کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔

* * *

تقریظ

از نتیجۂ فکر عالیجناب نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب رئیس اعظم دتاولی

اپنے استاد جناب رحمت میاں مرحوم و مغفور کے قصد کو پورا کرنے کے واسطے جناب سید گلاب میاں صاحب میر منشی و میر عمارت ریاست پالن پور نے تاریخ پالن پور کے لکھنے میں جو محنت اور کوشش کی ہے وہ نہایت شکرگزاری کے لائق پبلک کے واسطے ہے کیونکہ اس سے ایک قدیم اسلامی ریاست اور اُسکے والیانِ ملک کے حالات و کارنامے پیش نظر آجاتے ہیں اور نیز ریاست پالن پور کی خوش نصیبی ہے کہ ایسے ذی علم اور روشن ضمیر اہل کار اُسکے زیر سایہ موجود ہیں۔

سید گلاب میاں صاحب باوجودیکہ گجراتی ہیں مگر نہایت فصیح اُردو میں آپنے اس تاریخ کو تحریر کیا ہے۔ اور آپ کی علمی قابلیت اور تاریخ نویسی کے فن میں مہارت معلوم ہونے کے ساتھ ساتھ اُردو ادب میں تجربہ پورے طور پر عیاں ہوتا ہے۔ چھپا اس تاریخ کا نہایت نفیس ہے اور کاغذ وغیرہ ویسا ہی استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ چاہئے۔ پُرانے شعروں کی نقل جو اس میں کی گئی ہے اُس سے زمانہ سابق کی تصویر کشی اور طرز معاشرت کا نمونہ بخوبی معلوم ہوتا ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کے واسطے نہایت دلچسپ ہے۔ خدائے تعالیٰ مصنف کی

عمر دراز کرے اور ریاست کو زیادہ بارآور کرے۔

اسمٰعیل

آگرہ سول لائنس

۱۶؍جنوری ۱۹۱۳ء

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب منشی پیارے لال صاحب شاکر میرٹھی اڈیٹر رسالہ ادیب الہ آباد

علم تاریخ کے مفید ہونے میں کس کو شک ہو سکتا ہے۔ یہ وہ کارآمد علم ہے جس کی مدد سے ہم اُن تمام مفید باتوں کو معلوم کر سکتے ہیں، جو نہ صرف ہماری قومی ترقی بلکہ اخلاق و عادات کے حق میں مد و معاون ہو سکتی ہیں۔ مختلف زمانوں میں مختلف لوگوں نے جن اہم نتائج کو تجربہ کے بعد اخذ کیا تھا صرف تاریخ ہی وہ چیز ہے جس کے ذریعہ سے ہم اُن سے واقف ہو سکتے ہیں۔ یہ ہر زمانہ میں اور ہر قسم کے لوگوں نے علم تاریخ کو نہایت عزیز سمجھا ہے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری اُردو زبان میں جہاں اور ضروری علوم و فنون کی کتابوں کی کمی ہے، وہاں تاریخی کتب کی تعداد بھی بالکل ناکافی ہے۔

یہ تو ہم نہیں کہہ سکتا کہ ہندوستان میں علم تاریخ بالکل مفقود رہا ہے، مگر اس میں شک نہیں کہ جو تاریخیں ہمارے ملک میں پائی جاتی ہیں، اُن کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ کسی اصول کے پابند ہو کر نہیں لکھی گئیں۔ یا تو وہ محض خوشامدانہ طرز پر لکھی گئی ہیں، جس کے باعث صاحب بصیرت حضرات کی نگاہوں میں اُن کی کچھ وقعت نہیں، اور یا کسی دوسرے مورخ کی تردید میں، کہ پارٹی فیلنگ کی جھلک اُن میں نمایاں ہے۔ ان دونوں قسم کی تاریخوں سے علم تاریخ ایسے شریف فن کا منشار ہرگز پورا نہیں ہوتا۔

گزشتہ صدی میں دو چار تاریخیں ہمارے ملک ہندوستان میں ایسی بھی لکھی گئی ہیں، جن کو صحیح معنوں میں تاریخ کہا جا سکتا ہے، یعنی جو اصولِ فن کے مطابق ہیں۔ مگر اُن سے تمام ملک کی ضرورت رفع نہیں ہو سکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے

کہ اگر ہر ایک بڑے شہر کی نہیں تو کم از کم ہر ایک صوبہ اور ہر ایک دیسی ریاست کی مبسوط و مکمل تاریخیں اُردو زبان میں لکھی جائیں اور اُن کی تدوین کے وقت علم تاریخ کے موجودہ تنقیدی اصول کو مدِّنظر رکھا جائے۔ میرا خیال ہے کہ اگر ابتدا سے ہندوستان میں اس اصول کو مدنظر رکھا جاتا تو ہمارے ملک کے بعض مشہور اہلِ قلم کو یورپی مورخوں کی تردید میں کتابیں لکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی، کیونکہ اگر ملک کا تاریخی شوق ملکی مورخوں کی موجودہ تصانیف سے پورا ہو سکتا تو یورپی مورخوں کو ناپ شناپ لکھنے کی جرأت نہ ہوتی۔

ہندوستان کی یہ ایک پُرانی مثل ہے کہ "اگر صبح کا بھولا شام کو آجائے تو اُسے بھولا نہ سمجھنا چاہیے"۔ نہایت خوشی کی بات ہے کہ ہمارے اہلِ قلم اب اس طرف بھی متوجہ ہو چلے ہیں۔ چنانچہ حال میں میرے مکرم جناب سید گلاب میاں صاحب نے تاریخ پالن پور لکھی ہے جسکو قبل از اشاعت مجھے بھی دیکھنے کا فخر حاصل ہوا ہے۔ صاحب ممدوح کے اُستاد اور چچا لو جناب مولانا سید رحمت میاں صاحب گلشن نے جو ایک اعلیٰ پایہ کے اہلِ قلم تھے، پالن پور کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا تھا، اور اس کے لئے بہت کچھ مصالح بھی بہم پہنچایا تھا۔ مگر افسوس کہ اُن کی تمنائیں پوری نہ ہوئیں بلکہ اُن کے ساتھ اُن کی آرزوئیں بھی خاک میں مل گئیں۔ اُن کی وفات کے بعد سید گلاب میاں صاحب نے تاریخ پالن پور کی تدوین کا تہیہ کیا۔ جس میں اگرچہ اُن کو جناب گلشن مرحوم کے چشمدید اور جمع کردہ واقعات سے بھی بہت کچھ امداد ملی، مگر زیادہ تر اُن کو از سرِ نو کوشش کرنی پڑی ہے۔ قسم قسم کی دقتیں اور تکلیفیں بھی اُن کے راستہ میں حائل ہوئیں، مگر بمصداق "ہمت کا حامی خدا ہے" اُن کے مضبوط ارادہ کے سامنے سب مشکلیں آسان ہو گئیں۔ یہ اُن کے استقلالِ بے زوال ہی کا تصدق ہے کہ آج میرے سامنے تاریخِ پالن پور کی تینوں جلدیں موجود ہیں۔ ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

جن ممالک کی تاریخیں موجود ہیں، اُن کی تاریخ جدید اصولِ فن پر نگارش کی جا کر بآسانی اب بھی لکھی جا سکتی ہے، لیکن جن حصص کے متعلق تاریخی مصالح موجود ہی نہ ہو ان کی تاریخ لکھنا نہایت مشکل کام ہے، خصوصاً اس صورت میں کہ مختلف روایتوں، کہاوتوں، گیتوں، اور مہمل یادداشتوں کی مدد سے کوئی تاریخ مدون کی جائے، اور اس بات کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ اصولِ فن بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ ایسی ہی دقتوں کا سامنا جناب سید گلاب میاں صاحب کو بھی کرنا پڑا ہے۔

ریاست پالن پور ایک قدیم ریاست ہے۔ شروع شروع ۱۳۹۴ء میں اس خاندان نے جالور (مارواڑ) پر قبضہ

کیا تھا، بعد ازاں پالن پور بھی اس میں شامل ہو گیا۔ پالن پور کے تاریخی واقعات کسی قدر دوسری تاریخوں میں بھی پائے جاتے ہیں، مگر جالور کی کوئی قدیمی تاریخ موجود نہیں۔ صاحبِ ممدوح نے نہایت کوشش اور محنت سے جالور کے مکمل حالات بھی بہم پہنچائے ہیں، اور ایک حد تک اُن کی یہ سعی مشکور ہوئی ہے، جس کے لئے میں آپ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں۔

تاریخِ پالن پور کی تقسیم ایک مقدمہ اور تین جلدوں پر کی گئی ہے۔ مقدمہ میں اکثر مطالب تاریخ کی توقیع ہے اور جلدوں کی تخصیص حسبِ ذیل ہے۔

جلد اول میں صرف اُن فرمانروایانِ خاندانِ لوہانی کا تذکرہ ہے جن میں سے اکثر نے صرف جالور پر اور بعض نے جالور اور پالن پور دونوں پر حکومت کی ہے۔

جلد دوم میں فقط اُن رئیسوں کا ذکر ہے جو جالور پر سے قبضہ اُٹھ جانے کے بعد پالن پور ہی پر فرمانروا رہے ہیں۔

جلد سوم (حصہ اول) میں فرمانروائے حال (ہز ہائنس زبدۃ الملک دیوان (نواب) سر شیر محمد خاں بہادر جی سی آئی ای خلد اللہ ملکہم وحشمتہم) کے واقعاتِ زندگی اور نظم و نسقِ ریاست کی صورت دکھائی ہے۔ اور (حصہ دوم میں) جغرافیہ اور حالات متفرقہ وغیرہ کا بیان ہے۔

اس تفصیل سے واضح ہو سکتا ہے کہ اس تاریخ کی تدوین میں کس قدر محنت اور دماغ سوزی سے کام لیا گیا ہے۔

مَیں اُوپر اشارۃً ذکر کر چکا ہوں کہ تاریخ نویسی کس قدر مشکل کام ہے۔ اس کے لئے مختص قابلیت کی ضرورت ہے۔ جو ہر شخص کا حصہ نہیں۔ واقعات کی چھان بین میں حد درجہ کی بالغ نگاہی اور غائر نظری درکار ہے، اور میں نہایت خوشی سے اس بات کو ظاہر کرتا ہوں کہ ان صفات میں سید گلاب میاں صاحب کو ایسا امتیازی پایہ حاصل ہے کہ انھوں نے تاریخِ پالن پور ایسی مبسوط و مکمل تاریخ کی تدوین کا بار اپنے فرطِ لیاقت سے نہایت خوبی کے ساتھ اُٹھایا ہے۔ اہلِ ملک کو آپ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ آپ کی توجہ سے اُردو لٹریچر میں ایک جدید اضافہ ہوا۔

میری دعا ہے کہ جس شاقہ محنت اور سخت تردد سے صاحبِ ممدوح نے اس تاریخ کو مدون کیا ہے ایسے ہی فرطِ شوق سے ملک اسکی قدر و منزلت کرے خصوصاً ریاست پالن پور کو ضرور اسکی قدر دانی فرمانی چاہیے جس کے بقائے نام کے لئے انھوں نے یہ محنت گوارا کی۔

خاکسار - پیارے لال شاکر (میرٹھی)
اڈیٹر رسالہ ادیب - الہ آباد

۲۲ جنوری ۱۹۱۲ء

تقریظ

از نتیجہ فکر جناب منشی دیبی پرشاد صاحب منصف راج مارواڑ

مؤلف کتب کثیرہ تواریخ و مورخ راجپوتانہ

یہ ضخیم تاریخ جسکو ریاست پالن پور کا ایک کار عظیم کہنا چاہیے مصنف نے بندہ کے پاس ریویو کے واسطے بھیجی اور بندہ نے ایسے وقت میں کہ جب بندہ زادہ کے مرض مالیخولیا میں مبتلا ہو جانے سے طبیعت متوحش دل پراگندہ اور دماغ مختل ہے بقدر فرصت تھوڑی تھوڑی کرکے دو تین ہفتہ میں دیکھی بہر حال اسکی سیر سے جو لطف ایسی بے مزہ زندگی میں حاصل ہوا وہ بحالت جمع دل درستی مزاج صحت دماغ اور یکسوئی طبع غالبًا دوچند و سہ چند ہوتا کیونکہ حسن صورت کے سوائے اسکے کمال معنی و جمال باطن کا جلوہ بھی بصورت غور و خوض زیادہ تر نظر آتا مگر پھر بھی میں اس کوچہ سے چنداں نابلد نہ رہا اور بحیثیت مجموعی ایک مورخ راجپوتانہ کی حیثیت سے کہہ سکتا ہوں کہ ریاستوں میں جہاں تاریخ نویسی کا سلسلہ ہمیشہ کوتاہ رہا ہے ایسی مکمل تاریخ کا تیار ہو جانا کچھ کھیل تماشہ اور ہنسی ٹھٹھہ نہیں ہے۔

ریاست پالن پور فی الواقع ایک خوش نصیب ریاست ہے جسکی ایسی چیدہ و برگزیدہ اور پاکیزہ تاریخ اردو میں بنی ہے اور حضور دیوان سر شیر محمد خان بہادر بالقابہ اپنی طالع یاوری و بلند اقبالیوں سے بہت کچھ قابل مبارکباد ہیں جنکے عہد میمنت عہد کا یہ کارنامہ انقراض عالم تک یادگار زمانہ ہی نہیں رہے گا بلکہ ہر ایک آیندہ زمانہ میں آپکی علم دوستی سرپرستی فن تاریخ اور قدردانی اہل تالیف و تصنیف کی یاد جہاں و جہانیاں کو دلایا کریگا۔

پالن پور کیا بلکہ ہر ایک دیسی ریاست کا تاریخی سلسلہ ایسا الجھا ہوا ہے کہ جسکے سلجھانے میں ایک محقق مورخ کو اتنی محنت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جو اسکے واسطے ہفتخوان رستم سے کم نہیں ہوتی ہفتخوان رستم کا طے کرنا تو ایک جسمانی طاقت کا کام تھا اور یہاں جگر سوزی جانگدازی اور دماغ فرسائی کا سامنا ہے ایک ہی واقعہ کی مختلف روایتیں اور پھر ایک دوسری کے برعکس۔ راوی بےعلم۔ اور اسکے معتقد تقلید کے مرید۔ قرب و جوار کی تواریخ[1] مخالف اور زمانہ برسر تحقیق و طالب راستی۔ پھر فرمایئے

[1] پالن پور کی ہمسایہ ریاست سروہی اور خصوصًا جودھپور کے حالات متعلقہ یکدگر میں جو اختلاف ہے اُسکے تصفیہ کے لیے اکبر نامہ بہت کچھ [illegible]

کہ ایک نامی وذی علم مورخ کے لئے ایک سر ہزار سودا کا معاملہ ہے یا نہیں اور وہ اُس سے کس طرح عہدہ برا ہوسکتا ہے اگر نقل پر ہی کفایت کرے تو اہلِ عقل کی چنیاں چنیں سے پیچھا چھڑانا مشکل اور جو نقل کو چھوڑ دے اور عقل سے ہی کام لے تو نقل پرستوں کی چون وچرا سے جان بر ہونا مشکل وہ بیچارا کرے تو کیا کرے اور کیونکر اپنے آغاز کئے ہوئے کام کو انجام دے اور اس پریشانی کے عالم میں جو جانکنی سے کم نہیں ہوتا کس سے اسکو سہارا مل سکتا ہے اور کون اسکی مشکل کشائی اور کار برآری کر سکتا ہے کیونکہ اسکے آگے ایک ایسا سنگلاخ میدان ہے جس میں بڑے بڑے شہسواران سخن کی عقل گم اور قافیہ تنگ ہے نہ روے رفتن و نہ پاے ماندن کی اوہیڑ بن در پیش ہے۔ اب اس اُلجھن اور ایسے خلفشار میں اگر کوئی ہادی غیب اور خضر رہنما ہے تو وہ اسکا تاریخی تجربہ یا تحقیق و تنقیح کا مادہ۔ سو جاے شکر ہے کہ وہ بھی مبدا رفیاض سے علم ودانش کے ساتھ ہی اس بڑی تاریخ کے فاضل مصنف کو عطا ہو چکا تھا جسکے ذریعہ سے اُسنے تمام پیچیدہ روایات اور خلط مبحث معالات کے تصفیہ اور حلِ مشکلات میں کام لے کر اس مشکل کام کو انجام تک پہنچایا ہمکو یہاں اسکی تشریح و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں ہے ناظرین انصاف کریں خود اسکا جلوہ اس نسخۂ دلنشیں میں بچشم باریک بیں جابجا دیکھ لیں گے بلکہ اکثر جگہ پر تو دقیقہ رسی اور موشگافی کی ایسی شان دیکھیں گے کہ بیساختہ مرحبا مرحبا کہنے اور سبحان اللہ کا کلمہ پڑھنے لگیں گے۔

جفاکش مؤلف نے اس تالیف لطیف میں وہی کام کیا ہے جو ایک بیدار مغز مورخ اور مستقل مزاج محقق کا ہوتا ہے یعنی اول اپنی تصنیف کا سامان جمع کرنا پھر اسکو حسن ترتیب دینا۔ اختلافِ روایات میں اپنے مورخانہ و محققانہ تجربہ و عالمانہ و منصفانہ قیاس وقرینہ سے کام لینا تعصب مذہبی اغراض ذاتی اور سخن پروری سے دور رہکر منزل مقصود تک پہنچنا پھر اپنی کتاب کو بعبارت فصیح و عام فہم لکھکر ختم کرنا اور آخر کار صحت اور خوشخطی اور خوشنمائی کے اہتمام بلیغ سے چھپوا کر اسکی اشاعت سے شائقین کے دلوں کو سرور اور ناظرین کی آنکھوں کو نور پہنچانا۔ سو یہ سب مرحلے بھی خوش فکر خوش مذاق اور خوش نصیب مصنف نے بہت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ طے کئے ہیں۔ سب خوبیوں سے بڑھکر ایک بے بہا جوہر بے تعصبی کا بھی اس کتاب مستطاب کے ظاہر و باطن میں ایسا مرکوز و مکنون ہے جس سے برخلاف عام مسلمان مورخوں کے شاذ ہی کوئی ایسا دل شکن کلمہ مجھ جیسے کسی مطالعہ کرنے والے ہندو کے پڑھنے میں آئے گا جو اسکی کدورت طبع یا ملالت دل کا باعث ہو۔ میں نے صدہا اسلامی تاریخیں دیکھی ہیں مگر یہ بے تعصبی اور فراخ مشربی یا تو ایک علامی ابوالفضل کی تصنیف میں پائی ہے یا میر منشی گلاب میاں کی اس تالیف میں۔ کہ کہیں ہندوں کو کافر نہیں کہا ہے اور نہ اُن کے مذہب پر حملہ کیا ہے۔ رحمت خدا کی اِن دونوں ماضی و حال کے روشن خیال

مصنفوں اور اُن کے معزز و محتشم مربیوں اور محسنوں یعنی صلح کل شہنشاہ اکبر اور ہر دلعزیز دیوان سر شیر محمد خان پر !!!

گلاب میاں کی ایک کامیاب خوش نصیبی یہ بھی ہے کہ اُنہوں نے مجھ جیسے معمولی حیثیت کے تقریظ نگار سے بدرجہا بڑھے ہوئے بڑے بڑے مشاہیر و کاملین فن انشاء و تواریخ سے اپنی محنت و لیاقت تاریخ نویسی کی تحسین و آفرین کے سارٹیفکیٹ پا لئے ہیں جنکا میں بھی تتبع کرنا اپنا فخر سمجھتا ہوں اور یہ ناچیز تقریظ لکھکر سید گلاب میاں صاحب کے نذر کرتا ہوں جو دراصل سورج کو چراغ اور مارواڑی محاورہ کے بموجب سونے کی لنکا کو پیتل کی انگوٹھی دکھانے سے زیادہ نہیں ہے۔ ع

گر قبول افتد زہے عز و شرف

ہاں ایک بات رہی جاتی ہے جو انھوں نے اپنی کسر نفسی یا تکلف طبع نکتہ زا سے اپنے مطبوعہ رسالہ حسن طلب داد میں درج کی ہے کہ

"میں گجرات کا رہنے والا ہوں۔ اُردو میری مادری و ملکی زبان نہیں ہے"

چونکہ میں بھی مارواڑ کا رہنے والا ہوں جہاں لفظ اُردو کو اُڑدو بولتے ہیں اور اس سے اُسکے اصلی معنی لشکر یا کیمپ کے لیتے ہیں اس لئے جس اُردو زبان میں یہ تاریخ لکھی گئی ہے اُسکے حسن و قبح پر پیرا رائی زنی کرنا اہل زبان اُردو کا منہ چڑانا ہے تو بھی میں ڈھٹائی کر کے اتنا ضرور کہونگا کہ سید صاحب کی اُردو جسکی نسبت اہل دہلی چاہے کچھ کہیں جو اپنے کو اس زبان کا موجد اور استاد مسلم الثبوت مانے ہوئے ہیں اور جہاں سے میرے بزرگ بھی کسی زمانہ میں ادھر آئے تھے میری اُردو سے اچھی ہے اور وہ اُردو بولنے اور لکھنے والوں کے چیدہ طبقہ میں ضرور پسندیدہ ہوگی میں تمثیلاً چند فقرے اور جملے اس کتاب سے منتخب کر کے ذیل میں ثبت کرتا ہوں اور ناظرین باذاق سے داد چاہتا ہوں کہ کیوں یہ کیسی با محاورہ با قاعدہ اور با مزہ اُردو کے نمونے ہیں جو ایک گجراتی میر منشی کی زبان اور قلم سے نکلے ہیں۔

فقرات منتخب

۱۔ موئچھا ملک میں بہادری اور دلاوری کے جوہر تو ضرور تھے مگر ان کی آرام طلبی اور عیش پسندی نے اپنر ایسا پردہ ڈال دیا ہے کہ بزم عیش کے سوا ان کے دربار میں کچھ نظر نہیں آتا۔ تاہم جب کبھی ان کی جرأت و جوانمردی کی

لعل بے بہا چمک اُٹھے ہیں تو شب چراغ ہی بن کر رہے ہیں۔ صفحہ ۴۶ جلد اول

۲۔ ملک خان مصیبت کو جھیلنے والی طبیعت اور میدان جنگ میں مستقل دل رکھتے تھے اُنکے اوضاع واطوار میں سادگی اور سنجیدگی تھی۔ وہ تکالیف اور عسرت میں خوشباش۔ راحت و دولتمندی میں فیاض و ہر دلعزیز تھے ساتھ ہی فقیر دوست اور منکسر المزاج بھی تھے صفحہ ۷۱ جلد اول

۳۔ صحبت بد نے طبیعت میں عیاشی کا مادہ پیدا کر دیا ہر وقت ارباب نشاط سے محفل گرم رہنے لگی عزت باختہ وعصمت فروش عورتوں کی علانیہ آمد و رفت کے ساتھ مے ارغوانی کے دور بھی چلنے لگے صفحہ ۹۰ جلد اول

۴۔ نیکدل کمال خان کو اپنے اور فتح خان کے حقوق میں وہ کھلا ہوا فرق نظر آرہا تھا جو حقدار اور غیر حقدار میں ہوا کرتا ہے اور انکا کانشنس (وجدان قلب) ان کے دل کو اُس غلطی کی تصویر دکھا رہا تھا جو مجاہد خان کی کوتاہ اندیش رائے سے سرزد ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے حکومت میں فتح خان کو اس قدر دخل دے رکھا تھا، ورنہ حکومت کا باکیف لطف کہیں اس طرح بانٹ دیا جاتا ہے جس طرح کمال خان نے بانٹ رکھا تھا صفحہ ۱۴۴ جلد اول

۵۔ دل کے اندھے ظاہر بیں اہل دنیا جانتے ہیں کہ ایک شخص کا جو حال آج ہے ایسا ہی ہمیشہ رہے گا۔ مگران کوتہ نظروں کو یہ معلوم نہیں کہ زمانہ پل پل میں رنگ بدلتا ہے مال و دولت اور حکومت و ریاست ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ کبھی ادہر کبھی اُدہر صفحہ ۵۹ جلد دوم

۶۔ شیر خان کے وہ ہمدم و ہمراز مصاحب جو جیتے جی انکی وفاداری کا دم بھرا کرتے تھے، پھیلا ہوا دسترخوان اُٹھتا دیکھکر مکھیوں کی طرح اُڑ گئے اور دوسرے دسترخوان پر مگس قاب بن بن کر بھنبھنانے لگے صفحہ ۱۰۱ جلد دوم

۷۔ دوسرا حق اس ولی نعمت کا محسوس ہوا جسکا سرپرست ہاتھ میرے اور میرے خاندان کے رزق کا ضامن ہے (خدا و رسول کے حقوق جو فرائض اور سُنن کے نام سے پکارے جاتے ہیں) چونکہ حقوق مذہب ہیں اسلئے ان دنیوی حقوق میں انکا شمار کرنا کسیقدر خلاف مصلحت سمجھا گیا صفحہ ۳ دیباچہ جلد سوم

فی الجملہ جیسے ایک شاہد رعنا کی جامہ زیبی باعث مزید دلفریبی ہوجاتی ہے اور اُسکے ساتھ ہی زیور کی موزونی بھی سونے پر سہاگہ کا کام دینے لگتی ہے ویسے ہی عبارت کی چستی اور نقش ونگار کی درستی بھی کتاب کی دلچسپی کو بڑھا دیتی ہے چنانچہ

وہی بات یہاں بھی ہے کہ ادہر تو پاکیزہ عبارتوں سے تاریخ کی خوبصورتی میں اضافہ کردیا ہے اور ادہر تصویروں کی دلچسپی نے ناظرین کو شیفتہ و فریفتہ بنالیا ہے ع

یار ما این دارد و آن نیز ہم

نیاز مند

دیبی پرشاد از جودہ پور

۷ ماہ فروری ۱۹۱۲ء

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی سید اشرف صاحب المتخلص بہ شمسی مدرس دارالعلوم سرکار حیدرآباد (دکن)

میں نے تاریخ پالن پور کے مختلف مضامین پڑھے ہے بہت ہی عمدہ تاریخ مرتب ہوئی ہے مؤلف نے جس محنت و مشقت سے اس تاریخ کو مدون کیا ہے وہ نہایت لایق قدر ہے کیونکہ اس کے پہلے والیان ریاست پالن پور اور اس سرزمین کے واقعات کسی خاص کتاب میں مندرج نہیں کئے گئے تھے بلکہ مختلف تاریخوں کی ورق گردانی کے بعد ریاست پالن پور اور اسکے حکمرانوں کے مختصر حالات پر مطلع ہونا بھی دشوار تھا مؤلف کی حسن کوشش اور قابل توجہ سے یہ ایسی تاریخ لکھی گئی ہے کہ والیان سلطنت مذکور اور ان کے نمایاں کارناموں پر ہر شخص اس کے مطالعہ کے بعد آسانی سے واقف ہوسکتا ہے اس تاریخ میں تاریخی واقعات سلاست کے ساتھ ادا کئے گئے ہیں اور حتی الامکان تفصیل بھی کی گئی ہے اگرچہ میں حیدرآبادی ہوں تاہم احساس کرسکتا ہوں کہ اس تاریخ کی زبان بہت ہی صاف ہے میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس تاریخ کو مقبول خاص و عام کرے اور اسکے مؤلف کو جسنے اہل ملک کے فایدہ کی غرض سے یہ محنت شاقہ گوارا کی ہے جزائے خیر عطا فرمائے۔

سید اشرف شمسی (مہدوی)

مورخہ ۱۷ صفر ۱۳۳۰ھ از حیدرآباد (دکن)

تقریظ

از نتیجہ فکر جناب مولانا مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی والبیان فی علوم القرآن وغیرہ

یہ تاریخ پالن پور کا مطالعہ کیا چونکہ اب لوگوں میں علم و کمال کی روشنی پھیل گئی اور پھیلتی جاتی ہے اس لئے روسار اور ان کے عمائدین کو اپنی ریاست کی تاریخ لکھنے کا شوق ہو چلا ہے کیونکہ تاریخ ایک آفتاب یا کم از کم برقی لاسٹین تو ضرور ہے کہ جسکے وسیلے سے اس ریاست کا حال معلوم ہو جاتا ہے۔

سید گلاب میاں صاحب مدظلہ نے باوجود گجرات کی سکونت کے اردو زبان میں جس خوبی سے یہ تاریخ لکھی ہے وہ قابل داد ہے سید صاحب نے ریاست کا ماضی و حال جس حسن و خوبی کے ساتھ دکھایا ہے اور ریاست کی قدامت اور گزشتہ والیان ریاست کی اولوالعزمی کا نقشہ کھینچا ہے وہ زیادہ تر قابل تحسین ہے۔ تواریخ میں گزشتہ زمانہ کا لباس آئین حکومت طرز تمدن دکھانا اہم کام ہے اور اسی میں اکثر مورخین غفلت کر جاتے ہیں اور کسی کی مدح میں اپنی بلاغت اور تاریخ دانی کا سارا تیل جلا ڈالتے ہیں مگر سید صاحب نے ایک حد تک فن تاریخ نویسی کے اصول کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ زبان بھی عمدہ اور لکھائی چھپائی بھی عمدہ ہے۔ یہ ساری باتیں رئیس حال عالی جناب معلی القاب نواب سر شیر محمد خاں صاحب بہادر بالقابہ کی روشن خیالی کا نتیجہ ہیں۔ رئیس حال اور آپ کے ولیعہد یعنی نواب زادہ طالع محمد خاں صاحب بہادر کے حالات میں جو کچھ سید صاحب نے لکھا ہے اسکی نسبت میں کہہ سکتا ہوں کہ بالکل صحیح ہے کوئی مبالغہ نہیں۔

ابو محمد عبد الحق الحقانی الدہلوی

۲۴ جنوری ۱۹۱۲ء

دہلی

قطعۂ تاریخ

از نتیجۂ فکر شاعر نازک خیال جناب مسٹر سید تصوف حسین صاحب المتخلص صفتؔ اکبرآبادی

اُسی کے نام کی تسبیح پڑھیے دن رات
خدا نے دی ہے اسی واسطے دہن میں زباں

پھر اُسکے بعد کرے نعت اُس پیمبر کی
لقب ہے جسکا حبیب خدائے عرش مکاں

اُسی کے نور کا دونوں جہاں میں جلوہ ہے
اُسی کے نقش قدم کے ہیں مہر و ماہ نشاں

اب ایک مژدۂ تازہ تمہیں سناتا ہوں
سمندِ طبع کی پھرتی ہے اور سمت عناں

ریاست ایک ہے مشہورِ ہند پالن پور
وہاں ہیں مردِ خوش اخلاق فخر ہندوستاں

ضیائے مردم ارباب علم و فضل و کمال
فروغ دیدۂ اہل نظر گلاب میاں

لکھی انھوں نے یہ تاریخ بے عدیل و نظیر
کہ جس میں حال ریاست کا سر بسر ہے بیاں

کہیں سلیس عبارت کہیں ہے رنگینی تو
عطا خدا نے انہیں کی فصاحت سحباں

دیا ہے خلعتِ تازہ عروسِ معنی کو
ہزار معنی ہیں ایک ایک لفظ میں پنہاں

ہر ایک لفظ ہے گویا سوادِ دیدۂ حور
جو نقطہ نقطہ ہے انجم تو سطر کاہکشاں

جو صفحہ صفحہ ہے اسکا جوابِ عارضِ گل
تو ہر ورق ہے نقابِ رخِ مہ کنعاں

نگاہِ غور سے بین السطور کو دیکھو تو
یہ باغ خلد میں گویا ہے نہر شیر رواں

کھنچی ہیں اسمیں تصاویر کچھ بزرگوں کی
کتاب کیا ہے کہ ہے چین کا نگارستاں

سیاہی شبِ قدر اسکی روشنائی ہے
چمک کو دیکھ کے ہے صبح عید بھی قرباں

جو ظاہر اسکا ہے اچھا تو خوب تر باطن
دکھا رہا ہے تماشا طلسم نور افشاں

کہاں مجال یہ میری کہ کچھ صفت لکھوں
یہی دعا ہے خدا سے کہ ایزدِ سبحاں

رہیں ہزار برس تک رئیس پالن پور
بسر ہوں عیش میں دن رات ان کی سب گھڑیاں

نزولِ رحمتِ حق ہو مصنف پر　　　رہیں زمانہ میں دائم یہ خرم و شاداں

دعا کے بعد یہ تاریخ طبع لکھ واصف
عجب کتاب ہے اک قدرتِ خدا جہاں
سنہ ۱۹۱۲ء

راقم
سید تصوف حسین واصف از آگرہ
۲۲ جنوری سنہ ۱۹۱۲ء

تقریظ و اشعار آبدار

از نتیجۂ فکر جناب مولانا مولوی سید اللہ صاحب ابن حضرت میاں سید منور عرف
روشن میاں صاحب ساکن اکیلی (حیدرآباد دکن)

تاریخ پالن پور اس وقت جو ہمارے سامنے رکھی ہوئی ہے ہم نے بنظر غائر اول سے آخر تک دیکھا۔ اس کے لایق مصنف جناب منشی سید گلاب میاں صاحب نے بڑی جانفشانی سے رؤسائے دار السرور بلدۂ پالن پور کے حالات زندگی طرز حکمرانی سطوت و جبروت۔ دریا دلی و فیض چشمی کے کارناموں کو تمام مستند تاریخوں سے منتخب کر کے اس عمدگی سے ترتیب دیا ہے کہ اس سے بہتر اور دلچسپ طریقے سے لکھنا مشکل ہے۔

بعض خلافی مواقع کو ایسی مدلل بحث سے ثابت کیا ہے کہ واہ جی واہ علمی دنیا میں اس لاجواب تصنیف اور ہمارے لائق مصنف کی قابل قدر لیاقت کی داد وہی مورخ اچھی طرح دے سکتے ہیں جن کو کبھی ایسی تصنیف یا تالیف کا موقع ہوا ہو اور مہینوں متعدد تاریخوں کی ورق گردانی کرنی پڑی ہو۔

ہم جناب ممدوح کو مبارکباد دیتے ہیں کہ ان کو اس جفاکشی کا اچھا صلہ ملا اور محنت ٹھکانے لگی کہ آقائے ولی نعمت کے قلم گوہر بار نے یہ فقرہ "گویا خاندان لوہانی کا روزنامچہ ہے" لکھ کے مصنف صاحب اور ان کی آئندہ نسلوں کا اعزاز بڑھایا

چونکہ یہ تاریخ ایک علم دوست رئیس عالی جناب دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر جی-سی-آئی-ای- والی ریاست پالن پور ادام اللہ ملکہ و دولتہ کے عہد میمنت عہد میں مرتب ہو کر حلیۂ طبع سے آراستہ ہوئی ہے اسلیے میں نے ایک مختصر سی مثنوی نواب صاحب محتشم الیہ کی مدحت۔ کتاب کی توصیف۔ شہر کی تعریف میں لکھی ہے جو درج ذیل ہے مخفی نرہے کہ مثنوی کے ہر مصرع سے سال طبع تاریخ پالن پور یعنی ۱۳۳۰ھ ہجری برآمد ہوتا ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

مثنوی

در مدح زبدۃ الملک ہز ہائنس دیوان نواب شیر محمد خان بہادر جی سی آئی ای والی ریاست پالن پور

زبدۃ الملک سرور عسکر ٭ جامع حکمت۔ اشجع صفدر ٭ جوہر زیب و زینت گجرات ٭ دولت و ہم۔ منبع حسنات

مخزن دولت ملک و زمن ٭ جوہر عصر۔ رونق گلشن ٭ زبدۃ الملک رونق دولت ٭ نکتہ پرداز۔ معدن حکمت

حارس ملک۔ چشمۂ برکات ٭ قصہ کوتاہ مجمع الحسنات ٭ خان عالی نژاد و بدر منیر ٭ ناصر ملک۔ زیب تاج و سریر

دلبر مہربان ذی اعزاز ٭ گلبن روزگار خلق نواز ٭ زبدۂ عصر خسرو گیہاں ٭ شمع کاشانہ۔ آفتاب جہاں

گلشن نو بہار رفعت اقلیم ٭ جوہر معنی سخی و کریم ٭ داور عصر۔ عمدۃ الوزرا ٭ فخر دین۔ زبدۃ الامرا

مہتر قوم۔ گوہر شاداب ٭ شیر دیوان۔ شمع عالمتاب ٭ اشرف ہند۔ معدن صولت ٭ گنج احسان۔ مخزن دولت

زبدۂ خانداں ولی نعمت ٭ دہر افروز۔ صاحب شوکت ٭ عدل گستر مدار ملک عرب ٭ دین پرور۔ وسیلۂ مذہب

تاج آفاق۔ آفتاب کرم ٭ شاہ فرماں رواے عالم ٭ راحت جان۔ بہار گلشن ہند ٭ گوہر افشاں بہار گلشن ہند

فخر اقبال مجمع الاخلاق ٭ واثق عہد منبع اشفاق ٭ شاہ گردوں فراز عالیشاں ٭ رونق افروز پرتو یزداں

زینت ہند۔ افسر امرا ٭ مطلع نور مہر جود و سخا ٭ اثر عدل۔ زینت آواں ٭ چشمۂ آفتاب۔ شمس زماں

ناصح و مشفق آفتاب صفا ٭ مخزن احسان و ترکان وفا ٭ شب مہتاب دولت و اقبال ٭ مظہر جود۔ مجسم جاہ و جلال

قبلۂ حاکمان پاک ضمیر ٭ رونق بزم عیش مہر منیر ٭ سایۂ کردگار۔ حاتم عصر ٭ شاہ عالی جناب۔ زینت قصر

گوہر ارجمند نیک خصال ٭ طبع شیریں شہ مبارک فال ٭ محسن خلق۔ صاحب افسر ٭ عاقل عصر۔ دو جہاں اشہر

مخزن نور - بادشاه دین ۱۳۳۰ھ ÷ نور سبحان - زینت تکوین ۱۳۳۰ھ ÷ یاور خلق - نافع آفاق ۱۳۳۰ھ ÷ زیب اسلام - مخزن اشفاق ۱۳۳۰ھ

مقتدای جهان - دُرِ شهوار ۱۳۳۰ھ ÷ تاج اقلیم - زیب شهر و دیار ۱۳۳۰ھ ÷ ماه تابان - خلیفهٔ عادل ۱۳۳۰ھ ÷ خواجهٔ ملک - زینت محفل ۱۳۳۰ھ

قدوهٔ شهر - حاتم دوران ۱۳۳۰ھ ÷ محفل فیض - منبع احسان ۱۳۳۰ھ ÷ مخزن فهم - قافله سالار ۱۳۳۰ھ ÷ آسمان قدر - زینت دربار ۱۳۳۰ھ

محسن هند - خان عالی شان ۱۳۳۰ھ ÷ ماه روشن - سپهر فاکیشان ۱۳۳۰ھ ÷ مخزن عقل - سایر انسان ۱۳۳۰ھ ÷ صاحب معدلت - سکندر شان ۱۳۳۰ھ

معدن فضل - قدوهٔ عالم ۱۳۳۰ھ ÷ آصف عهد - حاکم اعظم ۱۳۳۰ھ ÷ ملجأ فیض - عادل دوران ۱۳۳۰ھ ÷ فخر اقلیم - داور آوان ۱۳۳۰ھ

تاج دربار - قدوهٔ ابرار ۱۳۳۰ھ ÷ دین پرور - گزیدهٔ خیار ۱۳۳۰ھ ÷ فخر اسلام - منصف آوان ۱۳۳۰ھ ÷ نافع عصر - رحمت سبحان ۱۳۳۰ھ

صاحب اقتدار - با تمکین ۱۳۳۰ھ ÷ گل نورسته - زیب تاج و نگین ۱۳۳۰ھ ÷ زبدة الملک - شهر پالنپور ۱۳۳۰ھ ÷ زینت بزم - در جهان مشهور ۱۳۳۰ھ

در توصیف شهر پُر نور دار السرور پالن پور

شهر پُر زیب - معدن دولت ۱۳۳۰ھ ÷ پُر نور - مایهٔ بهجت ۱۳۳۰ھ ÷ گلستان طرب - سرور انام ۱۳۳۰ھ ÷ حرمت ملک - زینت اسلام ۱۳۳۰ھ

خلد آباد - رونق امصار ۱۳۳۰ھ ÷ رافع رایت - نسیم بهار ۱۳۳۰ھ ÷ دار اسلام - زینت کشور ۱۳۳۰ھ ÷ جای نادر - سعادت کشور ۱۳۳۰ھ

گلشن خلد - بلدهٔ نادر ۱۳۳۰ھ ÷ کان جوهر - مقاصد خاطر ۱۳۳۰ھ ÷ دستنبل بهارستان ۱۳۳۰ھ ÷ زیب رنگ - طرب ملاذ جهان ۱۳۳۰ھ

مایهٔ عیش - مرجع شرفا ۱۳۳۰ھ ÷ باغ امید - مامن علما ۱۳۳۰ھ ÷ گلشن نوبهار - شمع نور ۱۳۳۰ھ ÷ بدر کامل - مقام عیش و سرور ۱۳۳۰ھ

محفل عشرت از همه افزون ۱۳۳۰ھ ÷ در عمارت مبارک و میمون ۱۳۳۰ھ

در توصیف کتاب تاریخ پالن پور

این کتاب است زیور انسان ۱۳۳۰ھ ÷ این کتاب است روح انس و جان ۱۳۳۰ھ ÷ جام جمشید - قفل الوار است ۱۳۳۰ھ ÷ عالم آرا - کلید اسرار است ۱۳۳۰ھ

نور کشور - صحیفهٔ دانش ۱۳۳۰ھ ÷ گلشن شوق - منبع بینش ۱۳۳۰ھ ÷ خرد آموز - کان علم و هنر ۱۳۳۰ھ ÷ ناصر ملک - رحمت داور ۱۳۳۰ھ

گوهر علم - فیض جاویدان ۱۳۳۰ھ ÷ روشنائی صبح - راحت جان ۱۳۳۰ھ ÷ جام گیتی نما - گل خندان ۱۳۳۰ھ ÷ قصهٔ کوتاه - راحت دل و جان ۱۳۳۰ھ

آفتاب طرب - دُر یکتا ۱۳۳۰ھ ÷ رونق گلستان طرب آرا ۱۳۳۰ھ ÷ نافع ملک - دفتر دانش ۱۳۳۰ھ ÷ اوج افضال - کوکب بینش ۱۳۳۰ھ

شرف اندوز - جوهر حکمت ۱۳۳۰ھ ÷ شعلهٔ حسن - مجمع ندرت ۱۳۳۰ھ ÷ دولت شاه - لولوی شهوار ۱۳۳۰ھ ÷ حسب دلخواه رونق گلزار ۱۳۳۰ھ

زبدۂ دہر۔ مرأتِ اسرار ٭ خسروآموز۔ جوہرِ انوار ٭ نقدِ رائج قبولِ مجلسِ خاص ٭ رونقِ ملک۔ منبعِ اخلاص

نورِ عرفان گلشنِ سیراب ٭ روئے پرنور۔ چادرِ مہتاب ٭ چشمۂ مہر جمیع خوبی ہا ٭ گلستانِ بہارِ فکرِ رسا

فرحت افزا رسالۂ انوار ٭ گلستانِ بہارِ دانشور ٭ زیبا رنگِ طرب انجمنِ سخن ٭ رونق افزائے نکہتِ گلشن

نور افشاں بہارِ گلشنِ دل ٭ شمعِ اسا سرِ محفل ٭ اکرم الدہر۔ فرحتِ عالم ٭ صحبتِ نیک راحتِ عالم

نافعِ شہر۔ منبعِ اسرار ٭ مجسم رحمت۔ جواہر الانوار ٭ سرتاجِ دُرِّ نادر ٭ رنگ و روئے سلاستِ وافر

زینتِ گلستان۔ مہر الانور ٭ فائض الجود معدنِ گوہر ٭ بحرِ دانش۔ مسرتِ دنیا ٭ رہِ مقصود و فیضِ عالم عطا

مشفقِ دوستانِ عقل افزا ٭ زبدۂ گلشنِ سخن آرا ٭ رونقِ محفلِ سخن داناں ٭ گوہر افشاں۔ بہارِ گلشنِ جہاں

دوستِ صادق از ہمہ بہتر ٭ جلوہ آرائے چشمۂ کوثر ٭ جامعِ علم۔ معدنِ افضال ٭ عشرت انگیز صادق الاحوال

مخزنِ علم و دانشِ آگاہاں ٭ راہِ صدق و صواب شستہ زبان ٭ مرأتِ بہشت۔ منبعِ حکمت ٭ نور الہیان۔ پیکرِ نصرت

گلشنِ کامرانِ مستحسن ٭ دولتِ جاودانِ انجمنِ سخن ٭ بہجت افزا متاعِ بیش بہا ٭ گلشنِ راز و قیصرِ والا

بہتر شہد گلشنِ عرفاں ٭ نزہتِ گلشنِ وفاکیشاں ٭ نافعِ شہر۔ گلستانِ ناز ٭ بصر افروز۔ سروِ گلشنِ ناز

زینتِ انجمنِ بہارستاں ٭ متواتر بہارِ جاویداں

احقر الناس سید سعد اللہ ابنِ حضرت میاں منوّر مرحوم و مغفور مہدوی

قطعۂ تاریخ

از نتیجۂ فکرِ شاعرِ نامور مرزا احمد شاہ بیگ صاحب جوہرؔ مراد آبادی تلمیذِ حضرت تسلیمؔ سہسوانی مرحوم

بہار آئی کھلے باغ میں گل خنداں ہو	برنگِ نکہتِ گل بلبلیں ہیں رقص کناں
اچھل رہے ہیں خوشی سے چمن میں فوارے	صبا بجاتی ہے خوش خوش گلوں کے نقارے
نسیم چلتی ہے اٹکھیلیوں کی چال غضب	بنا ہے صحنِ چمن جلوہ گاہِ بزمِ طرب
خوشی سے پھول جو پھولے نہیں سماتے ہیں	تو غنچے فرطِ مسرت سے مسکراتے ہیں

مذاق سوجھا ہے پھولوں کو دیتی ہے بھرے — اڑا رہی ہے عجب عندلیب گلچھرے

خموش غنچے ہیں - حیرت سی انپہ ہے طاری — زبانِ سوسنِ طرار پر ہے یہ جاری

یہ کہہ رہی ہے خبر بھی ہے بلبلِ نالاں — سبب تمام مسرت کے ہیں گلاب میاں

گلِ ریاض نبی نونہالِ باغِ سرور — پرائیویٹ سکتر رئیس پالن پور

نسیم باغ خرد نکہت ریاض کمال — کمال وہ چمن علم جس سے مالا مال

خدا گواہ غضب کا دماغ ہے واللہ — مشام اہل قلم باغ باغ ہے واللہ

لکھی ہے آپ نے تاریخ وہ ریاست کی — بہار جس میں گویا ریاضِ جنت کی

جو باب اسکا ہے گویا درِ فصاحت ہے — جو نقطہ ہے وہ دُرِ معدنِ بلاغت ہے

ہر ایک حال مشرح بیان ہے جامع — بیان وہ ہے کہ سنکر پھڑک اُٹھے سامع

ہر ایک عہد کا لکھا ہے ایسا کامل حال — کہ جس سے بڑھکے میسر نہیں جہاں میں مثال

ہر اک رئیس کی چھپاں ہے ہو بہو تصویر — زبانِ حال سے گویا کہ کرتی ہے تقریر

چھپائی صاف تو کاغذ ولایتی شفاف — سیاہی محمل لیلیٰ کا ہے سیاہ غلاف

یہ سطری نہیں رکھتی جواب دنیا میں — کلام دلکش وطرز بیان زیبا میں

صفات واقعی کو چاہئے ہے اک دفتر — گراں نہ گزرے کہیں طول طبع نازک پر

یہی ہے خوب کہ جو ہر باب اختصار کرو — صفت نہ ہوگی مکمل اگر ہزار کرو

برائے سال اشاعت کہو بصد حیرت

کھلا ہے گلشنِ امید پر گلِ ندرت

۱۳۳۰ ھ

خاکسار

احمد شاہ بیگ

مرادآبادی

تقریظ و قطعۂ تاریخ

از نتیجۂ فکر جناب سید ابن علی صاحب ایم ۔ آر ۔ اے ۔ ایس (اڈیٹر نقیب اعظم مراد آباد)

جناب منشی سید گلاب میاں صاحب میر منشی و میر عمارت ریاست پالن پور کی طرف سے ہمارے پاس تاریخ پالن پور بغرض ریویو پہنچی ہے ۔ یہ کتاب تین جلدوں میں منقسم اور ریاست پالن پور کی مکمل تاریخ آغاز سنہ ۱۳۹۴ء عہد ملک خرم خان بانی ریاست سے عہد زریں عہد زبدۃ الملک ہز ہائنس دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر جی ۔ سی ۔ آئی ۔ ای حکمران حال یعنی سنہ ۱۹۱۲ء تک پانچسو اٹھارہ سال کے واقعات کا ایک سچا فوٹو ہے ۔ مؤلف نے اپنی خوش قسمتی سے زمانہ بھی ایسا عمدہ پایا کہ جس میں سوائے دن دونی رات چوگنی ترقیات اور انواع و اقسام کی برکات کے جو حکمران حال خلد اللہ ملکہ کی نیک نیتی اور عالی دماغی کا نتیجہ ہے اور کچھ نظر نہیں آتا ۔ اگرچہ ہمکو بالاستیعاب اس کتاب کی سیر کا موقع نہیں ملا ۔ لیکن جسقدر اور جہانتک بھی دیکھا اسکی نسبت ہم نہایت زور کے ساتھ یہ رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جو ضروریات تاریخ نویسی کے متعلق لائق مولف نے اس کتاب میں پوری کی ہیں وہ اس وقت تک کسی اردو یا فارسی کی دوسری تاریخ میں غالباً بہت کم پائی جائیں گی ۔ مورخین یورپ کا عموماً ایشیائی اور خصوصاً اسلامی تواریخ پر یہ اعتراض ہے کہ مورخان اسلام نے بجز واقعات رزم و بزم کے جن کو نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا ہے ۔ ملک کی ضروری سوشیل ۔ مارل جغرافی ۔ تجارتی ۔ مذہبی تعلیمی حالات کو قلم انداز کر دیا ہے ۔

لیکن بڑی خوبی یہ ہے کہ اس تاریخ پر مذکورۂ بالا اعتراضات میں سے ایک بھی وارد نہیں ہو سکتا ۔ علاوہ ازیں اگرچہ یہ تاریخ ریاست پالن پور کے متعلق ہے لیکن اسکے ساتھ شاہان ہند کے بھی خاص خاص حالات انکے دربار اور ارکین دربار کے اہم معاملات کا بخوبی پتہ چلتا ہے ۔

لائق مولف نے تحقیق و تنقید میں کوئی امر فرو گزاشت نہیں کیا جو ایک اعلیٰ محقق اور تجربہ کار مورخ کا فرض ہونا چاہیے اسکو بڑی لیاقت اور نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ ادا کیا ہے ۔

باطنی خوبیوں کی طرح ظاہری شان و شوکت میں بھی یہ کتاب خود اپنی نظیر ہے ۔ ملک کے نقشے ۔ والیان ملک کی تصویریں کاغذ ۔ لکھائی ۔ چھپائی وغیرہ وغیرہ ہر چیز اعلیٰ درجہ کے پیمانے پر رکھی گئی ہے ۔ الغرض ع

زپائے تا بہ سرش ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست

لکھے ہیں واقعات پالن پور	واہ کیا خوب یہ کتاب چھپی
بلبل دل نہ لوٹ ہو کیونکر	لو کتابِ میاں گلاب چھپی
فکر تاریخ کی ہوئی دل کو	جب یہ تاریخ انتخاب چھپی

ہاتفِ غیب نے کہا شید
مژدہ تاریخ لاجواب چھپی

۳۰ ۱۳ ھ

خاکسار ۔ الیس ۔ ابن علی
از مراد آباد
۲۷ جنوری ۱۹۱۲ء

نقل ریویو

مطبوعہ اخبار آفتاب دکن مدراس

ہمارے دفتر میں یہ بے مثل ولاجواب وضخیم تاریخ جس میں ریاست پالن پور کے جملہ حالات مع تصاویر عکسی مندرج ہیں برائے تبصرہ و ریویو موصول ہوئی ہے ۔ یہ تاریخ جناب منشی سید گلاب میاں صاحب کی خداداد طبیعت کا نتیجہ ہے اور تاریخ مذکور ہز ہائنس نواب سر شیر محمد خاں بہادر فرمانروائے ریاست پالن پور کی مقبولیت سے چھاپی گئی ہے جو تین جلدوں میں منقسم ہے ۔ جو واقعات او حالات تاریخ مذکور میں مندرج ہیں وہ اور تواریخ میں بہت ہی کم ملیں گے ۔ طرفہ یہ کہ یہ کتاب تاریخ ریاست پالن پور کے ضمناً ہے ۔ لائق مؤلف نے ساتھ ہی ساتھ مناسب موقعوں پر ہند کے شاہوں کے حالات بھی کا ننے درج کر دیئے ہیں جس سے

تاریخ کی دلچسپی میں دوگنی روشنی نظر آرہی ہے - تاریخ مذکور کی ابتدا پہلے پہل مولوی سید رحمت میاں صاحب مرحوم نے ڈالی تھی جن کے چیدہ چیدہ حالات کتاب کے شروع میں داخل ہیں - ہم بلا مبالغہ تحریر کئے دیتے ہیں کہ لائق مؤلف نے جو جانفشانی - جانکاہی اور عرقریزی تاریخ مذکور میں صرف کی ہے وہ کسی تاریخ میں پائی نہیں جاتی - کوئی دقیقہ ایسا نہیں جو واگزاشت کیا گیا ہو - ماسوا اس کے ظاہرا خوبی یہ کہ کتاب کی آب و تاب اور شان و شوکت بےمثل و لاجواب ہے - کاغذ نہایت اعلیٰ درجہ - خط واضح اور عمدہ - چھپائی بےنظیر جو سونے پر سہاگہ کا کام کر رہی ہے -

---

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی سیّد شہاب الدین صاحب خلف الرشید

مولانا مولوی سیّد محمد نصرت حسین صاحب قبلہ مہدوی

میں نے "تاریخ پالن پور" مولفۂ جناب سید گلاب میاں صاحب میر منشی و میر عمارت ریاست پالن پور دیکھی - تاریخ کیا ہے؟ ریاست کے قدیم و جدید حالات و واقعات کا مرقع ہے - ابتدا سے لیکر اب تک ہر زمانہ کے انقلابات - ترقیات طرزِ عمل غرضکہ کل ضروری حالات و واقعات کی گویا تصویریں کھینچدی گئی ہیں -

اس تاریخ کی تدوین سے عموماً اہل ملک اور خصوصاً اُردو خواں پبلک کے تاریخی معلومات میں ایک مفید اضافہ متصور ہے کیونکہ ایک ایسے خطہ کے حالات و واقعات پر اس سے روشنی پڑتی ہے جہاں کے تاریخی واقعات کا سرمایہ اس شرح و بسط سے اُردو میں اب تک منضبط نہیں ہوا تھا - اس اعتبار سے "مولف" نے صرف اپنے وطن اور ولی نعمت کا نہیں بلکہ در اصل "زبان اُردو" اور اس کے واسطے سے ملک و قوم کی بھی عمدہ خدمت انجام دی ہے - مذہبی نقطۂ خیال سے لائق مؤلف کی یہ کوشش و محنت اور بھی استحسان کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل اور کل "قوم مہدویہ" کے لئے موجب امتنان ہے -

اس مشکل کام کی انجام دہی میں جو مشکلات پیش آئی ہونگی اُن کا اندازہ وہی لوگ اچھی طرح کر سکتے ہیں جنہوں نے کبھی اس قسم کا کوئی کام انجام دیا ہو کتاب لکھنے والا ہی خوب جانتا ہے کہ ایسے مشکلات کو حل کرنے صحیح نتائج اخذ کرنے کے لئے

کس قدر استقلال اور ان تھک محنت۔ دماغ سوزی و جانکاہی درکار ہے؟ پھر ایسی ویسی تالیف نہیں بلکہ ایک تاریخ کی تدوین اور وہ بھی تاریک زمانہ کی! گویا سینکڑوں سال قبل کے گزشتہ رطب و یابس واقعات کی گھٹاٹوپ تاریکی میں جن پر اگلے لوگوں کی سہل انگاری یا مختلف البیانی نے پردہ ڈال کر اور بھی تیرہ و تار بنا دیا ہو صحیح واقعات کے در مقصود کا ٹٹولنا۔ اور پھر بات بات پر سند پیش کرنا۔ قدم قدم پر پیچیدہ واقعات کی بھول بھلیاں سے نکل آنا۔ واقعات کے مٹے مٹائے کھوج پر منزل مقصود تک پہنچنا بڑا کٹھن کام ہے۔ لیکن قابل مولف نے اکثر جگہ یہ سب مراحل بڑی کامیابی سے طے کئے ہیں۔ اور دوسری طرف زمانہ حال کے حالات و واقعات کے بیان کرنے میں اس قدر صفائی اور تفصیل و وضاحت سے کام لیا ہے کہ ناظرین پر ریاست کی اہم انتظامات اور جزوی و کلی امور آئینہ کی طرح ظاہر ہو سکتے ہیں۔ غرض لائق مولف نے تاریخ پالن پور کی پہلی اور دوسری جلد میں اپنی تاریخ دانی۔ باریک بینی وسعت نظر۔ واقعات کی نقادی کا ثبوت دیا ہے تو تیسری جلد میں صاف سلیس عبارت میں بلا تکلف مضمون ادا کرنے اور واقعات کو اچھی طرح ناظرین کے ذہن نشین کر دینے کی قابلیت دکھائی ہے جو مولف کی قدرت کلام اور عمدہ طرز وقائع نگاری کا بین ثبوت ہے۔

کتاب کی ان باطنی خوبیوں کے علاوہ اس کے بہت سے ظاہری محاسن بھی مثلاً جلد کی خوبی ٹیٹل کی آب و تاب۔ موقع بموقع ضروری تصاویر۔ لکھائی چھپائی کی عمدگی۔ کاغذ کی نفاست وغیرہ امور سونے پر سہاگہ کا مصداق ہیں۔

غرض اس تالیف پر کماحقہ تفصیلی ریمارک کرنا یا دوسرے الفاظ میں مولف کی گرانمایہ محنت و مشقت اور لیاقت و قابلیت کی کامل داد دینا تو درکنار میں اپنے ان عمدہ خیالات و جذبات ہی کو جو اس کے مطالعہ سے میرے دل و دماغ میں پیدا ہوئے ہیں پورے طور پر تحریر کے ذریعہ ظاہر نہیں کر سکتا جس کو بہت وقت درکار ہے۔

میں آخر میں اپنے کرمفرما لائق مولف کی اس کامیابی پر انہیں مبارکباد دیکر امید کرتا ہوں کہ یہ تاریخ ان کی دیرپا یادگار ثابت ہوگی اور قوم مہدویہ کے روشن ستارہ حضور دیوان زبدۃ الملک نواب سر شیر محمد خان بہادر ادام اللہ ملکہ و اقبالہ کے عہد میمنت مہد کے ساتھ ساتھ قوم کی موجودہ و آئندہ نسلوں کے دلوں میں مولف کی یاد تازہ کرتی رہے گی۔ فقط

شہاب الدین عفی لہ
حیدر آباد دکن چنچل گوڑہ
۲۹ جنوری ۱۹۱۲ء

مراسلہ و تقریظ

از طرف انجمن مہدویہ حیدرآباد (دکن)

از دفتر انجمن مہدویہ حیدرآباد دکن (چنچل گوڑہ)

۲۷ر جنوری ۱۹۱۲ء

(مہر انجمن)

بخدمت جناب گلاب میاں صاحب میر منشی و مہتمم عمارت ریاست پالن پور

آپ نے اپنی جدید تالیف تاریخ پالن پور انجمن مہدویہ حیدرآباد دکن میں بغرض اظہار رائے پیش فرمائی تھی اس کو ممبران انجمن نے نہایت دلچسپی سے دیکھا اور اپنی پسندیدگی ظاہر فرمائی ہے۔ میں ممبران انجمن کی جانب سے آپ کی اس قومی خدمت کی انجام دہی کا خاص طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کو اس کامیابی پر پرجوش مبارکباد دیتے ہوئے آپ کی تالیف کی نسبت انجمن کی جو رائے قائم ہوئی ہے اس کو ایک مختصر تقریظ کی صورت میں پیش کرتا ہوں فقط

سید یار خوند میر متین

سکرٹری انجمن مہدویہ حیدرآباد دکن چنچل گوڑہ

ہر کتاب کے مباحث و مضامین کسی نہ کسی خاص علم و فن سے متعلق ہوتے ہیں اور ہر علم و فن کا ایک خاص موضوع اور ایک خاص غرض ہوتی ہے۔ پس ہر کتاب کے مضامین کے لئے بھی (خواہ وہ کسی زبان کی ہو) ایک خاص موضوع اور خاص غرض ہونا لازمی ہے جس طرح ہر کام کا حسن و قبح اسکی اصلی غرض و غایت کی مناسبت و موزونیت پر موقوف ہوتا ہے اسی طرح ہر کتاب کی حقیقی خوبی اور اصلی عمدگی بھی اپنے موضوع کے متعلق کافی اور پر مواد بہم پہنچانے اور اپنی غرض کی تکمیل میں پوری پوری مدد دینے پر موقوف ہوگی۔ اس کے سوا دوسری باتیں ہر کتاب کے لئے محاسن زائدہ ہوتی ہیں جن کے باعث کتاب کو زینت ضرور آجاتی ہے لیکن اُن کے ہونے سے اصلی خط و خال کی خوبی پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ اسی لئے ایک مذہبی کتاب کی اصلی خوبی خاص مذہبی اصول کے معیار پر جانچی جائے گی خواہ اسمیں فلسفیانہ وغیرہ اصول کی پابندی نہ مقصود ہی ہو

ادبی کتاب کی ادبی پہلو پر تنقیح ہوگی گو اس میں مذہبی یا اخلاقی پہلو سے کئی معائب موجود ہوں۔ کسی تاریخ کے اصلی محاسن کی جانچ پڑتال خاص مورخانہ نظر سے کی جائے گی اگرچہ اس میں ادبی نقائص پائے جائیں۔ اس اعتبار سے جبکہ گزشتہ یا موجودہ حالات و واقعات علم تاریخ کا موضوع ہیں اور ان کی واقفیت اور ان سے سبق لینا علم تاریخ کی غرض ہے تو کسی ملکی و قومی یا خاص مقامی تاریخ کے اصلی محاسن کا مدار اسی پر ہوگا کہ اس میں اپنے خاص موضوع سے متعلق کس قدر معلومات کا مواد فراہم کیا گیا ہے اور اس سے اصلی غرض (حصول واقفیت) کی کہاں تک تکمیل ہو سکتی ہے؟ اور اس کے سوا دوسری باتیں غالباً عبارت کی فصاحت و بلاغت لکھائی چھپائی کی عمدگی وغیرہ اُس کتاب کے محاسنِ زائدہ شمار ہونگے۔ پس اسی قاعدہ کلیہ کے موافق تاریخ پالن پور مولفہ جناب سید گلاب میاں صاحب میر منشی و میر عمارت ریاست پالن پور پر جو کچھ ریمارک ہو سکتا ہے وہ بھی محاسنِ زائدہ ہی سے متعلق ہوگا۔

ہر ملک و قوم کے گزشتہ حالات و واقعات کا وہ حصہ جو تحریر میں آگیا ہے وہ آج ہمارے نزدیک تاریخ یا تاریخ کا روشن پہلو کہلاتا ہے، اور جو حصہ متقدمین کے قلم سے رہ گیا یا ضبط ہونیکے بعد تلف ہو کر یا کسی اور وجہ سے متاخرین تک نہیں پہنچا وہ آج تاریخ کا تاریک پہلو ہے۔ تاریک زمانہ کا تاریخی مواد فراہم کرنیکے لئے جو ضوابط اور طریقے مقرر ہیں ان میں سے زیادہ تر را ئج بھی ہیں کہ اکثر تو تواریخ کے اصل اصول یعنی تواتر سے کام لیا جاتا ہے کہیں آثارِ قدیمہ سے استدلال کر کے واقعات کا سُراغ لگا لیتے اور کبھی دو یا کئی تاریخی معلومات سے ایک مجہول امر کا استنباط کر لیتے ہیں۔

جو حالت گزشتہ واقعات و حالات کی ہے ٹھیک وہی حالت موجودہ حالات و واقعات کی ہوگی جس طرح گزشتہ حالات ضبط ہونیکے بعد تاریخ کہلا رہے ہیں اسی طرح موجودہ ضبط شدہ حالات و واقعات آئندہ تاریخ کا کام دینگے اور موجودہ افراد ملک و قوم کی کم توجہی سے انکا جو حصہ ضبط ہونے سے رہ جائیگا وہ آئندہ نسلوں کے لئے تاریک رہے گا۔

تاریخ پالن پور جو ایک مقامی تاریخ ہے اپنے موضوع سے متعلق دونوں پہلوؤں یعنی گزشتہ و موجودہ حالات و واقعات پر حاوی ہے جسکی تدوین موجودہ و آئندہ نسلوں کے لئے یکساں مفید ہو سکتی ہے۔ اسکی پہلی دو جلدیں اگلے زمانہ سے متعلق تو تیسری جلد کو بلحاظ معنیٔ عرفی و اصطلاحی زمانۂ حال کے حالات و واقعات سے متعلق کہہ سکتے ہیں۔ گزشتہ زمانے سے متعلق جس قدر تاریخی مواد جمع کیا گیا ہے اس میں بھی واقعات کے تاریک اور روشن دونوں پہلو نظر آتے ہیں۔ یعنی ایک وہ حصہ جو پہلی تاریخوں میں درج ہونے سے اسوقت تک رہ گیا تھا اور مؤلف نے تاریک زمانہ کا تاریخی مواد فراہم کرنیکے مذکورہ مسلم اصول

طریقوں سے ان کے تاریک پہلو کو روشن کر دیا ہے۔ دوسرا وہ حصہ ہے جو اب سے پہلی تاریخوں میں منضبط ہو چکا تھا۔ پہلی قسم کے واقعات فراہم کرنا جس قدر مشکل اور دقیق کام ہے اسکی قدر کچھ وہی لوگ اچھی طرح جان سکتے ہیں جنہیں کبھی کسی واقعہ کے ایک پہلو پر روشنی ڈالنے کا اتفاق ہوا ہو۔ اس قسم کے گزشتہ حالات و واقعات کا کہیں تو قدیم تحریرات اور تواتر و عام شہرت کی بین دلیل سے ثبوت مل جاتا ہے اور کہیں صرف رسم و رواج نقش قدم کی طرح اپنے گزشتہ قافلہ کا پتہ دیتے ہیں۔ کہیں قدیم گیت ایک ایک مصرعہ یا شعر ایک ایک ضرب المثل یا کہاوت سے کسی واقعہ یا حالت یا رسم و رواج پر استدلال ہوتا ہے گو مولف نے اس طریق استدلال کو زیادہ تر مولفت تاریخ راجستھان کے تتبع پر محمول کیا ہے لیکن درحقیقت یہی طریقہ تمام دنیا بھر کا مسلمہ ہے اور اسکی نظیر ہر قوم کی تاریخ میں ضرور ملتی ہے۔ شعرائے ایام جاہلیت کے صرف اشعار ہی سے بیسیوں واقعات اور اس زمانہ کے بہتیرے رسوم۔ عادات و اطوار۔ عربوں کے تمدن اور مذاق پر استدلال کیا جاتا ہے اور یہ استدلال بالکل بجا ہے۔ ہندوستان کے تاریک زمانہ کے تاریخی واقعات قدیم گیت اور اکثر بھاٹوں کے اشعار ہی سے منضبط ہیں۔ غور کیا جائے تو ہر ملک و قوم کی تاریخ میں مشہور اور زبان زد خاص و عام روایتوں یا قدیم کتبوں سے ماخوذ حالات و واقعات کا بہت بڑا حصہ موجود ہے غرض تاریخ پالن پور میں اُن واقعات کے بیان کرنے میں جن کو ابتک اگلے موخین نے ضبط نہیں کیا تھا اکثر ایسے اصول اختیار کئے گئے ہیں جو عام طور پر کل اقوام کی تاریخ میں رائج اور سب کے نزدیک مسلم ہیں چونکہ مولف کے خطا سے معصوم ہونیکا تو دعوی نہیں اس لحاظ سے یہ ممکن ہے کہ کہیں جگہ کسی اصول کی شاید پوری پوری پابندی نہ ہوسکی ہو تاہم اتنا ضرور ہے کہ تاریخ مذکور میں اپنے موضوع بحث سے متعلق بہت سا ایسا مواد عمدگی اور معقولیت کے ساتھ فراہم اور منضبط کر دیا گیا ہے جو اگلی تاریخوں میں کہیں نہیں مل سکتا بہتسا ہے ایسے نایاب کاغذات مثلاً خانگی و سرکاری خطوط۔ سندات وغیرہ جو ریاست کے دفتر کے سوا اور کہیں سے دستیاب نہیں ہوسکتیں اور جن سے ریاست اور رؤسا کی نسبت بیشمار باتیں معلوم ہوسکتی ہیں اس تاریخ میں درج ہیں جو مولف کی جانفشانی و دماغ سوزی اور عمدہ تلاش کی تصدیقی سند یا سرٹیفکیٹ ہے۔

دوسری شق کیطرف نظر کرنے سے بظاہر صرف نقل کلام کے سوا کوئی زیادہ کارگزاری نہیں معلوم ہوتی لیکن غور کرنے سے واضح ہوسکتا ہے کہ یہ مسلسل واقعات جو ہمارے روبرو ایک عمدہ اور مدون حالت میں موجود ہیں وہ کہاں کہاں اور کس کس مشقت و محنت سے فراہم ہوئے ہیں؟ ان کی فراہمی اور ترتیب کے لئے کس قدر ورق گردانی کی گئی اور ذرا ذراسی بات کے لئے کیا کیا جستجو کرنی پڑی ہوگی۔ اس اعتبار سے لائق مولف کی وسعت نظر اور یہ استقلال اور اَن تھک محنت نہایت درجہ

قابل داد ہے کہ انھوں نے بڑی جانکاہی سے واقعات کے ایسے پریشان اجزا کی شیرازہ بندی کر دی ہے جو کئی زبانوں کی متعدد کتابوں کے مختلف حصص میں ایسے بکھرے ہوئے تھے کہ ہر ناظر کو اپنے خزانۂ معلومات میں اکٹھے کرنے کے لئے اسی قدر زحمت اٹھانی پڑتی جس قدر لائق مولف نے اٹھائی ہوگی۔

اس قدر پراگندہ و پریشان مواد کے جمع کرنے کے ساتھ جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ تاریخی حالات و واقعات کی جانچ پڑتال میں بھی التزام کیا گیا ہے تو مولف کی محنتوں کی داد دینے کے ساتھ ان کی دقیق النظری کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے چنانچہ واقعات کے بیان کرنے میں جا بجا نقادانہ نظر اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے۔ اختلاف روایات بتا نے مختلف بیانوں میں تطبیق دینے متضاد اقوال کی تنقید کرنے میں اصول روایت و درایت دونوں کی پابندی کی گئی ہے اور در اصل ایک مورخ اور محقق مورخ کے لئے بہت ضروری ہے کہ روایت کے ساتھ ساتھ درایت کے میزان میں بھی واقعات کو تولتا جائے ورنہ صرف روایت ہی کی پابندی سے متضاد روایتوں کے جمع ہو جانے سے رطب و یابس معاملات درج کتاب ہونے کے باعث مورخ اور قصہ گو میں کوئی فرق نہ رہے گا۔

موقع بموقع ضروری حواشی کے ذریعہ اصلی واقعات و حالات کی ایسی توضیح و تفصیل کر دی ہے کہ تاریخی پہلو سے جملہ حواشی بھی بجائے خود ایک مختصر تاریخ ہیں جس سے مولف کی اعلیٰ واقفیت اور وسیع تاریخی معلومات کا ثبوت ملتا ہے۔

کتاب کے ساتھ ریاست کا نقشہ اور والیان ریاست کا شجرہ نسب منسلک ہے اور کئی موقعوں پر بہت سے ضروری امور جدولوں اور نقشوں کے ذریعے اس خوبی و اختصار سے بتائے گئے ہیں کہ گویا ایک ایک جدول کتاب کے ایک ایک یا کئی کئی باب کا نچوڑ ہے اور ان پر "دریا کو کوزہ میں بند کر دینے" کی مثل ایک حد تک صادق آتی ہے۔

پہلے دو حصوں کے بعد تیسرے حصہ پر نظر ڈالی جائے جو ہز ہائنس حضور دیوان زبدۃ الملک نواب سر شیر محمد خاں بہادر جی۔سی۔آئی۔ای۔ والئی ریاست پالن پور دام اللہ اقبالہم کے عہد میمنت مہد سے متعلق ہے تو ریاست کے انتظامات۔ ترقیات اور ہز ہائنس کی اعلیٰ قابلیت۔ حسن انتظام۔ مذہبی پابندی کے ساتھ بے تعصبی۔ رعایا پروری۔ عدل گستری کا تفصیلی نقشہ نظروں میں کھچ جاتا ہے۔

غرض "تاریخ پالن پور" اپنے موضوع سے متعلق گزشتہ و موجودہ اس قدر تاریخی مواد کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہے کہ اسکی نظیر اس سے پہلے کسی ایک تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ یہ عادی بات ہے کہ جب کوئی کام پہلے پہل ہوتا ہے تو بعد

تکمیل لوگوں کی متجسس اور نکتہ چین نظریں اس کے نقائص اور اسکی فروگزاشتوں پر پڑتی ہیں اور اُسی کام کو اس سے زیادہ عمدہ طریقہ سے انجام دینے کی اُمنگ ، کبھی کسی نہ کسی دل میں ضرور پیدا ہو جاتی ہے اور چونکہ ایجاد سے اصلاح آسان ہوتی ہے اور ع

نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول

ایک صحیح کلیہ ہے اسلئے پہلے کام کی بہ نسبت یہ دوسرا کام نقائص سے پاک اور بہتر طور پر انجام پاتا ہے اسی طرح تاریخ پالن پور میں بھی مورخانہ اعتبار سے جن باتوں کی کمی رہ گئی ہو یا کوئی نقائص پائے جائیں تو عجب نہیں کہ اب یا آیندہ کوئی نہ کوئی عالی ہمت اس تکمیل و اصلاح کی جانب متوجہ ہو اور اس سے عمدہ تاریخ لکھدے ۔ لیکن ہمارے لایق مولف نے جس محنت اور لیاقت و قابلیت سے جو مواد فراہم کر دیا ہے آئندہ مورخین کو اسی سے بہت کچھ مدد ملے گی اور اولیت کا سہرا مولف ہی کے سر رہیگا ۔

کتاب کے اصلی محاسن اور ان باطنی خوبیوں کے مقابلہ میں جو معنی پسند طبائع کی ضیافت طبع میں کافی حصہ لینے والی ہیں اسکا ظاہری حسن جو خوبصورت جلد ، رنگین ٹائیٹل ، دبیز اور چکنے کاغذ ، خوشخطی عمدہ لکھائی چھپائی کے زیوروں سے آراستہ ہے ، ظاہر بینوں اور صورت پسندوں کا دل لبھانے میں ہر طرح کامیاب ہے ۔ اور مصداق ع

برنگ ارباب صورت را بوار باب معنی را

ناظرین کے یہ دونوں گروہ اس کتاب سے محظوظ ہو سکتے ہیں ۔

تاریخ پالن پور میں جو تصاویر کا حصہ بڑھا دیا گیا ہے وہ مضامین کتاب پر ایک ایسا مفید اضافہ ہے جس سے ناظرین کو زیادہ دلچسپی ہونے کے علاوہ کئی فوائد بھی حاصل ہو سکتے ہیں ۔ تصاویر کے سلسلہ میں سب سے پہلے مولف کتاب کی تصویر گویا ناظرین کو مولف کتاب سے تعارف کراتی ہے ۔ اس کے بعد اپنی اپنی جگہ پر بعض خاص خاص اشیاء جیسے تلوار اصفہانی اور سوہج مکھی وغیرہ نظر آتی ہیں جو فی الحقیقت مشہور اور قابل یادواقعات کی یادگاریں ہیں ۔ کئی ایک والیان ریاست کے تذکرہ کے ساتھ ان کی تصویریں موجود ہیں جن سے ناظرین ہر ایسے والی ریاست کے (جسکی تصویر دیگئی ہے) باطنی اخلاق و سیرت اور کارناموں کی سیر کے ساتھ ساتھ ظاہری شکل و صورت بھی دیکھ لیتے ہیں ۔ اور ان لوگوں کے لئے جو از روے علم قیافہ صورت و سیرت کو ایک دوسرے سے وابستہ مانتے ہیں تاریخ پالن پور کے صفحات علم قیافہ کی رو سے ظاہری خط و خال کو باطنی عادات و اطوار اور جذبات سے تطبیق دینے میں مدد دے سکتے ہیں ۔ اس سے قطع نظر اکثر تصاویر مندرجہ کتاب جو دراصل ان دستی تصاویر کا عکس ہیں جو ریاست کے خزانہ میں محفوظ چلی آرہی ہیں اور ان کی اصلیت میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا

ان سے اگلے زمانہ کے فن مصوری کا نمونہ معلوم ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان تصاویر سے قدیم زمانہ کے عادات و اطوار۔ لباس۔ طرز و وضع۔ ساز و یراق آلات حرب وغیرہ بہت سے جزئی امور پر بھی روشنی پڑتی ہے جو متلاشیان آثار قدیمہ کے لیے معلومات کا نہایت قیمتی ذخیرہ اور ایسا تاریخی مواد ہے جو قدیم تاریخوں کے صفحات پر ڈھونڈے سے کبھی نہیں مل سکتا۔

کتاب کی زبان اور طرز بیان کی نسبت اگر بعض ادبی غلطیوں یا کہیں کہیں مضامین کی بے ترتیبی سے قطع نظر کر لیا جائے تو یہ کہنا بالکل قرین انصاف ہے کہ عبارت میں روانی اور زور قلم کے ایسے جوہر دکھائے گئے ہیں کہ ایک ایسا شخص جو علاقہ گجرات میں اردو زبان کی موجودہ خراب حالت سے خوب واقف ہو ہرگز یہ باور نہیں کر سکتا کہ مولف کا مولد و مسکن صحیح صحیح خاک پاک گجرات ہے جس میں دلی کی آب و ہوا کا اثر اور ہیئت وہی کالب ولہجہ سب و کتاب کا نتیجہ ہے نادری و وہبی۔ اس کے ساتھ ہی دیباچہ اور تاریخ کی زبان پر غائر نظر ڈالنے سے زبان اردو کے ہر زمانہ میں نیا جنم لینے اور روپ بدلنے اور بتدریج ترقی کرنے کا پتہ چل سکتا ہے کہ وہ پہلے فارسی انشا پردازی کے رنگ میں کس حد تک ڈوبی ہوئی تھی اور کس طرح رنگ بدلتی گئی اور روز بروز کس سرعت سے ترقی کرتی جا رہی ہے۔

اکثر جگہ ہر شخص کے جذبات کی تصویر مناسب الفاظ میں کھینچی گئی ہے اور حتی الامکان ہر شخص کی حیثیت۔ حالت بمقتضائے حال و مقام کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اکثر واقعات کے بیان کرنے۔ والیان ریاست کے عادات و اطوار۔ اخلاق و خصائل اور ان کے کارناموں پر ریمارک کرنے میں اہل یورپ کی جدید طرز تاریخ نویسی و وقائع نگاری کی جھلک نمایاں ہے۔

تاریخ پالن پور کی تدوین سے جو فوائد مرتب ہو سکتے ہیں ان پر ریمارک کرنے کے لیے اس کے ان نتائج پر ایک سطحی نظر ڈالنی چاہیے جو مختلف اعتبارات سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ ملکی اعتبار سے اسکی تدوین اس لیے مفید ہے کہ ملک ہندوستان جس طرح اپنی زرخیزی اور بہت سی خصوصیتوں کے اعتبار سے اکثر ممالک میں ممتاز ہے اسی طرح اپنے اقطاع و حصص کے باہمی اختلافات کے لحاظ سے بھی ایک خاص امتیاز رکھتا ہے جس کا ہر حصہ اختلاف آب و ہوا اور اشکال طبعی کے باہمی تخالف وغیرہ کی رو سے جدا جدا ملک معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ہر حصہ کی چپہ چپہ زمین تاریخی واقعات کی یادگار ہے۔ ہر حصہ ملک کا ایک ایک مقام اور ہر مقام کے بہت سے آثار قدیمہ اپنے گزشتہ انقلابات کے بیشمار سرمایہ کو اپنے دامن میں چھپائے ہوئے ہیں۔ تاریخی مواد کی اس کثرت کے باوجود بدقسمتی سے قدیم مشہور مورخین نے جو طریقہ تاریخ نویسی کا اختیار کر رکھا ہے وہ یہی ہے کہ عموماً کسی بڑی سلطنت یا ملک کے بڑے حصہ کو اپنا موضوع قرار دے لیتے ہیں اور اسی وسیع موضوع کے مناسب واقعات قلم بند

کرتے جاتے ہیں جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس عظیم الشان سلطنت اور اس وسیع حصہ ملک کے متعلق تو اکثر معلومات حاصل ہو جاتے ہیں لیکن اس حصہ کے بیشمار ذیلی مقامات اور اس سلطنت کی ماتحت بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے تفصیلی حالات ۔ انقلابات وغیرہ ذکر ہونے سے رہ جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جب کوئی شخص اس قسم کے مقامات اور ریاستوں کے متعلق تفصیلی تاریخی معلومات قدیم مشہور تاریخوں سے حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس کو ان کا بہت بڑا حصہ تاریک نظر آتا ہے ۔

ایک عرصہ سے اہل ملک کی توجہ اس جانب مبذول ہوئی ہے اور خاص خاص مقامات کو اپنا موضوع قرار دیکر اس کے متعلقہ تاریخی حالات کو شرح و بسط سے بیان کرنے کا میلان اہل ملک میں پیدا ہو چلا ہے اور اسطرح ملکی تفصیلی تاریخ کا ایک ایک باب مکمل ہوتا اور ملک کے ایک ایک گوشہ اور ہر گوشہ کے مختلف مقامات کا تاریخی تاریک پہلو روز بروز روشن ہوتا جاتا ہے ۔ چنانچہ ابتک اس قسم کی کئی تالیفات مکمل ہو کر پبلک کے روبرو پیش ہو چکی ہیں اور اب تاریخ پالن پور کی تدوین سے اسی قسم کی مفید تاریخوں میں ایک مناسب اضافہ ہوا ہے جس میں ملک ہند کے مشہور خطہ گجرات کے ایک مشہور مقام اور قدیم ریاست پالن پور کی نسبت بہت سا ایسا تاریخی سرمایہ جمع کر دیا گیا ہے جو کسی مشہور قدیم تاریخ میں نہیں مل سکتا تھا ۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ پالن پور کہنے کو تو تاریخ پالن پور ہے لیکن حقیقت میں یہ تاریخ گجرات کا خلاصہ ہے جس میں سلطنت گجرات کی ترقی و زوال ۔ گجرات کی کئی ایک چھوٹی بڑی قدیم ریاستوں کے تغیرات و انقلابات ۔ گجرات کے اکثر مشہور مقامات کے تاریخی جغرافیائی حالات ۔ گجرات کے مشہور مشہور واقعات اور اہل گجرات کے عادات و اطوار ۔ طرز و آئین وغیرہ بہت سے ضروری امور اجمالی طور پر اس میں موجود ہیں جن سے گجرات کی عام تاریخ کا سرسری نقشہ ہر ناظر کی نظروں میں پھر جاتا ہے ۔

اس کے قطع نظر تاریخ پالن پور سے دوسرے اقطاع ہند مثلاً دکن و راجپوتانہ وغیرہ کے بعض ایسے واقعات کا بھی پتہ مل رہا ہے اور انکی توضیح ہو رہی ہے جو خاص مقامی تاریخوں کا ضروری جزو ہونیکے باوجود ان میں سرے سے ذکر ہی نہیں کیا گیا یا مجمل چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اس لحاظ سے تاریخ گجرات و پالن پور کی طرح راجپوتانہ ۔ شمالی ہند ۔ دکن وغیرہ کی تاریخ بھی ہمارے محقق مولف کے زیر بار احسان ہے کہ انھوں نے یہانکے تاریخی معلومات میں بھی بعض ایسی باتوں کا اضافہ کر دیا ہے جو ابتک اہل ملک کے لئے غیر معلوم یا تشریح طلب تھیں ۔ پس اس اعتبار سے یہ تالیف ملک اور کل اہل ملک کی عمدہ خدمت ہے کہ

اس کے ذریعہ ملکی تاریخ کا ایک تاریک حصہ روشن اور ایک حصہ کے موجودہ حالات و واقعات کو آئندہ نسلوں کے لئے تاریک بننے سے محفوظ کر دیا گیا ہے۔

تاریخ پالن پور کے مطالعہ سے اہلِ ملک کے قدیم وجدید مذاق اور اس عام انقلاب کا فوٹو نظروں کے روبرو پیش ہوجاتا ہے جو اہلِ ہندوستان کی اگلی اور موجودہ تمدنی حالت میں واقع ہوا ہے۔ اور ظاہر ہوسکتا ہے کہ پہلے اہلِ ملک کے مشاغل کیا تھے اور اب کیا ہیں۔ وہ اگلے زمانہ کی بدامنی کے مقابلہ میں موجودہ عہد میں کس قدر امن وامان سے بسر کر رہے ہیں۔

اس کے مطالعہ کرنے والے پر اس انقلاب کا بھی نقشہ ظاہر ہوجاتا ہے جو فنِ تاریخ نویسی میں ہوا ہے اس کے پہلے دو حصے قدیم طرزِ تاریخی اور قدیم ملکی مورخین کے مذاق کا نمونہ ہیں جن میں جنگ وجدل، عزل ونصب وغیرہ کے مقابلہ میں علمی وتمدنی پہلو کا بہت کم ذکر ہے۔ اور اس کا تیسرا حصہ جو موجودہ والی ریاست کے مبارک عہد سے متعلق ہے وہ جدید مذاق یا موجودہ طرزِ تاریخ نویسی کا نمونہ ہے جس میں علمی وتمدنی پہلو اور ملکی انتظامات کا بھی تفصیلی ذکر ہے۔

مذہبی پہلو سے اگر بعض روایات وغیرہ کی نسبت چند جزئی غلطیوں سے چشم پوشی کرلیجائے تو چونکہ اس میں صاحبِ مذہب امامنا حضرت مہدی موعود علیہ السلام کے مبارک سوانح کا کچھ حصہ درج ہے اور کئی مذہبی کتب کے اقوال و روایات سے کتاب کے مباحث کو زینت دیگئی ہے کہیں کہیں بزرگانِ دین کی مختصر مقدس لائف لکھی گئی ہے جن سے عموماً جملہ ناظرین اور خصوصاً گروہ مہدویہ کو تاریخی معلومات کے ساتھ ساتھ کسی قدر مذہبی معلومات بھی حاصل ہوسکتے ہیں اس لئے اسکو مذہبی کتاب کا ایک مقدس جزو کہنا بالکل بجا ہے۔

عام قومی نقطۂ خیال سے تاریخ پالن پور کو دیکھا جائے تو یہ ایک اسلامی ریاست کی تاریخ اور خاص طور پر مسلمانوں کے کارناموں کا مجموعہ ہے جس سے افرادِ قوم اپنے اسلاف کے حالات، عادات واطوار، اور کارناموں کی واقفیت حاصل کرسکتے اور ان کے اچھے برے نتائج پر غور کرکے اُن سے عمدہ نتائج لے سکتے ہیں۔ ایک اور جہت سے چونکہ اسمیں جس قدر تاریخی مواد فراہم کیا گیا ہے اس کا بہت بڑا حصہ فارسی گجراتی وغیرہ ایسی زبانوں سے جن سے اکثر افرادِ قوم محض ناواقف ہیں مسلمانانِ ہند کی قومی زبان اُردو میں منتقل کیا گیا ہے جسکی بدولت کُل افرادِ قوم اس سے مستفید ہوسکتے ہیں اس لئے ہم اسکی تدوین کو قوم اور قومی زبان کی مفید خدمت کی بجاآوری تصور کرسکتے ہیں۔

خاص قوم مہدویہ کے لحاظ سے چونکہ ممالک مہدویہ میں پالن پور کو جسکی یہ تاریخ ہے ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ اور شاہان و رؤسا مہدویہ میں سے ایک ایسے برگزیدہ خاندان رؤسا کے حالات اسمیں درج ہیں جس کے عالی مرتبت افراد کو حضرت امامنا مہدی موعود علیہ السلام کی بعثت کے زمانہ سے اب تک ریاست اور تصدیق کی لازوال دولت گویا دینی و دنیوی دونوں سعادتیں تقریبًا چار سو سال سے مسلسل نصیب ہیں اس لئے تاریخ پالن پور کل گروہ مہدویہ میں نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھی جانے کے قابل ہے۔ اس کے علاوہ ضمنی طور پر کئی ایک جلیل القدر مہدوی المذہب بادشاہ اور رؤسا و فرید عصر علما و شعرا۔ ذی منصب و عالی مراتب مشاہیر قوم کے حالات اس میں مذکور ہوئے ہیں ان دونوں اعتبارات سے تاریخ پالن پور خاص قومی تاریخ کہلانیکی مستحق ہے اور اس قسم کی قدیم قومی تاریخوں نیا جواب سے پہلے لکھی گئی ہیں اپنے مفہوم و معنی کے لحاظ سے یہ تاریخ نہایت مفید اضافہ ہے۔ اور ظاہری لحاظ سے اس کو اس جدید طرز کی قومی تاریخ کا سنگ بنیاد کہنا چاہیئے جس کی تکمیل انجمن مہدویہ کے مفید قوم اغراض و مقاصد سے ایک اہم مقصد ہے جس کے نظر کرتے انجمن مہدویہ لائق مؤلف کی خصوصًا جلسۃً کے ساتھ ممنون ہے فقط

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی محمد عبید اللہ صاحب فرحتی عباسی الامروہوی سب رجسٹرار

نگینہ ضلع بجنور

بہ گفتن بد و نیک جہاں نگاہ مدار

قلم بدست بگیر و سخن درست نگار رہو

ان ایام میں ہمارے ایک غائبانہ دوست منشی گلاب میاں صاحب نے جو نہ محض ریاست پالن پور کے متوطن بلکہ قدیم متوسل و متعلق ہیں، ریاست مذکور کی مطول و مفصل تاریخ جسکی بنیاد چند سال قبل ایک قابل شخص مولوی رحمت میاں صاحب خضا نے ڈالی تھی اور جسکو وہ بوجہ ناگزیر واقعۂ وفات خود اتمام کو نہ پہنچا سکے تالیف فرمائی ہے۔ اس کتاب کا حصہ کثیر جس میں قومی

اور تاریخی حالات اسوقت تک اسکے درج ہیں، طبع ہو چکا ہے۔ صرف بعض ضمیمات انطباع سے باقی رہے ہیں۔ مولف حال تاریخ
نے اپنی فراخ طبعی اور وسیع الخیالی سے ذخیرہ مطبوعہ کو علیگڈہ کالج کے عالیمقام مقبول انام آنریری سکرٹری وقار الملک نواب
مولوی مشتاق حسین خان بہادر انتصار جنگ امروہوی کی خدمت بابرکت میں جو ہندوستان کی لاجواب اسلامی وانگریزی درسگاہ
کے محافظ و منتظم اعظم ہیں، طلب رائے کو ارسال کیا۔ باوجودیکہ نواب صاحب ممدوح الاوصاف بذاتہ ایک صائب الرائے بزرگ
ہیں اور انکی متعلقہ درسگاہ عظیم میں مختلف علوم و فنون کے ماہر اشخاص موجود ہیں جو ہر امر میں کم و بیش اظہار رائے کا مادہ و ادراک
رکھتے ہیں۔ لیکن موصوف الیہ بدرجہ کمال جوہر شناس و ہر شعبہ کے کنہ و نہایت کو بنگاہ بسیط دیکھنے والے شخص ہیں پس انہوں نے
کتاب مذکور کو بغرض تحقیق و تنقیح تاریخی خصوصاً ریاستی ہونے کے باعث خاکسار کے پاس جسکو اوائل عمر سے قومی و تاریخی معاملات
میں عمیق مصروفیت و دلچسپی رہی ہے، بغرض تنقید ابلاغ فرمائی۔ اسکو مولف کتاب نے بہ ایماے ممدوح الصدر بذریعہ اپنی
ذاتی مودت آمود تحریر کے قبول فرمایا۔ چونکہ خاکسار راقم الحروف بہی خواہان اسلامی کالج کا ایک عام نیازمند اور نواب وقار الملک بہادر
کا ایک قدیمی و دلی عقیدتمند ہے لہذا اس باب میں جو کچھ رطب و یابس کا اظہار کرتا ہے۔ اسکو ایک کمترین خدام کالج کی جانب سے
ادائے خدمت شمار کرنا چاہئے۔

"تاریخ یا علم واقعات گزشتہ ایک ایسی چیز ہے جسکو کوئی قوم یا کوئی شخص محض کسی قوت یا دولت سے بلا موجودگی سندات قدیمہ
کے ایجاد و اختراع نہیں کرسکتا۔ پس وہ بڑی خوش نصیب قوم ہے جسکی دیرینہ و مسلسل تاریخ روے زمین پر پائی جائے۔ اہل ہند
نے جن سے میری مراد ہنود و اقوام سے ہے، علاوہ دیگر شعبہاے علوم تصوف۔ فلسفہ ریاضی و نثر و نظم کے علم تاریخ یعنی واقعہ نگاری
بقید وقت کی طرف اصلا توجہ نہیں کی۔ اسی باعث داخلہ اہل اسلام سے ماقبل زمانہ کی مسلسل تاریخ ہندوستان بہ استثناے چند
متفرقہ وقائع کے جو محض بیرونی اشخاص یونانی چینی عربی و پرتگیزی سیاحان کے طفیل دستیاب ہوتے ہیں، مطلق نہیں ملتی۔ اُن
لوگوں کی خودستائی و خودرائی پر سخت حیرت و تاسف ہوتا ہے جو اس بدیہی اور واجب التسلیم امر سے انحراف کرکے ذخائر داستانی
و پاستانی کو تاریخ نام دینا چاہتے ہیں۔ تاریخ و قصہ میں علانیہ یہی فرق ہے کہ تاریخ میں انضباط واقعات بقید اوقات بلا کم و کاست
کیا جاتا ہے اور قصہ کو ہر گونہ مبالغہ آمیزی کے ساتھ بلا تعین صحت وقت۔ دلچسپ بنایا جاتا ہے۔ اسی تفریق سے ہم قصص
مثلاً مہابھارت و رامائن کو مثل اپنے فارسی کتب شاہنامہ و سکندر نامہ وغیرہ کے تاریخی درجہ نہیں دے سکتے۔

جب واقعات عامۂ ہندوستان کی یہ حالت ہے۔ تو مختلف اقطاع و صوبجات ہندوستان کی موجودہ ریاستوں کی

صحیح و مسلسل تاریخ قدیم دستیاب ہونا امر محال ہے۔ چنانچہ فرمانروائے میواڑ واقع ملک راجپوتانہ جو ہندو اقوام کے سرتاج قدیم راجہ رامچندر کی ممتاز یادگار مانے جاتے ہیں اور جن کے یہاں قدیم کتابات۔ تاریخی کتب و نوشتجات سابق و حال کا بے نظیر ذخیرہ فراہم کیا گیا ہے۔ اُنکی بھی اسوقت سے پانسو سال ماقبل کی مسلّم و مسلسل تاریخ بہ استثنائے چند متفرقہ وقائع کے نہیں مل سکی پس دیگر ریاستوں کا قدیم و صحیح حال بجز قصہ جات کے ضبط تحریر میں لانا عدیم المثال منصوبہ ہے۔ تاہم اس خصوص میں جو لوگ خامہ فرسائی و تکلیف فرمائی کرتے ہیں وہ ہر طرح قابل قدر و داد ہیں۔ اسی زمرہ نادرہ میں ہم اپنے دوست منشی گلاب میاں کو داخل کئے بغیر نہیں رہ سکتے جنہوں نے باوجود اتلاف قدیم کاغذات و اسناد ریاستی کے ہندی قصص و اشعار و بعض تاریخی کتب کی تلاش و تحقیق پر ایک ایسی ریاست کی تاریخ ترتیب دی جس کے فرمانروایان کی سکونت و ریاست علاقہ مارواڑ واقع راجپوتانہ میں اور ریاست پالن پور مضافات گجرات میں پانچ سو سال سے پائی جاتی ہے۔ استدراجمالی عام رائے کے علاوہ جو مثل تمہید ہے چند قومی و تاریخی اہم امور متعلق خاص ریاست پالن پور بلحاظ اپنی آگاہی کے جس کے لئے میں بے وقت بیکار اگیا ہوں بلا خیال تعریض و تائید کچھ تنقیح کرتا ہوں اس سات سو صفحات کی ضخیم کتاب کے مطالعہ عمیق اور نیز دیگر کتب تاریخ سے تطبیق و توثیق کے واسطے مہینوں کی مدت بھی کم تھی۔ مگر بمصداق ا(ومہ) فوق الادب کتاب پر ایک عاجلانہ و مضطربانہ نگاہ ڈال کر بعض ضروری کتب اور اپنی یاد سے جسکے لئے ایک ہفتہ سے زائد مہلت مجھکو نہیں ملی کچھ لکھتا ہوں۔

لفظ و قوم پٹھان کی حقیقت حال جو مولف تاریخ پالن پور نے اپنی کتاب میں تمہیدی حصہ کے صفحہ ۲۸ سے صفحہ ۳۳ تک درج کی ہے وہ چند کتب حیاۃ افغانی۔ صولت افغانی و مخزن افغانی وغیرہ سے لی گئی معلوم ہوتی ہے۔ ان میں سے کسی نے لفظ پٹھان کی ابتدا پٹنہ میں آغاز قیام ہند کے باعث بتلائی ہے۔ کسی نے یہ لکھا ہے کہ ایک شخص قیس عبدالرشید کے ایک بیٹے کا نام سطبن تھا جس کی اولاد پٹھان کہلائی۔ اس بیان پر یہ بھی طبعی اضافہ کیا ہے کہ لفظ پشتو جسکو پختو بھی کہتے ہیں۔ لفظ پشتہ بمعنی گروہ (ٹیلہ) سے ماخوذ ہے۔ اس قومی تشریح کے بعد یہ قرار دیا ہے کہ قوم پٹھان یا افغان یہود کے بادشاہ ساول کی نسل میں سے قیس بن عبدالرشید یا اُن کے حقیقی برادر خالد بن ولید کی اولاد میں ہے۔ خالد بن ولید نے اپنے قومی برادر قیس بن رشید کو کوہستان افغانستان سے عرب میں بروقت فتح مکہ آنحضرت پیغمبر علیہ السلام کے حضور میں بلاکر لشکر اسلام کا ہراول مقرر کرایا تھا جس نے بعد اظہار جلادت افغانستان واپس جاکر عام اشاعت اسلام کی۔ مولف تاریخ پالن پور نے یہ بیانات نقل کرکے رائے دی ہے کہ لفظ پٹھان بوجہ ہائے مخلوط التلفظ ہندی الاصل معلوم ہوتا ہے۔

راقم الحروف استفسار اظہار لے ہے پر بھی مولف تاریخ کو داد دیتا ہے کہ افسوس ہے کہ غیر قابل اطمینان بیان کو قطعاً تسلیم نہیں کر لیا مگر وہ کیا کریں کتب حالات افغانان کے علاوہ منشی رحمت اللہ ربعد مولف بڑی جنتری نے بھی اپنے سلسلہ تاریخی بیانات میں انہیں امور کو بطور طوالت درج کیا ہے جو از روے معقول و منقول محض غلط اور نادرست ہے - بنا ے غلطی یہ ہے کہ ہمارے برادران اسلامی غیر اقوام کے علم و زبان کی تحصیل سے بے بہرہ ہیں - ورنہ مثل علامی ابو الفضل فیضی اور ڈاکٹر سید علی بلگرامی کے بہت سے نکات لاینحل کا انکشاف فرما سکتے ہیں - بہ تحقیقات خاکسار لفظ پٹھان کی اصلیت صحیح اسطور پر ہے کہ سنسکرت میں ایک لفظ پشٹ اور پشٹان بمعنی قوی الجثہ ہے جس سے لفظ پٹھان بنا جیسا کہ ہندی اللفظ منگل بمعنی مریخ کو اہل اسلام نے معرب کر کے مغل بنا لیا ہے - چونکہ سنسکرت و نیز فارسی میں حروف سین و شین ہاے ہوز سے تبدیل ہو جایا کرتے ہیں پس لفظ پشٹان کو پہٹان بنا لیا گیا - پھر غیر زبان یعنی فارسی حروف میں تلبیس خطی کے باعث پہٹان کا پٹھان لکھا اور پڑھا جانے لگا - ہاے ہوز جو حرف ٹ کے ماقبل تھی ، مابعد استعمال ہونے لگی - نیز لفظ پٹھان کو جسکی اصلیت مضموم الاول تھی مفتوح الاول بولا جاتا ہے جیسا کہ لفظ زبان مضموم الاول کو لاکھوں آدمی بہ فتح زا بولتے ہیں -

اس قومی و لفظی تفتیش و تحقیق کے بعد تاریخی انکشاف حال کے لیے منقولات مسلمہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے - واضح ہو کہ ساؤل بنی اسرائیل میں وہ بادشاہ تھا جسکے عہد میں حضرت داؤد نے بحیثیت ایک سپاہی کے اپنی قوم کے دشمن قوی جالوت پہلوان کو مبارزت میں قتل کیا - اور ساول بادشاہ کے کام آنے کے بعد حضرت داؤد کو یہود قوم کی سلطنت و سرداری حاصل ہوئی آیہ کریمہ - قتل داؤد جالوت واتہ اللہ الملک اسی پر دال ہے لیکن خالد بن ولید یا انکا کوئی بھی برادر قیس بن عبد الرشید نام کسی قبیلہ عبد شمس کی یہودی نسل میں نہیں ہوا ہے یہودی اگرچہ زمان بعثت آنحضرتؐ میں ملک عرب میں آباد تھے - لیکن وہ لوگ طریق معاشرت میں ہندوں سے بھی زائد قیود کے پابند تھے - کسی سخت مجبوری کی حالت میں بھی ان کو غیر اقوام سے رشتہ داری کرنا روا نہ تھی - اور اہل عرب بھی آنحضرتؐ کے فرمان سے ماقبل اہل کتاب کے ساتھ مناکحت کو ناجائز تصور کرتے تھے قطع نظر ان رشتہ داریوں کے اہل عرب یعنے قریش کسی فرقہ یہود یا بنی اسرائیل کی شاخ میں داخل ہی نہیں ہو سکتے کیونکہ اہل قریش حضرت ابراہیمؑ کے فرزند اعظم حضرت اسمٰعیلؑ کی نسل میں ہیں اور حضرت اسحٰقؑ ولد دوم حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ کے نام اسرائیل سے انکی عام اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے منجملہ بارہ فرزندان حضرت یعقوبؑ کے ایک فرزند کا نام یہودا تھا جسکی اولاد یہودی کہلاتی ہے - اہل قریش اس سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے چونکہ محض غلط طور پر بعض عام کتب میں یہود و خالد بن ولید کی نسل سے افاغنہ کو لکھ دیا گیا ہے - لہذا اس امر کی قطعی تردید بہ ثبوت کامل کرنی لازم آئی -

ایک مستند نیز تاریخ المعارف من تصنیف مسلم بن قتیبہ مصنفہ وسط سوم صدی ہجری مطبوعہ جرمنی سے جو انساب الاعراب
کے سلسلۂ جدی و مادری کی تحقیقات میں بے نظیر کتاب ہے اور مجھکو اپنے عزیز الوجود دوست مولوی صبغت اللہ صاحب
امروہوی۔ بی اے کے ذریعہ سے مستعار مل گئی ہے، خالد بن ولید کی اصلیت بنی مخزوم سے پائی جاتی ہے۔ مسمی مخزوم
مسمی قصی کے عمزاد برادر اور عبد مناف کے چچا ہوتے تھے جو خاص بنی قریش میں ایک ممتاز شخص تھے۔ خالد بن ولید کو کسی
عبد شمس یہودی کی اولاد بتانا بہتان عظیم ہے۔ معاملہ فتح مکہ جس کے چند ہی روز پہلے خالد بن ولید اسلام لائے تھے مثل دیگر محاربات
سبب کے کوئی معرکہ عظیم نہ تھا۔ کیونکہ اسوقت آنحضرت صلعم کی خدمت میں دس ہزار جانباز مجاہدین حاضر تھے۔ جن کے رعب
و جلال سے مشرکین مکہ پست حوصلہ ہو گئے تھے۔ اور حضرت عباس بن عبد المطلب نے ابو سفیان کی معرفت جو جدید الاسلام
مثل خالد بن ولید کے تھا۔ اطاعت اختیار کرنے کے لئے فہمائش بھی کر دی تھی۔ حسب بیان تاریخ ابن خلدون عسکر اسلام
کے ہراول یعنے مقدمۃ الجیش نہ خالد بن ولید تھے۔ نہ کوئی انکا فرضی و قومی برادر قیس بن عبد الرشید تھا جسکو دور ملک خراسان
سے بلایا جانا مان لیا ہے۔ مقدمۂ فوج کے افسر اسوقت عبیدہ ابن جراح تھے۔ اور خالد بن ولید کو میمنہ یعنے حصۂ فوج راست پر
رکھا گیا تھا۔ البتہ خالد بن ولید کی سمت داخلہ کے وقت بعض نادان مشرکین نے مزاحمت کی تھی جس میں تین اہل اسلام
اور تیرہ اہل شرک قتل ہو کر معاملہ ختم ہو گیا تھا۔ خالد کا کوئی برادر قیس نام خراسان میں نہ تھا جسکو امداد کے لئے بلایا جاتا۔ اور بعد
فتح مکہ ولا افغانستان جاکر اشاعت اسلام کرتا۔ آنحضرت صلعم کے زمانہ حیات بلکہ حضرت خلیفۂ اول کے ختم عہد تک ملک خراسان
سے کوئی موافقانہ یا مخالفانہ راہ و رسم ثابت نہیں ہے۔ حضرت عمر ہی وہ بزرگ تھے۔ جنکے زمانہ خلافت میں لشکر اسلام داخل ایران
ہو کر حدود خراسان تک پہنچا اور بتدریج اشاعت اسلام ان ممالک میں ہوئی ۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا

اہل خراسان اول صدی ہجری میں اسلام لانے سے بمقابلہ مغلوں کے مقدم الایمان ہیں۔ کیونکہ فرقہ مغل۔ جو اصلی
باشندے منچوریا اور منگولیا کے ہیں، آٹھویں صدی ہجری میں مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں۔ نیز قوم افغان نے ان عظیم نقصانات
میں کبھی کوئی حصہ نہیں لیا۔ جو گروہ مغول نے قبل قبول اسلام اور بعد پذیرائی اسلام کے ممالک اسلامیہ کو پہنچائے۔

خالد بن ولید فتح مکہ سے ماقبل محاربات میں ان مخالفین اسلام میں سے تھے جنکی جانکاہ سعی سے لشکر اسلام
معرکۂ احد میں مبتلائے جنگ مغلوبہ ہو کر بہت سے جانباز مہاجرین و انصار خصوصاً حضرت حمزہ بن عبد المطلب کو ہاتھ سے کھو بیٹھا تھا

آنحضرت صلعم کے انفجار لب وشہادت دندان مبارک کی نوبت اس نامرغوب جنگ میں آئی تھی بنفس الامر یہی امور تھے جنکے باعث آنحضرت اپنے چچا کے قتل کے سبب باوجود اسلام لے آنے کے حمزہ کے وحشی قاتل کا رخ دیکھنا پسند نہ فرماتے تھے اور حضرت عمر جیسے بے لاگ خلیفہ نے باآنکہ بعد قبول اسلام خالد بن ولید نے معاونت اسلام میں بہت کچھ تلافی مافات کی ، اُن کے صاحب اقتدار ہونے کو گوارا نہ کیا۔ المختصر خالد بن ولید نے ۲۱ھ ہجری میں بمقام حمص واقع شام انتقال فرمایا۔ اور وسط تیسری صدی ہجری تک اُن کی اولاد وہیں مقیم رہی جس کے دو سو سال قبل اہل افغانستان ایمان لاچکے تھے - ورنہ صاحب کتاب المعارف اگر اس کے وقت میں آل خالد داخل خراسان ہوئی ہوتی، بالضرور اپنی تاریخ میں تذکرہ کرتا ہم اسکی مختصر اصل عبارت یہاں درج کرتے ہیں جس سے تمام مرقومہ بالا قضایا کا پتہ لگجائیگا۔

ہو خالد ابن ولید بن المغیرہ من بنی مخزوم - ولم یشہد بدراً اولا احداً اولا الخندق - وکان فی ذالک کلہ مع المشرکین واسلم سن ثمان - ومات بحمص سنۃ احدی وعشرین، وکان لہ بالشام من الولد عدد کثیر۔ فقتل الطاعون منہم اربعین رجلاً۔[۱۵]

بخیال طوالت ہم اسی قدر تردید پر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ قوم افغان مسمیٰ خالد بن ولید یا اُن کے قومی برادر کی نسل سے نہیں ہے - ورنہ آدم کی اولاد میں سب ایک ہیں۔ محققین زمانہ حال نے قوم افغان کو ایشیا کی ممتاز نسل آرین میں سے شمار کیا ہے۔ کیونکہ لیڈ ریق یا تو افق السنہ پشتو کے تقیل التلفظ لفظ ڈوڈئی بمعنی روٹی اور راوڑ بمعنی لانا وغیرہ بتاتے ہیں کہ پشتو زبان سنسکرت کی شاخ ہے نہ کہ عبری یا عربی کی جنمیں کوئی ایسا فصیح نہیں پایا جاتا۔ اگرچہ ہمسائگی ایران کے باعث بہت سے فارسی الفاظ غلط تلفظ کے ساتھ پشتو میں شامل ہوگئے ہیں لیکن انکو مثل اُردو کے سمجھنا چاہیئے جسمیں ہندی افعال کے ساتھ بشمار فارسی و عربی الفاظ کا استعمال ہوگیا ہے -

اگرچہ اس جگہ تمام قوم افغان کے عروج وزوال پر بحث کیجاے تو مضمون طویل اور غیر متعلق ہوگا۔ اسلئے مخصوص اہل پنجاب کی نسبت رائے زنی کیجاتی ہے حسب بیان مولف تاریخ پالن پور یہ امر قرین یقین ہے کہ ہندوستان میں اہل اسلام کے تسلط کے بعد قوم افغان کے لوگ بذریعہ تجارت وسپاہگری مختلف صوبات میں پھیل گئے تھے۔ بنگالہ وبہار میں بھی وسط

---

[۱۵] ترجمہ۔ خالد بن ولید بن مغیرہ نسل بنی مخزوم میں سے تھے وہ بدر، احد اور جنگ خندق میں مسلمان نہوے تھے بلکہ ان تمام معرکوں میں کفار کے شریک حال تھے وہ ۸ھ میں اسلام لاے اور حمص میں ۲۱ھ میں مرگئے ملک شام میں منجملہ ان کی کثیر التعداد اولاد کے چالیس نفر طاعون سے ہلاک ہوئے ۔ ۱۲

چودہویں صدی عیسوی میں اُن کی معقول جمعیت موجود تھی۔ غالباً آخر چودہویں صدی عیسوی میں کوئی افغانی الاصل شخص بہار سے جالور واقع مارواڑ میں آرہا ہو جسکی اولاد بہاری پٹھان مشہور ہوئی۔ کیونکہ یہ لفظ تاریخ مارواڑ میں بھی میری نگاہ سے گزرا ہے۔ مولف تاریخ پالن پور کا عام طرز بیان غیر جنبہ دارانہ نظر آتا ہے جس میں وہ تکلفات مہمل اور تعلیات بتذل نہیں پائی جاتے جو ریاستی مورخین کے طرز بیان کا معمولی شیوہ ہوگئے ہیں۔ ایک ریاست کا متعلق و متوطن شخص اگر ایسی صاف بیانی پر عامل ہو تو واقعی قابل ستائش ہے۔ کسیقدر اس حصۂ بیان سے ہم متفق الرائے نہیں ہو سکتے جہاں مختلف مقامات پر اور ایک جگہ دیباچہ میں دربار شاہان سلف اور عالمگیر بادشاہ کی نسبت سخت الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ہم بتحقیق کہہ سکتے ہیں کہ قدیم مورخان اہل اسلام سے زائد راست نگار مورخ دنیا کی کسی قوم میں نہیں گزرے جنہوں نے خلفائے سلف سے لیکر سلاطین مابعد تک کے کاروبار پر نکتہ چینی میں دریغ نہیں کیا۔ سب سے زائد آرائش پسند دور ہندوستان کے فرمانروایان کا تھا جن میں ایرانی اور ہندوستانی تکلفات مضمر ہوگئے تھے۔ مگر ہم ہر جگہ دیکھتے ہیں کہ جہاں اکبر و شاہجہاں وغیرہ کا درباری تاریخ نگار بادشاہوں کی عظمت و سخاوت کا اظہار کر رہا ہے، وہاں شاہی فوج کی کسی جگہ ہزیمت و خسارت کو مطلق نہیں چھپاتا۔ ہزارہا نظائر ہر عہد میں موجود ہیں۔ بنظر طوالت اندراج سے گریز کیا جاتا ہے۔ شہنشاہ عالمگیر کا اپنے والد شاہجہاں کو قید کرنا جسکی نسبت دیباچۂ کتاب میں حوالہ دیا گیا ہے اور نیز جس پر بہت سے مخالفان اسلام تمسک و تضحیک کیا کرتے ہیں ہرگز حالت اسیری سے مشابہت نہیں رکھتا۔ شاہجہاں بادشاہ متعدد امراض مزمنہ میں مبتلا ہو کر حس و حرکت سے معذور تھے اور قلعہ آگرہ میں جہاں وہ ایام گزاری فرماتے تھے اسقدر عظمت و اقتدار رکھتے تھے کہ اگر عالمگیر وہاں قدم رکھتا تو ہرگز اسکی جان کی خیر نہ تھی دریں حالت شاہجہاں کے دم مرگ تک قائم رہی۔ یہ اصل معاملہ ہے جس پر ناواقف از احوال و مخالفان اسلام فضول استدلال کیا کرتے ہیں۔ سلطنت و ریاست وہ چیز ہے جسکے واسطے انسان بدتر سے بدتر ذریعہ حصول مطلب اختیار کرتا ہے۔ میں علانیہ بہ وثوق کامل کہتا ہوں کہ اسوقت راجپوتانہ کی قدیم و نامور ریاستوں میں جن سے بہتر نسل و اقوام میں کسی رئیس کو نہیں مانا جاتا متعدد والیان سفاک نظر آتے ہیں جنہوں نے اپنے باپ کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنے میں تامل نہیں کیا۔ سنہ ۱۴۶۹ء میں مہارانا کونبھا کو اُن کے بیٹے اودے سنگھ نے قتل کر کے حکومت میواڑ حاصل کی۔ سنہ ۱۶۶۸ء میں آنبیر کے مرزا راجہ جے سنگھ کو اُس کے فرزند کیرت سنگھ نے افیون میں زہر دیا۔ سنہ ۱۵۳۲ء میں مارواڑ کے نامور راجہ مالدیو نے طمع ریاست میں اپنے ضعیف باپ راو گانگا کو ہلاک کیا۔ سنہ ۱۷۲۴ء میں جودھ پور کے مہاراجہ اجیت سنگھ کو ان کے وارث بیٹے بخت سنگھ نے اپنے

ہاتھ سے قتل کیا یہ وہ مثالیں ہیں جو راقم نے تاریخی ثبوت سے پیش کی ہیں مخفی و ناگزاشتہ مظالم کا کہاں پتہ لگ سکتا ہے یہی وہ بخت سنگھ تھا جس نے بقول کرنل ٹاڈ مقام ناگور کے اسلامی مقابر و مساجد کو سوائے درگاہ خواجہ حمید الدین سلطان التارکین کے منہدم کر کے اپنے محلات تعمیر کرائے۔ کیا ایسی پدر کشیوں کے مقابل عالمگیر بادشاہ کا اپنے معطل از کار باپ کو بآرام قلعہ آگرہ میں محفوظ رکھنا نظر بند رکھنا جس سے بہت سے فتنہ و فساد کا سد باب تھا قابل معافی و نظر انداز ہی نہیں ہو سکتا؟ ستا سو سال کے عرصہ میں ایک بادشاہ بھی تخت دہلی پر ایسا نہ پایا جائے گا جس نے اپنے باپ کو قتل کیا ہو۔ چونکہ غیر اقوام بہ طنز و مبالغہ واقعہ اسیری شاہجہاں کو عالمگیر کے سر تھوپا کرتے ہیں اور تاریخ پالن پور میں بھی تقلیداً اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس وجہ سے مجھ کو موجہ طور پر اس کی تردید بمطابقت اعمال دیگر رئیسان کے کرنی پڑی جس کو امید ہے کہ انصاف پسند مولف تاریخ بھی تسلیم کریں گے۔

تاریخ پالن پور میں سنہ ۱۲۹۵ء کو جالور میں ہماری پٹھانوں کے داخلہ کا وقت لکھا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک اسی وقت یا اس کے قریب تر زمانہ کو صحیح مانا جاتا ہے۔ محمد تغلق شاہ اول کے جانشین برادر فیروز شاہ تغلق کے زمانہ عہد میں اکثر صوبہ جات بعیدہ نے خود مختاری کا آغاز کیا۔ سنہ ۷۹۳ ہجری مطابق سنہ ۱۳۹۲ء میں فیروز شاہ مذکور کے فرزند محمد تغلق ثانی نے ظفر خان ولد وجیہ الملک کو جو راجپوتوں کی تانک شاخ یعنی ناگ بنسی نسل میں سے نو مسلم تھا گجرات کی صوبہ داری عطا کی۔ وجیہ الملک کا اصلی نام قبل مسلمان ہونے کے سہارن تھا۔ غالباً اس کے نام پر صوبہ جات متحدہ حال کا شہر سہارن پور آباد ہوا۔ تاریخ پالن پور جلد اول کے صفحہ ۸۲ میں سنہ ۱۳۹۴ء سے سنہ ۱۶۸۶ء تک رئیسان جالور کا تعلق ماتحتی شاہان گجرات کے ساتھ لکھا ہے۔ ہمارے خیال میں ہماری پٹھانوں کا توطن جالور و تعلق ماتحتی گجرات قریب تر اسی زمانہ کے پندرھویں صدی عیسوی کے آغاز میں ممکنات سے ہے جبکہ ناگور و جالور کو جداگانہ ریاستی استحکام حاصل ہوا۔ کیونکہ چند سال بعد ظفر خان نے سنہ ۸۰۹ ہجری میں بخطاب مظفر شاہ جلوس فرمایا کر اپنے چھوٹے بھائی شمس خان دندانی کو ملک جلال خان گکھڑ کے عوض قلعہ و ضلع ناگور جاگیر میں دیا تھا۔ اور اسی کے اقرب الاوقات میں جالوری پٹھانوں کو جداجالور ودیعت ہونے کے باعث مارواڑی راجپوتوں کے ساتھ بیشتر اوقات معارضات پیش آئے ہیں باوجود مقارنت ایک ایک صدی کے اندر وہ اس قدر مقتدر اور صاحب اثر ہو گئے تھے کہ رئیسان جودھ پور کے ساتھ معرکہ آرائی میں پہلو تہی نہیں کرتے تھے چنانچہ سنہ ۱۴۰۲ء میں راؤ سانتل والی مارواڑ جس کے نام پر مقام سانتل میر آباد ہوا اور جو نامی راؤ جودھا بانی جودھ پور کا خلف اکبر و جانشین تھا بمقام ہمیران پٹھانوں سے جنگ آزما ہوا۔ تاریخ مارواڑ کا بیان ہے کہ اگرچہ پٹھان لوگ بعد مقابلہ شکست میدان سے روکش ہوئے لیکن راؤ سانتل کو بھی اسی لڑائی میں اپنی جان قربان کرنی پڑی۔

اس زمانہ ورود جالور کے تعین و تجسس میں جو خامہ فرسائی مولف کتاب نے کی ہے اس سے زائد کوئی ریاستی مورخ قلم نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ایسی دشواریوں کی مورخ و محقق ہی قدر کر سکتے ہیں۔

جلد اول کے صفحہ ۸۲ میں غزنی خان ثانی کی مسند نشینی اور اکبر بادشاہ کی اطاعت پذیری ۱۵۷۶ء میں مرقوم ہے اور کتب عہد مغلیہ میں ۱۵۸۳ء میں سروہی کے راؤ سلطان اور تاج خان جالوری کی بغاوت درج ہے جس کے دفعیہ پر بادشاہی بارگاہ سے سردار ترسون خاں اور راؤ رائے سنگھ بھیجا گیا تھا۔ بعد مقابلہ فوج کے راؤ سلطان اور تاج خان جالوری نے بادشاہی اطاعت قبول کی۔ غالباً یہ تاج خان کوئی ہماری پٹھان رئیسان جالور کے اعزا میں سے ہوگا جو برخلاف اپنے اقارب خاندانی کے راؤ سلطان کی صحبت و موافقت میں اسکا شریک حال بن کر سلطنت سے مخالف ہوا۔ اور پھر اسکو راؤ سلطان کی ہمراہی میں بصورت اطاعت حاضری دینی پڑی۔ سروہی کا راؤ سلطان جب دوبارہ دربار اکبری سے منحرف ہوا تو ۱۵۸۸ء میں بحکم بادشاہ سروہی پر سردار اعتقاد خاں مع فوج بھیجا گیا جس نے راؤ سلطان کو ریاست سے خارج کر کے مہاراج جگمال سنگھ برادر رانا پرتاپ سنگھ کو وہاں قابض کرا دیا۔ اسوقت اعتقاد خاں کے ہمراہیوں میں ایک شخص محمود خان جالوری بھی موجود تھا جو شاید رئیس جالور کی جانب سے یا بطور خود بادشاہی فوج کا شریک حال تھا۔ یہ واقعات ہماری پٹھانوں کی مطیعانہ وابستگی کو مغلیہ سلطنت کے ساتھ ثابت کرتے ہیں۔

تاریخ پالن پور جلد اول کے صفحہ ۱۱۳ میں درج ہے کہ "مجاہد خان ثانی نے اپنے والد فیروز خان کے انتقال کے بعد ۱۶۳۳ء کے آغاز میں مسند نشین ریاست ہو کر بجائے جالور، پالن پور کو اپنا دار الریاست مقرر کیا" اور ۱۶۶۳ء میں مجاہد خاں کے بحالت لاولدی انتقال کرنے کا واقعہ بھی اسی باب کے اخیر میں مرقوم ہے۔ اس واقعہ سے باستثنائے سنہ و سال کے ہمکو بالکلیہ اتفاق ہے اور ہماری پٹھانوں کی مستقلہ و یکجائی حکومت جالور و پالن پور کسی معتبر ثبوت[1] کی حاجت رکھتی ہے۔

---

[1] چونکہ مولانا فیضی صاحب علمی دنیا میں بہت بڑا پایہ رکھتے ہیں اسلئے آپ کے ریمارک کے متعلق تعریفی نوٹ لکھکر اصلی واقعات پر روشنی ڈالنے کا ارادہ کرنا داخل گستاخی ہے۔ نظر بریں اس بحث سے کنارہ کش ہو کر صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ تاریخ پالن پور جلد اول کے سولھویں اور سترھویں باب کے ملاحظے سے وہ تمام شکوک ناظرین باریک بین کے دلوں سے رفع ہو جائیں گے جو بظاہر مولانا کی نکتہ چینی سے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ۱۲

خاکسار۔ گلاب میاں

البتہ شروع پندرہویں صدی عیسوی سے آخر سترہویں صدی عیسوی تک انکا قیام وتسلط بذریعہ کتب معتبرہ قلعہ وعلاقہ جالور میں پایا جاتا ہے اور آخر سترہویں صدی عیسوی میں بفرمان عالمگیر بادشاہ جالور کے عوض ان کو پالن پور کی ریاست ملنا تحقیق بالتوثیق ہے جسکا مختصر بیان یہ ہے کہ وسط سترہویں صدی عیسوی میں مارواڑ کے مہاراجہ جسونت اول نے مقام جمرود سرحد کابل پر جہاں وہ بحکم بادشاہ متعین تھا، رحلت کی تو عالمگیر بادشاہ نے راٹھوروں کی عدول حکمی کے سبب کہ بلا اجازت ریاست کو چلے گئے، ریاست جودھپور کو ضبط کر لیا۔ جسونت سنگھ کا بیٹا اجیت سنگھ سروہی کے پہاڑوں میں مخفی رہکر جنوبی مارواڑ۔ جالور و سانچور کے علاقہ میں غارتگری کیا کرتا تھا۔ سنہ ۱۶۹۷ء میں درگداس راٹھور کی اطاعت پذیری وسفارش پر اجیت سنگھ کا قصور معاف ہوکر بادشاہی طرف سے جالور و سانچور کی جاگیر دو سال بعد بوجہ قرب وطن اسکو مجاہد خان جالوری سے تغیر پا کر حوالہ کی گئی اور نواب مجاہد خان کو بعوض جالور کے پالن پور کی جاگیر سنہ ۱۶۹۹ء میں عطا ہوئی کیونکہ اس زمانہ میں بادشاہ بذاتہ دکن کے بغرض استیصال فساد مرہٹہ میں مصروف تھے اور ایک مسلمان جاگیردار کا جالور واقع راجپوتانہ میں جسکے گردوپیش لاکھوں راجپوتوں کا اجتماع تھا مسکن وقیام قرین مصلحت نظر نہ آتا تھا۔ یقیناً پالن پور کے علاوہ ہندوستان کی کوئی اسلامی ریاست عالمگیر بادشاہ کے خاتمہ عہد سے پہلے کی نہیں ہے۔ مہاراجہ اجیت سنگھ کا حال عطائے جاگیر اور نواب مجاہد خاں کا تذکرہ تبدیل جاگیر سے کتاب مآثر عالمگیری تصنیف محمد ساقی مستعد خان میں درج کیا ہے جو اس زمانہ میں بادشاہ عالمگیر کا میر منشی تھا اور جس نے بادشاہ کی پنجاہ سالہ سلطنت کے چشم دید واقعات کو قلمبند کیا ہے۔ غرضکہ ہماری رائے میں آخر سترہویں صدی عیسوی زمانہ حیات نواب مجاہد خان ثانی اور استقرار ریاست پالن پور سے ایک نیا دور قائم ہوتا ہے جو اسوقت تک مسلسل علی حالہ پائدار چلا آتا ہے۔

رئیسان پالن پور کے آبا و اجداد جو لوحانی اور بہاری پٹھان کہلاتے ہیں اسوقت سے پانسو سال قبل ابتدائے پندرہویں صدی عیسوی میں صوبہ بہار وغیرہ سے بحالت نقل مکان راجپوتانہ میں وارد ہوکر بمقام جالور جو مارواڑ کے جنوبی غربی حصہ میں واقع ہے، سکونت پذیر ہوئے اور شاہان صوبہ گجرات کے عہد میں انھوں نے قلعہ وپرگنہ جالور بامداد بازو حاصل کرکے سردارانہ حیثیت قائم کر لی۔ اگرچہ وہ متعدد بار راجپوت راجگان مارواڑ کی قوت اجتماعی کے باعث اپنے مامن ومقر سے علیحدگی پر مجبور ہوئے لیکن جب کبھی وقت نے یاری دی انھوں نے اپنے قیام کی بازگیری میں قصور و کوتاہی نہ کی۔ ایسے حوادث ناگزیر دیگر بزرگان نامی را مثل مارواڑ اور میواڑ کو بھی پیش آئے ہیں چنانچہ مہارانا ادے سنگھ و پرتاب سنگھ افواج قاہرہ اکبری کے زور سے سالہا سال تک اپنے مستحکم قلعہ ومکانات چتوڑ وادے پور سے علیحدگی میں پراگندہ پھرتے رہے ہیں اور یہی صورت راؤ چندرسین کو بعہد اکبری دا

مہاراجہ اجیت سنگھ کو بزمانہ عالمگیری جبکہ جودھپور اٹھائیس سال ضبط رہا پیش آئی۔ الغرض تین سو سال کے قریب بزرگان رئیس پالن پور قلعہ و ضلع جالور و سانچور بریہ گزات و مراتا الک بنے رہے۔ بمقابلہ دیگر راجپوت رئیسان کے جنکے ہمقوم معاون و مددگار لاکھوں کی تعداد میں ہر گوشہ و کنار ملک میں پھیلے ہوئے تھے، ہماری پٹھانوں کا ایک غیر جنس گروہ اور غیر مالوف ملک میں اپنی رئیسانہ حیثیت و خصوصیت کو قائم رکھنا اُن کی بے نظیر جلاوت و خوش تدبیری کی دلیل ہے۔ حالانکہ ڈہائی سو سال تک ہندوستان میں مغلوں کی علی التواتر حکمرانی رہنے پر اُن میں کا ایک بھی صاحب سلاحی مسلمان رئیس اس وقت تک تمام ملک میں نہیں پایا جاتا۔

تین سو سال تک ریاستداری جالور کے بعد آخر ستر ہویں صدی عیسوی میں جبکہ بحکم عالمگیر بادشاہ ہماری پٹھانوں کو جالور کے عوض پالن پور عطا ہو کر تبدیل جاگیر و مقام کرنا پڑا۔ تو اس دو سو سال سے زائد عرصہ میں بھی باوجود انقلابات سلطنت و تاراجی حملات اہل دکن کے انکا اپنے جدید الوطن مرکز ریاست کو ہاتھ سے نہ دیکر سایہ ابد پایہ سرکار نصفت شعار برطانیہ کی تقویت حفاظت حاصل کرنا کچھ کم مقام حیرت و استعجاب نہیں ہے۔ بہرحال ہماری پٹھانوں کی ہر دو مقامات کی مجموعی ریاستداری کو جہاں اُنھوں نے نہ تقلید یا تمثیل اکبری اکثر راجپوت زمینداروں کی لڑکیاں لے کر رشتہ و پیوند بھی کیا / اسوقت تک کامل ۵ صد پانصد سال اور جدید مقام پالن پور پر متمکن ہوئے کو بھی زائد از دو صد سال منقضی ہوئی ہے۔ اس کے مقابل ہندوستان کی بڑی اور چھوٹی صاحب سلامی جمیع اسلامی ریاستیں جنکا شمار ستر ہے اور جن کی بنیاد و حکومت و ریاست ہمکو بہ تحقیق دریافت ہے، جدید العہد و قریب العہد نظر آتی ہیں۔ اس شرف دیرینگی ریاست کے علاوہ جس پر بہ مقولہ الشرف للمقدم بالعموم رؤسا ہند کو خیال افتخار ہوا کرتا ہے، موجودہ فرمانروائے پالن پور زبدۃ الملک ہز ہائنس دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ بہ اوصاف اسلاف خود زمرۂ حکمرانان سرکار برطانیہ کے ساتھ اخلاص گزینی میں اور بلا امتیاز قوم و ملت اپنی ہر جنس رعایا کے ساتھ معدلت آگینی میں قابل تقلید رئیس ہیں۔ ان کی محتاط معاشرت کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ بفضل ایزدی ان کے ایام حکمرانی کو پینتیسواں برس اور مدارج زندگانی کو اکسٹھواں سال ہے جس حد تک ہمارے ایشیائی مچھو لہو و لعب رئیس بہت کم پہنچتے ہیں۔ خدا لایزال انکے عمر و اقبال کو بدرجہ کمال پہنچا کے ۵ صد و سٹھ سالہ ریاست کو ہزار سالہ بنائے۔ ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد۔

محمد عبید اللہ فرحتی

۱۵ رفروری ۱۹۱۲ء ازنگینہ

تقریظ

از نتیجۂ فکر جناب مولوی محمد عبد الرزاق صاحب مصنف البرامکہ وغیرہ

حدیث لعل ترا گرچہ مختصر دانم
غنیمت است کہ از غیر بیشتر دانم

ایک زمانہ وہ تھا کہ چمنستانِ اسلام کے پھولوں کی مہک سے مشام عالم معطر تھا۔ اسکے خیابان فضل و کمال سے گلاب کی قلموں کی طرح، علمی شاخیں، اطراف عالم میں جاتی تھیں۔ اور سنگ لاخ زمینوں میں بھی سرسبز ہو کر نہال بارآور بن جاتی تھیں۔ مسلمانوں کے تمدن و معاشرت کی نقل، سرمایہ تہذیب تھی۔ ہلال اسلام کی نورانی شعاعیں، فاران (مکہ معظمہ کا پہاڑ) کی گھاٹی سے فرانس اور اسپین (اندلس) کی پہاڑی چوٹیوں تک جلوہ افگن تھیں۔ فاروق اعظم، سیف الاسلام خالد، حیدر کرار، ابو عبیدہ، سعد، موسیٰ اور طارق، کی فتوحات سے قیصر و کسریٰ کو دل ہلتے تھے۔ توحید کی اشاعت میں عقبہ بن نافع کا جوش دیکھو، مشرق اقصیٰ میں طرابلس فتح کر کے مراکو سے آگے قدم بڑھاتا ہے۔ اور بحر ظلمات (اٹلانٹک) میں داخل ہو کر کہتا ہے! خداوندِ ذو الجلال! تو عالم الغیب ہے، اگر سمندر کی لہریں میرے گھوڑے کی رفتار کو سست نہ کر دیتیں، تو تیرے مقدس نام کی منادی کرتا ہوا سمندر کے اس پار چلا جاتا۔ العظمت للہ! چنانچہ اسی دلیرانہ عزم اور شجاعت فطری کا اثر تھا کہ چند سال میں اسلام اپنے مرکز عرب سے نکل کر عراقین، شامات، ترکستان، ماوراء النہر، کوہستان، میں چھا گیا تھا۔ ساری دنیا اسلام کا کلمہ پڑھتی تھی اور اسی مضمون کی طرف ایک نامور مورخ اسلام اپنی نظم میں اشارہ کرتا ہے ؎

وہ قوم کہ جان تھی جہاں کی — جو تاج تھی فرق آسماں کی
تھے جس پہ نثار فتح و اقبال — کسریٰ کو جو کر چکی تھی پامال
گل کر دیئے تھے چراغ جسنے — قیصر کو دیئے تھے داغ جسنے
وہ شیر کہ خونفشاں کہ جبل پر — ٹھیرا تھا فرانس کے جگر پر
روما کے دھوئیں اڑا دیئے تھے — اٹلی کو کھنڈروں میں جھنکا دیئے تھے

اور یہی نہیں کہ ہم صرف تلوار کے دھنی تھے۔ بلکہ ایک ہاتھ میں پر زور قلم بھی رکھتے تھے۔ السیف والقلم توامان۔ ہماری ہی شان تھی۔ یعنی ؎

با اینہمہ جاہ و شوکت و فر	اقلیم ہنر بھی تھا مسخر
ہیئت میں بلند پایہ اسکا	تھا فلسفہ زیر سایہ اس کا
جو فلسفیان ہند و چین تھے	خرمن سے انہی کے خوشہ چیں تھے

یہ سب کچھ تھا۔ لیکن قوم کی موجودہ حالت تو یہ کہہ رہی ہے کہ ہم کچھ بھی نہ تھے۔ اور ہمارے حریف ہم کو مخاطب کر کے کہتے ہیں[۱]

اِنْ اِفْتَخَرْتَ بِآبَاءٍ مَضَوْا سَلَفًا

قُلْنَا صَدَقْتَ وَلٰكِنْ بِئْسَ مَا وَلَدُوْا

اقوام عالم کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ اور بطور اصول موضوعہ ہم کو بتا رہی ہے کہ اوج کمال سے گری ہوئی قوموں کا آفتاب اقبال، دوبارہ نہیں نکلتا۔ دیکھو اور عبرت پذیر ہو کہ یونان کو سکندر، روم کو جولیس سیزر، ایران کو کیقباد، بابل کو بخت نصر، عرب کو فاروق اعظم، مصر کو صلاح الدین، ہندوستان کو اکبر صرف ایک مرتبہ ملا۔ وہی آسمان ہے۔ وہی زمین ہے۔ وہی گردش لیل و نہار ہے۔ مگر ہیچ!

حکمائے متقدمین کے مقولے کے مطابق تو مسلمان اپنی گزشتہ عظمت کو واپس نہیں لا سکتے۔ مگر عہد جدید کے فلاسفر کہتے ہیں کہ نہیں، قدیم عظمت کا تذکرہ، اور سلف کی تاریخ بگڑی ہوئی قوم کی اصلاح کر سکتی ہے۔ اور نئی نسلوں کے جذبات کو ابھارتی ہے۔ انگلستان کی تاریخ پڑھو اور دیکھو کہ یہ قوم ابتدا میں کس قدر پست اور کس قدر جاہل تھی۔ لیکن رومۃ الکبریٰ (روما) کی قدیم عظمت کی داستان نے اس قوم میں ایک نئی روح پھونک دی اور آج مہذب دنیا میں وہی سب کی سرتاج ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ مسلمان بھی اپنی قدیم تاریخ کے صفحات دہرا رہے ہیں۔

جبتک دنیا میں قصر الزہرا، بیت الحمراء (اندلس)، لال قلعہ، اور تاج محل (دہلی۔ آگرہ) باقی ہیں۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم سلاطین اندلس اور سلاطین مغلیہ کو بھول جائیں۔ ممکن ہے کہ یہی آثار قدیمہ ہمارے لئے دلیل راہ ہوں۔ خدا کرے کہ مسلمان اپنی قومی تاریخ اور اپنے اسلاف کے تذکروں کو اخذ نتائج کے لحاظ سے پڑھا کریں اور محض ناول و افسانہ خیال نہ کریں اگر یہ صفت پیدا ہو جائے گی

---

[۱] ترجمہ: ہاں وہ صاحب! بیشک تم کو اگر اپنے اسلاف پر ناز ہے، تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ضرور ایسے ہی تھے۔ مگر اولاد بری چھوڑ گئے۔

تو یہی کتابیں ہمارے لئے آبحیات اور امرت ہیں۔ اور خدا کا شکر ہے کہ ہندوستان میں اب تاریخی ذخیرہ اُردو میں فراہم ہو رہا ہے جسکی ایک نظیر ریاست پالن پور کی تاریخ بھی ہے۔ جو اسوقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اور جسکے مصنف سید گلاب میاں صاحب میر منشی ریاست ہیں۔ ٹائٹل پیج کے بعد سب سے اول مصنف کے خوبصورت چہرہ پر نظر پڑتی ہے جس میں عالم شباب کی جھلک اور متانت و تہذیب کا جلوہ نظر آتا ہے۔ اسکے بعد تمہید کا سنہرا ورق ہے۔ پھر مولوی سید [illegible] میاں صاحب مرحوم متخلص بہ گلشن کا تذکرہ ہے۔ یہ وہ نامور بزرگ ہیں جنہوں نے اول ریاست کی تاریخ لکھنا شروع کی تھی۔ لیکن ختم تاریخ سے پہلے قضا و قدر نے اُن کی حیات کا ورق پلٹ دیا اور کتاب ناتمام رہی۔ صرف دیباچہ یادگار ہے جسکو مصنف نے تبرکاً درج کر دیا ہے اور اسی داغ بیل پر گلاب میاں صاحب نے جدید عمارت بنائی ہے۔"

اس دیباچہ کے بعد مصنف نے خود ایک تمہیدی مقدمہ لکھا ہے جس میں تاریخ پالن پور کے ماخذ اور تاریخی روایات کا تذکرہ ہے۔ چنانچہ آئین اکبری۔ طبقات اکبری، اکبرنامہ، بدایونی، تاریخ سلاطین گجرات اور برٹش عہد کے فرامین و گزیٹیر اور اسلامی عہد کے اسناد و فرامین کا ذکر ہے۔ اور یہ معتبر ماخذ ہے۔ اسکے بعد ملک کے چارنوں (بھاٹ) کبیشروں کی پوتھیوں اور کتبوں اور دوسروں سے مدد لی گئی ہے اور صحیح روایت کو لے لیا ہے۔ اور مقدمہ کا خاتمہ میاں خیل لوہانی اور اسکی منشور شاخ ابا خیل کے سرداروں پر کر دیا ہے۔ جنہوں نے سلاطین گجرات کی حمایت میں علاقہ جالور (مارواڑ) پر قبضہ کیا۔ جالور کے متعلق ۰۰۰ دیہات تھے جسکی پوری صراحت ایک نقشہ میں موجود ہے۔ یہ مقدمہ ۱۱۴ صفحات پر ختم ہو جاتا ہے اور جلد اول شروع ہوتی ہے۔ اس جلد میں ۱۷ حکمرانوں کا تذکرہ ہے جن میں سے ۱۲ نوابوں کے حالات محض معمولی ہیں جس میں حالات تخت نشینی اور باہمی جنگ و جدال کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پہلا حکمراں ملک خرم خاں یا ملک یوسف خان ہیں۔ اور ابتدا ریاست کی ۶۹۷ھ (۱۲۹۷ء) سے ہوتی ہے۔ جو بفضلہ آجتک قائم ہے۔ اس جلد میں دیوان عثمان خان (پانچویں رئیس) کی سوانحعمری اقبال و ادبار کا مرقع ہے۔ ایک زمانہ میں افلاس کا یہ عالم تھا کہ ایک گاڑی (دکٹوریہ فٹن اور لینڈو کا ذکر نہیں ہے دیہاتی چھکڑا مراد ہے) کے کرایہ پر بسر اوقات ہوتی تھی۔ غریب گاڑیبان، غلام بھی تھا، خدمتگار بھی تھا، باورچی بھی تھا، اور رفیق مصاحب بھی تھا اور یہی غریب ایکدن جنگل میں لکڑی کاٹ رہا تھا کہ خزانہ نکل آیا اور حضرت موسیٰ کی طرح قسمت چمکی، دربار گجرات کی خدمات کیں۔ علاقہ جالور میں ۳۹۳ دیہات کا اضافہ ہوا اور ملک سے زبدۃ الملک ہوگئے۔ اسکے بعد غزنی خان ثانی (بارہویں حکمران) کے حالات قابل مطالعہ ہیں جنہوں نے محاصل ملک کو ۱۰ لاکھ تک پہنچا دیا تھا اور فوج خالصہ کے علاوہ سات ہزار سوار جاگیری قاعدہ سے ماتحت تھے۔ اب جلال الدین اکبر اعظم کا

زمانہ تھا۔ نواب نے عبدالرحیم خانخاناں کے تیور نہ پہچانے اور ان بن ہوگئی۔ جسکے سبب عرصہ تک دہلی میں قید رہے۔ چونکہ
محل میں ہندو رانیاں، نواب کی خسرالی رشتہ دار تھیں لہذا جودھا بائی کی سفارش آڑے آئی اور قید سے رہائی پائی۔ اقبال چمکا
اکبر نے اپنی رضاعی بہن بانو بیگم سے عقد کر دیا۔ اب سانچور جالور کے ساتھ پالن پور، ڈیسہ، وانتی واڑہ وغیرہ چار پرگنے بیگم کے
جہیز میں آئے اور ریاست کا رقبہ بڑھ گیا۔ اسی طرح گیارہویں حکمران ملک خان کی زندگی بھی بابر کے حالات سے مشابہ ہے۔
اور سولہویں رئیس کے حالات میں عالمگیر کے شکاری چیتوں کا تذکرہ دلچسپ ہے۔

شمالی گجرات میں فرقہ مہدویہ کا زور ہے اور مسلمانوں کے بہت سے خاندان بہائی، اولاچی، پولادی، ملتانی وغیرہ اسی
مذہب کے مقلد ہیں مگر بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس فرقہ کے امام کون تھے مصنف کا احسان ہے کہ اسنے تفصیل سے
فرقہ مہدویہ اور ان کے شیوخ کا ذکر کیا ہے چنانچہ امام موعود و مہدی آخرالزماں حضرت سید محمد جونپوری تھے ملک میں جابجا سجادے
آجتک قائم ہیں۔ اس فرقہ میں ائمہ اہل سنت کی تقلید کیجاتی ہے جس میں ترک و توبہ، ذکر دوام، ترک دنیا و علائق دنیا، عزلت خلق
ہجرت وطن کی تعلیم دیجاتی ہے۔

اسی جلد میں بادراجی کلوٹے چارن کی اولاد کا ایک مرقع ہے جس طرح اس فرقہ نے فرمان روایان پالن پور کو زندہ
جاوید بنا رکھا ہے۔ اسی طرح گلاب میاں نے اپنی نثر کے قصیدہ اور عکسی تصویر سے ان چارنوں کو زندہ کیا ہے جس کے
شکریہ اور احسان سے یہ چارن کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے ہیں۔ انکا علم حصول سینہ بسینہ تھا اور مصنف نے داخل سفینہ کیا ہے
صفحہ ۱۵۲ پر جلد اول ختم ہو جاتی ہے۔

دوسری جلد میں دس فرمانرواؤں کا تذکرہ ہے جس سے چوتھے دیوان بہادر خان کی زندگی اپنی نسلوں کے لئے
ایک آئینہ ہے اور قابل عبرت ہے۔ اسی نواب نے محض حصول زر کے لئے ایک ساہوکار و فقیر پر سات سو روپیہ جرمانہ کیا
قصور یہ تھا کہ چلتی کے لئے آم کی چار کیریاں توڑی تھیں جب پولس نے فقیر پر جبر کیا تو ہندوؤں نے چندہ کر کے زر جرمانہ داخل
کر دیا۔ اور یہی غرض جرمانہ کی تھی۔ اسی طرح کا ایک یہ واقعہ ہے کہ بتقریب دورہ ریاست ایک کاشتکار نے دعوت کی اور حسب
حیثیت سامان کیا۔ جب دوسرے سال اسکے کھیت پر گذر ہوا تو پھر دعوت کی فرمائش ہوئی۔ تیسرے سال کے دورہ
میں ارشاد ہوا کہ ہمارے ساتھ ایسے غریب بھی شریک دسترخوان ہوتے ہیں۔ لہذا مفت خوروں کے کھلانے سے یہ بہتر
ہے کہ تم زر نقد دیدو۔ یہی نواب ہے کہ جسنے مرہٹہ قوم کے سالانہ ٹکس ادا کرنے کے لئے ان لوگوں پر ٹکس لگا دیا جو پیری مریدی

کرتے تھے باوجود ان خفیف الحرکاتی کے دیوان بہادر خان ایک اچھی مدبر تھی۔ مرتے وقت ۱۱۵۹۶۱ کروپیہ نقد خزانہ میں چھوڑا اکبر کی پالیسی کے مطابق مختلف خاندانوں میں ۱۲ شادیاں کی تھیں جن میں سے سات ہندو رانیوں کے نام مصنف نے لکھے ہیں۔ اسکے علاوہ رسوم شادی اور غمی کی بھی صراحت کی ہے۔ اور ہم خوش ہیں کہ مصنف نے کوئی واقعہ نہیں چھوڑا اور ہر جگہ تاریخ نگاری کا حق ادا کیا ہے۔ اس جلد کے پڑھنے سے عام طور پر ایشیائی ریاستوں کے توڑ جوڑ خودغرضی اور رشوت ستانی کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ آخری صفحہ اس جلد کا ۴۰۰ ہے۔

تیسری جلد تمام کتاب کی روح رواں ہے جس میں فرمانروائے حال عالیجناب زبدۃ الملک ہز ہائنس دیوان نواب سر شیر محمد خان بہادر جی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ والی ریاست پالن پور خلد اللہ ملکہ کی تاریخ اور سوانح عمری ہے۔ اس حصہ میں تمام ملکی انتظامات پر ریویو کیا گیا ہے اور ہر حیثیت سے مکمل ہے۔ اور اس ریویو کے خاتمہ پر ہمکو یہ بھی کہنا ہے کہ اس کتاب کی اردو قابل تعریف ہے اور یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ مصنف شمالی گجرات کے رہنے والے ہیں جنکی مادری زبان گجراتی ہے۔

جس اہتمام سے یہ کتاب چھپی ہے وہ اپنی آپ نظیر ہے۔ کاغذ درجہ اول کا ہے۔ اور مالک مطبع نے کوئی دقیقہ حسن بڑھانے میں باقی نہیں رکھا ہے اور تمام کتاب میں متعدد فوٹو ہیں۔ نقشہ پالن پور اور شجرہ نسب بھی چھپا ہے جو بڑے اہتمام سے تیار کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ ملک بھی اس کتاب کی قدردانی کرے۔ اور گلاب میاں کی تاریخ درازی عمر میں گلستان سعدی کے ہم پلہ ہو اور یہ بھی آرزو ہے کہ ریاست کے مسلمان علمی ترقیاں کریں۔ کیونکہ اس وقت ان کے ہاتھوں میں کوئی اعلیٰ درجہ کا عہدہ نہیں ہے اور ادنیٰ خدمات پر مستقر ہیں۔

خاکسار

محمد عبدالرزاق

کانپور

۳۰ جنوری ۱۹۱۲ء

التماس ضروری

للہ الحمد کہ ٹھکانے لگی محنت میری
طے ہوئی آج کی منزل ہیں مسافت میری

خدا کی جناب میں لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تاریخ پالن پور کی چھپائی کا کام آج اختتام پذیر ہوا۔ معزز ناظرین! مورخ بننے کے لئے جس دل و دماغ کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ مجھ جیسے نااہل اور ہیچمدان کے پاس کہاں! لیکن اپنی کمائی کا ماحصل آپکے سامنے رکھ دیا ہے۔ واقعات کی تحقیق، معاملات کی تصدیق اور ہر قسم کی چھان بین میں حتی المقدور کسر نہیں کی تاہم میری علمی کمزوری اور تقاضائے بشریت کے سبب اگر اہلِ بصیرت کی نگاہوں میں کوئی غلطی نظر آئے تو چشم پوشی کی امید ہے۔

میں نے جو کچھ کیا ہے اسکو اپنا فرض سمجھ کر کیا ہے مگر باوجود ضخیم ہونے کے اس کتاب میں یہ کمی باقی رہ گئی ہے کہ ہز ہائنس کے ذاتی حالات بہت ہی اختصار کے ساتھ اسمیں داخل کئے گئے ہیں لیکن یہ اختصار میرا دانستہ ہے کیونکہ اگر زمانہ نے موقع دیا اور زندگی نے وفا کی تو ارادہ ہے کہ ہز ہائنس کی لائف علیحدہ کتاب کی صورت میں ترتیب دونگا اور اسمیں وہ تمام باتیں لکھونگا جن سے فی الحال بخوف طوالت قصداً گریز کی گئی ہے۔

ہماری ریاست کے روشن خیال اور علم دوست ولیعہد بہادر نے میری مؤلفہ تاریخ پر سے یہاں کی ملکی زبان گجراتی میں ایک مبسوط تاریخ ترتیب دیکر چھپوانے کا ارادہ فرمایا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نقش ثانی میں میری فروگذاشتیں بھی ولیعہد بہادر کے قلم سے پوری ہو جائیں گی اور یہ گجراتی تاریخ پالن پور ان تمام خامیوں سے پاک ہوگی جنکا ہونا میرے دامنِ تالیف پر کسیقدر ممکن ہے کیونکہ آپکو وہ مشکلات ہرگز نہیں پیش آسکتیں جو میرے لئے اکثر اوقات پیش آکر سدِ راہ بن چکی ہیں۔

مقام دار الریاست پالن پور
۱۵ مئی سنہ ۱۹۱۴ء

خاکسار
گلاب میاں عفی عنہ